JALALI BOOKS
مکلی نامہ
مصنف
میر علی شیر قانع
تصحیح و حواشیہ
پیر حسام الدین راشدی
مترجم
ڈاکٹر نواز علی شوق
سندھی ادبی بورڈ

مکلی نامہ

مصنف

میر علی شیر قانع

تصحیح و حواشیہ

پیر حسام الدین راشدی

مترجم

ڈاکٹر نواز علی شوق

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو، سندھ
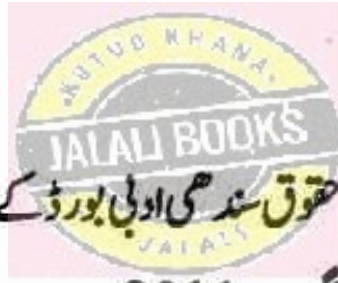
2011ء
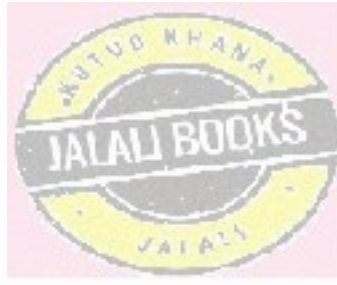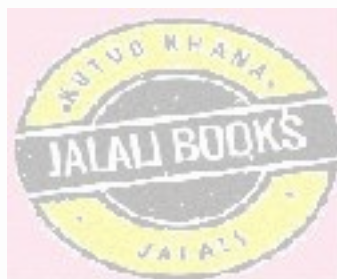
یہ کتاب پیر حسام الدین راشدی کی صد سالہ یوم پیدائش
کے سلسلے میں طباعت پذیر ہوئی۔

فہرست

پبلشر نوٹ

مکلی کا قبرستان مشرق کا سب سے بڑا قبرستان مانا جاتا ہے، جس میں ارغون، ترخان اور مغلیہ دوَرِ حکومت کے تقریباً ایک صدی سے بھی پہلے کی عظیم شخصیات کے مقبرے اور مزاریں ہیں، جس میں فاتح، قابض، عالم، مفکر، ادیب، شاعر، درویش اور خاص و عام شامل ہیں۔

مکلی کے قبرستان کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے سندھ کے عظیم محقق اور شاعر میر علی شیر قانع نے ایک مختصر اور جامع کتاب "مکلی نامہ" فارسی زبان میں تصنیف کی۔ جس میں مکلی کے قبرستان میں دفن کیئے ہوئے شخصیات کا احوال اُن کی مزاروں کی جگہ، سن اور واقعے (قصے) قلمبند کیے ہیں، جو کہ سندھ کی تاریخ کے ایک دوَر کا اہم اور مستند دستاویز ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بالخصوص سندھ کی تاریخ کے ایک باب کو محفوظ کرنے کیلئے سندھ کے نامور تاریخدان جناب پیر حسام الدین راشدی نے تصحیح اور حاشیے کے ساتھ اس تاریخی دستاویز میں کچھ اضافے اور دُرستیاں کر کے سن ۱۹۶۷ء میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع کروایا۔ جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء اور تیسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء کو منظرِ عام پر لایا گیا۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ شائقین علم و ادب کے ہاتھوں تک پہنچانے کیلئے ادارے کی پبلیکیشن کمیٹی نے ڈاکٹر نواز علی شوق کا نام تجویز کیا۔ جنہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے

اس ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ کر کے ادارے کے سپرد کیا۔ جس کیلئے ادارہ ڈاکٹر شوق صاحب کا تہہ دل سے شکر گذار ہے۔

میں ادارے کے سربراہ جناب قبلہ مخدوم جمیل الزماں صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی اشاعت میں خاصی دلچسپی لی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں اور ادب دوستوں کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔

امید ہے کہ ہماری یہ کاوش شائقین علم وادب میں مقبول پائی جائیگی۔

جام شورو سندھ	الھڈ تو گھیو
۵ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ	سیکریٹری
۱۶ اگست ۲۰۱۱ء	سندھی ادبی بورڈ
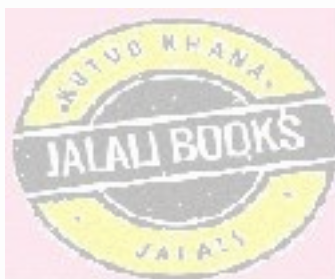
مترجم کا نوٹ

سندھ میں فارسی ادب کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سندھ کی دو شخصیات نے سب سے زیادہ فارسی زبان، ادب، تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری پر کام کیا ہے۔ اولاً میر علی شیر قانع (متوفی ۱۲۰۳ھ) کا نام ذہن میں آتا ہے جنہوں نے فارسی زبان میں چالیس سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ ان کی علمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سید خضر نوشاھی نے لکھا ہے: "میر علی شیر قانع ایک کثیر التصانیف مصنف ہے۔ وہ بیک وقت عالم، شاعر، ادیب، نثرنگار اور محقق تذکرہ نگار ہے۔ قانع نے سندھ کی تاریخ ادب اور رجال کے احوال محفوظ کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ اگر وہ مقالات الشعراء، تحفتہ الکرام، مکلی نامہ اور معیار سالکان طریقت جیسی معرکتہ الآرا کتابیں تالیف نہ کرتا تو ہم آج سندھ کی تاریخ، شعروادب اور اس دور کے ہزاروں رجال کے احوال سے قطعی بے خبر ہوتے۔" (۱)

قانع کے بعد دوسری معزز شخصیت سید حسام الدین راشدی (متوفی ۱۹۸۲ء) کی ہے۔ جنہوں نے سندھ میں فارسی ادب خاص طور پر تاریخ و تذکرہ نویسی پر مثالی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے سید حسام الدین راشدی کی ادبی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: "سید حسام الدین راشدی بنیادی طور پر تاریخ کے عالم تھے اور تاریخ کے حوالے ہی سے ان کی نظر مختلف علوم و فنون پر تھی۔ پیر صاحب نے سندھ کی تاریخ و تہذیب کے ان بنیادی مآخذ کو مرتب و شائع کر کے سندھ کی علمی و تہذیبی زندگی کو حیات بخشی۔ آج جو سندھ کی نئی نسل علمی و تحقیقی کام کررہی ہے وہ پیر صاحب کی تالیفات ہی سے روشنی حاصل کررہی ہے۔ پیر صاحب نے جدید تحقیق کی روایت کو اہل سندھ سے روشناس کرایا۔ ان کی یہ خدمت تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔" (۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ سید حسام الدین راشدی کی کوششوں سے سندھ کے فارسی مخطوطات کافی حد تک محفوظ رہے، خاص طور پر میر علی شیر قانع کا تقریباً سارا ذخیرہ انہی کی کوششوں سے سندھی ادبی بورڈ میں محفوظ کیا گیا اور راشدی صاحب نے ان پر کافی تحقیقی کام بھی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید حسام الدین راشدی نے قانع کو زندہ کیا اور قانع پر عالمانہ کام کرنے کے سبب ان کی علمی شہرت میں اضافہ ہوا۔

میر علی شیر قانع کی اس کتاب کا نام "بوستان بہار" ہے۔ قانع نے اس کا سال تصنیف اس شعر سے نکالا ہے:

سال وی گفت بلبل الہام

"بوستان بہار تازہ دل"

(۱۱۷۴ھ)

میر علی شیر قانع نے اپنی مشہور کتاب مقالات الشعراء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ **"مکلی نامہ"** نظم و نثر پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو میر قانع کی ایک بیاض میں محفوظ تھا۔ وہ بیاض اول اور آخر سے ناقص تھی، لیکن چونکہ مکلی نامہ درمیان میں تھا اس لیے محفوظ رہا۔ فقط دو اوراق ۱۳۴ اور ۱۵۶ کا آدھا حصہ ضائع ہو گیا، ان اوراق میں فقط گیارہ اشعار اور نثر کی چند سطریں محفوظ رہیں۔

سید حسام الدین راشدی نے اس رسالے کی تدوین کی، متن کی تصحیح کی۔ تفصیلی حواشی لکھے، مقابر، مزارات اور عمارات کی تصاویر شامل کیں اور اس کے علاوہ مکلی کا نقشہ بھی شامل کیا۔ یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۶۰ء میں شائع کی۔ مطبوعہ کتاب میں متن ڈیمی سائز کے ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سید حسام الدین راشدی نے تدوین کرتے وقت سندھی زبان میں ۴۰ صفحات کا مقدمہ، ۷۴۳ صفحات کے حواشی، ضمیمے اور اضافے وغیرہ لکھ کر ایک شاہکار کتاب تیار کی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سید حسام الدین راشدی کو سندھ خاص طور

پر ٹھٹہ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اس شہر کو ہمیشہ حضرت ٹھٹہ نگر کہتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ اس شہر کے تمام آثار کی تاریخ اس طرح قلمبند کی جائے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ دارالسلطنت غزنی اور دھلی سے کم نہیں تھا۔

مکلی نامہ میں میر قانع کے ادیبانہ اور شاعرانہ کمال کے ساتھ سید حسام الدین راشدی کی ایڈیٹنگ کا کمال بھی نظر آتاھے۔ اس طرح قانع کی یہ کتاب نہ فقط سندھ کے فارسی ادب کا ایک شاھکار ھے، بلکہ مکلی کی تاریخ اور ٹھٹہ کے معاشرہ کی تہذیب و تمدن کے متعلق ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ھے۔ یوں یہ کتاب سندھ کی تاریخ کا ایک اھم ماخذ بھی بن گئی ھے۔

مکلی نامہ کے اشعار مثنوی کے روپ میں منظوم کیے گئے ھیں اور قانع کی نثر مقفیٰ اور مسجع نظر آئے گی۔ قاری نہ صرف قانع کی دلفریب مثنوی سے متاثر ھوتا ھے بلکہ ان کی خوبصورت نثر نگاری بھی دل موہ لیتی ھے۔ اس میں صنایع بدایع کی گلکاری کے ساتھ علم معانی کا حسن اور کمال بھی پوشیدہ ھے۔ سید حسام الدین راشدی نے صحیح لکھا ھے کہ:

”میر صاحب نے مکلی نامہ میں نہ فقط اپنے شاعرانہ کمال کا یک نادر نمونہ پیش کیا ھے بلکہ فارسی زبان اور نثر پر انھیں جو قدرت حاصل تھی انھوں نے اس کا بھی مظاھرہ کیا ھے۔ مقفیٰ اور مسجع عبارت کے سبب قاری ان کی نظم اور نثر سے بے حد لُطف اندوز ھوتا ھے۔ سندھ میں اب تک جو فارسی ادب کا ذخیرہ دستیاب ھوا ھے ان میں یہ رسالہ اسی قسم کے مترنم اور نغماتی نثر کا واحد نمونہ ھے۔ اس میں تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو بے حد خوبصورت انداز میں استعمال کیا گیا ھے جس سے نہ فقط میر صاحب کی معلومات کی وسعت کا انداز ھوتا ھے، بلکہ ان کی زبان دانی اور ایک غیر زبان پر دسترس کا بھی اندازہ ھوتا ھے۔“ (۳)

میر علی شیر قانع اور سید حسام الدین راشدی دونوں سندھ کے

سچے عاشق تھے۔ دونوں محبِ وطن اور عظیم مؤرخ تھے۔ سید صباح الدین عبدالرحمن نے پیر حسام الدین یادگاری خطبہ میں فرمایا تھا :

" ۱۹۶۵ء میں پیر صاحب (سید حسام الدین راشدی) نے میر علی شیر قانع کے **"مکلی نامہ"** کو بھی تدوین کرکے شائع کیا۔ ان کو میر علی شیر قانع سے کچھ عشق ہوگیا تھا۔ اس لیے کہ وہ ان ھی کی طرح سندھ کے عشق میں سر شار ھے، وہ سندھ کی تاریخ اور سندھ کے شعراء اور فضلاء کا تذکرہ لکھ کر سندھ کووہ مقام دینا چاھتے تھے جس کا مستحق یہ صوبہ تھا۔ یہی جذبہ پیر صاحب میں بھی کار فرما رھا۔ اس لیے وہ ھر اس چیز کی طرف لپکتے جس سے سندھ کا تاریخی، سیاسی، علمی، ادبی پہلو نمایاں ھوتا۔ مکلی کا گورستان اپنی خاموش زبان سے سندھ کی پچھلی شاندار تاریخ کی یاد دلاتا ھے۔ علی شیر قانع ٹھٹوی نے **"مکلی نامہ"** لکھ کر اس یاد کو تازہ کرانے کی کوشش کی ھے۔ " (۴)

میر قانع نے مکلی نامے میں مکلی کے مقابر اور آثار کا ذکر ایک تاریخی مقام **"ساموئی"** سے شروع کیا ھے۔ اور اس کا اختتام ایک تاریخی قلعہ طغرل آباد، طغلق آباد (کلاں کوٹ) پر آکر ختم کیا ھے۔ یعنی شمال سے جنوب کی طرف جو تاریخی مقامات، بزرگوں کے مزارات، میکرانامی ایک جھیل، مشہور تالاب کھیر سر، کھنڈسر، بھراسر وغیرہ، جلوہ گاہ امامین، شاہ پریاں، معبد ھندواں، تاریخی غار اور دیگر کچھ عمارات و مقامات کا ذکر کیا ھے۔

میر قانع نے سب سے پہلے مکلی کا ذکر کیا ھے اور اس کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے لکھا ھے:

" عجب کوہ نور آبادی کہ شکوھش طور را بہ رشک آتش تجلی سر نوسوزد وطرفہ مزار گاہ دلشادی کہ دامن نظارہ زایران از روی حضور بہ "صفا" و "مروہ" میدوزد۔ نامش "مکلی" ومی بجامش از "مکۃ لی" است۔

اگر بتای تواضع کسی درونگر یست

بگفت ”مکۃلی“ گشت زایر مکلی

☆

مغنی بیا یک نوائی بزن
پی سیر ”مکلی“ صلائی بزن
چه”مکلی“ بهشتِ زمین وزمن
زمینش همه رشک کانِ یمن

☆

بهشتی درزمین پر نور جایست
زیارتگاه مردانِ خدایست

میر علی شیر قانع سندھ کے پہلے مصنف ھیں جنھوں نے سندھ کے مزارات اور تاریخی آثار پر بڑی محبت اور محنت سے دو کتابیں تصنیف کیں۔

ایک ”**تحفة الکرام**“ اور دوسری ”**مکلی نامه**“۔ مکلی نامه میں انھوں نے مکلی کے مخصوص مقابر اور کچھ تاریخی آثار کا ذکر اپنے مخصوص ادیبانه اور شاعرانه انداز میں کیا ھے۔

مکلی اس وقت وہ مکلی نہیں رھا۔ بہت سے مقبرے اور مزار زبوں حالی کا شکار ھو گئے۔ بہت سی خانقاھیں مٹی کا ڈھیر بن گئیں۔ تالاب ویران ھو گئے۔ نہ وہ لوگ رھے اور نہ وہ محفلیں باقی رھیں۔ ھر چیز ویران، تباہ وبرباد ھو گئی۔ اگر قانع ان کا ذکر نہ کرتے تو ھم بہت سے آثار سے بے خبر رھتے۔ یہی وجه ھے که مکلی نامه کو سندھ کی تاریخ اور فارسی ادب میں بڑی اھمیت حاصل ھے، خاص طور پر یه کتاب ٹھٹه کی تاریخ و ثقافت کا اھم ماخذ ھے۔

میں سندھی ادبی بورڈ کے چیئرمین عالیٰ جناب مخدوم جمیل الزماں صاحب، صوبائی وزیر محکمه بین الصوبائی امور کا بے حد ممنون ھوں که ان کی دلچسپی اور تاکید کے سبب یه کتاب اس خاص موقع پر
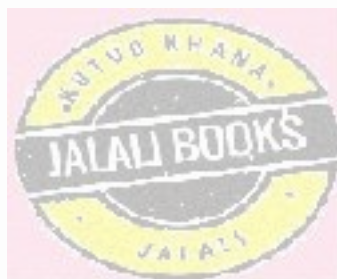
شائع ہوئی ہے۔ مجھے اُمید بلکہ یقین ہے کہ ان کی سرپرستی اور رہنمائی میں سندھی ادبی بورڈ مثالی ترقی کرے گا۔

حواشی

۱) معیار سالکانِ طریقت (مقدمہ)، ص: ۴۸، ادارہ معارف نو شاہیہ ساہن پال، ۲۰۰۰ء

۲) پیر حسام الدین راشدی اور ان کے علمی کارنامے، سید صباح الدین عبدالرحمن، ص: رڑ، انسٹی ٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز کراچی، ۱۹۸۵ء

۳) مکلی نامہ، ازقانع، حواشی و تعلیقات: سید حسام الدین راشدی، ص: ۷-۸، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۷ء

۴) پیر حسام الدین راشدی اور ان کے علمی کارنامے، ص: ۳۴

کراچی۔ 12 فروری 2011ء

نواز علی شوق
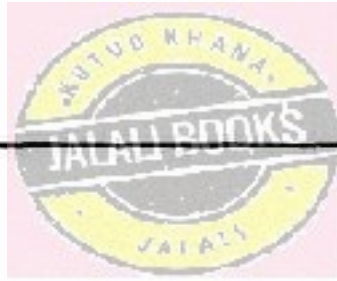
تعارف

میر علی شیر قانع کی کتاب مکلی نامہ کا تاریخی نام "بوستان بہار" ہے۔ مندرجہ ذیل شعر سے اس کے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے:

سال وی گفت بلبلِ الہام
بوستانِ بہار تازۂ دل

یہ کتاب میر صاحب نے ۱۱۷۴ھ میں اپنی کتاب "مقالات الشعراء" سے ذرا پہلے مکمل کی تھی۔ جس میں پہلی بار اُنھوں نے اپنی تصنیفات میں "مکلی نامہ" کا ذکر کیا ہے۔

آج سے بیس پچیس برس پہلے، جب "مقالات الشعراء" کا خطی نسخہ میری نظر سے گزرا اور میں نے اس میں "مکلی نامہ" کا نام دیکھا، تو اس دن سے میرے دل میں اس خطی نُسخے کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ آخر گذشتہ سال (۱۹۵۵ء) جب سندھی ادبی بورڈ نے میر قانع مرحوم کے ذاتی کتب خانے کے منتشر اوراق کا انبار خرید کیا، تو اس وقت مجھے برسوں کے بعد اپنا گوہرِ مقصود دستیاب ہوا۔

یہ رسالہ قصائد کی ایک بیاض میں میر صاحب نے خود نقل کیا تھا۔ بیاض ناقص الاول اور ناقص الآخر ہے، اس لیے معلوم نہ ہوسکا کہ مصنف نے اس بیاض کا کیا نام رکھا تھا، لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے پہلے مسودے سے "مکلی نامہ" اسی بیاض میں نقل کیا تھا، اور اس کے بعد اس کی اور کوئی نقل نہ ہوسکی۔ اس لیے یہی واحد نسخہ ہے، جو خوش قسمتی سے محفوظ رہا۔

قصائد پر مشتمل مذکورہ بیاض نہایت خستہ حالت میں منتشر اوراق کی صورت میں تھی، کاغذ اس حد تک بوسیدہ ہوچکے تھے کہ ہاتھ لگانے سے پھٹ جاتے تھے۔ سب سے پہلے نہایت احتیاط اور محنت سے
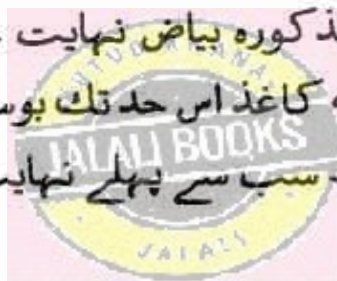
اس بیاض کو مرتب کرکے اس کی جلد بندی کروائی گئی۔ اس کے بعد یہ بیاض پڑھنے کے قابل ہوئی۔ بیاض اگرچہ نامکمل ہے اور مختلف جگہوں پر اوراق گم ہیں، لیکن چونکہ "مکلی نامہ" درمیان میں تھا، اس لیے وہ مکمل طور محفوظ رہا، سوائے دو اوراق (۱۳۴ اور ۱۵۶) کے، جن کا نصف حصہ ضایع ہوگیا تھا۔ ان میں گیارہ اشعار اور چند نثر کی سطریں موجود تھیں۔ (۲)

میر علی شیر قانع نے "مکلی نامہ" محض اپنا زور بیان اور شاعرانہ کمال دکھانے کے لیے لکھا تھا، لیکن آج یہ کتاب ہمارے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ اس کتاب سے ایک تو میر صاحب کا ادیبانہ کمال نمایاں نظر آتا ہے، دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس سے ٹھٹہ کے تمدن کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔ میر صاحب نے اپنی کتاب میں مکلی کے چند مزارات اور مقابر کا احوال ادیبانہ اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے، لیکن اس شاعرانہ اور ادیبانہ اندازِ بیان میں ضمناً کچھ ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جن کی ایک تاریخی حیثیت بن جاتی ہے۔ مثلاً اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکلی کی کون سی خانقاہوں اور مزارات پر لوگوں کی زیادہ آمد و رفت تھی؟ کون سے بزرگوں کے مزاروں پر عرس کی محفلیں اور میلے منعقد ہوتے تھے؟ ان کے لیے کون سے مہینے اور کون سی تاریخیں مقرر تھیں؟ مرد اور عورتیں بن سنور کر کس طرح کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں ان مزارات پر منعقد ہونے والے میلوں اور عرسوں میں گذارتے تھے؟ چاندنی راتوں، موسمِ گرما میں جنوب سے چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں اور برسات کے زمانے میں ٹھٹہ کے لوگ کس طرح محفلیں منعقد کرتے تھے؟ راگ رنگ اور ساز و سرود کی محفلیں، میلے ٹھیلے۔ مکلی کا کیا دل فریب منظر ہوتا تھا اور جب ٹھٹہ اور مکلی کا درمیانی نشیبی علاقہ پانی سے بھر جاتا تھا تو مرد اور عورتیں کشتی میں بیٹھ کر سیر و تفریح کرتے تھے۔ بے انتہا خوب صورت عورتیں ریشمی لباس پہن کر سولہ سنگھار کرکے جب منتیں لے کر بزرگوں کے مزارات پر آتی تھیں، اس وقت عاشقوں کی عید ہوجاتی تھی اور حسین عورتوں کی آمد و رفت قیامت کا منظر پیش کرتی تھی۔

مکلی کا پورا علاقہ رنگارنگ لباس اور حسین چہروں کے سبب باغ و بہار کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ جہاں دیکھو حسین چہرے اور حسین مناظر، گویا کہ بہار اپنے جوبن پر ہو۔

میر صاحب نے لکھا ہے:

"-نظر ها را هجوم تماشای مه رویان از هوش میبرد و پیرهن شکیبا برتن می درد. جوانان عشرت دوست، همه مغز خالی از پوست، تمام روز در باغات می بجامِ گل خورند و آتش در آشیانهٔ بلبل زنند."

حسین و جمیل عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بتانِ گلبدن در رنگ لاله — به کف دارند از صهبا پیاله
به گیسو دام صیدِ خلق تابند — چو صیادان به هر سویی شتابند
به هر سویی خرامان دلبری چند — جهانی را کشند و نا شکیبند

زیارت گاہ "شاہ پریاں" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"۔ روز خمیس هر هفته هجوم زیارت زنان پری طلعتان، آنجا محشر طاقت نظارگیان می شود."

اسی سلسلے کے چند اشعار بطور نمونہ دیے جاتے ہیں:

پری رویان بلای دین و ایمان — در آنجا هر طرف محشر خرامان

....

نگاهِ شان نمی دارد یك انداز — گهی شوخی گهی عشوه گهی ناز
به چشمانِ سیه غارتگرِ هوش — کمان زه کرده از ابروی تا گوش
زمژگان چنگلِ شاهین کشاده — به صیدِ مرغِ دل هر حور زاده

....

نگارین دست حورانِ خرد شور — پی دل بردنِ عاشق قوی زور
چه گویم در صفاتِ ساعدِ شان — که باشد در صفایش عقل حیران

....

بلور و یشم را این تاب نبود — عدیلِ رنگ او سیماب نبود
کمر چون موی شان هنگام رفتن — بود از ناز اندازِ نشستن

شتابان سوی 'مکلی' خیل خوبان　　چو انجم بر فلک در شب نمایان

....

یکی را زعفرانی 'چیره' بر سر　　"بسنتی "پیته☆" دیگر راست افسر
تو گویی رنگِ گل کرده ست طغیان　　و یا شد زعفران زاری نمایان

....

به هر گوشه نشسته حلقه حلقه　　بتانِ ماه رو و رشك زهره

....

ازین غارت گرانِ شهر دلها　　کرا تابِ صبوری و شکیبا

....

نه دُر در گوش این خوبان قرین است　　طلوعِ ماه و مهر از مشرقین است

....

رخِ شان کعبۂ اربابِ اسرار　　غزالانِ حرم چشمانِ طرار

....

کمان دارند ز ابرو وز مژه تیر　　دلِ یك عالمی شان راست نخچیر
کشیده قامتان چون سرو آزاد　　خرامِ شان کند صد گلشن آباد
به رخ برق و به گیسو ابر سیراب　　عرق رخسار شان را عالمِ آب

....

کشیده ابروان بر روی چون حور　　بود بسم الٰهی از سورۂ نور
عذارِ شان ندارد خط ریحان　　بود تفسیرِ بیضاوی و قرآن
باین خوبی چو جمعی جمع گردند　　جهان شیرین کنند از یك شکر خند

کشتیوں میں بیٹھ کر جب خوب صورت عورتیں سیر و تفریح کے لیے نکلتی تھیں، وہ خوب صورت نظارہ یوں پیش کیا ہے:

به کشتی ها نشسته فوج خوبان　　چو اختر در تهِ گردون نمایان

....

نه تنها اندرین جا سیر دیده است　　گریبانِ دلِ عاشق دریده است

یہ محض میر صاحب کی شاعری نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے کہ

☆ پھیتہ

ٹھٹہ کے خوش باش اور زندہ دل لوگ میلوں، محفلوں اور منتوں کے موقع پر اس حد تک اہتمام کرتے تھے کہ مکلی جنت کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ رنج و غم، دکھ درد، مصیبت یا کسی پریشانی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "تاریخ طاہری" کے مصنف نے لکھا ہے:

"ھرگز ساکنان و متوطنان آن، غمگین و حزین کسی نیافته، برکم و بیش قناعت داشته به عیش و طرب کام و کامرانی می دارند۔ تا حال (۱۰۳۰ھ) خوشدلی و خرمی که درین خلق است، جای دیگر نیست و نخواهد بود."

مکلی اس وقت کافی حد تک تباہ و تاراج ہوچکا ہے۔ کئی مقبرے زمین دوز ہوگئے ہیں۔ کئی خانقاہیں اور عمارات مٹی کا ڈھیر بن گئی ہیں۔ تالاب، پُل اور سیر و تفریح کے مقامات کا اب نام و نشان نہیں رہا۔ "مکلی نامہ" اس لیے بھی ہمارے لیے مفید ہے کہ اس سے کئی ایسی عمارات، تالابوں اور پلوں کی نشاندہی ہوتی ہے' جن کے متعلق دوسرے ذرائع سے معلومات نہیں مل سکتیں۔ میرزا خسرو چرکس کی رانکہ- جس کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کس جگہ پر ہے، اس کی دریافت مکلی نامہ کے ذریعے ہوئی۔

اس طرح مکلی نامہ نہ صرف سندھ کے فارسی ادب کا ایک قابلِ ذکر شاہ کار ہے' بلکہ مکلی کی تاریخ اور ٹھٹہ کے تمدن اور معاشرے کے متعلق ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

میر صاحب نے "مکلی نامہ" میں نہ صرف اپنے شاعرانہ کمال کا ایک نادر نمونہ پیش کیا ہے، بلکہ فارسی زبان اور نثر پر اُنھیں جو قدرت حاصل تھی، اُنھوں نے اس کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ مقفی اور مسجع عبارت کے سبب قاری ان کی نظم اور نثر سے بے حد لطف اندوز ہوتا ہے۔ سندھ میں اب تک فارسی ادب کا جو ذخیرہ دستیاب ہوا ہے، ان میں یہ رسالہ اس قسم کی مترنم اور نغماتی نثر کا واحد نمونہ ہے۔ اس میں تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو نہایت خوب صورت انداز میں استعمال کیا گیا ہے، جس سے نہ صرف میر صاحب کی معلومات کی وسعت کا اندازہ

ہوتا ہے، بلکہ ان کی زبان دانی اور ایک غیر زبان پر دست رس کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ "مقالات الشعراء" اور "تحفۃ الکرام" کی سلیس اور سادہ عبارت کو سامنے رکھ کر، جب ان کی اس ادبی تخلیق کی زبان، انداز بیان اور مرصع کاری کو دیکھتے ہیں، تو بے اختیار ان کی علمی بلندی اور فنی گہرائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

یہ رسالہ ۱۱۷۴ھ میں تصنیف ہوا اور دو سو برس بعد سنہ ۱۳۷۴ھ میں راقم نے اپنے کریم الطبع اور شفیق دوست سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری (۳) سے اس کی نقل کروائی اور اسی حسنِ اتفاق پر انھوں نے اردو زبان میں ایک تاریخی قطعہ کہا، جس کے آخری اشعار یہ ہیں:

یہ مخطوطہ ملا دو سو برس بعد
ہوئی جس سے دوبالا شانِ مکلی
اب اس کو نقل کرنے کی سعادت
ملی ہے مجھ کو میں قربانِ مکلی
ضرورت ہے کہ میں بھی پیش کردوں
کوئی تحفہ جو ہو شایانِ مکلی
لکھو اس نقل کی تاریخ "راشد"
یہ ہے آثار کوہستان مکلی
۱۳۷۴ھ

رسالے کی نقل مکمل ہونے کے بعد، نسخے کی تصحیح اور اس پر وضاحتی حواشی لکھنے کا مرحلہ ایک سال کی مدت کے بعد طے ہوسکا۔ اس درمیان حضرت راشد برہان پوری، محترم دوست آغا بدر الدین اور مولانا اعجاز الحق قدوسی نے ہر قدم پر میری مدد کی، جس کے لیے میں اُن کا بے حد احسان مند اور سپاس گذار ہوں، در حقیقت میں شاید اور تاخیر کرتا، لیکن آغا بدر الدین خان (۴) کی امداد اور ہمت افزائی کتاب کی تکمیل تک شاملِ حال رہی۔

جن بزرگوں اور جن مقابر و مزارات کا مکلی نامہ میں ذکر آیا ہے، ان پر راقم نے وضاحتی نوٹ لکھے ہیں، جو "مکلی نامہ" کے آخر میں نمبروں

(۵) کے ساتھ نمایاں کرکے شایع کیے گئے ہیں۔ میرزا عیسیٰ ترخان ثانی کی سوانح بڑی محنت کے بعد، پہلی مرتبہ (۶) تیار کی گئی ہے، وہ بھی نوٹس کے سلسلے میں دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے میر علی شیر "قانع" کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ تیار کیا ہے، جو مکلی نامہ کے شروع میں شایع ہورہا ہے۔(۷) اسی میر صاحب کی مُہر کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے، جو "طومار سلاسل" سے لیا گیا ہے۔ 'مکلی نامہ' کے خطی نسخے کے دو صفحات کے عکس بھی دیے گئے ہیں، تاکہ مخطوطے اور مصنف کے خط کا نمونہ قاری ملاحظہ کرسکیں۔

اہم جگھوں اور مقابر کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں، تاکہ قاری تذکرہ کے ساتھ ان تاریخی عمارات کی تصاویر بھی دیکھ لیں۔ مکلی کا ایک نقشہ بھی شامل کیا گیا ہے، جس سے ان مقابر کے آثار کی جائے وقوعہ معلوم ہوسکے۔ یہ نقشے اور ان تصاویر میں سے کئی تصاویر محکمہ آثار قدیمہ سے حاصل کی گئی ہیں، جس کے لیے محکمہ کے ڈائریکٹر مونوس.آر کوریل (Monos, R. Curiel) اور آفیس سپرنٹنڈنٹ مسٹر محمد ادریس کا شکر گذار ہوں۔ ان دونوں صاحبان نے نہ صرف مطلوبہ تصاویر عنایت کیں، بلکہ اسی سلسلے میں کئی مرتبہ میرے ساتھ مکلی بھی آئے۔

پروف اور طباعت کی ذمے داری میرے عزیز دوست مسٹر محمد ابراہیم جویو کے سپرد رہی اور انھوں نے یہ کام حسن اور خوبی سے سرانجام دیا۔ جس کے لیے میں ان کا ممنون و مشکور ہوں۔

حسام الدین راشدی

کراچی
۲ جولائی ۱۹۵۶ء
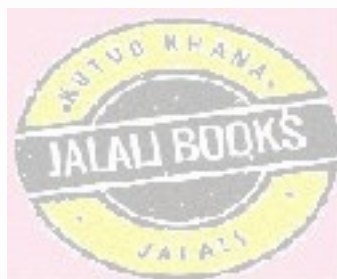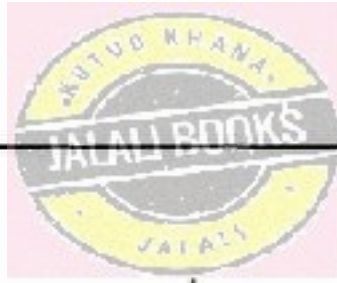
حواشی

(۱) یہ طبع اول کا تعارف ہے۔

(۲) مذکورہ بیاض کے وہ صفحات 'مکلی نامہ' کے متن میں () صورت میں دیے گئے ہیں۔

(۳) ۱۹۶۰ء میں مرحوم انتقال کر گئے۔ ملاحظہ ہو "نقوش" لاہور میں حفیظ ہوشیار پوری کے مکاتیب بنام سید حسام الدین راشدی۔

(۴) یہ دوست بھی راقم کو تنہا چھوڑ کر راہی ملکِ عدم ہوا۔

(۵) وضاحتی نوٹس کے لیے متن میں () کے اندر نمبر دیے گئے ہیں۔

(۶) موجودہ ایڈیشن میں سوانح کو زیادہ مفصل اور نئے مواد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

(۷) یہ تذکرہ سہ ماہی "مہران" اور "تحفة الکرام" کے سندھی اور اردو ترجمے کے شروع میں ملاحظہ ہو۔ موجودہ ایڈیشن میں تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔
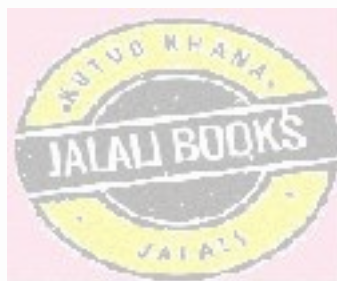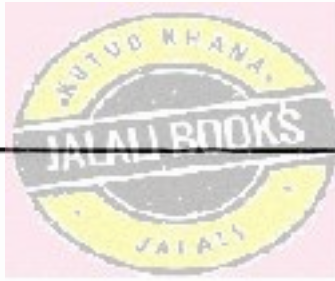
طبع اول کا نوٹ (۱)

"مکلی نامہ" میں جن بزرگوں، مشاہیر، مساجد اور مقابر کا ذکر آیا ہے، ان پر ہم نے وضاحتی نوٹ (حواشی) لکھے ہیں۔ 'مکلی نامہ' کے متن میں تشریح طلب مقامات پر ہم نے نمبر دیے ہیں۔ انھی نمبروں کو حواشی کے عنوان کے تحت یہاں دیا گیا ہے، تاکہ قاری ان نمبروں کے ذریعے آسانی سے مطلوب حواشی دیکھ سکے۔

بڑی کوشش اور محنت سے متن کے اندر ذکر کیے گئے بزرگوں اور مشاہیر کا مکمل احوال، جو کچھ مل سکا وہ یک جا کر کے قاری کے سامنے پیش کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں اکثر نئی معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ خاص طور جام نظام الدین، پیر مراد شیرازی، خسرو چرکس اور میرزا عیسیٰ ثانی کے متعلق زیادہ تر نیا مواد شامل کیا گیا ہے۔ (۲) جو امید ہے کہ قاری کو پسند آئے گا۔ مواد اور معلومات کی فراہمی کے لیے جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، ان کے نام اور صفحات حواشی میں دیے گئے ہیں، تاکہ آئندہ کے محقق کے لیے آسانی ہو۔

مصروفیات کے سبب مکلی کے قبرستان کو بندہ مکمل طور پر نہ دیکھ سکا، اس لیے مکلی نامہ کے کچھ تشریح طلب مقامات حواشی سے رہ گئے ہیں۔ خاص طور چشمۂ پیر آسات، شیخ جیو کا تالاب، پیر جیو والا پل، شاہ پریاں، چشمۂ ناران سر، بھرا سر تالاب، معبد ہندوان، کھیر سر کا تالاب، ارضِ پاک مصلیٰ، حوض و چاہ میر محمد یوسف رضوی، سہسہ لنگ تالاب، زمینِ میکرا، چشمۂ کھنڈ سر، غارہای جبل متصل چشمۂ

کھنڈ سر، پیر غیب، موضع نعین، اگھور تالاب، ملا داؤد درس وغیرہ۔ ان پلوں، حوضوں اور چشموں میں سے بہت سارے آج موجود نہیں ہیں۔ تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ مکلی نامہ کے آئندہ ایڈیشن (۳) میں مذکورہ بالا مقامات کے متعلق وضاحتی نوٹ شامل کیے جائیں، تاکہ اس ایڈیشن میں جو کمی رہ گئی ہے، وہ پوری ہوجائے۔ ہم مکلی نامہ میں ذکر شدہ سب مقبروں کی تصاویر نہیں دے سکے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں زیادہ تصاویر دی جائیں گی۔

سید حسام الدین راشدی

کراچی
۱۸ ستمبر ۱۹۵۶ء
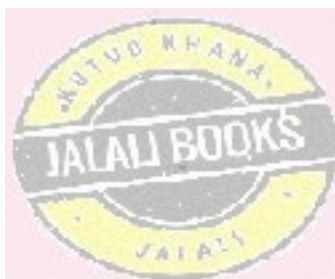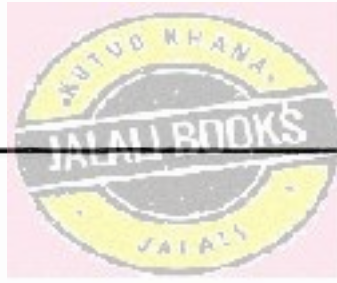
حواشی

(۱) یہ نوٹ طبع اول کے حواشی میں دیا گیا ہے۔
(۲) اس ایڈیشن میں مزید مواد کا اضافہ کیا گیا ہے۔
(۳) اس ایڈیشن میں ان میں سے کچھ مقامات کے متعلق حواشی دیے گئے ہیں۔
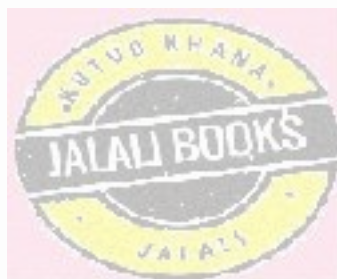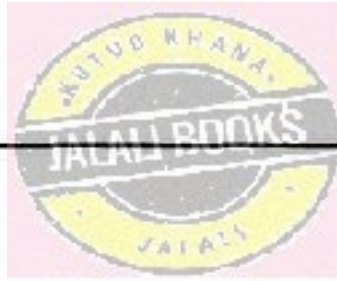
مقدمہ

مسلمانوں نے تاریخ کو ایک فن کی حیثیت دی، ان کی مختلف شاخیں اور شعبہ جات ایجاد کیے، جن میں سے ایک شعبہ مزارات اور آثار کی تاریخ ہے، اور اس موضوع پر ہر دور میں کتابیں لکھی گئیں، جن کا تعلق مختلف شہروں اور مختلف ممالک سے تھا۔ ان کتابوں میں اصحابِ کمال کے مقابر اور ان کی ابدی آرام گاہوں کی صورتِ حال کے احوال کے سلسلے میں نہایت ہی قیمتی مواد جمع کیا گیا، جس سے تاریخ، سوانح اور تذکرہ نگاری کے سلسلے میں خاص رہ نمائی ہوئی، اور کئی مشکل مسائل اور عقدے حل ہوئے۔ مثلاً سوانح میں اکثر یہ نہیں بتایا جاتا کہ صاحب سوانح کہاں دفن ہوئے، کون سے محلے یا کون سے قبرستان میں، کس جگہ ان کا مزار تعمیر ہوا۔ وفات کی تاریخ، دن، ماہ اور سال درج نہیں کیا جاتا۔ ایسے مشکل مقام پر، ایسی کتابیں رہ نمائی کرتی ہیں اور ان کے ذریعے ہی الجھے ہوئے مسائل سلجھ جاتے ہیں، اور اس طرح ساری الجھنیں دور ہوجاتی ہیں۔

اس فن یا موضوع پر عربی زبان میں قدیم کتاب علامہ ہروی (۶۱۱ھ) کی "الاشارات فی معرفتہ الزیارات" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس میں مؤلف نے مختلف شہروں اور ممالک میں مدفون بزرگوں، مشاہیر اور اہلِ کمال کے مزارات کا احوال اور کافی حد تک چشم دید احوال بیان کیا ہے۔ (۱)

کچھ بزرگوں کی تحریر اور تحقیق کا یہی موضوع رہا ہے۔ مثلاً ابن طولون دمشقی (۹۵۳ھ) جنھوں نے دمشق کے مزارات اور مقابر پر کئی کتابیں لکھیں۔ مثلاً:

۲- بهجة الحبيب فى اخبار الكثيب (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر
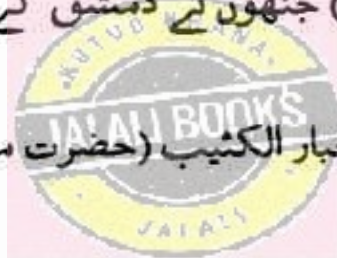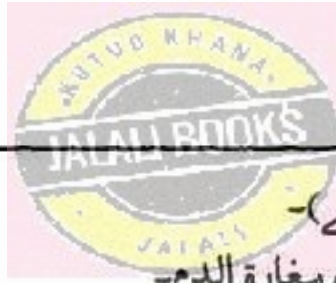
کے لئے مخصوص ہے)۔

٣- تفریح الغم فی زیارت مغارۃ الدم۔

٤- قرۃ العیون فی اخبار باب جیرون۔

٥- ملجاء الخائفین فی ترجمہ سیدی ابی الرجال و سیدی جندل بمنین۔

٦- مخ الجلیل فیما ورد فی مقام الخلیل۔

٧- المقصد الجلیل فی کھف جبریل۔

٨- نشوۃ الصبوۃ فیما روی فی الربوۃ۔ (٢)

٩- زینب الکبریٰ۔

عربی زبان میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتب موجود ہیں:

١٠- تحفۃ الاحباب و بغیۃ الطلاب فی الخطط و المزارات والتراجم و البقاع المبارکات۔ الحافظ علی بن حامد السخاوی الحنفی۔

١١- المقابر المشہورۃ والمشاہد المزورۃ۔ تالیف علی بن انجب بغدادی متوفی ٦٧٤ھ۔

١٢- تحفۃ الزائرین و بغیۃ الطالبین فی مشہد الامام زید بن زین العابدین و مشہد الامام الحسین بن الامام علیؓ: تالیف محمد بن عبدالغفار بن صلاح الدین الجمزوری الخلوتی۔

١٣- کتاب الاشارات الی اماکن الزیارات ابن حورانی۔

١٤- شد الازار فی حط الاوزار عن زوار المزار۔ معین الدین شیرازی۔ تالیف ٧٩١ھ۔ یہ کتاب شیراز کے مقابر کی زیارت گاہوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں شیخ سعدی کی صحیح کنیت اور نام کسی اور کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔

١٥- زیارات: قاضی نجم الدین الفرضی (١٠٩٠ھ)

١٦- الاشارات فی اماکن الزیارات- یاسین الفرضی (١٠٩٥ھ) میں لکھی گئی۔

١٧- نبذۃ لطیفۃ فی المزارات الشریفۃ۔

١٨- کتاب الزیارات بدمشق۔ قاضی محمود عدوی (وفات ١٠٣٢ھ) (٣)

١٩- جزء للنعیمی فی مسجد عائلۃ و عویلۃ۔

۲۰- ذیل الروضتین- ابو شامة-
۲۱- قبر الامام سیوطی- احمد تیمور پاشا- (۴)
۲۲- الخطط والاثار- مقریزی-
۲۳- وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ- علامہ السمودی- مدینہ طیبہ کے آثار اور مقابر کی تاریخ پر-
۲۴- الاعلام بأعلام بیت الحرام- علامہ قطب الدین متوفی ۹۸۸ھ
۲۵- شفاء الغرام- مکہ مکرمہ کی تاریخ و آثار پر-
۲۶- الجامع اللطیف فی الفضل المکة و اهلها وآثارها- یہ کتاب مکہ معظمہ کی تاریخ، مقابر اور آثار پر لکھی گئی ہے-

مندرجہ بالا کتب، سوائے کچھ جزوی کتابوں کے، جن میں مقابر کے ساتھ شہر کی تاریخ اور تاریخی مساجد اور مقامات کا احوال بھی دیا گیا ہے، باقی سب مخصوص قبور کے احوال پر مشتمل ہیں- کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کا تعلق فقط ایک یا دو قبروں سے ہے- مثلاً: زینب الکبریٰ، قبر امام سیوطی اور تحفة الزائرین و بغیة الطالبین-

اسی موضوع پر فارسی زبان میں کئی کتابیں موجود ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل کتب بطور مثال پیش کی جاتی ہیں:

۱- ملتمس الاحباء خالصاً من الرّیاء: یہ کتاب مذکورہ بالا کتاب شدالاذار کا فارسی ترجمہ ہے، جو مؤلف کے صاحب زادے عیسیٰ نے کیا ہے- اس کتاب کو "ہزار مزار" بھی کہا جاتا ہے- (۵)
۲- مقصد الاقبال: از میر عبداللہ الحسینی هروی مشهور به اصیل الدین شیرازی- یہ کتاب ہرات کے مزارات کے متعلق ہے- (۶)
۳- باقیات الصالحات: ذیل مزارات هرات- از عبیداللہ بن ابو سعید هروی ۱۱۹۸ھ-
۴- تاریخ ملا زادہ: از احمد بن محمود معین الفقرا- یہ کتاب بخارا کے مزارات کے متعلق ہے- (۷)
۵- قندیہ: یہ کتاب سمرقند کے مزارات کے متعلق ہے اور القند فی تاریخ سمرقند کی تلخیص ہے- (۸)

۶- سمریہ: از ابو طاہر خواجۂ سمرقندی- سمرقند کے مزارات کے متعلق ہے- غالباً ۱۲۵۱ھ میں تالیف ہوئی- (۹)

۷- روضاۃ الجنان و جنات الجنان: از حافظ حسین کربلائی تبریزی، تالیف ۹۷۵ھ- یہ کتاب تبریز کے مزارات کے متعلق ہے- (۱۰)

۸- مزارات کرمان: از محرابی کرمانی- دسویں صدی کے نصف اوّل میں کرمان کے مزارات پر لکھی گئی- (۱۱)

۹- تاریخ مزارات بلخ: از محمد صالح خان اوزبک (۱۰۰۶ھ)

۱۰- روضۂ اطہار: از ملا حشری - تالیف ۱۰۱۱ھ دربارۂ مزارات تبریز-

۱۱- تاریخ مدفونین بلخ و حالات سمرقند (۹۸۱ھ)

۱۲- مناقب مزارات بخارا شریف (لینن گراڈ میں اس کا نسخہ موجود ہے- نمبر ۳۹۰ ہے)

۱۳- رسالہ مزارات بخارا شریف (پشاور یونیورسٹی میں اس نسخہ کا نمبر ۹۹۹ ہے) ممکن ہے نمبر ۱۲ اور ۱۳ والی ایک ہی کتاب ہو-

۱۴- تذکرۃ القبور: از عبدالکریم- یہ کتاب اصفہان کے مقابر کے متعلق ہے-(۱۳)

اسی تتبع پر ہندوستان میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں مندرجہ ذیل کتب مشہور ہیں:

۱- آثار الصنادید: از سر سید احمد خان- دہلی کے آثار و مقابر پر اردو میں لکھی گئی-

۲- احوال گور و پاندہ: از منشی شیام پرشاد (۱۹ ویں صدی عیسوی) (۱۴) یہ کتاب گور اور پانڈہ کے مزارات کے متعلق ہے-

۳- سیر المنازل: از سنگی بیگ- یہ کتاب دہلی کے مقابر اور آثار کے متعلق ہے- (۱۵)

۴- آثار خیر: از محمد سعید مارہروی- یہ کتاب اردو زبان میں ہندوستان کے تاریخی آثار اور کتبات کے متعلق ہے- ۱۳۲۳ھ میں آگرہ سے شایع ہوئی-

☆ پکھیتہ

۵- رسالہ سالار جنگ: حالات مقابر دہلی۔ (۱۲)

۶- غرابت نگار: از عبدالحق دہلوی۔ یہ کتاب اردو زبان میں ۱۸۷۴ء میں لکھی گئی۔ کتاب کا یہ تاریخی نام ہے جس سے ۱۸۷۴ء نکلتا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کے تاریخی آثار اور مقابر کے متعلق ہے۔ ۱۸۷۶ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔

۷- مزارات اولیاء دہلی: از محمد عالم شاہ فریدی دہلوی۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور اس کے دو ایڈیشن شایع ہوئے۔ ایک ۱۳۳۰ھ میں اور دوسرا ۱۳۴۶ھ میں۔

۸- سیر دہلی: از خواجہ حسن نظامی۔ یہ کتاب اردو زبان میں شایع ہوئی۔ اس کا پانچواں ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شایع ہوا۔

۹- تاریخ عمارات شاہان مغلیہ: از منشی کالے خان۔ معروف بہ آگرہ گائیڈ- آگرہ پریس سے اس کا پانچواں ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں شایع ہوا۔

۱۰- مزارات حرمین شریفین: از علی شبیر- یہ کتاب اردو زبان میں ۱۳۴۷ھ میں حیدرآباد سے شایع ہوئی۔

۱۱- مآثر دکن: از علی اصغر بلگرامی ناظم آثار قدیمہ- یہ کتاب اردو زبان میں ۱۹۲۲ء میں شایع ہوئی۔ اس میں حیدرآباد کے بہت سے مقابر کا ذکر ہے۔

۱۲- مرقع دہلی: از سید احمد، ۱۹۰۳ء- یہ کتاب سر سید کی آثار الصنادید کے تتبع پر لکھی گئی ہے۔

۱۳- ارمغان سلطانی: سیر گلبرگہ- از مولوی محمد سلطان۔ حیدرآباد ۱۳۴۳ھ۔ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی، جس میں گلبرگہ شریف کے مقابر اور آثار کا احوال دیا گیا ہے۔

۱۴- حیدرآباد کی مشہور عبادت گاہیں، درگاہیں اور مذہبی عمارتیں: اس کتاب میں حیدرآباد کی مشہور خانقاہوں، عبادت گاہوں اور مذہبی عمارات کا احوال دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور سررشتہ معلومات عامہ سرکار حیدرآباد کی طرف سے

شایع ہوئی۔ ۱۳۵۲ فصلی۔

انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں محکمہ آثار قدیمہ قائم کر کے نہ صرف قدیم مقابر، تاریخی مقامات اور قدیم آثار کو محفوظ کیا، بلکہ مقابر کے احوال اور کتابت پر خصوصی طور پر کتابیں لکھوا کر ہند و پاک کی تاریخ کی اہم کڑیاں ضایع ہونے سے بچالیں۔ چُنانچہ **Epegraphia Indo-Muslimica** کا پورا سلسلہ اسی موضوع پر ہے۔ ہندوستان میں جو انگریز فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے، ان کی قبروں کے متعلق کتابیں لکھوائی گئیں، تاکہ ان کی تاریخیں اور قبروں کے نشانات گم ہونے سے بچ جائیں۔ چنانچہ **"A List of Inscription on Christian Tombs and Monuments in the Punjab. N.W.F. Kashmir and Afghanistan. (By M. Irwing- 1910)** اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

موجودہ دور میں بھی مسلمان اس موضوع سے غافل نہیں ہیں۔ چنانچہ مصر، شام، عراق، ایران اور افغانستان میں اس وقت بھی کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ مثلاً:

۱- آثار ہرات از خلیلی۔

۲- خیابان از فکری۔

۳- گازرگاہ از فکری۔

۴- مزارات کابل از خلیلی افغانستان میں: اور

اقلیم پارس از مصطفوی۔

۲- آثار اصفہان از ڈاکٹر ہزفر- تازہ ایران میں شایع ہوئی ہیں۔

اسی موضوع پر سندھ میں قدیم زمانے میں کام ہوا۔ چناں چہ ہماری معلومات کے مطابق اسی سلسلے کی تین کتابیں بہت ہی اہم اور قابل ذکر ہیں:

۱- تحفۃ الکرام: جس میں میر قانع نے جابجا مقابر کی نشان دہی کی ہے۔

۲- تحفۃ الطاہرین: جس میں شیخ اعظم نے ٹھٹہ شہر اور مکلی کے مدفونین کا ذکر کرتے ہوئے قبروں کے نشان اور ان کے متعلق مفید

معلومات مہیا کی ہیں۔

۳- اسی سلسلے کی تیسری کتاب مکلی نامہ ہے۔ جسے ہم آئندہ صفحات میں مفصل حواشی کے ساتھ شایع کررہے ہیں۔ جس میں مصنف نے مکلی کے چند مقابر اور کچھ آثار کا احوال اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں قلم بند کیا ہے۔

سندھ ایک ایسا تاریخی ملک ہے، جو علم و عرفان کا مرکز رہا ہے۔ یہ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کا آستانہ ہے۔ اس کا ہر شہر، ہر قصبہ اور قریہ مشہور شخصیات کے مزارات اور مقابر سے بھرا پڑا ہے۔ اسی سلسلے کی اور بھی کتابیں ہوں گی، لیکن ہمیں فی الحال فقط مذکورہ تین کتابوں کا علم ہے۔

مکلی نامہ کے مصنف میر علی شیر قانع کا تعلق مذکورہ بالا کتاب مقاصد الاقبال کے مؤلف سید اصیل الدین دشتکی شیرازی کے خاندان سے ہے۔ انھوں نے جس وقت مکلی نامہ تالیف کیا یا تحفۃ الکرام میں جابجا مختلف مزارات، مقابر اور خانقاہوں کی نشان دہی کر رہے تھے، اس وقت گویا وہ اپنے پیش رو بزرگ میر اصیل الدین کی پیروی اور تتبع کررہے تھے۔

در حقیقت سندھ کے اس پُر نویس اور ہمہ گیر مؤرخ اور مصنف نے مکلی نامہ اپنے شاعرانہ جذبے کی آسودگی، مقفیٰ اور مسجع نثر نویسی کے مظاہرے کے لیے لکھی تھی، لیکن جس صورت میں ان کے ضمیر یا فطرت میں تاریخ دانی اور تاریخ نویسی کا شوق اور جذبہ موجود تھا، اسی لئے لکھتے تھے۔ انھوں نے علی الحساب بہت سے تاریخی حقائق کے علاوہ بہت سی تمدنی باتیں بھی بیان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکلی نامہ کو نہ صرف ایک ادبی حیثیت حاصل ہے، بلکہ تاریخی مواد کے سبب اس کتاب کو ہماری تاریخ میں بھی اہم مقام حاصل ہے۔(۱۷)

میر قانع (متوفی ۱۲۰۳ھ) نے مکلی نامہ میں مکلی کے مقابر اور آثار کا ذکر ساموئی سے شروع کرکے تغلق آباد (کلاں کوٹ) تک پہنچاکر ختم کیا ہے۔ یعنی شمال سے جنوب کی طرف آثار کو یوں ترتیب دیا ہے:

۱- سید محمد حسین المعروف بہ شاہ مراد شیرازی۔
۲- سید جمال: ان کا مزار گنبد میں ہے۔ (؟)
۳- شیخ عیسیٰ لنگوٹی: سید محمد جمال (؟) (۱۸) کے گنبد (۱۹) کے الٹے ہاتھ شیخ کی درگاہ ہے۔ درگاہ سے ان کا نظارہ بڑا دل کش اور دل فریب نظر آتا ہے۔ مہینے کی ۱۴ اور ۲۰ تاریخ کو شیخ کے مزار پر میلہ لگتا ہے۔ اور لوگ سیر و تفریح کے لیے ان باغات میں آتے رہتے ہیں اور سارا دن وہاں بسر کرتے ہیں۔
۴- شیخ حماد جمالی: گنبد میں دفن ہے۔
۵- جامع مسجد مکلی۔
۶- قاضی عبداللہ: مسجد کے ایک طرف (؟) قاضی عبداللہ کا مزار ہے، جہاں ہر جمعرات کی شام، اساتذہ اپنے شاگردوں کو لے آتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں، تاکہ ان کا ذہن کھل جائے، اور وہ علم میں نام پیدا کریں۔
۷- جام نظام الدین: مسجد کی دوسری طرف (مشرق میں) جام نظام الدین کی رانکہ ہے، جس پر گنبد نہیں ہے۔
۸- تالاب: جام کے مقبرے کے نشیب میں ایک خوب صورت تالاب ہے۔
۹- شیخ جیو: ان کی درگاہ پر ہر پیر کی رات بہت سے لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں اور ساری رات وہاں بسر کرتے ہیں۔ خاص طور پر مہینے کی پہلی پیر کی رات کو عظیم الشان میلہ لگتا ہے۔
۱۰- پیر آسات: ان کے مقبرہ پر ہر ۲۸ شعبان کو میلہ لگتا ہے۔
۱۱- پیر آسات کا چشمہ: مقبرے کے ساتھ ایک قدرتی چشمہ ہے، جس میں صاف پانی بہتا رہتا ہے اور اس کے ایک کنارے پر درخت موجود ہے۔ (شاید یہ چشمہ اس وقت عبداللہ شاہ کے احاطے میں آگیا ہے)۔
۱۲- تالاب پیر آسات: سیڑھی کے پاس (؟) ایک تالاب ہے، جو برسات کے پانی سے بھر جاتا ہے۔
۱۳- تالاب شیخ جیو: شیخ کی درگاہ کے متصل بھی ایک تالاب ہے۔ برسات کے موسم میں جب پیر آسات والے تالاب کا پانی شیخ والے تالاب

سے ملتا ہے تو اس وقت 'کوثر اور تسنیم' کی آمیزش ہوجاتی ہے۔ شیخ کے تالاب کے اوپر ایک پل ہے، جہاں سے برسات کے موسم میں آمد و رفت ہوتی ہے۔

۱۴- خسرو خان کی رانک: شیخ جیو والے تالاب کے اوپر خسرو خان کی رانکہ ہے۔ مغرب کی طرف سے سیدھے اور داہنے طرف اُس کے اندر ایک نشیمن ہے، جس کا رخ تالاب کی طرف ہے۔ (یہ غالباً وہی رانکہ ہے، جس کو اس وقت سات چڑہی کہا جاتا ہے)

۱۵- شاہ پریان: چہار دیواری کے اندر چند قبریں ہیں۔ عورتوں کے اعتقاد کے مطابق یہ شاہ پریوں کی قبریں ہیں۔ ہر جمعرات وہاں عورتوں کا میلہ لگتا ہے۔ (میر قانع نے اس مقام کی تعریف میں بڑے مبالغے سے کام لیا ہے)

۱۶- میرزا عیسیٰ کی رانک: رانکہ کے دروازے کے سامنے دو رویہ دکانیں ہیں اور ان کے آس پاس چشمے ہیں۔ (یہ دکانیں اب موجود نہیں ہیں۔ دروازے سے جو پگڈنڈی سیدھی جان بابا کے مقبرے کی طرف جاتی ہے، یہ دکانیں شاید اس پگڈنڈی کے دونوں طرف تھیں۔ آج کل جب کھدائی کی گئی تو پتھر کی بنیادیں ظاہر ہوئیں)۔

۱۷- چشمہ ناران سر: یہ چشمہ میرزا عیسیٰ کی رانکہ سے متصل ہے۔ (۲۰)

۱۸- بھرا سر: یہ تالاب میرزا کے پڑوس میں ہے۔

۱۹- معبد کالکان: پہاڑی کے دامن میں ہندوؤں کا ایک معبد ہے۔ وہاں سے لے کر ٹھٹہ شہر تک نشیبی زمین ہے۔ برسات کے موسم میں جب یہ نشیبی علاقہ بھر جاتا تھا تو لوگوں کی آمد و رفت کشتیوں کے ذریعے ہوتی تھی، اور لوگ تفریح کے لیے کشتیوں میں بیٹھ کر خوب سیر و تفریح کرتے تھے۔

۲۰- کھیر سر تالاب: میرزا عیسیٰ کی رانکہ سے لے کر اسی تالاب تک کی سرزمین سرسبز اور مخملین ہے۔ سبزے کے علاوہ سایہ دار درخت بھی ہیں۔

۲۱- جلوہ گاہ اماسین: لوگ جب کھیر سر تالاب کی سیر سے سیر ہوجاتے

ہیں، تو پھر اس طرف جلوہ گاہ امامین کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور وضو کھیر سر کے پانی سے کرتے ہیں۔

۲۲- ارض پاک مصلیٰ: (عید گاہ اور کنواں) جلوہ گاہ امامین کی زیارت کے بعد لوگ ارض پاک مصلیٰ آتے ہیں۔ جس کے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ دیوار کے متصل محراب کے سامنے ایک گھرا کنواں ہے، اس کنویں کے اندر سے ایک درخت باہر کنویں پر چھتری کی طرح سایہ دار نظر آتا ہے۔

۲۳- سید محمد یوسف رضوی: اس کے بعد سید محمد یوسف کا مرقد ہے، جس کے صحن میں ایک حوض ہے جو چاہ کنعان سے بھی گھرا ہے۔ اس حوض کے کنارے ایک لمبا سایہ دار درخت ہے، جس کی شاخیں ثریا تک پہنچتی ہیں اور اس کی جڑیں تحت الثریٰ تک ہیں۔

۲۴- سہسہ لنگ تالاب: سید یوسف کے مزار سے ہو کر جب پہاڑی سے نیچے اتریں گے، تو اسی پہاڑی کے دامن میں سہسہ لنگ (۲۲) نامی ایک تالاب ہے۔ (اس وقت اس کو بکھر کی جھیل کہا جاتا ہے، جو جنوب مشرق کی جانب ہے)

۲۵- میکرا: اسی جھیل کو سرزمین میکرا کہا جاتا ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی خوب صورت اور روح پرور ہے۔

۲۶- پیر شیخ عالی: میکرا کے مغرب کی جانب پیر شیخ عالی کی خانقاہ ہے۔

۲۷- کھنڈ سر کنواں: اسی خانقاہ میں ایک کنواں ہے، جسے کھنڈ سر کہا جاتا ہے، جس کا پانی شکر کی طرح میٹھا ہے۔

۲۸- غار: میکرا جھیل کے پاس درگاہ پیر عالی کے مغرب کی جانب جبل کے اندر بہت سے غار ہیں، جہاں اللہ کے ولی اعتکاف کرتے تھے۔ (شاید ان غاروں میں سے ایک میں شاہ جنید عبادت کرتے تھے)

۲۹- ہندوؤں کی عبادت گاہ: اسی طرح انھی کناروں کے قریب جوگیوں اور سنیاسیوں کی عبادت اور ریاضت کے آستانے ہیں، جہاں دور دور کے جوگی آکر ریاضت کرتے تھے۔

۳۰- پیر غیب: اسی پہاڑی کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی پر پیر غیب کا مزار ہے۔ جہاں عقیدت مندوں کا ہر وقت میلہ لگا رہتا ہے۔ میلے کی خاص تاریخ پر شہر کے سارے لوگ آکر جمع ہوتے ہیں۔ برسات برسانا پیر غیب کی مشہور کرامات میں سے ایک ہے۔
۳۱- طغرل آباد: (کلاں کوٹ) یہ تاریخی مقام مدتوں سے ویران ہے۔ برسات کے موسم میں لوگ تفریح کے لیے یہاں آتے تھے۔ زبوں شدہ قلعہ کے آثار اور عمارات کی اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ اس کے اندر بہت سے تالاب تھے، جو اب ویران ہیں۔ ایک عظیم الشان مسجد ہے، جس کے کھنڈرات اور دیواریں اُس کی عظمت کی گواہی دیتے ہوئے اس کی ویرانی پر مرثیہ خواں ہیں۔
۳۲- اگھور تالاب: طغرل آباد یا تغلق آباد کی پہاڑیوں کے نیچے قلعے کے شمال میں اگھور نامی ایک تالاب ہے۔
۳۳- ملا داؤد درس: طغرل آباد سے چار پانچ میل دور پہاڑی کی اسی شاخ پر ملا داؤد درس کی خانقاہ ہے، جہاں مسلسل تین روز عجیب و غریب میلہ لگتا ہے۔ وہاں کوئی درخت نہیں، صاف میدان ہے، اس لیے میلے کے موقع پر لوگ شامیانہ یا موٹی چادریں لے کر آتے ہیں اور ان کے نیچے بیٹھے رہتے ہیں۔ خانقاہ کے احاطے میں ایک مسجد ہے۔ مسجد کی دیواروں کے ساتھ بہترین آرام دہ نشیمن بنے ہوئے ہیں، جن کے سامنے پہاڑوں کے نیچے صاف اور شفاف پانی کے تالاب ہیں۔ چاندنی راتوں میں ان نشیمنوں سے دل نشین نظارہ قابلِ دید ہوتا ہے، تا حد نظر چاندنی نظر آئے گی، جو روح کی راحت اور قلب کی فرحت کا باعث ہے۔ ہر جمعرات کی شام وہاں میلہ لگتا ہے۔ خاص طور پر ہر ماہ کی پہلی جمعرات عقیدت مندوں کا ہجوم قابلِ دید ہوتا ہے۔ ربیع الاول کی ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو بڑا میلہ لگتا ہے۔ (۲۳)

مکلی نامہ میں شاعرانہ مبالغہ آرائی اور کلام کی رنگینی کو چھوڑ کر، باقی جو کارآمد احوال ملتا ہے، وہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ کتاب مکلی نامہ ۱۱۷۴ھ میں لکھی گئی۔ آج اسی مذکور کو دو سو برس سے

بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ظاہر ہے جس صورت حال کا قانع نے نقشہ پیش کیا ہے، وہ اتنے طویل عرصے کے بعد تبدیل ہوچکا ہے۔ خانقاہیں ویران ہوگئیں، میلے جھمیلے ختم ہوگئے، سبزے کا نام و نشان نہیں رہا، آج کل ہر طرف ویرانی ہی ویرانی ہے۔

مذکورہ بالا آثار کے متعلق پہلے ایڈیشن میں، مشاہدہ نہ ہونے کے سبب راقم نے حواشی نہیں لکھے تھے، موجودہ ایڈیشن کے حواشی میں مواد میں غیر معمولی اضافے کے علاوہ شیخ عالی، سید یوسف اور شاہ پریاں کے متعلق نئے حواشی دیے گئے ہیں، لیکن پھر بھی بہت سے آثار پر حواشی نہیں لکھے گئے۔

بہت کوشش کے باوجود راقم کچھ آثار کے مشاہدے سے محروم رہا، جائے وقوع کا صحیح پتا معلوم نہ ہوسکا، اس لیے مجبوراً مندرجہ ذیل آثار پر مفصل حواشی لکھنے سے قاصر ہوں۔ اگر کبھی موقع ملا تو ان پر مفصل حواشی ضرور لکھوں گا۔

۱- ارض پاک مصلیٰ۔
۲- چاہ محاذی محراب عید گاہ۔
۳- غارهای جبل مشرق رویہ زمین میکرا۔
۴- پیر غیب۔
۵- اگھور تالاب۔ (نزد طغرل آباد)
۶- ملا داؤد درس، مسجد و تالاب۔

مندرجہ ذیل آثار ہم متعین نہیں کرسکے ہیں، لیکن موجودہ ایڈیشن میں ان کے متعلق جو بھی مواد مل سکا وہ شامل کیا گیا ہے۔

۱- چشمۂ ناران سر۔
۲- چشمۂ بھرا سر۔
۳- چشمۂ کھیر سر۔
۴- تالاب سہسہ لنگ۔
۵- معبد ہندواں۔ (؟)

مکلی نامہ کا متن راقم الحروف نے مختصر حواشی کے ساتھ پہلی

مرتبہ ۱۹۵۶ء میں سندھی ادبی بورڈ کے سہ ماہی "مہران" کی دو اشاعتوں (۳-۴) میں شایع کروایا۔ کتاب کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سندھی ادبی بورڈ نے اس کو کتابی صورت میں دوسرے ایڈیشن کے طور پر چھاپنے کا فیصلہ کیا۔ جس کی تعمیل میں موجودہ ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔

اس ایڈیشن کا متن ۱۹۵۹ء میں شایع ہوچکا تھا، لیکن حواشی کی تکمیل میں ۹ سال لگ گئے۔ راقم الحروف کے ابتدائی تین برس علالت میں گزر گئے۔ بقیہ عرصہ مواد جمع کرنے اور حواشی لکھنے میں بسر ہوا۔ مختلف مشاغل کے سبب لگاتار لکھنے سے قاصر رہا، اس لیے موجودہ کتاب کے علاوہ سات سو صفحات وقفہ وقفہ سے اکثر سفر کے دوران ملک کے مختلف شہروں میں اور باہر، ریل اور جہاز کے سفر کے دوران لکھے گئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ لکھنے کی اس بے ربطی کے سبب تحریر میں کہیں تشنگی رہ گئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں ربط برقرار نہ رہا ہو اور کہیں کہیں واقعات اور بیان کی تکرار نظر آئے۔ اس کے باوجود میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ہر مضمون ممکن حد تک کوتاہیوں اور خامیوں سے پاک ہو، تاہم میں کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا، قاری سے خطاؤں کی چشم پوشی اور مشورے کا طلب گار ہوں۔ خاص طور پر متن میں جو غلطیاں رہ گئی ہیں، ان کی اصلاح کے لیے ملتجی اور منتظر ہوں۔ کتاب کا متن میری غیر حاضری میں ایک ایسے چھاپ خانے سے شائع ہوا، جو صحیح معنوں میں چھاپ خانہ تھا ہی نہیں۔ نہ صرف کمپوزنگ خراب اور چھپائی بے کار ہے، بلکہ اس میں کئی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، جس کے لیے راقم شرمندہ ہے۔

حواشی کی طباعت وفائی پریس میں ہوئی ہے، میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نہ صرف کمپوزنگ اچھی ہو، بلکہ عبارتوں میں بھی کوئی غلطی رہ نہ جائے۔ اس سلسلے میں، میں وفائی پریس کے مالک عزیزم علی نواز وفائی اور پریس کے مہتمم محترم عبدالرحیم صاحب کا

بے حد شکر گذار ہوں۔ ان دونوں حضرات نے مجھے ہر قسم کی آسانی فراہم کی۔ بعض پروف پانچ مرتبہ پڑھنے پڑے، کہیں کمپوز شدہ عبارت میں تبدیلی کرنا پڑی۔ مجھے یقین ہے کہ میری اس کتاب سے پریس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہوگا اور یہ احسان رسمی شکریہ ادائی سے کہیں زیادہ ہے۔

کتاب کا مواد جمع کرنے میں، میں نے بڑی محنت کی ہے، قاری اس کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔ سندھ کی تاریخ کا کافی ذخیرہ ان صفحات میں جمع کیا گیا ہے۔ دیبل اور ٹھٹہ کی تاریخ، سما خاندان کا نسب نامہ اور اس پر نوٹ، گجراتی سلاطین سے سندھ کے سما خاندان کی عزازت و قرابت، عیسیٰ ترخان ثانی کا احوال، نسب نامہ (۲۴) دارا شکوہ کی سندھ میں آمد، ترخانوں کے مقبرے اور ان کے نقشہ جات اور کتبات- یہ سب ایسے مضامین ہیں، جن پر اس سے پہلے اتنی تفصیل اور گہرائی سے نہیں لکھا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ سندھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لیے یہ حقائق کار آمد ثابت ہوں گے۔

سندھ کی تاریخ پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوا۔ فقط منتشر مقالات اور کتابچے لکھے گئے ہیں لیکن تحقیق اور تفصیل سے کوئی کام نہیں ہوا۔ اس کا بڑا سبب یقینا یہ بھی ہے کہ مطلوبہ مواد یک جا میسر نہیں، کتابوں میں کم، لیکن کتابوں سے باہر زیادہ ہے۔ خود کتابوں کا مسئلہ بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سوائے چند متداول کتابوں کے دوسرے کتابی مواد کا علم اور وہاں تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ قبرستانوں تک پہنچنا اور ان پر لکھے ہوئے کتبات نقل کرنا، سندھ میں کوئی دستوری اور مروج طریقہ نہیں رہا۔

سندھ کی تاریخ تب مرتب ہوسکے گی، جب زیر زمین دفینے کھودے جائیں۔ تاریخی مقامات کی تلاش کے بعد ان پر تحقیق ہو۔ سندھ کی تاریخ پر لکھی گئی کتابیں تلاش کر کے جمع کی جائیں۔ سندھ کے باہر کتابوں میں سندھ کے تاریخ پر جو کچھ مواد میسر ہو وہ بڑے پیمانے پر تلاش کر کے یک جا کیا جائے۔ کسی قدیم ملک، کسی قدیم تہذیب اور

کسی نجیب قوم کی تاریخ لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خصوصاً سندھی قوم، جس کے اصول، عادات و اطوار، جس کا نقطۂ نظر اور مسائل کے متعلق جس کے نظریات مخصوص اور غیر معمولی ہوں۔ اس کی فکر اور روش کو سمجھ کر، اس کا تجزیہ کرکے صحیح تاریخ لکھنے کے لیے بڑی محنت اور جان فشانی کی ضرورت ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ سندھ کی مفصل اور مستند تاریخ کی طلب کرنا میرے خیال میں زیادتی ہے۔ سب سے پہلے منتشر مواد جمع کیا جائے۔ اس وقت ہمیں انفرادی طور پر نہیں، بلکہ اجتماعی قوت سے ایک قومی تحریک کے جذبے کے تحت مواد جمع کرنا چاہیے۔ عمارت کی تعمیر کے لیے سب سے پہلے مطلوبہ سامان جمع کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد عمارت کی تعمیر شروع کی جاتی ہے۔

تاریخ کی بنیادی کتب سب سے پہلے شایع کرنے کے متعلق میں نے جو کاوشیں کی ہیں، اس کا خاص سبب بھی یہی ہے۔ مختلف کتابوں پر میں نے جو حواشی اور مقدمے لکھے ہیں، ان کا مقصد بھی یہی ہے۔ چناں چہ مکلی نامہ میں جو مواد شامل کیا گیا ہے، وہ مندرجہ بالا اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جمع کیا گیا ہے اور اس کتاب کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے۔

یہی وقت ہے کہ ہم مواد فراہم کریں۔ اگر میں سندھ کی تاریخ نہ لکھ سکا تو کوئی اور لکھے گا۔ بہرحال جب تک مواد میسر نہیں ہوگا، تب تک کچھ نہیں لکھا جائے گا۔

در حقیقت مکلی کے قبرستان میں ہماری تاریخ کا اتنا خزانہ مدفون ہے کہ اگر سالہا سال تحقیق کی جائے، تو بھی یہ مہم مکمل نہیں ہوگی۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو۔ بہرحال جوں جوں لوگوں میں اپنے آبائی وطن اور ملکی تاریخ کا شوق بڑھے گا، تو مکلی اور مکلی کے مقابر اور شخصیات زیر بحث آئیں گی۔ یہ نہ ایک وقت کا کام ہے اور نہ ایک موقع کا معاملہ ہے۔

آخر میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جنھوں نے اس علمی کام میں میری مدد کی۔ مشہور سندہ دوست جرمن خاتون اینمری شمل کا احسان مند ہوں۔ در حقیقت موصوفہ کی تحریک اور تجویز پر میں نے اس کام کی ابتدا کی، اور ان کی ہمت افزائی اور تاکید آخری وقت تک شامل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس عرصے میں تھکاوٹ محسوس نہیں کی۔

عزیزم محمد ابراہیم جویہ اور غلام ربانی کا احسان مند ہوں، جنھوں نے سندھی ادبی بورڈ کے کارکن کی حیثیت کے علاوہ ذاتی طور بھی میری مدد کی۔ اسی طرح مولانا غلام مصطفی قاسمی، عزیزم علی نواز وفائی اور محکمۂ آثار قدیمہ کے دوست عزیز محمد ادریس صدیقی، ڈاکٹر عبدالغفور، جناب بیگ صاحب (لائبریرین) اور مجید صاحب (اورسیر مکلی) کا احسان مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں کو سلامت، شاد اور آباد رکھے — آمین۔

حسام الدین راشدی

کراچی
۷ جولائی ۱۹۶۶ء

حواشی
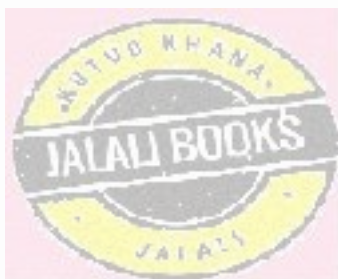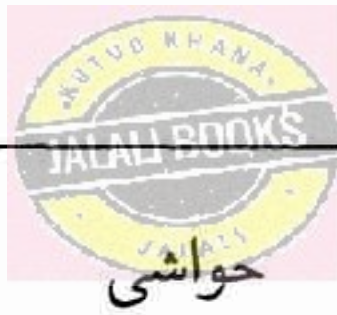
(۱) مطبوعہ دمشق ۱۹۵۳ء ابی الحسن علی بن ابی بکر الهروی المتوفی بحلب ۶۱۱ھ
(۲) ملاحظہ ہو الفلك المشحون فی احوال محمد بن طولون۔
(۳) مطبوعہ دمشق ۱۹۵۶ء
(۴) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۶ھ
(۵) مطبوعہ شیراز ۱۳۲۰ شمسی۔
(۶) اس کتاب کی تلخیص خواجہ حسن نظامی نے اپنے سفرنامے میں دی ہے۔ اصل کتاب جناب فکری سلجوقی ہروی، دو ضمیموں اور تتمہ کے ساتھ عن قریب کابل سے شایع کررہے ہیں۔
(۷) آقای گلچین معانی نے تہران سے شایع کی ہے۔
(۸) آقای ایرج افشار نے تہران سے شایع کی ہے۔ اس موضوع پر کئی کتابیں تھیں، جو بدقسمتی سے گم ہو گئیں۔ ایرج افشار نے کتاب کے مقدمے میں ان کے نام دیے ہیں۔
(۹) آقای ایرج افشار نے اس کتاب کے دو ایڈیشن شایع کیے ہیں۔
(۱۰) مطبوعہ بنگاہ نشر و ترجمہ تہران۔
(۱۱) مطبوعہ ۱۳۳۰ شمسی۔
(۱۲) مطبوعہ اصفہان ۱۳۲۴ شمسی۔
(۱۳) اس رسالہ کو احمد حسن دانی نے اپنی کتاب **Muslim Architechture in Bengal** میں بطور ضمیمہ شایع کیا ہے۔
(۱۴) ریو۔ ج ۱ ص ۴۳۱
(۱۵) ریو۔ ج ۲ ص ۸۵۸
(۱۶) اس سلسلہ میں طبع اول کا مقدمہ ملاحظہ ہو، جو دوبارہ اس ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے۔
(۱۷) سید عالی کے مقبرے کے باہر سید جلال کی چھتری ہے۔ کہتے

ہیں کہ اس سے متصل مغرب میں سید جمالی کی قبر ہے۔

(۱۸) سید جمال کا نہیں، بلکہ سید عالی کا گنبد ہے۔

(۱۹) 'سر' ہندی زبان کا لفظ ہے۔ جس کی معنیٰ ہیں تالاب یا جھیل۔ شاہ عبداللطیف نے اپنے چند اشعار میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ کشمیر میں دو تالاب ہیں، ایک تار سر، دوسرا مارسر۔ ملا توفیق کشمیری نے اپنے ایک شعر میں انھیں بطور تشبیہ استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

در یاد دو زلفِ بتِ کشمیر نژادی
شد تارسر و مارسر از گریہ دو چشم

تذکرہ حسینی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: مخفی نماند کہ تارسر و مارسر نام دو تالابی است کہ در کشمیر واقع است. (ص ۷۹)

(۲۰) تاریخ طاہری میں اسی تالاب کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے: ... و بر بالای کوہ مکلی تالا بی است کہ آنرا کیر سر می نامند۔ یعنی تالاب شیرین– ایلٹ نے اس کا ترجمہ کھیر اَتلُ کیا ہے۔ (ص ۲۷۴ جلد اول)
عبدالرحیم شاہ مرحوم کی کوٹھی کے جنوب مشرقی کونے میں ایک قبرستان ہے، جسے کھاری سر کا قبرستان کہا جاتا ہے۔ جو مخدوم محمد ہاشم کے احاطے سے تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر ہے۔ ایسے ہی تالابی کے سبب یہ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔

(۲۱) گجرات میں بھی اسی نام سے ایک تالاب ہے۔ تاریخ گجرات کے مؤلف سید ابوظفر ندوی نے اسی کتاب میں لکھا ہے (مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء ص ۳۹۰) گجرات کے ترک گورنر، نظام الملک جونا بہادر (۷۴۶–۷۶۴ھ) کے دور میں ملک طغی کی پیروی کرتے ہوئے اسی حوض پر منزل انداز ہوئے تھے۔

(۲۲) مکلی نامہ کا یہ اختصار راقم الحروف نے منیلا (فلپائن) میں ۳ نومبر ۱۹۵۹ء میں تیار کیا تھا۔

(۲۳) ترخان نامہ میں ہم نے ترخانوں کا نسب نامہ شایع کیا ہے۔ یہاں دیے گئے نسب نامے میں مزید تصحیح کی گئی ہے۔
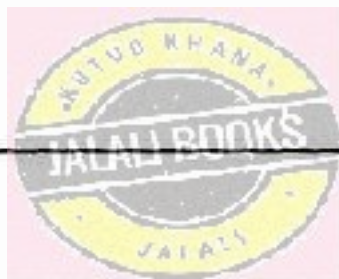
[۱۲۳] وبه نستعین

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

رَب یسر وتَمّمِ بالخیر

الٰهی از بحارِ فیض یك نم
به جامِ گل بده نوشی چو شبنم
لبی تر خواهم از صافِ ثنایت
شعورِ ما و هوشِ ما فدایت
چکیدن بخش دل را چون سرشك آب
ز جوی عین حمدِ خویش وهاب
زبانم کن چوسوسن سبزد در کام
چو گل سیپارهٔ تن صرف یك جام
مَیم ده لیك سرجوشِ حقیقت
که لب تر سازم اندر حرفِ حمدت

آب و رنگ گل گفتار موقوف آبیاری بهار پیرائی که زبان سوسن مو برآوردهٔ عدّه احصای بوقلمونی صنایع او است، وسرورِ کیفیت مُل تذکار سرخوش حمد طرب افزائی که لبِ جام تبخاله ریز گرمی نشهٔ بیخودیهای مشاهدهٔ بدایع وی است. غنچهٔ خونین دل اگر نه وابستهٔ رنگ آمیزی قدرت نیرنگیهایش بودی، به دستِ نسیم در چمن عقدهٔ خاطرش نه کشودی، وساغر صافی گل اگر نه ورد پروردِ درد مستان مصطبهٔ معرفتش نمودی، شبنم صاف دست چسان آلایش وجودش پاك زدودی. برای دست ریشان تحریر نیایش آلای بی منتهایش شنجرف سای شفق خاء وبه جهت سینه خراشان فکر تقریر توصیف محامد والایش سواد کاری شام مومیای بی بها. سفیده ای که در صدف مهر نمایان است صرف حك حروف باطلهٔ صفحات

قلوب ثنا گران او، و نقره ای که در جام ماه حل کردند وقف تذهیب خاطر سپاسیان او. اوراق سبزها را افشان ترشح قابل تحریر، رنگ بدایع نقوش قدرت او کرده، وکاغذ ابری هوا را تذهیب نقاطر لایق تسطیر، نیرنگ غرایب صُور ندرت اُو نموده. سنبلها را قلم موبهر رنگ صفحات بساطین صنایعش، وهزاران را زبان حق گو جهت، اظهار بی چونیهای بهار بدایعش، فَسبحانهٗ ما اَعظمَ شانهٗ.

بود لاله ز دردش داغداری
ازو در خاطرِ گل خسته خاری
نه تنها نغمه سنجِ اوست بلبل
همین نه بوی وی افشا کند گل
ز کل تا جزوِ جزوی این گلستان
ورق گردانِ جزوِ حمدِ رحمان

[۱۲۴] نسیم سرمست شمیم بهار، همرنگی او صباوار هوای اظهار، نیرنگی وی برشکل قطره ای از بحارِ قدرتِ بی مثالش، وبهار نفحه ای از بوستان مکرمت بی زوالش. سبزها بر زمین انگشت شهادت آسودگان خاك، وگلها لخت جگر شهیدان عشق هلاك. ابرها به هوا داریش اشك ریزان، وبرقا در نارِ شوقش چون ماهی بر تابه طپان. آبها روان راهِ جستجویش، بادها سر گرم جوش بویش- خاکها ظرف بهار بدایع صنایع او، و آتشها آتشین نعل مشاهدهٔ صنایع بدایع او- انهار ازو آبی بجو دارند، وازهار ازو بوئی به دماغ می کارند. اشجار را برگ ساز فکرت او، وطیور را سرِ پرواز قضای محمدت او.

تعالیٰ اللّٰہ زهی نقاش تر دست
که گل را ز آب و آتش یك گره بست
خطِ ریحان بنسخِ وی فرستاد
که از یاقوت لاله کلكِ خوش داد
زد آتش در پرندِ زمهریری
به دستِ جامه پوشانِ حریری

شفق را عیدیِ عشرت بِه کف داد
براتِ خرّمی بر لیلِ معتاد
بشوید مشقیِ سوسن ز شبنم
غبار از روی او گردیده زان کم
به جانِ عشق پیچان تاب داده
به سنبلِ رنگِ مشکِ ناب داده
دهد ابروی گل را وسمهٔ زر
شقایق را به دست از خون محضر
به نرگس داده آن جامِ ملبب
که در مستیش دارد دائما تب
هزاران داستان آموزِ شوقش
ریاحین مست آبِ جوی ذوقش
ضمیران را ضمیر از رنگِ او پُر
به خیری داده رنگ و رونقِ خور
سمن را مشربِ صافی ز جویش
به نسرین آب و رنگ گفتگویش
ندانم جانِ صندل را چه درد است
که رنگش گاه سرخ و گاه زرد است
ندانم از کدامی نخلِ موزون
بود آشفته دایم بیدِ مجنون
چنار از شوقِ او آتش تهِ جان
بود شمشاد زان تلواسه لرزان
صنوبر قد کشید اما به حیرت
بود هر سر و پا قایم به فکرت
به شوقِ کیست این دریا خروشان
به لب کف سلسله در پا و جوشان

شرر در سنگها از آتشِ چیست
به جانِ مهر رعشه در تبِ کیست
[۱۲۵] زسنگ آید برون آغشتهٔ خون
ندانم لعل را باشد چه مضمون
ضمیرِ کان پر از اندیشهٔ اوست
که باشد خونِ محضش مغز در پوست
زبان را در بیان قدرتِ او
چو زنبق رسته از ته کام صد مو

و بعد گل افشانی بهار حمدت و ثنا جوش رنگ ازهار، صلوات و دعا نثار روضهٔ سامعه افروز ساکنان ملای اعلیٰ، امجد مجتبا، سند اصفیاء سید انبیاء احمد محمد مصطفی است، که به شیرینی لذتِ نامش قلم را از بنان جوی شیر روان، وبه شکر فروشی عدّ العامش سخن را به زبان منطق طوطی ترجمان.

چو طفلِ غنچه نا دیده دبستان
ببر سیپارهٔ اسرارِ رحمان
ندیده گر بنانش از قلم درد
به یك انگشت دستان مه قلم کرد
نبودش گرچه با خط آشنا دست
خطِ نسخی بر ادیانِ سلف بست

سیّماً مُشهداً مُمجداً مولیٰ المولیٰ عَلیه وعلیٰ آله الصلواة من الله مخصوصِ قُربت أنتَ منی بمنزلة هارون من موسیٰ سَیّد الاولیاء علی مرتضیٰ است، که هوای کویش محرمان بیت الله را بهانه، وفدای جویش هواداران خلد را نشانه.

ز خاكِ مرقدش یك بوی در گل
ز جعدِ قنبرش موی است سنبل
چمن صبّاغ رنگِ روی آلش

☆ پھیتہ

بهار آشفتۀ جوشِ خیالش
چو غنچه چونکه آهنگِ سفر کرد
گلِ زخمِ محبت را بسر کرد
بلی عشاق را چون یار خواند
گلِ نذر طلب سویش دواند

از تقاضای وقت آنکه ابر مطیر کلکم به آب طراوت افزای مستمعان ترشحی فرماید، و از آبیاری طبع مطرا کشتی بیان در عمان صفات ایام برشگال سیری نماید، باشد که ارواح پاك پیران مکلی مددم کنند، و زمام هوشم از خود پرستی بر کنند.

درین ایام که نشئۀ مل عشرت رسا، و کیفیت صهبای مسرت دوبالا؛ مجمعی به رحیق موالات صاحب دور، و گروهی به صافی صفوت مسرور؛ سیر اختران چشمك لطف ساقی، و گردش گردون دوران ساغر مهر مشتاقی؛ حبّذا دستی که به جام معرفت آشنا است، ومرحبا سری که مدام را درو جلا؛ آئینۀ خاطران با عکس خویش هم در مواسات، ودریا دلان با هرخس و خاشاك گرم موالات؛ ضمیر اصحاب قلوب در جامع شادابی، و مرکوز خواطر مرغوب غالیه آرای چهرۀ سیرابی، طوطیِ ناطقه قفس شکن هموم، بلبل سامعه آشیان سوز غموم؛ قوت نامیه در اقلیم نباتات خیمه طراوت افراشته، وقدرت شامه در مینو سواد ریاحین دانۀ فرحت کاشته سبزهای سیر "نیم سیر" هوش ربا، و ریاحین همرنگ معطر ساز مشام دلها.

هوا عنبر فروش و خاك مشکین
زمین لبریز نفحاتِ ریاحین
عجب نه بود اگر چشمِ تماشا
چو مردم نافۀ چین را دهد جا

[۱۲۶] مشربِ صافیِ وقت را نازم، که به یك ساغرِ طراوت کامِ روزگار را مطرا ساخته؛ ومذهبِ وافیِ عهد را قربان روم، که در طبایع به اعتدال علمِ طرب افراشته. یك جانب فراش سحاب دیبای آبی ابر بر اوج هوا گسترده، و یك طرف سقای باران به آب پاشیها گرد کلفت از زمین پاك

سترده. ترشح عرق روی شاد صفا است و قطرات گلاب گل رعنای هوا. برقها دشنه گداز جگر آلام، و رعدها نوای ساز عشرت ایام. آسمان را از شفق طیلسانِ معصفری در بر، و زمین را از سبزه چادرِ سیرابی بر سر. اطفال ریاحین را کُله گوشۀ طراوت کج شده، و شوخان نباتات را نقش در چار سوی زمین نشسته. ندانم آب را زیر سبزها محل است یا خواب لازم مخمل، نه شناسم ذکر قدسیان است یا نغمۀ بیخود یهای کویل. کوکلا در ترنّم نشاط، وپیها سر گرم ذکر انبساط. فاخته در جامۀ قلندرانه یا هو خوان، وقمری را سبقِ تکرار دوست روان. هوا را کیفیت مدام، و صبا را بی فرخ به جام. غنچه چرا تنگ دل نباشد، که حسرتِ فتوحِ خاطر حُزنیانِ سینه اش میخراشد. وگل برای چه جامه چاك نسازد، که رشكِ رنگ چهرۀ می اندود یاران رنگِ رویش می بازد. سوسن اگر نه ثناگرِ این وقت است چه رودۀ زبان نباشد، و نرگس اگر نه منفعل نشۀ سرشار این دور است چرا دیده از زمین نباشد. هان عشرت دوستان! موسم نشاط است، وفصلِ مثنای نشه و انبساط.

بده ساقی آن آبِ عشرت سرشت
که در مرزِ دل تخمِ کلفت نه کشت
بده ساقی آن صافی پُر فرح
که دلها ازو می شود منشرح
بیا ساقی آن سیم بگداخته
بده ساقی آن آتشِ ساخته
بیا ساقی آن مومیایی روح
بده ساقی آن سینه ها را فتوح
بده ساقی آن قوتِ اِنشراح
بده ساقی آن مایۀ صد فلاح
بده ساقی آن منشاءِ انبساط
بده ساقی آن شمع بزمِ نشاط
بده ساقی آن روح جسمِ طرب

بده ساقی آن داروی جمله تب
بده ساقی آن نوش کامِ فرح
بده ساقی آن جوش جامِ فرح
بده ساقی آن کیمیا سازِ دل
بده ساقی آن محرمِ رازِ دل
بده ساقی آن نسخۀ انتعاش
صلاحِ معاد و حیاتِ معاش
بیا ساقی آن آبِ حیوانِ پاک
که خضر است در جستجویش هلاک
بیا ساقی آن سلسبیلِ روان
بیا ساقی آن کوثرِ خلدِ جان
بیا ساقی آن ترجمانِ مسیح
به خصلت ملیح و به صورت صبیح
بیا ساقی آن نفحۀ باغِ جان
[۱۲۷] بیا ساقی آن عیشها را ضمان
بیا ساقی آن مشعلِ بزمِ دل
بیا ساقی آن قوتِ حزمِ دل
بیا ساقی آن رازِ پیرِ مغان
بیا ساقی آن آبِ آتش زبان
بیا ساقی آن ارمغان سرور
بیا ساقی آن سروِ گلزارِ جان
بیا ساقی آن مرهمِ خستگان
بیا ساقی آن داروی دردِ دل
بیا ساقی آن تختۀ نردِ دل
بیا ساقی آن آب آئینه تاب
بیا ساقی مقصدِ شیخ و شاب
بیا ساقی آن تابِ چشمِ سرور

بیا ساقی آن نورِ بزمِ حضور
که در موسم عشرتِ برشگال
بجز باده چیزی نباشد حلال
سری را که نبود دلش می پرست
به خاك مزلّت بود پای بست
دلی را که نبود هوای مدام
حلالِ جهان جمله بادش حرام
مغنی بزن پردهٔ سازِ دل
بر افگن نقاب از رُخِ رازِ دل
می است نقشِ امیدها را جلا
ز تست آرزو های عالم روا
مغنی بیا یك نوایی بزن
نَی سیر "مکلی" صلایی بزن
چه "مکلی" بهشتِ زمین و زمن
زمینش همه رشك کانِ یمن
چه "مکلی" ارم نسخهٔ وصفِ او
صباحت رهین و ملاحت گرو
کی آنجا توان شد به پای خرد
که سر هوش را میگزد دستِ رد
بر این کوه رفتن به زورِ مَی است
بیا ساقی امروز دورِ مَی است

کسی نامعلوم شاعر نے مکلی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

ز دست چرخ کج رفتار غدار
دلا تا چند از غم خسته گردی
بکوهستان مکلی شو، دلِ زار
که از دنیایِ دون، وارسته گردی

حالا حالتی بهم رسیده، که دل بی اختیار به سوی تعریف کوه مکلی سری کشیده

عجب کوه نور آبادی که شکوهش طور را به رشك در آتش تجلی سر نو سوزد، وطرفه مزار گاه دلشادی که دامن نظارهٔ زایران از روی حضور به "صفا" و "مروه" می دوزد۔ نامش "مکلی" (۱) وسی به جامش از "مکّة لی" است۔

اگر بتای تواضع کسی درو نگریست
بگفت "مکّة لی" گشت زایرِ مکلی

هر قدر مطافی از اهل عرفان، و هر گام مزاری از اصحاب ایقان۔ اولیاء الله را مجمعی مثل آن جاکم نشان دهند، و فقرا را مضجعی مانند این کوه نمی شمرند. هر شبش بقدر قدر هم مقدار، و هر روزش بروز عید همسنگ در اعتبار. صبحش در صفای آئینهٔ اسرار الٰهی، وشامش به عطا منشای انوارِ نامتناهی. خاك این کوه سرسمهٔ ئدیده اولو الابصار، وزمین جبل مزرعهٔ تخم اسرار.

بهشتی در زمین پُر نور جایست
زیارتگاهِ مردانِ خدایست
نه رخشان است اَختر اندر آن جا
بود چشمِ ملك [۱۲۸] بهرِ نظروا
خور از شوقِ زیارت در تب افتاد
که اندر لرزه جسمش تا شب افتاد
نبینی بر فلك آنجا مهِ نو
که مر چشم ملائك راست ابرو
از ان نوری که زین کُه رفت بالا
بود شمعِ حضورِ ملأ اعلا
بنام ایزد چه کوهی پر فتوح است
خرامان در طوائش فوج روح است

بهر گنبد صدای "رَبِ ارنی"
به هر دیوار نقشِ "لا تَذَرنی"
ستونی آهلِ هر مضجعِ او
"أجیبوا داعی الله" مجمعِ او
پی آسودگانش "طابَ مثواه"
انیس همدمانش "لِی مَع الله"
سیاهی شبِ 'اسرا' ست شامش
سفیدیِ سحر لبریز بامش
پی شب زنده دارانش فلك را
کلف دان قهوه در فنجانِ مینا
برای دفع کلفتهای زوّار
شفق معجونِ یاقوتی پدیدار
پی فرح مجاورهای هر پیر
به دستِ صبح جامی از طباشیر
شبش را اختران حَبِ نباتند
که مر کامِ خلائق را براتند
برای صایمانِ خلوت دوست
ثریا خوشه ای افشانده از پوست
به جامِ مهر آن نوری که پیداست
پی افطار زواران او ماست
قمر مشعل فروزی هر مطافی
فلك خدمت گذاری سینه صافی
سحر سیرانِ این کوهِ معلی
چو خور دارند آتش در ته پا
به هر درگه که فرض آمد عبادت
ز خود رفتن بود تقدیم خدمت
نباشد زائرِ او کمتر از حاج

مگر نبود بی احرام محتاج
گر آن جا در "صفا" سعی است لازم
درین جا سعی از بهر صفا هم
به سالی آن بود فرضِ خلایق
به هفته چند بار اینجاست لایق
هر آن نوری که آن جا در سطوع است
ز اصل الاصل اینجا هم فروع است
نباشد غیر نور ایزدی نور
نظر در رفتن [است] از خویش معذور
به صد روزن همان یك نور تابد
دلِ محرم ازین اسرار یابد
اگر مر کعبه جویان راست دل صاف
ز خود بر غیر رفتنها چه انصاف
یگان سنگ و شررها از حد افزون
به چون و چند سایر ذات بیچون
برهمن مر بتی را ساخت اول
وزان بر خالقیّت جست منهل
بود خالق شود مخلوق ابله
درین ره سخت پا لغزیست باللّٰه
براهیم آن بنا را ساخت برپا
برای طاعتِ خلق اللّٰه ماوا
از آن تا این نباشد فرق در سنگ
مگر هر یك رود راهی به یك رنگ
الٰهی راه راهِ خویش بنما
طلسم وحدت از کثرت تو بکشا
[۱۲۹] بکن دل را بدرد خویش مسرور
بده خون مرا نیرنگ منصور

بنای شوق من ده ذوق قدسی
به ها و هوی خویشم ساز انسی
الٰهی ذره ام را ذوق مهری
که باشد روشنيِ صد سپهری
کرم کن صافی مینای توحید
بلغزان پای من زین جادهٔ کید
نشان پای ما را بخش آن ذوق
که بنماید دری از کعبهٔ شوق
صُوَر جویان اگر در خویش بینند
به تختِ "لِی مَعَ اللّٰہ" بر نشینند
در اینجا هر کهی بی کهربا نیست
دلی نبود که اندر وی خدا نیست
خدا در ما و ما اندر خداییم
حباب آسا جدا از ما و ماییم
مکانی جز مکین واللّٰہ باللّٰہ
بود نور الٰهی مشعلِ راه
هر آن نوری که زاهد دید در خواب
به مستان کشف اندر عالمِ آب
حضوری کز رخِ محراب تابد
شرابی درمیان آب یابد
مناجاتی خدا را جست و نایافت
خراباتی ببر مطلوبِ خود یافت
بیا ساقی بده آن جام سرشار
که از خود وا رهاند فکر و افکار
به مستی بخشم از خویشم رهایی
به فیضِ اهل مکلی یا الٰهی

حکایت:

خدا جویی به کعبه کرد آهنگ
شرار آسا برون زد خیمه از سنگ
به پای شوق پوییدی شب و روز
نشانِ دوست جوییدی شب و روز
طلبْ را آتشی افروخته داشت
دلی در نار شوقی سوخته داشت
نسیم آسا زدی مستانه راهی
به رنگ و بوی گل نیز از نگاهی
رسید اینجا و اندر جوشِ خود تفت
شنیدم از دلش زنگ دویی رفت
زده یك نعرهٔ مستانه در دم
که "هذا مَکّة لِـی" پیشِ عالم
چنان احوال وارستانِ عشق ست
چنین اقوال سر مستانِ عشق است
بلی نوری که هم امروز پیداست
درین جا بهر حق دان کز خدا خاست
حضورِ شاهدِ عرفان است این کوه
بنای پایهٔ ایمان است این کوه
دعا را فتحیابی این چنین نیست
عدیلِ این زمین خلدِ برین نیست

هر چند شمارهٔ منازل اولیاء الله این کوه از حد افزون، باری تبرکاً به مدح برخی استفاده می کند۔

از جملهٔ مزار متبرکه طوافِ که ومه روضهٔ پر نور و ضیاء آئینهٔ اسرار نما، شاهدِ مشاهد [۱۳۰] لی مَعَ اللهِ، مراد بخشِ هر بی مراد، سید محمد حسین (۲) المشهور به قطبِ چهارم پیر مراد است که سواد حوالی مرقد

پاکش نسخهٔ ارم به بر دارد، و بیاض صفحهٔ ارض اطهرش گلشن راز انوار الٰهی مدنظر. خندهٔ حور آهنگ مضجعش، وتجلی طور سفیدهٔ مرقدش. غزال حرم خاکروب آستان، و روح الامین آنجا پاسبان.

زبانِ سبزهٔ خود روی ارضش
شادت نامه ازبر کرده بیغش
همین تابد بر آن مضجع چنان نور
که در وی شعشعه مهر است مستور
دعا را استجابت خاکدانش
همیشه روح قدسی میهمانش
هر آن سائل که بر درگاه تابد
دهن نا کرده وا مقصود یابد

و دیگر: درگاه مظهر جلال و جمال، گزین ثمرهٔ شجرهٔ طیبهٔ آل، صاحب المناقب المتعال، سید محمد جمال است، که گنبدش صندوقچهٔ نقد نزول رحمت باری، و مرقد امجدش کعبهٔ مقصود اهل زاری.

نه آنجا آهك و گچ راست تخمیر
سراپا یافته از نور تعمیر
درین درگه که فرض آمد عبادت
ملك بر انس می جو یند سبقت
بود روحبش ز روح القدس بیشك
بود نورش به نورِ ایزدی یك
برای زائرانش رحمت حق
رسد هر دم ازین سطح معلق

ودیگر: طرف دستِ چپ این گنبدِ رفیع و درگاهِ منیع، آستانِ کروبی پاسبانِ شیخ عیسیٰ لانگوتی (۴) است، که چبوتره مشرف باغات ساموئیش (۵) در ارتفاع فلك سا ست، ونظار گیان را برای فرحت عوض جنت الماویٰ. مد نظرش همه زمین سبز، وتالابهای آب و نغز.

صفای وقت سیاران آن جای
ز سیرِ خلد افزون عشرت افزای
مسرت را اگر شارع وسیعی ست
تماشا گاهش این صدرِ منیعی ست
بود آن چوتره اندر تجلا
به گاه سیر پهلو کوبِ سینا
چنان بارد صفا زان جای عالی
که روشن تر ز صبح است آن حوالی
تو گویی رنگِ گل را آب داند
و زان هر خشت او را تاب داند
به هر سو در زمینش سبزه رسته
ریاحین در ریاحین دسته دسته
درختان زیر این کوهِ خرد شور
ز نخلِ وادی ایمن فزون نور

در هر ماه چهاردهم [۱۳۱] وبیستم این جا جمع عالیشان صورت انعقاد می یابد که نظرها را هجوم تماشای مه رویان از هوش می خرد، و پیرهن شکیبا برتن می درد. جوانان عشرت دوست همه مغز خالی از پوست، تمام روز در باغات می به جام گل خورند و آتش در آشیان بلبل زنند.

بتانِ گلبدن در رنگ لاله
به کف دارند از صهبا پیاله
به گیسو دام صیدِ خلق تابند
چو صیادان بر سویی شتابند
به هر سوئی خرامان دلبری چند
جهانی را کشند و ناشکیبند
گروهی گلبنی را کرده ماوا
به جامِ گل همی نوشند صهبا
گروهی دیده نرگسهای بیمار

خلد در خاطرِ شان چشم خمار
یکی در رنگِ گل با خندهٔ ناز
یکی در بیخودیها مستی آغاز
یکی غلطد به روی سبزه چون مست
یکی در دامنِ دلدار زد دست
یکی خواهانِ دورِ جامِ باقی
یکی را دست در آغوشِ ساقی
یکی را در ترنم نغمه ای چند
همی سوزد بر آتش همچو اسپند
برهمن را در آن جا نیست بُت یاد
که هوشش رفت این جا جمله برباد
صنم از خاطرِ سبزانِ هندو
هجومِ رنگ گل کردند یکسو
اگر مدهوش را ز آهن حصار است
در این جا گردهای میگسار است
بیا ساقی علاجِ کهنه در دم
بکش گلگونه ای بر روی زردم

الحاصل! چون محبوبهٔ مهر متوجه کاشانهٔ سپهر شود، و وقت عصر که روح قلوب است در رسد، خیل خیل خوبان در اینجا بساط عشرت گسترند، و زنگ الم از آئینهٔ خواطر پاك نمایند. ماشاء اللّٰه! این وقت را توصیف یارای خامه نیست، اَلعظمتُ للّٰه! این حال را تعریف قابل تسطیر نامه، نه صحبت حالی است نه معاملهٔ قالی.

ای نظر بازان گلی زین باغ عشرت چیدنی است
طور اسرار است تجلی گاه حق را دیدنی است

و دیگر: گنبد منبع ارشاد، سربسر نور سداد، صاحب کرامات خداداد، و واسطهٔ فتوح ابواب کشاد شیخ حماد جماد (٦) است که زینش به فیض بر فلك ممتاز، و روضهٔ انورش خلوت اهل راز، داروی دردمندان خاك او، و مقصد اهل مقصد ارض پاك او.

چنان از فیضِ ارض اوست آباد
که در دم هر غمین را می کند شاد
فضای پاك او را نور ایزد
[۱۳۲] همیشه بارد از چرخِ زبرجد
دماغ آباد از بوی زمینش
مگر بستند اندر مشكِ چینش
به نا کامانست هر کام از درِ او
مشرف بر ارم هر منظرِ او
فضای آسمان در صفحه اش تنگ
هوای خلد این جا باشدت ننگ

"مسجد مکلی" (۷) که فیضش در تمام کوهساری آنجا است، وبیننده را بلا اهمال مظر انوار هُدا ست.

یك طرفش قاضی عبدالله (۸) وارستهٔ ماسوا، گنجینه دارِ نقد علوم غیبی، واسطهٔ ادراك فیوضات لاریبی است، که آخر روز خمیس هر هفته، معلمان بخورد اطفالِ مکتب به زیارت آرند، واستدعای کشفِ علم کنند. بوالعجب حشری از قیامت قامتان، بر گرد مزار متبر که اش نمایان، وطرفه نشری از قامت قیامتان، در عین سعی به طوف درگاه آن صفا کیش عیان. مگر آسودگانِ خاك از داغِ سوختگان حسرت دیدارِ شان پنبه در گوش دارند که نمی شنوند. یا در حلاوتِ مردن به غمزهٔ مه رویان خود را فراموش کردند که نمی بینند. هر ماه به شادی آزادی از کسوف بند مکتب به بالیدگی بدر منیر، وهر گل از شوق تحصیل رنگ هنر به قرات سیپاره بغلی از بلبل سبق گیر.

به هر سویی بتانِ اَلف قامت
بر آغازند حشری با قیامت
عجب گرمی نه گردد بعث آن دم
که صورِ هوی سیارانست پیهم
بماند تا دمی آنجا سلامت
معلم در مناجات و عبادت

به جیمِ زلف پُر پیچ و شکن شان
نهفته خال تخمِ سنبلستان
سوادِ سرمه پیمان بند گشتن
خطِ ریحان سند بهرِ شکستن
چو بیند صاد دیده عین عاشق
رود تا قاف از خون غین عاشق
بدیدند همدگر آن خیل جنت
چو طا انگشت بر دیده ز حیرت
ز نونِ ابروی شان چشم بد دور
که دارد نقطه خالِ دیدهٔ حور
پریزادان بلای دین و ایمان
خرامِ شان بهارِ صد گلستان
به نامِ حق عجائب صحبت آنجا ست
نظر تا واکنی یك حشر پیدا ست
دهانِ هر یکی ز اشعار حالی
شکر جویش می ذوق هلالی
بی تشبیب ذوقِ نکته سنجان
کلامِ شان فصاحت ریز سحبان
غزل خوانيِ خیلِ حور زادی
بی عاشق مسرت مستزادی
بی تقطیع غم شد بس که مشتاق
نصابِ بیخودی در دست عشاق
چو بکشایند لب در بیت بازی
شود قربان روحِ فخر رازی
چسان "قانع" جوابِ شان تواند
مگر ترجیع بندِ ناله خواند

و جانب دوم، رانك جام نظام الدین، (۹) که چبوتره مشرق زمین

مابین "تته" اش، رصد بندان زیج مسرت را ارتفاع مرغوب، و بام بی گنبدش آسمان سیران والا همت را انتعاشی مطلوب.

بر او گر کس رود بهرِ تماشا
بود مهرش چو مرغِ رشته برپا
به نقشِ سنگهایش دیده فرهاد
عجب نبود رود شیرینش از یاد
خرد را در چهِ حیرت فگنده
که چون استاد زینسان سنگ کنده
صفای سنگهایش دیده یك یك
میانِ یشم و مرمر باشدم شك
بود از ارتفاعش چرخ اخضر
به چشم منصفان صد سنگ کمتر
کفِ بنّای او را ماه و خورشید
بگفت احسنت و چندین بار بوسید
اگرچه بر زمین این آسمان نیست
ولی از روی رفعت کم از ان نیست

در پایین، تالابی خوش آب، رشك جلوهٔ سیماب است. کشتی هوش آن جا تباهی شود، و مردمك دیدهٔ مردمِ آبی گردد.

درختان دور آن تالاب خوش آب
زمرد را بهار از کانِ سیماب

ودیگر: حضرت رفیعه سنیه، مظر انوار قدسیه، مهبط اسرار روحیه، مشعر آثار رحمت الهٰیه، پیر شیخ جیه است، که فیض زیارتش مشرکان را از لوثِ شرك پاك سازد، موحدان را فرس در مضمار هویتِ احدیت تازد.

صفای صحن او با دشت خضرا
نمی سنجد به یك پلّه تمنا
فضایش نور را زانسان کند فاش
که نبود مهر را نوری چو خفّاش

کسی گر ساید آنجا جبه گاهی
بریزد نورش از رخ تا به ماهی
چراغش را به شب از ماه روغن
"چراغِ مکلی" است نامش به این فن
اگر سایل بر این در رخ بساید
مرادش پیش از نیت بر آید

شب دو شنبه هر هفته آن جا خلایق گرد آیند، وتمام شب فیض زیارت بامرادش یابند. علی الخصوص شب دوشنبه اول از ماه، غریب مجمعی صورت گیرد. درویشان مست ذکر دوست صحبت سماع آغازند، و صوفیان همه مغز خالی از پوست بیخود به وجد تازند. دایرهٔ ماه اگر بر آتش شفق بنهند، به نوای دف نوازنده های او نرسد، ودفِ خورشید اگر به دست زهره کوبند، هم آواز های یُا هوی، موحّدانش نشود.

به نامِ دوست از خود رفته ای چند
بر آتش گرم وجدان همچو اسپند

[بعد این بیت یازده ابیات ضایع شده اند]

....
....
.... [۱۳۴]
.... این زمین بالفرض باشد
زمینش را نباشد فرش کاشی
بود نور خدا ز این رنگ پاشی
صفای وقت را نازم بر این خاک
که حیران است اندر وصفش ادراک
بود هر زایر این جا ز استفاده
پی راهِ هدایت راست جاده
نه گردد هیچگه سایل از این در
مگر با شاهدِ مقصود هم بر

در شب برات مجمعی غریب تمام آن جا منعقد شود، که محاسب خرد از کمیت روحش الکن، وضابطۀ عقل در انداز فتوحش بی سخن، فلك را خوردۀ انجم نثار مقدم زایرانش، وملك را انفاس قدسی مَروحۀ تفریح مجاورانش. 'جوزا' حمایل بکف در ختمه خوانی، و 'پروین' به خضوعِ دل در اشك افشانی. در پیالۀ بلورین ماه قهوه شیر و نبات جهت تریِ دماغِ شب بیداران، و در ابریق زرین خورشید آب حیات برای وضویِ سحر خیزان.

در آن شب کو بقدر است از قدر بیش
به خدمت می نهد گردون سرِ خویش
به خدمت بس که اندود است تکمیل
فروزد هر طرف ز انجم قنادیل
به فرش چاندنی فرّاش مهتاب
صلا داده پی هر شیخ و هر شاب
برات کامهای خلق آن شب
ازین درگاه والا می دهد رب

و دیگر: مقبرۀ منورۀ قاضی الحاجات رفیع الدرجات، برآرندۀ مرادات پیر آسات (۱۱) است، که شمع مشهدش را روح الامین پروانه، و زمینِ حوالیِ روضه اش را دل ارباب ایقان دانه.

نه آنجا حاجتِ زاری به سائل
که بی نیت بود حلّال مشکل
تو گویی اندر آن درگاه انور
بود جاروب کش مهر منور
معطر ارضش از ارواح قدسی
ملك با آدم انجا هست انسی
حریمش کعبۀ زوّار باشد
کز آنجا [۱۳۵] نور حق هرگز نباشد
کند هنگام مدحش شخص خامه
دسادم با حرم تبدیل جامه

عقب این درگاه آسمان سای، چشمه ایست از سلسبیل فرح افزای تر، که در عین مابین کوه بدان پاکیزگی و صفای دریا چه، مثل آن جا هیچ جا نیست. و سایهٔ آزاد درخت در آن ظل رحمت لا یزال.

خمیده قامتی در رنگ پیران
مگر خضریست بر حیوان نمایان
پی تعظیم این درگاه ساطع
قدش خَم یافته اندر تواضع
ز بس بارِ طراوت فرق او خست
برای مصلحت گردیده خود پست
ز بس خم یافته اندر عبادت
شده خود صورت محراب طاعت

شبِ بیست و هشتم ماه شعبان، آنجا مجمعی برگزیده مقرر، و تماشای غریبه معین. جوانان عشرت توامان، هر سو خیل خیل شتابان، گرم شغل آتشبازی. و امردان مسرت یاران، هر جانب جوق جوق خرامان، هوای لعبت طرازی، چرخی بر قبر آن افروختگی نیست، که چرخی دست لعبت بازان این سر است. و هوای شهاب را آن تاب نیست، که هوای افروخته یاران این تماشا را پید است. مهتابی ماه را در آن شب نوری نباشد، و پُلجری ثریا را در آن مقام روشنی نبود. روشنی که از دوپهری آنجا خیزد، شمس را در سما میان وسط النهار نباشد. و فروغی که نیلوفری آن را انگیزد، در چرخ نیلوفری رنگ هرگز نبود.

بود مهتاب آن شب چرخی دست
که گردون بهرِ سیر اندر هوا بست
هوای اختر دنباله دار است
دو پهری مهر مابین نهار است
ثریّا پُلجری دست گردون
که تابد بر کفِ جو نانِ موزون
غلط گفتم پی موسیٰ نگاهان
بود نورِ تجلی جلوه افشان

از عجایب اتفاقات، زمین مابین نردبانهای هر دو اولیاء اللّٰه تالابی است، در ایام برسات مملو از آب حیات. و هر گاه آب این تالاب با آب تالاب "شیخ جیه" به طغیانی آمیزد، گویی تسنیم از کوثر خیزد، یا کوثر از تسنیم می ریزد.

از این تالاب سازم حرف چون تر
دهانم پر شود از آبِ کوثر
طراوت می کند گل از بُنانم
سخن چون در صفاتِ او برانم
بیان را مشربِ صافی دهد رو
شوم چون در صفای او سخن گو
فروزان بر کنار اشجار موزون
نشانِ قدرتِ وهاب بیچون
سر افرازان چندی رنگ مینا
[۱۳۶] فروغ شانست پهلو کوب سینا
قلم فوّاره شد ز آبِ زمرد
بِداد اینك دهد تابِ زمرد
به آب دیگرم باید زدن حرف
که دل بگداخت اندر آب چون برف
بیا ساقی بده یك جام لبریز
که فرصت را فرس شد برق مهمیز

بر این تالاب پلی است معبر ایام برشگال، که جوق جوق جوانان سیار، و مردان آئینه رخسار، چون به سیر مکلی شتابند و یا بر گردند، اغلب از این پل گذرند. بوالعجب مجمعی رو دهد، و غریب اجتماعی مشاهده گردد.

پلِ مستان به کابل می شنیدم
پلی به زان بر این تالاب دیدم
خرد معذور پا لغزی بر این پُل
که آبش رنگ گل و ین بال بلبل

حقا و به عزت الله! که هیچ مکانی در جهان به ازین نشان نباشد، هوش از دیدنش می پاشد، و خرد سرِ حیرت می خراشد. از غرایت کیفیت بر آن تالاب، رانك خسروخان (۱۲) است، و چپ و راست مغرب رویه اش، بالای کوه مشرف بر آب، نشیمنهای متعدده عشرت افزا ست، که زبان در صفات هر یکی به عجز آشنا ست.

رسد این جا اگر ارواح قدسی
شود با زمرهٔ سیار انسی
به نام ایزد چه نیکو جایگاه است
فضایش جمله پاکیزه نگاه است
در این جا فرض باشد باده خوردن
ز دل زنگِ تکدرها ستردن
بیا ساقی یگان جامی عطا کن
مرا از من برای حق رها کن
جهان پُرشد ز اهلِ شطح و طامات
خرابم ساز از روی کرامات
طپیدنهای دل بالِ پری کن
مرا از چشم من یکسر بری کن
نخواهم کنج عزلت همچو زُهاد
بده جامی ز خویشم ساز برباد
ازین هستی که نبود غیر تهمت
مرا فارغ نما ز امداد همت
مغنی یك نوای بیخودی کن
اگر ناله نمی دانی حُدی کن
به سر شوق حجازم کرد تاثیر
به آهنگی که دانی ساز تدبیر
نهی بر لب اگر یك لحظه ای نی
رسد در گوش من آواز یا حی
سخن در بیخودیها محو کردم
به صحو و سُکر خود را صحو کردم

و دیگر: جای است چار دیواری، و درو چند قبر، به اعتقاد عالم اناث آن را جای "شاه پریان" نامند، که روز خمیس هر هفته هجوم زیارت زنان، پری طلعتان، آنجا محشر طاقت نظار گیان می شود.

رود گر هوش آن جا صورتِ طیر
بریزد بال قدرت را گهی سیر
پری رویان بلای دین و ایمان
[۱۳۷] در آن جا هر طرف محشر خرامان
فرو هشته برو جعدِ معنبر
بود پیچیده بر گل سنبلِ تر
نگاهِ شان نمی دارد یك انداز
گهی شوخی گهی عشوه گهی ناز
به چشمان سیه غارتگرِ هوش
کمان زه کرده از ابروی تا گوش
ز مژگان چنگلِ شاهین کشاده
به صیدِ مرغِ دل هر حور زاده
ز خالِ کنجِ لب تا حرف رانم
بریزد مشك از نای بنانم
لبِ شهدی [است] شان را با تکلم
حیاتِ خضر در موجِ تبسم
دهن دارند. لیك از هیچ تعبیر
دهن پر می شود در وصفش از شیر
رخِ شان را مسی بالای دندان
تنك ابر از تهِ پروین نمایان
نباشد رنگِ پان دورِ دهن را
چکد آبِ عقیق این جا یمن را
نکو خالی بر این چاهِ زنخدان
گزیده خضر جا بر کُنجِ حیوان

ز رشکِ غبغبِ لاله عذاران
بگویی مهر گشته تنگِ میدان
نگارین دستِ حورانِ خرد شور
بی دل بردنِ عاشق قوی زور
چه گویم در صفاتِ ساعدِ شان
که باشد در صفایش عقل حیران
بلور و یشم را این تاب نبود
عدیلِ رنگِ او سیماب نبود
کمر چون مُوی شان هنگامِ رفتن
بود از ناز اندازِ نشستن
بیاضِ سینه ها را نیست پستان
حبابِ خواسته از آب حیوان
گهی توصیف دلچسپی چهِ ناف
سخن پرواز کرد از قاف تا قاف
لب اندر وصف دارد خوف احراق
که نخلِ وادیِ ایمن بود ساق
بی موسیٰ نگاهانِ نهانی
رسد زین پس صدای لن ترانی
قلم این جا رسیده رفته از دست
که مرغِ هوش را هم بال بشکست
به این پیرایۂ حسن آن ملیحان
قوی دست اند اندر غارتِ جان
نباشد رفتنِ شان جز برِ دل
فدای خاکِ پای شان سرِ دل
یکی در گوشه آهنگ آشنایی ست
به یادِ دوست سرگرمِ نوایی ست
یکی را خندۂ سرشار بر لب
یکی را ذوقِ دیدِ یار مطلب

یکی را از حیا بر رو نقابی
نهفته در سحابی آفتابی
رود آنجا کسی کو را هوایی ست
شهیدِ عشق را خوش کربلایی ست

"قانع" کیست که در تعریف این لب کشاید، بد انسان که اهل دل گویند شاید. ماشاء الله! اگر کلیم برین کوه شتافتی، نقش طور در دلش جا نیافتی. سبحان الله! اگر موسیٰ براین جبل گذشتی، از صحبت خضر دل پاک شستی، ندانم زمینش ارض بطحا است یا وادی ایمن، نشناسم خاکش صفحهٔ سیمایی یا کان یمن. اگرچه همه ایام مهبط نور است، و منشای کیفیت و سرور علی الخصوص صفایی که در موسم باران در آن نزهتگاه عیان گردد، یاران را یاد کشمیر از خاطر محو نماید، هر که دیده و گلِ نظاره ازو چیده، استماع سخنم را شاید. [۱۳۸]

شود گر تیرگی اندر هوا جمع
فروزد سبزهٔ تر در رهش شمع
به رنگ آمیزیِ ابرِ مطراش
شفق شنگرف سای و برق نقاش
به وقتِ بارش باران در اطراف
هوا را جامه بر تن از سری ساف
نهفته دلبرانِ سبزهٔ تر
رخ اندر او و نیِّ شیر و شکر (؟)
چه گویم وصفِ چرخ سندروسی
بسر پوشیده پیری شال طوسی

زاهدان را هوس خلد برین از دل زداید، و عابدان را فیض زیارتهایش به کعبهٔ مقصد رساند. هر سوسبزه زار رشك جنت الماویٰ، و هر جانب چشمه سار به مرتبه ای از رودبار اعلیٰ. موج خیزی طراوت سر زمینش گلشن خیال را خیابان، و طرب ریزی نزهتِ آب و خاکش حوصلهٔ عیش را گل بدامان۔ هوایش لبریز نشهٔ سرور، و صفایش موج خیزِ کیفیت سور. هر سنگش به

شست و شوی آب باران، آئینهٔ رخسار پری رویان، و هر جایش بهشت نظارهٔ خیل خیل حور طینتان. لطافت را بحری است در طغیان که کشتی دل حوصله تکان به ساحل نجات رساند. و نزاکت را شهری است آبادان که خاطر پریشان کربت اندوه را بالکل وا رهاند. دست قدرت مگر این جا از آستین بر آمد، که کارش نسبت به جمع اما کنه سر آمد. اگر مغموم در آن جا شتابد، جزبادهٔ امل در جام نشاط نیابد. و اگر مسموم در آن زمین قدم نهد، از سمِ جانکاه جسمش پاك رهد. بالخاصیت سیرش عشرت افزا، و بالطبع دیدنش نور دیده ها. خسی که در این زمین روید، خار حسرت در دل گلهای بساطین خلد. و مگسی که بر این کوه پرد، جامهٔ شهدی از رشك برتنِ زنبور عسل درد. هوایش روح محزونان، و فزایش فتوح غمگینان. بس که اهل الله را درو مسکن است، فیض خاکش هم رنگِ جنات عدن است. بهشتی اگر بر زمین است، همین است، که خاکش بهتر از چین. طبلهٔ عطار اسرار ایزدی است، و آیینهٔ انوار شاهد سرمدی. دیدهٔ بینا باید و دل مصفاء تا فیضی که در طینتش مضمر است در یابد. خاطری فراهم مطلوب، و دماغ سرخوش مرغوب، تا نشاطی که در این گل زمین مضمر است بشناسد. هان نظارگیان فرصتِ برق ممیز نگاه است و دیر جلو ریز میدان افسوس و آه.

[۱۳۹] زمین کانِ زمرد کوه یاقوت
نظر را آبیار وَ روح را قوت
دماغِ عیش را زو بوی آمال
چراغِ فرح را نوری ز اجلال
طراوت را بود از بس درو تاب
شرر از سنگِ ریزد صورتِ آب
زمینش بسکه می باشد همه نغز
خورد هوش اندر اینجا سخت پا لغز
زبان در وصفِ این کوهِ زبرجد
به رنگِ پسته در سبزی ببالد
وزد بادش اگر بر جانبِ آب
حباب از یاسمین گیرد فزون تاب

هوایش گر بروی بحر آید
ز شاخِ خشك مرجان گل بر آید
چرد گر آهوی چین سبزهٔ او
به رنگِ نافه خیزد از دمش بو
ختن زاری است هر گامش به خصلت
کمین خاکش بود 'تبت' به طینت
خراجِ نزهتش شهرِ سبا بود
از آن رویش سلیمان مبتلا بود
هر آن مرغی کزین کُه کرد پرواز
اگر کنجشك باد می شود باز
مسرت را بهاری گر نشان است
زمینِ قابل او این مکان است
زهی نیرنگی نقاشِ قدرت
که پیدا کرد زینسان نقشِ ندرت
به هر سُو چهچهٔ مرغانِ خوش رنگ
کند تاثیرها اندر دلِ سنگ
اگر آید به فرضاً روح فرهاد
درین کُه می رود شیرینش از یاد
هجومِ سبزهٔ خود رَو بدانسان
که کرده خواب بر مخمل پریشان
گلِ رعنا اگر نازد به گلزار
خَلَد در خاطرش از رنگِ او خار
به جای گل درینجا سبزه سیر است
اگر آن سرخ محض این سبز شیر است
ریاحین در ریاحین رسته هر سُو
ز خاكِ خلد باشد طینتِ او

صفا در ارضِ پاکش آنچنان بیش
که نظاره ببازد طاقت خویش
دواند ریشه در ارضش نظاره
به طفلِ دیده خاکش گاهواره

صفایی که آئینه حیران او است از در و دیوارش پیدا، و بهایی که خور سر گردان وی است از نقش نگارش هویدا. فی المثل اگر 'مانی' را صورت مطبوعی عماراتش بخواب تازد دل از ارژنگ خویش در بازد. و بالفرض اگر شخصی مخیله در رواق و منظر هایش عبور فرماید، صد پیرهن از خویش بر آید.

سراپا غرق در نورِ تجلیٰ
تهِ هر سنگ او طورِ تجلیٰ
چه گویم وصف این پاکیزهٔ کوه
که بالا خرّمی انبوه انبوه
همه ارضش نشانِ خلد مشهور
دمیده سبزه اش از خندهٔ حور
گلستانِ ملاحت راست طوفان
ثنا خوانِ صفای او هزاران
شفق بالیدہ رنگِ حسنِ هر سنگ
فضای خلد بر هر در گهش تنگ

دل هوای آن دارد که در وصف رانك میرزا عیسیٰ (۱۳) لبکی ترنماید بو که این آرزو به به مراد دل براید

طرفه نشیمنی که ادراك حیرت زدهٔ بوقلمونی صفت بَنّایان اوست، و اندیشه محو برجسته کاری معماران وی است، بیننده را خرد بیرون در وداع می کند' [۱۴۰] ونشیننده را فرحت یار غار می باشد. چون کسی آن جا به فراغت چار زانو زند، هر سو صحرا صحرا سبزهٔ نو، و هر طرف جنگل جنگل ریاحین خوش بُو معاینه کند. نسیم فرحتی که آن جا وزد، نوح نبی بر کوه جودی نبرده باشد. و می آسایشی که در آن قصر عالی نوش گردد، موسیٰ بر

جبل طور سینا نخورده باشد۔ تا نظر کار کند، هر روز هر طرف عالمی آبادان، و تا دیده وا گردد همه سو جهانی نمایان. از چشمهای لا تعد و تحصیٰ عالم آب مرئی، و از جلوه فروزی حوضها بیرون از عد احصیٰ کانهای سیماب مشاهده.

هر طرف چاه و چشمه و تالاب
قلب را فرح دیده ها را آب
وه چه مردم فریب کانِ حسن
نمك زیب روی خوانِ حسن
سبزها رشته درمیانهٔ آب
برگهای زمرد و سیماب

علی الخصوص چشمه "ناران سر" و تالاب خوش آب "برا سر" است. آب هریکی در عذوبت رشك ذایقه نبات، و در گوارایی شربك چاشنی آب حیات.

قلم شکرّ فروشد وقتِ تحریر
زبان طوطی بود هنگامِ تقریر

از جلوه فروزی در و دیوار شستهٔ باران، کانِ سیماب بال باختهٔ بیخودی، و از عشرت افزای دل و دیده فضای خلدِ آب یافته سیرابی جاویدی. دو رسته دکاکین محاذی نردبانش، شهر مصر را چون نبات در آب رشك گداخته، و آمد و شد خیل خیل خوبان زمین خلخ و نوشاد را چون کان نمك شور زارِ انفعال ساخته. سنگهای این قصر چنان بالای هم چیده اند، که گویا همگی در قالبی ریخته اند، ویا همچنین یك لخت انگیخته اند.

نظر ها محوِ ندرت کاری او
تماشا حرف فرحت باری او
در و بامش. صفا را آنچنان یار
که می بالد فرح آنجا چو گلزار
تماشایی درین قصرِ ملوّن
ز دل زایل نماید نقشِ گلشن

بخوبی هر ستونش ساق خوبی
صفا در صفهٔ او خاک روبی
لطافت جمله بارِ فرح کردند
پس آن گه این عمارت طرح کردند
ندانم از چه صورت نشه بار است
اگرنه اوستادش مَی گسار است
زمینِ میکده را این شرف نیست
که این جا غم به هر حدی طرف نیست
خمیرِ آهکش می بد مگر بس
که مستانه شود آن جا همه کس
به هر سنگش هزاران نقش پیدا
نشانِ قدرتِ ایزد تعالیٰ
صفا با این چنین جا هیچ جا نیست
خوش ست مرسینه صافان را درو زیست
شود روزی که ابر اندر هوا سیر
شفق زاری بود گچش بلا دیر
صفا روی صفا گویا که چیدند
در آن این منظرِ عالی کشیدند
نظر پا لغز سختی راست لایق
وگرنه زور می دارد خلایق
بیا ساقی بیا ای جانِ عشرت
بیا ساقی دست [۱۳۱] ریحان عشرت
دلم را سیر این رانك است منظور
سرم در گشتِ این گلزار معذور
بیا ساقی بیا ای نورِ دیده
توبی محبوبِ دل منظورِ دیده

به هر سویی روان خیلِ پریزاد
بیا ساقی خدارا وقتِ امداد
بیا ساقی بیا ای مایهٔ سور
سرِ سیر آشنا تا چند می خور
بیا ساقی بیا ای فرحتِ دل
خمار انداخت پای صبر در گِلِ
بیا ساقی بیا ای عمرِ مشتاق
شده از دوری او طاقتم طاق
بیا ساقی بیا ای خضرِ خوش پی
حیاتِ ماست از تو ساغرِ می
بهار آمد هوا را اعتدالی است
غذای روح شربِ باده حالی است
ترّشح می دهد باد از می و جام
به شربِ می سحاب آورد پیغام
بیا ای قوتِ دل نور دیده
سرور سینه های غم کشیده
نشستن با خرد این گه روا نیست
به جز از خویش رفتن مدعا نیست
به دستِ تست تیمارِ غریبان
شفقت کن شفقت نامِ ایزدان
بیا ساقی بیا ای شادی دل
بدستِ رحمتت آبادی دل
شتابان سوی "مکلی" خیل خوبان
چو انجم بر فلک در شب نمایان
یکی "قانونِ" عشرت ساز کرده
به فنّ دلبری اعجاز کرده

یکی "بلبَان" به لَب سرمستِ نغمه
یکی خورده خدنگ از دستِ نغمه
یکی در "نای" عشرت می دمد دم
یکی بر پای مستی می خورد خم
یکی در "بین" گوید رازِ دلدار
یکی در "نی" نوازد قصّهٔ یار
یکی را بر "کمانچه" دستِ عشرت
خدنگی خورده ای از شست عشرت
یکی در "پردهٔ سارنگ" شد محو
ز خود بیخود شده خوش رفته در صحو
یکی را در "ملار" آهنگِ مستی
فراموشش شده این بود و هستی
یکی از پردهٔ پندار وا رست
همی غلطد بروی سبزه چون مست
یکی را لغزشِ پا مدعایی است
به مستی غلطِ غلطان در هوایی است
یکی را شور دیداری زخور برد
یکی را دیدنِ اغیار افسرد
یکی را چشم بهرِ سیر بینا
یکی را دست اندر دوشِ مینا
یکی را جام بر کف همچو لاله
یکی را روی شاهد در پیاله
به ساز هر یکی مدهوش دلدار
خریدِ جنس دیدِ یك خریدار
یکی را دیدهٔ آهو بلد شد
یکی را چشمك ساقی جمد شد

برهمن در صنم شد آنقدر محو
که داند قشقه رنگِ سجدهٔ سهو
ز کافر ماجرایی هندوان را
صلیب آویخته زلفِ چلیپا
"انا الحق" جوشِ سرمستانِ صهبا
ندای "رب ارنی" شورِ مینا
مسلمانانِ بت پرور درین فصل
چو ابراهیم آذر دیده در اصل
شد از زهاد یکسر طاقت و تاب
خرابی در بنا شان عالمِ آب
اگر تقویٰ همه از سنگ خارا است
[۱۴۲] شکست شیشهٔ توبه مهیا است
به لب جامانِ دستِ مهر ساقی
مهیّا از پی شان عمر باقی
نشستِ خانه ها قیدِ فرنگ است
ندانم سیرِ این کُه را چه رنگ است
بیا ساقی که وقتِ باده نوشی است
به یاران دور دورِ گرمجوشی است
بیا ای عمرِ من و ای راحتِ من
بیا ای دستِ مهرت داروی تن
مغنی نغمهٔ دلبر و نی گو
نوای عشرت افزای سر نو
بزن تاری به طنبورِ مسرت
که چنگِ تست آبِ جوی عشرت
به آهنگی که دل را سور افزاست
به نیرنگی که دیده را تمناست

درین گنبد یگان شوری برافگن
کلاهِ نغمهٔ منصور بشکن
به خود درمانده ام یک ره دوایی
بی از خویش رفتنها نوایی
از آن آبی که وامق مستِ او گشت
از آن تابی که عذرا را ز خود خست
از آن خمی که مجنون یافت دردش
و زان صهبا که لیلی پاك خوردش
از آن آبی که شیرین را شکر داد
و زان باده که از خود باخت فرهاد
لبم را بخش ذوقِ کامیابی
سرم را مستی از خود خرابی
بیا ساقی بیا ای طورِ اسرار
بیا ساقی بیا ای نورِ انوار
از آن نوری که موسیٰ والهٔ اوست
تجلی می کند این کاسه در پوست
مغنی نغمهٔ جوشِ انا الحق
کند تا پردهٔ پندار را شق

پایین این رانك در دامن کوه معبد هندوان است، واغلب از آن مردم در آن جا جهان جهان نمایان.

یکی را "زعفرانی چیره" بر سر
"بسنتی پیته" دیگر را ست افسر
تویی گو رنگِ گل کرده است طغیان
و یا شد زعفران زاری نمایان
"بگت" بازند این جا مجمعِ حور
لبِ شان وقتِ جوش است نای منصور

به هر گوشه نشسته حلقه حلقه
بُتانِ ماه رو و رشکِ زهره
بود خورشید و مه وقفِ یك آهنگ
به دستِ شان نباشد "تال و مردنگ"
به لب گویند "رام" و رام سازند
دو گیسو بشکنند و دام سازند
ازین غارتگرانِ شهر دلها
کرا تابِ صبوری و شکیبا
مگر آن قشقه بر جبه عیان است
سمای روی شان را کهکشان است
نه دُر در گوش این خوبان قرین است
طلوعِ ماه و مر از مشرقین است
حمایل کرد اندر دوش زنار
چو افسونگر که ماند بر کتف مار
قطارِ بسملان بستند از فن
نمی دارند از مرجان "سمرن"
برای مجدِ نفیِ عشق ورزان
بود "مالا" به دستِ آن ملیحان
رخِ شان کعبهٔ اربابِ اسرار
غزالانِ حرم چشمانِ طرّار
کمان دارند ز ابرو وز مژه تیر
دِل یك عالمی شان را ست نخچیر
کشیده قامتان چون سروِ آزاد
خرامِ شان کند صد گلشن آباد
به رخ برق و به گیسو ابر سیراب
عرق رخسارِ شان را عالمِ آب

کشیده ابروان بر روی چون حور
بود بسم الٰهی از "سورهٔ نور"
عذار شان [۱۴۳] ندارد خطِ ریحان
بود "تفسیر بیضاوی" و قرآن
به این خوبی چو جمعی جمع کردند
جهان شیرین کنند از یك شکر خند
به روزِ مجمعِ شان اهلِ تقویٰ
برای بت پرستی داده فتویٰ
عجب حالی و طرفه اتفاقی ست
رهایی دل اینجا امرِ شاقی ست
بیا ساقی بده ذوقِ الستی
خرابم می کند این بت پرستی
مغنّی یك نوای حیرت افزا
مگر ما را خَرد از هستی ما

ازین معبده تا دامن بلده، از همه جهات در ایام برسات تمام زمین مملو از آب و باران شود، و کرا طاقت که بی کشتی از آن جا رود. درین وقتِ سیر سیرِ دریاست و آمد و شد کشتیهای، غریب تماشای مربی گردد، و عجب کیفیتی محسوس شود، نظرها صد فرسنگ در مساحتِ ارض وطولش کوتاه افتد. وهوشها هزار مرحله در توصیفِ رنگ وروحش در ماند، گویی عالم آبست یا آب عالم.

جهان محسوس گردد کانِ سیماب
زمین ملبوس اندر چادرِ آب
فروغش رعشه بر زد بر کفِ خور
صفایش خجلت افزاید بی دُر
نظر را شست و شوی ماهتابی ست
میانِ دیده مردم مرد آبی ست

فلك نیلی لباس رشك آن آب
ز تابش تاب بازید است سیماب
حبابش را اگر بیند کس از دور
تصور می نماید غمزهٔ حور
به لب کف همچو مستان گرم جوشی
چو مجنون یك جهان وقفِ خروشی
به پا از موج زنجیری کشیده
کسی دیوانهٔ زینسان ندیده
درو گر مرغِ دیده پر کشاید
رود عمری مگر تا باز آید
بطِ مه گر درو گردد شناور
نیالاید پر اندر چشمهٔ خور
کلنگِ قاف بر سیرش چو تازد
تماشای جهان فرموش سازد
بگاهِ سیر این دریا همه حال
نگه در نیم ره ریزد پر و بال
هجومِ کشتی اندر آب آن قدر
که پروین را فروغ اندر پرِ بدر
به کشتیها نشسته فوج خوبان
چو اختر در تهِ گردون نمایان
مگو کشتی هلالِ چرخِ اخضر
درین آب از لطافت ریخت لنگر
مگو کشتی در این آبِ نکو دید
بود سیّار هر سُو چشمِ امید
دلِ عشّاق کاویدند یك یك
بتان کشتی ازو کردند بیشك

چنین کشتی درو مجموعۀ گل
سرِ شان بادبان از بالِ بلبل
گلستان در گلستانِ سیرِ زورق
بتان مدهوش از آبِ مُروَق
نه تنها اندر این جا سیر دیده است
گریبان دلِ عاشق دریده است
چو ابروی بتان هر زورقِ اُو
روان بر طاق قلبِ مردِ حق جو
ز بس هر سوی گل روی شرابی ست
درین بحر آشیانِ بلبل آبی ست
ز برگ گل نزاکت تخته بسته
در آن کشتی که گلرویی نشسته
ز بس هر سو بود کشتی پری خیز
[۱۴۴] تپیدن های دل شد گرم مهمیز
رهایی نیست زین سیرِ خرد تاز
بیا ساقی بده جامِ مَیم باز

بیخودیها به جای فرس راند، که عقل بیرون در ماند، وقت آنست که رفع خمار سر گردانی به آب تالاب "کیر سر" کند، و چون مستان کاسۀ دیده به گدیۀ آب و تاب آن تالاب ملبب سازد، و به مشاهده شیرین حرکات امواج آن انموذج رود باز تار قانون طرب نوازد

زهی! تالاب خوش آب که ماه استفادۀ سفیدی از آن چشمه کند، وهی دریای سیماب که خورشید را رعشه نمونۀ تسلسل روانی او بود. آبش را شیرینی از نبات افزون، و گوارایش را طعمۀ نوشدارو نمون. هر طرفش مجمع مرد و زن، و هر سُو کله گوشۀ عشرت در بشکن بشکن. ساقیانِ سیمین عذار، برلب آن چشمه سار، کوثر به کاسه دهند، و مغنّیان لاله رخسار بر

کنار این تالاب، گوش طنبور مسرت بر مالند. با کوبی اطفال، ودستك زنی جوانان شیرین مقال، هر جانب شور در بحر اخضر سپر می افگند، رقاصی مه طلعتان، وخنیاگری پریرویان، زهره را بر فلك رامشگری می آموزد. جوانانِ امرد و امردانِ بیخود در آن جا خیل خیل روان، و نازنینان هم صورت غلمان، جوق جوق خرامان. پری رویان را خوش مجمعی، و می قدان را نیکو مرجعی. اگر پای هوش در این سر زمین به گل در رود، معذور؛ که روانی آب پیمانه پیمای بادهٔ بیخودی است؛ واگر سرِ هوس در این مرز خلل پیداکند، از تکلف دور که پیچ و تاب امواج کمندِ گردنِ نظار گیست. ندانم آبش عاشقی است، به پیچ تاب شکن تحریك باد گرفتار، ویا مستی است به سلاسل امواج استوار. حبابش با ماه هم کاسه، وموجش به کهکشان در یك اندازه. کشتی هوش در سیر این آب طوفانی شود، و زورقِ نظاره به تماشای این چنین تالاب حیران طغیانی گردد. ارض مابین رانك مذکوره و این تالاب همه مخمل باف، و زمین آن سوی مصلیٰ تا دامن کوه جمله اطلسی رنگ بی گذاف. نَساج قدرت بر این منوال دارای آبی رنگ نیافته، و نقاش صنعت صورتی بدین شادابی بر صفحهٔ تکوین نکشوده. دهقان امل را هیچ ارضی به ازین مربی نشده، و معمار امید را زمینی بدین طراوت مشاهده نرفته. تا نظر کار کند، سبزه در سبزه، و تا دیده بار بندد، جنس طراوت توده بر توده. و سوداگرانِ شهر ختن و خطا خریدار عطریت این زمین، و تّجارانِ معمورهٔ سبز و سباء مشتری متاع سر سبزی چنین ارض. چه عجب اگر مردمكِ چشم به نظاره این گل زمین سبز شود. و چه بعید [۱۴۵] اگر طفلِ نگاه به شادابی هوایش ریشه برسما دواند، زاغ این جا به رنگ طوطی جامه بدل کند، و کبوتر این مکان با طیورِ خلد در یك آشیان نشیند. شیرینی آبش نه بدان حد است که در وصفش لب از هم وا شود، و رطوبت هوایش نه بدان مثابه که پای پویه کلك در وادی توصیف راه رود. ماء معین ترجمهٔ این آبست، و کوثر تفصیل این تالاب. گوارایی اش از آب حیات بیش، و صفای صورتش از سلسبیل صد قدم بیش. اعلال مزمن را از خوردنش صحت، و اسقام مُنتّن را نوشیدنش عطریت. اشجار حوالی مضمون عالیست از دل سحابی آبش

سری کشیده، وسبزه هر دو کنارش "گلشن راز" را شرحی به طوالت حمیده. قطعه قطعه ریاحین، وقصیده قصیده روانی آب در زمین. سر مخمس اوقات را به تسدیس جهات مطرا ساز، و مستزادِ طراوت بیت قلوب تماشاییان را به غزل نشاط انباز. فلك اگر نه شرمندهٔ حضرت زمین اوست، چرا درین ایام نیلی پوش شود، و خورشید اگر نه گردِ رنگ حُمرت اوست، چسان دربن فصل از پرندِ سحاب رخ در نکشد. خارِ این زمین سوزنِ رفوی جامهٔ صد چاكِ گل، و خس این جا آتش ز نهٔ بال شوخی بلبل. هر سنگریزه اش به نظر تراشهٔ الماس نماید، و هنگامِ شام به عکس شفق گونش لعل باشد. همه خاکش از مشك اذفر خوشبو تر، و تمام غبارش هم سرشت عبیر و عنبر. بی غایلهٔ ریب هر قدم ارژنگ مانی است، و هر وجب وجب نسبت به سیرابی قابل ثنا خوانی. هجومِ تماشاییان در آب مضعف نمایان، وقدومِ گشت کنان درمیان سبزه ها یکسر عیان. نظرها والهٔ این شادابی، و مردم دیده شیفتهٔ چنین سیرابی. اگر خار بندی مژگان سد راه مردمك نشدی، از مساحت چنین ارض چون محروم ماندی. وکشتی دل را اگر لنگرِ تن مانعِ حرکت نگشتی، در این آب طوفانی شدی. دریا دلی است آن که تماشایی این تالاب شود، و صافی ضمیری است آن که کاسه ای ازین آب در کشد. مشرب صافی این چشمه صوفیان را به وجد آرد، و مذهب وافی چنین رود صفا کیشان را حالتِ نیك بخشد.

به وصفِ "کیر سر" تا لب کنم تر
دهن پُر می شود از شِیر و شکر
قلم از نیشکر باید به دستم
به ذوقِ آبِ این تالاب مستم
به آبِ خضر باید شستنم دست
[۱۳۶] شوم تادر صفاتش پاك سر مست
ز چشمِ آهوم چینی دوات است
به جایی آیم آبی از نبات است

بِدادم مشک ابری کاغذ اعلیٰ
مگر در وصفِ او لب را کنم وا
به نام ایزد چه آبِ خوشگوار است
ز رشکش در دلِ هر چشمه خار است
ز رشکش عکسِ آب و تابِ سیماب
صفایش را نمودی رنگ مهتاب
گلاب آبی که اندر جویی دارد
ازین چشمه به طینت بویی دارد
پی مخمور نوشش پی به خصلت
پی رنجور آبش نوش طینت
زمینش از بلور و آب سیماب
ز سبزه هر کرانه فرش سنجاب
نظر مجبورِ سیرابی درین آب
نگه مقهورِ شادابی به هر باب
صلای باده نوشی صوتِ هر موج
عروجِ نشه ز آبش موج در موج
به شوقش آبِ رکنا باد یک اشک
سیه جامه برِ نیلی است از رشک
خورد گر فی المثل زو ابر آبی
بود باران او اکثر گلابی
بشوید هر که تن زین چشمه باری
نه گردد در دلش هرگز غباری
بنوشد هر که جامی ز آبِ این عین
کرم را دستِ پاک او بود غین
تعالی الله زهی تالابِ خوش تاب
به خصلت آبِ او چون بادهٔ ناب

حیات روح و سیرابی دیده
به خمها بادهٔ کوثر کشیده
صفایش از دُرِ خوش آب افزون
گدازِ نار رشك اوست سیحون
اگر ماهی مه در وی نهد پا
شکنجِ موج دامِ او مهیّا
به جامِ مهر گر زو نیست آبی
چرا اندر سرشتش هست تابی
حبابِ او نمی باشد تنك ظرف
نهد بر ماه اندر کاستن حرف
به زلفِ مهوشان موجش یك انداز
صدای او بود آهنگِ یك ساز
کرا طاقت که غیر از نشهٔ بِی
بر این عینِ خرد لغز آورد بی
بیا ساقی کرم کن زان می ناب
که باشد طالبش هر شیخ و هر شاب
بیا ساقی از آن آبِ مُروّق
که زورش آسمان دارد معلّق
بده جامی ز خویشم بی خبر کن
شوم شاید برین چشمه گذر کن
خرابم ساز از سر جوشِ باده
که راهِ بیخودی را اوست جاده
از آن آبی که خضرش جست و نا یافت
بده که جستجویش سینه ام کافت
بیا ای چشمِ مشتاقِ مرا نور
بیا ای خاطرِ غمناك را سور

بیا ای صبحِ امیدِ مرا تاب
بیا ای کامِ آمالِ مرا آب
بگردان جام در بزمِ دلارام
الا ای از تو جان خسته آرام
خمارم سخت خاطر خسته دارد
دلم احرامِ کویت بسته دارد
[۱۴۷] بر آور خشتی از خمِ چکیده
برون کش آب از آتش کشیده
شرابست آن که زو دیده برد نور
شرابست آن که زو مغموم مسرور
شرابست آن که باشد قوتِ دل
شرابست آن که باشد فرحتِ دل
کجایی ای مغنی ناله ات کو
به دستِ مه دفِ چون هاله ات کو
بزن تاری به طنبور موالات
الا ای از تو نغمه را کرامات
هر آن ذوقی که موسیٰ برد از طور
ترا آماده در هر تار طنبور
بیا مطرب به آهنگی که دانی
بده آواز از آن یارِ جانی
مروت نیست یاران مست مسرور
مرا دل نغمه خواه و چشم مخمور
شراب و نغمه را یك عرض و طول است
به یکسان هر دو را در دل حلول است

اکنون تمنای دل به وصف "جلوه گاه اماسین" منحصر، و خاطر به تعریف "ارض پاك مصلیٰ" ومرقد امجد میر محمد یوسف رضوی (۱۴) ناظر

چون مردم از سیر تالاب "کیرسر" این سو گرایند، و به غسل یا وضو از آن آب از لوث غیر پاك بر آیند، جبینِ نیاز بر آستانهٔ عالیه سیدی شباب اهل الجنه سایند، و به زیارتِ آن درگه مظهر انوار الهیه آیند، و فیضهای ظاهری و باطنی بربایند.

چه گویم وصفِ آن پاکیزه درگاه
که می بارد درو انوار الله
چرا خاکش نباشد سرمهٔ عین
که باشد جلوه گاهِ (۱۵) پاك حسنین
بود خضرِ نبی سقای این در
بود روح الامین را جای این در
ملایك را نزولی گر بر ارض است
در اوّل سجدهٔ این خاك فرض است
ز روی مرتبه زوّار این در
نیالایند کام الا به کوثر
درختانی که می رویند ازین خاك
شرف دارند از رفعت بر افلاك
هر آن سبزه که بر این ارض روید
به دم صد کلمهٔ توحید گوید
غباری کش هوا آشفته دارد
به لب اسمای حسنه می شمارد
شراری گر ز سنگِ این زمین جست
بود صد آتشِ طورش به هر دست

بعد ازان: گلگشت "ارضِ پاك مصلیٰ" منقبت نظار گیان است که

در روح و صفا هم خاصیتِ جنان است.

هوا اطلس فروش و مخملی ارض
نظرها را ست سیرابی علی الفرض
دلی را گر به توصیفش زبان است
قلم مدّ نگاهِ قدسیان است

هر طرف تخته تخته سبزها خود رو، و هر جانب دسته دسته ریاحین خوش بو، تماشاییان را غرقِ آبِ طراوت می نماید، و سیرِ دوستان سیرابِ نشئهٔ ملاحت می سازد. عقب دیوارش محاذی محراب چاهی است عمیق، و از قعر آن آزاد درختی رسته، و راست به سرش مینا رنگ چتری مدوّر بسته.

درختان را نباشد همچو قد راست
[۱۴۸] مگر خضری در این چشمه به پا خاست
نه دارد خلد زین گونه درختی
برِ او را زمرد گونه رختی
کشیده قامتی چو سروِ کشمیر
نظر از دیدنش کم می شود سیر
ز بالای بتان موزون تر است او
ز مشك و عنبر و عودش فزون بو
به قامت آن سرافرازِ فلك سا
که باشد در شرف بر چرخِ اعلیٰ
زمیندارِ تراوت برگ برگش
هوا خود اوست شبنم چون تگر گش

سپس، روضهٔ مطهره منوره عزیز مصر مشاهدات نبوی، سید محمد یوسف رضوی است، که ارض مرقدِ پاکش نمك خوانِ کنعان ملاحت، وفضای صحن رشك افلاکش قافله آباد مصر نزاهت.

نشد سایل چو زین در هیچ گه رد
رود گر بنده آن جا شاه گردد

هر آن کو رنج ز اخوان زمان است
برایش این مکان جای امان است
پی پیرانِ یعقوبی هوایان
مرادِ دل شود زین در گه آسان
قمر با اختران اندر تواضع
براین درگاه هر شب هست خاضع

و در صحن مینو پهنش یگان حوضی است، از چاه کنعان عمیق تر، و از نیل به خوش طعمی اکثر.

خورد زان حوض گر کنجشك آبی
ز بالش می چکد هر سو گلابی
اگر زاغی خورد زو رشحه جامی
چو طوطی می شود شیرین کلامی
به نام ایزد چه شیرین آب دارد
که دُردِ اوست هم طعمِ طبرزد
مریضان را علاج این آب صافی
پی هر درد نوشِ اوست شافی

بر لبِ این حوض یگان آزاد درختی قد کشیده، و سرش به ثریا رسیده، وریشه اش تا تحت الثریٰ دویده.

چو از آوان همیشه در تراوت
به آب و برگِ خود کرده قناعت
پی آسایشِ زوار یکسان
دوانده سایه در رنگِ کریمان

و هر گاه از کوه فرو شوند، پایینِ کوه به تالاب "سهسه لنگ" که با چشمه مهر یك رنگ است، دو چار گردند.

زبان وصاف آبِ "سهسه لنگ" است
نظر بینای تابِ "سهسه لنگ" است
چه گویم وصفِ آن تالابِ صافی
نگه آموزد آن جا نور باقی

سیرابی طبع این گاه در طغیان آمده، مگر سرم هوای گلگشت "زمین میکرا" دارد، و نزهت خاطر به حدی رسیده، باید که وصف حضرت شیخ عالی به آب و رنگ خاص برنگارد

"میکرا" نام زمینی است مطرا، و اسم ارضی است فرح افزا، که سبزه اش با سبزهٔ عذار مه رویان هم رنگ، و برفضایش فضای گلشنِ خضرای سما صد پیرهن تنگ؛ غباری که از آن زمین خیزد، رنگ طاووسی نماید، و شراری که سنگهایش انگیزد، به گونه سندروسی باشد. خُضرتِ آسمان رشحه ای از تراوشِ رنگِ او، و کانِ زمرد عکس آیینه هر سنگ او [۱۴۹]، حاصلِ شهر سبا زکواة شادابی این مکان، و بهارِ جنت الماویٰ برات سیرابی چنین خطهٔ والا شان. هوایش عطسهٔ شادابی مَلك، و فضایش دلخواه تر از فضای فلك. آب و سبزهٔ آن صحن مینو پهن، چنان در هم آمیخته شده است، که گویی در کانِ سیماب بر گهای زمرد ریخته شده است. هنگامِ تحریر توصیفش کاغذِ پرِ طوطی شاید، و لیقهٔ مداد سنبل و ریحان باید. قلم ازنی نرگس سزاوار، و مُرکّب از مشك اذفر لایق کار. جامهٔ نشاط این جا رنگین شود، و گلِ انبساط درین مکان سبز گردد. بلبلِ این زمین از گل بی نیاز، و قمری این ارض را سرو نظر باز.

جنونِ این زمین با عیش جفت است
که دَر هر صورت این جا عیش مفت است
نه تنها هوش را پالغز این جا ست
که سر شخصِ جنون را سلسله هاست

اسمی که مسما ازو جلوه دهد همین است، زیراکه سبزه اش آمیخته مای معین است. ارضِ ختن گرد بوی او، و خاك تبت به طینت بهره یاب ازو. خارش به بویایی رشكِ گل، وخاشاکش آتش زنهٔ آشیانهٔ بلبل. ندانم گذر گاهِ پری است که عقل آن جا رَم می کند، یا قدمِ خضرنبی که نظر هم درو سبز می گردد.

"میکرا" چیست قطعه ای ز بهشت
ارضِ پاکش همه عبیر سرشت
پاک تر از قلوبِ اهل الله
صاف تر از سرشتِ اهلِ صفا
خندۀ حور جلوۀ آبش
اشکِ عشاق خاکِ سیرابش
از زمینش که رنگ می ریزد
بالِ حسنِ فرنگ می ریزد
گر زمینش که هست پر فرحت
دیده را قوت و روح را قوّت
گر غمین اندر آن مکان گذرد
عیش چون سایه پیش پاش رود
روحِ "مانی" اگر رسد آن جا
صورتِ سبزه سر کشد بالا
سبزه سازی چنین کجا باشد
عقل حیران او بجا باشد
در زمرّد سرشته خاکِ او
لعل هر سنگ پاره پاکِ او
گر سراغِ صفا کسی پرسد
اندرین سبزه زار گو برسد
اندرین مرغزارِ خلد نشاط
خیلِ ارواح گستریده بساط
نشه ها را عروجِ خویش این جا ست
فرح ها را هبوطِ این ماویٰ ست
کِشتِ امید را بها است این
دستِ آمال را نگار است این

سیر تجرید آن جا است، و مکان تفرید آن صحرا. مجانین را روی

لیلای امید آن جا مشاهده شود، و مجاذیب را جذبهٔ دوست در این ارض دست دهد؛ اهل هوش را صورتِ سکر در آن زمین رخ نماید.

"میکرا" نامش بی وجه نیست، که مایش در سر خوشی همکاسهٔ 'بِی' است. پیران را سیرش جوان سازد، و جوانان را فَرسِ عیش نیکو تازد. سیرابی دیده آن جا حاصل، و قلوب اصفیا را خاکش خوش منزل.

تعالیٰ الله عجایب جایگاهی
بهشتی بر زمین وقفِ نگاهی
ز ارضِ مصر خاکش پُر فراغت
ز خاکِ چین زمین را بیش راحت
درو کاریده تخمِ انس آن قدر
که روح القدس می جوید برو صدر
زمینِ آسمان زا این زمین است
مکانِ عیش افزا این زمین است
چنان بالد فراغت سیر او را
که مرغِ عیش دارد رشته برپا
درختانش بگردون سر کشیده
به آزادی ازین دنیا رمیده
فروزان برگ برگش از تجلّی
مکانِ حیرتِ ارواح قدسی
به سایه ظلِ رحمانی کشیده
به رفعت سدره را دامن دریده
[۱۵۰] رسد موسیٰ اگر بالفرض آن جا
تجلّی را کند صرفِ تماشا
نی این جا فرض اهلِ دید باشد
که جایش جای خوش لغزید باشد
بیا ساقی بده جامِ رحیقی
حبیبی، مشفقی، نیکو صدیقی

سرورِ سینه نورِ دیدهٔ دل
انیسی، همدمی، حلالِ مشکل
رفیقی، گرم جوشی، مهربانی
عزیزی، آشنایی، رازدانی
کریمی، صاف قلبی، نیک خویی
بهار لاله رنگِ مشک بویی
نگاری، غمگساری، یار غاری
هُمایی، باز عشرت ها شکاری
تجلّی زارِ طورِ چشم بینا
بده ساقی بگردان جامِ مینا
میَم ده بِی که بس آشفته رایم
به زنجیرِ خرد پُر خسته پایم
خرابی می کند در سینه ام دل
تویی ساقی مرا حلال مشکل
به مستانی ز هستی پاك رسته
به محزونانِ بالِ دل شکسته
به خون اَشکانِ سرگرمِ محبت
به دل خستانِ تَرك و تازِ محنت
به غم کیشانِ اقلیمِ محبت
به دل ریشانِ تسلیمِ محبت
به پای آبلهٔ پردازِ کربت
به اشكِ چهرهٔ غم تازِ کربت
به محشر طینتانِ سینه صد ریش
به ملكِ بیخودیها رفته از خویش
به اشك آباد رخسارِ یتیمان
به داغِ کهنهٔ خاطر حزینان
به جوشِ عشق بر مجنون سرشتان
به روی تابهٔ فرقت برشتان

به رنگِ روی عشاقِ بلاکیش
به محنتهایِ هجرِ فتنه اندیش
به مژگان خاری اشكِ محبت
به رنج و زاری اربابِ محنت
به قلبِ عاشقان صد چاك در پوست
به سرهم کاری نظاره دوست
به آهِ چاكِ جیبِ صد بیابان
به هوی برق ریزِ صد گلستان
به سینه صافیِ پیرِ خرابات
به آهنگِ خوشِ اهل مقامات
به صافی مشربیهای خمِ می
به درد افزایی قال لبِ نی
به والا دستیِ مینایِ رنگین
به فرحت باریِ صهبایِ مشکین
به جوشِ عشرتِ دورِ پیاله
که از کوثر بود نوشش حواله
به حقِ سرخوشانِ عالمِ آب
ز خود رفتم مرا دریاب دریاب
بلای ما، منی ماییِ ما شد
ندانم این ستم بر ما چرا شد
بده جامی از آن مایی که ما را
ازین قید آورد بیرون سراپا
مغنی بر شکن گوشِ ترانه
بگوشم ده نوای عاشقانه
تنِ من تن تننت را آرزومند
هوا و حرفتِ اندوه تا چند

مغرب رویه این مکان، درگاه والا جاه عاشق ربانی، مظهر الطاف

سبحانی، شاهباز آشیان وحدت، شمع شبستان قربت، مشرق انوارِ جلالی و جمالی، پیر شیخ عالی (۱۶) است، که فقیران درش به شاهان هم کلاه، و سنگهای آستانش در نور رشکِ مهر و ماه، جن و انس را مرقد امجدش قبله، و وحش و طیر را ارض اقدسش کعبه.

فلك خدمت گذار آستانش
ملك با صدقِ نیّت پاسبانش
شرف دارد زمینش بر سماوات
هجوم نور افزون تر زجنات
جبین سای درش خورشیدِ انور
چو یثرب خاك پاك او مطهر
میان صحنش از انبوه انوار
نباشد ماه و خور را رونقِ کار
تعالی اللّٰه زهی پاکیزه درگاه
که نورِ اوست وقفِ چهرۂ ماه
نه حاجتمند را آن جا ست زاری
که بی نیّت کشد کارش ز باری
زبان در وصفِ مدحِ اوست کوتاه
به کوهی چون توان آویختن کاه

نوش زایران، و برای خرج مجاوران آن جا چاهی است، از زمزم متبرک تر، و از چشمۂ عیون اهل صفا انور- بس که آبش هم چاشنی شکر است، در عرف نامش "کهند سر" است- [در زبان سندی "کهنڈ سر" به معنی "چشمۂ قند"] در اندازِ [۱۵۱] عمقش مسّاح اندیشه حیران، و برلب فرحت بارش ضابطِ خرد نگران- یوسف دلو کش آن چاه خوش آب است، و خضر سقای آن چشمۂ خوش تاب- آب حیات به رشکش در ظلمات نهان شده، و زمزم به غیرتِ شیرینی اش شوری بهم رسانیده-

نکو چشمۂ مهر طلعت بود
که از دیدنش دل به حیرت بود

همی تابدش آب سیماب وش
چو آبِ دُرش نیست در ظرف غش
گوارا تر از نوشِ آبِ حیات
تو گویی که بگداخت این جا نبات
شکر را خود این ذایقه یاد نیست
به آب این صفت جز خداداد نیست

نی ای را که سازند ز آن آب تر
نوایش دهد چاشنی ای شکر
درختانِ آزاد بر دورِ او
چو سروند بر پا ستاده نکو
سر افراخته بر سما هر یکی
چو طوطی بود در صفا هر یکی
برِ طوطی از برگِ شان منفعل
بود ریشه شان محکمِ مرزِ دل
خنک تر هوا در تهِ هر شجر
نسیمِ بهشت است نازل به سر
صفایی که آن جا نماید مدام
بود دست در دوش بیت الحرام

مشرق رویه، این زمین، ارم تزیین، در شعابِ جبل غارهای متعدده جای اعتکاف اهل الله، و کنجِ عزلتِ تارکان ماسوی الله است.

کشند گرکس در آن جا اربعینی
بود در معرفت صاحب یقینی
کهن پیران از دنیا بریده
چو مردم یافتندش پاک دیده
به رنگ اشک اندر چشم مستور
در آن جا صاف قلبی چند مسرور

به قلبِ کوه چون دل اهل وحدت
همی دارند با دلدار خلوت
خدارا طالبی خونین دلی چند
میانِ سنگها چون لعل خورسند

وهمچنین جای پرستش هنود، بر سر چشمهٔ خوش نمود، محل مجاهدات جوگیان، و منزل ریاضت سناسیان است۔

به خاکستر نشسته همچو انکشت
شرار شوق دلدارند در کشت
به عریانی سرِ شان بسته آهنگ
برِ شان جامهٔ خاکستری رنگ
ز بس در آتش شوقی برشتند
شرار آسا به خاکستر نشتند
صنم در سنگها بنموده ماویٰ
بر این آزادگانِ ترکِ دنیا
بسی از خسته خاطر های آن قوم
میانِ غارها دل بستهٔ "هوم"

در دامانِ این کوه به همان ذات شهر و اماکن مسطور، یگان جبل پاره ای است در ارتفاع به آسمان توامان، وبالایش مرقد ارشد واقف اسرار لاریب، پیرغیب است، که هر سال مجمعی غریب آن جا حسنِ انعقاد یابد، واحدی از شیخ و شاب پیرو برنا در شهر نباشد که در آن مجمع نه شتابد. از جملهٔ خوارق آن مجمع خلایق، وقوع بارش است، در روز فیض اندوز مجمع.

خرامان روز مجمع پیر و برنا
به دیده بسته نیرنگِ تمنا
بود ابر از هوادارانِ این در
که روزِ مجمعش بارد در اکثر
در آن روزی که فرحت را زمان است
جهان را ابر بر سر سایبان است

سحاب آن روز سقایی کند بیش
طراوت نذر بیرون آرد از خویش
زمین سبز و جبل سبز و هوا سبز
چگونه می نسازد دیده را سبز

[۱۵۲] دل می خواهد که به سیر طغرلباد شتابد، از آن گل زمین سینو آیین فرحتی یابد، هان تماشاییان جوشی و مستمعان گوشی

نه تنها دیده خواهانِ تماشا است
که دل بر سیرِ او گرمِ تمنا است
هیون هوش اگر امداد سازد
تواند دل دمی بر سیر تازد
رفیقِ راهِ این سیرم شود پِی
دلیلِ کاروانِ دل بس است نِی
بیا ساقی دمی آبی کرم کن
بیا مطرب علاجِ کهنه غم کن
بیا ساقی بگردان جام پِی را
بیا مطرب به نغمه آر نِی را
بیا ساقی بیفگن شورِ قلقل
بیا مطرب نوایی ده چو بلبل
بیا ساقی بهم ده آتش و آب
بیا مطرب بزن تاری به مضراب

زمین "طغرل باد" (۱۷)، عشرت بنیاد، که خاکش به سیرابی بر کشمیر تفوق دارد، و هوایش به شادابی بر ابرِ مطیر سبقت می آرد. صبحش را سورۀ "والشمس" تفسیر، و شبش را "آیات نور" تعبیر. ماه از آن جا استکسابِ نور کند، و مهر آلایش تکدر از آن زمین دور نماید. شام غریبان را صبح امید آن جا هست، و سحر شب بیداران را مهر از آن سو پیدا. سبزه زارش را آهوان چین

جویان، و مرغزارش را غزالانِ حرم پویان. اگر صفا را معدنی باشد، آن کوه والا شکوه است، و اگر نزهت را منبعی نشان دهند، آن مکان فرحت نشان است۔ صعوه ای را که آن جا آشیانی بود، باز سپر بهِ جولانش نرسد. و بومی را که بر، برّو بومش گهی گذر افتد، هما شاگرد سعادتش باشد. اگر هد هد سلیمان آن جا رسدی، تعریفِ سبا بر لب نه راندی. و اگر باز سفید آسمان آن جا آشیان گزیدی، دیگر هوای پرواز نبودی. زعفران زار کشمیر خندۂ شادابی سبزۂ خود رویش، و سنبل زار خطا و ختن بندۂ سیرابی ریحان مشک بویش. در مرتع افلاک جدی و حمل را آن ذوق نیست که صرف آهوان صحرای پر فتوح این زمین بود. و ثور و اسدِ گردون را در سبزه زار آسمان آن شوق نیست که وقف چرند گان بیدای سراپا روح این ارض باشد. در تعریف سواد ارضش بیاض مهر پر از خطوطِ شعاعی است، و در توصیف بیاض فضایش سواد ماه صرفِ روشنایی. طغرای کتاب ملاحت کائنات است، یا دیباچۂ نسخۂ نزاهت سماوات. مرغانش را "منطق الطیر" ازبر، و سبزه زارش "گلشن راز" را مفسر. رباعیات "سحابی" به شادابی منتهای سلیسش نرسند، و قطعات "انوری" هم مضمونِ فرح باری قطعه ای از ارضش نباشند. قصیدۂ بهاریه نگاه نظاره گیان را تشبیب از آن جا ست، و غزل نشاطیۂ طبع یاران را مستزاد فرح این جا پیدا. آبش شاعری ست صافی طبع که به تازه مضمونی تموجِ انبساط زلالی بدو رسد، هوایش مصفی است عالی دماغ، که بر نسخۂ ارم به حواشی، خط ریحان شرح بسیط نگارد.

سخن در وصف شادابی این ارض
کند در آبِ حیوان غسل بالفرض
لبی را گر هوای وصف او شد
زلال خضرش اول در گلوشد
به راهِ وصفش ار گامی براند
ز شادابی قلم ریشه دواند
سیاهی باید از چشمِ غزاله
مگر در وصف او بندم رساله

شود بیخود گهی توصیف او حرف
که شادابیش را راحی ست در ظرف
بیا ساقی از آن راحِ مفرح
که سازد ضیق طبعان را مفتح
بخوان مطرب غزلهای نشاطی
که سازد مستمع را انبساطی

غزل

وقت نا نوش آمد دوستداران را صلا
موسمِ عشرت رسیده می گساران را صلا
ابر چون دستِ کریمان وقتِ ریزش گشته است
سبزها شاداب طبعِ فرح جویان را صلا
گل پرندِ رنگ پاره کرد برتن از نشاط
جوش در طبعِ بهار آمد هزاران را صلا
مشك اذفر می دهد از کام ریحانهای کوه
منقبض طبعانِ قیدِ خان و مانان را صلا
آبها همرنگِ باده سبزها اندر بهار
[۱۵۳] همچو "قانع" برتعیش باده خواران را صلا

غزل

وقت است ساقی از کرم بخشی دلِ ناشاد را
لب تشنگی از حد شده جامی دو سه معتاد را
خواهم ز دل زنگِ الم بزدایی ای کانِ کرم
دست ترا مانند یم آبی بجو امداد را
ابر و هوا را مرحبا، عیش و فرح را حبّذا
ریحان و سبزه را صلا، عشق الله خوش باد را

هنگامِ سیرِ دل گزین جای فراغت به ازین
نه بود یقین خلدِ برین مر مردمِ آزاد را
نظاره ها شیدا بود دل را سر سودا بود
"قانع" تمناها بود مر سیر "طغرل باد" را

هر چند اکنون از مدها آبادی ظاهر ندارد، فامّا در ایام باران هجوم خلق آن جا اقصی الغایت صورت می بندد، والحق غریب روحی و عجیب فتوحی دارد. عمارات مندرسه قدیمه اش نور بار، و شکسته ریخته دیوارهای قلعه اش منبعِ انوار، در عرف "کلان کوت" اش گویند، و بی غایلهٔ ریب آن چنان که محسوس است در اعتلایش بر سایر کوت ها حرفی نیست. تالابهای چندی اندرونش به طراوت آب و سبزهٔ خود فریب، تو گویی خشت پزانش پنجهٔ خورشید را به جای کالبد به کار بردند، و سنگ تراشانش تیشهٔ هلال را برای مشق نقش کنی آزمودند. گچش مصفا تر از طباشیر، و سفیده اش از ماهتاب بیش تنویر.

نه تنها دیده را آن جا سرور است
که دلها را درو طرفه حضور است
خرد نظاره را مزدور باشد
جنون در بیخودی معذور باشد
تجلی زارِ طورِ چشم بینا
کند کسبِ فرح زو چرخِ مینا
طراوت ریزی ارضش بد آن حد
که شخصِ شوق آن جامی کشد قد
مسرت بر مسرت فرش کردند
سپس طرحش به رنگِ عرش کردند
همیشه ساکنِ این ارضِ خاکی
زند صد طعنه بر جنت به پاکی
گهی توصیفِ این ارضِ خرد لغز
زبان در کام گردد پسته سان مغز

دلی را کش بود در سر غمِ او
به عمرِ خضر سنجد یك دمِ او
ندارد هوش این جا تابِ تقریر
که باشد سبزه اش دامانِ دلگیر

سبحان الله آن را که در خرابی چنین حال، حینِ آبادی چه مثال داشته باشد. هر گاه کسی درو پا می نهد، هوش را اول بیرونِ در جا می دهد. هر سنگش را آبِ عقیق به جای شراره چکان، و هر خشتش را شیر خشت به خاصیت در جیب و دامان. بی باده این جا کیفیت سرور دست دهد، و جز نوا سرو برگ عشرت این جا میسر گردد. سبزان کان خوبی، و ملیحان ریحان محبوبی، علی الرسم تفنن شبها بیرون قلعه در موضع "معین" سکونت (؟) فرمایند، و روزها به قانون گلگشت اندرون قلعه در سبزه زارها بساط عشرت گسترند. و هر گاه کسی بر برج و بارداش عروج کند، چرخ اخضر کهین پایهٔ نردبانش بود- و خورشید خاور کنجشك پست ترین آشیانش باشد. ماشاء الله چه جای با صفا است! تا نظر راه رود جز آب و سبزه مرئی نه، و بدون گل افشانی روح سرور تماشایی را معاینه نیست. جبل او را در شعاب غریب راه ها ست، و عجیب ماویٔ ها. از درختان زمرد بار و عیون فرحت کارش چه شرح رود، که مژه به شادابی نظارهٔ سبزه های خود رو سبزه کنار حیوان بود. و انسان العین به مشاهده عیون کوثر نمونش هم مرتبهٔ رضوان. علی الخصوص تالاب "اکهور" پایین کوه طرف شمال آن قلعه والا شکوه است، که تعمیر کنارهای معینش را آبِ گوهر و رنگ گل به جای آهك و سارو است، و صفایی ماء معینش را چشمهٔ مهر و ماه عرق گداز رشك چرخ هندو.

چه گویم وصفِ آن تالابِ شیرین
که شیرِ جوی فرهادش بود طین
نهفته چشمه ای در وی به طرحی
رموز حکمت العین راست شرحی
[۱۵۳] مثالِ چشم این تالابِ خوش تاب
میانش مردمك با دیده پر آب

میان چشمه چشمه حیرت افزا ست
مگر دل را میانِ قلب ماویٰ ست
سری را که به وصفش آشنایست
سخن بی شبه قانونِ شفایست
قلم غوطه خورد در عین کافور
همی بارد زموجش نور بر نور
زبان در شرح خوش رنگی این آب
به آبِ گوهرِ خوش آب سیراب
نظر خرّم تراشِ باغِ رضوان
حبابش راست اندر کاسه حیوان
وزد بادی کزین تالاب هر سو
نسیمِ کوثرش آبی ست درجو
بنام ایزد عجب تالاب باشد
گدازِ تابِ او سیماب باشد
نشسته خوب رویان بر کناره
سپهر حسن را رخشان ستاره
یکی چون ماه اندر کسوتِ نور
به جامِ باده نابی است مسرور
یکی بر سر عبیری رنگ چیره
ملاحت را سرشتِ او ذخیره
"کسنبی پیته" سبزانِ خرد تاز
نشسته بر سر تالاب در ناز
به عکسِ خویش آن خورشید سازان
ز روی مهر طاق و جفت بازان
به سوی دلبرانِ "گنجفه باز"
ورق گردانِ مهر و ماه از ناز

به طرفی مجمعی "چوپر" خوش آهنگ
ربایند از کفِ خورشید و مه رنگ
بنردِ مهر جمعی فارغ البال
زده بر تختهٔ دلها دو سه خال
گروهی صرف "شطرنجِ" مجازی
ز دستِ یار خود خوردند بازی
دو دامی جامه در بر دلبری چند
خرامان بهر صیدِ عاشقانند
ز "ململ" مر یکی را نیمه تنگی
به فنّ دلبریها شوخ و شنگی
گروهی سیربینان لا ابالی
به دلچسپی به رنگِ شعر حالی
خریدار متاعِ دیدِ حسن اند
طپان در نار شوقی همچو اسپند
یکی را دست در دوشِ صراحی
به حالِ خویش سرمستِ فلاحی
یکی در نشه بی سرشار و مدهوش
یکی با دلبری دست اندر آغوش
یکی در جام عکسِ دوست دیده
یکی در بیخودی جامه دریده
یکی را نغمه برلب صورت نی
دمد از بند بندش صوتِ یا حی
درین غم خانه عشرت را چنین جا
یقین نبود سراغِ چشمِ بینا
بیا ساقی بده آن جامِ سرشار
که هوش از سر همی تازد به یک بار

بیا ساقی بده آن بادۂ صاف
که رضوانش بود در خلد وصاف
میَم ده می که مخموری ز حد شد
نفس در کام "حبل مِنّ مَسد" شد
بیا ای چشمِ مخمورِ مرا آب
خدا را یك دمی دریاب دریاب
نَیمَ زاهد که درخشکی بمیرم
می روزِ ازل آمد خمیرم
غلامِ ساقی کوثر منم من
ز نار حب او اخگر منم من
به اشكِ ذوقیانِ دیدِ دلدار
به آهِ شوقیانِ جلوۂ یار
به هوی رفته از خویشان مستی
به هوش خاطر افگارانِ هستی
به ذوقِ وصل مهجوراں بیخود
به شوقِ چشمِ مخمورانِ بیخود
به داغِ کهنه دردانِ غمِ دوست
به سوزِ سینه ریشانِ همِ دوست
به لب خشکیِ مخمورانِ هجرت
به دل رنجی مغمومانِ کربت
به بیتابی دلهای رمیده
به خوش رنگیِّ خمهای چکیده
به شکر خندی میخواره ای چند
به خوش حرفی لعلِ یار چون قند
هیونِ عمر باشد برق سهمیز
خداً را یك دو جامی بر لبم ریز
مغنی گوش بربط را بده تاب
که نغمه خوش بود در عالمِ آب

به آهنگی که زو منصور شد مست
بنام دوست در انفاس کوهست
در آن پرده که موسی گفت "ارنی"
لبت را در حقیقت صاف معنی
درین جا نطقها را نیست تابی
بیا ساقی بده جام شرابی

چون از گلگشت بار "طغرلباد" چمن چمن فرحت دست داد، پای دل به وصف مجمع "ملا داؤد درس" مایل، پای هوش درین راه نلغزاد، و خار کوتاهی در دامن آرزو مخلاد

بیا ای دل اگر داری سر سیر
که گردِ ره بود صد سیرِ کشمیر
نگه را پویه در مرزِ بهشت است
[۱۵۵] که خاکِ او ملاحت را سرشت است
بده ساقی یگان جامی می ناب
که هر سویی است مرئی عالمِ آب
مغنی راهِ نیشاپورِ عشق است
نوایی زن که در سر شورِ عشق است

در موسم باران، که ایام سیر یاران، و آوانِ غم زدایی خاطر حزینان است . بالای زمینِ طغرلباد، به مسافت دو سه کروه بر درگاه وارستهٔ ماسوی، یگانهٔ ملك تفرید، پاکباز کشور تجرید، ملا داؤد درس مجمعی رنگین نگین دست، مجمعهای هوش فریب، حسن انعقاد می یابد. و چون در آن زمین دلنشین دو سه روز اقامت، و سرِ سایه ندارد، هر گروهی در خیمه و چادری بزمِ عشرت و صحبتِ مسرت گرم می دارند. طرفه حالی آن جا مرئی و غریب رنگی مشاهده. اگر فراش سحاب خیمهٔ ابری رنگ خویش به طنابهای تسلسل و استاده های هوا آن جا برپا دارد، به رنگ چرکین چادری

از سر خوشانِ آن مجمع نرسد، و اگر خیمه دوز فلک از اطلس خود به طناب کهکشان مسلسل تقاطر خرگاهی افراشد، یك چین سرسری عیاشان آن مسرت گاه توامان نگردد. شامیانۂ شام گردِ رنگ قلندری سیارانش، و سایبان سحاب غبار بر هوا بسته "تنکوتی" گدایانش، سقرلاط لاجوردی رنگ سپهر را آن جا اعتباری نبود، و مشجر زرباف مهر را در آن زمین وقاری نباشد. جلوهٔ ماهتاب گرد افشاندهٔ "چاندنی ها" ورعشهٔ آفتاب خلش خار رشك "سوزنی ها". قالیچه پیچی زر تار شعشات خورشید پا انداز صدر نشینانش و آد قچۂ سیم باف انوار ماه صرف گذر گاه صف نعال گزینانش. نمدِ سبز رنگِ ابر دستمالِ هواداران هر خرگاه، و "جاجم" سرخ شفق، فرشِ مستراحِ پاسدارانِ هر بارگاه. مشعلچی ماه را در آن شب ها، از کلفِ تیل در پتیل، مگر بکار روشنایی های آن محَافل خدمتی را شایان شود، شمّاعی مهر را کافور سفیدهٔ شعشعه در زنبیل. بو که ازو کار دست بسته نمایان گردد.

تعالیٰ الله عجائب دستگاهی
شکوهی رشكِ چشمِ مهر و ماهی
نظر را دیدنش سودای شاهی
درین جا مردمك را کج کلاهی
به هر سو خیمه های عرش فرسا
تو گویی در هوا ابرِ مطرا

صبّاغ گردون حیران رنگ آمیزیِ فروش الوانش، و نقاش بهار والۂ هوای بوقلمونی تکلفِ زمینِ عشرت گزینانش. در هر خیمه خیل خیل نازنینان، اورنگ آرای کشورِ خوبی، و در جملۂ خرگاه ها، جوق جوق یوسف طلعتان عزیز مصر محبوبی. کثرت خلق و هجوم خیمه ها بدون غایت رسد، که مثال اردویِ عظیم در آئینه دیده ها منطبع شود. از هر جهت ترتیبی دکاکین و دو رسته اسواق حسن تزیین، نظرها لغزش مفتی می خورند. و دلها متاعِ خرمی به طوع می خرند. صرافانش به غرورِ غنا مالك دینار را در مرتبه به خاطر نسنجند، و به شمارۂ تود های پیسه و روپیه واقف به سفید و سیاه عالمند. تنبولی به برگ و ساز سرخ رویی در مجرایی سبزان آمده جان

سپاری، و چونهٔ تب دل با............... [۱۵۲] [این جا دراصل مخطوطه چهار سطر غایب شده اند] است.

به تقاضای رطوبت هوا، و سم خوشی طبعِ احبا، مضمون دل مینا به رنگ عشرت آما گل کند و مراد خاطر بر جام بلورین به آب رنگین جلوهٔ تحسین یابد. سبوها را دل پر خالی، و یاران را مدعایش هو بو حالی.

بنوشا نوش جوشد رازِ عشرت
مغنّی بر نوازد سازِ عشرت
دلِ زهاد را دونیمه سازد
یدِ زور آورِ اعجازِ عشرت
دهد جامی و مرغی هوش گیرد
قوی چنگال باشد بازِ عشرت
مغنّی آشنای راه و رسمش
سرم شوریدهٔ انداز عشرت
فراموشی دهد "قانع" ز آلام
روم قربان ادای نازِ عشرت

ساقیان سیمین عذار، بر کف پیاله، و مغنی ناهید کردار، در دست دفی چون هاله. محبوبانِ ماه رو، برلب جامِ می، سطربان باربُد خو سرگرم صدای نی. سوزن مضرابِ رفوساز جامهٔ صد چاك دل، و زخمهٔ رباب زنده کنِ مرغِ نیم بسمل. سرودِ هندی عراقیان را جامه برتن درد، و ترانهٔ خسروی، حجازیان رابه بندگی خرد، "کلا نوتان" خوش آهنگ، دست بر "مردنگ" و قوّالان سر گرم نغمه بار صف بسته رنگ. سینه هایِ موسیقار مطربان زیر و بم که کوك کنند، آتش به نای منصور دمند. دست برهم زنی مقامات آشنایان را آهنگ خوشی، و دف زنی اصول خوانان را از جلاجل گرم تر گوشی، کمانچه پیلكِ تیر رسا سر گرمِ صیدِ دلها، و رود به روانی نالهٔ آب بر آتشِ جگر پر کاله پر کاله. عطر افشانی جاده های رنگینِ صدای عود، مشام افروز سامعه داوٗد. چار تاره در شش جهت غلغله انداز، وقانونچه قانونِ طرب را ساز.

ساقی همه را بادهٔ صافی بخشند
در کامِ امل لذتِ وافی بخشند
امروز درین بزم کفِ نغمه تراش
از جمله غم و درد معافی بخشند

تر نواهیهای مستان بادهٔ عشرت، در هوا طغیانِ طراوت، فرح افزائی موجِ ترنم در مغز روزگار طوفانِ مسرت.

صدای هوش فرسای ربابی
کند در مغزِ تقویٰ پر خرابی
کند آهنگِ بربط بر کرانه
به مغزِ زاهدان بس شاخسانه
نه موسیقار خیزد نغمهٔ دوست
بود طنبور را سوز اندرِ پوست
تذرو نغمه تا سازد پری وا
زد آتش آشیانِ بلبلان را
به پا کوبیِّ رقاصانِ مهوش
فتد مر هوش را نعل اَندر آتش
درین جا گوشِ نغمه آشنایان
ز داغ سینه می باشد گل افشان
چه گویم وصف آن زیبا نشیمن
بهارِ بیخودی ها راست گلشن

در این روزها که نوروز خرّمی عبارت از آن باشد، تکلّفاتِ شایان در کشیدنِ خوان الوان به کار است. و رنگینیهای نمایان در ماکولات و مشروباتِ سزاوار سفره چی لذت را آن چه در حوصله گنجد، بکشیدنش خود را دریغ ندارد. و سیلابچی حلاوت را هر چه در کامِ امل گوارا آید، به صلای آن امساک نورزد. استخوانِ بی مغز قلم [۱۵۷] ساقِ عرش فرسوده راه طلبِ بوسهٔ لب بامش، چشمِ ملك حیران سواد کاری شامش. شمعِ ماه در آن روضهٔ پر ضیا بی نور، و نورِ مهر به صفای ارضش در تیرگی مجبور

به رنگ آمیزیش نقاشِ صنعت
کشوده بر رخِ خود دستِ حیرت
فراهم کرد رنگ جبۂ گل
صدف در دستش از منقار بلبل
ز تارِ شعشعه مهرش مو قلم بست
مگر کرده بر این در گاه تر دست
به هر اشجار دیوارش شرر بار
ز هر شاخش نهالِ خلد گلزار
طلای مهر را نبود چنین تاب
سفیدش آتش اندر جانِ سیماب
گلش در رنگِ سیرابیِّ دیده
که باشد بوی او در دل دویده
چنان نقاشِ او را بود تر دستۃ
که آب و آتش اندر برگ گل بست
چو فکرِ نخل پیرائیش سرِ داد
بجائۂ کللک طوطی بال و پر داد
کشیدی تا شبیهی شمع خوش تاب
برنگش ریخت پروانه سر شک آب
نمودی حرفِ سوسن نیل مردم
که در سوداش کردد عقلها گم
گرفته آبِ نیلوفر ته مشت
بسودی لاجوردش تا بانگشت
شدی یاری ده او طبعِ سیراب
همی مالید چون زنگار در آب
چو ابرِ مشق آن جا کف کشوده
طلائۂ مهر یکسر حل نموده
بحل کاری چو کردی دستش آهنگ

زرِ گل سود جایٔ رنگ برسنگ
ز شنجرف شفق پُر شد پیاله
کشیدی تا یگان تصویر لاله
طراوب را چو نخلِ بار ور بست
بُدش ز آبِ زمرد موج در دست
کشیدی گر بفرضاً صورتِ زاغ
بسودی لاله یکسر نیلمِ داغ
به آب لعل کلکِ او شده تر
نوشتی تا گلی را آن مصور
ز دیوار و درِ این منبعِ نور
همی تابد همیشه جلوهٔ طور
بود در وصفش اینها جملگی کم
که باشد جلوه گاهِ شاهِ عالم

اگر زاغ شب بر این کوه آشیان بندد، از طراوت باری های هوایش رنگ طوطی یابد. و اگر مینای صبح درین جبل دمی پرواز کند، بنور باریٔ صفایش کِسوت نوری ببر گیرد. طاؤسانش را محضر زرین کاری انوار ایزدی بر بال و پر بسته، و کبکانش را بهار خوش رفتاری در هر گام وابسته.

یگان مسجدی همقدرِ "مسجد اقصیٰ"، بر آن درگاه عرش سا است، که یك رکوع درو بهزار سجودِ ملایك برابر، و هر اقامتش بنشست قلسیان بهره ور.

درو گر بسته کس نیت بطاعت
مَلك را بهرِ اُو فرض است اطاعت
بود ز انوارِ نورِ ایزدی باغ
بچشمِ سا کنانش کحلِ مازاغ
بنایٔ او بود با کعبه هم سنگ
بود رنگش برنگِ عرش یك رنگ

شمسهٔ ایوانش گویٔ زرینِ خورشید را برطاقِ نسیان مانده و شعشعهٔ انوار صحنش طائرانِ قدس را بال افشانده. ابرویٔ محرابش هلال عید را برشك

ناخن در جگر زده، و کمانِ طاقهاش قوس قزح را پی بر اخگر زده، ساقِ عرش بکمین پایهٔ منبرش نرسد، و پایِ خطیب بر آن در ارتفاع از دوشِ فرقدین بگذرد. موذنش را بلال بندهٔ اخلاص، و مکبرش را تسبیح ملائك وظیفهٔ اختصاص. وظیفه خوانانش مرزوقِ وظایف سماء، و اعتکاف دارانش مشغولِ ذکرِ حاملانِ ملای اعلیٰ هر درش بابِ بیت الحرام. و هر دیوارش را راح انوار به جام.

صفا باردش دایم از سنگِ فرش
رسد نورِ موجِ حصیرش به عرش
فلك رفعتش را رهین و غلام
رسد بر سرش از ملایك سلام
ز سقفش که با عرش هم بر شده
رخِ جمله سیّاره انور شده
بنامِ خدا نور را کان او
حضورِ ملك وقفِ مهمانِ او

عقب هر چار دیوارِ این مسجد سراپا انوار، نشیمنهای عالی، مشرف بر روضات حوالی، و باغات از دستبرد خزان خالی، و تالابهای مملو آبِ زلالی که نسیم فردوس آن جا شیفتهٔ هوای دم صبح است، و بهارِ جنّت عطسهٔ آرزوی دریافتِ روی سوادِ شام. شبهای ماهتاب تماشایی قدرت ایزدی مفتِ تماشاییان، و بهار حکمت سرمدی نقد سایران.

هوا کرشمهٔ نور است در شبِ مهتاب
صفا تجلی طور است در شبِ مهتاب
بهشت نقدِ دلِ زایرانِ این درگاه
که پُر زخندهٔ حور است در شبِ مهتاب
خنك هوا به نسیم بهشت دوشا دوش
فریبِ چشمِ شعور است در شبِ مهتاب
صفای صحن لطافت بهار هر مامن
شعاعِ بزم حضور است در شبِ مهتاب
زبانِ "قانع" مداح آستانهٔ شاه
عرق فشان [۱۵۸] قصور است در شبِ مهتاب

در آن نشیمنهای رفیعه هر که شبهای ماهتاب نشیند، تا نظر کار کند هر طرف پایینِ کوه، تالاب های آبِ خوش رنگ بیند. گویی موجها را از پرتوِ مهتاب لباس طاؤس نقرئی در بر است، و حبابها را شعشعاتِ کلاه زرد برسر. نه دانم جلوه های زرین است، یا افشان پروین۔ رنگ ماهتاب برسرِ شوخانِ حباب دستاری است سفید سیمین کناره، و بر دیوانگان موجِ پیرهن کتانی پاره پاره.

به هر سویی روان آبی چو سیماب
به ساحل سبزه ها چون فرشِ سنجاب
نظر پیمانه پیمای رحیق است
ز عکسِ لاله اش رنگ عقیق است

صبح و شام تماشاییان، بر آن اماکنِ علیّه آسمان توامان فضای خلد را به خاطر نسنجند، تا به هوای سیرِ کشمیر چسان گرایند. هر طرف سبزه های سیر و نیمسیر رنگ، رشكِ کارنامۂ مانی و ارژنگ. هر جانب ریحانهای خوش بو، خون ساز نافۂ آهو. از اشجار تجلی زار "آَصلُها ثابت و فرعُها فی السماء". چه شرح دهم که زبان به توصیفِ شادابی برگ برگِ هر یك ریشه دار، و بنان در تعریفِ سیرابی شاخها انموذج کریمه "تَجری بِن تحتها الانهار". طوبیٰ سایه پرورد هر شجر و سدره به فیضِ طراوتهایش بار ور.

درختانِ آزاد هر سو کنار
از انفاسِ قدسی همه بار دار
کشیده قدان همچو نخلِ بهشت
ز کوثر روان آب شان را به کشت
نهالِ مراد اند در زیب و فرح
که دهقانِ قدرت نکو داد طرح
سهی سرو از قامتِ شان خجل
رود ریشۂ شان به بستانِ دل

هر آن مرغی که بر این اشجار آشیان سازد، هما را به تلقین سعادت نوازد. و هر آن جانوری که در سایۂ شان چرد، آهوانِ حرم را به بند گی خرد.

بازِ سفید مهر اگر نه طلبگار سایه اش بودی، چرا سر خود را بر بر گش سودی. و نوری یك رنگ ماه اگر نه هوای دار چینیش داشتی، چرا هر شب بجان کاستی. طوطی سبز ابر به طراوت آب داری شیرین پر ها رنگ سبز یافته، و مینای سرخ شفق بر رنگ های گلهایش بال یافته. بی غایه ریب، ارضی به این طراوت محسوسِ خرد نیست، و بی شایبه شك، زمینی بدین شادابی مرئی شخصِ مخیّله نه- موسیٰ نگاهان را وادی ایمن آن جاست، و عیسیٰ نفسان را وعده گاه خصر آن ماوٰا. نقاش بهار زری که در بوته گل به عیار آورده، همه اش به تذهیب هر برگ برگ شجر به کار خود آورده. زمین از عکس سیرابی سایه های هر درخت رشك سپهر برین، و برگها را هجوم برگ ریز درختان افشان پروین. نیلم سویدای دل این جا رنگ گیرد، و آبنوس مردمك بر این ارض لون پزیرد. مرجان سرخیِ عیونِ عشاق بر این آبها بالد، و زمرد سیرابی طبع درین مکان سبزی یابد. الماس نگاه را تاب این جا، و عقیقِ شفق را آب این جا. لعلِ گل از این زمین رنگ یاب، و کهربای رنگ روی طالبانِ دوست را بر این ارض آبِ تخمِ نشاط را این جا نمود، و غنچۀ انقباضِ قلوب را بر این خاك پاك کشود. نسترنِ ماه را رنگ ازین جا ست و شبوی انجم را رائحه درین زمین پیدا.

بنام ایزد عجائب مامن است این
طراوت را همیشه معدن است این
سخن گلزار در انداز رنگش
بیاضِ سبزیِ جنت به چنگش
زبان گلبرگِ صفحه ارضِ بستان
به وصفش نطق همرنگِ هزاران

هر چند بر این درگاه ثریا جاه، همه روز هجومِ خلق الله از حدِ احصیٰ فزون، فامّا بخصوص شبِ جمعه هر هفته بتخصیص جمعۀ اول ماه، تماشای نیرنگیِ وهاب بیچون است. و هر سال یازدهم و دوازدهم ماه ربیع الاول غریب [۱۵۹] مجمعی رومی دهد. نیز حور طلعتانِ گندم رنگ بداله خال فریب آرام آدم سیرتان، وجوق پری زادانِ شوخ و شنگ هوش ربای بنی نوعِ

انسان. گروهِ ملیحان نمكِ دیدهٔ عافیت سیاران، و مجموعهٔ سبزان گلِ چشمِ شکیبای عاشقان.

ندانم این زمین را چیست تأثیر
که آغازد جوانی را ز سر پیر
اگر مغموم آن جا گام راند
در ارضِ سرخوشی ریشه دواند
به چشمِ سرخوشان هر چارهٔ خاك
بود بالخاصیتِ همشیرهٔ تاك
هوایش می دهد خاصیتِ مل
بود در شبنمش ریزان برِ گل
زسنبل سبزه اش دارد فزون بو
چو ریحانِ خطِ دلدار خود رو

حبّذا مجمعی، و مرحبا مرجعی، که هوشها واله هوای او، ودیده ها شیفتهٔ صفای او.

خامهٔ شوق را به توصیفش
زر مهرست مداد بی غل و غش
صفحه گل موج رنگش است مسطر
نطق را ....
تا به گلزار وصف او زد پی
مر زبان را گلاب باشد خی
سخن اندر برند خلهٔ نور
شد تجلی فروش کوهِ طور
گرسرِ فکر وصفِ او دارد
سنبل آساش موی بو دارد
مغز اندر دماغ سبز شود
کلك را ریشه در بنان رود
درِ فکر ارچه همچنان واز است

مستمع را پسند ایجاز است
به که این جا عنان خامه کشم
خال تمت به رویِ نامه کشم

بس که کلام اکثر فصحا در تعریفِ بهارِ کشمیر مرئی می شد، و وصفِ شش فصلِ پنجاب هوش از دل می ستد. تعجب این که کسی راهِ توصیف این کوهِ جنّت شکوه که صد مرتبه به رتبه از آن بیش، به لب نرانده، وه هیونِ فکرِ احدی در فضای خلد نمای موسم برشگال این ارضِ ارم مثال که بهارِ روی زمین گروِ رنگش است، شیرین خرامی نه کرده تماشایی نیرنگِ حقیقی و مجازی، علی شیر "قانع" شیرازی را، مدتی هوای انشای چنین نسخه و تمنای همچو رساله ناخن زن پردهٔ دل بود، لله الحمد که درین وقت به برکتِ انفاسِ قدسی "پیران مکلی" شاهد این آرزو نقاب از رو به وجه احسن کشود. اگر به سهوی که سرشتِ مخلوقات است، طبایع اولوالافهام آگه شوند، بو که قلم اصلاح بر وی کشند.

درین نامه که باشد دفتر گل
ورق گلبن زبان منقارِ بلبل
به فکرِ رنگ و بوی حرفِ حرفش
چو غنچه خونِ دل گردیده صرفش
تماشایی بود معذورِ حیرت
که در آیینه دارد عکسِ صنعت

تاریخ

یافت چون اختتام این نسخه
که بود در صفا ارم منزل
سالِ وی گفت بلبلِ الهام
بوستانِ بهار تازهٔ دل

۱۱۷۴ھ
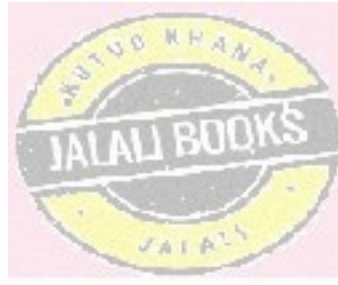
مکلی نامہ

اردو ترجمہ
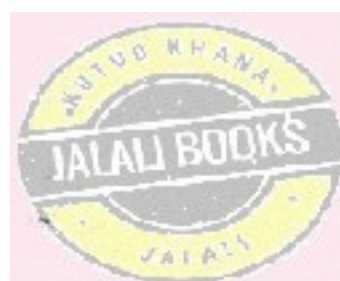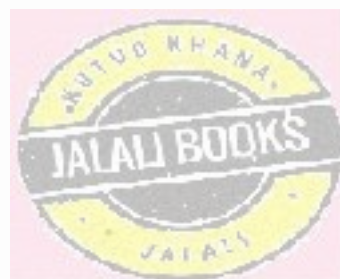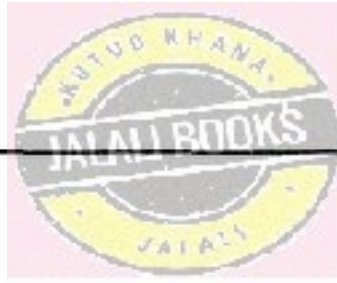
باب ۱

مکلی نامہ

مکلی کی پہاڑی کا ذکر کرتے ہوئے میر علی شیر قانع لکھتے ہیں کہ:

"کوچک ترین شعبہ جبال ھارہ وپب... وغیرہ منشعب و موصل جبل مکران، و محیط کنارہ عمان است، اگرچہ جبال و فرود ترین شعبات است، اما بروح و سرور برھمہ تفوق دارد." (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۸۴)

مکلی، ہاڑہ اور پب نامی ایک پہاڑی کی شاخ ہے، اس دور میں نہ تو نقشے تھے اور نہ پیمائش کے طریقے موجود تھے، اگرچہ میر علی شیر ذہین اور جغرافیہ سے دل چسپی رکھنے والا مصنف تھا، لیکن عدم وسائل اور معلومات کی کمی کی وجہ سے جو کچھ بھی زبان زد عام تھا، اس کو اس نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اس وقت جبکہ ساری دنیا کی پیمائش ہوچکی ہے، انچ انچ کا نقشہ اور جغرافیہ موجود ہے، ہمیں اس حقیقت حال کا علم ہوجاتا ہے کہ مکلی، ہاڑہ اور پب نامی ایک پہاڑی کی شاخ نہیں ہے، بلکہ کھیر تھر پہاڑ کی ایک دور افتادہ پہاڑی کا ٹکڑا ہے۔

ہالار پہاڑ کی ایک شاخ جس کے زیریں حصے کے مختلف نام ہوجاتے ہیں۔ یعنی کرو اور اس کی شاخ ڈاڑھیارو اور اس کی شاخ کھیر تھیر جہاں آکر ختم ہوتی ہے، وہاں میل (مجمع) کی صورت اختیار کرتی ہے۔ ضلع دادو میں تونگ کے پاس اس کے مجمع سے مختلف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی شاخیں مختلف سمتوں کی طرف رخ رکھتی ہیں۔ کانبو رینج، سورجانو، ہملیگ، دینار،

کوہستان رینج، لکی رینج وغیرہ۔ یہ انھی شاخوں میں سے کچھ کے نام ہیں۔ اِنھی شاخوں میں سے کچھ مکران کی طرف جاتی ہیں اور بعض کا رخ سندھ میں جنوب اور مغرب کی طرف ہوجاتا ہے۔ لکی رینج کے اختتام اور کوہستان رینج کی اخیر میں مشرق شمال سے ہوتی ہوئی مکلی کے بالکل سامنے ہوجاتی ہے۔ نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکلی کھیر تھر پہاڑ کی ایک بالکل دور افتادہ شاخ ہے۔ جوکہ شمال میں ساموئی سے شروع ہوکر جنوب کی طرف بارہ میل سفر کرنے کے بعد "کلاں کوٹ" سے ہوتی ہوئی پیر پٹھہ پر ختم ہوتی ہے۔

ہالار کی وہ شاخیں جو سندھ کو چھوڑ کر بلوچستان کی طرف جاتی ہیں، ان میں ہاڑہو، پب اور ہنگور وغیرہ شامل ہیں، جن کا سندھ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہی مکلی ان کی شاخ ہوسکتی ہے، جیساکہ میر علی شیر کا خیال ہے۔

ٹھٹہ کے پاس مکلی کی پہاڑی کو کراچی حیدرآباد شاہراہ کاٹ کر دو ٹکڑے کرتی ہے۔ جنوب کے آدھے حصے میں عیدگار مخدوم محمد ہاشم، مخدوم ابوالقاسم نقشبندی، پیر عالی، سید محمد یوسف بکھری اور جلوہ گاہ اماسین وغیرہ ہیں۔ اور اس کے آخری حصے میں کلاں کوٹ کا مسمار شدہ قلعہ اور عمارتوں کے آثار بھی ملتے ہیں۔ شمالی حصے میں ترخانوں کے مقبرے، مغلوں کی قبریں ہیں۔ شمال کے آخری سرے میں سما سلاطین کے مقبرے، جامع مکلی، پیر مراد اور شکر الٰہی سادات کے مقبرے ہیں۔ شیخ جیئو، حماد جمالی، عیسیٰ لنگوٹی وغیرہ بھی اسی حصے میں ہیں۔ پہاڑی کے اختتام پر شمال کی طرف نشیب میں ساموئی کی سرزمین ہے۔

یہ روایت مشہور ہے کہ اس پہاڑی پر سوا لاکھ اولیاء اللہ اور برگزیدہ بندے مدفون ہیں۔ یہ پہاڑی خیر و برکت و انوار الٰہی کی مظہر ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سندھ کے چھے سو برس کی تاریخ اس پہاڑی کے دامن میں مدفون ہے۔ بادشاہ، حاکم، وزیر، امیر، شاعر،

ادیب، مصنف، ملکی اور غیر ملکی سب ان مقبروں، قبروں، روضوں اور قبرستانوں میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ جن کا سلسلہ بارہ میل میں شمال سے جنوب کی طرف مسلسل پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ مقبروں کی عجیب و غریب ساخت، پتھروں پر خطاطی اور گُل کاری کے نادر نمونے اور مقبروں یا قبروں کے مختلف نمونے اور فنی کمال کے باعث اس طرح کی مدفن گاہ کی مثال پوری دنیا میں ایک ہی جگہ پر ملنا از حد مشکل ہے۔ علاوہ ازیں اچھوں کے ساتھ برے، بادشاہوں کے ساتھ امیر، غریبوں کے ساتھ مسکین، ظالموں کے ساتھ مظلوم، راعی کے ساتھ رعایا اور راجا کے ساتھ پرجا بھی اسی پہاڑی پر روز جزا کے انتظار میں ہیں۔

اس پہاڑی پر مکلی کا نام کس طرح پڑا؟ اس کی صحیح اور مستند تحقیق نہیں ہوسکی۔ تحفۃ الکرام کی روایت کے مطابق ایک بزرگ حج پر جاتے ہوئے اس پہاڑی پر آکر ٹھہرے، اور رات کو ایک خواب دیکھا اور اچانک اٹھے تو ان کے لبوں پر "ہذا مکۃ لی" کا فقرہ تھا، یعنی یہ میرا مکہ ہے۔ اس فقیر کا یہ فقرہ اتنا مشہور ہوا کہ وہ زبان زد عام ہوگیا اور آخر اس نے "مکلی" کی تخفیف شدہ شکل اختیار کرلی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق ایک پاکباز زاہدہ عابدہ عورت فوت ہونے کے بعد اس پہاڑی پر دفن ہوئی، جس کے مزار سے متصل شیخ حماد جمالی نے اپنی جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اس عورت کے نام پر پہاڑی کا نام شیخ حماد نے "مکۃ لی" رکھا اور پھر یہ مخفف ہوکر مکلی ہوگیا۔ جامع مسجد کے عین محراب سے متصل اسی مائی (عورت) کا زبوں حال مزار موجود ہے۔ (تحفۃ الکرام ص۱۸۴-۱۸۵)

میر علی شیر آخر میں فرماتے ہیں:

"به هرحال جای دیدن است، علی الخصوص در موسم برشگال که تالا بهای مملو آب شرین دارد، سبزه خود رو
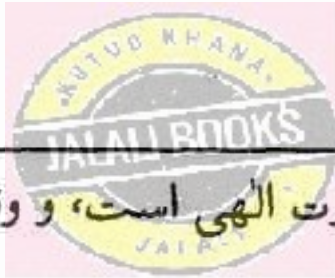
هر کنار نشان قدرت الٰهی است، و وقف سایر و زایر."
(ص ۱۸۵)

ٹھٹہ شہر کے رہنے والوں کے لیے یہ پہاڑی نہ صرف دفن گاہ اور عبرت گاہ تھی، بلکہ یہ ٹھٹہ شہر کے باسیوں کے لیے تفریح گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ مزاروں پر میلے اور ملاکھڑے لگتے تھے۔ عورتیں، مرد، خوش باش نوجوان، عالم، ادیب، شاعر اور سخن فہم گرمی ہو یا سردی روزانہ پہاڑی پر آتے تھے۔ سارا دن سیر و تفریح، میلوں ملاکھڑوں اور راگ رنگ کی محفلوں کو سجاکر شام کو گھر واپس جایا کرتے تھے۔ بعض بزرگوں کی زیارت گاہوں پر تو ساری ساری رات محفل سماع جاری رہتی تھی۔ چاندنی راتوں میں شمال کی ٹھنڈی ہواؤں کے سبب کئی راتیں وہاں قیام کرتے تھے "مکلی نامہ" اِس سلسلے میں بہت سی معلومات فراہم کرتا ہے۔
تاریخ طاہری کا مصنف مکلی کا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"در هر ماه چند عید دارند، اول جمعه که در ماه نومی آید و آن را بزبان سندی، ایشان ماه سپهره جمعه (سفرو جمعو یا ماه پهریون جمعو) می نامند. در آن روز، کوه مکلی چنان انبوه و اژدهام از مرد و زن میگردد، که جای پای ماندن نمی ماند ... تمام روز تفرج و طواف قبور میدارند، همه روز به کامرانی تا نماز شام آنجا بسر می برند، باز بخانه خویش می آیند... بر بالای کوه مکلی، تالابی ست که آن را کیر [سر] می نامند، یعنی تالاب شیرین. درین مدت تا آب باران در تالاب هست، مرد و زن اصناف چه هندو و چه مسلمان صف در صف هر روز تا شب، در آنجا طعام می پزند و جشن میدارند، بنوعی جمعیت یکجا می گردد، که کدام عید و چه طوی برابر آن باشد. هر که آنجا رسیده و تفرج نموده، او بهداند و انصاف خواهد داد، اما این قرار داد از همان وقت تا حال بحال ماندست، وچون

قدیم باز عرف گردیدہ، ترک نمی دارند۔" (ص۸۶-۸۷)

(ترجمہ) ہر ماہ میں چند عیدیں ہیں۔ اول جمعہ جو نئے مہینے میں آتا ہے۔ جسے سندھی زبان میں سپھڑو جمعو یا ماہ کا پہلا جمعہ کہتے ہیں۔ اس جمعہ کو مکلی پر اس قدر لوگوں کا جم غفیر ہوتا ہے کہ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملتی اور خواتین و حضرات وہاں قبروں کی زیارت اور طواف کرتے ہیں۔ اور سارا دن صبح تا شام وہاں رہتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں... کوہ مکلی کے اوپر ایک تالاب ہے، جسے کھیر سر کہتے ہیں یعنی میٹھا تالاب، اس وقت جب اس میں برسات کا پانی موجود ہو، خواتین و حضرات، کیا ہندو، کیا مسلمان، گروہ در گروہ ہر روز شام تک وہاں کھانا پکاتے ہیں اور جشن مناتے ہیں اور ایک طرح سے وہاں ایک جمعیت اکٹھی ہوتی ہے اور کیا عید اور کیا طوی اس کی برابری نہیں کرسکتی۔ جو وہاں گیا اور گھوما پھرا، وہی جانتا ہے اور وہی انصاف سے اس کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ تاہم یہ ماحول ابھی تک بحال ہے اور قدیم کی طرح ابھی ترک نہیں ہوسکتا۔ ٹھٹہ کے خوش باش اور خوش دل لوگوں کے لیے جن کا مشغلہ اسی قسم کے میلے ٹھیلے اور راگ رنگ تھے۔

مصنف لکھتا ہے کہ:

"بدین خوشدلی و خرمی کہ اگر ی کروز کسب میکنند، ہفتہ فراغت نمایند و کسب نمی کنند، حرص کم و فراغت بی شمار بہ همین ها میسر گشت۔"

(ترجمہ: ایسی خوشدلی اور خرمی کہ اگر ایک روز کاروبار کرتے ہیں تو ہفتہ فارغ رہتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔ حرص کم اور فراغت بے شمار اسی جگہ میسر ہے۔)

ایک اور مقام پر ٹھٹہ کے باشندوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"ہرگز ساکنان و متوطنان آن، غمگین و حزین کسی

نیافته، بر کم و بیش قناعت داشته بعیش و طرب کام و کامرانی میدارند، تا حال خوشدلی و خرّمی که درین خلق است، جای دیگر نیست و نخواهد بود.“ (ص ۸۴)

(ترجمہ: یہاں کے رہنے والے کو کسی نے غمگین اور حزین نہیں پایا۔ تھوڑے بہت پر قناعت کرکے عیش و طرب سے زندگی گذارتے ہیں۔ تا حال جو خوشدلی اور خرمی یہاں کے باشندوں میں ہے کسی دوسری جگہ نہیں۔)

انھی کا ایک اور معاصر ٹھٹہ کی خوشحالی اور لوگوں کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

”تته را به حسب آب و هوا و میوه تر شحات باران بهشت روی زمین میتوان گفت، و عورات جمیله سبز رنگ، مثل حوران بهشتی پیدا می شوند، و در هر خانه بتی (بھٹی) شراب و آواز دولکی است... و پوشاك دختر باکره و زال فرتوت صد ساله، از رخت رنگین گل معصفر که پوشاك عروسانه، است، و بانین دندان فیل هر کدامی در دست دارد، و مردم آنجا به کوچهٔ غم نگذشته اند، عیش و نشاط بر آنها غالب است ظهور اولیاء الله و فضلا و شعرا هم در آنجا زیاده از تعدادند۔ و فسق فجورهم بسیار نشان می دهد، گویند روز عید بنای این شهر شده، و علم نحو و صرف و فقه و نظم دران شهر بسیار است، و می توان گفت که عراق ثانی است.“ (ذخیرة الخوانین ص۱۶۶-۱۶۷)

مندرجہ بالا دونوں مورخہ میر علی شیر سے تقریباً سو برس قبل گذرے ہیں، جنھوں نے اپنے دور کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ ایک صدی کے بعد بھی میر شیر علی کے دور میں ٹھٹہ شہر کی رونق اور شہریوں کے مشاغل کا وہی عالم تھا ”مکلی نامہ“ کی مقفیٰ عبارت اور حسنِ بیان، خود ٹھٹہ کے رنگین ماحول اور شہر کی

ذہنی خوشگواری کا نتیجہ ہے۔

یہ شہر جب سے قائم ہوا ہے(۱) اس دن سے ہی یہ شہر رنگینیوں میں مصروف رہا ہے۔ حسن اور عشق کے میل اور ملاقاتیں، شعر و سخن کی مجلسیں اور محفلیں خوش باشی اور خرمی اس شہر کی خاص خصوصیات رہی ہیں۔ سرمد شاعر اسی شہر میں ابیچند کے عشق میں گرفتار ہوا، سارا ایران گھوما، تمام ہندوستان دیکھا، کہیں بھی اس کا دل نہ لگا۔ ٹھٹہ میں ہی اسیر محبت ہو کر یہ نعرہ بلند کیا:

خدایت کیست؟ ای سرمد! درین دیر
نمی دانم ابیچند است یا غیر

ذخیرۃ الخوانین کے مصنف نے فسق و فجور اور عورتوں کے رنگین لباس، عاج کی چوڑیوں، شراب کی بھٹیوں، طنبوروں اور ڈھولکیوں کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ ٹھٹہ کے لوگوں کے عیش و نشاط، تمدنی کیفیت اور روز مرہ کی خوشیوں اور خوش باشیوں کی دلیل ہے۔ اس سے ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ٹھٹہ کے رہنے والوں کا اور ٹھٹہ کے معاشرے کا کیا عالم تھا۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

کسی را تمنای تتہ بود
کہ پس کوچۂ عالمش جا بود

ایک دوسرے ظریف کا شعر ہے کہ:

شك نیست کہ... مردہ خیزد
از غمزدۂ لولیان تتہ

ٹھٹہ کے ان خوش باش باشندوں کی سیر و تفریح کا مرکز مکلی کا پہاڑ ہوتا تھا جس کے متعلق "طاہری" کے مصنف اور مکلی نامہ سیں میر علی شیر جابجا لکھتے ہیں کہ مکلی کے نظاروں، مقبروں، مجلسوں اور روح کو لبھانے والے میلوں ملاکھڑوں کا ذکر کتنے ہی فارسی شاعروں نے کیا ہے۔ ٹھٹہ کے شاعر "رونق" کا طویل قصیدہ مکلی کی شان میں ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بهار کوه مکلی طرفه سیر است
تماشایی بداند خرم آباد
پهر گوشه خرامان سروقدی
اگرچه نیست در وی سرو آزاد
هوای روح افزایش همه وقت
هوای جنت الماویٰ دهد یاد
بلی! آنجا مزار سیدی هست
که اکثر نامرادان را کند شاد

آخری شعر میں پیر مراد شیرازی کے مزار کی طرف اشارہ ملتا ہے۔
کسی نامعلوم شاعر نے مکلی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

ز دست چرخ کج رفتار غدار
دلا تا چند از غم خسته گردی
به کوهستان مکلی شو، دلِ زار
که از دنیایِ دون، وارسته گردی

شاعروں کی مجلس آرائی کا بڑا مرکز بھی مکلی تھا۔ ٹھٹہ سے آکر مکلی کے مناظر میں مسحور ہوجاتے تھے۔ اُنھیں وہاں جمالیاتی جلوے بھی بے تحاشا دکھائی دیتے تھے۔ ٹھٹہ میں تو ہر کوئی اپنے گھر کی چھار دیواری میں بند رہتا تھا۔ نظر بازی کے مواقع تو مکلی میں پیروں فقیروں کے مزاروں، درگاہوں اور زیارت گاہوں میں آنکھوں کو نصیب ہوتے تھے "مکلی نامہ" کا ہر ایک فقرہ اس روئداد کی گواہی دیتا ہے۔

جس طرح ٹھٹہ کا شہر آج نابود اور زبوں ہے، اسی طرح مکلی کا وہ اوج اور اقبال بھی زوال پذیر ہے۔ مقبرے نابود ہو گئے ہیں، قبریں زمین دوز ہوچکی ہیں اور درگاہ کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔ بالکل اسی طرح ٹھٹہ کے لوگوں میں بھی خوشی کی ترنگ باقی نہیں رہی، ہر ایک اداس اور غمگین نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے ایک دن کماتے تھے اور ایک ہفتہ رام سے کھاتے تھے، اب یہ حالت باقی نہیں رہی۔ شاید آج پورا ہفتہ کمانے کے باوجود بھی وہ خوشیاں ان سے روٹھ چکی

ہیں۔ یہ زمانے کی کروٹیں اور ہیر پھیر ہیں، آج اور کل میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

تاریخ طاہری کے مصنف نے لکھا ہے کہ: جام نظام الدین نے تخت نشین ہونے (۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ) کے بعد ٹھٹہ شہر کو آباد کیا۔

”بخاطرش رسید که شهر نو، به وقت اسعد بنا باید ساخت که آنجا، خرمی و خوشدلی همیشه و همه وقت بوده باشد، برهمنان و منجمان اختر شناس ساعت سعید دیده، در اطراف و پیرامون ساموئی گردیده، جایی که شهر ته است، آن زمین را پسند طبیعت داشته، بعرض جام بعرض نموده، بنای شهر ته نهادند... الخ“

لیکن یہ قول درست نہیں ہے، جام نظام الدین کے زمانے سے قبل کم و بیش دو سو سال پہلے ٹھٹہ شہر آباد اور سندھ کا دارالسلام بن چکا تھا۔

زیریں سندھ میں جو بھی تاریخی شہر ہیں ان میں سب سے پہلا نمبر دیبل کا ہے اور اس کے بعد ٹھٹہ کو خاص اہمیت اور شہرت حاصل رہی ہے۔ ان دونوں شہروں کے بارے میں بہت سے مسائل تصفیہ طلب ہیں۔ جن کا آج تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکا۔ ان کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کسی نے بھی ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ تفصیہ طلب مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

الف: دیبل ان متعدد جگہوں میں سے کس مقام پر واقعتا آباد تھا؟ جن کے بارے میں قیاس کی بناء پر سندھیالوجی کے انگریز محققین نے اشارہ کیا ہے۔

ب: دیبل کب برباد ہوا؟

ج: ٹھٹہ کس زمانے میں آباد ہوا؟ اور اس کا بانی کون تھا؟

د: ٹھٹہ الگ مقام پر آباد ہوا یا دیبل کے کھنڈرات پر تعمیر ہوا؟

ھ: تاریخوں میں ”دیول ٹھٹہ“ اکٹھا نظر آتا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟

یہ سوالات حل ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ تحقیقات کے لیے تمام

جدید ذرائع استعمال کیے جائیں۔

ذیل میں ہم سنہ اور ترتیب کے ساتھ ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں، جن میں دیبل یا ٹھٹہ کا ذکر آیا ہے، تاکہ قارئین کو اندازہ ہوسکے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں دیبل کا ذکر کب سے شروع ہوا، کس زمانے میں اُس کا نام تاریخی صفحات سے مٹادیا گیا۔ ٹھٹہ کا نام سب سے پہلے کب تاریخ میں شامل ہوا، اور دیبل کے ختم ہونے اور ٹھٹہ کے شروع ہونے میں کتنے سالوں کا وقفہ ہے۔

دیبل

۱۵۰ھ طرائف الادبیه: (مرتبه مولانا عبدالعزیز المیمنی مطبوعه قاہرہ ۱۹۳۷ء ص۱۰۲) خالد قناص کے نویں نونیه قصیدہ کو عروس کہا جاتا ہے۔ اس کے پہلے دو اشعار میں دیبل کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

عو جو اعلی طلل بالقفص خلانی
اقوی فقطانه ارال هیقان
كالديبليات او اجل قراهية
من بين احمد يرعا ها يثران

قفص (عراق کے تفریحی شہر) کی طرف چلو میرے دوستو، جو ویران ہورہا ہے۔ اب وہاں شتر مرغ کے بچے رہتے ہیں۔ دیبل کی نیل گایوں کی طرح یا جنگلی نیل گایوں کی طرح جو لال رنگ کی ہیں، اپنے جیسے بیلوں کے درمیان۔ شاید اس دور میں دیبل کے آس پاس نیل گائیں رہتی تھیں، جن کو دیبل کی نسبت کے سبب "دیبلیات" کہا گیا ہے۔ یہ شاعر دوسری صدی ہجری کے درمیانی دور کا تھا۔

۲۳۱ھ: المعجم ما استعجم: کے مصنف ابو عبیداللہ عبداللہ بن عبدالعزیز المتوفی ۴۸۷ھ نے دیبل کے بارے میں ایک شعر دیا ہے (۳/۵۹۶) جس میں دیبل کا ذکر ہے وہ شعر ابن الاعرابی (محمد ابن زیادہ ۱۵۰-۲۳۱ھ- زرکلی ۶/۳۶۵) نے ثعلب سے سنا، جس سے ابو

عمر (زاہد) نے سنا جس سے کتاب کے مصنف نے سن کر لکھا، شعر ملاحظہ ہو:

کان ذراعه المشکول منه
سلیب من رجال الدیبلان

ترجمہ: اس مٹکے کے منہ پر کالا کپڑا باندھا گیا ہے۔ گویا دیبل کا کوئی کالا آدمی ہے، جس کے کپڑے اتار دیے گئے ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبل کے لوگ کالے تھے، جن کی سیاہی کو شراب کے پرانے مٹکوں کو نمایاں کرنے کے لیے بطور تشبیہ لایا گیا ہے۔ مصنف نے مزید لکھا ہے کہ یہ شعر ایک مٹکے کی تعریف میں ہے۔ مشکول بمعنیٰ مشدود، دیبلان کا ہے کالے لوگوں کی۔

۲۵۰ھ: المسالك والممالك: ۲۵۰ھ از ابن خرداز به المتوفی ۳۰۰ھ۔

۲۷۹ھ: فتوح البلدان: بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ

۲۸۷ھ: تاریخ یعقوبی: احمد بن یعقوب المتوفی ۲۸۷ھ

۳۰۳ھ: مروج الذہب: المسعودی المتوفی ۳۴۶ھ یہ کتاب ۳۳۲ھ میں لکھی گئی اور انہوں نے خود ۳۰۳ھ کے قریب یہاں کا سفر کیا۔

۳۰۳ھ: التنبیه والاشراف: المسعودی المتوفی ۳۴۶ھ

۳۳۱ھ: صورت الارض: ابن حوقل ۳۳۱ھ میں ہندوستان آئے۔

۳۴۰ھ: المسالك و الممالك: اصطخری ۳۴۰ھ میں ہندوستان آئے۔

۳۷۲ھ: حدود العالم: مصنف نامعلوم۔ یہ کتاب ۳۷۲ھ میں لکھی گئی۔

۳۷۵ھ: احسن التقاسیم: بشاری مقدسی۔ یہ کتاب ۳۷۵ھ میں لکھی گئی۔

۴۱۶ھ: کتاب الہند: ابو ریحان البیرونی تالیف ۴۱۶ھ

۴۳۰ھ: قانون مسعودی: ابو ریحان البیرونی المتوفی ۴۴۰ھ کتاب مسعود بن محمود غزنوی کے دور میں تصنیف کی گئی۔

۴۸۷ھ: المعجم ما استعجم: ابی عبید، عبداللہ بن عبدالعزیز البکری الاندلسی المتوفی ۴۸۷ھ دیبل کے سلسلے میں کتاب کے مصنف کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔

۶۰۵ھ: جہان نامہ از محمد بن نجیب بکران (تالیف ۶۰۵ھ) (۱۴۱) میں دیبل کا ذکر اس طرح آیا ہے:

۵۱۰ھ: فارس نامہ: ابن بلخی تالیف ۵۱۰ھ سے پہلے۔ مولف نے ذکر کیا ہے کہ: بہرام گور بن یزد گرد بن شاپور ساسانی (۴۴۲-۴۶۵ء) کو دیبل جہیز میں ملا۔ (تاریخ گزیدہ، کامل ابن اثیر اور تاریخ غرر السیر الثعالبی وغیرہ میں بھی یہ ذکر آیا ہے)

۵۴۹ھ: نزہت المشتاق: شریف ادریسی۔ یہ کتاب ۵۴۹ھ میں لکھی گئی۔ مصنف ۴۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔

۵۶۲ھ: کتاب الانساب: سمعانی متوفی ۵۶۲ھ۔

۵۷۸ھ: طبقات ناصری: سلطان شہاب الدین غوری (بن سام) جنھوں نے ۵۷۸ھ میں سندھ فتح کیا، کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

> و دیگر سال که [شهور] سنه ثمان [و سبعین و خمسمائه] شد، سلطان غازی (محمد غوری) لشکر بطرف دیول برد، و تمام آن بلاد کنار بحور را، در ضبط آورد و اموال بستد و مراجعت فرمود... (۴۶۷)

۶۰۷ھ: وہی مصنف مالك ناصر الدین قباچہ کے مذکور میں جنھوں نے (۲۲ جمادی الاول ۶۲۵ھ یا ۱۹ جمادی الاخر) سلطان شمس الدین التمش کے خوف سے بکھر کے قلعے سے دریا میں چھلانگ لگا کر خود کشی کی تھی، لکھتے ہیں:

> "ملك ناصر الدین قباچه بادشاه بزرگ و بنده سلطان غازی (شهاب الدین محمد بن سام غوری) بود... بعد از حادثه سلطان قطب الدین [ایبك ۶۰۷ھ] به طرف اچه رفت، شهر ملتان را ضبط کردند و سندستان و دیول تالب دریا، جمله در تصرف او آمد، و قلاع و قصبات شهر هایِ مملکت سند را به خود گرفت..." (۴۹۲)

۶۱۳ھ: چچ نامہ: علی بن حامد الکوفی تالیف ۶۱۳ھ۔

۶۱۸ھ: جلال الدین خوارزم شاہ، چنگیز خان کے حملے کے سبب

ملک چھوڑ کر ۸ شوال ۶۱۸ھ سندھ میں داخل ہوئے اور ۶۱۹ھ میں یہاں سے واپس گئے۔ صاحب طبقات ناصری نے (تالیف ۶۵۸ھ) اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جلال الدین خوارزم شاه بزمین سند آمد، و بر طرف دیول و مکران رفت..." (۴۹۲)

۶۱۸ھ: جہان کشائی جوینی: (تالیف ۶۵۹ھ) میں وہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

"وبر جانب دیول و دمریله (مرحوم ڈاکٹر دائود پوتہ کے قیاس کے مطابق دمریلہ مکران کی سرحد پر تھا) نهضت کرد. و چنیسر که حاکم آن ولایت بود، بگریخت و در کشتی به دریا رفت. سلطان نزدیك دیول و دمریله فرود آمد... و سلطان در دیول، مسجد جامعی بنا فرمود، در موضعی که بتخانه بود..." (تاریخ معصومی ص۲۸۶ بحوالہ جہان کشاج۲ ص۱۴۶-۱۴۸)

ترجمہ انگریزی **Boyle vol-II B 416-17** آثار الوزراء عقیلی مطبوعہ طہران ۱۳۳۸ش- ص۲۷۱۔

۶۲۵ھ: طبقات ناصری کے مصنف نے قباچہ کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ھ-۶۳۳ھ) کے قبضے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آن بلادتا آب محیط فتح شد، و ملك سنان الدین جنیسر (چنیسر) که والی دیول و سند بود به خدمت درگاه شمس الدین پیوست..." (۵۲۳)

۶۲۶ معجم البلدان: یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ۔

۶۳۴ھ: رضیہ سلطانہ (۶۳۴-۶۳۷ھ) کا ذکر کرتے ہوئے طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ:

"از ممالك لکنوتی تا دیول همه ملوك و امراء انقیاد نمودند..." (۵۳۷)

٦٥٠ھ العباب الزاخر واللباب الفاخر: از امام صاغانی (متوفی ۲۹ شعبان ٦٥٠ھ جمعہ کی رات) امام صاغانی نے کئی سالوں میں سندھ کے مختلف شہروں کا سفر طے کیا تھا۔ انھوں نے دیبل کا شہر بھی دیکھا تھا۔ صاغانی نے پہلا سفر ۵۹۰ھ سے ۵۹۵ھ تک کیا۔ ۵۹۵ھ میں سندھ سے ہوتے ہوئے عراق گئے تھے۔ وہ ٦٠٦ھ میں دوبارہ ہندوستان آئے اور ٦١٠ھ میں یہاں سے واپسی پر حج کو چلے گئے۔ ٦١٣ھ میں حج سے ہوکر واپس ہندوستان پہنچے اور ٦١٥ھ میں دوبارہ بغداد روانہ ہوئے اور ایک دفعہ پھر ٦١٦ھ میں خلیفہ ناصر الدین کا سفیر بن کر التمش کے دربار میں پہنچے۔ وہ کتاب ''العباب'' لکھتے ہوئے لفظ (بکم) پر پہنچے تو اچانک انتقال کر گئے اور ان کی یہ کتاب نامکمل رہ گئی۔ انھوں نے جو جو شہر دیکھے تھے ان کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ چنانچہ دیبل کے سلسلے میں درجہ ذیل عبارت لکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٦٥٠ھ میں جس وقت کتاب لکھ رہے تھے، وہ دیبل میں موجود تھے۔ ''دیبل سندھ کے شہروں میں سے ایک قصبہ ہے، جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں بندرگاہ ہے، یہاں کے باشندے نیک طینت ہیں لیکن قدیم امراء اور حکمران خواہ موجودہ حکمران اور امراء بد باطن ہیں۔ سمندری ڈاکوؤں سے ان کا تعلق ہے اور وہ لوٹ مار کے مال میں سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ (دیکھیے عربی عبارت معارف نمبر ۳ جلد نمبر ۸۳ ص۲۲۳- کتاب کا روٹو گراف سینٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی میں موجود ہے۔ تاج العروس میں زبیدی نے (مادہ دبل) میں مندرجہ بالا عبارت نقل کی ہے۔ صاحب تاج العروس نے قصبہ کے بجائے دیبل کو سندھ کا پایہ تخت بتایا ہے۔)

٦٥٨ھ: طبقات ناصری: قاضی منہاج سراج جزجانی نے ٦٥٨ھ میں مرتب کی، وہ خود خاصا عرصہ قباچہ کے ہاں اوچ میں رہے۔ اُنھوں نے دیبل کا ذکر کیا ہے، جو اوپر دیا گیا ہے۔ (ہمارے سامنے آقائے حبیبی کا پہلا ایڈیشن ہے۔)

۶۵۹ھ: جہانکشائے جوینی: از عطا ملک جوینی تالیف: ۶۵۹ھ اس میں جلال الدین خوارزم شاہ کی آمد کا ذکر ہے جو ہم اس سے پہلے دے چکے ہیں۔

۶۸۲ھ آثار البلاد: قزوینی متوفی ۶۸۲ھ ان کا ماخذ اصطخری ہے۔

۷۳۴ھ: رحلہ بن بطوطہ: ۷۳۴ھ میں لاہری بندر گاہ سے اتر کر سہون آئے، اُنھوں نے دیبل کا ذکر نہیں کیا۔

۷۴۰ھ: نزہت القلوب: حمداللہ مستوفی یہ کتاب ۷۴۰ھ میں تالیف ہوئی۔

۷۴۹ھ: مراصد الاطلاع: از صفی الدین بغدادی (متوفی ۷۴۹ھ) یہ کتاب معجم البلدان یاقوت حموی کا اختصار ہے۔

۸۲۱ھ: صبح الاعشیٰ: قلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) چوتھی جلد میں امام صاغانی کی کتاب العباب الذاکر کے حوالے سے دیبل کا ذکر کیا گیا ہے۔

آخری چار کتابیں قدیم کتابوں سے لیے ہوئے مواد پر مشتمل ہیں، ان میں ذکر آنے کا یہ سبب نہ سمجھنا چاہئے کہ دیبل اس دور تک موجود تھا۔

اوپر دیے گئے سنہ اور نقشے کے مطابق امام صاغانی اور منہاج سراج کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ دیبل ۶۵۸ھ تک موجود اور آباد تھا۔ البتہ دارالسلطنت کے بجائے قصبہ بن چکا تھا، جیسا کہ امام صاغانی نے بتایا ہے۔ ۷۳۴ھ میں جب ابن بطوطہ آئے تب دیبل یا تو بالکل برباد ہوچکا تھا یا اُس کی بندر گاہ والی حیثیت اور اہمیت ختم ہوچکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن بطوطہ لاہری بندر گاہ کے ذریعے سیدھا سہون آیا۔ گویا منہاج سراج کے بعد ابن بطوطہ تک جو پوری صدی کا عرصیہ گذرا، اسی عرصے کے دوران دیبل کا وجود ختم ہو گیا۔

دیبل کے سلسلے میں سلسلہ وار حوالے آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ذیل میں اسی ترتیب سے ٹھٹہ کی قدامت اور دیبل اور ٹھٹہ کے درمیان جو برسوں کا وقفہ ہے وہ ظاہر ہوجائے گا۔

ٹھٹہ
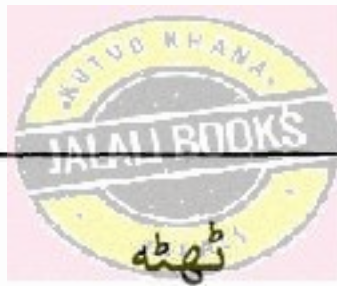
۵۷۱ھ: سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری نے بقول مبارک شاہی (تالیف ۸۳۸ھ) ٹھٹہ اور اوچ پر حملہ کیا۔

"... در سنه احدیٰ و سبعین و خمسمایه سمت اچه و ته و ملتان لشکر کشید، طایفۂ ته در حصار اچه محصر شده، با سلطان محاربه کردند..." (ص٦)

طبقات ناصری نے ٹھٹہ کے بجائے دیبل لکھا ہے۔ آثار الوزراء (عقیلی) میں وزیر نظام الملک جندی کے تحت لکھا ہے:

"... چون سلطان شهاب الدین غوری فتح مما لك هند نمود آن ملك را به غلامان خود سپرد... و ته و اچه را بسلطان ناصر الدین قباچه داد..."(۳۲۹)

طبقات اکبری (۱/۳۷) میں ہے کہ:

"...سال دیگر (۵۷۸ھ) به طرف دیول که عبارت از ته است، لشکر برده تمام بلاد بحر را در ضبط در آورده..."

تاریخ مبارک شاہی میں بتایا گیا ہے کہ ٹھٹہ لفظ کے لیے ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم و مغفور کا خیال صحیح ہے کہ دراصل وہ بالکل ٹھٹہ نہیں ہے بلکہ "بھاتیہ" ہے۔ (حاشیہ معصومی)

در حقیقت بعد کے ادوار کے مورخ ٹھٹہ کی مرکزی حیثیت اور شہرت سن کر دیول اور ٹھٹہ کے مابین کوئی تفریق نہیں کرسکے ہیں۔

٦٦٧-٦٧١ھ: دیوان تحفۃ الصفر: امیر خسرو (تولد ٦٥١ھ وفات ۷۲۵ھ) نے یہ دیوان ١٦ سے ١٩ برس کی عمر تک کہی ہوئی غزلوں کو مرتب کرکے تیار کیا۔ اس کی غزل کے ایک مطلع میں "ته" کا قافیہ لایا گیا ہے۔

سرو چو تو، در اچه و در ته نباشد
گل مثل رخ خوب تو، البته نباشد
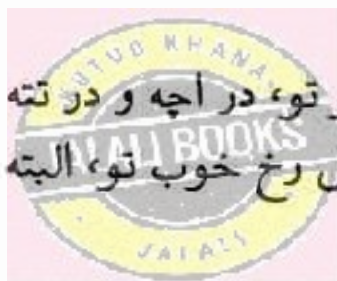
امیر خسرو، خان شہید کے پاس ملتان میں (۶۷۸-۶۸۳ھ) میں بھی تھے، صدر الدین بن بہاؤ الدین زکریا ملتانی اسی دور کے ہیں۔ قلندر لعل شہباز بھی کچھ عرصے کے لیے اسی خان شہید کے ہاں رہ کر بعد میں سہون آئے تھے۔

مذکورہ بالا شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ٹھٹہ ۶۳۷ھ اور ۶۷۱ھ میں نہ صرف آباد مشہور و معروف تھا، بلکہ اتنا بارونق اور متمدن شہر تھا کہ شاعر نے وہاں کے خوب صورت پھولوں اور سروقد حسینوں کی تشبیہ اپنے محبوب کی تعریف میں استعمال کی ہے۔

۶۶۹ھ: سلطان غیاث الدین بلبن (۶۴ھ-۶۸۶ھ) کے فرزند محمد قاآن جن کا پہلے ذکر ہوچکا ہے، ۶۶۸ھ ملتان اور سندھ کے حکمران بن کر آئے۔ ۶۸۳ میں مغلوں کے لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ تاریخ میں "خان شہید" کے عرف سے مشہور ہوئے، ان کی حدود کا ذکر کرتے ہوئے صاحب تاریخ مبارک شاہی (تالیف ۸۳۸ھ) نے لکھا ہے کہ:

> "... از مالم تا حد جناتی اقطاع او داخل ملتان بود... جناتی شصت کروہ از تتہ پیشتر بر سر دریاست..." (۴۳)

۷۰۵ھ: مکاتبات رشیدی: از خواجہ رشید الدین فضل اللہ طبیب مشہور وزیر (ابا قاخان اور غازان خان) اور معروف مورخ (مولف تاریخ رشیدی) جن کو سلطان خدابندہ نے ۷۱۸ھ میں قتل کروایا۔ خواجہ مذکور نے اپنے بیٹے عزیز الدین ابراہیم حاکم شیراز کو لکھے ہوئے ایک خط میں لاہور اور سندھ پر مغلوں کے حملے کا ذکر کیا ہے، جس کی کمان ان کے دوسرے بیٹے جلال الدین خواجہ (حاکم اصفہان) کررہے تھے، اسی خط میں ٹھٹہ کا نام لیا گیا ہے۔

عزیز الدین کو بھی ۸۱ جمادی الاول ۷۱۸ھ (گزیدہ ۱-۶۰۳ھ) میں خدا بندے نے قتل کروایا۔ عزیز الدین علاؤ الدین بادشاہ ہند کے داماد تھے۔

مولانا شفیع مرحوم (مرتب مکاتبات رشیدی) کا خیال ہے کہ

مذکورہ خط میں مغلوں کے جس حملے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ۷۰۵ھ کے لگ بھگ ہوا ہوگا۔ خط کی ضروری عبارت کچھ اس طرح ہے:

"... فرزند جلال (جلال الدین خواجه، حاکم بلده اصفهان)... قلعه لهاور را... باندك حمله كرده، مسخر ساخت و از آنجا باجماعت امرای مغول به طرف ولایت سند متوجه شد طایفه مخاذیل که در سلك (کذا) انتظام یافته بودند و در ثغور ولایت مذکور جمع آمده و در راه لشکر ایران، دام خدیعت انداخته و چون شیران آدمی خوار کمین ساخته، چون دانستند که قهر مانان لشکر ایران و قلب شکنان جند ایلخان، همهمه افراس را نوای قانون و غنای ارغنون می شمرند، و جمجمه راس را کاس صهبا و جام حمیا می پندار ند، وصف هیجا و قلب وغا چون دریا در جوش، و چون رعد در خروش می آیند، چون باد، روی به هزیمت نهادند، و در جزایر و آجام مختفی شدند، وامرای مغول بتالان منال و مواشی و تاراج جوانب و حواشی مشغول گشتند، اما فرزند جلال، چون رجوم نجوم که در پی عفاریت رانند و روند، در پی ایشان بشتافت، و آن جماعت را به حدود جزایر بکر و اچه و دحال لاهری و ته بتافت... الخ" (ص ۳۲۵)

۷۲۰ھ: سلطان قطب الدین مبارك شاه (۷۱۶ھ-۷۲۰ھ) بن سلطان علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ھ-۷۱۵ھ) کو خسرو ملك نے ۷۲۰ھ میں قتل کرکے تخت پر بیٹھا، جس کو اسی سال سندھ کے گورنر غازی ملك نے تہ تیغ کیا اور وہ خود، سلطان غیاث الدین تغلق (متوفی ۷۲۵ھ) کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ تحفۃ الکرام کا قول ہے کہ اسی دور میں ٹھٹہ پر سومروں نے قبضہ کیا۔ (تك فارسی — تحت غازی ملك)

۷۵۲ھ: سلطان محمد تغلق ٹھٹہ سے چودہ کوس دور تھے کہ پلا مچھلی کھا کر بیمار ہوئے اور ۲۱ محرم ۷۵۲ھ میں فوت ہوئے۔

سلطان فیروز اسی جگہ پر (۲۳ مارچ ۱۳۵۱ء تخت نشین ہوئے اور ان کی میت لے کر سہون سے ہوتے ہوئے دلی چلے گئے۔ تاریخ مبارک شاہی کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"... معهذا قصد تته کرده تاطغی را که آنجا گرفته به آن طایفه بدست آورده بکشند... چون سلطان نزدیك تته رسید، باز همان زحمت عود کرد. بست و یکم ماه محرم سنه اثنین و خمسین و سبعمائه برلب آب سند، به رحمت حق پیوست..." (۱۱۷)

۶۳-۷۶۴ھ تاریخ فیروز شاہی: عفیف برنی (تالیف ۸۰۱ھ) سلطان محمد کی وفات کے بعد فیروز تغلق دہلی سے فوجیں لے کر ٹھٹہ کی طرف آئے۔ تاریخ فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ: ٹھٹہ عظیم شہر تھا، قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اس کو فتح کرنا ناممکن تھا۔ پہلی دفعہ تو فیروز مایوس ہو کر چلا گیا، دوسری مرتبہ زوردار تیاریوں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ عفیف کا قول ہے کہ "ٹھٹہ کے جام نے مجبور ہو کر سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کو اوچ سے بلوا کر ان کے ذریعے سلطان فیروز سے صلح کی۔ لیکن عبارت کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہانیاں جہاں گشت کو بلانے میں سلطان فیروز کا بھی ہاتھ تھا۔ بہرحال یہاں تو یہ موضوع خارج از بحث ہے، ذیل میں ہم وہ عبارتیں نقل کرتے ہیں، جن سے ظاہر ہو گا کہ "ٹھٹہ بڑا اور مضبوط شہر تھا" ٹھٹہ کا قلعہ ناقابل تسخیر تھا، قلعہ اتنا وسیع تھا کہ اس میں لاکھوں کی تعداد میں لشکر ٹھہر سکتا تھا۔

سندھ کے لوگ جنگ کے فن میں بھی ماہر تھے۔ ان میں حب الوطنی اور وطن کے دفاع کے احساس کی شدت یہاں تک تھی کہ سندھ کے عام آدمی نے بھی جان قربان کرنے سے گریز نہیں کی۔ چنانچہ "کچھ" اور "کونجی" صحرا میں رہبر بن کر پریشان کرنے کا

واقعہ اس کی دلیل ہے۔

"... آبادانی تته در دو محل بود، يك محل كرانهٔ لبِ آب سنده جانب دهلی، دوم محل گذار لب آب سند جانب تتیان بسیار و بیشمار مرد انبوه، هریکی باشکوه بلکه هر يك تن چو انجمن بود با گرانی کوه، جمله مرد جنگی، چنانچه از احوال قوت و جلادت ایشان، میان جهان و جهانیان معلوم و روشن. دران ایام جام برادر رای انر و بانبهنیه برادر زاده او، ضابط تته بوند انواع رعنایی در میدان خود نمائی می نمودند... جمعیت بسیار جمع کردند، و لایت ایشان بسیار و بیشمار است." (عفیف ص۱۹۹)

جب جنگ شروع ہوئی تو اس وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مولف لکھتا ہے کہ:

"...جام بانبهنیه خود کام، با جمعیت تمام مستعد شده، باسوار بسیار و پیاده بیشمار از میان حصار بیرون آمدند..." (۲۰۱)

"... و جمعیت تهتهیان [تتیان] موازنه بیست هزار سوار جرار. هر یکی در زور دلاوری کند آور روزگار. و موازنه چهار لك پیاده نامدار با این جمعیت فراوان و قوت بی پایان طائفه تهتهیان [تتیان] در آویز کردن نمی توانستند..." (۲۰۲)

"...تهتهیان [تتیان] با آن قوت بی پایان درون حصار می خزیدند..." (۲۰۳)

اسی دفعہ جنگ سے فیروز ناکام مایوس اور نامراد ہوکر دہلی واپس چلا گیا، اور پھر واپس آیا۔ اس سلسلے میں تاریخ مبارک شاہی کا قول ہے:

"...آن (فیروز) نگر کوت را فتح کرده از آنجا عزم تته نموده

چون در تته رفت، جام بانبھنیه که ضابط تته بود، به قوت آبگیر محصر شده، مدتی محاربه کردند... به ضرورت ناچار، بعد کوشش بسیار جانب گجرات روان شد..." (ص ۱۳۱)

۷۶۵ھ تاریخ فیروز شاہی: عفیف (تالیف ۸۰۱ھ) پہلے حملے کے وقت سلطان فیروز کے لشکر میں نوے ہزار سوار چار سو اسی ہاتھی اور پانچ ہزار کشتیاں اور بے انداز پیادہ تھے اور جام کے پاس بیس ہزار سوار اور چار لاکھ پیادے تھے۔ (۱)

جام کا وہ تمام لشکر قلعہ میں بند تھا، اس سے قلعہ اور شہر کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے حملے کے لیے عفیف لکھتا ہے:

"... وطائفه سندیان با قوت فراوان و جلادت بی پایان، گذاری لب آب سند تا هفتاد کروه بحر، سوار و مرد جرار حائل بودند در قسم هوشیاری و بیداری کوشش می نمودند، گذارشدن ممکن نبود..." (ص ۲۳۴ عفیف)

"... ملك عماد الملك و ظفر خان کان با لشکر فراوان و افواج بی پایان، صد و بیست کروه باز گشته فرود بکر گذار شده در زمین تتیان در آمده تته یان نیز با جمعیت انبوه سوار و پیاده باشکوه، از درون حصار بیرون آمدند میان هر دو طرف جنگ سخت شده که، در تحریر نه گنجد، و سلطان فیروز درین بر بود اگرچه حصار تته می نمود..." (ص ۲۳۵)

ٹھٹہ کے لشکر کو فیروز کی یہ بڑی فوج زیر نہیں کرسکتی تھی۔ مجبور ہو کر اُنھوں نے دلی سے دوسرا لشکر منگوایا (ص ۲۳۶) اور تقریباً ساری مملکت سے بے شمار لوگ جمع ہو گئے (ص ۲۳۷–۲۳۸ھ) عفیف کا کہنا ہے کہ ٹھٹہ کے لوگوں کے پاس جو اناج تھا، وہ اُنھوں نے پہلی مرتبہ فیروز کو بھگانے کے بعد اطمینان سے

اپنی زمینوں میں بیج کے طور پر ڈال دیا تھا۔ اچانک ان پر خلاف توقع حملہ ہوا تو وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے پاس خوراک کا پورا بندوبست نہیں تھا، مقابلے اور مجادلے کرتے کرتے آخر قحط میں مبتلا ہو گئے۔ اس لیے "جام اور بابینہ" نے سید جلال الدین جہاں گشت کو ایک خاص آدمی بھیج کر اوچ سے بلوایا (ص ۲۴۰) عبارت کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان نے خود جہان گشت کو ایک خاص آدمی بھیجا تھا (ملاحظہ ہو ص ۲۴۱-۲۴۲) آخر سید صاحب نے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرائی اور بقول عفیف "جام اور بابینہ" دونوں فیروز کے ہاں حاضر ہوئے۔ اس طریقے کی فتح پر عفیف نے ایک شعر لکھا ہے، جس میں ٹھٹہ کا نام آتا ہے:

هم ته به دست آمد و هم کار فراهم شد
المنة لله که، این هم شد و آن هم شد
(ص۲۴۷)

جام اور بابینہ کو فیروز اپنے ساتھ دہلی لے گیا، اور ٹھٹہ جام کے بیٹے اور تماچی کے برادر بابینہ کے سپرد کیا۔ (ص۲۴۷) جنھوں نے چار لاکھ تنکا سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ عفیف کا کہنا ہے کہ (ٹھٹہ اور گجرات کی سرزمین) فیروز شاہ کے دور میں فتح ہوئی، جس کو سلطان معز الدین (شہاب الدین) محمد سام کے زمانے سے لے کر اس وقت تک کوئی بھی فتح نہیں کرسکا تھا۔ سلطان علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ھ-۷۱۵ھ) اپنا لشکر سلطان روم خواہ سلطان حسین کے امدادی لشکر کے ساتھ لے آیا، تاہم فتح نہیں کرسکا۔ (ص ۲۵۱) اسی فتح پر عفیف نے دوسرا شعر کہا ہے، جس میں ٹھٹہ کا نام نمایاں ہے۔

در ته چو شاه رخ نهاده
شاهانش دویده پافتاده
آورده همه برابر خویش
گنجینه بدا دیش ز حد بیش
(ص۲۵۳)

دہلی میں جن جگہوں پر جام اور ان کے لوگوں کو ٹھہرایا گیا، اس کا نام "سرائے ٹھٹہ" مشہور ہو گیا۔ (ص ۲۵۳)

اسی دوسری فتح کے سلسلے میں تاریخ مبارک شاہی کی تحریر اس طرح ہے:

"... چون سلطان، بار دوم در تته رفت، جام بانبهنیه امان خواست به حضرت پیوست و به مراهم مخصوصی شد سلطان اورا باتمام مقدمان آن طرف، برابر خویش در دارالملک دهلی آورد، چون مدتی خدمت کرد، سلطان باز جام را اقطاع تته داد و باترتیب تمام روان گردانید..." (ص ۱۳۱)

۷۶۵ھ: قصائد مطہر کڑہ: (متوفی در حدود ۷۹۰ھ) مطہر شاعر تھے، اور کڑی کے باشندے تھے اور فیروز شاہ تغلق کے مدح خواں تھے۔ ملک الشرق عین الملک ماہرو جو اس دور میں ملتان کے صوبے دار تھے، ان کی تعریف میں بھی انھوں نے قصائد کہے ہیں۔ مطہر نے دو قصائد فیروز تغلق کی مدح میں کہے ہیں، جن میں ٹھٹہ کا ذکر موجود ہے۔ ان قصائد میں ٹھٹہ کی اہمیت اور مدنیت واضح کی گئی ہے۔ ایک قصیدہ میں فیروز شاہ کی فتوحات، اخلاق اور حسن انتظام وغیرہ کی تعریف کرتے ہوئے ٹھٹہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وز جمله فتوح، گل فتح، تته بود
کز استماع آن همه خلق انتشار بود
فتحی که در هوادی همت، قلاده بست،
فتحی که در سواعد دولت، سوار کرد
فتحی که نی تهمتن ایرانی، آنچنان
در عمر، نی سکندر رومی نجار کرد
در موضعی چنان که ز سختی او سپهر
انگشت حیرت از سر سندان فگار کرد
دریا و پنج آب ز هر چار سوی او
گشته یکی دو چشم تو چندانکه کارکرد

کشتی بی نهایت و مرادن بی قیاس
هر یک یلی که نیزه چور رستم گذار کرد
جیشی چوما و مور، که هر یک برای تیر
بر خاش چشم مورو هدف گوش مارکرد
شاه جهان که خاطر او هر مهم که خواست
کردن کفایت از کرم کرد گار کرد
همت چو بر کشادن این جهار کرد
چندان سپاه برد که، از سم مرکبان
صحرا ستوده آمد و دریا غبار کرد
هر روز نهب و غارت و هر دم نبرد و جنگ
میکرد تا دیار عدو پر دمار کرد
تا عاقبت چو کار، بسکان آن مقام
در اضطراب آمد و حال اضطرار کرد
دادند سر بطاعت و جستند امان شاه
شه داد امان و بر کرم امیدوار کرد
صفدار سند بانبهنیا را، و رای جام
اندر رکاب با همه خلق و تبار کرد
تنها نه این فتوح، که در هر ولایتی
صد این چنین فتوح، دگر بر مرار کرد
حصر صفات شاه چو در وسع عقل نیست
میخواهم از ثناء بدعا اختصار کرد
تا باد صبحگاه در ایام نو بهار
دامان خاک پر گوهر آبدار کرد
بادت بهار عیش منور، که در جهان
بخت تو، خاک تیره چو مشک تتار کرد

خاص ٹھٹہ کی فتح پر مظہر نے مندرجہ ذیل ترکیب بند کہا ہے:

بزمی است به هر سوی و نشاطی به هر سری
باغی به هر رهی و بهشتی به هر دری
هر جا، نهاد نخلی و هر جای مجمری
هر جانبی صراحی و هر سوی ساغری
هر یك چنان که در شب تاریك اختری
مه روی و مشك موی و شکر خنده شمع تاب

هر لعبتی لطیف، چو نورسته نارون
گل روی سرو قد وسمن ساق و سیم تن
شکر لبی، که شهد شود در لبش، لبن
و آرد نبات را، ز هوس، آب در دهن
چشمان و ابروان و بر و بازوان وتن
چون نرگس و بنفشه و نسرین و نسترن
رفتار شان قیامت و گفتار شان فتن
دیدار شان بهشت و جدائی شان عذاب

تا نهضت رکاب همایون، شنیده اند
خاصان و خاصگان، که درین جای بوده اند
صد گونه عیش و عشرت و شادی فزوده اند
صدگون (۲) عوس به بستن ازی (۳) نموده اند
سرهای قبه، بر سر افلاك سوده اند
و اعلام او به عالم علوی شنوده اند
گوئی که: گوی حسن، ز جنت ربوده اند
این قبه ها به زینت و این کله ها به تاب

هر قبه چون گنبد گردون چنبری
نقش و نگار او همه مریخ و مشتری
پوشیده اند رنگ همه بشقر و شستری
از سبز و سرخ و زرد و بنفش و مصعفری

پا بر مثال قصر سلیمان، ز برتری
سقف و ستون او همه از زر جعفری
... ...
... ...
نی نی که شهر نیست، بهشتی است دلپذیر
آراسته به سندس و استبرق و حریر
حوران درو کواعب اتراب بی نظیر
سلسال و سلسبیل در و چشمه و غدیر
و ز شربت و شراب خمیرش در آبگیر
جاری هزار جوی می و انگبین و شیر
آبش همه گلاب و گلابش همه عبیر
خشتش ز زر سرخ و زمینش ز سیم ناب
اکنون که از شکوه شهنشاه، روز جنگ
بازِ ظفر رکاب عدو کرد چون کلنگ
ماییم و صحن گلشن و صهبای لاله رنگ
و آواز نای نغمهٔ رود و نوای چنگ
با ساقیان دلبر و با شاهدان شنگ
در سایه های تیره و در جایهای تنگ
ایمن ز درد و اندُه و فارغ ز نام و ننگ
گه در نشاط و نوش و گهی در خمار و خواب
... ...
... ...
فیروز شه که افسر شاهان عالم است
مهدی تاج بخش و سلیمان خاتمست
دست و دلش که محیی ابنا آدمست

تریاك نوشدارو و اکسیر اعظمست
فیض سحاب لجه دریای قلزم است
دستش به گاه جود و سنانش گه حراب
شاهی که چرخ مسند و خورشید افسر است
سلطان شش جهات و شه هفت کشور است
در فر و یال، همسرچو فریدون و نوذر است
در رزم پژم همرسام و سکندر است
کشور کشا و خصم کش و ملك پروراست
دانش پزوه و دین طلب و داد گستر است
کین تو تاج بخش چو محمود و سنجر است
صفدار و سرفراز چو سام وفراسیاب
دیدی که شه چه معجزه بنمود در جهاد
کانصاف رزم بستد و داد نبرد داد
در یك لگام ریز که شه در وغا نهاد
اقلیم سند و مملکت و مولتان کشاد
فتحی نمود رو که ندارد کسی به یاد
ز امروز تا زمان کیومرث و کیقباد
بشنو کنون، حکایت این فتح باعتقاد
تا گویمت تمام به ایجاز و انتخاب
تته که آن جزیره، بلایی است پر کهف
دریاش یك طرف شد و پنج آب یك طرف
صحراش بی نبات و بیابانش بی علف
زرها درو تبه شد و اقلیمها تلف
کشتی کوه کاف به گردش کشیده صف
جنگ آوران بدو همه شمشیر ها بکف
در موج او نه مدخل ماهی و نی کشف
بر اوج او، نه مهبط شاهین و نی عقاب

صفدار سند بانیهنیا که در مقام سند
با سرفراز رای تماچی و رای جام
بر گرد شان، زخیل و تبار و خواص و عام
جیشی کثیر همچو هجوم نجوم شام
غیر از یلان جلد و جوانان تیزگام
هر یك بسان رستم و اسفند یار و سام
القصه، این سران ولایت همه تمام
یکجان و یکزبان شده، در هم چنین حراب
بر حکم آن غرور که داریم جای تخت
اسبان باد پای و فراوان سلاح و رخت
بالشکر گران که کند کوه لخت لخت
بر خاکبوس مانده درین بندگی سخت
بر تافتند روی به تلقین تیره بخت
هر تیغ و نیزه شان چو یکی شاخ از درخت
شاه جهان ز خنجر خونریز کینه آخت
و اندیشه کرد کردن آن جا بگه خراب
چندان سپاه برد که، دریا و دشت و کوه
از سم اسپ و آهن و بولاد، شد ستوه
صفها کشیده خیل امیران گران شکوه
هر یك صفی چو سد سکندر به صد گروه
باهول و هیبتی که کند شوکت و شکوه
در لرزه بد زمین و دل مرد دین پژوه
می خواستند صبحدمان بردم خروس
کز بیخ بر کنند به یکبار آن خراب
... ...
... ...

کان قوم هم به سهم سیه روی تا فتند
نا کرده رزم سینه هیبت شگافتند
چندانکه چاه غور، کز اندیشه . . .
جز عجز و مسکنت، ره دیگر، نیا فتند
لا بد رسن ز موی سر و ریش بافتند
بردند روی عجز، به درگاه آنجناب

شاه جهان به موجب آن جمله را نواخت
وز جاه و منزلت سر شان برفلك فراخت
اسپان تنگ پشت بزرین ستام و ساخت
و اجناس جامها که در و لعل و در نشاخت
چندان بداد شان، که نه کس حد آن شناخت
نی حد آن بدید، اگر جان و تن گداخت
ابری ز جود، بر سر آن بستگان بتاخت
کز فیض گشت غرقهٔ احسان به جمله باب

آری چنین کنند، سلاطین شکارها
و ز بخت شان، بر آید ازین گونه کارها
این ست آن فتوح، که در روزگار ها
ماند به خسروان جهان یادگار ها
زین گونه کارها ست که رفته ست بار ها
صیت شهان و نام مهان در دیار ها
تنها نه آن حصار، که چندین حصار ها
کرده است شاه فتح، به یك جنبش رکاب

... ...
... ...

این خسروی که بر سرتاج کیان تویی
تخت آسمان، و اختر آن آسمان تویی

جسمی است نہ فلک، کہ در و نور جان تویی
دارا تویی قباد تویی اردوان تویی
عیسیٰ عهد و مهدی آخر زمان توئی
کز تیغ تست فتنه دجال را جواب
گر من قلم ز جمله شاخ گیا کنم
دریا دوات سازم و دفتر سما کنم
پس خواهم این که حق مدیحت قضا کنم
هر لحظه دفتری دو سه اندر ثنا کنم
با اینکه این، به مدت نا منتها کنم
حرفی ز دفتری، نتوانم ادا کنم
چون عاجزم ز مدح سزد، گر دعا کنم
زیرا دعای عاجز مسکین است مستجاب
شاها حیات و دولت و ملکت دوام باد
چرخ برینت از بن دندان غلام باد
ماهت نگین خاتم و خورشید جام باد
ساقی است خضر و چشمه حیوان مدام باد
رایات تو ز نصرت تو، بر دوام باد
ز اکنون تا قیام قیامت قیام باد
تخت تو تازه روی و دلت شاد کام باد
فر تو کامگار و شکوه تو کامیاب(۴)

۷۸۶ھ ٹھٹھ کے شیرازی انجوی سادات کے بزرگ سید محمد اور ان کے صاحبزادے سید احمد ۷۸۶ھ میں شیراز چھوڑ کر قندھار آئے اور اس کے بعد سندھ کا رخ کیا۔ سھون اور ساموئی سے ہوتے ہوئے قاضی نعمت اللہ عباسی سے رشتے داری کے سبب ٹھٹھ میں قاضیوں کے محلے میں آباد ہوئے۔ حافظ شیرازیؒ سید محمد کے ساتھ شیراز سے سندھ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن سید محمد نے اُنھیں قندھار سے واپس شیراز کے لیے روانہ کیا، جہاں ۷۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اسی سال ۹۱-۷۹۰ھ مطھر بھی فوت

ہوئے، جن کے دو قصائد اوپر دیے گئے ہیں۔ سید محمد اور سید احمد کے آنے کی تاریخ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۷۸۶) سے نکلتی ہے۔

صاحب رسالہ معارف انوار نے "دیبل ٹھٹہ" ملا کر (عازم بلاد تتہ یعنی دیبل شدند ص۱۱۰) لکھا ہے، لیکن اس سے مراد ٹھٹہ ہے (ص۱۱۷) سید محمد کی وفات (۱۰ محرم ۸۰۰ھ) کے بعد سید احمد سید پور سے ہجرت کرکے مستقل طور پر آکر ٹھٹہ میں مقیم ہوئے۔

۷۹۳ھ: جام تماچی کی بغاوت: فیروز تغلق نے ٹھٹہ جام بابینہ کے بھائی کو دے دیا تھا۔ چند سالوں کے بعد جام تماچی بغاوت پر آمادہ ہوئے، یہ خبر ہونے کے بعد سلطان فیروز نے دہلی سے "جام" کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، جس نے اُسے گرفتار کرکے دہلی روانہ کیا۔ عفیف لکھتا ہے کہ:

"... معهذا چون ازین سخنی چند سال گذشت، و تماچی برادر بانبنه در تته بر گشت، حضرت شهنشاه (فیروز) جام را برای دفعه شر او، در تته فرستاد جام جو نه در تته رسید، و تماچی را سمت شهر روان گردانید..."

جام بابینہ کے متعلق عفیف لکھتا ہے کہ:

"... و بانبنه هم در دهلی ماند... چون سلطان تغلق شاه به پادشاهی نشست (۷۹۰ھ) بانبهنه را چتر سپید داد و در تته روان کرد، بانبنه در اثنای راه جان به حق سپرد..." (۲۵۴)

گویا ۷۹۰ھ میں بابینہ وطن واپسی کے دوران ہی راستہ میں فوت ہو گیا۔

۸۲۳ھ: تاریخ مبارک شاہی: (تالیف ۸۳۸ھ) مولف سلطان معز الدین ابوالفتح مبارک شاہ (۸۲۴ھ- ۸۳۷ھ) کے ضمن میں لکھا ہے کہ ۸۲۳ھ جسرتھ شیخا کھوکھر (؟) نے بغاوت کی، جس کے سبب جمادی الاول ۸۲۳ھ میں کشمیر کے بادشاہ سلطان علی نے ٹھٹہ پر حملہ کیا (در ولایت تته آمده)... ص (۱۹۴ھ) بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مطبوعہ نسخے میں اسی جگہ پر ٹھٹہ کا نام کتابت کی غلطی کے سبب

دکھائی دیتا ہے، ورنہ کشمیر کے بادشاہ علی اور جسرتھ کا نام سندھ کی تاریخ میں کسی بھی عنوان سے نہیں آنا چاہیے۔

مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھٹہ جام نظام الدین سے دو سو برس پہلے موجود تھا، بلکہ سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ دیبل کا نام تاریخ کے صفحات سے ۶۵۸ھ کے بعد گم ہوگیا۔ ۶۷۱ھ سے پہلے ٹھٹہ اس کا قائم مقام بنا۔ بیچ میں فقط نو یا تیرہ سال کا وقفہ ہوا۔ امیر خسرو کا اوپر دیا گیا شعر سولہ اور انیس سال کی عمر میں یعنی ۶۶۷ھ اور ۶۷۱ھ کے درمیان کہا گیا، اور ان کے اس شعر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جس وقت وہ شعر منظوم ہوا اس وقت ہندوستان کے دارالخلافہ دلی میں ٹھٹہ شہر اور وہاں کے لوگوں کی خوب صورتی کی تعریف کی جاتی تھی۔ اس سبب مندرجہ بالا تاریخی شواہد کی بنا پر ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

۱۔ ٹھٹہ اور دیبل دونوں بہ یک وقت موجود تھے۔
۲۔ ٹھٹہ ۶۵۱ھ میں خسرو کی ولادت سے پہلے آباد ہوا تھا۔
۳۔ ورنہ ناممکن تھا کہ نو یا تیرہ سال کے عرصے میں ٹھٹہ اتنا قابلِ تعریف ہو کہ ۱۶ یا ۱۹ سال کا نوجوان متاثر ہو کر اس کو بطور تشبیہ استعمال کرے۔
۴۔ ٹھٹہ موجود تھا، لیکن اس کو اہمیت دیبل کے زوال کے فوراً بعد ملی۔
۵۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں سے دیبل کا نام ابھی مٹا ہی نہ تھا کہ ٹھٹہ کی شہرت شروع ہوئی، جس سبب لوگوں کی زبان پر دیبل ٹھٹہ مِل کر آنے لگے۔

اس ملے ہوئے تلفظ کے سبب مؤرخوں اور مصنفوں میں شبہ پیدا ہوا جس کے سبب اُنھوں نے جب بھی دیبل کا تذکرہ کیا تو ساتھ ہی ٹھٹہ بھی لکھ گئے۔ یا جب ٹھٹہ کا نام لیا تو دیبل لکھ دیا، یا دونوں کو ملا کر دیبل ٹھٹہ کردیا۔ جس طرح شہاب الدین غوری کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے ٹھٹہ بیان کیا گیا ہے۔ یا جیسے تاریخ معصومی "تحفۃ الکرام" دونوں تاریخوں میں کئی جگہ پر تفریق نہیں کی جاسکتی۔

جس طرح تاریخ معصومی کا مصنف عرب فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"... بندر دیول که درین ایام به بندر تته و لاهری مشهور است..."(ص۲)

یا دیبل کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"... و لشکر اسلام به فیروزی، عنان عزیمت به تسخیر تته معطوف داشته باندك زمان تته را مسخر ساختند." (۵)

اسی غلطی کو دہراتے ہوئے سلطان محمود غزنوی کی فتوحات میں بھی ٹھٹھ کا ذکر کیا گیا ہے۔

"... وچون در نصف ماه رمضان سنه ست و عشر و اربعمائه، سلطان محمود غازی از دار الملك غزنی عزیمت هندوستان نموده به خطه ملتان رسید... عبدالرزاق وزیر... در سنۀ سبع عشر و اربعماية متوجه سیوستان و تته شد..." (۲)

اسی طرح جلال الدین اکبر کے سلسلے میں بھی دیبل کے بجائے ٹھٹھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۷)

ٹھٹھ کا ذکر ختم کرتے ہوئے آخر میں دکنی زبان کا ایک شعر دیا جاتا ہے جو دورِ جہانگیری کا ہے، لیکن اس میں ٹھٹھ کی تعریف کی گئی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دکن میں ٹھٹھ کی کتنی تعریف کی جاتی تھی۔ یہ شعر عثمان نے اپنی نظم "چتراولی" میں رقم کیا ہے:

ہیرے سی ٹھٹھ نگر سوہاوا
بیہن ہرن سیو بن گنجاوا

یعنی ٹھٹھ ہیرے جیسا خوب صورت ہے، اس میں دھان کی ہری بھری کھیتیاں، ہرن اور وسیع خوب صورت جنگلات موجود ہیں۔
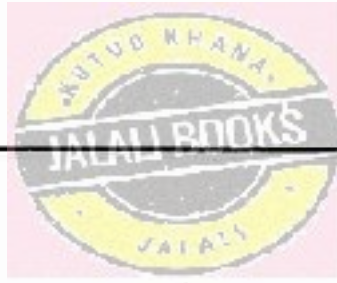
حواشی

(1) The Dehli Sultanate by Mahajan 1963. PP. 142. Ishwari Parshad P 164.

(۲) گونہ۔

(۳) آذین بمعنی آرایش۔

(۴) اورینٹل کالج میگزین - مقالہ وحید مرزا مئی ۱۹۳۵ء

(۵) تاریخ سندھ - معصوم بکھری ص ۲۱

(۶) تاریخ سندھ - معصوم بکھری ص ۳۲

(۷) تاریخ سندھ - معصوم بکھری ص ۴۳
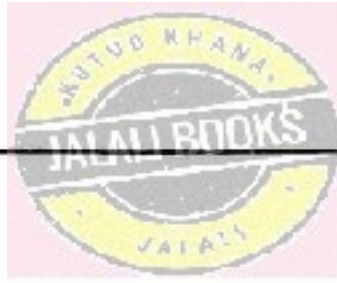
باب ۲

پیر مراد شیرازی

نام محمد حسین، عرف پیر مراد، آپ کی پیدایش ۸۳۱ھ میں ہوئی۔ والد کا نام سید احمد تھا، جو ۷۵۷ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سید محمد المعروف بہ میران محمد کے ساتھ ۷۸۷ھ میں شیراز سے سندھ آئے۔ (تحفة الکرام میں آمد کا سال ۷۸۶ھ دیا گیا ہے، جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نکلتا ہے) سید صاحب کا شجرہ معارف الانوار (تصنیف محمد صالح ولد ملا ذکریا ٹھٹوی ۱۱۴۰ھ) میں اس طرح دیا ہے:

سید محمد حسین (تولد ۸۳۱ھ) بن سید احمد (تولد شیراز ۷۵۷ھ– وفات ۸۴۵ھ) بن سید محمد الحسینی شیرازی ثم سندھی (وفات ۱۰ محرم ۸۰۰ھ) بن سید محمود (۱) وفات ۷۵۲ھ– مدفن شیراز– عمر ۴۵) بن سید محمد (وفات ۷۱۴ھ– مدفن شیراز – عمر ۴۰) بن شاہ محمود (وفات ۶۹۴ھ– مدفن شیراز– عمر ۵۶) بن سید ابراہیم (وفات ۶۴۵ھ – مدفن شیراز – عمر ۵۵) بن سید قاسم (وفات ۶۲۰ھ– مدفن شیراز – عمر ۳۶) بن سید زید (۲) وفات ۶۰۹ھ– مدفن مکہ– عمر ۳۴) بن سید جعفر (وفات ۵۹۵ھ– مدفن مکہ عمر ۲۱) بن شاہ حمزہ (وفات ۵۴۹ھ– مدفن کربلا – عمر ۴۲) بن شاہ ہارون (وفات ۵۳۲ھ مدفن کربلا عمر ۴۲) بن سید عقیل ثانی (وفات ۵۱۲ھ– مدفن کربلا – عمر ۴۰) بن سید جعفر برہان اللہ (وفات ۴۹۲ھ– مدفن سامرہ– عمر ۲۰) بن سید اسماعیل (وفات ۴۳۹– مدفن سامرہ– عمر ۷۹)

پیر محمد حسین شیرازی کے دادا سید محمد سلطان مبارز الدین (۳) بن مظفر الدین کے دور (۷۱۳ھ– ۷۵۹ھ) میں (؟) شیراز سے سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ سید صاحب کے ساتھ حضرت حافظ شیرازی بھی قندھار تک
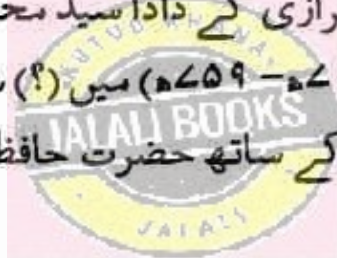
آئے۔ لیکن وہاں سے سید صاحب نے ان کو واپس لوٹا دیا۔ سید صاحب قندھار سے سہون آئے۔ حضرت قلندر شہباز کی زیارت کرنے کے بعد سید پور (مراد اوٹھا پرگنہ منچھر) میں آئے، جام صلاح الدین بن جام تماچی بن انڑ اس دور میں سندھ کے حکمران تھے۔ شیخ ریحان جنگلی کے بیٹے شیخ محمد نے سید صاحب کی زیارت کی۔ سید پور سے ساموئی آئے، اس وقت شیخ عیسیٰ برہان پوری کا مدرسہ آباد تھا۔ قاضی نعمت اللہ ٹھٹوی اپنے فرزند کے ساتھ وہاں موجود تھے، جن کے ساتھ سید صاحب نے خوب محفلیں کیں، قاضی نعمت اللہ نے اپنی بیٹی بی بی فاطمہ کا رشتہ ۷۹۵ھ میں سید صاحب کے بیٹے سید احمد (۴) کے ساتھ کیا۔

سید صاحب ساموئی سے واپس آکر سید پور میں مقیم ہوئے، جہاں ۷۰ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۸۰۰ھ کو انتقال کیا۔ (۵) سید صاحب کی عمر سندھ میں آتے وقت ۵۹ سال تھی۔ اس کے بیٹے سید احمد کی عمر ۳۰ سال تھی۔

والد کی وفات کے بعد سید احمد ایک مہینہ سید پور میں رہا، پھر ٹھٹہ چلا گیا، جہاں اس نے مستقل بود و باش اختیار کی۔ "فمن کان یرجوا لقاء ربہ" سے اپنے والد کا سن وفات نکالا۔ قاضی نعمت اللہ کی بیٹی بی بی فاطمہ سے، سید احمد کی مندرجہ ذیل اولادیں ہوئیں:

(۱) سید علی اوّل: تولد ۷۹۵ھ عمر ۸۲ سال وفات ۳۰ صفر بروز جمعہ ۸۷۷ھ پہلی ربیع الاول کو اسے اپنے والد کی پائینتی میں مغرب کی طرف دفن کیا گیا۔ "جنت و حریر" ان کی تاریخ ہے۔ اپنے بھائی سید پیر مراد کے مرید اور پہلے خلیفہ ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے، پہلے سید جلال تولد ۸۳۷ھ اور دوسرے سید جمال۔ سید جمال نے اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ سید جلال اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے چچا پیر مراد کے، باپ کی جگہ پر، دوسرے نمبر خلیفہ مقرر ہوئے۔ یہ خلافت انھیں چالیس برس کی عمر میں (۸۷۷ھ) ملی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے تمام اسلامی علوم میں ماہر تھے۔ ساری عمر مذہبی درس دیتے ہوئے بسر کی، ٦٦ برس کی عمر میں ۹۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ "وجعلنا للمتقین اماما" آپ

کی تاریخ ہے، والد کی پائینتی میں سید محمد جعفر کے مغرب میں اس کے برابر ہی دفن ہوئے۔

سید صاحب کو ایک بیٹا (۸۸۹ھ) میں پیدا ہوا، جس کا نام سید علی ثانی (٦) رکھا گیا، جو اپنے دور کا کامل بزرگ اور صاحب علم و فن گذرا ہے "آداب المریدین" ان کی تصنیف ہے، ۹۲ برس کی عمر میں ۹۸۱ھ میں وفات پائی۔

سید علی کا بیٹا سید جلال ثانی علم اور بزرگی میں باپ سے بھی زیادہ درجہ رکھتا تھا، میر معصوم کا قول ہے کہ:

> "سید جلال الدین محمد، نیز به زیور ورع و کمال آراسته، و قدم بر جاده پدر بزرگوار نهاده، و در جمیع علوم، یگانه زمان و وحید عصر و آوان بودند به متانت و لطافت ذهن بی نظیر، و در کمال مردمی و مروت باوجود قلت ادراری که داشتند زیاده از پدر، مردم بهره مند می شدند. تشرع سید جلال زیاده از پدر است."

مرزا جانی نے مرزا صالح بن مرزا عیسیٰ کی بیٹی کا رشتہ سید جلال کو دیا (۷) مرزا جانی کے دور میں ۹۹۴ھ اکبر کے جرنیل صادق محمد خان نے سہون پر حملہ کیا۔ اس وقت مرزا جانی نے ان حالات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک وفد بادشاہ کے دربار میں روانہ کیا، جس کا سربراہ سید جلال کو مقرر کیا۔ ان کے ذریعے بادشاہ کی طرف تحفے تحائف بھیجے گئے اور سید صاحب کے ذریعے صورت حال سمجھنے کے بعد بادشاہ نے سندھ کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ (ترخان نامہ)

(۲) سید شریف: سید احمد کا دوسرا بیٹا، عمر ۸۷ سال تولد ۸۰۰ھ وفات ۸۸۷ھ "انه کان مخلصا" سے ان کی وفات کی تاریخ نکلتی ہے۔ ان کے مرشد سید علی اول سے متصل مغرب کی طرف والد کی پائینتی کی طرف دفن ہے۔ تاج محمد اور سید لطف اللہ ان کے بیٹے تھے۔

(۳) سید جعفر: سید احمد کے تیسرے فرزند نے گجرات کے شہر نہر والا (انہلواڑ) میں جاکر رہایش اختیار کی (تحفۃ الکرام ج ۱ ص ۳۱) اپنے

بھائی پیر مراد شیرازی کے انتقال کے چند سال بعد خانقاہ کا تمام کام اپنے بیٹے سید احمد ثانی کے سپرد کرکے ٹھٹہ روانہ ہوئے۔ ٹھٹہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں ایک ویرانے میں فوت ہوگئے۔ جہاں سے ان کا جسد خاکی لاکر پیر مراد کے مزار کے ساتھ مغرب کی طرف سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی رحلت کا سال ۸۹۹ھ "الوصال اللہ یوتیہ من یشاء" سے نکلتا ہے۔ اس بزرگ نے اپنی زندگی میں اور ان کی اولاد نے ان کی وفات کے بعد گجرات میں دین کی بڑی خدمت کی۔ تحفۃ الکرام کے مصنف نے آپ کے بیٹے سید احمد کے لیے لکھا ہے کہ:

"... سید احمد در گجرات بفراوان رشد زیستہ، درگاهش مرجع اهل اللہ واقع، از اولادش بسیار بزرگوار صاحب حالت و کرامت، آنجا بر خواستند" (۲-۳۰)

مراۃ احمدی کی عبارت اس طرح ہے:

"... سید احمد بن سید جعفر کہ، مرقد متبرکہ ایشان اندرون حصار شهر پناہ، نزدیك بہ دروازہ اسلوریہ واقع است، سادات صحیح النسب شیرازی اند، جد بزرگوار ایشان سید محمود، از شیراز انتقال فرمود بہ سند اقامت گرفتند نبیرہ ایشان سید جعفر، از سند (تتہ) تشریف آوردہ مدتی چند اقامت داشتہ فرزند دلبند خود، سید احمد را کہ دوازدہ سال عمر ایشان بود، جانشین خود ساختہ بہ سند مراجعت نمودند. سید مذکور باوجود علم دیگر، علم قرات بکمال رسانیدہ بودند.

سید احمد جعفر را خوارق عادات بسیار است و از اکابر نعمت ها یافتہ ترك و تجرید و ر زیدہ، وریاضت های شاقہ کشیدہ. هر شب در دو رکعت نماز پا نزدہ جز قرآن مجید تلاوت می فرمودند، و بنا بر زیادتی مشقت، از راہ خشکی متوجہ حرمین شریفین زادهم اللہ شرفاً و تعظیماً شدہ. و در آنجا بعضی اوقات کہ طعام را دسترس نبود، بہ طریق خفیہ بر برگ درختان اطفاء نا یرہ جوع فرمودہ قناعت مینمودہ. و لباس فاخرہ

سی پو شیدند. و اگر حکام وقت وظیفه مقرر می نمودند، قبول نمی کردند. هنگامی که همایون بادشاه به گجرات مسلط گشت (۹۴۲ھ) اکثر علما و مشایخ العصر از احمد آباد به جای دیگر انتقال فرمودند، مگر ایشان با متوسلان خویش استقامت ورزید، هر فردی را دو آثار غله از غیب می رسانیدند، و چهل سال خلوت خراسیدند. به جهت حج و عیدین، بیرون می خرامیدند. و صلواة مفروضه و موقوته را با جماعت در پیش حجره ادا می کردند، و این در حالت صحو بود و در سکر و غلبه و شوق الٰهی، هیچکس بر احوال ایشان مطلع نمی شد و در یك دفعه تا دروازه سال برای نماز جمعه و عیدین هم بر نیامدند، و آن واقعه بود که رانا سانگا حاکم چتور، احمد نگر را تاخته، چندی از بنات سادات را به اسیری برده، به تعلیم سر ود رقص سپرده بود، و ازین معنی سید احمد خلوت گزیدند، و نیت جزم نمودند که تا سلطان گجرات، ازو انتقام نکشد پا از خلوت بیرون نه نهند. چون سلطان بهادر چتور را فتح کرد ایشان هم دران ساعت از خلوت بیرون آمدند. ویك دفعه سلطان محمود بیگره را در غیر موسم حسب خواهش به موجب اظهار خادم خود، انبه بسیار عنایت کرده بودند، چنانچه به حضار دو دو انبه رسید، رحلت سید در شانزدهم صفر سال نه صد و چهل و چهار روی نمود.“ (۱۶ صفر ۹۴۴ھ)، (مرات احمدی ج۳ ص۴۰-۴۱ و ترجمه از ابو ظفر ندوی ص ۸۱-۸۲)

اسی مورخ نے لکھا ہے کہ گجرات کی بوہرہ قوم میں سنی اور شیعہ دو فرقے تھے، جو آپس میں رشتہ داریاں کرتے تھے۔ لیکن سید شیرازی نے ان کا یہ سلسلہ بند کردیا۔ سید احمد کی اولاد اب تک بھروچ میں رہتی ہے۔ اُس وقت قاضی سید نور الدین حسین موجود ہیں، جن سے راقم الحروف کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اُنھوں سید جعفر کے بعد

تک کا سلسلہ نسب اپنے آپ تک یوں بیان کیا ہے:

(۲۶) سید جعفر (۲۷) سید احمد جعفر (در روضہ خورد احمد آباد مدفون) (۲۸) سید جلال محمد (مدفون در روضہ کلان احمد آباد) (۲۹) سید رفیع الدین (۳۰) سید جلال محمد ثانی (۳۱) سید محمد شیرازی (۳۲) سید محمود شیرازی (۳۳) سید زین العابدین (وفات در سورت) (۳۴) قاضی سید احمد حسین عرف سید میاں (یہ بزرگ اسی خاندان میں پہلے قاضی مقرر ہوئے اور نواب صاحب بھروچ کے خاندان میں ان کی شادی ہوئی) (۳۵) قاضی سید زین العابدین (۳۶) قاضی سید مرتضیٰ (۳۷) سید محمد صدر امین (۳۸) قاضی سید احمد حسین (۳۹) قاضی سید محمد نور الدین حسین (۴۰) قاضی سید احمد حسین (۴۱) قاضی سید محمد نور الدین حسین عرف محمد احسن۔ (یہ نسب نامہ اُنھوں نے ۱۹۶۲-۵-۲۹ کو بھیجا) اس آخری بزرگ کو تقریباً ۲۰۰ مخطوطات خاندانی وراثت میں ملے ہیں، جس میں سے کئی نسخے اسی خاندان کے بزرگوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

۱- منیۃ العارفین: مصنفہ سید احمد بن رفیع الدین بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی مکتوبہ ۱۰۲۰ھ

۲- فتوحات احمد: تالیف سید احمد رفیعی در مقامات احمدی (۲۵ اوراق)

۳- شجرہ مبارک و منشور خلافت: مکتوبہ سید جلال بن سید رفیع الدین بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی (یہ اصلی نسخہ ہے)

۴- رسالہ عربی: تالیف سید احمد بن رفیع بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی

۵- حالات خاندان: در فارسی (بخاری خاندان کے ہاں سے نقل کیا گیا ہے)۔

۶- اوراق چند: (در وجہ تسمیہ لفظ انجوی) بخط سید قاسم عرف بڑا میاں مرتبہ ۱۱۴۰ھ۔

(یہ چند اوراق معارف الانوار تالیف مولوی محمد صالح ابن ملا زکریا تتوی سے نقل کئے ہیں۔)
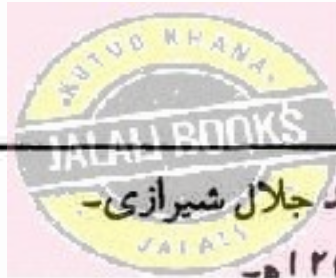
۷- مایۃ عامل (؟) بخط سید جلال شیرازی۔
۸- تذکرۃ المراد: منقول ۱۲۴۴ھ۔
۹- نظم سراجی: بخط قاضی محمد نور الدین حسین مع ترجمہ فارسی۔
۱۰- شجرۂ کامل: از اول تا قاضی سید نور الدین حسین (۴-۵) سید احمد کی دو بیٹیاں تھیں، جن میں سے ایک کی ولادت ۸۰۳ھ میں ہوئی اور دوسری کی ۸۰۷ھ میں ہوئی۔

سید محمد حسین المعروف بہ پیر مراد شیرازی اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے "قرۃ عینا" (۱) میں سے ان کی ولادت کا سن نکلتا ہے۔ یہ جام فتح خان بن جام سکندر خان کا دور تھا (؟) اُن کی والدہ بی بی فاطمہ کا انتقال ۱۷ رمضان ۸۳۶ھ میں ہوا اور آپ کے والد سید احمد یکم محرم ۸۴۵ھ (۲) کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے، دونوں کو قاضیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

سید محمد حسین سندھ کے کامل بزرگ اور ولی تھے، تحفۃ الکرام کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ صدر الدین حضرت زکریا ملتانی کا نواسہ (۳) جب ٹھٹھ آیا اور آکر ان سے ملا تو انہیں کہا کہ:

"مراد مشایخانی و از تو مراد ھا حاصل شوند"

اور اس کے بعد ہی ان کا لقب پیر مراد ہو گیا۔

سید مراد نے ۲۵ برس کی عمر میں ۸۵۶ھ میں عباسی قاضیوں یعنی اپنے ننھیال میں شادی کی، اور ان کے ہاں ۴۹ برس کی عمر کے بعد مندرجہ ذیل اولادیں ہوئیں:

۱- سید منصور: تولد ۸۸۳ھ، وفات ۱۲ رجب جمعہ کے دن ۹۶۹ھ میں ہوئی "عند ملیك مقتدر" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ مرقد والد کے مزار کے ساتھ مغرب کی طرف ہے۔
۲- سید نعمت اللہ: تولد ۸۸۳ھ، وفات ۹۰۶ھ۔ عمر ۲۳ سال والد کے اطراف میں مغرب کی طرف دفن ہوئے۔
۳- سید حماد: سید حماد ۸۸۴ھ، وفات ۹۱۶ھ، عمر ۳۲ سال، مدفن سید نعمت اللہ کے مزار سے متصل مغرب کی طرف (۳) واقع ہے۔
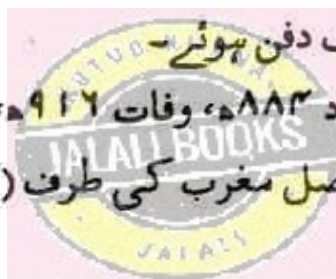
(۴) بیٹی بی بی فاطمہ: تولد ۸۸۵ھ۔

سید مراد کا ۶۲ برس کی عمر میں ۸۹۳ھ وصال ہوا۔ روایت ہے کہ اسے ماتھے میں درد اور بخار ہوا، تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول اور ہفتم ربیع الاول ان کی تاریخ وفات کہی جاتی ہے۔ صاحبِ معارف الانوار نے لکھا ہے کہ یہ صحیح روایت ہے کہ آپ کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۸۹۳ھ کو پیر کے دن سہ پہر کے وقت ہوا۔ 'ساجدا او خالصا للہ' (۵) آپ کی تاریخ ہے۔ جام نظام الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ شرف ان کے بیٹے سید منصور کو حاصل ہوا (۶) سید صاحب کو اپنے والد کے پائینتی کی جانب دفن کیا گیا۔

سید صاحب کے مشہور خلفاء درج ذیل ہیں:

۱- سید علی اوّل: سید صاحب کے بڑے بھائی۔

۲- سید جلال بن سید علی اوّل۔

۳- شیخ آلبو: عمر ۶۳ سال وفات ۳۰ ذوالحجہ ۸۵۸ھ تاریخ 'کان للہ خالصا' پیر آلبہ کا نام مارکھ تھا، اور وہ جام نظام الدین کے داماد تھے۔ جب سید صاحب نے ہندوؤں کے ایک مندر پر مسجد صفہ تعمیر کرائی تو اس وقت وہ وہاں آئے اور ان کے مرید ہوگئے۔ سید صاحب نے ان کو آلبو کا لقب دیا۔ جس کے معنیٰ بے طمع کے ہیں۔ (معارف الانوار ص۱۵۷)

۴- شیخ حاجی محمد حسین صفائی: شیخ صاحب کی والدہ سید صاحب کے گھر کا کام کرتی تھیں۔ شاہ حسن آلبو نے دو مرتبہ شیخ کی زیارت کا ارادہ کیا، لیکن انھیں اجازت نہیں دی گئی۔ اپنے پیر کی سوانح میں تذکرۃ المراد (عربی) تالیف کی، ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔ "خیراً و ابقا" اس کی تاریخ ہے۔ پیر مراد کی پائینتی میں دفن ہوئے۔

۵- شیخ احمد ناہیو: مرشد کی زندگی میں ہی فوت ہوئے۔ سید صاحب کا مزار شیخ آلبو کے ساتھ جنوب کی طرف ہے۔

۶- شیخ مالہو: اصل میں جام نندہ کے ملازم تھے، سید صاحب کے مرید ہوئے اور باقی عمر مرشد کے قدموں میں بسر کی۔ ان کا مزار شیخ آلبو کے مزار کے ساتھ مغرب کی طرف واقع ہے۔

۷- شیخ نتھر: اصل میں ہندو تھا۔ مسجد صفہ کی تعمیر کے وقت مسلمان ہوکر مرید ہوئے' جس کے بعد پوری زندگی مرشد کے قدموں میں بسر کی۔ شیخ مالھو کے ساتھ مغرب کی طرف دفن ہوئے۔

۸- شیخ عیسیٰ لنگوٹی: پیر مراد کی پیدائش کے دن آپ کے مرید ہوئے اور تین دن کے بعد (۸۳۱ھ) وفات پائی۔

مکلی پر جام نندہ سے شمال کی طرف ایک میل کے فاصلے پر پیر مراد کا وسیع قبرستان ہے۔ سید علی کا مقبرہ اسی اراضی میں الگ سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی سید علی کے مقبرے سے شمال کی طرف مدفون ہیں۔

"حدیقۃ الاولیاء" کے مصنف نے مندرجہ ذیل قصیدہ سید مراد کی شان میں لکھا ہے۔

ملک سیرت آن پیر سید مراد
خجستہ لقا و مبارک نہاد
فروزان چراغ ز آل رسول
گل گلشن مرتضیٰ و بتول
سرا پردہ ای قرب حق منزلش
محل فیوضات غیبی دلش
سر حلقۂ جمع قدوسیان
شناسای اسرار روحانیان
انیس سرا پردۂ وجد و حال
جلیس در بارگاہ وصال
زخمخانۂ شوق سر مست بود
زخود نیست، با حق همه هست بود
غریق فرو رفتہ ٔ دریای عشق
حریق سرار تجلادی عشق
حقایق شناس مقامات بود
خداوند کشف و کرامات بود

بسی طالبان را ز فیض نظر
شده، جانب وصل حق، راهبر
زهی آستانش مسرت فزای
زمرآت دل، زنگ غفلت زدای
فضای سرایش فرح بخش روح
صفای درش مایۂ صد فتوح
غبار مزارش چو کحل بصر
فزایندۂ روشنی، در نظر
ز ارباب حاجت هزاران هزار
رسد در مزارش به لیل و نهار
کشد هر کسی در خور اعتقاد
در آغوش و صلت عروس مراد
در آستانش که بس دلکشا است
کلید کشانده کارهاست
کسی گر به پای درش سر نهد
گل کام دل را بسر بر نهد
خدایا! بر این خاک پاک مزار
سحابی ز باران رحمت، ببار
برین مستمند دل آواره ای
زفیض عمیمش رسان بهره ای

[ماخذ (۱) معارف الانوار فی بیان فضائل سید الابرار و ائمه اطہار و احوال قطب المختار۔ از محمد صالح بن ملا ذکریا۔ تصنیف ۱۱۴۰ھ (کتاب میں جملہ ۱۲ باب ہیں، جن میں چھے سے بارہ تک میں سید صاحب کا احوال ہے) (۲) تحفۃ الکرام (۳) تحفۃ الطاہرین (۴) حدیقۃ الاولیا (۵) تذکرۃ المراد (۶) مقالات الشعرا (۷) آداب المریدین (۸) معیار سالکان طریقت (۹) تاریخ معصومی (۱۰) ترخان نامہ]

۱ - ۱۰۷ کتابیں تصنیف کی جن کو شیراز میں "کتب محمودی" کہا جاتا ہے۔

۲- سید زید نے مکہ معظمہ کے شرفاء میں سے شادی کی۔ ان کی بیوی کا رنگ سیاہی مائل تھا، جب سید صاحب کے ہاں شاہ قاسم کی ولادت ہوئی تب انھیں احساس ہوا کہ کہیں لڑکے کا رنگ اپنی والدہ جیسا نہ ہو۔ اس لیے دایہ سے پوچھا، جس نے جواب دیا: "پسر انجی" یعنی در مروارید ہے، اسی وجہ سے سید صاحب کا لقب انجو ہو گیا۔ سید قاسم مکہ سے ہجرت کر کے ۶۴۱ھ میں شیراز پہنچے، جس محلے میں گئے اس کا نام محلۂ سادات "انجو" پڑ گیا اور اولاد بھی انجوی سادات کی نسب سے مشہور ہوئی۔ اگر اِنجی کے نیچے زیر لگادیں تو یہ ترکی زبان کا ایک لفظ بن جاتا ہے، جس کے معنیٰ سفید موتی ہے۔ (معارف الانوار صفحہ نمبر ۱۱۰)

میر جمال الدین حسین انجو صاحب فرہنگ جہانگیر کا احوال لکھتے ہوئے ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے لفظ "انجو" کے سلسلے میں فارس نامہ ناصری میں (گفتار ۲- ۴۱- ۴۲) کی یہ عبارت درج کی گئی ہے:

"... و اِنجو لغت مغولی و به معنیٰ املاک خالصه است و جد اول سادات انجو زید آسود از اولاد زادی های حضرت حسن مجتبیٰ علیه السلام بوده و بسال ۳۵۲ھ که عضدالدوله از مکه مراجعت می نموده بر حسب خوابی که سید دیده و برایش نقل نموده، و با خوابی که چندی پیش در شیراز خواهرش دیده، و برای اودر همان هنگام نقل کرده بود، سید را از مدینه طیبه به شیراز آورد و خواهر خود را به وی داد، پس چندی چون خواهرش بمرد، دختر خود را نیز به سید تزویج نمود. و املاک زیادی را وقف کرد، و تولیت آنرا با اولاد ذکور این سید جلیل که دختر زادگان او بودند برگزار نمود. در فتنۂ مغول این موقوفات خاصۂ دولت یا به زبان مغولی "انجو"

گردید متولی وقف، سعی نمودو پس از سالها، نیمی از آنهارا
گرفت و چون نام انجو بر آن املاک گذارده بودند، ازان پس
این سادات را "انجوی" گفتند..."

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

"وہ اب تک شیراز میں موجود ہیں، اور انجو کی نسبت سے
پہچانے جاتے ہیں۔" (بحوالۂ فہرست کتاب خانہ مجلس ج ۲
ص ۲۱۲)

ڈاکٹر صاحب نے بلاخمن کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انجو کا لفظ عام طور پر بالفتح سنا گیا ہے، لیکن میری رائے میں (بلاخمن) میں صحیح لفظ کسرہ سے ہے کیوں کہ یہ لفظ "انجو" سے لیا گیا ہے جس کی تشریح (Quatremere) تاریخ مغل صفحہ نمبر ۱۳۰ میں کی گئی ہے۔ (جنرل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۳۷ صفحہ نمبر ۶۹)

تاریخ وصاف کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیراز کا ایک حصہ "انجو" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ جلد- ۱ نمبر ۱)

ذیل جامع تواریخ رشیدی میں (۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۴) اینجو آیا ہے۔ مکاتیب رشیدی (لاہور ۱۶۸) میں یوں آیا ہے:

"انجو بہ معنیٔ خالصہ جات دیوانی ست و عامل خالصہ جات
را نیز انجو گویند۔"

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجو کے معنیٔ سفید موتی کے نہیں بلکہ یہ لفظ "خالصے والی املاک" کے معنیٔ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ مغولی لفظ ہے۔ فرہنگِ جہان گیری کے مؤلف جمال الدین حسین انجو، اسی دادا زید اسود کی اولاد میں سے تھے۔ سید زید نے ممکن ہے کہ مکہ سے شادی کی ہو، لیکن انجو کی نسبت کا تعلق اسی واقعے سے نہیں ہے، جو عربی نسل بی بی کے سلسلے میں صاحب معارف الانوار نے بیان کیا ہے۔ سید زید کے فرزند سید قاسم ۲۴۱ھ میں مکے سے ہجرت کر کے شیراز میں آئے، بلکہ سید زید اسود کو ۳۵۲ھ میں عزالدّولہ اپنے

ساتھ شیراز لے آئے اور اپنی ہمشیرہ سے ان کی شادی کردی۔

صاحب معارف الانوار کی عبارت کا سندھی اقتباس ابتداء میں دیا گیا ہے، اسی سلسلے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

"... این لفظ ترکی است و سید زید بر او، سید قاسم نام نهاد و اکثر سادات شریف که ساکن شیراز اند، ازین جهت ایشانرا سادات انجوی می گویند. سید قاسم چون به جوانی رسید سید زید رحلت نمود عمر شریفش چهل و سه سال بود او را در جنت المعلیٰ مدفون کردند."

"... سید قاسم بعد از رحلت پدر بزرگوار دو سال در مکه معظمه سکونت نموده، پدر خود سید ابراهیم را به همراه خود رسیده در آنجا سکونت اختیار نمود آن محله آلان محله ساداتان انجوی بازار داؤد خانی می باشد، و در سنه ۶۳۰ھ سید قاسم مکی سفر آخرت اختیار نمود......" (معارف الانوار ۱۱۰)

دوسری جگہ وہی مصنف لکھتے ہیں کہ:

در"تذکره شیراز" (؟) مذکور است که: سادات عالی درجات انجویه در اصل موسوی اند، و از اعیان سادات شیرازی اند و در قدم نسبی، از دیگران ممتاز، و از اکابر متاخرین ایشانند که، به یمن امداد صدارت پناه مغفور میر شمس الدین اسد الله شوستری، منظور نظر کیمیا اثر پادشاه مغفور شدند..."
(معارف الانوار ۱۲۴)

مندرجہ بالا عبارت کا مطلب فارس نامہ ناصری کی عبارت سے بالکل مختلف ہے – سید زید مکہ میں فوت ہوئے اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ سید قاسم اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم کے ساتھ ۶۱۱ھ میں شیراز ہجرت کرگئے۔ جس بادشاہ کے سامنے منظور نظر ہونے کا اشارہ ملتا ہے، اس سے مراد کون سا بادشاہ تھا؟ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ بہرحال اس بادشاہ سے مراد وہ عضد الدولہ نہیں ہے۔

۳– یہ پہلا سلطان ہے جس نے ۷۱۳ھ میں آزاد بادشاہت کا اعلان

کر کے یزد اور کرمان میں آل مظفر کی بنیاد رکھی۔ شیراز اور دوسرے صوبہ جات پر قبضہ کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کی۔ وہ ایک پرہیزگار شخص تھے اور مذہبی معاملات میں سخت گیر تھے۔ اہل شیراز نے ان کا نام ہی محتسب رکھ دیا تھا۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے مندرجہ ذیل اشعار میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز است
بہ بانگ چنگ مخور می، کہ محتسب تیز است

....

دانی کہ چنك و عود چہ تقریر میکنند
پنهان خورید بادہ، کہ تعزیر میکنند
می خور کہ شیخ و حافظ و مفتی و محتسب
چون نیك بنگری همہ تزویر میکنند

۱۵ رمضان المبارک ۷۵۹ھ کو ان کی اولاد نے اُنھیں اندھا کر کے قید کردیا اور تھوڑے عرصے کے بعد شیراز کا صوبہ اُنھیں عطا کیا۔ اُنھوں نے گرم سیر (فارس) کے قلعہ بم میں یکم ربیع الاول ۷۶۵ھ کو انتقال کیا۔

صاحب معارف الانوار نے سندھ میں سید محمد کی آمد کا سال ایک جگہ ۷۸۶ھ اور دوسری جگہ ۷۸۷ھ بیان کیا ہے۔

"... از آنجا کو چیدہ بہ جانب سند روانہ شدند سنہ ۷۸۷ھ" (۱۱۵)

"... در تاریخ آمدن ایشان در ساموئی، و نسبت کردن بہ عاجزہ قاضی نعمت اللہ عباسی، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سنہ ۷۸۶ھ..." (۱۱۶)

تحفۃ الکرام کے مؤلف نے سید صاحب کے وارد ہونے کا سال ۷۸۶ھ لکھا ہے۔

"... بہ سال هفتصد و هشتاد و شش مطابق اعداد کریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم در عهد... وارد سند گردیدہ در پرگنہ..." (ص ۱۸۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبارز الدین کے زمانے میں سید محمد نے شیراز نہیں چھوڑا تھا، مبارز الدین ۲۱ سال پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔

مبارز الدین کی معزولی کے بعد اس کا بیٹا شاہ شجاع تخت نشین ہوا، جس کے سلسلے میں حافظ نے کئی اشعار کہے ہیں:

سحر ز هاتف غیبم، رسید مژده، به گوش
که: دور شاه شجاع ست، می دلیر بنوش!

....

رندی حافظ نه گناهیست صعب
با کرم پادشه عیب پوش
داور دین شاه شجاع، آنکه کرد
روح قدس حلقه شجاع، آن که کرد
روح قدس حلقه امرش بگوش
ای ملك العرش! مرادش بده
وز خطر چشم بدش، دار گوش

شاہ شجاع کا زمانہ ۷۵۹ھ سے ۷۸۶ھ تک ہے۔ آخری (وفات ۲۲ شعبان) (۷) کا سال ہے۔ اس کے بعد ان کے بیٹے زین العابدین (۷۸۶ھ-۷۸۹ھ) تخت نشین ہوئے۔

زین العابدین کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خاندان کی آپس میں تکرار شروع ہوگئی اور آخر سال ۷۹۵ھ (۸) (تاریخ ۲۲ جمادی الآخر) میں تیمور کے ہاتھوں آل مظفر کا خاتمہ ہوگیا۔

اس بات کا امکان ہے کہ سید محمد، شاہ شجاع کی وفات کے سال (۷۸۶ھ) ناسازگار حالات دیکھ کر امن و امان ختم ہونے کے اندیشے کے سبب آہستہ سے شیراز سے نکل گئے۔ شاہ شجاع کے بعد فارس میں جو حالات پیدا ہوئے وہ کچھ اس طرح ہیں:

"... شاه شجاع در سال ۷۸۶ھ در گذشت، و پس از مرگ او...
با آنکه در زمان زندگی، قلمرو خود را میان باز ماندگان تقسیم
کرده بود جنگ و کشمکش شدیدی میان آنها در گرفت، و

آشوب و اغتشاش فوق العاده، در فارس و یزد و کرمان و اصفهان پد ید آمد که بیان جزئیات این آشوب و اغتشاش از حوصله این نامه بیرون است۔"

"... در این زمان تیمور خونخوار، در شمال ایران به قتل و غارت و جنگ و ستیز و کشتن مردم شهری، و خراب کردن شهرها پر داخته... او به اصفهان تاخت و پس از فتح آن دیار، در اصفهان قتل عام نمود، و هفتاد هزار از مردم بکشست و از کله ها منارها ساخت، و از آنجا رو بفارس نمود، جزاین واقعه مردم شیراز ر به وحشت انداخت..." (۹)

ان اندیشوں کے پیدا ہونے کے بعد یہ ناممکن نہیں ہے کہ سید محمد نے ۷۸۲ھ میں ترک وطن کرکے سندھ کی طرف رخ کیا ہو۔ سندھ اس وقت آزاد اور نہایت سکون و فراغت اور امن و امان کا گھوارہ تھا۔

حافظ شیرازی کو ساتھ لے کر آنا اور قندھار سے ان کو واپس شیراز بھیجنے کا واقعہ غور طلب ہے۔ یہ روایت صرف صاحب معارف الانوار نے بیان کی ہے۔

ہندوستان میں حافظ کو دو دعوتیں ملیں، پہلی سلطان محمد بہمنی (۸۰-۷۹۹) نے ان کو دی، فارس نامہ ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"... در هفتصد و هشتاد دو (۷۸۲ھ) سلطان محمود شاه بهمنی، از خواجه حافظ خواهش مسافرت به هندوستان فرمود۔ نقد و جنس فراوان برای خواجه فرستاده. خواجه قروض خود را ادا کرده، تدارک سفر را دیده، روانه مقصد گردید." (ص۱۴۵)

جب حافظ ہرمز بندر سے کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے، اس وقت اتفاق سے ہوائیں چلنے کی وجہ سے پانی میں مد و جزر اٹھ رہا تھا۔ حافظ بہانے کرکے کشتی سے اتر گئے اور سیدھے شیراز جا پہنچے۔ (۱۰)

حسین پژمانِ نے حافظ کی سوانح میں لکھا ہے: یہ دعوت محمود شاہ بہمنی نے ایک تاجر مرزا فضل اللہ اینجو کے توسط سے اُن کے لئے بھیجی تھی، حافظ نے مندرجہ ذیل غزل لکھ کر، اس بیوپاری کے ہاتھ

سلطان کو روانہ کی۔

دمی با غم بسر بردن، جهان یکسر نمی ارزد
به می بفروش دلقِ ما، کزین بهتر نمی ارزد
بس، آسان مینمود اول، غم دریا ببوی سود
غلط گفتم که یك موجش، بصد گوهر نمی ارزد
شکوه تاج سلطانی، که بیم جان درو، درج ست
کلاهی دلکش است، اما! بدرد سرنمی ارزد . (۱۱)

یہ دعوت ۷۸۲ھ میں عمل آئی۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین (۷۹۲-۷۹۹ھ) والیٔ بنگال کی تخت نشینی سے کچھ سال پہلے حافظ کو بھیجی تھی۔ دریا کا مدو جزر حافظ پہلے ہی دیکھ چکے تھے، اسی لیے معذرت کے طور پر اُنھوں نے ایک غزل ارسال کی، جس کے یہ اشعار مشہور ہیں۔

ساقی حدیث سرو و گل و لاله میرود
وین بحث با ثلاثه غساله میرود
شکر شکن شوند همه طوطیان هند
زین قند پارسی، که به بنگال میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث الدین
غافل مشو، که کار تو، از ناله میرود (۱۲)

صاحب فارس نامہ ناصری کا قول ہے کہ: "حافظ، شیراز سے فقط دو مرتبہ باہر تشریف لے گئے تھے۔ ایک مرتبہ ہرمز گئے اور دوسری مرتبہ یزد کے سفر پر روانہ ہوئے، ان کو اہل یزد نے بڑی تکلیفیں دیں۔ ان صعوبتوں کو یاد کر کے حافظ اہلِ یزد سے اس طرح مخاطب ہوئے: (۱۳)

ای صبا! با ساکنان شهر یزد ازما، بگو:
کای سر حق نا شناسان، گوی میدان شما

خراسان کی جانب سفر کرنے سے متعلق بھی احتمال بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً حسین پژمان نے لکھا ہے کہ:

"... احتمالات بسیار، به خراسان و طوس از راه شاهرود و بسطام سفر کرده است... شواهد دیگری هم از تاریخ بدست می آید که، سفر حافظ را به خراسان مقرون به حقیقت می سازد آزان جمله سابقه ارادت حافظ به شیخ زین الدین تایبادی که در تایباد و به لهجۂ کنونی طیبات نزدیك خواف خراسان ساکن بود، سابقه ارادت سید زین العابدین گنا بادی که نسبت بهرود شخص مزبور، حبیب السیر می نویسد بنای سابقه دوستی و ارادت با حافظ کمك کردند. و طبیعی است که این چنین سابقه پیدا نمی شود، مگر در صورتیکه حافظ سفر خراسان رفته و با شخصیت های بزرگ نامبرده ملاقات و دوستی حاصل کرده باشد..." (۱۴)

اسی طرح یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ بزرگوں سے عقیدت کے سبب حافظ، سید محمد کے ساتھ قندھار تک آئے ہوں اور پھر سید صاحب کے اصرار پر ہی واپس شیراز روانہ ہوگئے ہوں۔ صاحب معارف الانوار لکھتے ہیں کہ:

"... بھمراہ چند کس از سادات وغیرہ و مریدان، ھمگی بیست و پنج نفر، از آنجا کوچیدہ بہ جانب سند روانہ شدند ۷۸۷ھ و از جملہ همراهان، یکی شیخ شمس الدین خواجہ حافظ شیرازی قدس اللہ سرہ بود، کہ اورا از قندھار رخصت فرمودند و گفتند کہ تاریخ تو خاك مصلیٰ (۱۵) [کذا] حافظ گریہ می کرد و میرفت و خود از آنجا بہ سیوستان رسیدند... (۱۶) الخ."

بہرحال یہ ایك ایسا موضوع ہے، جس پر زیادہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) قاضی نعمت اللہ: کے سلسلے میں میر قانع لکھتے ہیں کہ جب سید احمد شیخ عیسیٰ کے ہاں آئے اس وقت شیخ تو استقبال کے لیے کھڑے ہوئے، لیکن قاضی نعمت اللہ عباسی بیٹھے رہے اپنی نشست سے ذرہ بھر

نہیں ہلے۔ بات چیت کرنے کے بعد جب سید صاحب واپس روانہ ہوئے تو قاضی نے شیخ سے اس تعظیم کا سبب پوچھا، شیخ صاحب نے جواب دیا کہ: "اُن کی پشت میں قطب زمان نظر آرہا ہے، اگر وہ میری زندگی میں پیدا ہوگئے تو میں ان کا مرید ہوجاؤں گا۔" قاضی کو یہ بات ناگوار گذری، گھر پہنچتے ہی اُن کی بصارت ختم ہوگئی۔ رات کو قاضی موصوف کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کو خواب میں نظر آیا کہ اُن کی شادی سید احمد سے ہوگی، اور ان کے ہاں چار بیٹے پیدا ہوں گے، جن میں سے ایک آفاقی مرد ہوگا۔ یہ واقعات سننے کے بعد قاضی بہت متاثر ہوئے اور شیخ عیسیٰ کے توسط سے اپنی دختر کا نکاح سید صاحب سے کرکے اُنھیں اپنے گھر لے آئے اور ٹھٹہ میں اُن کی اقامت گاہ بنائی۔ (تحفۃ الکرام)

معارف الانوار کے مصنف کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

"... در سنہ ۷۹۰ھ عاجزہ خود را، با سید احمد نسبت کرد و نعم من قال در تاریخ آمدن ایشان در ساموئی و نسبت کردہ بہ عاجزہ قاضی نعمت اللہ عباسی، بسم اللہ الرحمن الرحیم سنہ ۷۸۶ھ (کذا) القصہ میر سید محمد و سید احمد بعد از چند روز از شادی بہ جانب موضع سید پور روانہ شدند، و میر سید محمد چند روز در آن موضع حیات بود... سید محمد بہ تاریخ دھم شہر محرم الحرام سنہ ۸۰۰ھ سفر آخرت اختیار نمود..."

"... در تاریخ ۷۹۵ھ فرزند ارجمند میر سید علی تولد شد در آن ایام عمر والدہ ایشان ھفدہ سال بود..." (۱۷)

مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہے کہ سید احمد سے بی بی کی منگنی ۷۷۸ھ میں ہوئی اور شادی ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ ۷۹۵ھ میں پہلا بیٹا پیدا ہوا، اس وقت بیبی کی عمر ۱۷ سال تھی، اس حساب سے:

۷۷۹ھ میں بی بی کی ولادت ہوئی۔

۷۸۶ھ جب ان کی منگنی ہوئی، اس وقت بیبی کی عمر ۹ برس تھی۔

۷۹۰ھ میں جب ان کی شادی ہوئی اس وقت ان کی عمر ۱۲ برس تھی۔

۷۹۵ھ جب پہلی اولاد ہوئی، یعنی سیر سید علی پیدا ہوئے، اس وقت بیبی کی عمر ۱۷ برس تھی۔

۸۳۶ھ جب بی بی کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۵۸ سال تھی، اسی حساب سے خواب والا واقعہ ۸ برس میں ہوا، اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر نو برس تھی یہ بات تو بالکل طے ہے کہ اس وقت بی بی صاحبہ عمر کے حساب سے نابالغ اور معصوم تھی، اس لیے یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ نو برس کی بچی نے شادی اور اولاد کے متعلق نہ صرف خواب دیکھا، بلکہ صبح اٹھ کر بغیر شرم و حیا باپ سے تفصیلاً خواب کا ذکر بھی کیا۔

تحفۃ الکرام میں آیا ہے کہ سید محمد پہلے مراد اوٹھہ میں دفن ہوئے، جب اس کا بیٹا سید احمد (۸۴۵ھ) میں فوت ہوا اور جب مکلی میں عباسی قاضیوں کے قبرستان میں دفن کیے گئے اور سید علی ثانی نے ان پر مقبرہ تعمیر کروایا، تب تک مقبرہ زیارت گاہ نہ بن سکا، جب تک سید محمد کی نعش مراد اوٹھہ سے منتقل کر کے وہاں دفن نہیں کی گئی۔

"... هر گز روحی و صفایی نیافته و زیارتگاه اهل الله نشد، تا بحسب رویا نعش آن بزرگ، از موضع مراد اوته به آنجا نقل نکرد." (خطی ۱۶۲)

وہ قبرستان دراصل عباسی قاضیوں (نعمت اللہ) کا تھا بعد میں جب سید کو دفن کیا گیا تو پھر وہ انجوی شیرازیوں کا قبرستان مشہور ہو گیا۔ معارف الانوار کی روایت ہے کہ: "سید علی ثانی نے ۵۱ برس کی عمر میں روضہ اور اس پر گنبد بنوایا، جس کی تاریخ (۹۴۰ھ) 'بحر کرم' سے نکلتی ہے۔ اسی زمانے میں کوئی خبر لے کر آیا کہ پنا کینال میں پانی کا سیلاب آیا ہے، اور امکان ہے کہ سید پور (مراد اوٹھہ) ڈوب جائے، سید علی فوراً سب عزیزوں کو لے کر اس طرف گئے اور سید محمد کی لاش کو تابوت میں بند کر کے مکلی لے آئے اور گنبد میں مغرب سے محراب سے متصل دفن کیا۔ محرم کی ۱۰-۱۱ تاریخ کو ان کی لاش دفن ہوئی۔"

(٦) سید علی ثانی: جید عالم ادیب اور بڑے اہل دل بزرگ تھے، ارغون اور ترخانی دور میں نہ صرف عوام آپ کے معتقد ہوگئے، بلکہ حکمران طبقہ آپ سے اخلاص اور محبت رکھتا تھا۔ مرزا شاہ حسن ارغون کا ۹۶۲ھ میں انتقال ہوا، کچھ عرصے کے لیے آپ کی لاش ٹھٹہ میں امانت کے طور پر رکھی گئی، بعد میں سید صاحب شاہ حسن کی بیوی ماہ بیگم کے ہمراہ مکہ معظمہ لے گئے، جہاں شاہ بیگم والے مقبرے میں دفن کیے گئے۔

مرزا باقی بے انتہا ظالم اور مغلوب الغضب حاکم تھا۔ اپنی شخصی حکومت قائم رکھنے کے لیے اس نے بے حد مظالم کئے۔ اپنے گھرانے کے بہت سے افراد کو قتل کروایا۔ ابتداء میں مکاری سے کام لے کر کچھ لوگوں سے صلح کرلی اور آخر میں ان کو دھوکہ دے کر شہید کروایا۔ مثلاً عیسیٰ اوّل کے بیٹے یعنی اپنے بھائی جان بابا اور دوسرے ایک امیر یادگار مسکین مرزا سے ابتدا میں سید علی کے ذریعے مصحف شریف کو درمیان میں رکھ کر صلح کی۔ جب انھوں نے آنا جانا شروع کیا تو ایک دن ان کو اپنے پاس بلوایا اور پھر ان دونوں کو اپنے دو جلادوں ہوتھی اور نوتھی کے ہاتھوں قتل کروایا۔

اسی طرح سید علی ثانی کو اس دور میں درویش اور بزرگ ہونے کے سبب بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ ملکی معاملات ہوں یا مذہبی معاملات ہمیشہ آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ عمر کوٹ میں جب اکبر پیدا ہوئے، اس وقت سید صاحب کی قمیض میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر ایک قمیص بنائی اور بطور تبرک اُنھیں پہنائی (ترخان نامہ) مرزا جانی نے اپنی چچی (بنت مرزا صالح بن مرزا عیسیٰ) کا رشتہ اپنے بیٹے کو دے کر عزیزوں والا رشتہ قائم کیا۔ مرزا جانی بیگ نے اکبر کو امیر صادق محمد خان کے خلاف جو شکایت نامہ بھیجا تھا، وہ سید جلال لے کر گئے تھے۔

سید علی فارسی 'عربی' زبان کے عالم اور بہت بڑے ادیب تھے۔ سندھی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ درس علاؤ الدین اور اُس کے درمیان سندھی اشعار کے ذریعے متعدد سوال و جواب ہوئے جو اس دور کے بہت سے لوگوں کو یاد تھے۔ (تحفۃ الکرام)

سرتن سانگ سکن جو، مون کي رويو رهائين:
آءُ تي هلان هوت ڏي، هو تيون واريو وهائين:
وريتيون ورن سين، وينيون گهر گهارين:
کهندا تيون کارين، کانه هلندي هوت ڏي:

مذکورہ بالا دوہے کو سندھی میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ دوہا قاضی قاضن کے دور کا ہے۔

معارف الانوار کے مصنف نے لکھا ہے کہ: جب سید علی ثانی پیدا ہوئے، اس وقت پیر مراد نے اُنھیں دیکھ کر سندھی زبان میں کہا تھا کہ: او پاء! رب ڏيئي وڏي ڄمار. "اے بھائی! بڑی عمر ہو۔"

اس وقت تک ارغونی دور میں ہم کو فقط قاضی قاضن کے سات دوہے ملے تھے، لیکن اوپر دیئے گئے اشعار اور نثر کے ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں قاضی صاحب مرحوم کے علاوہ اور سندھی زبان کے شاعر تھے اور اہلِ علم اور اہل اللہ عام طرح کی گفتگو بھی سندھی زبان میں کرتے تھے۔

سید صاحب محفل سماع کے بہت شوقین تھے۔ معصومی کے مصنف کا یہ قول ہے کہ قاضیوں، مولویوں اور شریعت کے دعوے داروں کے منع کرنے کے باوجود سید صاحب نے سماع کو نہیں چھوڑا، بلکہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ مکلی کے مزارات پر سماع کی محفلیں منعقد کرواتے تھے۔ حاجی رضائی ٹھٹوی اپنی مثنوی "زیبا نگار" میں لکھتے ہیں کہ:

سندھ میں مشہور ہوا کہ سسئی کے مزار پر جو مسافر رات رہتے ہیں، ان کے لیے وہ مزار سے نکل کر آتی ہے اور اُنھیں رات کا کھانا آکر دیتی ہے۔ جب یہ روایت سید علی تک پہنچی تب یہ بزرگ اپنے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت لے کر مزار پر گئے اور رات کو روایت کے مطابق سسئی باہر نکل آئی اور سید صاحب کو پکا ہوا کھانا پیش کیا۔

که آن طغرای منشور سیادت
فروغ دیده و نور سعادت

شه معنی جهانگیر ولایت
جوان مرد جهان پیر هدایت
حقیقت چون مجازش جلوه گر بود
عجب صاحب دل و صاحب نظر بود
شراب عشق می نوشید هر دم
دلش چون باده می جوشید هردم
دل پر جوش او، پیمانۂ عشق
نگاهش عشق، چشمش خانۂ عشق
بسی عالی ست نزد حق، مقامش
بود سید علی در خلق نامش
مقامش تته و مشهور آفاق
چو خور، در طاق گردون شهر تش طاق

....

همان سید علی مرد ولی بود
مر او را فتح بابش روی بنمود
زهی فتحی که شق شد قبر ناگاه
زشق بنمود زیبا روی چون ماه
قدِ خود تاسیان بالا کشیده
زخاکی، سرو رعنای دمیده
برنگ گل، تبسم کرد و بشگفت
بمهمانان ثنا و مرحبا گفت
طعامی راکشید از مرقد خویش
که از وی سیر شد هر مرد درویش"

میر قانع لکھتے ہیں کہ: "اسمٰعیل ملتانی نے بھی ان دونوں عاشقوں کو دیکھا تھا۔" (تحفۃ الکرام سندھی ۲۲)

قصہ غلط ہو یا صحیح ہمارا تعلق تو صرف اس سے ہے کہ مندرجہ بالا اشعار سے سید صاحب کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے اور عوام کو ان

سے جو عقیدت تھی، اس کا بھی علم ہوتا ہے۔ "حدیقۃ الاولیاء" کے مصنف سید عبدالقادر ٹھٹوی سید صاحب کے چھوٹے معاصر تھے۔ سید صاحب کے انتقال کے بعد انھوں نے سید صاحب کا دوسرا تذکرہ مرتب کیا، جس میں اُنھوں نے سید صاحب کے بارے میں ایک طولانی قصیدہ لکھا ہے۔ صاحب معارف الانوار نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

آن والی کشور ولایت	برهان ممالك هدایت
صاحب دل، عارف محقق	بیدار دلی ولی مطلق
سید علی آن به فضل ممتاز	سر دفتر سیدان شیراز
گلدستۂ بوستان طٰهٰ	فرخ ثمری ز نخل زهرا
مرآت جمال اسم اعظم	بینای رموز هر دو عالم
کشاف دقایق معانی	دانای حقایق معانی
از آیینۂ دلش هویدا	اسرار جلال حق تعالیٰ
دریا دلِ قلزمِ سماحت	عیسیٰ دم یوسفی ملاحت
دست کرمش چو ابر نیسان	می بود همیشه گوهر افشان
در راه خدا به بذل و ایثار	میداشت دلی چو بحر ذخار
گرخود همه گنج شایگان بود	در حاصل جمله بحر و کان بود
می داد همه بتازگی روی	هرگز نه فگنده چین بر ابروی
بودش بنظر هزار گوهر	با قیمت یك شیشه برابر
صد گونه سماط نزل چیدی	خوانهای نعم بران کشیدی
بنشسة به بزم میزبانی	میداد صلایِ میهمانی
اخوان صفا ز هر دیاری	فلان وفا ز هر کناری
هر روز برسم میهمانان	از شوق بخذمتش شتابان
هر یك ز افاضۂ نعیمش	وز بحر کف ید کریمش
بر چیده جواهر مطالبْ	بر گشته از ان سریم صایب
دائم بی ابتغای مرضات	کوشیده انقضای حاجات
هشتاد ویکی سنین نهصد	بگذشته ز هجرت محمد
گو، رخت ازین سرای فانی	بر بست: بملكِ جاودانی

آسودہ بخوشترین مزاری مانند بہشت مرغزاری
خورشید ز روی صدق و اخلاص در گنبد او، چو ذرہ، رقاص
خوش گنبد فیض بخش و پرنور رخشان ز فضا چو جرگۂ حور
از باغ گلی طرب شگفتہ کز شبنم فیض روح شستہ
نزھتگہ چشم اهل بینش پیرایۂ باغ آفرینش

مندرجہ بالا قصیدے میں سید صاحب کی سخاوت اور مہمان نوازی کی تعریف کی گئی ہے۔ میر معصوم نے بھی اپنی تاریخ میں اس وصف کا اظہار کرتے ہوئے ان کی حمایت کی ہے۔ یوں تو ہمیشہ آپ کے دسترخوان پر میلہ لگا رہتا تھا، لیکن ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں پہلے بارہ روز تک جو میلہ لگا رہتا تھا، وہ قابل دید ہوتا تھا اور وہ رونق دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ ہزارہا لوگ اِدھر اُدھر کے بارہ دن تک آپ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور سید صاحب ان دعوتوں میں مہمانوں کے لیے اس قدر اہتمام کرتے اور اتنی کشادہ دلی سے اُنھیں کھانا دیتے کہ لوگ حیران ہوجاتے۔ (معصومی ص ۲۱۲)

تحفۃ الکرام (۳/۱۸۸) میں سید صاحب کا سال وفات ۹۷۱ھ لکھا ہوا ہے۔ معصومی کے نسخے میں بھی ۹۷۱ھ ہی ہے، لیکن معصومی نے تاریخ کا ہر فقرہ "فات الحاتم بجودہ" دیا ہے، جس سے سال ۹۸۱ھ برآمد ہوتا ہے، جو درست ہے۔ مندرجہ بالا قصیدے میں سید عبدالقادر نے بھی یہی سال دیا ہے۔

صاحب 'معارف الانوار' کا قول ہے کہ انتقال (۹۸۱ھ) کے وقت سید صاحب کی عمر مبارک ۹۲ سال تھی۔ اسی حساب سے آپ کا سنہ تولد ۸۸۹ھ ہونا چاہئے، لیکن دوسری جگہ پر آن نے اپنی پیدایش کا سال ۸۹۱ھ لکھا ہے، جس کے مطابق سید صاحب کی عمر وفات کے وقت ۹۰ سال ہونی چاہئے۔ کتاب آداب المریدین سید صاحب نے ۶۴ سال کی عمر میں لکھنا شروع کی اور ۹۵۴ھ میں اسے مکمل کیا۔ تحفۃ الکرام کی روایت کے مطابق سید صاحب درویش اجر (آچر) اور مخدوم نوح کے فیض یافتہ تھے۔ (۱۸۷-۳) سید اور ان کے صاحبزادے سید جلال مخدوم فیض اللہ

ٹھٹوی کے شاگرد تھے۔ سندھی (۵۳۹)

(۷) "معیار سالکان طریقت" میں ہے کہ سید جلال ثانی کو محمد صالح ترخان کی بیٹی سے میر محمد نامی (مؤلف ترخان نامه) بیٹا ہوا۔ آپ کی دوسری بیوی سے بھی آپ کو ایک اور بیٹا سید فضل اللہ نامی تھا "ضرر البشر" کے مصنف زین العابدین عرف میر لطف اللہ 'قانع' (متوفی ۱۱۴۰ھ) آپ کی اولاد میں سے تھے۔ اسی خاندان کا احوال تحفۃ الکرام (۳-۱۸۸) میں پڑھنا چاہیے۔ ترخان نامہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

> در ربیع الاول ۹۹۴ھ (اربع و تسعین و تسعین مائه) حضرت... اکبر بادشاه صادق محمد خان را، به حکومت بکر تعین نمود (بقول میر معصوم سه شنبه ۱۲ ربیع الاول به بکر رسید) و خذمت تسخیر تته فرمود... و میرزا جانی بیگ ترخان پیشکش لایق کارخانه پادشاهی، بدست معتمدان خود، بدرگاه خلایق پناه فرستاد و جناب سیادت مآب میر جلال الدین بن سید علی شیرازی که شیخ الاسلام ولایت تته و به جمیع فضائل و کمالات صوری و معنوی آراسته بود تبرکاً تیمناً همراه پیشکش نمود و صبیه میرزا محمد صالح بن عیسیٰ ترخان که عمه میرزا جانی می شد، در حباله نکاح سید جلال الدین مذکور در آورد. (ص۲۶)

لیکن صاحب تحفۃ الکرام نے لکھا ہے کہ مرزا صالح نے یہ رشتہ اپنی زندگی ہی میں طے کر دیا تھا۔

> میرزا صالح برادر میرزا باقی نسبت صبیه خویش به آن جناب کرده، به آن پیوند میرزا محمد باقی ویرا، به حضور اکبر بادشاه فرستاده بود. (مطبوعه فارسی ۱۸۸)

مرزا صالح ۹۷۰ھ کو مارا گیا۔ مرزا صالح نے خود اپنی بیٹی کا رشتہ دیا، مرزا باقی نے دیا یا مرزا جانی نے یہ رشتہ کیا، اس کا فیصلہ کرنا مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں بہت مشکل ہے، البتہ میر معصوم لکھتے ہیں کہ محمد صادق سے سہون میں معرکہ (ذی الحج ۹۹۴ھ) کرنے کے بعد

مرزا جانی نے تحائف دے کر دربار اکبری مین اپنے سفیر کو بھیجا (معصومی ۲۴۹) اس سے قبل ۹۹۳ھ میں مرزا باقی نے ایک ایسا وفد اکبر بادشاہ کے پاس بھیجا تھا، جس میں اس کی بیٹی بھی شامل تھی، لیکن اس کے لیڈر شیخ عبدالغفور بن عبدالوہاب تھے (معصومی ۲۱۴) قرین قیاس تو یہ ہے کہ سید جلال کے ساتھ محمد صالح کی بیٹی کا نکاح مرزا جانی نے کروایا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ مرزا باقی کی خودکشی کے بعد جب ظلم و استبداد بند ہوا اور ترخان قبائل یا ٹھٹہ کے باشندوں نے سکھ اور آرام کا سانس لیا تب مرزا جانی نے اپنے منتشر خاندان کو اکٹھا کرکے آپس میں رشتے داریاں کیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر مرزا صالح کی بیٹی کا نکاح بھی اسی وقت کیا گیا ہو۔

حواشی
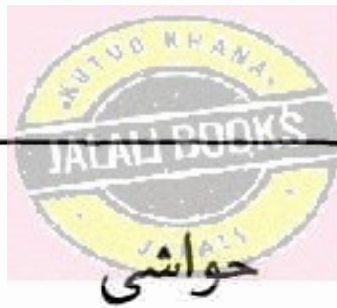
(۱) اتوار کے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے ۱۲ ربیع الاول- قطب الاقطاب ان کا لقب تھا۔
(۲) (واحمد خالص للّٰہ) میں سے سال نکلتا ہے۔
(۳) بن بدر الدین بن رکن الدین بن صدر الدین بن شیخ بہاء الدین (معارف الانوار)
(۴) یہ تینوں بزرگ خدا کے برگزیدہ بندے تھے، معارف الانوار میں ان کا ذکر موجود ہے۔
(۵) ۸۶۳ عدد بنتے ہیں، اگر تشدید کو نظر میں رکھتے ایک لام کا اضافہ کیا جائے تو سال ۸۹۳ھ نکلتا ہے۔
(۶) سید منصور کی عمر اس وقت ۱۳ سال تھی، اس لیے یہ روایت غلط ہونی چاہیے۔
(۷) مادۂ تاریخ- حیف از شاہ شجاع۔
(۸) حافظ ج اول ص۴۳۷ و ما بعد- از دکتر غنی۔
(۹) حافظ یکتائی ص۱۱۵
(۱۰) فارس نامۂ ناصری ص۱۴۵
(۱۱) دیوان حافظ حسین پژمان ص۷۳ و فارس نامہ ص۱۴۵
(۱۲) دیوان حافظ پژمان ص۸۶
(۱۳) حافظ حسین پژمان ص۳۰-۳۱
(۱۴) حافظ، پژمان ص۶۶-۶۷
(۱۵) چو در خاکِ مصلیٰ یافت منزل
بجو تاریخ از خاکِ مصلی [۷۹۱ھ]
(۱۶) معارف الانوار ص۱۱۵
(۱۷) معارف الانوار ص۱۶-۱۷
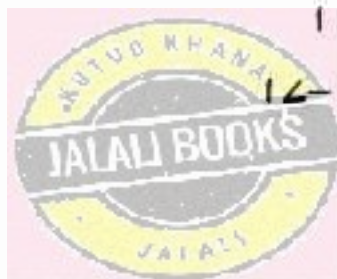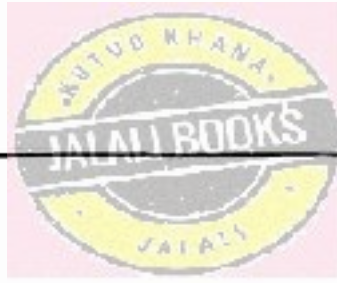
باب ۳

سید محمد جلال (ثانی) بن سید علی اول:

سید علی ثانی کے والد (۱) تفسیر حدیث و فقہ کے جید عالم اور حافظ تھے، جو ۶۶ برس کی عمر میں ۹۰۳ھ کو فوت ہوئے۔ "وجعلنا للمتقین اماما" سے سال فات نکلتا ہے۔ آپ کا مدفن سید علی کے مقبرے سے باہر والی چھتری میں سید محمود جعفر کے پہلو، اور اسی مزار کے مغرب کی جانب ہے۔ ان کا مزید احوال سید مراد کے بیان کئے گئے تذکرے میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) شیخ عیسیٰ: لنگوٹی بند، اصل برہان پور (سی-پی-ہند) کے تھے۔ سما خاندان کے آخری زمانے میں (جام نندہ کے دور میں) ساموئی سے متصل مکلی کی پہاڑی پر آکر مقیم ہوئے، جہاں اس وقت آپ کا مزار ہے وہی آپ کا حجرہ تھا۔ ساری زندگی اسی میں بسر کی اور وفات کے بعد بھی یہیں دفن ہوئے۔ اسی حجرے میں درس بھی دیا کرتے تھے، جہاں روزانہ کئی طلباء آپ سے علمی و دینی و روحانی فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ علامہ نعمت اللہ عباسی اسی مدرسے کے فیض یافتہ تھے۔ اسی مدرسے میں پیر مراد شیرازی کے جد بزرگوار سید محمد نے شیخ عیسیٰ اور قاضی نعمت اللہ سے پہلی بار ملاقات کی تھی۔

سید محمد حسین پیر مراد شیرازی ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے، اس وقت شیخ عیسیٰ آپ کی زیارت کے بعد آپ کے مرید بن گئے اور کہا کہ "میں فقط اسی مرشد سے ملاقات کی خاطر زندہ تھا۔" چنانچہ تین روز بعد بزرگ انتقال کر گئے۔ (۲)
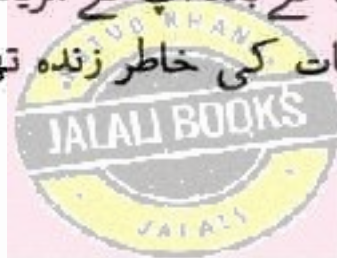
میر علی شیر نے 'مقالات الشعراء' میں مندرجہ ذیل اشعار آپ کے نام منسوم کیے ہیں:

قید باشد حکیم! در رہ دوست
دو گزک بوریا و پوستکی
گر تو آزادہ ای، بس است ترا
دلکی پر ز درد دوستکی (۳)

شیخ حماد جمالی کے ساتھ شیخ صاحب کی نشست و برخاست تھی۔ شیخ صاحب کی قبر سید علی کے مقبرے کے شمال مشرقی کونے پر پہاڑ کی ڈھلوان پر ہے۔ اس وقت مقبرہ زبون ہوچکا ہے۔ (۳)

(دیکھئے تحفۃ الکرام– مقالات الشعراء– تحفۃ الطاہرین– معیار سالکانِ طریقت اور حدیقۃ الاولیاء)

(۵) ساموئی: محمد پور کے برباد ہونے کے بعد سومرہ سلاطین نے کلاں کوٹ کو دارالخلافہ بنایا۔ جب سما خاندان اقتدار میں آئے تب مکلی کے شمال میں جو اس وقت نشیبی علاقہ دیکھنے میں آتا ہے، اُنھوں نے اسی جگہ پر اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس جگہ کا نام "ساموئی" رکھا۔

تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ:

"... جام بانبنیہ... شہر ساموئی را... بنا نہادہ، قیل بنای پانیہ بن انر است، و این بران افزوودہ..." (۳۲ خطی)

یعنی جام بابینہ نے یہ شہر آباد کیا اور کچھ لوگوں کا قول ہے کہ پانیہ (بمبھی) بن انڑ نے تعمیر کروایا تھا۔ لیکن اس نے اس کو اور زیادہ وسیع کردیا، اسی قول کے مطابق ساموئی فیروز تغلق کے دور (۷۹۰-۷۵۱ھ) میں آباد ہوا۔ طاہری کے مصنف کے مطابق جب ۷۴۹ھ میں سما سندھ پر قابض ہوئے، اس وقت مکلی پر ایک قلعہ اور شہر آباد کرکے اس کا نام ساموئی رکھا۔ (طبقہ دوم)

ساموئی کے نام کی نسبت یا معنیٰ بیان نہیں کیے گئے۔ کہتے ہیں کہ سما کی نسبت سے اس کا نام ساموئی رکھا گیا اور گمان غالب ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "سما کا شہر"۔

یہ سرزمین اس وقت ویران پڑی ہے۔ شیخ جھنڈا پاتنی کا مزار اسی اراضی میں واقع ہے جو شاہ مراد کے قبرستان سے نظر آتا ہے۔ ملا لُٹر (عبدالرحمن) کی قبر بھی اسی نشیبی سرزمین میں موجود ہے۔ اسی شہر میں سات ستی بہنیں رہتی تھیں، جن کی زیارت گاہ آج تک یہاں موجود ہے۔ (۵)

تحفۃ الکرام کی روایت ہے کہ وہ سات بہنیں سومرا خاندان سے تھیں، جب سومروں پر سما نے فتح حاصل کرلی اور دہلی کے سلطان نے سومروں سے جنگ لڑی (؟) اس وقت یہ سات بہنیں اپنے لوگوں سے الگ ہوگئیں اور جب شاہی لشکر (؟) اپنی طرف آتے دیکھا تو اس وقت

"... از غایت حرمان، برای نجات آن دختران عفیفه به درگاه احدیت نالیده، رجوع بکوهی که بران متواری شده بودند، آوردند قضا را کوه در حال از هم منفجر گردیده، آن مستورات راکه سابق هرگز روی نا محرمی ندیده بودند از دست لشکر رهانده، درون خود جا داد." (خطی ص ۳۱)

یہ جگہ آج تک موجود ہے اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

(۲) شیخ حماد جمالی بن شیخ رشید الدین: شیخ جمال اوچی کی بیٹی کے نواسے تھے۔ ساموئی میں اپنی خانقاہ میں تمام وقت اپنے حجرے میں منہ ڈھانک کر بیٹھے رہتے تھے۔ حجرے کے باہر شاگرد آکر بیٹھتے اور آپ اندر بیٹھ کر ان کو درس دیتے۔

میر قانع کا قول ہے کہ: جام جونہ کے زمانے میں جام تماچی بن جام انڑ اول، اور جام صلاح الدین بن جام تماچی سے شیخ صاحب کی بڑی محبت تھی اور دونوں شہزادوں کو بھی آپ سے بے انتہا عقیدت تھی، جام جونہ، اسی خوف سے کہ کہیں شیخ صاحب اُنھیں حکومت حاصل ہونے کی دعا کریں، اس لیے اُنھوں نے دونوں شہزادوں کو کسی بہانے دہلی میں قید کروادیا۔ جام تماچی کی والدہ روزانہ شیخ صاحب کی خانقاہ پر حاضر ہوکر دعائیں مانگتی تھیں کہ شہزادے سلامت واپس آجائیں۔ ایک دن شیخ صاحب نے عالم جذب میں آکر سندھی شعر پڑھا(۲) جس

میں نہ صرف ان کے واپس آنے کی دعا تھی، بلکہ حکومت حاصل ہونے کی نوید بھی تھی۔ چنانچہ جلد ہی شہزادے واپس آئے اور ان کو حکومت بھی حاصل ہوئی۔(۷)

جام تماچی نے تخت پر بیٹھتے ہی بڑی رقم خانقاہ کی تعمیر کے لیے بھجوائی(۸) جس سے شیخ صاحب نے مکلی میں ایک خوب صورت مسجد تعمیر کروائی۔ اس کی چہار دیواری اب بھی جام نظام الدین کے مقبرے کے سامنے خستہ حالت میں موجود ہے۔

شیخ صاحب نے مسجد کی تعمیر کے بعد سما خاندان کو حکم دیا کہ آئندہ وہ اپنے مقبرے اس مسجد کے آس پاس بنوائیں۔ اس سے قبل ان کے مقبرے پیر آر (پیر پٹھہ) پر تعمیر ہوتے تھے۔ پھر مکلی کے پہاڑ کے آس پاس مقبرے تعمیر ہونے لگے۔ مقالات الشعراء (۷۸) میں مرقوم ہے کہ شیخ اپنے جسم پر کوئی کپڑا نہیں پہنتے تھے اور ستر پوشی کے لئے فقط ایک شال کا ٹکڑا اوڑھتے تھے اور چٹائی کے ایک ٹکڑے پر سوتے تھے۔

"وضع شیخ سروپا برهنه پاره ای نمد ستر پوش و بوریایی فرش بود."

حسب حال یہ شعر پیش خدمت ہے، جو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے:

دو گزك بوریا و پوستکی دلکی پر ز درد دوستکی
اینقدر بس بود جمالی را عاشقی رند لا ابالی را (۹)

"حدیقة الاولیاء" کے مصنف نے بزرگ کا احوال ان القاب سے شروع کیا ہے:

"... آن صاحب کشف و کرامت، و آن جلیل القدر عالی مرتبت، سر خیل سبار زان طریقت، سر دفتر عارفان حقیقت، خداوند خصایل مرضیه، جامع کمالات علمیه و عملیه، محرم خلوت خانه قدس، بار یافته مجلس انس، سر مست جام وحدت، غریق در دریای معرفت، محبوب ذوالجلالی، شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جمالی."

بزرگ کے مرتبے اور ولایت، سلوک اور کرامات کا ذکر کرتے ہوئے وہی مصنف لکھتا ہے:

"...... خورشید فیضان الاهی، و مکاشفه غیر متناهی، به نوعی بکاشانه وی پر تو انداخت که، جمیع اسرار عالم ملك و ملکوت بروی مکشوف ساخت، تا آنکه هر روز صد تلامیذ دانش اندوز، از مجلس آن شمع دل افروز، اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعه آن تشبث اذیال مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کردندی."

شیخ حماد کا مقبرہ مسجد مکلی کے شمال مغرب میں مسجد سے متصل نہایت زبون حالت میں موجود ہے۔ "مقالات الشعراء" کے مصنف نے لکھا ہے:

"... مزار متبرکه اش در کوه مکلی پهلوی جام نندہ و جامع مکلی مطاف اهل الله است."

(۷) جامع مسجد مکلی: "تحفۃ الکرام" کے مصنف کے مطابق یہ مسجد شیخ حماد جمالی نے (۹۲-۷۹۳ھ) (۱۰) میں تعمیر کروائی تھی، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ یہ مسجد تعمیر ہوجانے کے بعد سما سلاطین نے مکلی پر اپنے مقابر کی تعمیر شروع کروائی تھی۔ اس وقت مسجد کی دیواریں اور چھت کے کچھ حصے سلامت ہیں، باقی سب کچھ زبوں ہوگیا ہے۔ دیواروں کی اونچائی اور ستونوں کی ساخت سے مسجد کی عظمت اور فن تعمیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے مسجد کے باقی بچے ہوئے آثار کی مرمت کروائی ہے۔ اسی مسجد کے شمال مغرب میں حماد جمالی کا مقبرہ موجود ہے۔ مسجد کی دیوار میں پیوست "مائی مکلی" (؟) کی قبر ہے۔ قاضی عبداللہ کا مزار بھی شمال مغربی سمت ایک کونے میں موجود ہے۔

(۸) قاضی عبداللہ بن تاجیہ (تاجو): اصل میں سہون کے قاضیوں میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ عباسی خلفاء کی جانب سے سندھ میں آئے ہوئے گماشتوں کی اولاد میں سے تھے۔ قاضی صاحب بقول صاحب تحفۃ الکرام

"در علم و اتقا مرجع کامل و مقصد اکمال بوده۔"

کہتے ہیں کہ جام نظام الدین (المتوفی ۹۱۴ھ) کے زمانے میں اُن کی لاش مکلی میں ظاہر ہوئی۔ یعنی اہل مکاشفہ اور اہل دل بزرگوں نے خواب میں آپ کے مدفن کا نشان پایا، ان ہی میں سے کسی نیک مرد کو خواب میں اشارہ ہوا کہ نماز جنازہ وہ پڑھائے، جس نے سن شعور کو پہنچ کر بے وضو آسمان کی طرف نہ دیکھا ہو اور نہ ساری عمر اپنی ستر کو دیکھا ہو۔ آس پاس اعلان کیا گیا، لیکن متقی کوئی بھی شخص نہ ملا۔ آخر جام نظام الدین نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ ان صفات کا حامل تھا۔ (۱۱)

قاضی کا مقبرہ تحفۃ الکرام کی روایت کے مطابق شیخ حماد کے مقبرے کے عقب میں ہے۔ "مکلی نامہ" میں میر علی شیر لکھتے ہیں کہ: مکلی میں ایک طرف جام نظام کا مقبرہ ہے اور ودسری طرف حاجی عبداللہ کا مزار ہے، دونوں روایات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے شمال مغرب میں جو زبوں قبریں ہیں، ان میں سے ایک شیخ حماد کی ہے اور اس کے قریب شیخ عبداللہ کا مزار ہونا چاہیے۔

قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ طالب علم روزانہ خاص طور سے جمعرات کو ان بزرگوں کے مقبروں پر حاضر ہو کر کسب کمال اور انشراح قلب و ذہن کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ (۱۲)

(۹) جام نظام الدین سمہ: سندھ کے باشندے آپ سے دلی محبت کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو جام نندا کہہ کر پکارتے تھے، اور آج بھی آپ کے نام کی یہ تخفیف بدستور مروج اور مشہور ہے۔

جام نظام الدین سما خاندان کے آخری اور آزاد سندھ کے پہلے تاجدار تھے، جس نے ۲۵ ربیع الاول ۷۸۶ھ سے لے کر ۸۶۶ھ (۱۳) تک نہ صرف ملک کی باگ دوڑ سنبھالی بلکہ لوگوں کے دلوں پر بھی حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے جام فیروز اور خاندان کے دوسرے شہزادے جام صلاح الدین کے درمیان تخت و تاج کے معاملے پر خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ۹۱۴ھ سے لے کر ۹۲۷ھ تک سندھ پر کبھی صلاح الدین گجرات

سے کمک لے کر پہنچا، تو کبھی سبی اور قندھار کے راستے ارغونوں کو لے کر فیروز حملہ آور ہوا۔ آخر اسی کشمکش کے دوران ارغونوں نے نہ صرف پہلے صلاح الدین کو فیروز کے مقابلے میں ختم کیا (۹۲۷ھ) بلکہ سال ڈیڑھ سال کے اندر فیروز کو بھی ختم کر کے شاہی چراغ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دیا۔

ان دنوں شہزادوں کی خانہ جنگی کا نتیجہ نہایت خراب اور اندوہ ناک ثابت ہوا۔ مسلسل ڈھائی سو سال تک (۹۲۷-۱۱۵۲ھ) تک لوگوں کے لیے غیروں کی غلامی کا پھندا اپنی گردنوں سے نکالنا محال تھا۔ بغیر کسی گناہ اور اس کی پاداش کے یہاں کا ہر متنفس صدیوں تک اذیت اور عذاب میں مبتلا رہا۔

سندھ کے اسی سانحے اور فیروز، جسے سندھ کے مورخوں نے "فیروز نا پیروز" لکھا ہے: ان کی حرکت کا ذکر کرتے ہوئے ظفر الوالہ کے مصنف نے عربی کا ایک شعر بطور مثال لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ "جو آدمی مصیبت کے وقت عمرو کی پناہ لیتا ہے وہ اس انسان کی طرح ہے، جو تیز دھوپ سے بچنے کی خاطر آگ میں کود جائے۔"

المستجیر بعمرو عند کربتہ

کالمستجیر من الرمضآء بالنار (۱۴)

مصنف نے افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فیروز کا حشر بھی ایسا ہی ہوا جب مغل سندھ پہنچے تب لالچ میں آگئے۔ (طمعوا فی الملک) اُنھیں طمع ان کے پاس لے گئی اور اُنھوں نے چالبازی سے کام لیتے ہوئے وزیر دریا خان کو قتل کروادیا اور ایسی بے وفائی پر ان کا دل ذرا بھی نہیں دکھا۔ (۱۵)

اسی مورخ نے آگے چل کر سندھ اور سندھیوں کی بد بختی اور بد قسمتی پر افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "سندھ سندھیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا وہ مغلوں کی رعیت بن کر شاہ میر (شاہ بیگ) کے دور سے لے کر جانی بیگ کے دور تک زمانے کی مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ در حقیقت وقت کی چکی میں سندھ اور سندھی جانی بیگ کے دور تک (۱۰۰۰ھ)

نہیں، بلکہ اس کے بعد بھی ڈیڑھ سو برس تک برابر پستے کٹتے اور مرتے رہے۔ مؤرخ، سندھ کے المیے کی اس عبرت ناک داستان کو اس فقرے پر ختم کرتا ہے:

"... و کل ما ینیله الدهر له امد و ینقضی واللہ سبحانه الدائم ملکه..."

زمانہ جو کچھ کرتا ہے، اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی سبب بھی ہوتا ہے اور یہ سبب وہی ہوا کہ گھرانے کے دو افراد ذاتی اقتدار حاصل کرنے کے لیے تنگ دل بنے اور ایک دوسرے سے جنگ لڑی اور یہ کشمکش چلتی رہی، فساد ہوئے، جو تباہی کے سبب بنے اور غیروں کو موقع ملا اور زمانے کے دستور کے مطابق نہ صرف ان دونوں کو بلکہ سارے ملک کو سزا ملی۔ ایسے ہی موقع کے لیے شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ:

چو از قومی، یکی بی دانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند، نہ مہ را

جام نندا نہایت ہی نیک، باکردار، اور قول کے سچے، اعلیٰ منتظم، جری و خوش اطوار سلطان تھے۔ جاہ و جلال، شان و شوکت، تدبیر اور فہم و فراست میں ان کا کوئی ثانی پیدا نہ ہوسکا۔ ان کی ۵۰ سالہ حکمرانی سندھی کے لیے سچ مچ رحمت ثابت ہوئی۔ ملک میں امن و امان تھا، خیر و برکت تھی۔ سندھ کے عوام خوشحال تھے، سارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ دنیا داری اور دین داری اس ملک میں ساتھ ساتھ رواں تھی۔ دینی اور دنیاوی علوم کی اشاعت سندھ کے چاروں اطراف نہایت عروج پر تھی، مدرسے اور خانقاہیں آباد تھیں، راجا اور رعایا، امیر و سپاہی، سب آرام و آسائش میں تھے۔ جب تک خود زندہ رہا اس وقت تک غیروں کو ہمت نہ ہوئی کہ اس ملک کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔

جام نندا کی پاک بازی، زہد و تقویٰ کی داستانیں مشہور ہیں۔ تاریخ نے ایسی کتنی ہی مثالوں کو محفوظ رکھا ہے۔ قاضی عبداللہ کی نماز جنازہ جام نظام نے اس لیے پڑھائی کہ آپ ساری زندگی باوضؤ رہے اور ساری زندگی اپنی ستر پر نگاہ نہیں ڈالی، ٹھٹہ میں کتنے ہی پیر فقیر تھے،

صوفی اور بزرگ موجود تھے، لیکن یہ اوصاف صرف اور صرف سندھ کے سلطان میں موجود تھے۔اسی تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے ایک اور روایت کے مطابق پیر مراد شیرازی کی نماز جنازہ بھی جام نظام نے پڑھائی تھی۔ مشہور ہے کہ جب وہ گھوڑوں کے اصطبل میں جاتے تھے تو جانوروں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہتے تھے کہ: خدا وہ دن نہ لائے کہ میں سوائے غزہ کے تم پر سواری کروں۔ کسی بھی مسلمان کا خون میرے ہاتھوں تمہاری سواری کرتے ہوئے نہ بہے۔ میں روز قیامت اس کے لیے اپنے خدا کے آگے کبھی شرمندہ نہ ہوں۔ (١٦)

مندرجہ ذیل رباعی آپ کی سیرت اور کردار کی مظہر ہے:

ای آنك ترا نظام الدین می خوانند
تو مفتخری کہ، مر چنین می خوانند!
گر رہ دین از تو، خطائی رفتہ
شك نیست کہ ترا کافر لعین می خوانند

تمام مورخین نے، سندھ کے اس نیک نام سلطان کی تعریف کی ہے اور آپ کے دور کو امن و آشتی، ایمان و اخلاق نیکی و دینی بلندی کا دور کہا ہے۔ "معصومی" کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"... در اوائل حال، طلب علم می نمود، و در مدارس و خوانق می گذرانیدہ، و بغایت متواضع و خلیق بود، بہ صفات پسندیدہ و اخلاق حمیدہ متصف، و زهد و عبادت بہ درجہ کمال داشتہ۔"

آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"... و فضیلت و حالت او زیادہ ازان بود کہ شمہ ای ازان تحریر تولن نمود۔(١٧)"

"ماثر رحیمی" کے مصنف لکھتے ہیں کہ سندھ تو کیا پورے ہندوستان میں کوئی آپ جیسا متقی، صاحب فضیلت بادشاہ پیدا نہ ہوا۔ مغل دور کے اسی مورخ کا یہ قول نہایت وزن دار ہے اور بڑا اعتراف ہے۔

"درمیان سلاطین سندھ چہ کہ درمیان سلاطین ہندوستان

به فضیلت و حالت او نبوده۔"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: "آپ کے دور میں عالم، صالح، بزرگ اور فقیر سبھی خوش و خرم تھے۔ رعایا ہو یا سپاہی سب فارغ البال اور آسودہ حال تھے۔"

"... در زمان دولت او، علما و صلحا و فقرا، در نهایت فراغت، اوقات می گذرانیدند، و سپاهی و رعیت آسوده حال و مرفع الحال بودند." (۱۸)

مذہبی شوق اور شغف کے سلسلے میں میر معصوم کا قول ہے کہ:

"... در زمان دولت او، احیای سنن بنوعی شیوع یافته بود که مافوق آن، تصور نتوان کرد. و در مساجد اقامت جماعت به نهجی می بود که صغیر و کبیر محله، در مسجد حاضر آمده، بگذاردن نماز، تنها راضی نبودند..." (۱۹)

اسی سلسلے میں ماثر رحیمی کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"... احیای سنن و رواج مدارس به نوعی در سند مقرر بود که، زبان قلم از تحریر آن عاجز است..." (۲۰)

مکلی نامہ کے مصنف، تحفۃ الکرام میں رقم طراز ہیں کہ:

"... در زمانش علما و سادات و صلحا و عموم خلق اللہ به رفاهیت کلی، گذرانیده، احیای سنن به نوعی شیوع یافت که احدی بدون صوم و صلواۃ نبودی..."

تحفۃ الکرام، مقالات الشعراء، حدیقۃ الاولیاء، تحفۃ الطاہرین یا دیگر تذکرے یا تاریخ کی کتابیں، ہمیں ان میں بہت سے سندھی علماء، بزرگوں، مشائخ، محدثین اور شعراء کے نام نظر آتے ہیں، جنھوں نے اس سلطان کے دور حکومت میں سندھ کے اندر نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ علمی اور دینی و دنیاوی علوم فروغ دینے کے لیے بہت سی کوششیں اور خدمات انجام دی ہیں۔

امن و راحت، سکون، فراغت اور خوش حالی کی یہ داستانیں جب سندھ سے باہر پہنچیں تو دوسرے ملکوں کے مشاہیر بھی قطار در قطار

یہاں کا رخ کرنے لگے۔ سلطان نظام الدین کے آخری دور میں خاص طور سے ایران، خراسان اور ماوراء النہر سے کئی گھرانے سندھ میں اتنی کثرت سے آگئے کہ ان کو آباد کرنے کے لیے حضرت ٹھٹہ نگر میں ان کے لیے الگ محلے تیار کرنے پڑے۔ وسط ایشیا میں یہ دور نہایت بد امنی اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔

اسی بھاگ دوڑ میں بہت سے لوگ تو خس و خاشاک کی مانند ثابت ہوئے۔ لیکن بہت سے ایسے علماء اور دانشمند بھی آکر یہاں مقیم ہوئے، جن کا سندھ میں آنا باعث نعمت تھا۔ مثلاً:

مولانا عبدالعزیز ابہری اور آپ کے بیٹے مولانا اسیر الدین اپنے پورے خاندان کے ساتھ یہاں پہنچے، علم کی اشاعت کے لیے مدرسے تعمیر کروائے، اور کئی طلباء کی آس اور پیاس پوری کی۔

علامہ جلال الدین دوانی (المتوفی ۹۰۸ھ) سندھ آنے کے لیے تیار ہوئے تو راہ خرچ بھی اس کے لیے بھجوایا گیا، لیکن افسوس کہ یہ خرچِ راہ ملنے سے قبل ہی وہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

"... تا رسیدن خرچ راہ و رسولان، مولانا سفر تتہ را بہ سفر آخرت تبدیل نمودہ بہ ملک بقا رفتہ بود۔" (۲۱)

ان کے دو جید شاگرد میر شمس اور میر معین ٹھٹہ میں آئے، وہ جہاں جہاں رہے دینی و دنیاوی علوم کی اشاعت اور عروج کا سبب بنے۔

اسی طرح سندھ کے اس نیک نہاد سلطان کے دور میں بہت سے بیرونی علماء نے یہاں پناہ لی اور شاہی سرپرستی کے زیر سایہ سندھ کو علمی فائدہ پہنچایا۔

جام نظام الدین کا یہ سلوک نہ صرف اپنی ہم مذہب رعایا کے ساتھ تھا، بلکہ سندھ کے غیر مسلم بھی انتہائی امن و آرام کے ساتھ رہتے تھے۔ تاریخ میں متعدد ہندو امیروں کے نام ملتے ہیں جو آپ کے دور میں حکومت کے نہایت اہم عہدوں پر فائز تھے۔ عام ہندو بھی مسلمان رعایا کی طرح خوش حالی اور فارغ البالی سے اپنا وقت خیر و خوبی کے ساتھ گذار رہے تھے، نہ مذہبی تعصب تھا نہ ہی دینی جھگڑے فسادات ہوتے

تھے، بلکہ اس بات کا تو آپ کے زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سلطان نے اپنے ارد گرد کسی مصلحت کے سبب ملکی کاروبار یا حکومت کا نظام چلانے کے لیے خاص آدمیوں کو متعین کیا تھا۔ وہ بڑے مردم شناس حکمران تھے۔ آپ کے دور کا کوئی ایک درباری بھی ہمیں غلط قسم کا نظر نہیں آتا۔

دریا خان ابتداء میں ایک لاوارث لڑکا تھا، بادشاہ نے اس کے چھپے ہوئے جوہر دیکھے تو اُس کو اپنے پاس لے آئے، ان کی پرورش کی اور اعلیٰ تربیت کا انتظام کیا۔ معمولی ملازم کے درجے سے بڑھا کر اعلیٰ درجہ پر فائز کردیا اور بالآخر وہ وزیر اعظم کے عہدے تک متعین ہوئے۔ سندھ کی فوجوں کی سپہ سالاری بھی آپ کے سپرد تھی۔ اُنھیں "مبارک خان" اور "خان اعظم" کے خطاب دیے گئے۔ یہاں تک کہ اُنھیں اپنی فرزندی میں بھی لے لیا اور اُنھیں عروج و بلندیٔ اقبال کی آخری منزل تک پہنچا کر دم لیا۔ مردم شناس سلطان کے اسی منتخب شدہ آدمی نے اپنی کارکردگی کے سبب جام کی زندگی میں نمک حلال اور جفاکشی میں ساری زندگی بسر کردی اور سلطنت کا نام بلند رکھا، بلکہ سلطان کی وفات کے بعد بھی یہ اکیلا امیر تھا، جس نے سندھ کی آزادی کے لیے پورے بارہ سال مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ اپنی زندگی میں مغلوں کو ٹھٹہ میں داخل ہونے نہ دیا۔ درہ بولان تک جاکر ان کو شرم ناک شکستوں سے دوچار کیا۔ آخر میں ٹھٹہ کے پاس لڑتے ہوئے تیر اور تلواروں کی بارش برساتے اور زخم کھاتے ہوئے جب اپنی جان قربان کردی تو اس کے بعد ہی "خرابیٔ سندھ" کا باب کھل گیا، جس نے ایک ٹھٹہ تو کیا بلکہ غیروں کی غلامی کے لیے پورے سندھ کا راستہ صاف اور ہموار کردیا۔

اسی قسم کی مردم شناسی کی داستانیں اور مثالیں ہمیں سلطان نظام الدین کے دور حکومت میں بہت سی ملتی ہیں۔ مثلاً آپ کا پہلا وزیر دلشاد خان بھی شجاعت اور انسانیت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے صوبۂ بکھر میں جو اصلاحات کیں وہ تاریخ میں ان کی بہترین کارکردگی

کا مظہر ہیں۔ اس طرح کئی مشاہیر اور امراء سلطان کی بزم کے روشن چراغ تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کی سلطنت مستحکم اور ملکی نظام مضبوط تھا۔ جب تک آپ زندہ رہے تب تک سندھ خوش حال، آسودہ و باغ و بہار تھا۔

سلطان جام نندہ کا دور (۸۶۶ھ-۹۱۴ھ) ایک اور لحاظ سے بھی تاریخ میں یگانہ تھا، جس وقت سندھ پر سلطان کی حکومت تھی، اس وقت پڑوسی ممالک میں بھی حسن اتفاق سے تمام حکمران آپ جیسے ہی جلیل القدر اور نام ور تھے۔ تاریخ میں ایسے غیر معمولی بادشاہوں کا اس طرح ہم عصر ہونا بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ گجرات بالکل ساتھ ملا ہوا تھا، سندھ میں گجرات والوں کی نسلیں بھی تھیں، اس کے علاوہ ثقافتی تعلقات اور رشتے داریاں بھی تھیں، وہاں سلطان محمود بیگڑہ جیسا نام ور حاکم (۸۶۳ھ- ۹۱۷ھ) حکومت کررہا تھا۔ بہلول لودھی دلی (۵۵-۸۹۴) کے حکمران تھے۔ مانڈو میں غیاث الدین بن محمد خلجی (۸۷۳-۹۰۶ھ) حکمران تھے۔ سلطان محمود بہمنی دکن کے (۸۸۷ھ-۹۲۴ھ) حکمران تھے۔ اس طرح ایک طرف ہندوستان میں یہ عظیم الشان حاکم حکومت کررہے تھے تو دوسری طرف سندھ کے دوسرے ہم سایہ ملک خراسان پر شاہ حسین بایقرا (۸۶۳ھ- ۹۱۲ھ) کی حکومت تھی، جس کی علم پروری اور ادب نوازی، تمدن اور تہذیب کی تاریخ میں ایک مثال ہے اور جس کے دور جیسا راحت اور سکون امن و امان اور ان کے دور جیسی فراغت اور فارغ البالی خراسان کے خطے کو پھر کبھی نصیب نہ ہوئی۔

مولانا جامی اسی دور کے شاعر اور اسی حکمران کے دوست تھے۔ بہزاد مصور اسی بادشاہ کے دربار کی زیب و زینت تھا۔ میر علی شیر نوائی جیسا ادیب اور ادب پرور مدبر جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے، وہ آپ کے وزیر با تدبیر تھے۔

جام نظام الدین کا مقبرہ جس کی تعریف مکلی نامہ کے مصنف نے کی ہے۔ جو تعمیری فنکاری کا نادر نمونہ ہے۔ تعمیر میں مختلف طرزوں

کو ملا کر اس طرح ایک دوسرے میں پیوست کیا گیا ہے کہ تاریخ میں وہ مقبرہ یگانہ اور مثالی بن گیا ہے۔ اس کی تعمیر میں گجراتی، ہندی اور اسلامی کے ساتھ خالص سندھی طرز کو ملا کر اس کے دل کش امتزاج سے ایک عجیب و غریب شاہکار تخلیق کیا گیا ہے، جو دیکھنے والوں کو پہلی ہی نگاہ میں اپنی طرف متوجہ کردیتا ہے۔

سامنے والی دیوار میں سورج مکھی اور کنول کے پھولوں کا سلسلہ، جھروکوں کے سامنے باہر کی طرف نکلے ہوئے خوب صورت حصے اور ان کے ستون، آنگن میں نکلے ہوئے حصے کا نقش و نگار بیرونی اور داخلی دروازہ اور اُس کی چوکور ساخت، خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے، جو مذکورہ اثرات کو نمایاں کرتی ہے۔ (۲۲)

گجراتی اور ہندی تعمیر کا یہ اثر جام نظام الدین کے مقبرے پر یا سما دور کی دوسری چوکھنڈیوں اور مقبروں کے گنبدوں اور ستونوں پر جن وجوہات کے سبب نظر آتا ہے، ان میں سے اہم وجہ گجرات اور سندھ کی ہمسائگی اور آپس میں گہری آمد و رفت تھی۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم سبب سما اور گجراتی سلاطین کی ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں، جس نے نہ صرف سیاسی طور پر سندھ اور گجرات کو ایک دوسرے سے قریب کردیا، بلکہ سماجی اور تمدنی سطح پر بھی ان دونوں ممالک کے رشتے ناتے استوار ہوئے اور بہت سے ثقافتی تفرقات مٹادیے۔ (۲۳)

سلطان نظام الدین کے روضے کے بند شدہ شمالی دروازے کی چوکھٹ پر جو کتبہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نظام الدین کے انتقال کے بعد جام فیروز نے (۲۴) ۹۱۵ھ میں اس مقبرہ کی تعمیر شروع کی تھی۔ ظاہر ہے مقبرہ کی تعمیر مکمل نہ ہوسکی۔ کہتے ہیں کہ تخت اور تاج پر خاندانی جھگڑے اور کشمکش شروع ہوگئی، جس کے سبب دوسرے تمام رفاہی اور تعمیری کام بند ہوگئے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ گنبد بن سکا اور نہ عمارت کا قائم ہونے والا نقشہ مکمل ہوسکا۔

کتبے کی عبارت کے مطابق تو مقبرے کو تعمیر کروانے والے جام فیروز ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس وقت ناتجربہ کار نوجوان تھے، اس لیے

اتنی نفیس تخلیق اس کے ذہن کی ایجاد اور دماغ کا اختراع ہو ہی نہیں سکتی۔ دریا خان کے مقبرے والی ساخت جو اس نے ۸۹۵ھ میں بنوایا، اس کو دیکھنے کے بعد یہ گمان ہوتا ہے کہ اپنے ولی نعمت اور اپنے منہ بولے باپ کا مقبرہ تعمیر کروانے اور اس کی منصوبہ بندی میں ضرور دریا خان دولہا (۲۵) کی فکر رسا کار فرما رہی ہو گی۔

مقبرے کی چہار دیواری کے اندر چار قبریں ہیں۔ جن پر کوئی بھی کتبہ یا نشان نہیں ہے، جس سے معلوم ہو کہ اس خوش نام اور نیک نہاد سلطان کی ابدی آرام گاہ کون سی ہے۔

سما سلاطین کے خاندانی شجرے اور سلاطین کی ترتیب اور فرمان روائی کے سالوں میں اختلاف ہے۔ ہر مورخ کا بیان مختلف ہے، ہم ایک سلسلہ وار شجرہ اور اس پر وضاحتی حاشیے دے رہے ہیں، جس سے قارئین کرام، اس خاندان کے سلاطین کا ایک خاکہ بہ آسانی ذہن نشین کرسکتے ہیں۔

اس شجرے سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ سندھی سلاطین گجراتی حاکم اور خاندیش کے فاروقی فرمانروا کس طرح رشتے ناتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھے۔

دریا خان نے سندھ کو ہر لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کیا۔ فوجی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورت حال کو اس منزل پر پہنچادیا کہ مورخین کے خیال کے مطابق "ایسا زمانہ سندھ میں نہ اس سے قبل دیکھا گیا اور نہ کسی نے اس کے بعد دیکھا۔"

ان تعمیری اور رفاہی صلاحیتوں کے ساتھ اس میں آزادی اور وطن پرستی کا جذبہ تھا۔ اس لیے وہ سندھ کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہیں گے۔ انھوں نے قیمتی جانوں کی قربانی دے کر وطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے جو جدوجہد کی، وہ حقیقتاً وطنیت کی تاریخ میں مثالی ہے۔

ان کا پورا خاندان اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس کے سب بیٹے بہادر، جری، وطن دوست اور آزادی کے متوالے تھے۔ ان میں سے علاؤ

الدین عالم بنے، محمد خان اور مٹھن خان جواں مرد سپاہی تھے۔ ٹلٹی اور کاہان جو ان کا علاقہ تھا، انہوں نے وہاں بہت سی جنگیں لڑیں۔ سارنگ خان اس کا چوتھا بیٹا بھی اسی طرح بہادری میں بے مثال تھا۔ دریا خان کی شہادت کے بعد بھی کئی سال تک ان کی حب الوطنی اور بہادری کے سبب ارغونوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

دریا خان کا قبرستان، جام نظام الدین کے مقبرے کے نزدیک مغرب کی جانب ہے۔ پتھر کی مضبوط چہار دیواری، مشرق و جنوب کی طرف دو دروازے جن پر کتبے لکھے ہوئے ہیں، مغربی دیوار کے ساتھ آپ کی قبر ہے، جس پر خوب صورت خط میں قرآنی آیات کندہ ہیں۔ سرہانے سے آپ کے نام کا کتبہ اس طرح ہے:

یا اللہ

ھذا مرقد المعطر

للخان الاعظم

شھید مبارک خان

ابن سلطان نظام الدین

مغربی دروازے کے اوپر والے سر در پر جو کتبہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ۸۹۵ھ میں دریا خان نے قبرستان کی یہ چہار دیواری بنوائی تھی۔جنوبی دروازے کے سردر والے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے احمد نامی بیٹے نے اس کتبے کو قطب الدین بن محمود سے کندہ کروایا۔ کتبہ پر اس کا نام اس طرح ہے:

احمد بن دریا خان

غفر اللہ لہٗ

چہار دیواری کے اندر، دریا خان کے علاوہ ۲۷ دوسری قبریں بھی ہیں، جن میں کسی پر کوئی نام یا نشان نہیں ہے۔

(۲) اسی سے دریا خان کی شکست اور شہادت کا سال برآمد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سندھ کی غلامی کی شروعات بھی اسی خرابی سندھ سے شروع ہوئی۔ یہ مہینہ بھی محرم کا تھا، پونے نو سو برس کے بعد واقعہ

کربلا کی تاریخ میں ایک دن ملا کر یہاں پر بھی واقعہ "کرب و بلا" دہرایا گیا۔ بارہ محرم الحرام کو دریا خان دولہا سندھ پر سر قربان کر کے سُرخ رو ہو گیا اور سندھ ان بے رحم لوگوں کے قبضہ میں آگیا، جو کہ اغیار تھے۔

(۳) ذیل میں سما سلاطین کے سلسلے میں حواشی دے رہے ہیں، جن کا تعلق کتاب میں شامل شجرے سے ہے، شجرے میں نام نمبروں کی ترتیب سے لکھے ہیں، انھی شجروں کے تحت یہاں حاشیے دیے گئے ہیں۔ اس لیے پڑھنے والوں کو وضاحت نمبروں کے تحت دیکھنی چاہیے۔

۱ – فیروز الدین جام انڑ اوّل:

ہمیر بن دودہ سومرہ سے سندھ کی سلطنت چھین کر اس نے سما خاندان کی بنیاد ڈالی۔

ابن بطوطہ ۷۳۴ھ میں سندھ آئے، اس وقت ہمیر اور جام انڑ کی جدوجہد جاری تھی، جس کا اُنھوں نے ذکر کیا ہے۔ (سفر نامہ ابن بطوطہ)

محمد تغلق کے باغی طغی نے ٹھٹہ میں ان کے ہاں پناہ لی، اس لیے محمد تغلق نے ٹھٹہ پر حملہ کیا۔

محمد تغلق فوجیں لے کر ٹھٹہ کی طرف آرہا تھا، لیکن ابھی چودہ کوس کی مسافت باقی تھی کہ وہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو فوت ہوئے۔

فیروز تغلق اسی مقام پر تخت نشین ہو کر فوراً واپس دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ (ضیاء برنی اور عفیف)

ڈاکٹر نبی بخش نے آپ کی وفات کا سال ۷۵۳ھ دیا ہے، معلوم نہیں کہ اس کے لیے ان کے پاس کون سی سند تھی۔

۲ – صدر الدین جام بابینہ ثانی:

باپ کی وفات (۷۵۳ھ) کے بعد اپنے چچا (۲/ب) علاؤ الدین جام جونہ اوّل کو اپنا ہم نوا بنا کر تخت نشین ہوئے۔

وہ وطن دوست تھے اور بیرونی مداخلت کے سخت خلاف تھے۔ دلی والوں کی بالا دستی کے جانی دشمن تھے۔ اس نے دلی کے بہت سے علاقوں پر حملے کیے، فیروز تغلق جب لکھنو پر حملہ آور ہوا، اس وقت جام ملتان کی حدود تک دلی کی حکمرانی میں گھس گئے۔ (منشات ماہر

و مطبوعہ علی گڑھ از شیخ عبدالرشید- سندھ پر سما کا عروج: از ڈاکٹر ریاض الاسلام مطبوعہ اسلامک کلچر)

فیروز تغلق پہلی مرتبہ (؟) ٹھٹہ پر حملہ آور ہوئے- لیکن تنگ آکر شرمندہ ہوئے، اور گجرات کے راستے واپس روانہ ہوگئے- فیروز کے اِس طرح واپس چلے جانے پر ٹھٹہ کے لوگوں نے کہا:

هک مئو هک ٽٽو
برکت شیخ پٿو

ترجمہ: ایک مرا ایک بھاگا، بابرکت پیر پٹھا-

فیروز تغلق دوسری بار ۷۶۷ھ میں ٹھٹہ پر حملہ آور ہوا- مقابلہ بے حد سخت تھا، مگر جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری نے دونوں فریق کے درمیان صلح کروائی اور اسی صلح کے مطابق مندرجہ ذیل شرائط پر جام بابینہ اپنے چچا جام جونہ سمیت سلطان کے یہاں دلی آئے-

۱- سالانہ خراج دیتے رہیں گے-
۲- خود اور چچا دونوں دلی جا کر وہاں رہیں گے-
۳- سندھ پر ان کی حکومت رہے گی اور ان کے نمائندے (اولاد) ان کے بعد حکومت سنبھالتے رہیں گے-

آپ ۶۶-۷۶۵ھ میں دلی گئے- حکومت آپ کے بھائی رکن الدین جام تماچی اور بھتیجے خیر الدین جام تماچی کے سپرد کی گئی- دلی میں آپ کا وظیفہ دو لاکھ ٹنکا مقرر ہوا-

صلح کے بعد پہلے آپ شکار گاہ میں جاکر فیروز تغلق کو ملے- زیادہ تر شکایت اس سے تھی، اس لیے آپ سب سے پہلے فیروز کے پاس گئے-

فیروز تغلق ۷۹۰ھ میں فوت ہوئے- غیاث الدین تغلق نے تخت نشیں ہونے کے بعد کچھ عرصے تک آپ کو اپنے پاس ہی رکھا اور پھر بعد میں اُنھیں وطن جانے کی اجازت دی اور تحفے تحائف ساتھ دے کر روانہ کیا- وطن واپسی پر راستے ہی میں آپ فوت ہوگئے- (عفیف ۲۵۴)

۳- صدر الدین جام بابینہ کے بیٹے:

وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ جب دلی جارہے تھے، تو راستے ہی میں جب آپ کو کشتی ڈوب جانے کی اطلاع ہوئی تو واپس لوٹے تاکہ دیکھ لیں کہ کہیں کشتی وہ نہ ہو جس میں ان کے بیٹے سفر کررہے تھے۔ (عفیف ۲۴۸)

کسی بھی بیٹے کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔

۴- علاؤ الدین جام جونہ اوّل:

یہ صدر الدین جام بابینہ (۲/الف) کے ساتھ حکومت میں شریک کار تھے۔ فیروز الدین شاہ جام انڑ اوّل کی وفات ۷۵۳ھ کے بعد۔

صدر الدین جام بابینہ (۲/الف) غیروں کی دست اندازیوں کے سخت مخالف تھے۔ لیکن اس کی پالیسی نہ تھی اور وہ مرنجان مرنج طبیعت والی تھی، ملتان کے گورنر عین الملک ماہرو نے اس کے لیے دلی کی حکومت کی ماتحتی کو قبول کرنے کے لیے خطوط بھی لکھے۔

جب فیروز تغلق کے دوسرے حملے کے وقت دونوں حریفوں میں صلح ہوئی، تب پہلی بار اس نے صدر الدین جام بابینہ (۲/الف) کو فیروز کے ہاں پیش ہونے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد آپ خود بھی ان سے ملے اور اپنے ایک شعر کا یہ مصرعہ اس کے سامنے پڑھا:

شاہ بخشندہ تو ای، بندۂ شرمندہ منم

۵- دوسری مرتبہ:

کچھ سالوں (؟) کے بعد رکن الدین جام تماچی (۳/الف) شاید معاہدے سے منحرف ہوئے، جس پر فیروز تغلق نے جام جونہ (۴) کو سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ ٹھٹہ روانہ کیا۔ عفیف نے آنے کا سال نہیں لکھا۔

ٹھٹہ آنے کے بعد اُنھوں نے جام تماچی (۳/الف) کو دلی روانہ کیا اور آۃ سندھ کی حکومت پر دوسری مرتبہ فائز ہوئے۔ (عفیف)

دوسری بار آنے کا نہ تو سال معلوم ہے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کب تک حکمران رہے۔

گجه کے پاس شیخ ترابی کے مزار پر جو کتبہ ہے، اس میں علاؤ الدین جام جونہ کا نام اور سال ۷۸۲ھ کندہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس سال سندھ پر آپ کی حکومت تھی۔ یہ سال دلی سے واپسی کے بعد کا ہے، لیکن اس کو درست ماننے کے لیے ابھی تک کوئی بھی تاریخی شہادت میسر نہیں ہے کہ آپ کا یہ دور ثانی کب سے شروع ہوا اور کب ختم ہوا۔ کتبہ یہ ہے:

به عهد شهر یار دهر سلطان داور [كذا]
شه فیروز منصور و مظفر در صف شاهان
به امر سرفراز هند خاص حضرت عالی
كه پای قدر او اعلا ز فرقد تابان
ستوده جام جم سیرت علاؤالدین دریا دل
كه از مهمانی لطفش جهان شد جمله آبادان
بر آمد این چنین گنبد معلا كز صفا، گویی
بسان بیت معمور آمد ست از بار این ایوان
مقام شیخ حاجی بو ترابی، آن ولی الله
كه بر درگاه او گردد روا، حاجات خلق آسان
بسال هفصدو هشتاد و دو از هجرت احمد
زعون ایزد ذوالمن والافضال والاحسان
بناشد، ثالث ماه صفر، این روضة میمون
به سعی كمترین بندگان موسیٰ بن شهجان

یہ کتبہ تعلیق میں ہے۔ اور جو عبارت دی گئی ہے، وہ مولانا محمد شفیع مرحوم کی ہے۔ (اورینٹل کالیج میگزین ۱۹۳۵/۲) ۳ صفر ۸۷۲ھ کو فیروز (تغلق) کے دور میں جام علاؤ الدین کے حکم سے موسیٰ بن شہجان نے یہ مقبرہ بنوایا۔ شہجان، شاید شعری ضرورت کے اعتبار سے شاہجہان کا مخفف ہے۔

اسی دوسری مرتبہ آتے وقت اس نے جام تماچی (الف ۳) اور اس کے بیٹے سلطان علاؤ الدین جام انڑ ثانی (۶) کو دلی روانہ کیا، جس کے لیے

حدیقة الاولیاء کے حوالے سے صاحب تحفة الکرام لکھتے ہیں کہ:

"جام جونه، جام تماچی و پسرش جام صلاح الدین را مقید به دلی فرستاد بود، و به تصرف شیخ (حماد جمالی) نامبردها، از قید هند خلاص شده به سند رسیدند" (ص ۳۲ خطی)

٦- رکن الدین شاہ جام تماچی:

فیروز تغلق نے اس کو نمبر ۱ اور ۲ کے بجائے (نمبر ۳ ب) سے ملا کر تخت پر بٹھایا ہے۔

۷٦۸ھ میں ان دونوں کو حکومت ملی۔

چند برسوں کے بعد انھوں نے دلی کے مرکز سے منہ موڑ لیا، بھائی (الف ۳) کی طرح یہ بھی غیروں کے تسلط کے خلاف تھے۔

فیروز تغلق ۷۷۲ھ میں، علاؤ الدین جونہ کو (نمبر ۴) دلی سے شیخ جلال الدین جہانیان جہاں گشت کے ساتھ روانہ کیا۔ جام جونہ نے اُنھیں دلی روانہ کیا، اور خود دوسری مرتبہ سندھ کے حکمران ہوئے۔

نمبر (۳ ب) عفیف والا "پسر جام" ہونا چاہیے۔ (عفیف ۲۴۷)

۷- دوسری مرتبہ:

۷۹۱ھ میں سلطان فیروز فوت ہوا، غیاث الدین تغلق نے حکمران بننے کے کچھ عرصے بعد اُنھیں واپس سندھ روانہ کیا، وہ اپنے بیٹے صلاح الدین (نمبر ۲) سمیت ٹھٹہ پہنچا اور بقول صاحب تحفة الکرام "رسیدند وجونه را بر انداخته وارث ملک گردیدند، اول پدر و بعده پسر." (خطی ۳۲)

اسی دوسری دفعہ آنے اور حکومت کرنے کے سلسلے میں شیخ حماد جمالی کے تصرف اور دعا کا واقعہ بھی مشہور ہے، جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ شیخ حماد جمالی نے دعائیہ اشعار کہے تھے۔ اس میں سے ایک شعر ڈاکٹر بلوچ صاحب نے سندھی زبان کی مختصر تاریخ میں دیا ہے، حدیقة الاولیاء کی عبارت یوں ہے کہ:

"آن بزرگوار (شیخ حماد) که این اخبار شنید، از غایت غیرت بجو شید، و از اضطراب بر خاست، و در هجره معبد جولانی زد، و بیتی به زبان سندی آغاز نمود که دران اظهار شوق جام

تماچی و طلب وی بود... الخ“

جب جام جونہ کو اس حقیقت کا علم ہوا تو خود آئے، لیکن شیخ صاحب نے اس پر توجہ نہ دی وہ یہ شعر ہے:

جوڻو مت اوڻو، جام تماچي آءُ!

سپاجهي ٻاجهه پڻي توسين لڻو راهُ!

دوسری دفعہ وارد ہونے کا واقعہ ۹۲-۷۹۳ھ کے بعد کا ہے، تخت نشین ہونے کے بعد تماچی بڑی رقم لے کر شیخ صاحب کی خدمت میں پیش ہوا، جس سے شیخ صاحب نے مکلی والی مسجد تعمیر کرائی۔

یہ وہی جام تماچی ہے جس نے نوری کے ساتھ آنکھ لڑائی اور کینجھر جھیل کے کنارے پر اس نے محل بنوائے، جس میں سے ایک کے آثار آج تک موجود ہیں۔

تحفۃ الکرام کے مولف کا قول ہے کہ تماچی اور نوری کی قبریں مکلی پر شیخ حماد کے گنبد کے نزدیک مشہور ہیں۔ ”قبور ہردو“ در مکلی میان مقصوری معلومہ پایین گنبد شیخ حماد جمالی یادگار است.“ (خطی ۳۲)

۸- سلطان صلاح الدین جام انڑ ثانی:

باپ (نمبر ۶) کے ساتھ دلی سے آیا۔

باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔

۹- (نمبر ۹) ڈیڑھ دن تخت پر بیٹھا (طبقات اکبری (۳/۵۱۵) (نمبر ۱۰) چند مہینے رہا (نمبر ۱۱) باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ ڈاکٹر بلوچ نے ان تینوں کی تخت نشینی کا سال ۸۱۶ھ متعین کیا، (نمبر ۹) کو طہارت خانے میں قتل کیا گیا۔ (تحفۃ الکرام خطی ۳۲)

۱۰- نمبر (۱۲) کے عزیز اور گماشتہ تھے، تیسرے دن نمبر (۱۲) کے بعد تخت پر بیٹھے۔ (طبقات اکبری ۳/۵۱۶)

۱۱- سکندر شاہ (ثانی):

جام محمد عرف جام انڑ (ثالث) مولانا علاؤ الدین منگلوری نے کتاب ”الزبدہ“ لکھ کر آپ کے نام معنون کی ہے۔ (یہ کتاب اختر مرحوم

جونا گڑھی کے پاس تھی، ان کی وفات کے بعد سندھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہوئی)

اسی کتاب کے مقدمے میں اس نے اِس طرح نام لکھا ہے:

"الملك المعظم محمد المعروف انر بن فتح خان بن صدر الدين بن تماچي بن جام۔"

اِس شجرے نے ڈاکٹر نبی بخش صاحب کے شجرے کی درستگی میں بڑی مدد کی ہے۔ (معصومی سندھی حاشیہ آرکائیوز کمیشن رپورٹ ۱۹۵۴ء)

اسی کی بنا پر نمبر ۱۴- ۱۱- ۱۰- ۳ ب- ۲ ب کے القاب اور نام متعین ہوئے ہیں۔ (معصومی اردو حواشی ص ۳۶۲)

۱۲- سلطان صدر الدین شاہ جام سنجر عرف راؤ ڈنو:

جام تغلق (نمبر ۱۲) کے زمانے میں کچھ میں رہتے تھے۔ (تحفۃ الکرام خطی ۳۲)

"در زمان جام تغلق در کچ می بود و به آنمردم وصلت کرد جمیعتی گرد آورد به خیر فوت سکندر (نمبر ۱۴) در شهر رسیده اعیان همو را به ایالت گزیدند..."

اس نے ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ سے ایک آدھ دن قبل وفات پائی، اور مندرجہ بالا تاریخ پر سلطان نظام الدین (نمبر ۱۶) تخت نشین ہوئے۔

۱۳- سلطان نظام الدین (ثانی) جام ننڈو:

دریا خان دولہا (خان الاعظم مبارک خان) نے اپنے مقبرے کے احاطے ۸۹۵ھ میں بنوایا۔ مشرقی دروازے کے باہر کی جانب پیشانی پر یہ کتبہ ہے، جس میں تعمیر کا سال موجود ہے۔

"هذا المقام فی زمان خان الاعظم میان مبارک خان بن سلطان نظام الدین شاه سخی حبیب الله. آغاز بنیاد من جمادی الاول سنه خمس و تسعین و ثمانمائة" (دیکھیے کتبے کی تصویر)

اسی احاطے کے جنوب والے دروازے کے باہر والی پیشانی پر جو کتبہ ہے وہ اس طرح ہے:

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا تحیرتم فی الامور واستعینوا من اهل القبور، صدق یا رسول اللہ، هذا المقام بامر خان الاعظم مبارک خان بن سلطان نظام الدین شاہ بن صدر الدین شاہ بن صلاح الدین بن سلطان رکن الدین شاہ وهو المظفر علی مغلان الهری (۲۶) والقندهار، کتبه قطب الدین بن محمود احمد بن دریا خان غفر اللہ له." (دیکھیے کتبے کی تصویر)

اس کتبے سے نمبر ۱۶- ۱۵- ۲- ۳ تک نسب نامہ درست ہوجاتا ہے۔

اس کی تصدیق دوسرے کتبے سے بھی ہوتی ہے، جو جام نظام الدین کے مقبرہ کے شمالی بند شدہ دروازے کی بیرونی پیشانی پر کندہ ہے۔ یہ کتبہ جام فیروز (نمبر ۱۷) نے لگوایا تھا، جس سے خود ان کا لقب اور کنیت ظاہر ہوتی ہے۔

"هذه مرقداً ببناء القبة الرفیعة (المنیعة) السلطان الاعظم والخاقان الاعدل الاکرم، ناصر الحق والدینا والدین، ابوالفتح السلطان فیروز شاہ، علی مرقد ابیه السلطان نظام الدین شاہ بن السلطان صدر الدین شاہ بن السلطان صلاح الدین شاہ بن السلطان رکن الدین شاہ بن السلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکه وروخ روح المدفونین فیها. فی تاریخ سنه خمس عشر و تسعماته الهجری."

یہ کتبہ ۹۱۵ھ میں کندہ ہوا، اس میں سے (نمبر ۳) کے والد یعنی (نمبر ۱) کی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۴- ناصر الدین ابو الفتح سلطان فیروز شاہ:

شاہ بیگ ۲۲ شعبان ۹۲۸ھ کو فوت ہوئے، آپ کے صاحبزادے شاہ حسن ارغون فیروز پر رمضان میں حملہ آور ہوا۔

فیروز ٹھٹہ چھوڑ کر کچھ چلا گیا، جہاں ۵۰ ہزار لشکر ساتھ لے کر واپس آکر مقابلہ کیا اور آخری شکست سے دوچار ہو کر گجرات روانہ ہوا۔

سما سلسلہ کا یہ آخری حکمران تھا، جو غیروں کی مداخلت اور قبضہ کی وجہ سے سندھ سے نکلا، جس کے بعد مستقل طور پر ارغون اور ان کے بعد ترخانون نے سندھ پر تسلط قائم کیا۔

یہ آخری شکست ۹۳۵ھ کے درمیان (ظفر الوالہ ۱۳۸ طبقات ج ۳ ص ۲۱۱) کھا کر گجرات چلا گیا۔ گجرات میں سلطان بہادر کے پاس شوال ۹۳۵ھ میں پہنچا۔ (مراۃ سکندری ص ۲۴۰)

سلطان بہادر بن سلطان مظفر گجراتی کے یہاں رشتہ داریوں کی وجہ سے فیروز نے پناہ لی۔ سلطان نے آپ کا وظیفہ بارہ لاکھ ٹنکا مقرر کیا۔ (طبقات اکبری ۲۲۱-۳)

۹۳۹ھ میں فیروز نے اپنی بیٹی سلطان بہادر کے نکاح میں دی۔ سلطان بہادر کی مدد سے فیروز، سندھ پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ہمایوں اور بہادر کے درمیان سال ۹۴۲ھ میں جنگ شروع ہوئی۔ بہادر کو شکست ہوئی اور فیروز گرفتار ہوا۔ ہمایوں کے حکم سے فیروز کو شہید کیا گیا۔ (طبقات جلد ۲ ص۳۵) اس طرح سندھ کی آزاد سلطنت کی امیدوں کا آخری چراغ، غریب الوطنی کے عالم میں ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔

فیروز دو بار تخت نشیں ہوا، پہلی مرتبہ سال ۹۱۴ھ میں باپ کی وفات کے بعد ۹۱۷-۹۱۹ کے درمیان اسے معزول کرکے صلاح الدین بادشاہ بنا اور آٹھ مہینوں کے بعد شاہ بیگ کی مدد سے فیروز صلاح الدین کو معزول کرکے دوسری بار تخت نشین ہوئے۔ (معصومی صفحہ ۷۸)

فیروز کی جن دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے متعلق ہے۔ ان میں سے ایک بیٹی شیخ ابراہیم کی بیوی تھی۔ ابراہیم ۹۲۸ھ میں شاہ حسن کے حملہ میں شہید ہوئے۔ (معصومی ۱۴۲) دوسری بیٹی ۹۳۹ھ میں سلطان بہادر گجراتی کے نکاح میں آئی۔ (ظفر الوالہ ۱۳۸) بیٹوں میں سے صرف ایک کے متعلق معلوم ہے، جو صلاح الدین کے ساتھ تھا۔ اور جب ۹۲۸ھ میں صلاح الدین اپنے بیٹے ہیبت خان کے ساتھ شہید ہوا، اس وقت گرفتار ہو کر شاہ حسن کے ہاں پیش ہوا۔ (معصومی ۲۱۲) بیگلارنامہ میں صلاح

الدین کے شہید ہونے والے بیٹے کا نام فتح خان دیا گیا ہے۔ لیکن معصومی کے دونوں ماخذوں میں اس کا نام ہیبت خان لکھا ہوا ہے۔ ہمارا قیاس ہے کہ فیروز کے بیٹے کا نام فتح خان تھا، معصومی کی عبارت ہے:

"... (صلاح الدین)... پسر خودرا، هیبت خان نام که داماد سلطان مظفر خان بود، به رسم مقدمه پیش فرستاد... پسر جام صلاح الدین نیز دران میان به قتل رسید (۱۱۹)... جام صلاح الدین... آخر کار به قتل رسید..." (۱۲۰)

بیگلارنامہ کی عبارت ہے:

"... در موضع چالار (چیلار) کارزار واقع شد، و جام صلاح الدین به دست حمید ساربان، و پسر جام مذکور فتح خان از دست میر خوش محمد بیگلار مقتول گشتند و چنان معلوم شده که چون، سر جام مذکور و پسرش را، نزد نواب مرزا شاه حسن آوردند... سنبل مهتر به عرض رسانید... که پسر فیروز، را نیز مقطوع ساخته باین دوسر، ضم کرده شود..." (۱۷ خطی)

فیروز کی کنیت ابو الفتح اسی بیٹے فتح خان کی وجہ سے تھی۔ (دیکھئے نوٹ نمبر ۱۶)

فیروز کے اس بیٹے فتح خان کے لیے (نوٹ نمبر ۱۶) دیکھنا چاہیے۔

۱۵- صلاح الدین:

بقول میر معصوم "نبیرۂ جام سنجر" تھے۔ (۷۶) طبقات اکبری کے مصنف نے لکھا ہے کہ: "از قرابتان جام فیروز بود" (ج ۳ ص ۵۱۸)

نظام الدین کی وفات کے وقت وہ گجرات میں تھے، وہاں سے سندھ میں آئے، قیاس کی بنا پر اندازہ یہ لگایا جاتا ہے کہ ۱۷-۹۱۹ھ کے درمیان کسی سال اس نے فیروز کو معزول کرکے آٹھ مہینے حکمرانی کی۔ (معصومی ۷۸)

سلطان مظفر گجراتی ۹۱۷ھ میں تخت نشین ہوئے۔ صلاح الدین کی چچا زاد بہن بی بی رانی اس کی بیوی تھی۔ خیال یہ ہے کہ سلطان

مظفر نے رمضان ۹۱۷ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد کچھ وقت اُنھیں اپنے پاس رکھا اور پھر لشکر کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ سال ۹۱۸ھ کا آخر یا ۹۱۹ھ کا شروع ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ سلطان مظفر نے تخت نشین ہونے کے بعد اُنھیں چند سال ملکی معاملات کو درست کرنے میں صرف کیے ہوں گے۔

آٹھ مہینوں کی بادشاہت کے بعد اتفاقی غلط فہمی کی وجہ سے خودبخود ٹھٹہ چھوڑ کر گجرات چلے گئے۔ (معصومی ۷۸)

گجرات سے بقول ظفر الوالہ ۹۲۶ھ میں سلطان مظفر کی مدد سے (ص۱۳۸) واپس آکر فیروز پر حملہ آور ہوئے۔ فیروز نے شاہ بیگ ارغون سے مدد مانگی جسے بابر نے قندھار بھگادیا تھا۔ شاہ بیگ کے بیٹے شاہ حسن ارغون نے اس سے مقابلہ کیا۔ معصومی کے قول کے مطابق ۹۲۷ھ میں طبقات اکبری کے مطابق ۹۲۸ھ میں جنگ کرتے ہوئے ان کا پہلا بیٹا ہیبت خان شہید ہوا، اور بعد میں خود شہادت پائی۔ (معصومی ۷۶-۷۸-۱۱۹ طبقات ۳/۵۱۸-۲/۳۵)

۵ صفر کو شاہ حسن سہون پہنچے، صلاح الدین کے ساتھ معرکہ، صفر کے آخر یا ربیع الاول کے آخر میں ہوا ہوگا۔ (معصومی ۱۱۹-۱۲۰) معصومی نے "جون" کے پاس مقابلہ کی جگہ بتائی ہے اور بیگلارنامہ میں گوٹھ چالار یا چیلار کا نام مرقوم ہے۔ (خطی ۱۷)

بیگلارنامہ ہیبت خان (معصومی ۱۱۹) کا نام فتح خان (معصومی ۳۱۲) لکھا ہے، لیکن یہ اس کی غلطی ہے۔ فتح خان فیروز کا بیٹا تھا، جو مقابلہ کے وقت صلاح الدین کے ساتھ تھا، جو گرفتار ہوکر شاہ حسن کے سامنے پیش ہوا۔ فیروز کی کنیت ابوالفتح اسی بیٹے کی وجہ سے تھی۔

ہیبت خان سلطان مظفر خان گجراتی کا داماد اور والی اسیر عادل شاہ (۹۰۵-۹۲۶ھ) فاروقی کا ساڑو تھا۔ (معصومی ۱۱۹- طبقات ۳/۲۱۰)

۱۶- بی بی رانی:

بقول صاحب طبقات اکبری (۳/۵۱۸) اور صاحب معصومی (ص۷۶) صلاح الدین کی چچار زاد بہن تھی۔ ظفر الوالہ کے مؤلف نے لکھا

ہے کہ وہ جام فیروز کی چچا زاد بہن تھی۔ (ص ۱۳۷)

معلوم ہوتا ہے کہ جام سنجر (نمبر ۱۵) کے تین بیٹے تھے، جن میں سے ایک کا نام نظام الدین (نمبر ۱۶) تھا اور باقی دو کے نام نہیں بتائے گئے۔ ان میں سے ایک کا بیٹا صلاح الدین اور دوسرے کی بیٹی بی بی رانی تھی۔

ظفر الوالہ کا قول ہے کہ یہ شادی سلطان مظفر سے ۹۲۴ھ میں ہوئی (۱۳۷) لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ (معصوم ص۷۶) یہ شادی پہلے ہوئی تھی، اور اُنہی رشتہ ناتوں کی وجہ سے سلطان مظفر نے (۱۷-۹۳۲ھ) صلاح الدین کو سندھ پر حملہ کرنے میں مدد دی (۱۸- ۹۱۹) ممکن ہے کہ نظام الدین کے دو بھائیوں کی اولاد خاندانی تکرار کے سبب نظام الدین کے دور میں گجرات میں جاکر مقیم ہوئی ہو۔ اور یہ شادی ۹۱۷ھ میں صلاح الدین نے سلطان مظفر سے کرائی ہو۔ نظام الدین کی وفات کے وقت (۹۱۴ھ) میں صلاح الدین گجرات میں تھے، جہاں سے وہ حملہ کرنے نکلے۔

بی بی رانی کو کمزوری کی شکایت تھی، ۹۳۰ھ میں جب سلطان مظفر، مہراسی سے شکار کے بعد واپس آرہا تھا، تو اس وقت ہی راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ سلطان مظفر نے اُنھیں اپنے والدین کے پہلو میں دفن کرایا۔ (ظفر الوالہ ص ۱۲۰)

بی بی رانی کے ساتھ سلطان کی بہت محبت تھی۔ سلطنت کے معاملات اور سلطان کے ذہن پر ان کا قبضہ تھا۔ اس کا بیٹا سکندر، حسن میں یوسف ثانی تھا (ظفر الوالہ ۱۳۴) باپ کے مرنے کے بعد ۲ ماہ اور ۱۸ دن تک تخت نشین رہا۔ عماد الملک نے اس کو شہید کروایا۔ گجراتی سلاطین میں یہ پہلا شہید تھا۔ (مراۃ سکندری ۲۱۵-۲۱۶)

بی بی رانی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل عبارات کا پڑھنا بہت ضروری ہے:

"... در اثنای راہ بی بی رانی والدہ سکندر خان شاہزادہ کہ عمدہ حرم سلطان (مظفر) و وزیر و صاحب اختیار سرکار و

ممالك سلطان و با خاص و عام شفقت مادرانه مبذول می داشت، و در فکر صایب و متانت رای، یگانه آفاق بود، از این عالم فانی سفر کرده در خطیره والده سلطان که قریب کمد رول واقع است، به خاك سپردند... از فوت بی بی رانی، سلطان بسیار غم و الم رویداد. چنانچه چند روز از غایت غم و اندوه بیماری کشید... (مراۃ ص۱۷۷)... اختیار خانه و مهمات ملك و لشکر، همه به دست بی بی رانی بوده، و هفت هزار نوکر علوفه خود را از سرکار بی بی بودند...'' (مراۃ ۲۰۷)

بی بی رانی سے سلطان مظفر ثانی (۲۷) کو تین اولادیں ہوئیں، ایک سکندر جو گجراتی سلسلے کے آٹھویں سلطان ہوئے جس کو مراۃ سکندری کے قول کے مطابق (سلطان مظفر)... در صدر حیات، ولیعہد خود کردہ بود (ص۲۰۷ ص۲۰۹) ایک بیٹی بی بی عائشہ جو فتح خان بن سلطان فیروز سما (نمبر ۱۷- ۱۹) کے گھر میں تھی- اور دوسری بیٹی بی بی رقیہ اہلیہ سلطان عادل شاہ فاروقی، والی اسیر و برہان پور (۹۲۶-۱۲ھ) (۲۸)- رقیہ شاید بڑی تھی، اور عائشہ چھوٹی-

''دو دختر داشت اسمها راجی رقیه منکوحه عادل شاه برهانپوری، و دیگر راجی عایشه منکوحه فتح خان بادشاه زاده سند، سکندر خان (۲۹) و هر دو و دختر... از یك مادر بودند، اسمها بی بی رانی...'' (مرآۃ سکندری ۲۰۶-۲۰۷)

سلطان مظفر کی بی بی رانی کے علاوہ دو راجپوت بیویاں، لکھم بائی اور راج بائی نامی تھیں، جن میں سے کسی ایک کی بیٹی ہیبت خان بن صلاح الدین سما (نمبر ۱۸) کے گھر میں تھی-

صلاح الدین اپنے بیٹے ہیبت خان سمیت فیروز کے مقابلے میں لڑتے ہوئے شاہ حسن ارغون کے لشکر کے ہاتھوں ۹۲۷ھ میں شہید ہوئے- فیروز کا بیٹا فتح خان، صلاح الدین کے ساتھ گجرات میں رہتا تھا، مقابلہ کے لیے صلاح الدین کے ساتھ سندھ میں آیا- (۱۱۹ معصومی) اور گرفتار ہو کر شاہ حسن کے ہاں پیش ہوا- معلوم ہوتا ہے کہ اس شکست سے قبل

سلطان مظفر کی بیٹی سے شادی کرچکے تھے، بلکہ ممکن ہے کہ ہیبت خان اور فتح خان کی شادیاں مظفر کی بیٹیوں کے ساتھ ۹۲۷ھ سے قبل ایک ہی وقت ہوئی ہوں۔

فتح خان شکست کے بعد غالباً اپنے باپ فیروز کے پاس آئے، جب ۹۲۸ھ میں فیروز، شاہ حسن ارغون کے ہاتھوں شکست کھا کر کچھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت فتح خان گجرات چلے گئے۔ اس کا سالہ سلطان سکندر ۹۳۲ھ میں جب شہید ہوا۔ اس وقت فتح خان گجرات میں تھے۔ سکندر کی شہادت کے بعد جب ان کا بھائی محمود تخت نشین ہوا تو جن امراء نے اس کی بیعت نہیں کی تھی، ان میں سے ایک فتح خان بھی تھا۔

> "... سه کس بیعت نکردند... دیگر مجلس سامی فتح خان بدو (۳۰)، شاه زاده سند که نسبت بدامادی، سلطان مظفر داشت و خواهر حقیقی سلطان سکندر در خانه او بود..." (مراة ۲۱۸)

محمود کو معزول کر کے بہادر خان تخت نشین ہوئے، ۹۳۵ھ میں فیروز سندھ سے آخری مرتبہ شکست کھا کر اور نا امید ہو کر گجرات چلا گیا، جہاں اس نے ۹۳۹ھ میں اپنی بیٹی کا رشتہ بہادر خان سے طے کیا۔

سما، گجراتی سلاطین اور فاروقی حکمرانوں کی رشتہ داریاں واضح کرنے کے لیے شامل شجرہ (الف) دیکھنا چاہئے۔

۱۷- بی بی مغلی اور بی بی مرکی:

یہ دونوں شہزادیاں جام تغلق شاہ جونہ (ثانی نمبر ۱۲) کی بیٹیاں تھیں۔ جام جونہ اس وقت اندرونی اختلافات کے سبب پریشان تھا اور بیرونی مدد کا آرزو مند تھا۔

مولانا محمد صدیقی ملتانی، جام جونہ کے پیر تھے، اس نے اسے مشورہ دیا کہ اپنی دونوں بیٹیوں کی گجرات میں شادی کرادے، ایک سلطان محمد سے اور دوسری شاہ عالم سے۔

جام جونہ نے اپنی دونوں بیٹیاں، دونوں بیٹوں ہر ایک جام خیر الدین اور جام صلاح الدین سمیت، مولانا محمد صدیق کے ذریعے گجرات روانہ کیں۔

اس رشتے داری سے انھیں سیاسی فائدہ اور تقویت مدنظر تھی۔ گجرات پہنچنے پر بی بی مغلی کا رشتہ سلطان محمد سے ہوا، کہتے ہیں کہ یہ شہزادی بہت حسین تھی اور مرکی شاہ عالم کے نکاح میں دی گئی۔

در حقیقت جام جونہ نے بی بی مغلی شاہ عالم کے لیے اور بی بی مرکی ساطان محمد کے لیے بھیجی تھی، لیکن یہ رد و بدل سلطان محمد نے جام جونہ کی بھیجے ہوئے آدمیوں کے ساتھ مل کر سازش کرکے کی۔ (مراۃ سکندری ص نمبر ۲۶) امکان ہے کہ اس منصوبے میں خود مولانا محمد صدیقی بھی شامل ہوں۔

بہرحال بی بی مغلی کا نکاح سلطان محمد والیٔ گجرات (۳- ۴۶- ۸۵۵) سے ہوا اور مرکی کا عقد قطب عالم (۷۹۰-۸۵۸) کے فرزند شاہ عالم (۸۱۷-۸۸۰) سے ہوا۔

یہ نکاح (۴۷-۸۴۸) میں ہوئے ہوں گے، کیوں کہ اس بیوی سے سلطان محمد کو فتح خان نامی (۸۴۹ھ) میں ایک بیٹا ہوا، جو آگے چل کر سلطان محمود بیگڑہ کے نام سے گجرات کا جلیل القدر حکمران ہوا۔ (مراۃ سکندری ص۴۶-۶۷-۶۸)

بی بی مرکی سے شاہ عالم بخاری کو تین اولادیں ہوئیں: ۱- بی بی اماں ۲- بی بی درمیانی ۳- بیگ محمد عرف شاہ بھیکن جو اپنے زمانے کے ایک برگزیدہ شخص تھے۔

جب سلطان محمد (۲۰ محرم ۸۵۵ھ) میں فوت ہوا، اس وقت فتح خان چھوٹا تھا، قتل ہوجانے کے خوف سے بی بی مغلی اس کو ساتھ لے کر اپنی بہن کے ہاں شاہ عالم کے گھر میں ٹھہری (مراۃ سکندری ۴۳)

بی بی مرکی کا تقریباً ۵۷-۸۵۸ میں انتقال ہوا اور شاہ عالم نے بی بی مغلی سے غالباً فوراً ہی نکاح ثانی کیا۔

مراۃ سکندری سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود بیگڑہ اس وقت دس سال کے تھے۔ (۶۵) اس لیے شادی کا سال ۸۵۸ قرین قیاس ہوسکتا ہے۔

بی بی مرکی کو احمد آباد کے قریب جام جونہ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ بعد میں اس کا بیٹا شاہ بھیکن بھی وہیں دفن ہوا۔ اس وقت تک بخاری سیدوں کا الگ کوئی قبرستان نہیں تھا۔

جب جام جونہ نے اپنی صاحبزادیوں اور شہزادوں کو گجرات روانہ کیا، اس وقت شہزادوں نے واپس لوٹنے کے بجائے وہیں مستقل قیام کیا اور اپنے رہنے کے لیے "ملك کوٹ" (۳۱) کے نام سے کچی دیواروں کا قلعہ بنوا کر اندر رہنے کے لیے محل تعمیر کروائے۔

جب جام جونہ فوت ہوا تو اس کی لاش سندھ سے لے کر وہاں کا کر دفن کردی۔ اُس کا مقبرہ اس کے نام سے مشہور ہے۔

بی بی مرکی اور شاہ بھیکن بھی اسی مقبرے میں دفن ہوئے۔ اس سلسلے میں مراۃ احمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ:

> "وجام (جونہ) نیکو انجام در آنجا بنیاد قلعه نهاد که ملك گوت، اشتهار داشت... و بر طبق وصیت (قبر) جام مذبور، پایان شیخ (محمد صدیقی سهروردی ملتانی) بفاصله چند ذرع واقع است و قبر بی بی مرکی پهلوی پدر جانب غرب چون مقبره سادات بخاری در آنوقت مقرر نه شده بود، بنا برآن حضرت شاه بیکن قدس سره طرف شرق پهلوی جام مذکور، جد مادری خود، مدفون شدند." (مراۃ احمدی ص۳۶ و تاریخ اولیاء گجرات ابو ظفر ندوی ص ۷۴ ص ۷۵)

یہ کوٹ (کچا قلعہ) قطب پور کے قریب پرانے اساول میں سابر متی دریا کے کنارے پر واقع ہے (مراۃ احمدی ص۳۶) اس کتاب میں ہے کہ احمد آباد کے شمال میں دریا کے کنارے پر واقع ہے۔

> "مرزا فائض الانوار ایشان (شاہ بھیکن) و بی بی مرکی والده ایشان در مقبره جام جونا جد مادری آنحضرت، بر کنار جویبار

سابر جانب جنوبی بلده (احمد آباد) واقع است. سال ولادت و رحلت (شاہ بھیکن) واضح نگشته اما روز عرس ایشان چھار دھم ماہ رجب است، که سکنۂ این جا رفته به فاتح واستفتاح می پردازند۔" (ص۲۶ و تاریخ اولیاء گجرات ابو ظفر ص۵۷ ص۵۸)

بی بی مغلی کے شوہر سلطان محمد کی وفات (۲۰ محرم ۸۵۵ھ) کے بعد پہلے قطب الدین (۴) تخت نشین ہوئے، جنھوں نے بی بی مغلی کے بیٹے فتح خان (محمود بیگڑہ) کو قتل کروانے کی بہت کوشش کی، لیکن شاہ عالم کی پناہ میں ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ قطب الدین کی وفات (۸۶۳) سلطان محمد کے بھائی سلطان داؤد تخت نشین ہوئے، جس کو اسی سال گجراتی امیروں نے معزول کرکے بی بی مغلی کے بیٹے فتح خان کو شاہ عالم کے گھر میں لاکر ۱۷ رجب ۸۶۳ھ (۳۲) کو تخت پر بٹھایا۔

مندرجہ بالا واقعات کی تائید میں درج ذیل عبارتیں ہیں:

"... مولانا محمد صدیقی سهروردی قدس سره در رساله ده حکایت - و - شرایف محمودیه آورده اند که، مولد شریف ایشان ملتان است، در نواحی تته و در لاهور هم تشریف داشته اند... جام جونه که او وپدر او، مرید ومستفید در خدمت شریف بوده، فرمودند: بقایای رسوم جاهلیت از اتباع شما محو نمی گردد. اگر ازین ملک عزم ملک گجرات نماید چنانچه عم ش ما فتح خان صبیۂ خود را به حضرت قطبیۂ (قطب عالم گجراتی) منسوب کرده بود. شما نیز نسبت بنت خویش کنید، نفع حال و مال باشند.

چون آن سعادت مند، گاهی ست از فرمان ایشان نپیچیده بود، سمعاً و طاعةً قبول نمود. پسران خود جام خیر الدین و جام صلاح الدین در خدمت خلف ارشد حضرت شیخ، موسوم شیخ عبدالله، گذاشته باد و صبیه در رکاب ایشان، متوجه

گجرات شد، به خاطر عاطر شیخ بود که دختر اجمل، بی بی مغلی به حباله نکاح حضرت شاهیه (شاه عالم بن قطب عالم) اختصاص یابد، اما به کمال سعی پادشاهزادی سلطان محمد و مشورت امرا و وزرا نظر بر کثرت شوکت و زر و خواهش اینکه، بدین وسیله آسیبی به ملك موروثی او نرسد و هدایا که لازم بود معاف کرد، و به عقد نکاح سلطان محمد بن سلطان احمد دادن و سلطان محمود از و به وجود آمد.
وصبیه دوم موسوم بی بی مرکی به حضرت شاهیه منسوب شدند و از یشان حضرت شاه بیکن و دو دختر متولد شدند چون میل خاطر حضرت شاهیه طرف بی بی مغلی بود، ایشان نیز حسب فرموده حضرت قطبیه، بعد از ارتحال سلطان محمد و همشیره خود، به شرف ازدواج حضرت شاهیه، مباهی شده. و سلطان محمود در زیر سایه گران مایه تربیب یافته... مفصل این مجمل در مراة سکندری مندرج است. حضرت شیخ، به خدمت حضرت شاهیه رسیده استیناس یافتند، و اقتباس انوار نمودند و خلافت بیت الاصل و اجازت گرفتند و به قرب قطب پور در اساول کهنه بر دریای سا بر توطن اختیار کردند. و جام نیکو انجام در آنجا بنیاد قلعه نهاد که ملك گوت (۳۲) اشتهار داشت، و مزار شیخ همانجا بر کنار دریای مذکور است، وبر طبق وصیت، قبر جام مذکور پایان شیخ به فاصله چند ذرع واقع است. و قبر بی بی مرکی پهلوی پدر جانب غرب است. چون مقبره سادات بخاری در آنوقت مقرر نشده بود، بنا بر آن حضرت شاه بیکن... طرف شرق، پهلوی جام مذبور جا مادری خود مدفون شدند. و رحلت شیخ چهار دهم شهر ذی قعد (۸۷۹ھ) رویداده اولاد و احفاد ایشان در ملتان و گجرات باقیست." (۳۴)

اس عبارت کا ترجمہ محبوب ذی المنن تذکرہ اولیای دکن (ج ۲

ص ۹۲۴) میں موجود ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل فقرے خاص ہیں۔ جام جونہ آپ کا مرید و معتقد تھا، اور بنی اعمام کے تنازع کی وجہ سے پریشان و پراگندہ رہتا تھا۔ آپ نے (یعنی مولانا محمد نے) اس سے کہا کہ اگر آپ... منسوب کریں تو آپ کے لیے مفید ہوگا۔

مراۃ احمدی کا ترجمہ ابو ظفر ندوی نے اردو میں کیا ہے، جس کی عبارت یوں ہے: حسب ارشاد اپنی دونوں لڑکیوں کو لے کر گجرات آئے۔ یعنی خود جام جونہ بیٹیوں کو لے کر گجرات آیا۔ (ص ۷۴)

مولانا محمد سہروردی کی وفات کا مہینہ، ترجمہ میں بجائے ذی القعد کے ذی الحجہ لکھا گیا ہے۔ ابو ظفر نے لکھا ہے کہ شیخ نور الدین اور اُس کی اولاد مولانا کے خاندان میں سے ہیں اور علم و تقویٰ میں مشہور ہیں۔ (۷۵ مطبوعہ حمایت الاسلام پریس، لاہور ۱۹۳۳ء)

مراۃ سکندری میں ان شادیوں کا ذکر اس طرح مرقوم ہے:

"بی بی مرکی زوجہ شاہ عالم پناہ، رخت اقامت ازین سرای فانی به جهان جاودانی کشید. شاه عالم پناه بی بی مغلی را اعلان فرمودند که: تا خواهر شما در حیات بود، نسبت محرمیت بما داشتید، الحال لایق آنست که شما از برای خود منزل علیحده اختیار کنید. ازین سخن به غایت حزین خاطر گشت وبا جام فیروز که عم او بود، گفت که اول پدر و مادر مرا به خدمتگاری حضرت شاه قرار داده بوند. سلطان محمد مرا از روی تحکم در حباله نکاح خود در آورد. و آن چنان بود که جام جونه بادشاه سند دو دختر داشت، بی بی مغلی و بی بی مرکی نام بی بی مرکی را سلطان محمد خواستگاری کرده بودند، و بی بی مغلی را بحضرت شاه عالم پناه. چون سلطان محمد آوازه جمال بی بی مغلی را شنید، پیشوایان جام را پاره ای بزور پاره ای به زر راضی به این ساخت که: بی بی مغلی را به سلطان دهد و بی بی مرکی را به شاه عالم پناه. چون این خبر به شاه رسید قصه وار این حقیقت

را به عرض قطب الاقطاب رسانید آنحضرت فرمودند: ”دو تسان دی نصیب هون“ یعنی ای فرزندا نصیب شما در هر دو مقدر است القصه چون حضرت شاه عالم پناه میل خاطر بی بی مغلی براین وجه یافت... بی بی مغلی را در نکاح خود در آوردند بی بی مغلی عاشق وار و کنیزك کردار کمر خدمت بسته، شب و روز ساعی حصول رضای آنحضرت می بود...“ (ص۶۷ تا ۷۱)

۱۸- جام فیروز عم بی بی مغلی:

مراۃ سکندری میں بی بی مغلی کے متعلق مرقوم ہے کہ شاہ عالم کے ساتھ نکاح کرتے وقت اُنھوں نے اپنے چچا سے پوچھا:

”... با جام فیروز که عم او بود گفت که: اول پدر و مادر مرا به خدمتگاری حضرت شاه (عالم) قرار داده بودند. سلطان محمد مرا از روی تحکم در حباله نکاح خود در آورد...“ (۷۷ مطبوعه ۱۸۳۱ء ص۶۶ مطبوعه ۱۸۹۰ء انگریزی ترجمه فضل الله ۸۹ برودا ۱۹۶۱ء۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر الدین جام سکندر شاہ اول (نمبر ۱۰) سما کو جام فتح خان (نمبر ۱۱) اور جام تغلق جونہ (نمبر ۱۲) کے علاوہ تیسرے بیٹے بھی تھے (؟) جس کا بیٹا مذکورہ بالا جام فیروز تھا۔

۱۹- دختر جام فتح خان، جام خیر الدین، جام صلاح الدین:

جیسا کہ اوپر پڑھ چکے ہیں، جام جونہ (نمبر ۱۲) سے پہلے اس کا چچا (؟ بھائی) جام فتح خان (نمبر ۱۱) سید قطب عالم کو اپنی بیٹی دے کر مثال قائم کرچکا تھا۔ مراۃ احمدی میں: عم شما فتح خان - (۳۵) لکھا گیا ہے، مطبوعہ نسخوں میں کتابت اور چھپائی کی بہت سی غلطیاں ہیں، ممکن ہے کہ فتح خان کے بجائے (عم) کے ”برادر شما فتح خان“ ہو، کیونکہ فتح خان جام جونہ کا بھائی تھا، جس کا نسب نامہ میں نمبر گیارہ ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جام فتح خان (نمبر ۱۱) نہ ہو، بلکہ صدر الدین جام سکندر شاہ اول (نمبر ۱۰) کو جام کرن (نمبر ۹) کے ساتھ دوسرے

بھائی فتح خان نامی ہو، جس نے اپنی بیٹی شاہ قطب عالم کو دے کر مثال قائم کی۔

اس بی بی (بنت جام فتح خان) کے نام کا علم نہیں ہوسکا، شاہ قطب کے اہلِ خانہ میں سے ایک کو "جام زادی" لکھا گیا ہے، جس سے شاہ موصوف کو دو بیٹیاں ہوئیں، بی بی فردوس اور بی بی شاہ مریم۔ قوی امکان ہے کہ یہ "جام زادی" جام فتح خان (نمبر ۱۱) کی بیوی ہو۔ (تذکرہ مخدوم جہانیاں از سخاوت میرزا ص۱۲۶ بحوالہ مناقب برہانی ص۸۸)

جام تغلق (نمبر ۱۲) کے دونوں بیٹوں جام خیر الدین اور جام صلاح الدین کے متعلق مراۃ سکندری اور مراۃ احمدی کے مذکورہ بالا حوالوں سے علم ہوتا ہے اور دوسرا کوئی بھی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

۲۰- بنت بہرام خان بادشاہ زادہ سندھ:

سلطان بہادر کے بعد گجرات کے سلطان محمود (نمبر ۱۲) بن لطیف خان بن سلطان مظفر ثانی (نمبر ۷) تخت نشین (۹۴۳ھ) ہوئے۔

اسی سلطان محمود کی والدہ بہرام خان سندھی (؟) کی بیٹی تھی، جس کے متعلق مراۃ سکندری کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"در سنہ ثلث و اربعین و تسعمایۃ سلطان محمود بر تخت سلطنت گجرات جلوس فرمود و دران وقت عمر شریفش بہ سن یازد رسیدہ بود والدہ سلطان، بنت بہرام خان پادشاہزادہ سند بود۔"

از نسل تمیم انصاری رضی اللہ عنہ. (۲۹۹ طبع ۱۸۳۱ء و برود ایڈیشن ۱۹۶۱ء ص۳۲۹)

۲۱- فتح خان بن سلطان نظام الدین و میاں تاج الدین ہمشیرہ فتح خان:

مکلی پر جام نظام الدین والی اراضی میں ایک مقبرہ ہے، جس میں اندر مغرب کی جانب محراب کی سیدھی طرف دیوار میں پتھر کا ایک کتبہ سال ۸۷۸ھ کا نصب ہے، جس کی عبارت یوں ہے:

(۱) ... ... (۳۶)

(۲) ... ہذا المقام للراجی الی [رحمۃ اللہ] تعلی تمہید العمارت بامرتاج الدنیا و

(۳) الدین میاں تاج الدین ہمشیرہ میاں فتح خان
[الف] بن سلطان نظام الدین شاہ جلد
[ب] ملکه و سلطانه فی سنه ثمان و سبعین و ثمان مائة
[ج] در ماہ ربیع الاول روز پنجشنبه (۳۷)

مندرجہ بالا کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز (۱۷) کے علاوہ بھی سلطان نظام الدین (۱۶) کو فتح خان نامی ایک بیٹا تھا۔

وہ فتح خان فیروز سے بڑا تھا اور سال ۸۷۸ھ میں، جس وقت تاج الدین نے یہ مقبرہ اپنی زندگی میں بنوا کر یہ کتبہ لگوایا تھا، وہ زندہ تھا۔

جام فیروز نے اپنے بیٹے فتح خان (نمبر ۱۴) کا نام اپنے اسی فوت شدہ بھائی کے نام پر رکھا تھا۔

تاج الدین نے خود کو اس کتبے میں 'ہمشیر فتح خان' ظاہر کیا ہے۔

ہمشیر یا ہمشیرہ فارسی میں دودھ پینے والے (سوتیلے) بھائی کو کہا جاتا ہے، یعنی رضاعی بھائی، ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہو اور باپ الگ الگ ہوں۔ (Steingass- Faster- Brother)

ہوسکتا ہے کہ تاج الدین کے والد کے انتقال کے بعد جام نظام الدین نے آپ کی والدہ سے شادی کی ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تاج الدین کی والدہ سے نظام الدین نے نکاح نہ کیا ہو، بلکہ فتح خان نے صرف اس عورت کا دودھ پیا ہو۔

تاج الدین کے والد چونکہ غیر معروف ہوں گے، اس لیے اس کا نام نہیں لکھا۔ اپنے آپ کو نظام الدین کا بیٹا نہیں کہہ سکتا تھا، اس لیے وقت کے شہزادے سے ہمشیری کی نسبت کو، اس نے اپنی اہمیت کی بنیاد بنایا۔

مقبرہ اینٹوں کی چہار دیواری کے اندر بنا ہوا ہے، اوپر گنبد بھی اینٹوں کا تھا جس کا درمیانی حصہ گر گیا ہے۔

۲۲- ملک راج پال:

اسی نظام الدین والی اراضی میں ہی ایک دوسرا مقبرہ ہے جس پر درج ذیل عبارت کا کتبہ ہے:

۱- هذا المقام الراجی الی رحمة الله تعالیٰ ملک راج پال بن
۲- ملک انر بن ملک راهو بن ملک رایدهن بن ملک راهو بن فیروز
۳- شاه سلطان الٰهم برد مضجعه و نور قبره و انس و حشه

یہ عبارت آثار قدیمہ والوں کی ہے، اور ان کے قول کے مطابق مقبرہ جس پر یہ کتبہ ہے، نویں صدی کی آخری چوتھائی کا بنا ہوا ہے۔

اس کتبے کی عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملک راج پال سلطان فیروز شاہ جام انڑ اول (نمبر ۱- ۳۷- ۷۵۳ھ) کی اولاد میں سے تھا۔ فیروز شاہ کو صدر الدین جام بابینہ ثانی ۵۳- ۷۶۸ھ (نمبر ۲- الف) اور رکن الدین شاہ جام تماچی (نمبر ۳ الف اور ۵) کے علاوہ تیسرا بیٹا ملک راہو تھا۔ جس کی اولاد نے مَلک کا اعزازی لقب اختیار کیا۔

۲۳- جام بابینہ (۲/الف) جام تماچی (۳/ ا الف جام جونہ (۴):

اس سلسلے میں حاشیہ نمبر (۴-۵-۶-۷) ذہن میں رکھ کر یہ اضافہ شدہ عبارت پڑھنی چاہئے:

ضیاء برنی نے تاریخ کے اختتام پر چنگیزی مغلوں کے حملے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "مغلوں کے حملے، جو اُنھوں نے فیروز شاہ کی سرحد پار کر کے کیے، جن سے گجرات اور ملتان کی حدود میں انتشار پیدا ہوا، اور وہ ناکام ہوئے۔ اس طرح ان کو نقصان ہوا اور ہر بار شکست کھائی۔" (ص ۶۰۱)

عین الملک ماہرو نے، جو فیروز شاہ کے ابتدائی دور میں ملتان کا گورنر تھا، گجرات کے گورنر کو ایک خط لکھا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ حملوں میں ٹھٹہ کے حکمران جام جونہ (۴) اور جام بابینہ (۲/الف) بھی مغلوں کے ساتھ شریک تھے۔ جب مغل اپنے حملوں میں ناکام ہوئے تو اس وقت ان دونوں جاموں نے شیخ صدر الدین سلتانی (متوفی بعد از ۷۶۶ھ) اور شیخ جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کو درمیان میں لاکر، مرکزی حکومت کے ساتھ صلح کی۔

اسی سلسلی میں ملاحظہ ہو عین الملک ماہرو کے مندرجہ ذیل خطوط (خط نمبر ۸ اور ۳۶)

منشات ماہرو کی روشنی میں ڈاکٹر ریاض الاسلام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ واقعہ ۷۶۲ھ- ۱۳۶۰ء تا ۷۶۴ھ-۱۳۶۵ء میں وقوع پذیر ہوا۔ (۳۸) حقیقت کیا ہے، لیکن واقعات کی ایک صورت اس طرح بھی لکھی گئی ہے۔

فیروز شاہ ۷۶۶-۷۶۵ھ میں دلی سے روانہ ہوئے۔ اجودھن، بکھر اور سہون کے راستے سے آکر پانچ ہزار کشتیوں کے ساتھ ٹھٹہ پر پہلا حملہ کیا، جس میں شکست کھاکر "رن کچھ" میں سخت جانی نقصان اٹھاکر گجرات پہنچا۔ (عفیف ۱۴۵-۱۴۹)

۷۶۷ھ میں گجرات میں بڑی تیاریوں کے بعد فیروز نے واپس آکر ٹھٹہ پر دوبارہ حملہ کیا۔ اسی حملے کے دوران مخدوم جہانیاں کو اُچ سے بلوایا گیا، جنھوں نے دونوں مخالفین میں صلح کروائی۔ مخدوم جہانیاں کے آنے کا ذکر ملفوظات میں اس طرح آیا ہے:

"ایشان در تته که بار دوم سلطان مرحوم فیروز شاه به قصد بانبهینه و جام رفتند، حضرت مخدوم قطب عالم نیز برای آوردن جام و بانبهینه رسیده اند، تا اصلاح دهند زیراچه کرت اول که سلطان مذکور مرحوم قصد تته کرده بودند خیلی خرابی مسلمانان شده بود." (۳۹)

مخدوم جہانیاں کے دوسرے ملفوظات "سراج الهدایه" میں یہی بات کرامات کی رنگ آمیزی کے ساتھ اس طرح لکھی گئی ہے:

"حکایت: اندر آنچه سلطان سلاطین فیروز شاه در تته برفت از هردو جانب مردمان گفتند: اسلام روی خرابی آورد! لیکن دست شفاعت بر (؟) سید جلال الدین آورده ایم، اصلاح (به) برکت خاندان رسول (ص۹) خواهد شد.

شب جمعه میان شب، قطب العالم از نماز تهجد فارغ شدند، فرمودند (ند): دستار شیخ رکن الدین بیارید! آوردند در سر بستند، مناجات کرد (ند): خداوندا! جام بهمن (بابینه) بر

پادشاه دهلی برسان! آواز از غیب شنیدند! ما دعای ترا قبول کردیم! بغیر مشقت، ما ایشان را بر پادشاه دهلی آریم!

بامداد شد، این کیفیت بر سلطان فیروز شاہ، ارکان دولت او گفتند، و جمله لشکر شادان گشتند.

وقت چاشت ندا آمد که جام خدمتی بر فیروز شاه آمد بعضی ارکان دولت گفتند بزرگ بهمن (بابینه) است. چون اونیا ید اصلاح نیست!

باز شب سید السادات مشغول شدند، ناگاه میان شب گفتند: کسی از آن بهمن (بابینه) اینجاست! سید قاسم بیدار بود، گفت: نیست! فرمودند تو بیا و هفت بار بگو بهمن بیا! سید قاسم بر حکم اشارت بسید السادات گفت.

بامداد شد. دروازدهم ماه ربیع الاخر بهمن (بابینه) با متعلقان خود آمد و در پای عماد الملك افتاد و وی وقتی خوب، سلطان فیروز شاه را ملاقات کنانید.(۴۰)

مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

۱- پہلی دفعہ ناکام ہوجانے کے بعد، جب فیروز بڑی تیاریاں کرکے دوبارہ واپس آیا تو اس وقت بھی اپنی جواں مردی کے باوجود اہل سندھ پر فتح حاصل نہیں کرسکا۔

۲- جانی نقصان بہت زیادہ ہوا، جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سندھیوں نے جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا، خود بھی مرے اور غیروں کو بھی قتل کیا۔ اُن کی دفاعی توانائی میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا۔

۳- پہلی فارسی عبارت کا حصہ: نیز برای آوردن جام و بابینه رسیده اند یا دوسرے اقتباس میں جو جھاڑ پھونك کے طریقے بیان کئے گئے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ سندھیوں پر سیدھی فتح حاصل کرنا مشکل تھا اور اس حالات کو دیکھ کر مجبوری اور معذوری کے سبب فیروز شاہ نے مخدوم جہانیاں کو اُچ سے بلوایا۔

۴- اس بزرگ نے پہنچتے ہی شاہی لشکر گاہ میں جائے نماز بچھائی،

جن کو ہندی حملہ آور زیر نہیں کرسکے ان کو شکست دینے کے لیے دعاء، تہجد اور مناجات کے تیر و تفنگ استعمال کیے گئے۔

۵۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی مناجات سنی۔
خداوند! جام بھمن بر پادشاہ دھلی برسان! ما دعای ترا قبول کردیم! بغیر مشقت ما ایشان را بر پادشاہ دھلی آریم!

۶۔ جب مخدوم کی طرف سے نوید ملی، اس وقت جملہ لشکر شاداں شدند۔ یعنی خدا خدا کر کے پژ مردہ چہروں پر اس وقت خوشی کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ تھکے ماندہ جسموں میں ایک نئی روح بیدار ہوئی۔ ان کی روحیں جو فنا ہورہی تھیں، ان میں ایک طرح سے دوبارہ جان آگئی۔

۷۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کو تہہ و بالا کرنے کے لیے محمد تغلق کے دور میں جو منصوبہ تیار کیا گیا وہ اِس طرح تیسری لشکر کشی کے بعد فیروز کے دور میں، مخدوم کی کرامات کے سبب 'شاہی فتح و نصرت' کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور یہاں مطہر کڑہ کے قول کے مطابق اِس "جہاد" میں فیروز شاہ نے "معجزہ" (۴۱) دکھایا۔

سندھی حکمرانوں نے تدبر اور فراست سے کام لیا۔ وقت کا تقاضا اور مصلحت اسی میں تھی کہ وہ فیروز کے ساتھ صلح کر کے سندھ کے مسلمانوں کو ناحق کی خونریزی سے بچالیتے۔ اور ہندی مسلمانوں کے بے گناہ خون سے ہاتھ آلودہ نہ کرتے۔ جو محض فیروز کے حرص اور غرور کو پورا کرنے کے لیے اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر سارے ہندوستان کے کونے کونے میں تکلیفیں اٹھاتے، دھول اڑاتے یہاں پہنچے تھے۔ آخر کیا ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا خون ناحق بہا کر عاقبت کے لیے ابدی خجالت اور خسارے کا سبب پیدا کریں۔ آخر صلح ہوئی۔

۱۔ برائے نام دلی کی بالادستی کو تسلیم کرنا پڑا اور نشانی کے طور پر سندھ کے خزانے میں سے کچھ ٹکے مرکز کو ہر سال دینے پڑے۔

۲۔ سندھ کی حکومت بدستور اپنے خاندانوں کے پاس رہی۔

۳۔ ملک کو مصیبت سے بچانے کے لیے اس کو خود تکلیف سہنی پڑی۔

دونوں جام حکمرانوں نے ترک وطن کی صعوبتیں اٹھاکر دلی میں اقامت اختیار کی، جہاں وہ اتنی ہی رقم دلی کے خزانے سے خرچ کرتے رہے، جتنی سندھ سے خراج کے طور پر وصول ہوتی تھی۔ گویا جو کچھ ہوا وہ مصلحت کے لیے اور وقت گذارنے کے لیے غیروں کی بالادستی دلی طور پر قبول نہیں کرسکے۔ غیرت مند قوم اور استقلال پسند ملک آخر کب تک یہ دھبہ اپنے دامن پر لگائے رہتا۔

راء تماچی نے جلد ہی آزادی کا اعلان کردیا۔

سندھیوں کو سیدھی طرح زیر کرنے کی ہمت اس کو نہیں ہوسکی۔ فیروز نے جام جونہ کو روانہ کیا اور ساتھ ہی مخدوم جہانیاں کو بھی روانہ کیا جو اس وقت دلی میں شاہی مہمان تھا اور دلی کی بادشاہت سے اُس کا دنیاوی دوستی کا گہرا تعلق تھا۔

پہلے بھی مخدوم کو درمیان میں لے آئے تھے اور اب بھی ان سے مصالحت کا کام لیا گیا۔

سندھی نیک دل نیک نیت ہیں اور پیروں فقیروں کو حد سے زیادہ مانتے ہیں، چنانچہ ٹھٹہ پہنچ کر نامعلوم عہد و پیمان لے کر جام تماچی کو ساتھ لے کر دلی کی جانب روانہ ہوئے۔ جام جونہ اس کی جگہ پر سندھ کی حکمرانی پر فائز ہوئے۔

ٹھٹہ سے جام تماچی کی روانگی کا واقعہ، سال ۷۷۲ھ کو رجب کے مہینے میں ہوا۔ (جنوری ۱۳۷۱ء) چنانچہ "سراج الہدایہ" میں ہے کہ:

> "باز گشتن سید السادات (مخدوم جہانیان) از مہم تتہ، در سمت حضرت دار الملک دھلی، در ماہ رجب اثنان و سبعین و سبعمائۃ" (۴۲)

۷۶۷ھ سے ۷۷۲ھ تک چھے سال تک سندھ کی سرداری پہلی دفعہ جام تماچی کے سپرد رہی۔

۷۷۲ھ سے لے کر فیروز شاہ کی وفات (۷۹۱ھ) سے چند برس بعد تک جام جونہ کو دوسری دفعہ حکومت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد غیاث الدین کے دور میں جام تماچی نے واپس آکر حکومت کی باگ دوڑ دوبارہ سنبھالی۔ اس کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کے سلسلے میں حماد کی دعا والا واقعہ مشہور ہے۔

حواشی

(۱) مکلی نامہ میں (۱۷) سید محمد جمال کا نام لکھا ہے۔ در حقیقت غلطی سے سید محمد جلال کے بجائے، ان کے بھائی محمد جمال کا نام متن میں شامل ہے۔

(۲) تحفۃ الکرام ص ۱۸۴۔

(۳) مقالات ص ۱۷۸۔

(۴) وفات کا سال (من اتی اللّٰہ بقلب سلیم) سے نکلتا ہے۔

(۵) تحفۃ الکرام ۱۸۲-۳۔

(۶) ان ابیات میں سے ایک، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنی کتاب "سندھی بولی جی تاریخ" میں حدیقۃ الاولیاء سے نقل کر کے (۱۰۴) دیا ہے۔

(۷) تفصیل دیکھیں تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۸۲-۱۸۳۔

(۸) جام تماچی نے یہ رقم ۹۲-۷۹۳ھ کے قریب دی اور اس کے بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ہو گی۔ (دیکھیں سمون کا شجرہ اور اس پر نوٹ نمبر ۷)

(۹) تذکرہ میں یہ شعر "سیر العارفین" کے مصنف شیخ جمالی دہلوی کے نام منسوب ہے۔ دیکھیں ریاض الشعرا (والہ داغستانی، قلمی تحت جمالی)

(۱۰) دیکھیں سمون کا شجرہ اور اس پر نوٹ نمبر ۷۔

(۱۱) تحفۃ الکرام ص ۵۲۔

(۱۲) تحفۃ الکرام ص ۲۱۶۔

(۱۳) معصومی ص ۷۴۔

(۱۴) ظفر الوالہ ۱۳۸۔

(۱۵) فان المغل لما دخلوا السند به طمعوا فی الملك فاحتالوا علی وزیرہ دریا خان و کان وجودہ به وفی الفرصة قتلوہ غدرا وما بالوابه۔ ص ۱۳۸۔

(۱٦) معصومی ص ۷۰ ماثر رحیمی ج ۲ ب ۲۷۳۔
(۱۷) معصومی ص ۷۴
(۱۸) ماثر رحیمی ج ۲ ص ۲۷۳۔
(۱۹) معصومی ص ۷۵۔
(۲۰) رحیمی ج ۲ ص ۲۷۳۔
(۲۱) رحیمی جص ۲ ص ۲۷۴۔
(۲۲) دیکھیں: **BURGESS: The Muhammadan Architecture of Gujarat 3 Vol. 1896-1903-1905.**
(۲۳) اس رشتے داری کی صورتحال، سمہ خاندان کے شجرے اور اس پر لکھے ہوئے حاشیے میں دیکھنا چاہیے۔
(۲۴) یہ کتبہ حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔
(۲۵) دریا خان کا اصلی نام قبولیو تھا اور وہ جام نظام الدین کے دیوان لکھمیر (لکھدیر- لکھسیں) کے غلام تھے، بعد میں جام نظام الدین اُنھیں اپنے ہاں لے آیا۔
(۲٦) یہ اشارہ اسی فتح کی طرف ہے، جو دریا خان دولہا کو ارغونوں پر بقول فرشتہ سال ۸۹۵ھ (طبقات اکبری ج ۳ ص ۵۱۷) حاصل ہوئی۔ اس جنگ میں شاہ بیگ ارغون کے بھائی سلطان محمد قتل ہوئے اور قندھار اور ہرات کے مغلیہ لشکر کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ دریا خان نے دوبارہ سیوی پر قبضہ کیا۔
میر معصوم نے نقامی جنگ کا نام 'جلوہ گیر' لکھا ہے۔ جو در اصل 'جلوہ گیر" ہے اور درہ بولان میں بی بی نانی کے قریب ہے۔ دریا خان جام نظام الدین کے منہ بولے بیٹے تھے، اس لیے کتبہ میں جام نظام الدین کا بیٹا دکھلایا گیا ہے۔
(۲۷) سلطان مظفر ثانی- ولادت: سورج نکلنے کے وقت، بروز بدھ، ٦ رمضان ۸۸۰ھ
تخت: نمازِ جمعہ کے وقت ۷ رمضان ۹۱۷ھ
وفات: جمعہ ۲۲ جمادی الثانی ۹۳۲ھ
(۲۸) معصومی ۱۱۹- طبقات اکبری ج ۳- ص ۳۱۰۔

(۲۹) بی بی رانی نے وفات کے وقت سکندر کو اپنے معتمد غلام، خوش قدم (عماد الملک) کے حوالہ کیا۔ ان کی تخت نشینی کے بعد خوش قدم کو وزارت نہ ملی، اس لیے دو مہینے اور ۱۸ دن کے بعد اُنھوں نے سکندر کو قتل کرکے اس کے بھائی محمود کو حکمران بنایا۔ چند ماہ بعد اُنھیں بھی معزول کرکے ان کے دوسرے بھائی بہادر خان، جو فیروز بن جام نندہ کا داماد تھا، حکمران بنایا۔ (سکندر کے سلسلے میں دیکھئے مراۃ سکندری ۲۰۹-۲۱۳-۲۱۸-۲۲۴)

(۳۰) شاید بڈھہ ان کا عرف تھا۔

(۳۱) سلک گوٹ (مراۃ احمدی بمبئی ص۳۶)

(۳۲) مراۃ سکندری یک شنبہ شعبان ۸۶۳ھ عمر تیرہ سال (ص ۷۱ ص ۷۲)

(۳۳) مراۃ احمدی برودا ایڈیشن ص۷۵ لکر کوٹ (؟) یعنی نیم گز۔

(۳۴) مراۃ احمدی بمبئی ۱۳۰۷ھ ص۳۶ ج ۲ برودا ایڈیشن ص۵۶۔

(۳۵) مراۃ احمدی ج ۲ ص۳۶ طبع بمبئی ۱۳۰۶ھ و برودا ایڈیشن- ۱۹۳۰ء خاتمہ مراۃ احمدی ص۵۶۔

(۳۶) نقطوں والی جگہ پر عربی عبارت ہے۔

(۳۷) ب اور ج والی لائنوں کی عبارت صاف نہیں ہے۔ (مذکورہ عبارت محکمہ آثارِ قدیمہ کی ہے۔)

(۳۸) اسلامک کلچر، اکتوبر ۱۹۴۸ء۔

(۳۹) محمد ایوب قادری نے سوانح جہانیاں جہاں گشت میں یہ اقتباس "مناقب مخدوم جہانیاں" ورق ۱۷۰- (مجلس ۵۹) میں دیا ہے۔ ص ۱۴۱- وہی اقتباس ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب نے بھی دیا ہے۔ (اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۴۸ء)

(۴۰) اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۴۸ء- یہ اقتباس ڈاکٹر ریاض الاسلام نے اپنے مضمون میں دیا ہے۔

(۴۱) ملاحظہ ہو مطہر کڑہ کا قصیدہ- دیدی کہ شہ......

(۴۲) اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۴۸ء بحوالہ سراج الهدایہ- وہی اقتباس محمد ایوب قادری نے سوانح مخدوم جہانیاں میں دیا ہے۔
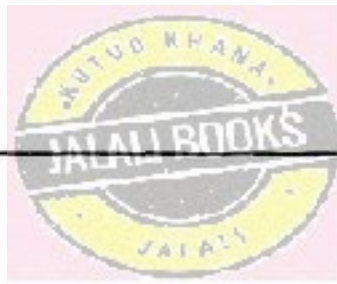
باب ۴

منشآت ماہرو کے متعلقہ خطوط

ذیل میں "منشات ماہرو" سے عین الملک عین الدین عبداللہ بن ماہرو کے وہی خطوط (۱) دئے جاتے ہیں، جن کا تعلق فیروز شاہ تغلق، جام بابینہ، جام جونہ اور جام تماچی کے دور سے ہے۔ خطوط کی پوری عبارت دی گئی ہے، تاکہ وقت ضرورت صاحب تحقیق کو خط کے پورے مطلب سے آگاہی حاصل ہو۔

ہم ہر ایک خط کے فارسی متن کے ساتھ چند سطور میں خط کا مطلب بھی سندھی میں شامل کررہے ہیں۔

خط نمبر — ۱

یہ فیروز شاہ کا فرمان ہے، جس کے ذریعے اس نے اپنے بیٹے ناصر الدین فتح خان(۲) کو سندھ کا ملک سپرد کرتے ہوئے، وہاں کے باشندوں کو اطاعت کی ہدایت کے ساتھ فتح خان کو عدل و انصاف کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

این منشور به جهت تفویض اقلیم سند بر مجلس عالی خان اعظم و خاقان معظم همایون فتح خان- لازوال عالیاً وعلی الکرام والیاً- صادر شده.

الله اعلی و حمد اولی. چون مالك الملك تعالیٰ و تقدس که منشور جلال او بتوقیع- توتی الملك من تنشاء- موشح و محلی و فرمان واجب الامتثال او بطغراء غراء- بیده ملکوت کل شئ- مزین و مجلی است، تاج جهان بانی بر فرق همایون مان هاد،

وتیغ کشور ستانی که مؤید به تائید آسمانی ست، به قبضه اقتدار ما داد، وما را از جمیع مکنونات و جمهور موجودات بر گزید، ورقم. السطان ظل الله یاوی اله کل ملهوف. بر صفحات روزگار ماکشید، و به صفت نصفت و سیرت معدلت موفق گردانید، و برای ایتمار او امر ما، ندای - واطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم- به گوش هوش عالیمان رسانید- و مورد انصاف مارا از شائبه جور و اعتساف مصفی کرد، و قصیده دولت مارا به شاه بیت کرم مقفی گردانید، تا برای استدامت این کرم موفور و استقامت این نعم تا محصور زبان به حلیه حمد محلی می داریم، شکر حق و حق شکر که از قوت بشری بیرون و از طاقت انسانی افزون است، به قدر استطاعت بجا می آریم و بر وعدهٔ- لئن شکرتم لازیدنکم - ومیعاد - الشاکر یستحق المزید - ازدیاد نعم را منتظر و مترقب می باشیم. و بر صحائف حسن نیت و صفائح نقاء طویت نقش- الشفقه علی خلق الله- می نگاریم و چنان می خواهیم از کافة رعایا و عامه برایا که در ظل ظلیل رافت ما آسوده، و اهل بغی و فساد و ظلم و عناد به پایمال دمارستوه گردند. تا مطیع و عاصی و اذناب و نواصی و دانی وقاصی بر حسب کردار بر سنت کردار جزای اعمال خود یابند- ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلها - بدین موجب رغبت نیکوکاران بر اطاعت و فرمان برداری و مطاوعت نیکوکاری می افزاید، و بدکرداران، از پاس سیاست پادشاهان ما، اعتبار و انتباه و اندحار و انزجار حاصل می آید و چون این قوانین که معهد ارکان جهانداری و موکد بنیان شهر یاریست، استمرار یابد. بلاد و امصار قری به تضاعف عمارت پذیرد و جهان نضارت و طراوت روضه رضوان گیرد، وهمه همت پادشاهانه و نهمت خسروانه ما، بران مقصود و مصروف

است که، در اقطار و انحاء و اکناف و ارجاء، صیت عدل و احسان ما، شایع و مستفیض شود.

الحق چهرهٔ این مراد جز به آیینهٔ معاونت فرزندان شایسته- که سرمایهٔ لطف الٰهی و واسطه عقد پادشاهی اند- جمال ننماید. بر سوابق این مقدمات اقلیم ولایت سند که اعظم بلادست به فرزندی که- اکرمو اولادکم- ونور حدقهٔ پادشاهی و نور حدیقهٔ شاهنشاهی و دره تاج سلطنت و غره جبهٔ مملکت وساعد ملك و ملت و بازوی دین و دولت- اعنی ناصر الحق والدین الموید من السماء المظفر علی صفوف الاعداء اعظم همایون فتح خان لا زال عالیاً وعلی الکرام والیاً- مفوض فرمودیم- و زمام حل و عقد و عزل و نصب و قبض و بسط و منع و اعطاء به قبضه شهامت و بنان حزامت او سپردیم. و بر سبیل تذکار وصیت می فرمائیم تا: در عنفوان شباب و ریعان عیش اسباب و غلوای سلطنت و تائید مملکت چون در کمال قدرت خود نظر کند، از عجزی که مستلزم به نیت انسانی است یادگیرد، و خوف و خشیت باری جل و علی نصب عین خود دارد، و تقوی و پرهیزگاری و حسن معامله و نیکوکاری، شعار ایام دولت و دثار اعوام حشمت خود سازد. و امارت دنیا که دولت فانی است، دران حسن عمل چنان پیش گیرد که بدان وسیلت به نعیم ملك جاودانی که- واذا رایت ثم رایت نعیما و ملکا کبیرا- صفت اوست برسد، و قلم تقدیر بر منشور نهاد او توقیع - اهل المعروف فی الدنیا اهل المعروف فی الآخرة- کشد. و در تعمیر بلاد و ترفیه عباد واعانت در باره عموم رعایای خراج گزار و عنایت به جمهور برایای فرمان بردار، بذل مجهود و مصروف دارد، و دقیقه ای از دقایق این کار فرو نگذارد. و اقتنای تقوی و نیکوکاری و ادخار ثنای جمیل و پرهیزگاری زاد معنی داند و آثار- التعظیم لامر الله هی

الشفقتة علی خلق الله- که اخلاق عالم ازان روشن و گیتی از انوار آن مزین گردد، از مساعی مشکوره ظاهر گرداند. وسر معنی- کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته- بگوش هوش خود و امرای ولایت که به جناب عالی نسبت فرزندی دارند، امروز فرود خواند تا فردا از تبعه ندامت وعتبه ملامت مصئون مانده، عدل و احسان و فضل و امتنان، که نیکنامی دنیا بدان منوط و رستگاری آخرت بدان مربوط است، فرض عین و عین فرض شمرد. چه مر ولاة را هیچ عبادتی ستوده تر، از عدل و احسان، و هیچ سیرتی پسندیده تر از فضل و احسان نیست. زیراکه، نصب اصحاب امت برای آن است که، فوائد و عوائد مساعی جمیل ایشان، به همگنان از وجیع و شریف و قوی وضعیف برسد. و این نوع تعذری تمام دارد و بی واسطه این خصال حمیده دست ندهد. چنانچه در باب رعایت رعایا اندر ز فرموده، هم درباره طبقات حشم و طوائف خدم که حماه جنح ملك و ملت و حفظ بیضه دین و دولت اند، زیادت وصیت می فرمائیم، که ذات ملك بدین دو پای قویم و مستقیم است- لا ملك الا بالعکسرو لاعسکر الا بالمال ولا مال الا بالرعیة ولا رعیة الا بالعدل والسیاسة- وتکریم اولاد رسول و تفخیم احفاد بتول، که از سادات عادات، عادات سادات است، سعادت عظمیٰ و دولت کبریٰ تصور کند. و این ذریعه را برای شفاعت سید البشر و شفیع روز محشر، سبب قوی و موجبی منجی داند، و نقش مودت ایشان بنگار- الا المودة فی القربیٰ- بر صحفه حسن نیت و صحیفه نقای طویت نگارد، و آن را سعادت دارین پندارد، و چنان باید که علما که ورثۂ انبیاء و حمله علوم انبیا و امانی خدا و اصفیای مصطفی اند، به عین عنایت و فرخ رعایت او ملحوظ و محفوظ باشند. و به خاك پای مشائخ و صلحاء که، اقطاب دین و اوتاد

زمین و اصحاب عزیمت و ارباب طریقت اند، و از عالم ناسوت به ملك لاهوت ترقی نموده، و از مقامات مجاهده به انس مشاهده رسیده تبرك نماید و در ترفیه حال و تطبیب مال و توسیع ارزاق هر یك ازین طبقه کرام، که بهترین انام اند، انفاق تیسر و توفر فرماید، و تفضیل اهل غزو و جهاد که فضیلت ایشان به فحوای - فضل الله المجاهدین باموالهم وانفسهم علی القاعدین درجة- معلوم و مقرر و مفهوم و مصور است، بر سنت الٰهی به تقدیم برساند. واعطای ارزاق مقاتلان و ذراری ایشان، که در بیت خراج اهل و انصار جمیع طبقات را به تیغ جهان کشای کفیل اند، و دیار اسلام به حمایت اینان محمی و مصئون و تغور، واماکن بعیده به پاس ایشان مامون است، اهم داند، چه تیره شب حوادث صبح مراد از تجلی انوار تیغ اینان یافت. و رای را بر شجاعت مقدم داند. شعر:

الرأی قبل شجاعة الشجعان

هو اول وهی المحل الثانی

واگر خصم چیره رای به مهاونه پیش آید، تقبل آن به قول- وان جنحوا للسلم فاجنح لها- کند و درین، خود راتهاون و اذلال نداند. وبذل و اعطاء و جود و سخا بر مقتضای بیت:

نه بذلی، که طوفان بر آرد زمال

نه صرفی، که تنگی در آرد به حال

از صرفهٔ تفریط افراط اجتناب نماید. وسوی منهج- خیر الامور اوسطها گراید. قال عزمن قال- والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلك قواما- وترجیح موازین جمع بر مقادیر خرج مصلحت داند، تا کار ملك بر او آسان شود. و اگر چیزی ذخیره کند به نیت نوائب و انتظام جمهور روا باشد. و در حلم و عفو که، طریقهٔ ستودهٔ انبیاء ست، باقصی الغایة ابعد لنهلیه بکو شد، تادر زمرهٔ- والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس-

پیشوا و انگشت نما گردد. اما بر نهجی که جهت صلابت نامرعی نماند، کما قال الله تعالیٰ:- ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله- وکما قال الشاعر:

لا خیر فی حلم اذا یکن له
بوادر یحمی صفوة ان یکدرا

ودر حد فرمان سیاست، از هواجس نفسانی و نزغات شیطانی، محترز و مجتنب باشد، و جان آدمی که در ثمین و علق مرضیه است، و جز از دریای ایجاد و تکوین حضرت رب العالمین بیرون نیاید، از هلك و تلف مصئون و محروس شناسد. و در زمان فوران سخط و غضب، چیزی که تلافی، و عوض آن، در زمان رضا از حیز قدرت بشری و امکان طاقت انسانی بیرون باشد، نه شتابد، و باز باین همه طائفه که به بغی و طغیان و تمرد و عصیان تمادی نمایند، در قمع و قلع ایشان صلاح دین و دولت و خیر ملك و ملت تصور کند و در کسر قوت و منعت ایشان بر مقتضای آنکه بیت:

مخالفان تو، موران بدند، مارشدند
برآور از سر موران مار گشت دمار
مده زمار نشان، پیش روزگار میر
که اژدها شود، از روزگار، آخر مار

مبادرت نماید. و اگر مجرمی جانی و مذنبی خاطی به اهمال و اعتذار و اذیال استغفار تشبث و تمسك کند، بر حسب آنکه- بیت:

چون به گنه معترف آید کسی
عفو نکو تر ز سیاست بسی

امان و عفو خود را، بر قبضه زمام شرع نگاهبان و پاسبان ایشان دارد. و زمام کاردیوان وزارت بر دست کفاة وزراء که به رزانت رای مشهور و متانت عقل مشکل کشای مذکور و

به امانت مشار الیه و به دیانت متفق علیه باشند، به سپارد، تا عروس مراد از آئینه مطلوب جمال نماید. چه جمع اموال به ادخار نیکنامی بی واسطه محاسن تدبیر کفاة وزراء که به حلیت امانت و کفایت مجلی و نیز در دیانت و صیانت متجلی باشند، دست ندهد. مع ذلك، چون بدین جمله نصب فرموده باشد استطلاع احوال ایشان در ذمه همت واجب و لازم داند، تا از هر که امانت و کفایت و صیانت احوال بی خیانت و پرورش رعایا وصیت نیکنامی محسوس و مکشوف شود، او را به مزیت انعام محفوظ و به وفور عواطف و مکارم و فرط عوارف و مراحم محفوف دارد، و عنان عنایت بر صوب او معطوف گرداند. و از طبقه ای که خیانت و مداهنت و تخریب بلاد و تعذیب عباد معاینه افتد، در صرف و عزل آن تانی جائز ندارد، و بر اندازۂ جرایم ایشان تبکیت و تعریك نماید، تا همگنان بر منهج راست کاری و سداد و جاده کوتاه دستی و رشاد به رغبت استقامت کنند و از خیانت و عدوان به سوی امانت وانابت گرایند و دهاقین بزرگان راکه، جمله ارزاق بنی آدم اند بر قضیه- التمسوا الرزاق من خبایا الارض- از بدکار و ستیز کار متغلبه محفوظ دارد، و به اصحاب دیوان خود بفرماید تا مال معامله به حسن مجامله به وقت بستانند، ومی فرمائیم تا در امور عظام که در حیز مشیت باشد، با خردمندان کار دیده و در خور عواقب امور به تجارب ایام رسیده مشورت کند، و این را به مقتضای- وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله- مبارك تصور فرماید. بیت:

هر که، در واقعات، با عقلا
نکند مشورت به صدق و سداد
گرچه رایش، چو خور بود روشن
ننماید رهش به سوی مراد

و طایفه ای را که در موقف خدمت، به حسن اخلاص و عبودیت قیام نمایند، به عین رافت و نظر شفقت مرموق دارد، و مکافات خدمت ایشان را از لطف فرو نگذارد. و به آنان که به خلمتی استمرار نمایند و از اصرار به سوی اعتذار نه گرایند به تبعیت و معیت با خود نگرداند چه در نهاد ملك هیچ چیزی قادح تر ازین نیست، که یکی در نیك خدمتی قیام و رزد و او از لطائف مرحمت محروم ماند. و دیگری در بد خدمتی مصر و مستبد باشد و تدارك آں بدونرسد. بیت:

هر کجا داغ بایدش فرمود
چون تو مرهم نهی، ندارد سود

سبیل امراء و کبراء و رایان وراجگان و مقدمان و سایر سکان اقلیم سند آنکه: برین مرحمت که در باب ایشان مبذول فرمودیم، و این اقطاع را به ایالت آن فرزند مخصوص گردانیدیم، شفقت کمال دانند. و بدین موجب به دعاء دولت قاهره- ثبت الله ارکانها و مهد بنیانا- ثبات نماید. و مثال این فرزند زا مماثل فرمان ما دانند، تابه اجمال و ارضا مخصوص گردند، به مشیت الله تعالیٰ و عونه.

خط نمبر — ۸

یہ خط ملتان کے گورنر کا ہے، جو اس نے ٹھٹہ میں ہونے والی تحریک آزادی کو ناکام کرنے کے لیے ایک شخص کو فوج کا سپہ سالار مقرر کرکے بطور ہدایات لکھا ہے۔ اس تحریک میں ٹھٹہ کے قوم پرستوں کی امداد مغل کررہے تھے، جن کو ختم کرنے کی ہدایت بھی تاکید کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

سپہ سالار کا نام خط میں دیا ہوا تو نہیں ہے، مگر فلاں ابن فلاں لکھا ہوا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ والا نسخہ جس کی یہ نقل ہے، اس میں بھی نام نہیں تھا۔

اس خط کے ساتھ مذکورہ بالا حاشیہ (نمبر ۲۳) پڑھنا چاہیے۔
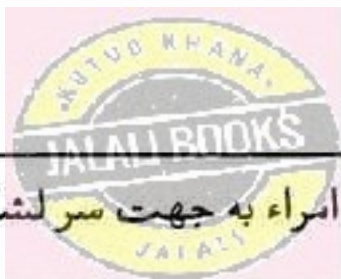
این مثال به یکی از امراء به جهت سر لشکری اقلیم سند در قلم آمد.

چون خداوند عالم، پادشاه بنی آدم، محیی مراسم دین مظهر معالم صدق و یقین، سلطان السلاطین، ظل الله فی العالمین، عضد الخلافة، ناصب العدل والرأفه، المويد من السماء، المظفر علی صفوف الاعداء، الحامی لبلاد الله، الراعی لعبادالله، مالك رقاب الامم، سولی الجود والکرم. شعر:

له هم لا منتهی لکبارها

وهمته الصغری اجل من الدهر

خلد الله ملکه و سلطانه، و اعلی امره و شانه، بنده پیر قدیم خود را از میان بندگان برگزید و رقم اختصاص بر ناصیه اخلاص این بنده کشید، و محسود اقران و مغبوط احوان گردانیده، انواع اصطناع و اصناف الطاف، در بارۀ دعا گوئی قدیم خود ارزانی داشت، و بر علم حسن بندگی کتابه حسن قبول نگاشت، و عرصۀ ملتان صانها الله عن الحادثات از کوه جودی تا شط دریای، که آن جا باشد وبا بحر مجتمع است، بدین بنده استقامت یافت. و حل و عقد و قبض و بسط و منع واعطاء وعزل و نصب به صواب دید بنده مفوض فرمود و کرات و مرات علی اختلاف الزمان والمكان بر زبان مبارك رانده که: در عرصه ممالك طویل و بسیط، به هر زمان به جوانب و اطراف آن، جز بندگان مخلص، که بر مزاج مبارك ما واقف و عارف باشند، و به کاردانی لشکر کشی معروف و موصوف بودند، پای کسی نتوان رسید. بنا بر این بنده قدیم خود را دران عرصه فرستاد و از راه اعتماد زمام اذن مطلق بدست بنده داد و فرمود: ما هر چه در حضرت می کنم او در عرصه ملتان واقتفاء آن امور به تقدیم رساند، و خود را درین امر جزیل ماذون و مامور داند. علی الخصوص در بار عام بدو این فرمان دادیم که: هر چه بنده

پیر قدیم کند، آن کرده ما دانندا و دران زیادت و کم نکنندا و ابواب منازعت و مناقشت مسدود دارندا

و چون، ادای شکر این نعم و سپاس آن کرم، از طاقت بشری و قدرت انسانی بیرون بود، دل را به هوای دولت خواهی، و زبان را به ذکر ثنا سرائی، و جوارح را برای انتظام امور دین و دولت، والتیام مصالح ملك و ملت، مشغوف گردانیم. شعر:

أفادتكم النعأ مني ثلاثة

يدى ولسانى والضمير المحجبا

ودر محامات حوزة اسلام و ممالات بيضهٔ انام واستيصال ارباب ضلالت و تدمیر اصحاب جهالت، وقلع کفار و قمع فجار، و قهر بغاة و قتل طغاة، و طرف اهالی فساد، و دفع اعوان حقد و عناد، و تقويت انصار دين هدئ و تمشیت امور شریعت مصطفی (صلی الله علیه وسلم) بذل مجهود باقصی الغایته وابعد النهایته به تقدیم رسانیدم.

بر حسب این فلان بن فلان سر لشکر فرد به آن دیار گردانیده شد و لشکرها برای دفع تشویش مغل و حسم مواد فساد بغاة تته نامزد او فرموده ایم. هر گاه بوقت مراجعت طلبند، عسکر مذکور با سران وعدت و ابهت جهاد بدو پیوندد. واعلام رفت تا او حزم را رعایت کند، و در محاربت اسالیب تحفظ و اقائین تیقط مرعی دارد، و هر گاه که او بحرب متصدی شود، توکل را مقتدا و التجاء بحضرت خدا پیشوای خود سازد. و در کار غزوه و جهاد نظر اوبر نصرت دین باشد، تا مظفر و منصور و موید و مسرور گردد- ان تنصروا الله ینصرکم و یثبت اقدامکم- و عجب و غرور را ممنوع و مخطور شناسد. چه هیچ چیز قادح تر از عجب نیست، کما قال عزمن قائل: لقد نصرکم الله فی مواطن کثیرة ویوم حنین اذ اعجبکم کثرتکم.

بیت:

مبادا کس، بروز خویش مغرورا!
که مغروری، کلاہ از سر کند دور

وچون بہ عون حق و قدرت قادر مطلق، بہ ظفر دست یا بد و خصم او از پیش بتابد، راہ گریز او بستہ نگرداند، و این مثنوی را نصب عین داند. بیت:

چو فیروز گشتی، مشو در ستیز
مکن بستہ بر خصم، راہ گریز

ھذا ما عھدنا علیك و فوضنا الامر الیك آثارنا واللہ الموفق المسداد والھادی الی الرشاد.

خط نمبر – ۴۶

یہ خط عین الملك ماہرو نے ملك ملوك الشرق، افتخار الملك فرید الدین صاحب دیوان استیفاء کی طرف لکھا ہے۔

ماہرو نے اُنھیں لکھا ہے کہ: ہمیر دودو آپ کی شفقت کا پر وردہ ہے۔ فسادی اور باغی (جام) بابینہ کو ختم کرنے کے لیے اسے مقرر کیا جائے۔ بابینہ ایك دفعہ مغلوں کا ہجوم ساتھ لے کر پنجاب کے علاقے میں لوٹ مار کرنے آیا تھا۔ ملتان کی فوج نے اس پر حملہ کرکے اسے ملك سے بھگادیا۔ گجرات میں بھی اس نے کئی دفعہ لوٹ مار کی ہے، جس سے آپ واقف ہیں۔ ہمیر دودو کی سفارش حاك، گجرات رکن الدین امیر حسن کے لیے بھی کی گئی ہے، عین الملك نے امید ظاہر کی ہے کہ ہمیر دودو اس مہم کو نہایت عمدگی سے پورا کرے گا اور بابینہ کے "فساد" سے ملتان اور گجرات کے صوبوں کو "پاك" کردے گا۔

خط کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے: معلوم ہوتا ہے ہمیر دودو سومرہ کی شاہی اولاد میں سے تھا۔ سما خاندان کے قبضے کے بعد وہ سندھ سے باہر چلا گیا تھا۔ جب بابینہ نے دلی کی بالادستی سے سندھ کو نجات دلانے کے لیے کوششیں شروع کیں اور مختلف صوبوں پر حملہ کرکے سلطنت کو پریشان کیا، اس وقت عین الملك نے سندھ ہی کے ایك فرد

کو ان کے مقابلے میں لا کر بابینہ کی قوت اور تحریک کو ختم کرنا چاہا، تو اُنھوں نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کو مدنظر رکھا۔

بابینہ کی اس تحریک کا مندرجہ بالا حاشیہ میں زیادہ ذکر آچکا ہے:

این مکتوب بجانب ملک الشرق افتخار الملك صاحب دیوان استیفاء (۳) ممالك در قلم آمد. تا اعانت و اغاثت زمینداران که به حلیه اطاعت و مطاوعت متوشح بوده اند. و از دست تغلب زبردستان، چون بنات النعش در اطراف جهان متفرق و پراگنده گشته، در جمیع ادیان محمود خواهد بود. و قلع استیصال دعار نا بکار- که فساد را شعار و تهیج فتنه را، دثار خود ساخته - نزدیك وضیع و شریف و قوی و ضعیف مستحسن خواهد نمود - ذات ملك صفات، خداوند ملك ملوك الشرق والوزراء، افتخار الملك، قالع الکفرة، قامع الفجرة، ناصر الموحدین، کاسر المفسدین، قاتل البغاة، قاطع الطغاة، حامی ارباب الصلاح، ماحی اولاد السفاح، صاحب السیف والقلم، والی العلم والعلم، رافع رایات العدل والاحسان، ناصب آیات الفضل والامنان، فرید الدولته والدین، صاحب دیوان استیفاء ممالك - که مستجمع معالی سابقه است- به موالات اولیاء دین و معادات احزاب شیاطین موید و موبد باد. بحق من قال:- وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان- بنده درگاه عین ماهرو که عین اعتقاد او به کحل ترفیه عباد و تعمیر بلاد مکحول است، عین خدمت و عبودیت در مورد اخلاص جاری گردانید و نمود که نهال وجود همیر دودا- که از تند باد حوادث ذبول یافته بود— به زلال شفقت خداوندی ملك ملوك الشرق آغاز نشو و نما گرفته، متوقع آنکه به فیضان رافت آن مجلس مشمرو برومند گردد.

بیت:

نهالی، کان بدست خود، نشانی
همیشه، می ده آبی، تا توانی،
اگر آبش دهی، پیوسته ماند،
وگر، ترکش کنی، سر بسته ماند

غرض از ترتیب این مقدمات آن ست، همگنان را روشن و مبرهن است که: بانبهینه(؟) علم فساد و بغی به عیوق رسانیده است و از قبلۀ اطاعت روی گردانیده و تخریب بلاد و در آوردن مغل عادت ساخته و دین ونفس خود را به دین هوا در باخته. چنانچه یك کرت باهجوم مغل در ولایت وسیعۀ پنجاب در آمده بود، چون از عون حق، دستبردی از لشکر ملتان برو رسیده، پای کشان بگریخت و آبروی مردانگی و جلادت در ساحت فرار بریخت. و این معنی پیش ازین به بندگی ملك الشرق باز نموده شده است. و در ولایت گجرات بعد ازان و پیش ازا چند کرت تعرض رسانیده آن حال به خدمت مولوی؟ پوشیده نیست برای قلع و قمع آن مدبر (؟) فضول– که در بغی و فساد اصل الاصول است– حسن اهتمام حضرت اعلیٰ– در طرفیه حال و استقامت کار– به همیر دودا مبذول شده است. و بشرف مراتب و تعین اختصاص یافته. و سر همه مرحمت ها آنکه، از اتفاقات حسنه، سپارش او بملك الامراء رکن الدولته والدین امیر حسن دام علوه شده است. و آن ازین جهت است که عرصه گجرات مفوض به خدمت خداوندی ملك ملوك الشرق است. و ملك رکن الحق والدین حسن برادر کهتر و پروردۀ کرم خداوندی ملك الشرقی است، در حضرت اعلیٰ و جاهت و جلالت از ذات با عظمت ملك ملوك الشرقی یافته و بوقت سپارش از حضرت اعلیٰ مرحمت هم برین جمله دربارۀ خداوند ملك ملوك الشرقی می شد. چون این کار برین منوال ترتیب و استقامت از حضرت خدایگان یافته است، مرحمت و شفقت آن مجلس بدین اندازه

در حق ملك ركن الدين حسن منتظم شده.

بنده درگاه منتظر است، تا آن کار از دست او، به حسن ترتیب خداوندی ملك ملوك الشرق بر آید، و جمال کار آن مجلس بر آید. و در ضمن آن استقامت همیر دودا که مطلوب درگاه اعلیٰ است، دست دهد، و ساهت هر دو عرصه یکی ملتان و دوم گجرات از خبث فساد بانبهینه (۵) پاك گردد، و الا کدام عار ایشان ازین بالاتر است که، مشتی رساتیق مردود ملتان هر بار در دیار اسلام، کفار را در آرند رعایا و ذمیان دارالاسلام را به نهب و تاراج اسیر کنند و ببرند.

امید که، از عون و عنایت الٰهی و اقبال کامگار خدایگان آن است که، خداوند ملك ملوك الشرق ترتیب این کار چنان خواهد فرمود، که بر روی روزگار یادگار ماند بران مزید نتواند بود- زیرا که این بابنهینه (۲) مفسد هر بار مقدمان گجرات را تغلب می کند و اسیر می گرداند و کرگان به قهر و عتوت می ستاند و انفت گجراتیان که- اخترت النار لا العار- اختیار کنند اظهر من الشمس است، اما معونت و مظاهرت می طلبند. اگر خدمت ملك الشرقی ایشان را تحریض فرمایند که: شما اهل گجراتید و جان بازی را بار می دانید و بدان مباهات و سرفرازی می کنید، چرا همچنین زبون شده اید؟ و بر دست مشتی سیمابیان دون زبون شده اید؟ اگر همه جمع شوید و کمر انتقام بر میان جا استوار بندید، لشکر اسلام به معاونت شما بفرستم. امید باشد که دمار از نهاد آن فسده بر آرید و کلفه عار تغلب ایشان از جبۂ خویش مآب شجاعت شسته گردانید، تا در جهان این نام نیك یادگار ماند:

مرا نام باید که تن مرگ راست
به نام نکو گر بمیرم رواست

این انموذجی است، که به خدمت باز نمود شد. امیدوارم که

هزار مقدمه دیگر بهتر ازین خدمت ملک ملوک الشرقی خواهد فرمود. با این همه نظر بر کرم حق باید داشت و محافظت دیارِ اسلام و نصرت دینِ محمدی پنداشت- و بر مقتضاء- ان تنصروا اللہ ینصرکم- منتظر فتح می باید بود، تا عروس مطلوب از آئینه ظفر جمال به نماید- انه علی ذلك قدیر و بالاجابة جدیر-

(هذا باب) امیر احمد فداکه این تعریف سبب تجهیل اوست، نیازاده حقیقی این محب است، اورا بعین عنایت ملحوظ و بحسن ترتیب محفوظ دارند. و کرم خاص را در باره مخلص پندارند والسلام!

خط نمبر – ۹۹

اس خط میں غالباً کتابت کی غلطی کے باعث چاچکان کے بجائے ہالکان لکھا گیا ہے- اس کا بھی علم نہیں کہ علی گڑھ والے اصلی خطی نسخے میں لفظ کس طرح لکھا ہوا ہے-

یہ خط بھی حکومت کی جانب سے، چاچکان پرگنہ والوں کو لکھا گیا ہے، جو جام بابینہ کی تحریف سے تعلق رکھتا ہے- یہ تمام خطوط جو یہاں دیے جارہے ہیں، وہ سارے سندھ کی تاریخ کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں- انھی سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ جام بابینہ نے سندھ کی تحریك آزادی کو ایسے جوش و خروش سے چلایا تھا کہ اس سے سلطنت میں ایك زلزلہ آگیا- شیخ صدر الدین عارف ملتانی اور شیخ جلال الدین جہانیان جہاں گشت بخاری دونوں کے درمیان ایك اہم سیاسی کردار ادا کررہے تھے-

فیروز شاہ نے جب آخری دفعہ ٹھٹہ پر حملہ کیا تو جلال الدین کے ذریعے ہی جام جونہ اور بابینہ کے ساتھ اس کی صلح ہوئی، ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے کے بعد بھی سندھ کی فتح نہیں ہوسکی- مندرجہ ذیل خط کا مطلب یہ ہے کہ:

ملتان کے گورنر نے چاچکان پرگنہ کے باشندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جام جونہ اپنے وعدہ پر قائم اور بادشاہ کا اطاعت گذار ہے، لیکن جام بابینہ عہد شکن ہے۔ شیخ صدر الدین اور سید جلال الدین دونوں فریق کے صلح کی خاطر لکھا تھا کہ اس ملک کی آمدنی فوج کی تنخواہوں اور دوسرے فوجی انتظامات میں صرف ہوجاتی ہے۔ اس لیے شاہی خزانے میں رقم نہیں بھیجی جاسکتی۔ رقم وصول کرنے کے بجائے سندھی فوج سے مملکت کی پشتی بانی کا کام لیا جائے۔ گجرات اور سکھر تک وہ کام دے سکتے ہیں۔ خراج کی صورت میں پچاس گھوڑے جن کی قیمت ایک لاکھ تنکا ہوتی تھی، بادشاہ کی خدمت میں بھیجتے رہیں گے۔ یوں لشکر رکھنے کا مقصد بھی پورا ہوجائے گا اور شاہی خزانے کی غرض بھی حاصل ہوجائے گی۔ چونکہ شیخ الاسلام صدر الدین اور شیخ جلال الدین بخاری بڑی ہستیاں ہیں، اسی لیے بادشاہ نے بھی اُن کی یہ گذارش قبول کی۔

آپ لوگوں میں سے ٹھٹہ کے کچھ مقدمین (حاکموں) نے شروع میں عہد شکنی کی۔ بطور خراج گھوڑے بھیجنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا، وہ بھی پورا نہیں کیا گیا، اس لیے ان کو سزا دینے کے علاوہ اب اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن بہت سے مسلمان ایسے بھی تھے، جن کو "شریروں" کے ساتھ کوئی واسطہ، تعلق اور ہم خیالی نہیں تھی اور وہ محض کمزوری کی وجہ سے خاموش تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، تاکہ غریب اور بے گناہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس لیے فوج کو نہ بھیجنے کی وجہ سے فساد کرنے والوں کی ہمتیں اور بڑھ گئیں اور جام بابینہ نے مغلوں کی فوجوں کی اعانت سے "غارت گری" شروع کردی۔ اس لیے اب یہ لازم ہے کہ ان "شریروں" کا خاتمہ کیا جائے۔

آپ چاچکان والے اگر توبہ اور معذرت کرکے اطاعت گذار ہوجائیں تو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ محفوظ رہیں گے اگر یہ نصیحت اور نہیں مانو گے تو پھر "قہر اور غضب" تلے دب جاؤ گے۔ حملے کے وقت گناہ گار

اور بے گناہ کا فرق مٹ جاتا ہے۔ آپ کا خون بہے گا اور آپ کی عورتیں اور بچے گرفتار ہوں گے۔ تلوار کسی کو امان نہیں دیتی۔ آپ مسلمان ہیں اس لیے اسلامی شفقت کے مد نظر آپ کو ہوشیار۔کیا جاتا ہے۔ اگر پہلے سے سعادت کی توفیق ہوجائے تو جس طرح دوسرے اطاعت گذار مسلمان محفوظ رہیں گے، اسی طرح آپ کی جانیں اور مال بھی سلامت رہیں گے۔ لیکن اگر آپ لوگوں نے جنگ کے دوران معافی مانگنا چاہی تو فوجی اس کو قبول نہیں کریں گے۔ اگر فی الحال کمزوری کی وجہ سے آپ ان (شریر) لوگوں سے جدا نہیں ہوسکتے تو جس وقت ہماری فوجیں سہون پہنچیں اور ٹھٹھ کا لشکر مغلوب ہوجائے تو آپ "لشکر اسلام" کے ساتھ آکر شریک ہوجائیں۔

اس اعلان کے بعد، جو اسلامی ہمدردی کی غرض سے کیا گیا، ہم اپنے فرض سے عہد برا ہوگئے، اب آپ کو اختیار ہے کہ دنیا اور عاقبت کی بھلائی کے لیے جس طریقے کو بہتر جانیں، اس کو اختیار کریں۔

این پروانه هالکان در قلم آمد.

مقدمان هالکان (ے) که خدا شاهد اطاعت اولی الامر را به ایشان روی گرداناد و سر معنی– اطیعوا الله واطیعوا الرسول والی الامر منکم– به گوش هوش شان رساناد.

بدانید که: جام جونا که مالك الملك او را بر جاده رشاد دارد، و از بیداء نقض مواثیق به صحرای بقای عهود آرد، و بحلیه اطاعت و فرمان برداری و زیور مطاعت و خراج گذاری، زیب و زینت دهد. و بانبهینه که خسار را شعار و ادبار را دثار خود ساخته است، و در نقض عهد خود، که در جمیع ادیان محرم است، اقدام نموده، و از حدیث نبوی– ما نقض قوم العهد الاوسط الله علیهم عدوهم– غافل بود، شیخ الاسلام قدرة الانام صدر الحق والشرع والدین– که صدر صفهٔ شریعت و رکن کعبه قوت است– وسید جلال الدین بخاری را– که اخلاق او معجزة باقی حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم

است- درمیان آورده بودند. و چنان عرضداشت محمول کردند که:

ولایتی که در تصرف داریم هم وقت در وجهه حشم ها و خدمت ها درین دیار بمصرف میر سد، و بخزانهٔ موفور چیز واصل نمی شود، اکنون مابندگان رعایا فرمان برداریم و از راه معنی لشکر اسلام هستیم هر چه درین حدود این لشکر میکرد، بکنیم. تا گجرات و سکر هر جا که بمعنیٰ فرمان رسد، اطاعت بنمائیم. و پنجاه سیر اسپ که قیمت آن یك (۸) تنکه باشد به بارگاه برسانیم. هم غرض لشکر و هم غرض خزانه حاصل باشد. چون شیخ الاسلام و سید جلال الدین مخصوص اند، بر مبناء حسن ظن کلمات مموه ایشان را، راست پنداشتند و ایشان را مسلمان انگاشته، خداوند عالم به کرم عمیم، عرضداشت ایشان را به عز اجابت مقرون گردانید و به امن و امان اختصاص داد.

ایشان یعنی بعضی مقدمان تته هم در مبدأ کار به سیه کاری و نقض عهد بر مبناء- اوله اکدر- دزدی پیش نهادند، و اسپان که قبول کرده بودند، نفرستادند و در سلك- الذین ینقضون عهدالله من بعد میثاقه و یقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الارض اولائك هم الخاسرون- منسلك شدند. به سبب این نقض عهد، بر بندگان دولت واجب بود، از مکافات بر ایشان رسانند. و چنان تدارك کنند که انتباه و اعتبار حاصل آید. و از تیغ آتش بار، دمار از نهاد آن خاکساران بر آرند. وچون ایشان خون بر خاك خواری به بینند، باد نخوت که در دماغ ایشان جا گرفته است، به ضرب و طعن برون آید، اما چون جماعت مسلمانان از صغارو کبار و عبید و احرار، که در این سر، با این مخالفان نبرند، و به حکم عجز میان ایشان مانده اند، و حکم

والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذا القریة الظالم اهلها- گرفته اند، بنا برین به محار و به مقاتله و استیصال آن دیار، حکم نشد. نباید به مسلمانان که به عجز مانده اند مضرت رسد. سبب حلم و اغضاء مدار ابقا بر این طبقهٔ اشرار این بوده است. این کوته نظران را بر تزویر جرأت و جسارت زیادت شد و بانبهینه در دار اسلام ما بالشکر مغل به غارت و تاراج در آمد و نفوس و اموال مسلمانان تلف و هدر کرد، و من حیث الشرع در سلك قطاع طریق منسلك و نشانه تیر- انما جزا والذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض- گشت و عاقبت این نیز و دیگر بی عاقبتیان به قتل خواهند رسید- چه خلاف بر کلام مجید و فرقان حمید- لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید- تصور ندارد. و سنت الٰهی برین است که هر شری که از کسی واقع وسانح می شود، در و امهال باشد نه اهمال. کما قال عز من قائل- و آملی لهم ان کیدی متین- اکنون حمیت اسلام برین باعث است که، اطفاء این نائره فساد به تیغ آبدار گردد و بالشکر های اسلام در قلع آن مدابیر بی تدبیر ناقص عهد قطاع طریق متوکلا علی الله و معتصما بحبل عنایته- کمر جهاد بسته شود. شما که هالکانید (۹) اگر به توبه گرائید! و به استغفار واعتذار آئید! با مسلمانان دیگر به امن و امان اختصاص یابید! و از نهب و تاراج ایمن باشید. و اگر سر غفلت و ادبار این کلمات موعظت را به سمع انقیاد و امتثال نشنوید! و بر موجب این پروانه نروید! چون لشکر اسلام، به قهر و غلبه شمشیر انتقام کشیدهِ در آید، و به قتال و محاربت مشغول شود، در آن محل، میان بری و جانی فرق ممکن نباشد، و از تیغ امان نیابد،

خون شما ریخته شودا و زن و بچه شما اسیر و دستگیر گرددا و بر مسلمانان بدی رود که نه لایق حال مسلمان است. از راه شفقت اسلام شما را اعلام ارزانی داشته شد. اگر پیش از وقت، سعادت توفیق رفیق حال شما گردد، حکم شما و حکم مسلمانان مطیع یکی باشد. و نفوس مصئون و اموال معصوم ماند- ان احسنتم احسنتم لأنفسکم وان اسأتم فلها- و اگر در زمان قتال بر زبان عجز و ابتهال پیش آرید و خواهید که در حضرت اسلام تحصن جوئیدا چون طعن و تیغ درمیان باشد، اهل لشکر این معنی قبول نکنندا و بر مقتضاء شعر:

یذکرنی حمیم والرمح شاجر
فهلا تلا حمیم قبل التقدم

به زبان تیغ جواب گوید. واگر گوئید که کار از میان ایشان، بیرون آمدن سبب عجز ممکن نبود، چون لشکر ها برای قلع آن مدابیر در سیوستان رسد و مقدار تته مغلوب گردد، شما به لشکر اسلام پیوندید.

برین اعلام که از روی شفقت اسلام کرده شد، خارج عهد شدیم هر چه صلاح دنیا و عقبی خود می دانید بکنید، والسلام علی من اتبع الهدی!

خط نمبر – ۱۳۳

مندرجہ ذیل خط ملتان کے صوبہ دار (غالباً ماہرو) ٹھٹہ کے سمہ حکمران کے لیے کسی خط کی جواب میں لکھا ہے- یہ خط بے حد اہم ہے، اس کو پڑھ کر سندھ اور دلی کے درمیان ہونے والی سیاسی کشیدگی کی مکمل خبر ملتی ہے-

سمہ حکمران کا نام نہیں دیا گیا ہے، لیکن عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط جام جونہ (۲– ب) کے لیے لکھا گیا ہے، جو کہ پہلے جام بابینہ (۲– الف) کے ساتھ حکومت میں (۵۳-۷۶۸ھ) شریک تھے اور دوسری

مرتبہ (نمبر ۴) خود سندھ کے حاکم (۷۲-۷۹۱ھ) ہوئے۔ اس خط میں مغلوں کے حملے کا ذکر ہے جو کہ بابینہ اور جونہ کے دور میں، ان کی مدد کے لیے ملتان اور گجرات میں گھس آئے تھے۔ خط میں بابینہ کی سندھ میں موجودگی ظاہر کی گئی ہے۔ لکھنوتی (بنگال) میں فیروز کی وفات کی افواہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور کہا گیا ہے کہ بادشاہ کی وفات کی خبر سن کر جام سرکشی پر اتر آئے اور ملتان پر حملہ کیا۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ، خط کا مخاطب جام جونہ ہے اور یہ خط اس وقت لکھا گیا، جب فیروز شاہ سندھ پر حملہ آور نہیں ہوئے تھے۔

سلطان فیروز نے دو دفعہ بنگال پر حملہ کیا، پہلی دفعہ ۵۴-۷۵۵ھ میں (۱۰) سلطان شمس الدین الیاس شاہ کے خلاف اور دوسری دفعہ مندرجہ بالا سلطان کے فوت ہونے کے بعد اس کے بیٹے سکندر شاہ کے خلاف (۱۱) سال ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) میں کیا۔

اسی دوسرے حملے کے لیے فیروز ۷۶۱ھ میں دلی سے روانہ ہوئے، جب ناکام ہوکر واپس ہورہے تھے، تو راستے میں جاج نگر (موجودہ اوڑیسہ) میں ہندوؤں کے مندر (پوری جگن ناتھ) کو برباد کرتے ہوئے چھوٹا ناگ پور کا راستہ اختیار کیا۔ ناگ پور کے گھنے جنگلوں میں راستے سے بھٹک گئے اور چھے مہینے تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے، چوں کہ اُس کے متعلق کوئی اطلاع نہ تھی، اس لیے سلطنت میں انتشار پیدا ہوا۔ سب کو یقین ہوگیا کہ سلطان مرچکا ہے۔ دلی میں اس حد تک خرابی پیدا ہوئی کہ بقول ہیگ: خان جہاں مقبول (وزیر اعظم اور نائب سلطنت) کے لیے انتظام برقرار کھنا جنجال اور محال ہوگیا۔ (۱۲)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط بنگال کے ۷۶۱ھ والے دوسرے حملے کے بعد لکھا گیا۔ جب سلطان فیروز کی وفات کی افواہ مشہور ہوئی تو جاموں نے وقت کا فائدہ اٹھا کر آزادی کی تحریک کو از سر نو شروع کیا اور اپنی فوجیں ملتان کی حدود تک کھڑی کردیں۔ سہون میں بھی چھوٹے چھوٹے حملے کرکے لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ خط کا صحیح سال ۷۶۲ھ مقرر کیا جاسکتا ہے، کیونکہ بنگال کی

دوسری مہم سے بحفاظت لوٹنے کے بعد، فوراً سال ۷۶۳ھ میں سلطان فیروز نے سندھ پر پہلا حملا کیا۔ (۱۳) ہم ذیل میں اس خط کے سندھی (اب اردو) خلاصے کے ساتھ اس کی فارسی اصل بھی دے رہے ہیں۔ اہمیت کے لحاظ سے یہ خط غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہے۔

آپ کی عرض داشت موصول ہوئی، جس میں متضاد باتیں لکھی گئی ہیں، یعنی آپ نے اس میں اپنی اطاعت گذاری کے دعوے کے ساتھ شیخی اور خود ستائی کو بھی شامل کردیا ہے۔ تکبر کے لہجے میں خاکساری کے فقرات لکھے ہیں۔ نیکی اور برائی کو ایک ساتھ کرکے قبول نہ کرنے والی توجیہات اور نامعقول تاویلات کو بھی اکٹھا کردیا ہے۔ خط میں جو معاملات لکھے گئے ہیں، ان سے ہر ایک کا تفصیلی جواب آپ کو دیا جارہا ہے۔

اطاعت اور فرماں برداری کے سلسلے میں مستقل مزاجی اور اپنی ثابت قدمی بیان کرتے ہوئے آپ نے بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ آپ کے دعوے اور قول آپ کے عمل اور کردار کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔ آپ نے مسلمانوں کے اس ملک میں جو کہ اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کے قلم رو میں ہے، مغلوں کی جماعت کو بلایا جنھوں نے مسلمانوں کی جان تلف کی اور ان کا مال لوٹا اب اسی سلسلے میں جھوٹی دلیل اور واہیات تاویل پیش کر رہے ہو واہ کیا اچھی اطاعت ہے۔

آپ نے لکھا ہے، کہ منجھوٹ (؟) کے مقدمات کے بارے میں جو آپ کے عزیز ہیں، اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کا فرمان سہون کے فوج داروں اور گماشتوں کے نام صادر ہوا تھا کہ ان مقدمات کی زمین اور ملکیت ان کو واپس کی جائے۔ لیکن ان عہدے داروں نے اس حکم کی اطاعت نہیں کی، جس کی تعمیل کی خاطر آپ نے اپنی فوج بھیجی، جس پر فوج داروں نے جنگ کا ارادہ کیا، لیکن آپ کی فوج نے مقابلے کی جہالت سے پرہیز کرکے گفت و شنید کے ذریعے فوج داروں سے فرمان کی تعمیل اور جھگڑا نہ کرنے کا وعدہ کیا اور جس صورت میں وہ عاجز ہوگئے، تب آپ کی

فوج نے جنگ سے پرہیز کی اور واپس ہوئی۔ فوج کے آتے جاتے سہون اور سکھر کی رعایا کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا۔ اگر کوئی بھی شخص اس کے خلاف بولتا تو بلاشبہ اس کی جانچ پڑتال کی جائے۔

آپ اپنے اوپر دیے گئے بیان میں کس قدر منصف مزاج اور سچے لگتے ہیں؟

اسلامی حکمران کے ملک میں مغلوں کو ساتھ لے کر رعایا اور فوج داروں کے بچوں، عورتوں اور مال و دولت کو لوٹنا شروع کیا۔ یہ سب کچھ فرمان شاہی کے تعمیل میں ہوا؟ پھر لوٹ مار کے معاملے میں مغلوں اور بابینہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس کے باوجود آپ یقین دہانی کرواتے ہیں کہ آپ کی بات سولہ آنہ صحیح ہے، آپ نے رعایا کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا اور لڑائی جھگڑے سے دور رہے۔

بابینہ نے سہون کے قلعے کے ماتحت فوج داروں کو، اپنی فوج کا استقبال کر کے اُنھیں قلعہ تک لے جانے کے لیے جو خط لکھا تھا، وہ بھی آپ کی سچائی اور اطاعت کا کھلا ثبوت ہے؟ العیاذ باللہ۔ مکاری کی ایسی باتیں کرنے سے کیا فائدہ؟ آپ نے خود سری سے کام لیا اور جب تمھیں کوئی بھی دلیل اس کی تائید میں نہیں ملی، تب باتوں کے ڈھیر لگادیے!

اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کی طرف سے اس صوبے کا اسیر میں ہوں، فوجیوں کی نافرمانیوں سے متعلق آپ کا جو دعویٰ ہے، وہ اگر سچا ہوتا تو آپ پہلے مجھے اطلاع کرتے اور انصاف مانگتے، سچائی اور اطاعت کی یہی صورت تھی۔ آپ سچ کیوں نہیں بولتے، کیا آپ نے سمجھا تھا کہ اعلیٰ حضرت (بادشاہ) لکھنوتی (بنگال) میں وفات پاچکا ہے؟ اس لیے آپ نے بے پرواہ ہو کر اپنی فوج کو حملہ کرنے کے لیے ملتان بھیجا؟ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ آپ کے خط کا قلم کے بجائے تلوار سے جواب دوں، لیکن شریعت کا حکم ہے کہ جب رعایا فرماں برداری کا راستہ چھوڑ دے تو پہلے ان کو نصیحت سے سمجھایا جائے اور شکوک و شبہات دور کیے

جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔

آپ اگر فرماں بردار ہیں، اسی طرح جیسے پہلے گورنروں کے خاص طور بہرام (۱۴) کے تھے، تو اب بھی اسی طرح اطاعت گذار ہوجائیں۔

سبحان اللہ! اپنی بیٹیاں شاہی حرم سرا میں داخل کر کے اطاعت کا اقرار کیا جاتا ہے، پھر ایسی شوخی اور شیخی دکھائی جاتی ہے! ہندو راجہ جو مشرک ہیں وہ لڑکیوں کو بھیجتے ہیں۔ لیکن وہ اس طرح دغا بازی اور مکاری سے کام نہیں لیتے' وہ ہندو ہیں مگر مکر اور دغابازی کرنے سے ان کو شرم آتی ہے۔ تم لوگوں کی صورتحال یہ ہے کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے بھی غداری کرتے ہو اور پھر اس کو چھپانے کے لیے جھوٹی دلیلوں سے کام لیتے ہو، یعنی۔ عذر گناہ بد تر از گناہ- اگر اس طرح کا مسخرہ پن جاری رہا تو ایک دن اس کی سزا آپ کو ضرور بھگتنا پڑے گی۔

تم لوگوں نے لکھا ہے کہ تمھاری فوج جنگ کرنے سے پرہیز کرتی ہے، تمھارا یہ دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جنگ سے بچنے کی اصل وجہ کیا ہے، ہمارے لشکر نے جب فسادیوں کا پیچھا کیا تو جام بابینہ اپنے آدمیوں کو لے کر راتو رات ٹھٹہ بھاگ گیا۔ اگر بہادر اور ہمت والا جوان ہوتا تو خود مقابلہ کرنے کے لیے ٹھہر جاتا۔ اپنی فوج کی مدد کیوں نہیں کی۔

آپ نے لکھا ہے کہ ہم خود غرض لوگوں کی باتوں پر بغیر تحقیق کے کوئی قدم نہ اٹھائیں- ہم نے یہ بھی کر کے دیکھا، لیکن کسی ایک بھی شخص نے آپ کی موافقت میں ایک لفظ نہیں کہا۔ اتنے سال تک تم لوگ اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کے پہلو میں آرام، آسائش سے سکھ کی نیند سوتے رہے، لیکن آپ آخر میں شدید ابن الوقتی کے باعث اس نعمت کی قدر نہیں کرسکے اور اپنے امن و امان کو ایک ہی داؤ میں ہار بیٹھے۔

فوج داروں کو تنبیہ کرنے سے ہم نے اس لیے کنارہ کیا تاکہ مسلمانوں کو نقصان اور تکلیف نہ ہو۔ اگر حقیقی اور اعیانی بھائیوں کو

قتل کرنا اور مسلمانوں کی جان و مال کو تباہ کرنا مسلمانی ہے تو پھر کفر کو کون سا نام دیا جائے؟

اگر آپ کے منشی کو معقول اور منقول کا علم ہوتا تو اس قسم کی باتیں لکھنے سے پرہیز کرتا اور تمھیں نیک مشورہ دیتا۔ یا تو وہ علم و عقل سے عاری ہے یا اتنا کمزور ہے کہ تم جس طرح اسے کہتے ہو وہ آپ کی بھلائی برائی کا خیال کیے بغیر بلا چوں و چرا لکھ دیتا ہے۔ خط میں جو باتیں لکھی گئی ہیں، اگر وہاں کے عقل مند انسانوں کے مشورے کے بعد لکھی جاتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اگر خود آپ میں عقل اور شعور ہوتا تو قرآن کے حکم کے مطابق اپنے آپ کو اس طرح رسوا نہ کیا ہوتا۔ اچھا تھا کہ آپ صاف صاف لکھ دیتے کہ نفس امارہ نے ہمیں بہکا دیا اس لیے یہ سویا ہوا فتنہ جاگ اٹھا۔

آپ نے یہ اطلاع دی ہے کہ ہمارے لشکر نے مسلمانوں کو غلام بنا کر بازار میں فروخت کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں کا قتل از روئے شریعت جائز ہے جو مسلمانوں کے ملک میں گھس آئیں اور جو ڈاکو ہوں۔

حالانکہ ان مسلمانوں کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں، جن کا اسلام صرف ظاہری ہو۔ میں نے کوئی بھی اس قسم کا حکم نہیں دیا۔ وعدہ خلافی کے سبب تم لوگوں پر جنگ کی مصیبت کے متعلق تم جیسے دشمنوں کا قول، علم و عقل کے لحاظ سے کوئی بھی وقت نہیں رکھتا۔ تاریخ میں ڈاہر کی بیٹیوں کی مکاری اور دغا بازی کا واقعہ مشہور ہے۔ اس قسم کی مکاری اور دغابازی اور افترا پردازی تم سندھیوں کی عادت اور رواج ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ جو شرارتیں منسوب کی ہیں، ہم ان پر اعتبار نہیں کرسکتے – تاہم میں جب سہون آیا تو ان کے بارے میں پڑتال کروں گا اور شریعت کے مطابق حکم صادر کیا جائے گا۔

اتنے نا معقول اور ناشائستہ افعال کے باوجود جن کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں کیا گیا ہے، آپ کہہ رہے ہیں، کہ آپ پر تعریض کی گئی

تھی۔ اگر تعریض کے معنی' آپ کی سمجھ میں نہیں آتے تو کسی عالم سے پوچھیے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ آپ کے پاس بڑی جمعیت ہے، اگر ہمارا لشکر دوبارہ آیا تو اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ کان کھول کر سن لو کہ آپ کی بڑی فوج کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے! شکار جتنا بڑا ہوتا ہے اتنے ہی زیادہ تیر اسے لگتے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ملتان کی فوج یا "اسلام کے لشکر" کے مقابلہ میں "ٹھٹہ کے کسانوں" کی کیا حیثیت ہے۔ لیکم ہم نے ان پر کوئی تکیہ نہیں کیا، ہمیں ان پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ ہمارا بھروسا صرف خدا پر ہے۔ آپ کی فوج بڑی ہو یا تعداد میں چاہے کتنی زیادہ ہو۔ جس صورت میں وہ حق پر نہیں بلکہ باطل پر ہے اس لیے وہ یقینا ہار جائے گی۔ اور گرفتار ہوں گے کیونکہ آپ نے عہد توڑے ہیں حدیث نبوی گواہ ہے۔

تمہارے دماغ میں غرور و تکبر بھر گیا ہے۔ یہ چیز تمہارے لیے نقصان اور تباہی کا باعث بنے گی۔ تمہیں سوچنا چاہیے کہ گذشتہ زمانے کے صوبہ دار کتنے جابر تھے۔ خاص طور سے بہرام جس کے مطیع نوجوان اور بوڑھے تھے۔ (۱۵) تم کو اپنی حیثیت نہیں بھولنی چاہیے۔ چھوٹے منہ سے بڑی بات زیب نہیں دیتی۔

تم نے لکھا ہے کہ گجرات کا صوبے دار اور سہون کا گماشتہ (نائب) ہر بات پر الزام تمہارے سر رکھ دیتا ہے اور تہمتیں لگاتا ہے، لیکن وہ خط جو بابینہ نے قلعۂ سہون کے ماتحت فوج داروں کو لکھا تھا، اس میں تمہاری ہی مرضی شامل تھی اور تم ہی نے لکھوایا تھا۔

بہرحال ہمارض آدمیوں نے آکر بتایا ہے کہ جام تو اچھا شخص ہے لیکن یہ تمام فتنہ ٹھٹہ کے ارباب کا پیدا کردہ ہے ۔ در حقیقت یہ بھی جام ہی پر الزام ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس نے ٹھٹہ کے ارباب کو خود پر اتنا مسلط کیوں کردیا ہے۔ جو شخص مضبوط ارادوں کا مالک ہوتا ہے، اس کے حکم سے، اس کے بیٹے یا بھتیجے سرتابی نہیں کرسکتے!

خیر قصہ مختصر تم اطاعت اور فرماں برداری کو اپنا شعار بناؤ،

تا کہ امن و امان کے لباس سے تمہاری زیب و زینت بڑھے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مندرجہ بالا خط سے اس وقت کے سندھ کی سیاسی صورت حال کا علم ہوتا ہے۔ سندھ کے اندر غیروں کے خلاف جو بے چینی، بے قراری اور نفرت و مخالفت تھی، وہ خط کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں ظالم، جابر اور بے رحم صوبہ دار مقرر کیے جاتے تھے۔ دلی کے لشکر کو "لشکر اسلام" تصور کیا جاتا تھا اور اپنے حقوق مانگنے والے مسلمانوں کو جھوٹا، بد عہد، دغا باز اور کافروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ یہ "سلطانی ذہنیت" محکوموں کے لیے اس وقت بھی زیر عمل تھی۔ سلطان کی حرم سرا کے لیے لوگوں کی بیٹیاں اور بہنیں زبردستی لی جاتی تھیں۔ ایسی عقوبت اور تعدی کے بعد بھی یہ امید کی جاتی تھی کہ لوگ بے غیرت ہوکر ان کے ساتھ وفادار رہیں اور ان کے اقبال کے دعاگو رہیں۔ اس خط میں اسلام کو کس طرح استعمال کیا گیا ہے، وہ قابل غور ہے۔ خط کا فارسی متن کچھ یوں ہے:

مکتوب علیه نامعلوم

عرضداشت ایشان که مشتمل الضدین و محتمل النقیضین بود، اعنی کلمات تصلف و خود ستائی را، در ذکر اطاعت بر سبیل زبان آرائی استزاج داده عنان سخن فراکشاده و مقدمات تواضع از ناصیه تکبر آویخته و خیر و شر بهم آمیخته و به تعبیرات نا مقبول و تاویلات مجهول دران بار داده، رسید. بر مضامین آن اطلاع شد ذکر هر یك چیز، که در مکتوب شما مسطور بود، به تفصیل نبشته (١٦) می آید. آن که، در ثبات و رسوخ اطاعت خود مبالغه نمودید، این معنی نیکو نیست! اگر مقال و آثار موافق افعال و کردار شما از زمرهٔ آنان باشد که- یحبون ان یحمد وبما یفعلوا— چه در ولایت مسلمانان که در تحت تصرف بندگان درگاه است، مشتی مغلان در آمده و نفوس و اموال ایشان در تلف و هدر انداخته و به تاویلات فاسده

حجج واحضه پیش می آئید. زهی مطاوعت! ونبشته اید که: فرمان اعلیٰ نفذه الله در باب مقدمان منجهوت (؟) که اقربای اقرب ما اند. بر شحنگان و گماشتگان سوستان صادر شده بود که: زمین خلق و املاك ایشان بدیشان تسلیم نمایند. چون مقدمان و شحنگان و گماشتگان فرمان اعلیٰ به امتثال نرسانیدند برای نفاذ احکام فرمان همایون، جمعیت خود روان کردیم شحنگان جدال و خصومت بنیاد نهادند، جمعیت ما از وحشت احتراز کرده، و بر ایشان اعلام کرده آمد، بعد گفت و شنود، شحنگان قبول کردند که: بر قضیه فرمان اطاعت نمائیم و بعد ازین وحشت ومخاصمت نکنیم- چون ایشان به عجز پیش آمدند به ضرورت از خصومت اعراض کرده شد، و جمعیت ما باز گشت و آمد. و در آمدن رفتن، خلق ولایت سوستان و سیکر (۱۷) را هیچ مضرت نه رسانید و اگر کسی بر عکس باز نماید، درین پاس تفحص شود- مقرر باد، برین جواب ها که شما نبشته اید- مردمان منصف و راست گوئید! چه مغل که در دیار پادشاه اسلام در آورده اید، برای انقیاد فرمان است؟ و آن که خلق و زن و بچه شحنگان و مواشی و ذخائر و دفائن که ایشان پیش کردند، بر دید و مخالفتی که برای تاخت و غارت، میان مغلان و بانبهینه شده بود، پوشیده نمانده است صدق این است، که تعرض نه رسانیده اید! و از خصومت اعراض کرده اید. و مکتوبی که بانبهینه بر شحنگان اوان حصار سوستان- والعیاذ بالله منها- نبشته بود، آن نیز بر اخلاص و اطاعت شما شاهد عدل است. مثل این کلمات مموه حصه عرضه دارد؟ چون کاری به تغلب کرده اید، به حجت درمانده چرا تمسك می کنید؟ بیت!

هم بستهٔ خود بتار، هم نای زنی
ممکن نبود دو دم یك جای زنی

وامیر و حاکم مطلق العنان از جهت خداوند عالم- خلد الله ملکه و جعل اقالیم العالم ملکه- منم! اگر دعوی شحنگان راست بودی، اولاً کیفیت برمن نبشتید و منصفان می طلبیدید راه اخلاص و اطاعت این بودی لیکن نیکو سره بگویید که، خداوند عالم را در کنف باری عز اسمه در لکنوتی شنیده بودیم لشکر ملتان روان کرده دانستیم که بنا بران دیگ سودا برسانیدیم و مالیخولیا می پختیم. ع:

سوادت پختم ای جان، سرمایه هم زیان شد!

بر مقتضای کلام- العدی ضرب من الهذیان- می خواستم که جواب شما بزبان قلم ندهم که، ع:

السیف اصدق انباء من الکتب

اماچون، سنت الٰهی جاری است که اگر رعیتی از جاده فرمان برداری منحرف شود او را اطلاع نمایند و کشف شبه کنندبنا بران برشما در قلم آمد. اگر فرمان بردارید چنانچه در وقت ولاة ماضیه، خاصه بهرام را که به نسبت بندگان درگاه اعلیٰ چه باشد حدیث ومسن اطاعت می کردند، همچنان اطاعت کنید. بیت:

گر راست روی! هر آنچه ما راست، تراست

ورنی! تو بگو، نفاق بیهوده چراست

سبحان الله! دختران را میان پرستاران حرم فرستید و دم اطاعت زنید! بعده همچنین مکابره کنید! رایان هندو مشرک که دختران فرستاده اند به غدر و خداع نفرستاده و بد حرکتی اقدام ننموده- آنها که هندو باشند، از مکر و غدر شرم دارند. وجبلت شما که خود را مسلمان می گویانید و بر فساد مکابره حجت می گویید! این عذر خواستن بدتر از گناه است. وچون این نوع استهزا است بر مقتضای- جزاء سیئة مثلها- سزا خواهید یافت.

وآن که نبشته اید که: جمعیت ما از خصومت اعراض کرده. آن نیز همچنین است سبب اعراض کردن معلوم است. چون لشکر ما در تعاقب آن مخاذیل است، بانبهینه چه نوع با کسان از سوستان یك شب میانه تته رفت. اگر جلالت و مردی داشت چرا بر سر انگشتان نه نایستاده؟ و سپاه خود را نصرت نکرده؟ بیت:

جولان گردی سمندش این بود؟
انداختن کمندش این بود؟

و آنکه نبشته اید: که سخنان اصحاب غرض پیش تفحص مسموع نفرمایند. این معنی همچنین بود و سخن کسی در حق شما جای نیافت. چندین سال در ظل رافت خدایگان آسوده و خوش غنوده بودید. اما از غایت ابن الوقتی نظر و قدر آن نعمت نشناختید و امن و امان خود را به یك داو باختید. بیت:

سالها جام جم به دست تو بود
چون تو نشناختی! کسی چه کند

تنبیه شحنگان، به سبب نقصان و مضرت مسلمانان اختیار نکردیم. و اگر مسلمانی کشتن برادر اعیانی و برادر حقیقی و نهب و تاراج نفوس و اموال مسلمانان است، خود کفر کدام است؟- بئس ما یأمرکم به ایمانکم ان کنتم مؤمنین-

اگر نویسنده شما را در منقول و معقول شعور بودی! در شروع، از نبشتن این چنین کلمات، منحرف شدی و شما را تنبیه کردی- یا خود او درین کار خردی و خبرتی ندارد یا آنچه او را نبشتن می فرماید، صلاح شما نمی بیند، به عجز و اضطرار نمی نویسد- این چنین سخنان به مشورت دانشمندان و دانایان آنجا نبشتی، بهتر بودی. و خود اگر دانشمند و دانا بودی، آن جا سکوت اختیار نکردی و در زمره- انما جزاء الذین یحاربون الله

ورسوله ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او تقطع ایدیهم و ارجلهم من خلاف- خود را متسلك نگردانیدی!

اما لایق تر این بود، که شما راست می نبشتید نفس اماره برین آورد که براین چنین معصیتی مرتکب شویم و فتنه خفته را بیدار کنیم و دران قسم در آیم که- الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها-

وآن که تعریفی کرده بودید که: لشکر شما مسلمانان را برده کرده و در بازار فروخته است. جواب این آنست که: کشتن این چنین مسلمانان که در دار اسلام در آید، و حکم قطاع طریق گیرند، من حیث الشرع جائز است - اما فروختن مسلمانان اگرچه در ایشان اسلام صوری باشد، جائز نه. و من این معنی نفرموده ام. و نیز سخن شما که اعدائید، در حق غزاة که بعد آن نقض عهد در ولایت شما بر سبیل مکافات در آمده، از روی خرد و خبرت مؤثر نیست، و اعتماد را نشاید. چه حکایت مکر و خداع دو دختر رای داهر- که رای بزرگ تر ازو در سند نبود- در تاریخ داهر چچ (۱۸) مسطور، و میان عامه خلق دیار سند مشهور است. و آن این است که: دو دختر رای داهر از حرم او گرفتار آمدند و امیر محمد قاسم ثقفی ایشان را به دست خادمان حبشی به حضرت بغداد فرستاده بود، و خلیفه وقت ایشان را به خواجه سرایان بداد که تیمار داشت ایشان کنند تا شائسته شبستان شوند. بعد از مدتی خلیفه یاد آورد و خواست تا یکی از ایشان را خدمت فرماید. هر دو به یك زبان گفتند بقا با خلیفه را که ما بندگان شایان شبستان شاه نتوانیم بود، که امیر عماد الدین محمد قاسم مارا سه روز نزدیك خود داشت، بعده به خدمت دار الخلافه فرستاده. این چنین فضیحتی پادشاهان روا ندارند. خلیفه را دران لحظه غلبه توقان بود، امکان تفحص و تجسس نداشت.

دوات و قلم و کاغذ بخواست و فرمان به خط خود تمهید کرده: محمد قاسم به هر موضع که رسیده باشد باید که خود را در (چرم) خام گیرد و به دار الخلافه مرجعت نماید! محمد قاسم را چون فرمان به شهر "اودا پر" رسید بفرمود: تا او را در (چرم) خام گرفتند و در صندوق نهادند و باز گشتند. دوم روز جان به حق تسلیم کرد. چون صندوق به خدمت خلیفه بردند و حال او باز نمودند، خلیفه فرمود که: زنده است یا مرده؟ گفتند: خلیفه را عمر دراز باد! در عزمخلد و بقای موید! چون فرمان نافذ به اوداپر رسید، بر حکم فرمان خود را در (چرم) خام گرفت. بعد از دو روز جان نیز بحق تسلیم کرده، و بدار بقا رفته. خلیفه فرمود تا: صندوق باز کردند، و آن دو غداره را حاضر آور دند وبه ایشان آغاز کرد که: فرمان ما بر گماشتگان چنین نافذ است که همگنان متمسك و منقاد توانند بود! مخدرات نقاب از روی بکشادند و سر بر زمین نهادند و گفتند: بقای خلیفه در مزید اقبال فراوان شاد باد! بر شاهان وقت– که به کمال عقل متحلی باشند- واجب است که آنچه از دوست و دشمن استماع کنند، بر سنگ محك فرمایند! چون بر خاطر عاطر و طبع نقاد ایشان، تحقیق و بی شبهت گردد، حکم بر جاده معدلت فرمایند. تا ماخوذ غضب یزدانی و مذموم نطق انسانی نگردند. خلیفه را فرمان نافذ است. فاما خاطر مبارك از حکمت تمیز خالی است. محمد قاسم از طریق عصمت ما را به محل برادر و فرزند بود، و دست تصرف او به ما بندگان نرسیده فاما! به جهت انتقام آن که، او پادشاه هند و سند را هلاك گردانید و دیار ما را تاراج نهاد و مارا از پادشاهی به بندگی بر سانید! برای مکافات و تشفی صدور خود در حضرت خلیفه باز نمودیم، و غرض ما به حصول پیوست و به واسطهٔ این تمویه و تخلیط چنین انتقام میسر شد. و خلیفه حکمی

محکم فرموده. و اگر درین قضیه تفحص و تجسس واجب دیدی، به وصمت ملامت موسوم و به سمت ملامت موسوم نشدی! و اگر محمد قاسم را حکمت و عقل بودی، پیشتر آمدی! تا به قرب یکروزه راه خود را در (چرم) خام گرفتی، چون به تفحص رسیدی، مخلص گشتی. خلیفه متاسف شده و از غایت غضب پشت دست به خائید و بفرمود تا هر دو را در دیوار گرفتند.

چون مکر و خداع و کلمات افترا، عادات سندیان است! در حق مسلمانان این حرکت که شما نسبت کردید، چگونه مسموع داریم! اما چون سوستان بیایم و درین باب تفحص نمایم، بعد تفحص بر مقتضای شرع حکم شود. به وجود این قدر افعال نا مستحسن و نا مطلوب که، بالا ذکر رفته است، شما می پرسید که این تعریض بر ما کنید. اگر شما تعریض فهم نکنید، دانشمندان شما هستند، اگر ندانید از ایشان پرسید-

وآن که نبشته بودید که: جمعیت بسیار است، اگر لشکر بار دیگر در خواهد آمد، نباید گوشهٔ کسی مکافات کند. مقرر باد، از عون خدای تعالیٰ از این چنین جمعیت اندیشه نیست. هر چند شکار بیشتر باشد تیر بیشتر خورد. و نیز معلوم است که روستائیان تته مقابل جمعیت عرصهٔ ملتان و لشکر های اسلام چه قدر و خطر دارد و بدین خود تکیه نیست، اتکا برعونِ حق جل و علاست. و جمعیت شما اگرچه بیشتر و زیاده تر است، چون بر باطل اید، کشته و اسیر و دستگیر خواهد شد، زیرا چه شما نقض عهد کرده اید، و حدیث نبوی برین جمله وارد است، که ما نقض قومِ العهد الاوسلط الله علیهم عدوهم.

در دماغ شما عجب و غرور راه یافته است و آن سبب خذلان

و خسران شما است. یکی تفکر کنید که مقطعان ماضی چه نوع مسلط بوده اند. خصوص بهرام که حدیث و مسن چگونه در امر و تصرف ایشان بوده اند. یکبارگی خودرا فراموش نباید آورد. بیت:

برگشته شد بخت زان سبک رای
کافزون کشد از گلیم خود پای

و آن که نبشته بودید که: مقطع گجرات و گماشته سوستان برما هر چیز می بندد متهم می کند این مکتوبی باننبهینه بر شحنگان اوان حصار سوستان نبشته بود، ایشان فرموده بودند و تلقین کرده. فی الجمله کسان ما آمده و تقریر کرده که: جام مردی فراهم است، این هم فتنه ارباب تته است. این نوع نیز عیب جام است چرا باشد که ارباب تته را بر خود چنین استیلا دهید. هر که ضابط باشد، پسر و پسر برادر او هرگز نتوانند از امر او منحرف شوند.

به همه وجه خلاصه این مقدمات آن است، که اطاعت را شعار و متابعت را دثار خود سازند، تا به لباس امن و امان زیب و زینت یا بند- والسلام علی من اتبع الهدیٰ-

۲۴- جام سکندر شاه صدر الدین (۱۰) جام سکندر کے زمانے کا سرائیکی زبان میں ایک کتبہ سنجرپور (ضلع رحیم یار خان) بہاول پور) کے ایک کنویں سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ملا تھا، جس کو پڑھنے کے بعد مولانا حفیظ الرحمن نے "ذکر کرام" میں یہ حوالہ دے کر لکھا ہے کہ جس سکندر کا نام اس کتبے میں درج ہے وہ سندھ کے سما بادشاہ جام سکندر تھے:

سلان سلبند تھپیاں، بھگیا نام نصیر
کوہ کٹایا پتر گاسن دی اڑ نام حمیر
وقت سکندر بادشاہ، ملک دھنی پھلوان

رعیت راضی ایھ جی جو بڈھا نت جوان
ہك لك سلان لگی چکیان تھیا کُھوہ تمام
تری سو بوٹی باغ دی رادھے انڑ جام (۱۹)

۲۵- فتح نامہ سندھ ۸۹۲ھ ذیل میں سلطان حسین بایقرا بادشاہ خراسان (۸۶۲-۹۱۱) کا جاری کردہ فتح نامہ سندھ اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ (۲۰) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرات کے حاکم نے ۸۹۲ھ میں چند تاجروں کی شکایت پر سندھ کے کسی حصے پر لشکر کشی کی، اس فتح کی اطلاع کے لیے وہ فتح نامہ ملك کے مختلف حصوں میں اطلاع دینے کے لیے مشہور کیا گیا تھا۔

وہ زمانہ جام نظام الدین کا تھا۔ سبی اور شال (کوئٹہ) تك اس کی حکومت تھی۔ اُس دور میں ہرات کی طرف سے امیر ذوالنون ارغون قندھار کے نائب تھے۔ (۲۱) جس کے بیٹے شاہ بیگ نے ۸۹۰ھ (۲۲) میں جام نظام الدین کی حدود سے آگے بڑھ کر سوی کا قلعہ ان کے گماشتے بہادر خان سے چھین کر اُسے اپنے بھائی سلطان محمد کے حوالے کردیا، جس کے بعد جلد ہی مبارك خان (دریا خان دولہا) نے قلعہ واپس چھین لیا اور اسے قتل کردیا۔ میر معصوم کے قول کے مطابق جب تك "نظام الدین" زندہ تھے، تب تك کسی (غیر) کو ہمیت نہیں تھی، کہ سندھ کو غاصبانہ نگاہ سے دیکھے۔ (۲۳)

قندھار اور ہرات کے مغلوں کا سندھ پر ۹۱۴ھ تك یہ (۸۹۰ھ) حملہ تاریخ میں موجود ہے۔ درج ذیل فتح نامہ والی لشکر کشی ایك سال درمیان میں شامل کرنے سے ۸۹۲ھ میں ہوئی- سال کے شروع میں دیے گئے قطعہ کے فقرہ - مَلك فتح مُلك کرد- سے نکلتا ہے۔

سب سے پہلے فتح نامہ کا سندھی (اردو) اختصار دیا جاتا ہے، جس کے بعد فارسی متن آئے گا۔

حال ہی میں تاجروں کے ایك گروہ، جن کی تجارت کے سلسلے میں سندھ کے علاقے میں، جو ہمارے قلم رو سے ساتھ ملا ہوا ہے، آنا جانا تھا، دربار میں آکر فریاد کی کہ "دشمنان اسلام" کی ایك جماعت جو کہ

صاحب سلطنت ہے، مسافروں پر ظلم کرتی رہتی ہے اور آتے جاتے لوگوں کو لوٹتی رہتی ہے۔

یہ سن کر ہم کو بہت دکھ ہوا ہمارا ایک بڑا لشکر اس ملک پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، جب "لشکر اسلام" کی خبر ان کافروں کو ہوئی تو اُنھوں نے بھی ایک بڑی فوج مقابلے کے لیے تیار کی۔ غداروں اور مکاروں کا وہ فرقہ ہماری فوج کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا۔ بادشاہی اقبال نے تقدیر کو ان کی تدبیر کے مخالف کردیا، اور شب خون کا جو وقت مقرر تھا، وہ ناموافق ہوگیا۔ چنانچہ شب خون مارنے کے لیے وہ جیسے ہی روانہ ہوئے اور ایک فرسخ مشکل سے سفر کیا تو ہماری فوج کو خبر ہوگئی اور وہ تیار ہوکر مقابلے کے لیے نکل آئی۔ اسلامی فوج نے اُن بدبخت ہندوؤں کی لاشوں کے ڈھیر لگادئے۔ خداوند کریم کے فضل سے فتح عظیم حاصل ہوئی۔

چوں کہ یہ خبر سب اہل دانش کے لیے بڑی خوشی اور شادمانی کا سبب بنی، اس لیے اس خط کے ذریعے اس خبر کو چاروں طرف پھیلایا جاتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

ذیل میں فارسی متن دیا جاتا ہے، جس کا پہلا حصہ اللہ اور رسول کی حمد و ثنا میں ہے، اصل مطلب صرف اتنا ہے جس کا اختصار سندھی زبان میں اوپر دیا گیا ہے۔ فتح نامہ کی ابتدا اس عنوان اور قطعہ تاریخ سے ہوتی ہے:

فتح نامۂ بلاد سند

شکر خدا کہ از اثر فیض فضل او
شد سرفراز رایت اسلام در نبرد
دشمن بہ تیغ خواست، کند جوی خون روان
وز جوئبار تیغ جبین بودش آب خورد
توفیق فتح، چون ملکِ ذوالجلال داد
تاریخ ماند آنکہ۔ مَلک فتح مُلک کرد
(۸۹۲ھ)

افتتاح کلام بہ ذکر قہاری باید کرد، کہ بیر تیر چرخِ پشتِ خم، از دائرۂ صفِ نیزہ گذاران نبرد غیرتش، چون دال ادا نتواند

گذشت. و ابتداء پیام، بنام جباری شاید، که کاتب کریم البنیان نون والقلم، از روی ثبات قدم، در بیداء نثار، از سهم کمانداران صفِ سیادتش، چون حرف ثنا نتواند گشت. رحیمی که در مقابله تیر بهرام خون ریز، زهرۂ عشرت انگیز را چنان زره پوش گردانیده، که خود را چون یکی حلقۂ زره پیداست. و حکیمی که در محاربۂ تیغ صبح شعله فشان، سپهر هراسان را باوجود زره کواکب، در زیر سپر زرین آفتاب گرفته بیاراست. نظم:

جهان آفرین و جهان بی نیاز
بهنگام بیچارگی کار ساز
خرد دانش آموز تعلیم او
دل از داغ داران تسلیم او

و بعد از تصدیر این مقال، و تصویر این خیال، نعت (اصل: نعمت) سروری لایق، که درّی از برج سعادت، بلکه درّ درج شهادت را از ته لب (اصل: شهد لب) به سنگ بد گوهران نثار کرده، دُرة التاج تارك مروت ساخت. و مدح دلاویزی موافق، (که) ماه عَلم عالم گیر را گسترده، معاندان را در قعر چاه بدر انداخت. نظم:

گران مایه تر تاج آزادگان
گرامی تر از آدمی زادگان
محیطی چه گویم (که) بارنده میغ
بیك دست گوهر و یك دست تیغ
به گوهر جهان را بیاراسته
به تیغ از جهان، داد دین خواسته

صلی الله علیه وآله واصحابه الی یوم الدین.

اما بعد بر رای ارباب ذوالاعتبار واصحاب اولی الابصار مستور نخواهد بود که، غرض از خلق ما سوی الله، و ایجاد ما خلق الله، جز تکوین گوهر ذات حضرت رسالت پناه، و باعث بر

رسالت آنحضرت جز اهتداء گم شدگان ضلالت دستگاه نیست. چه در وقتی که آن عالی قدرِ جهانِ کون و فساد را غیرتِ عالم ملکوت و رشك فضاء لاهوت گردانیده بود، همیشه همت مبارك بر مداوتِ غزا و مواظبتِ جهاد مقتصر و منحصر داشته، مضمون کریمه- ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة- به مسامع سکّان کون و مکان میر سانیدند. ازان جمله هر که به سعادت- من یهد الله فهو المهتد- مستعد شدی، بر فلك توفیق به درجه اصحاب- افمن شرح الله صدره للاسلام- مشرف گشتی. وآنکه به شقاوت- ومن یضل الله فلن تجد له ولیاً مرشداً - گرفتار بودی، به تیغ آبدار - اقتلوا المشرکین کافةً- بر گذشتی. و چنان که در باقی خصائل و سائر شمایل، اقتداء به سنن سنیه، واتباع به اخلاق مرضیۂ آنحضرت به قدر وسع لازم است، همین شیوه نیز بر سلطان سلاطینِ جم جاه خصوصاً و بر سایر مسلمین عموماً سمت وجوب دارد- پس ما نیز این مقدمه را حرز جان و وردِ جنان مترصد این امر عظیم الشان می بودیم. تا درین ولا جمعی از تجار که ممر عبور (و) ورود ایشان بر بعضی از دیار سند- که به حوزۂ این اقلیم تلاصق دارد- واقع بود، التجا بدرگاه دین پناه (۲۴) آورده عرض کردند که: فوجی از مخالفانِ راهِ دین و معاندانِ شرع المرسلین، که از سایر کفره و فجره به سلطان وایالت ممتازند، دست تعدی و تسلط کشاده عامل اسفار و قاطعان براری فگار را ضرری میر سانند.

این معنی به خاطر دریا ماثر گران آمده، با جوقی از لشکر کواکب حشر، که از عکس به آفتابش تیغ افگن در آئینۂ جوشن، اطلسِ سپهر را از شعلۂ آتش دولت محمدی و فروغ شعشعۂ ملتِ احمدی روشن دارند- کالبرق الخاطب- آن دیار ظلمت آثار و زمین کدورت دثار را غیرتِ سپهر منیع و فلك

رفیع ساخته، خیام و اطناب را نمونه نجوم و شهاب گردانیدم. و چون خبر وصول (اصل: رسول) رایت آفتاب درایت اسلام، بدان مقیمان نشیمن ظلام رسید، آن جماعت با سپاهی بیحد و لشکر بیعد به استقبال دولت روز افزون متوجه گشتند. و آن طائفهٔ مکارِ غدار که از روی شقاوت، بار خسارهٔ چون پرِ زاغ، چشم به متاع حیاتِ این فرقه سرخ کرده بودند، و خون فاسد در بدن ایشان به جوش آمده، سودای شبیخون داشتند. از قوتِ دولت خسروی و یمن سعادت قوی، قیاس تدبیر ایشان مخالف ارادهٔ تقدیر افتاد، و ظن و تخمین ایشان در تشخیص و تعیین زمان، نا موفق (اصل: ما موافق؟) آمد. چنانچه وقتی که طائر شب هنگامه پرواز، زمانه را از آتش بالِ خود دل گرم ساخته بود، و انتقام مهر آیش قهر، در دودمانِ شب ظلمت آیین انداختند، خبر وصول ایشان از یك فرسخی معسکر ظفر اثر رسید. آواز طبل رحیل به گوش تیز هوش قایم دولت اسلام رسانیده. ازینجا نیز شیران (اصل: جلالت) و داوردی که هر یك در میدان مردی و مردانگی و مضمار چستی و فرزانگی بارها از یکدیگر قصب السبق (ر) بوده بودند، به قصد افروختن نائرهٔ جدال و قتال روان شدند.

و چون قرب (اصل: قریب؟) مسافت آناً فاناً بر مخالفانِ حیلت پیشه و معاندان کمر اندیشه، سمت ظهور می یافت، و نیز می دانستند که فریب و رنگ و افسون و نیرنگ را جز بر زبان تیغ مجال نماند، و به طریق اضطرار، به ترتیب قواعدِ کار زار و تمهید قوانین جنگ و پیکار مشغول گشته بودند، به وقتی که طلیعه صبح، با تیغ چون آب سپهر زرین آفتاب، خون زنگی شب را بر خاك میدان زمانه ریخت، دو صف در مقابلهٔ یك دیگر، چون کوه گردون ستوه بایستادند.

بیت:
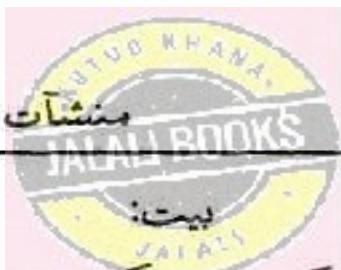
دو لشکر بهم کشیدند کوس

چو شطرنج از عاج و از آبنوس

ما یك پرِ زمانه را ره امن و امان بسته و صولت استداره را از کرهٔ خاك شکسته، از هر دو جانب، مردان کاری و دلیران کارزاری، همه چون کوه پایدار، بر مراکب گردون نورد سوار، که هنگام جولان کره فلك قمر- طابق النعل بالنعل- بودندی، و از زخم نعل گردون مسیر (اصل: میر؟) شان، ساکنانِ فلك از گاو زمین صدای– یا لیتنی کنت ترابا– شنیدندی و گفتندی. بیت:

به زیر مردان، اسبان چو کوه آهن پشت

به پشت اسبان، مردان چو کوه آهن بار

از آتش برگ نعل شان، هلال نعل وش، به آتش غیرت سوختهٔ بزمین فرو رفت، و از دوران جرم مهر منیر بر چرخ اثیر، چون آئینه ز آه حسرت، ظلمت و کدورت پزیرفته. بیت:

در آمد دو لشکر به جنبش چو کوه

کزان جنبش آمد، جهان را، ستوه

ز غرّیدنِ نالهٔ کرّ نای

در افتاد تبِ لرزه در دست و پای

ز فریاد روئین تن از پشت پیل

نفیر نهنگان بر آمد ز نیل

خروشیدن کوس روئینه کاس

نیوشنده را داده برجان هراس

جلا جل زنان از نواهای زنگ

بر آورده خون از دل خاره سنگ

سنان بر سرِ موی بازی کنان
به خون روی دشمن نمازی کنان
ز فولاد پوشان لشکر شکن
تن کوه لرزیده (بر) خویشتن
ستیزنده از تیغ سیماب ریز
چو سیماب کرده، گریزان گریز

دلیران جنك آزمای مرد افگن، و مردان دارای سکندر شکن، که هر یك در میدان جلادت صفدری و در بیشهٔ هیجا غضنفری بودند، همه در دریای نبرد عرق آهن گشته از عکس اشعهٔ لمعاتش، تیغ آب گردان سپهر دوّار لرزان و هراسان داشتند.

آستین افشان علم در رقص بر آواز کوس
پای کوبان از تزلزل همچو اسپان گلر (اصل: کوه؟)
رمح خونین کرده کوته بر اجل راه دراز
نای روئین گشته، بر بالین کشته، نوحه گر
در دل رزم آزمایان، نوك پیکان و سنان
چون مژه بر چشم عاشق، غرقهٔ خون جگر

در ظلمت گرد، زبان سنان خون آلود، راست چون علم آتش درمیانه دود، و رسیدن پیکان آبدار بر سپرهای زنگار، چون قطرات بارانِ نسیانی، بر فراز گل هنگام بهار، و رماح خونین پیراهن آئینهٔ جوشن، چون خطوطِ شعاع حوالی خورشید روشن. بیت:

اگر سیماب باریدی چو باران
ستادی بر سنانِ نیزه داران

هوای گرم آشیان ظلمت انجامِ، از زخم تیر و صدای نفیر و کوس رعد صریر، ندای- او کصیب من السماء فیه ظلمات ورعد وبرق یجعلون اصابعهم فی اذانهم من الصواعق حذر الموت- خبر داده.

نظم:

به دست تیغ، گریبانِ زندگی شد چاك
به پای عمر فتاد (ست) دامن خذلان
دلاوران را جسته که کشاده خدنگ (کذا)
بسان غنچهٔ گل، آتش از سرِ پیکان

وچون از دم نای روئین، آتش پیکار اشتعال پزیرفت. امداد فیض الاهی و اسعاد فضل نا متناهی، مژده روح پرور- وهو معکم اینما کنتم- مانند آیت کریمه:- انی انا الله- از آتش کلیم، به مسامع اهل اسلام رسانیده، شوکت کوکبهٔ دینِ محمدی و قوتِ غلبهٔ عنایت سرمدی، حملهٔ فتح (و) ظفر، بر سپاه مخالف آورده، اکثر دشمنان تباه کار و هندوان سپه روزگار، که چون دود دعوی سرفرازی می کردند، مانند اخگر آذر به خاك سیاه برابر گشتند. و آنچه امید خلاص و سودای مناص داشتند، همه چون زاغ و زغن در بیابان بی پایان طعمهٔ عقاب اجل شدند.

و این فتح بزرگ پایه، وا ین نصرت گرانمایه، موجب شکر حضرت لایزال و حمدِ مهیمن متعال گشت- والحمد لله الذی اذهب عنا الحزن- وچون این معنیٰ را در خاطر جمهور اهل دانش و بینش، بلکه مجموع آفرینش، باعث امن و حضور، و مورث سروری دانست. به ارسال این نامهٔ گرامی و مرسالهٔ نامی باطراف و اکناف ارتکاب نموده، توفیق نعمت عظمیٰ - لئن شکرتم لازیدنکم- را مستدعی باشد. انه خبیر موفق و معین- (۴۵)
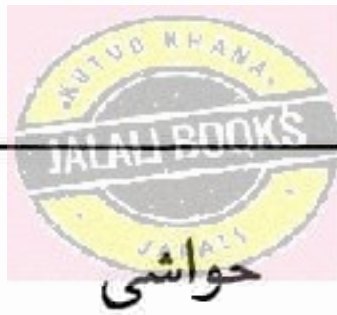
حواشی

(۱) منشات ماہرو کا خطی نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی میں ہے، جو جناب شیخ عبدالرشید (استاد دانش گاہ پنجاب) نے مرتب کرکے کلکتہ سے شایع کروایا۔ ابھی کتاب چھپی نہیں تھی کہ حادثے کے سبب چھپے ہوئے سب فارم جل گئے۔ متن میں دیے گئے خطوط اس واحد نسخے کی کاپی سے ماخوذ ہیں، جو شیخ صاحب کے پاس ہے۔ راقم الحروف شیخ صاحب کا شکر گذار ہے، جنھوں نے اپنا نسخہ عاریتاً عنایت کیا۔

(۲) متوفی ۷۷۶ھ (۱۳۷۴ء) اُن کے دو بیٹے تھے۔ ایک تغلق شاہ ثانی (۹۰-۷۹۱) دوسرا نصرت شاہ۔

(۳) یعنی وزیر اعظم مملکت ھند.

(۴) در نسخہ مطبوعہ همین طور چاپ شدہ.

(۵) همین طور چاپ شدہ.

(۶) بانبھینہ

(۷) هالکان شاید سهو کتابت است و در اصل چاچکان باشد.

(۸) در اصل یک لک تنکہ باشد.

(۹) چاچکانید باشد.

(۱۰) فیروز ۷۵۴ھ (نومبر ۱۳۵۳) میں دلی سے بنگال کے لیے روانہ ہوا اور ۷۵۵ھ (۱ ستمبر ۱۳۵۴ء) میں واپس دلی آیا۔ اس پہلے حملے میں فیروز کو کامیابی نہ ہوئی۔

(۱۱) ۷۴۶ھ میں حاجی الیاس نامی ایک امیر نے مغربی بنگال پر قبضہ کرکے سلطان شمس الدین ابوا المظفر الیاس شاہ کے لقب سے حکومت شروع کی۔ ۷۵۳ھ میں مشرقی بنگال پر بھی قبضہ کیا۔ ڈھاکہ کے قریب سونار نامی ایک گاؤں اس نے پایۂ تخت کے لیے منتخب کرکے نیا شہر بنا کر بنگال کی آزاد حکومت کی بنیاد

ڈالی۔ آپ کے گھرانے میں ۸۸۶ھ تک بادشاہت رہی۔ وہ ۷۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی جگہ ان کا بیٹا ابوالمجاہد سکندر شاہ تخت نشیں ہوا۔ اسی دور میں سلطان فیروز نے دوسری مرتبہ حملہ کیا، جس میں اُس کو ناکامی ہوئی ۷۹۲ھ میں اس سلطان کی وفات ہوئی، اور اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان غیاث الدین ۷۹۹ھ تک حکمران رہا۔ اسی سلطان غیاث الدین نے حضرت حافظ شیرازی کو بنگال آنے کی دعوت دی۔ حافظ نے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے ایک غزل اس کے لیے بھیجی تھی، جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ساقی حدیث سرو و گل و لاله میرود
وین بحث با ثلاثه غساله میرود
شکر شکن شوند همه طوطیان هند
زین قند پارسی که به بنگاله میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث الدین
غافل مشو که کار تو از ناله میرود

(۱۲) کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج۳ ص۱۷۸-۱۷۶ (۱۹۵۸ء) ریاض السلاطین ترجمہ انگریزی (۱۹۰۲ء) ص۹۸-۱۰۸ مندرجہ ذیل واقعات ذہن نشین ہوں:

۱- بنگال کی پہلی مہم - ۵۴-۷۵۵ھ (۱۳۵۳ء)
۲- سلطان شمس الدین کا انتقال - ۷۵۹ھ
۳- فیروز کو دلی میں قتل کرنے کا منصوبہ - ۷۶۰ھ (۱۳۵۸ء)
۴- بنگال کی دوسری مہم - ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء)
۵- فیروز کا سندھ پر پہلا حملہ - ۶۳-۷۶۴ھ (۶۱-۱۳۶۲ء)
۶- گجرات میں تیاریاں کرتا رہا - ۷۶۵ھ (۱۳۶۳ء)
۷- سندھ پر دوسرا حملہ - ۷۶۵ھ (۱۳۶۳ء)
۸- بابینہ اور جام جونہ کی دلی روانگی - ۶۵-۷۶۶ھ
۹- خان جہان مقبول کی وفات - ۷۷۲ھ (۱۳۷۰ء)

۱۰ – فتح خان بن فیروز کی وفات – ۷۷۶ھ (۲۳ جولائی ۱۳۷۴ء)

۱۱ – فیروز کا انتقال – ۷۹۰ھ (۲۰ ستمبر ۱۳۸۸ء)

۱۲ – ابو المجاہد سکندر شاہ والئ بنگال کا قتل – ۷۹۲ھ

(۱۳) فتح خان (متوفی ۷۷۶ھ) کی سندھ پر تقرری کا ایک پروانہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ قریباً ۷۶۶ھ میں لکھا گیا۔ کیونکہ ۷۶۵ھ میں سلطان فیروز سندھ پر دوسری دفعہ حملہ آور ہوا۔ جاموں کے ساتھ صلح کی، انہیں (جونہ اور بابینہ) کو دلی ساتھ لے گیا۔ ۷۶۶ھ میں دلی پہنچ کر انہوں نے اپنے بڑے بیٹے فتح خان کو سندھ پر حاکم مقرر کر کے مذکورہ پروانہ جاری کیا ہوگا۔

(۱۴) سلطان محمد تغلق کی وفات (۷۵۲ھ) کے بعد فیروز تخت نشین ہوا۔ سندھ سے جاتے ہوئے انہوں نے سندھ کے مختلف حصوں پر نئے گونر مقرر کیے۔ امیر نصر سندھ کے ایک حصے پر مقرر ہوئے' جس نے اپنے نام کی نسبت سے نصرپور شہر کی بنیاد ڈالی۔ ملک بہرام مذکورہ حصے کا فوج دار مقرر ہوا، جس نے بہرام پور کا شہر تعمیر کروایا، ملک علی شیر اور ملک تاج کافور، خود سہون میں مقرر ہوئے۔ ملک رکن الدین کو نائب مقرر کیا اور اخلاص خان کا لقب دے کر پورے سندھ کے اختیارات دیے گئے اور ملک عبدالعزیز کو سندھ کا دیوان مقرر کیا گیا۔

(۱۵) اس سے ظاہر ہے کہ دہلی کی طرف سے سندھ کے جو گورنر مقرر کیے گئے وہ بڑے ظالم اور جابر تھے۔ خاص طور بہرام بڑا ظالم اور جابر تھا۔ خط میں ان کا نام دو بار آیا ہے۔

(۱۶) نبشته: بجای نوشته عصامی در فتوح السالطین (تالیف ۷۵۱ھ) میگوید:

یکی روز، از نیک خواهان خان بیاورد مکتوب پیکی دوان
نبشته دران نامه، آن مرد کار که آمد سوارِ مغل سی هزار
(ص۱۷۶)

شیندم به هر تن، به آب سیاه نبشته بر آن زمره پر گناه
(ص۱۷۳)

بیار ای عرب زاده هندی سرشت ازان فارسی های هندی نبشت
(ص۳۰)

(۱۷) در نسخه مطبوعه سیکهر نوشته شده است که در اصل املا سکهر (سکر)۔

(۱۸) ازین ظاهر است که در زمانه تغلق "فتح نامه سند" المعروف به "چچ نامه" بنام "تاریخ داهر چچ" معروف بود۔ این واقعه که اینجا نقل شده، در چچ نامه از صفحه ۲۴۳ تا ۲۴۷ درج است۔ و از حیث تاریخی غلط قرار داده شده است۔ رک: تعلیاقت چچ نامه ص۲۶۷۔

(۱۹) ذکر کرام ص۱۲۸۔ مخدوم جهانیان از محمد ایوب صاحب قادری ص۲۰۲

(۲۰) یہ فتح نامہ خواجہ عبداللہ مروارید (وفات ۹۳۲ھ) کے جمع کردہ مکتوبات "شرف نامہ" سے لیا گیا ہے۔ خواجہ مذکورہ شاہ حسین بایقرا کا میر منشی تھا۔ مکاتیب کے اِس مجموعے میں اس نے اپنے دور کے اہم خطوط کو جمع کیا ہے۔ شرف نامہ کا عکسی نسخہ ۹۵۸ھ کا مکتوبہ جرمن ترجمے سے **Hans Robert Roemer** شہر **Wiesibaden** سے سال ۱۹۵۲ء میں شایع کیا ہے۔ میں جب منیلا میں تھا، اس وقت محترمہ اینی میری شمل **Prof. Dr. Annemarie Schimmel** نے اسی فتح نامے کی نہ صرف اطلاع دی، بلکہ ۱۹۶۰ء میں میرے لیے کتاب بھی بھجوائی جس کے لیے میں اُن کا شکر گذار ہوں۔ کتاب کے ۶۷-۷۰ صفحات پر فتح نامہ موجود ہے۔

(۲۱) میر معصوم کے قول کے مطابق ذوالنون ۸۸۰ھ قندھار پر مقرر ہوا۔ (ص۸۰)

(۲۲) ماثر رحیمی ج۲ ص۲۷۳ فرشتہ (جلد ۲ ص۶۱۲-۱۸۳۱ء) نے بھی وہی سال دیا ہے۔ طبقات اکبری (ج۳ ص۵۱۷) نے سال ۸۹۹ھ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی ہو۔ میر معصوم نے واقعے کا
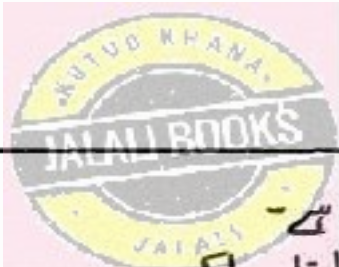
کوئی سال نہیں دیا ہے۔

(۲۳) اس سلسلے میں طبقات اکبری، معصومی اور تاریخ فرشتہ کے اقتباسات نیچے دیے جارہے ہیں:

طبقات اکبری (تالیف ۱۰۰۲ھ): در زمان او، شاہ بیگ ز قندھار آمدہ، در سنہ تسع و تسعین و ثمان مأۃ (۸۹۹ھ) قلعہ سیوی را کہ در تصرف بہادر خان گماشتہ او بود، مفتوح ساخت. و برادر خود سلطان محمد را آنجا گذاشتہ، خود بہ قدنہار مراجعت نمود. و جام نندہ، مبارک خان نام را بر سر سلطان محمد فرستاد و سلطان درین جنگ بقتل رسیدہ. باز سیوی در تصرف جام در آمد. شاہ بیگ از استماع این خبر، میرزا عیسیٰ ترخان را، بہ جہت انتقام برادر فرستاد. میرزا عیسیٰ با لشکر جام، جنگ کردہ، غالب آمد. و متعاقب آن شاہ بیگ رسید، قلعہ بکر را، از تصرف قاضی قادن گماشتہ جام نندا، بصلح گرفت... و قلعہ سہوان را نیز متصرف شدہ، حوالہ خواجہ باقی بیگ نمودہ، بہ قندھار مراجعت کرد. و جام نندہ بہ جہت استخلاص سیوی مکرر لشکر فرستاد، اما کاری از پیش نرفت. (ج ۳ ص ۵۱۷)

تاریخ سند میر معصوم (تالیف ۱۰۰۹ھ): و در آخر سلطنت جام نظام الدین، لشکر شاہ بیگ از قندھار آمدہ مواضع اکری و چند و کہ و سیدیچہ را تاخت نمود. جام لشکر، بہ جہت دفع فساد مغولان فرستاد و آن لشکر تا قریہ کہ مشہور است بہ جلوگیر رسیدہ جنگ صعب نمودند. و دران جنگ برادر شاہ بیگ بقتل رسید و ہزیمت یافت عنان بہ جانب قندھار برتافتند- و تا زمان حیات جام نظام الدین دیگر بہ سند نیامدند. (ص ۷۵)

تاریخ فرشتہ (تالیف ۱۰۱۵ھ): اسی واقعے کی تفصیل اس مورخ نے یوں دی ہے: در سنہ تسعین و ثمانمایہ (۸۹۰ھ) شاہ بیگ ارغون از قندھار آمدہ قلعہ سیوی کہ در تصرف یکی از امرای نظام الدین بود، بہادر خان نام داشت، محاصرہ نمود، و بہ جبر و قہر مفتوح ساختہ، بہ برادر خود، سلطان محمد سپرد، و خود بہ قندھار رفت. و در غیبت او، جام نظام الدین، یکی از امرای خود را کہ مبارک خان نام داشت و مردانہ و شجاع بود، بہ استخلاص قلعہ سیوی نامزد فرمود. وبین الجانبین چند کرت جنگ واقع شدہ. عاقبت

سلطان محمد به قتل آمد. و قلعه سیوی باز به تصرف جام نظام الدین المشهور به جام ننده در آمد. شاه بیگ از استماع این خبر، میرزا عیسیٰ ترخان را به جهت انتقام برادر فرستاد. و جام نظام الدین نیز لشکر خوب جمع آورده به سر داری مبارك خان به استقبال او فرستاد. و در سرحد بین الجانبین جنگ صعب واقع شده بسیاری از امرای قدیم کار آمدنی جام نظام الدین، به قتل آمدند- و مبارك خان زخمی و بدحال تا قلعه بکر هیچ جا عنان نکشید.

وچون خبر فتح میرزا عیسیٰ ترخان به شاه بیگ ارغون رسید، طمع در تمامی ملك سند کرده، از قندهار با لشکر جرار متوجه بکر شده، آن ملك را قبل کرد و قاضی قادن که- از جانب جام نظام الدین المشهور به جام ننده حاکم آن حصار بود- رایت مدافع بر افراشت و چندگاه به جنگ و جدال گذرانید و چون کار را دست شده، از لشکر سند کسی بفریاد نرسید و قلعه بکر درانوقت باین استحکام نبود، هر آئینه قاضی مذکور، امان خواسته حصار را بتصرف خصم داد. و شاه بیگ فاضل کوکلتاش را حاکم بکر ساخت، خود بجانب سهوان رفت و آن را مفتوح ساخت به خواجه بیگ سپرد و دران سال همین قدر کفایت کرده به قندهار مراجعت نمود. جام ننده زر فراوان خرج کرده لشکر گرفت و هر چند سعی نمود که قلعهٔ سیوی را خلاص کند میسرنشد. چه که سپاه سند که چشم ایشان از لشکر ترکان خونخوار که همراه میرزا عیسیٰ ترخان آمده بودند. تر سیده بودند، به هیچ وجه مقابله و مقاتله، ایشان اختیار نمی کردند.

چنانچه وقتی تنگ اسپ یکی از ترکمان سست شده، زین اسپ بگردید، و ترکمان فرود آمده بکشیدن تنگ اسپ مشغول گشت، در این اثنا فوجی از سپاه سند به آنجا رسیده چهل سوار برو تاختند. ترکمان بقصد فرار چون پای در رکاب نهاد، چهل سوار سندی رو به گریز نهادند جام ننده که شصت و دو سال پادشاهی کرده بود، از غصه مشاهده این حال مریض گشته در گذشت. (ج ۲ ص ۶۱۸، طبع ۱۸۳۱ء)

مندرجہ بالا عبارات میں کچھ اس طرح کے تضادات اور اشکال موجود ہیں:

۱- سندھیوں کے ہاتھوں سے سیوی چھین لینے کا سال طبقات اکبری نے ۸۹۹ھ دیا ہے اور فرشتہ نے سال ۸۹۰ھ دیا ہے۔

۲- فرشتہ میں ہے کہ دوسری دفعہ سیوی جانے کے بعد جام نظام الدین نے بازیافتگی کے لیے بہت کوشش کی، لیکن سیوی واپس نہیں لے سکا۔ اور آخر میں اس صدمے میں مایوسی کا شکار ہو کر باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ معصومی کا قول ہے کہ نظام الدین ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ کو تخت نشین ہوا۔ تاریخ الفی، تاریخ طاہری، بیگلارنامہ اور تحفۃ الکرام کے قول کے مطابق ۹۱۴ھ میں انتقال کیا۔ اگر ان کی عمر باسٹھ سال شمار کی جائے تو ان کے انتقال کا سال ۹۲۸ھ ہوگا، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ (دیکھئے جام نظام الدین کے مقبرے کا کتبہ)

۳- اسی سارے سلسلے میں شاہ بیگ اور مرزا عیسیٰ ترخان کا نام آیا ہے۔ اگر یہ واقعات سال ۸۹۰ھ یا ۸۹۹ھ یا اس کے لگ بھگ ہوئے تو قاعدے اور رسم کے مطابق امیر ذوالنون کا نام آنا چاہیے تھا، کیوں کہ قتل ہونے (۹۱۳ھ) تک حاکم وہی تھا نہ کہ شاہ بیگ۔

۴- اسی طرح اگر ۹۰۰ھ سے پہلے سیوی کی بازیافتگی کے لیے ذوالنون یا شاہ بیگ کوئی لشکر بھیجتا تو اس کی کمان مرزا عیسیٰ ترخان کے ہاتھ میں نہ ہوتی۔ مرزا ۸۹۰ھ خواہ ۸۹۹ھ میں اگر پیدا ہوئے، تو سنہ شعور تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مرزا کا انتقال ۹۷۳ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ طبعی عمر کے لحاظ سے اُن کی ولادت زیادہ سے زیادہ ۸۹۸-۸۹۹ کے قریب ہونی چاہیے۔ تاریخ معصومی میں مرزا کا ذکر سب سے پہلے شاہ حسن کے کچھ والے حملے میں ۹۳۳ھ کے بعد ہوا ہے۔ (ص ۱۶۱-۲۰۶ معصومی)

(۲۴) یعنی سلطان حسین میرزا با یقرا بادشاہ خراسان کہ پایہ تختش هرات بود.

(۲۵) ورق ۱۰۱ تا ۱۰۵ شرف نامہ خواجہ عبداللہ مروارید طبع ویسبادن ۱۹۵۱ء۔

باب ۵

۱۰ – شیخ پیر جیو

پیر شیخ جیو (۱) ولد شیخ نعمت اللہ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے اور سہروردی مشائخ میں ایک بڑے بزرگ تھے۔ آپ کے والد شیخ نعمت اللہ سما گھرانے کے ابتدائی زمانے میں غالباً ملتان سے ہجرت کرکے ٹھٹہ میں مقیم ہوئے۔ تحفۃ الکرام کے مطابق شیخ موصوف بلند مرتبے کے بزرگ تھے:

– وجود مسعودش، بوفور کمال و فرط کرامت محض نعمت خدا بوده. (۲)

شیخ جیو کے مقبرے کے پیچھے شمال میں تھوڑے سے فاصلے پر گنبد کے اندر آپ کا مزار ہے، جس کے احاطے میں چہار دیواری موجود ہے۔ درگاہ کی تازہ مرمت کی گئی ہے۔

شیخ جیو: آپ مکلی کے بڑے اہل اللہ میں سے ایک ہیں۔ ولایت اور عرفان کے کمال کی وجہ سے "چراغ مکلی" (۳) کے لقب سے مشہور ہیں۔

سندھی میں «شیخ جیئو مکلي جو ڏيئو»– "شیخ جیوا مکلی کا دِیوا" کہا جاتا ہے، بقول میر قانع ہر مہینے کی پہلی اتوار کی رات (۴) کو میلہ لگتا تھا اور سالانہ میلہ جس میں ارد گرد کے تمام لوگ آکر اکٹھے ہوتے تھے، وہ بھی قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔

"هر سال به تاریخ موصوف مجمعی سترگ ممهد گردد، خدام از شهر و بیرون، شب آنجا احیا نمایند و فقیران وجد و سماع آغازند. غریب حالتی مشاهده گردد."
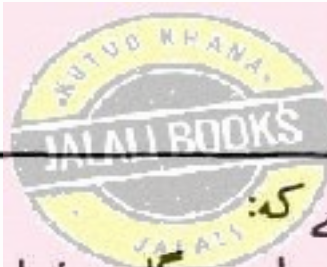
اس کے بعد میر قانع لکھتا ہے کہ:

"در تمام کوہ مکلی، این درگاہ بہ فرط نورانیت مستثنیٰ است. اهل زیارت بہ استمداد همتش فائز حاجتند." (۵)

شیخ کے مزار پر بلند دیواروں کا مقبرہ ہے، چھت پر گنبد ہیں، جو کہ دیواروں کے مقابلے میں چھوٹے اور غیر متوازن لگتے ہیں۔ جنوب کی جانب لکڑی کا داخلی دروازہ ہے۔ مقبرے کے اند رمتعدد قبریں ہیں، جن میں جنوب کی جانب سے شیخ صاحب کا مزار دوسروں سے ذرا دور اور الگ ہے۔ مقبرے کی دیواریں اتنی بلند ہیں کہ دور سے ہی مقبرہ دکھائی دیتا ہے اور اطراف میں بڑا قبرستان ہے۔ "پورانی سادات"، کا قبرستان مقبرے سے پانچ سو قدم کے فاصلے پر جنوب مغربی کونے پر واقع ہے۔

میاں لال کی قبر بقول میر قانع، شیخ صاحب کی مشرق میں ہے۔ (۶) یہ نہیں لکھا کہ مقبرے کے اندر ہے یا باہر والے قبرستان میں؟

۱۱- قاضی الحاجات رفیع الدرجات بر آرندہ مدارات حضرت پیر آسات

پیر آسات (۷) مخدوم عربی (متوفی ۹۹۰ھ) کے بھائی اور حضرت میراں محمد جونپوری کے مرید (۸) تھے۔ ہالا ان کا آبائی گاؤں تھا، لیکن زندگی ٹھٹہ میں بسر کی۔ اُنھیں باکمال ولی اور صوفی کہا گیا ہے۔ اُن کی اولاد میں محمد حسین، اور ان کے بیٹے احمد اور محمد کا ذکر میر قانع نے تحفۃ الکرام میں کیا ہے۔ احمد دلی کے شاہ غلام محمد صوفی کے مرید تھے اور اپنی بقیہ زندگی مرشد کے پاس بسر کی۔

پیر آسات کا مزار، عبداللہ شاہ "صحابی" کی چہار دیواری سے باہر مغرب کی جانب راستہ کے پاس گری ہوئی اور مسمار جوکنڈی میں ہے۔ مکلی نامہ میں اس کے مزار کے پاس جس چشمے کا ذکر کیا گیا ہے (ص۲۷) غالباً یہ چشمہ وہی تھا جو کہ عبداللہ شاہ کے صحن میں پہاڑی کے درمیان سے نکلتا ہے اور اوپر بیان کردہ درخت بھی موجود ہے۔ (۹)

مکلی نامہ میں دو تالابوں کا اسی جگہ (۲۸-۲۹) بیان کیا گیا ہے۔ ایک پیر آسات کا تالاب اور دوسرا شیخ جیو کا تالاب۔ برسات میں ان دونوں تالابوں کا پانی باہم مل جاتا تھا۔ بڑے تالاب یعنی پیر آسات والے تالاب کے اوپر ایک پل تھا، جسے کابل کے "پل مستان" سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس وقت نہ تو وہ تالاب ہیں اور نہ ہی یہ پل موجود ہے، جس پر میر قانع کے دور میں "جوانان سیار اور امردان آئینہ رخسار" گروہوں کی شکل میں آر پار آتے جاتے تھے۔ اِس بڑے تالاب کے کنارے پر خسرو جان کی رانک کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا بیان اس کے بعد آئے گا۔

۱۲- مرزا خسرو چرکس

مکلی نامہ میں (۱۰) ذکر کردہ رانک خسرو خان، مرزا خسرو چرکس سے منسوب ہے جو ترخانی دور کا ایک امیر کبیر تھا، ملکی سیاست ہو یا سلطنت کے انتظامات وہ تمام نظام پر حاوی تھے۔

ابتداء اور حسب نسب: میر علی شیر قانع کا قول ہے کہ مرزا عیسیٰ ترخان اول خسرو خان ابتداء میں ملا جانی بندری کے ملازم تھے، جہاں سے مرزا عیسیٰ ترخان اوّل (۶۲-۹۷۴ھ) نے اُنھیں اپنے پاس بلوا کر پہلے آفتابچی کے عہدے پر رکھا اور بعد میں ان کی ذاتی خوبیوں سے متاثر ہو کر، اُنھیں مختلف علاقوں کا عمل دار مقرر کیا۔

خسرو خان چرکس منسوب به چرکس خان از اولاد چنگیز خان در دشت قبچاق حکومت کرده، نخست پیش ملا جانی بندری بود. میرزا عیسیٰ از او گرفته آفتابچی ساخت، و به معائنه جوهر ذاتیش، عنقریب عملداری پر گنات فرموده، در عهد میرزا باقی (۷٤-۹۹۳ھ) ترقی نمود. در عهد میرزا جانی امیر والا اعتبار شد. (۱۰)

مرزا جانی کا دور: خسرو کے روشن مستقبل کی ابتداء اگرچہ مرزا عیسیٰ کے زمانے میں ہوچکی تھی اور مرزا باقی کے دور میں بھی اسے اہمیت حاصل رہی، لیکن اس کے اقتدار کا اصل زمانہ مرزا جانی کے دور

میں شروع ہوا اور مرزا غازی کے دور میں اس کے عروج و شہرت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا۔

خان خاناں اور مرزا جانی کے درمیان جو مقابلہ ہوا تھا، اس کا اصلی بہادر اور جواں مردی کا نمونہ مرزا خسرو چرکس کا وجود تھا۔ اس نے سندھ کو ہندی مغلوں سے بچانے کے لیے بڑی محنت اور ہمت سے کام لیا۔ اُس نے ہر قدم پر اپنی جواں مردی اور جنگی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ لیکن اس کے کارنامے کوئی بہتر انجام نہ دکھاسکے، کیونکہ خان خاناں کی تحریک پر جانی بیگ صلح کے لیے مجبور ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ خسرو میدان سے نکل آیا۔

جب خان خاناں جانی بیگ کو لے کر ہندوستان کے لیے روانہ ہوا تو دونوں ترخانی امیروں کے ساتھ خسرو خان کو بھی ساتھ لے لیا۔ (۱۲) خان خاناں کی سفارش پر جب اکبر بادشاہ نے سھون کی تمام حکومت اور ٹھٹہ میں سے بندرگاہ لاہری اپنی حکومت میں شامل کرکے سرکار نصرپور، سرکار چاچکان اور بقیہ سرکار ٹھٹہ اور سرکار چاکر ہالہ اور جون جانی بیگ کو واگذاشت کیں (۱۳) اس وقت دوسرے ترخانی امیروں سمیت ملک کے نظم و نسق کے لیے خسرو ہندوستان سے واپس ٹھٹہ پہنچے۔ (۱۴)

مرزا غازی کا دور: مرزا جانی کے انتقال (۲۷ رجب ۱۰۰۹ھ) کے بعد سندھ کے ترخانی حصے پر آپ کا بیٹا مرزا غازی حکومت کرتا رہا۔ مرزا کم سن تھا، اس لیے صحیح معنوں میں خسرو چرکس ملک میں حکومت کررہا تھا۔ اُس زمانے میں آپ اور آپ کے اہل خاندان کے افراد نے اتنا اثر رسوخ اور تسلط پیدا کرلیا کہ جب مرزا غازی نے جان چھڑانا چاہی تو اسے سخت تکالیف پیش آئیں اور اپنے تیرہ سالہ دور میں، مکمل طور پر مرزا خسرو سے اختیارات ختم نہیں کرواسکا۔

سندھ کے معاملات میں اسی طرح حاوی ہوجانے کی وجہ سے جب ۱۰۱۱ھ میں شہنشاہ اکبر نے مرزا غازی کو اپنے پاس بلانے کے لیے حکم صادر کیا تو مرزا خسرو کو بھی ساتھ لانے کی خاص ہدایت کی۔ (۱۵)

لیکن خسرو کی روش نے سندھ کے اندر ایسی نازک صورت حال پیدا کی کہ لاچار مرزا غازی کو تنہا جانا پڑا اور اُس کے بجائے اس کے بیٹے لطف اللہ کو ساتھ لے گئے۔

مرزا غازی اور قندھار: مرزا غازی جب ایک بار ۱۰۱۲ھ میں سندھ سے روانہ ہوا تو پھر کبھی اسے سندھ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ آگرہ پہنچنے کے بعد چند مہینے کے اندر ہی اکبر کا انتقال ہوگیا، جہانگیر تخت نشین ہوئے تو شہزادہ خسرو نے بغاوت کردی۔ ابھی یہ معاملہ مشکل سے حل ہوا تھا کہ قندھار پر ایرانی قزلباش نے حملہ کردیا اور مرزا غازی کو ۱۰۱۵ھ میں سیدھا قندھار جانا پڑا۔ ۱۰۱۶ھ میں ایک دفعہ واپس ہوئے لیکن ٹھٹہ نہیں آئے۔ رجب ۱۰۱۷ھ میں دربار سے قندھار کی مستقل صوبے داری کے لیے چلے گئے۔

یہ سندھ کو ان کا آخری سلام تھا، جس کے بعد ۱۰۲۱ھ میں ان کی لاش ٹھٹہ پہنچی!

خسرو کا دور: ۱۰۰۱ھ سے لے کر ۱۰۱۷ھ تک چند درمیانی وقفوں کے علاوہ، خسرو کے مستقل اقتدار کی وجہ سے پیدا کردہ حالات نے مرزا غازی کو اس مرتبہ بھی مجبور کیا کہ، سندھ کے ترخان حصوں کی باگ دوڑ بھی خسرو خان کے حوالے کردے، چنانچہ اس کا بیٹا لطف اللہ، بھائی خان مرزا کے ساتھ قندھار روانہ ہوا اور خسرو خان خود اسی طرح سندھ کے قائم مقام حاکم رہے۔

مغلوں کی فتح کے بعد یعنی ترخانوں کے زوال کے دور میں سندھ کے مذکورہ حصے پر، در حقیقت دو ترخانی امیر خاندانوں کو اقتدار اور تسلط حاصل رہا۔ نصرپور کی جانب امیر شاہ قاسم بیگلار کا خاندان قابض تھا اور ٹھٹہ کے علاقے پر امیر خسرو چرکس کا خاندان برسر اقتدار رہا۔

مرزا غازی کے دوسری مرتبہ قندھار جانے کے بعد مرزا خسرو نے نصرپور کا علاقہ بیگلار خاندان کے سپرد کردیا اور باقی حصے کے مختلف صوبوں کو اپنے نواسوں اور پوتوں میں اس طرح تقسیم کردیا:

– چاچکان کا صوبہ فتح اللہ بن لطف اللہ کو دیا گیا۔
– نیرون کوٹ، محمد بیگ بن رستم بیگ کے سپرد ہوا۔ اور
– ٹھٹہ شہر شیخ عبدالباقی بن شیخ کالہ قریشی کے حصے میں آیا۔

سندھ کے اندرونی حالات: اسی اقتدار اور کامل اختیار نے ملک کے اندر کئی مسائل پیدا کردیے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مرزا غازی کا اقتدار ملک سے ختم ہوگیا۔ ملک کی آمدنی اور تمام حاصلات اسی خاندان کے تصرف میں آگئے۔ مرزا غازی کے حصے میں ایک پیسہ بھی نہیں آیا۔ خسرو کے ان عزیزوں نے اپنے وسیع اختیارات کے سبب ملک میں ظلم و تشدد اور لا قانونیت کی فضا پیدا کردی، نتیجتاً عوام بیزار ہوگئے۔ حالات جب حدود سے نکل گئے تو مشکل سے مرزا غازی کو ہوش آیا۔ اس کے مقربین میں بھی انتشار پیدا ہوگیا اور بہت سے مقربین نے اُسے کہہ دیا کہ:

> "همه تحت تصرف خسرو خان می رود. از بی پروایی صاحب فترت معاملات آن ملک ابتر گردیده. شیرازه بندی از جمله ضرورت است!"

سندھ سے جو لوگ آتے تھے، وہ سب خسرو کی شکایت کرتے تھے۔

> "او (خسرو خان) خود را گماشته شما نمی پندارند۔ نواسه های خود را در صوبه با سر انجام تمام صوبه ساخته. که هر یك تقلید شما می دارد."

محمد بیگ ولد رستم بیگ نیرون کوٹ کے حاکم کی صورت حال کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

> "از غرور جوانی و نخوت کامرانی، به نوعی دماغ بهم رسانیده، که اکثر بر ارغون و ترخان تعدی می داشت. و کسی که به دیدن او می آمد، به جای دست دادن، پا دراز می کرد."

فتح اللہ بن بھائی خان جو بدین کے حاکم تھے، اس کے پندار کی حالت تاریخ طاہری نے اس طرح بیان کی ہے:

> "روز عید مرشد خان را۔ که میرزا (غازی) او را از پدرش

بائیخان بیشتر میخواست- به تکلیف تمام از جاگیر که دران صوبه داشت، طلب نموده، ازین قسم، آن نکته چین سخن آفرین را آزار داد، و به بی تورگی پیش آمد، که میرزا خود هرگز برین مردم، چنین اداهای ناشایسته نکرده باشد. عاقبت، چون به انباری فیل سوار گردیده متوجه عیدگاه گشت، موسیٰ الیه از آمدن منفعل گردیده، به جاگیر رفت۔" (١٦)

شیخ عبدالباقی ولد شیخ کالا کی حرکتوں کا نقشہ اسی مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے:

"شیخ عبدالباقی نواسه دختری ایشان (خسرو) باوجود اصالت و آدمیت. که جبلی در خاندان غوث العالم مخدوم شیخ بهاء الدین زکریا بود و هست. چنین بی رسمی پسند داشته روادار ازین قسم ناشایستگی ها گردیده که... عبدالعزیز... نجاست در صحبت او و یاران مذکور می ریخت که در عین معرکه گوزها می زد، و ایشان از ذوق خنده فراحت حاصل می داشتند." (١٧)

ایک دفعہ میلے کے دوران، ہندوؤں کی ایک خوب صورت لڑکی مذکورہ عبدالعزیز کے ذریعے عبدالباقی دن دھاڑے عام لوگوں کے روبرو اغوا کر کے لے گئے۔ صاحب تاریخ طاہری نے لکھا ہے کہ اسی عبدالعزیز:

"تشنه تفت حرارت بی شرمی و ملحد گرسنۂ جوع بی ناموسی... اور را در بغل، چون جامی، آن خوش پروین را درمیان عزیزان و خویشان روکشیده- درپی آن گردید که از میان برداشته در کنار برده کار دیگر نیز سازد۔"

لیکن عوام نے اس ظلم پر بہت بڑا ہنگامہ کیا، جس کی وجہ سے اُنھوں نے وہ لڑکی فوراً واپس لٹادی۔

صاحب تاریخ طاہری نے لکھا ہے کہ: اسی موقع پر چھوٹے اور بڑے ہر ایک کی زبان پر یہی الفاظ تھے:

"دران وقت از زبان اهل عبرت، چه هندو چه مسلمان بر آمد:

آخر همچنان به چشم معائنه دیده شد که! الٰهی این حکومت
و حاکمان با صاحب خویش، نگوسار و آواره روزگار گردیده
شوند. چون ناموس غربا برهم می زنند. همچنان خود بی ننگ
و نام شوند!"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"مردم بر افعال نا پسندیده چنین بزرگ زاده- که باعث بدین
کار برهم زننده هنگامۀ ایشان و حکم صاحبش بود- خون می
گریستند."

ایک طرف رعایا کی یہ حالت تھی اور دوسری طرف عبدالباقی کی تفریح کا یہ عالم تھا: "خود چنین عار و عیب را هنر پنداشته چون گل می خندید."

سندھ سے خسرو کی بے دخلی: جب یہ حالات انتہا کو پہنچ گئے اور مرزا غازی کو سندھ سے متواتر شکایات اور لوگوں کی عام بیزاری کی خبریں ملنے لگیں تب اس نے خسرو کی معزولی کا پروانہ دے کر اپنے ہندو امرا، ہندو خان اور مانک چند کو سندھ کی طرف روانہ کیا جو پہلے نصرپور پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ قاسم بیگلار کا خاندان، جوکہ نصرپور کے حکمران تھے، ان کو ہم نوا بنا کر بعد میں ٹھٹہ روانہ ہوں، لیکن وہ جب وہاں پہنچے تو بیگلاروں نے فساد برپا کرکے مانک چند کو ہلاک کردیا اور ہندو خان محصور ہوگیا۔ مرزا غازی کو جب یہ خبر ملی تب اس نے مانک چند کے بیٹے رائے سنگھ کو ایک بڑا لشکر دے کر قندھار سے سندھ روانہ کیا، جس کے آنے کے بعد بڑی جدوجہد اور مشکلات سے خسرو کو بے دخل کیا گیا۔ تاریخ طاہری میں ہے کہ:

"خسرو خان را از معاملت ملک بی دخل ساخته و در هر
صوبه کمال تعین داشته به تحصیل مال و معامله مشغول
گشتند."

مرزا غازی کا انتقال: مرزا خسرو کی بے دخلی غالباً ۱۰۱۹ھ کے آخر یا ۱۰۲۰ھ کے ماہ محرم میں ہوئی۔ وہ ٹھٹہ سے اپنے تمام ساتھیوں سمیت

نکل کر قندھار کی جانب روانہ تو ہوا، لیکن پھر بھی جاتے وقت اپنے ساتھیوں کو سمجھاتا رہا:

"همه را به موجب برهم زدگی معاملات اشارت نمود که: از او (هندو خان وغیره) رو گردانیده در مال گذاری فصل، تا توانند، تقصیر دارند! و هر طرف فتنه برپا نموده شورش پیدا نمایند! تا میرزا بداند که بی وجود فلانی، چنین حادثه در ملك هو یدا گشته." (۱۸)

بہرحال خسرو خوش قسمت تھا، وہ ٹھٹہ سے چل کر ہالہ پہنچا تو مرزا غازی کے اچانک انتقال (۱۱ صفر ۱۰۲۰ھ) (۱۹) کی خبر سندھ میں پہنچ گئی۔

خسرو کا دوسبارہ تسلط اور مرزا عبدالعلی: مرزا خسرو نے اپنے لیے اس واقعے کو نیک فال سمجھا اور یہ ارادہ کرکے ٹھٹہ واپس لوٹا کہ سب سے پہلے مرزا کے ان لوگوں کو، جنھوں نے ان کو بے دخل کیا تھا، ایسی سزا دے جو دوسروں کے لیے آئندہ سبق بن جائے۔

"آن هندوِی جانشین خود را به کیفر و مکافات چنان رساند که عبرت دیگران شود." (۲۰)

خسرو نے ٹھٹہ پہنچ کر رائے سنگھ اور ہندو خان سے کیسا سلوک کیا؟ اس کی خبر خدا کو۔ لیکن اس نے پہلا کام یہ کیا کہ بقول صاحب ترخان نامہ:

"میرزا عبدالعلی بن میرزا فرخ بن میرزا شاه رخ بن میرزا باقی -که از نبایر میرزا محمد باقی همون مانده بود- برای گفت و شنود، بر مسند حکومت تته نشانده، ملك و حکومت بدست خود در آورد." (۲۱)

چنانچہ شرمندگی سے بچنے کی خاطر اس بچے کو تخت نشین کیا اور خود از سر نو ملک پر قبضہ کیا اور پہلے کی طرح اپنے خویش اور عزیز و اقارب کو جہاں جہاں ہوسکا، مقرر کردیا اور پھر خود سیاہ اور سفید کے مالک بن گئے۔

ان کا خیال تھا کہ، عبدالعلی ترخان مرزا غازی کے خاندان کا فرد ہے، اس لیے شہنشاہ جہانگیر باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ترخانی سلسلے کے سندھ پر تسلط کے سلسلے میں ضرور عبدالعلی کو نامزد کریں گے۔ جس کے بعد مرزا خسرو ہوں گے اور سندھ کا ترخانی حصہ، کیونکہ عبدالعلی ابھی بچہ ہے، اُس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔

مرزا رستم کا تقرر: خسرو کا یہ خواب شرمند تعبیر نہ ہوسکا، جہانگیر کو جب اجمیر میں یہ اطلاع پہنچی تو:

> "خسرو خان غلام میرزا غازی- بی حکم اقدس- از ابنای میرزا محمد باقی، خورد سالہ را بہ دست کردہ، باغی شد! میرزا رستم قندھاری را صاحب صوبہ تتہ نمودہ، بر سر خسرو خان تعین فرمودند." (۲۱)

جہانگیر اپنے حکم کا نفاذ جلد از جلد چاہتا تھا، کیونکہ اسے مرزا خسرو سے خطرہ تھا۔ مرزا سندھ کا ایک طاقتور امیر اور بڑا سیاست دان تھا، عین ممکن تھا کہ وہ وقت کا فائدہ اٹھاکر سرحدی حکومتوں کے ساتھ ساز باز کرکے عبدالعلی کے نام پر سندھ کی آزاد حکومت قائم کروادے۔ اس لیے جب تک مرزا رستم روانہ ہوا، اس سے قبل ہی جہانگیر نے میر عبدالرزاق معموری کو بخشی گیری کا عہدہ دے کر ٹھٹہ روانہ کیا، تاکہ خسرو کے منصوبہ سے پہلے ہی اس جگہ پہنچ کر قبضہ کرلیں۔

میرزا عبدالرزاق نے ٹھٹہ پہنچ کر مرزا عبدالعلی کو معزول کرکے خسرو کو سردست پنج صدی منصب کا لالچ دے کر ملک و حالات پر قبضہ حاصل کرلیا۔ اسی دوران مرزا رستم بھی ۲۱ محرم ۱۰۲۱ھ (۲۳) کو اپنے لشکر سمیت ٹھٹہ پہنچ گئے۔

خسرو کی بیدخلی اور اجمیر کی طرف روانگی: مرزا رستم کے پہنچنے کے بعد میر عبدالرزاق نے ترخانوں کے تمام قبیلوں کو معزول کرکے شاہ عبدالعلی سمیت، سندھ سے نکال کر جہانگیر کے پاس پیش کرنے کے لیے اجمیر کی طرف لے گئے۔ ترخانی اقتدار کی یہ آخری نشانی تھی۔ ۷۰ برس کی راج دھانی کے بعد سندھ سے ان کی یہ آخری منتقلی تھی۔ اس سے

قبل ارغون ہوں یا ترخان، جو بھی پیچھے رہ گئے، وہ سندھیوں کی طرح رعایا بنے۔ اُنھوں نے قندھار سے آکر سندھ کی گردن میں غلام کا طوق پہنایا۔ مغلوں نے بھی ہندوستان سے آکر ایسا ہی کیا تھا۔ ذخیرة الخوانین کا مصنف ایک ہی سطر میں نہایت عبرت ناک نقشہ کھینچتا ہے۔

"نام و نشان آن سلسله، بلکه علامت تمام قوم ارغون و ترخون، در آن دیار نماند، اگر احیاناً تا حال خالی زنده باشد، از آن زندگی مرگ اولیٰ تراست." (۲۴)

تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے، یہ اسی لیے ہی کہا گیا ہے۔ چونکہ سندھ میں تمام سیاست اور ملک کے تمام معاملات پر مرزا خسرو حاوی تھے اور سارا دارومدار اسی پر تھا۔ اسی لیے میر معموری نے اس کو بھی اُس کے قافلے کے ساتھ سندھ سے بے دخل کرکے، جہانگیر کے سامنے پیش کیا۔ یہ وہ کامیابی تھی، جس سے متاثر ہوکر بادشاہ نے اس کو مظفر خان کا لقب دیا۔ اس کے بعد وہ مظفر خان معموری کے نام سے اس طرح مشہور ہوگئے کہ لوگ اُن کا اصلی نام ہی بھول گئے۔ (۲۵)

انجام: "ترخان نامہ" کے مؤلف کا قول ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے مرزا عبدالعلی کے ساتھ خسرو خان کو بھی قید کردیا۔

کچھ عرصے کے بعد عبدالعلی نور جہاں بیگم کی سفارش پر رہا ہوئے۔ لیکن خسرو خان کی رہائی کی ضرورت پیش نہ آئی، اس نے جیل خانے میں رہتے ہوئے وفات پائی اور اس طرح زندگی کی قید سے رہائی حاصل کرلی۔

"چون عبدالعلی ترخان و خسرو خان وغیره منسوبان میرزا غازی ترخان... به نظر اشرف اقدس گذشته اند. حکم شد که: عبدالعلی و خسرو خان و پسرش را محبوس سازند... خسرو خان دربندی خانه فوت شد... و میرزا عبدالعلی و لطف الله پسر خسرو خان که بابیخان باشد، شفاعت مهد علیا نور جهان بیگم خلاص شدند." (۲۶)

اسی قافلے سے خسرو کے جانے کا مذکور ذخیرۃ الخوانین میں بھی موجود ہے۔

"خسرو با جمیع توابع و لواحق میرزا غازی، بدار البرکه اجمیر به ملازمت بادشاه عالم رسید و عبدالعلی ترخان ورثه ترخانیه را، در تته- به جای میرزا غازی بیگ- خسرو خان نشانده. بودند، او را به درگاه آوردند. آن غریب محبوس الابد گردید." (۲۷)

لیکن خسرو کا قید خانے میں جانا اور وہاں فوت ہونے کی روایت، فقط ترخان نامه کا مؤلف بیان کرتا ہے۔ تحفة الکرام کی روایت کے بارے میں ان دونوں سے مختلف ہے۔ میر قانع لکھتے ہیں که:

"بقولی، وی از تته سوی بندر لاهری شد. و از اینجا به ایران شتافته، و به قولی، همین جا در گذشته." (۲۸)

ٹھٹه سے بے دخل ہونے کے بعد، مرزا خسرو کے متعلق فقط یہی روایتیں ملتی ہیں۔ سندھی چھوڑنے کے بعد اُس پر کیا بیتی؟ وہ کہاں مرے؟ کب مرے؟ اُس کی خاک کہاں دفن ہوئی؟ یه تمام باتیں اخفاء میں ہیں۔

خسرو کی تعریف: سندھی مورخین نے خسرو کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ علم پرور تھے، سخی نیك سیرت اور فقیروں کے دوست تھے۔ عبادت گذاری اور پرہیزگاری ان کا شعار تھا۔ علاوہ ازین ملکداری کی تمام صلاحیتوں کے مالك تھے۔ شیخ فرید بکھری نے لکھا ہے:

"او موصوف به صفات حسنه بود. اولاً زاهد، عابد، متدین، فقیر دوست، سخی بی دریغ بود. سوال هیچ کس اصلا رد ننمود. و حسن سلوك به مرتبه داشت که اگر او دعوای سرداری می کرد مردم به طوع و رغبت سرداری او قبول می کردند. و میرزا غازی را از میان بر می داشتند، بنا بران مرزا دست انداختن او، قادر نشد." (۲۹)

یہ مرزا کے ایک ہم عصر مورخ کا قول ہے، جو کہ خود سندھی تھا اور مغل دور کا بہت باخبر اور فعال نویسندہ تھا۔ اس کے علاوہ مرزا کے بیٹے لطف اللہ بھائی خان سے بھی ذاتی ملاقات اور تعلق تھا۔ اُس کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ: "مرزا خسرو اتنے اثر و رسوخ والے تھے کہ، جب کبھی وہ چاہتے تو خود سندھ پر بہت آسانی سے قبضہ کرسکتے تھے، لیکن اُنھوں نے ایسا نہ کیا، شاید اسے نمک کا احساس تھا۔ اس کے اقتدار کی مضبوطی اور اس قوت کا کرشمہ تھا کہ جس کے خوف سے مرزا غازی شروع ہی سے خسرو کا اقتدار ختم کرنا چاہتے تھے، لیکن یہ ان کے لیے ممکن نہ تھا اور آخر تک وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔

آثار: خسرو کی سخاوت، دریادلی، نیک طبعی اور صالح طینت کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ بالا مصنف نے آخر میں لکھا ہے کہ:

"صاحب خیر و توفیق، مثلش کسی درین زمین برنخاسته.
آثاری که از و در سند ماندند، احدی از ملوک و امرا بر عشرش موفق نشد."

میر قانع تحفۃ الکرام میں لکھتے ہیں کہ: "ٹھٹہ اور اس کے گرد و نواح میں خسرو خان نے (۳۶۰) تین سو ساٹھ رفاہ عامہ کے لیے عمارتیں بنوائیں، بہت سی مسجدیں، تالاب، کنویں، مقبرے، پل اور مسافر خانے وغیرہ تعمیر کروائے اور اس پر اس نے دریا دلی سے بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔

میر قانع کا قول ہے کہ یہ کار خیر اس نے اس لیے شروع کیا کہ ایک دفعہ وہ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے تھے کہ اچانک ان کی نظر سامنے والے گھر پر پڑی، جہاں گھر کی مالک خاتون ننگی نہا رہی تھی۔ خسرو بے حد متقی پرہیزگار اور نیک خو تھے۔ اگرچہ یہ گناہ اُن سے بے خبری میں سرزد ہوا، لیکن کفارہ ادا کرنے کے خیال سے اُنھوں نے چاہا کہ خود کو اندھا کردیں۔ اس وقت کے علماء کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے ایسا کرنے سے منع کیا اور ان کی تجاویز اور صلاح مشورے سے یہ عمارتیں عوام کی آسائش کے لیے بنوا کر کفارہ ادا کیا۔ عمارتوں کی یہ تعداد (۳۶۰) علماء نے اس کے لیے مقرر کردی تھی۔

میر قانع لکھتے ہیں کہ: مرنے کے بعد کسی شخص نے آپ کو خواب میں نہایت خوش و خرم دیکھا تو اُنھوں نے آپ سے پوچھا کہ اس مہربانی و عنایات کی وجہ کیا ہے؟ جس پر مرزا نے جواب دیا جو بھلائی کے کام میں نے کیے تھے اور رفاہ عام کی جگہیں، مسجدیں، خانقاہیں اور پل وغیرہ بنوائے تھے، اس کا تو یہاں مجھے کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ اس کا اجر یا جزا تو اس دنیا میں ہی دے دیا گیا۔ یعنی اُنھی کی وجہ سے میری نیک نامی ہوئی۔ یہاں جو میری حالت ہے وہ ایک اس خاص واقعے کی وجہ سے ہے۔ ایک دفعہ میں کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا، سیاہی کے دھبے پر مکھی آکر بیٹھ گئی اور اُس کو چوسنے لگی۔ میں نے اپنا قلم تب تک روکے رکھا، جب تک مکھی سیاہی چوس کر اڑ نہ جائے۔ یہی واقعہ، جو نہ میری زبان پر کبھی آیا اور نہ ہی میں نے کسی خاص وجہ سے اس کو اہمیت دی، میرے تمام گناہوں کی بخشش کا سبب بنا۔ (۳۰)

"مقالات الشعراء" میں میر قانع نے مکھی والا واقعہ بیان کرتے ہوئے، مثال کے لیے یہ شعر دیا ہے:

خاطر موری چو کنی شاد تو
خانہ بہ جنت کنی آزاد تو (۳۱)

یہ واقعہ درست ہو یا غلط، یہ خواب سچا تھا یا من گھڑت، لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو خسرو کے لیے کتنی خوش اعتقادی تھی کہ ان لوگوں نے اچھی اچھی باتیں خسرو سے منسوب کردیں۔

۳۶۰ رفاہ عام کی وہ جگہیں جو مرزا خسرو نے تعمیر کروائیں تھیں۔ وہ سب نیست و نابود ہوچکی ہیں۔ ممکن ہے کہ آج کوئی کنواں، چھوٹی سی مسجد یا خانقاہ موجود ہو، لیکن اس کی خبر کسی کو نہیں ہے۔ اس وقت صرف دو مقامات کے آثار کا علم ہے، جن میں سے ایک ٹھٹہ کی مسجد دابگیر اور دوسری ان کے نام سے منسوب مکلی میں ایک رانک ہے جس کو اس وقت "ست جڑھنی" کہا جاتا ہے۔

مسجد دابگیر: جنوب مشرقی کونے میں واقع ہے۔ حضرت نگر ٹھٹہ کا جو ویران حصہ ہے وہ اُس زمانۂ عروج میں محلہ دبگران (۳۲) کہا جاتا تھا۔

خسرو کی اپنی حویلی بھی شاید اسی کے آس پاس (۳۳) تھی اور غالباً یہی سبب تھا (۳۴) کہ اس نے یہ خوب صورت اور عمارتی نقطۂ نگاہ سے شاندار جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اس مسجد کے مسمار شدہ آثار کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر کوزنس لکھتے ہیں کہ:

Upon the out skrits of the town, to the south, is the old brick Mosque, khown as the Dabgir Masjid, which has been very badly ruined. It is perhaps, the oldest Mosque in the place? and may have been the older Jami Masjid in which Shah Jahan worshipped, when he was in Thathah, as it dates back to A.D 1588. It is also known as Amir khusro Khan's Masjid.... (121)

The Mosque measures 98 by 48 feet, and has three bays surmounted by one large and two small domes. It still Contains some very fine coloured tile work; and the mihrab, which is of stone, covered with the most delicate tracery, is a superb piece of work. (35)

ایک عرصے سے یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی ہے، مگر رنگین کاشی کے کچھ حصے بچے ہوئے ہیں۔ تمام مسجد سیم اور تھور کی زد میں آچکی ہے۔ محراب کی پیشانی پر درج ذیل کتبہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ

والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم. ۹۹۷ھ

خسرو نے مسجد میں پہلی بار بطور پیش امام خطیب اور متولی سید ابوالمکارم کو مقرر کیا۔ جو بزرگی کی تمام اعلیٰ صفات سے سنوارا ہوا اور سید احمد بن محمد عابد مشہدی کی اولاد میں سے تھا۔ وہ بزرگ اسی مسجد کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ وفات کا سال "ستون دین فتاد" سے نکالا گیا۔ (۱۰۶۵) – (۳۶)

درس للو ٹھٹہ کے مشہور بزرگ بھی اسی مسجد سے متصل

مشہدی سادات کے محلے میں کافی وقت رہے۔ مخدوم ہاشم علیہ رحمۃ (المتوفی ۱۱۷۴ھ) ہر جمعہ کی صبح کو اسی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے مخدوم عبداللطیف اپنے باپ کے طریقے پر عمل کرتے رہے۔ ۱۱۸۷ھ میں اُنھوں نے میاں محمد سرفراز کلہوڑہ کی ملازمت اختیار کی اور ٹھٹہ سے چلے گئے۔ جس کے بعد اُن کے بیٹے مخدوم محمد ابراہیم (عرف مولا ڈنہ) جس کو مڈئی میں فوت ہوجانے اور وہیں دفن ہونے کے باعث "مڈئی مرقد" پکارا جاتا ہے، وہ اسی مسجد میں وعظ کرتے تھے۔ (۳۷)

رانک خسرو: مکلی نامہ میں "رانک خسرو" کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی تعریف کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ:

رسد این جا اگر ارواح قدسی   شود با زمرۂ سیار انسی
به نام ایزد چه نیکو جا یگاه است   فضایش جمله پاکیزه نگاه است

مکلی نامہ میں رانک کی جائے وقوع اور عمارت کی تمام نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ گمان غالب ہے کہ، یہ رانک مکلی پر وہی ہے جس کو "ست چڑھنی" کا عوامی نام دیا گیا ہے۔ یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا کہ بالائی حصے میں جانے کے لیے سات اطراف سے عمارت میں سیڑھیاں موجود ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ کے سابق ڈائریکٹر مسٹر کوریل کا قول ہے کہ: فنی لحاظ سے اور عمارت سازی کے نقطہ نگاہ سے اس عمارت کی مثال مکلی میں کوئی دوسری نہیں ملتی۔

عمارت کا بالائی حصہ گرچکا ہے۔ زیریں حصے میں ساتھ والے نشیمن اور دیواریں موجود ہیں۔ اندر کی جانب کچھ قبریں ہوں گی، لیکن اب ان کی کوئی نشانی موجود نہیں ہے۔ "ست چڑھنی" کو مکلی نامہ میں رانک خسرو کے نام سے متعین کرنے کے لیے راقم الحروف ذمہ دار ہے۔ کیونکہ مکلی نامہ میں دیے گئے نشانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہی خسرو کی رانک کہی جاتی ہے۔

خسرو کی علم دوستی اور شاعری: مرزا خسرو علم دوست اور شعر و سخن کے دل دادہ اور سر پرست تھے۔ خسرو نے اپنے زمانے میں

بہت سے علماء اور ادیبوں کی سرپرستی کی۔ سید عبدالقادر جنھوں نے اپنی کتاب "حدیقة الاولیا" اس کے نام معنون کی، وہ بھی ان سے وابستہ تھے۔ خسرو خود بھی شاعر تھا۔ مقالات الشعراء کے مصنف نے بطور نمونہ ان کے یہ اشعار دیے ہیں:

خسروا خانی تو در وقتی که از جان کرم
هر صباح و شام می خوانی به سر اهل همم
خاین درگاهِ رب العالمین باشی اگر
از تو ناراضی رود جانی ز تن سویِ عدم
جهد کن، گرد آر دلهای خلایق، و آنگهی
هرچه باشی باش یکسانست گدا و محتشم

میر ابوالقاسم بیگلار: جس نے مرزا غازی کے خلاف بغاوت کی تھی اور بعد میں ۱۰۱۱ھ میں اسے گرفتار کرکے اندھا کردیا گیا۔ اس نے میرزا خسرو چرکس کے لیے شکایتاً ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے درج ذیل چند اشعار صاحب ذخیرة الخوانین نے محفوظ کیے ہیں۔ (۳۸)

نیک بختا با کسی از بهر دنیا، بد مباش
چون ز مهر بی وفا، هرگز وفا را کس ندید
دل منه بر طرفِ دنیا هرگزی پیر کهن
کین زنی مکاره دارد میل بر مرد جدید
از بنفشه یا سمن گشته به مویت کن نگاه
ظلمت شبِ آخر آمد، صبح صادق بر دمید
قامتی گویم چوسر وی داشتی، ای نوجوان!
از زمان از ضعف پیری جانب پشتی خمید

امیر خسرو دہلوی کی غزل کا درج ذیل شعر مرزا بطور سجع استعمال کرتے تھے:

خسرو از تو پناه می طلبد
ای پناه من و پناه همه (۳۹)

حدیقة الاولیاء: سندھ کے صوفیائے کرام کا یہ (۴۰) دوسرا قدیم

تذکرہ سید عبدالقادر بن سید محمد ہاشم بن سید محمد الحسینی ٹھٹوی نے ۱۰۱۶ھ میں اس وقت لکھا، جب مرزا خسرو مرزا غازی کی طرف سے نصف سندھ پر قابض تھے اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے، لکھ کر اس کے نام معنون کیا۔

سید عبدالقادر نے دیباچہ میں اُن کے متعلق درج ذیل عبارت آرائی کی ہے:

"چون درین روزگار خجستہ آثار گلبانگِ عدالتِ کسریٰ و فضل پروری امیر کبیر صائب رای ثاقب تدبیر، بیت:

هر کجا جزمش کند خلوت زمانه پرده را
هر کجا عزمش دهد فرمان جهان فرمان پزیر

مغیثِ کافۂ انام، معین مراسم اسلام. مشید ارکان دولت و جهان فانی، مويد اساس سلطنت و کامرانی. فائض سحاب جود و افضال، جامع مراسم فضل و کمال. بیت:

آنکه آثار صفایِ دلش از چهره عیان
نور خورشید هدایت ز جبینش رخشان
وانکه از فیض سحاب کرم و معدلتش
شد همه عالم و آفاق چو باغِ رضوان

رافع لوای شریعت، ناصب رایات طریقت، خافض آیات ضلالت و بدعت، جامع کمالات علمی و عملی، حاویٔ مراسم صوری و معنوی. المولفه:

جمال صورت و معنی، کمالِ دین و دول
نهالِ دولت و جاه و گلِ حدیقۂ جان
خلیل خلق و مسیحا نفس علی همت
خلیل قدر و رفیع المکان، عظیم الشان
زهی کریم که دستِ سخایش غارت کرد
همه ذخایر بحر و همه دفاینِ کان
سحاب دستِ نوازش چو قطره بار شود

ز قطره قطره شود رشحه قلزمِ عمان

مرجع افاضل روزگار و مهبطِ طوائف ابرار و احرار، صاحب معرفت و ایقان امیر خسرو خان- لازال دولته و ایالته، مستقیماً الا یومِ الحساب، مصؤنا عن اسباب النقص والانقلاب- محبطِ آفاق و انفس گردیده و به مساح سکانِ عالمِ قدس رسیده. و در عهد میمونش و روزگارِ هما یونش کافه برایا و عامه رعایا مرفه حال و فارغ بال، از شکوهٔ روزگار مصئون و از اضرار اشرار محروس و مامون. صاحب خیری که تشنه لبان خشك سال نیاز از فیضانِ سحابِ بذل و افضال آن ذاتِ بی همال درعین تنعم و ناز سیرابِ ساخت و ملتجیان دربار فیض آثار آن بحر ذخار از خواهش و آز مستغنی و بی نیاز نمود. لمولفه:

از فیضِ نشاء کرم او جهانیان
با مایهٔ نشاط و طرب همدم و ندیم
بر خلق واجب است دعا و ثنای او
کز حضرت کریم بود نعمت جسیم

صفدری که در هنگامِ کار زار حُسام ذوالفقارِ کردارش شعله ایست آتش بار که خرمن وجود اشرار و کذار به یك طرفة العین بسوزاند. آبی هست خوش گوار که حلق تشنهٔ دشمن نکو هیدهٔ کردار را به یك دم سیرابِ گرداند. دیبابی است ملون که به مجرد دیدن دشمن برتن به نقد جوهر جان خریداری آن باز نماید. و خدنگ تیز پرش همایون مرغی است از آشیانهٔ قدس که نامهٔ فتح و ظفر در بال و پر بسته دارد. عقابی ست که از نشیمنِ قضا که در پی شکارِ مرغِ روحِ اعداد دهانِ وا کشاده است. و همایی از قاف تقدیر که به جهت استخوانِ دشمنِ شریر طیران گشته. و شبدیزِ دلدل مثالش از سرعت گرمی جولان خون چکان و از نعلِ آتشین شراره فشان. تند بادی است وزان، و ابر ی است قطره ریزان. برقی لا مع در خشان. صاحبِ رایی

که تدبیرش شگفته گلی است از گلبنِ عالم قدس که شاهدِ قضا عمامۂ خود را به آن بیاراید. دست انبوی است که مشامِ دماغِ عروس فکرت و اذکا از رایحۂ آن بیاساید. جهان بانی که از پر تو خورشید معدلتش کلبه جهانیان روشن شده و از نسیمِ لطف مکر متش عرصۂ بسیط غبرا گلشن گشته. شعر:

به عهدش کارهایی یافت بنیاد
که ماند تا که بنیاد جهان باد

حضرت حق سبحانه وتعالیٰ تا انقراض عالم و انتهای بنی آدم، حدیقۂ دولت و اقبال آن کریم الخصال از جویبار بقا سرسبز وریان گرداند. ونخل حیات آن ذات ملکی صفات مثمر و بارور گرداند، الیٰ یوم التناد بالنبی وآله الامجاد.

بنا علی ذالك، این محقی از ذرۂ کمتر، که از تراجم فنون بلیات و تصادم صنوف نکبات، سراسیمه وپریشان و واله و حیران بود، از زبان حال ندای این مقال به گوش هوش شنود. شعر:

خیز و نزدیك خداوند شو! این حال بگوی
چاره ای از کرم او که کریم است، بجوی

به استبشار این بشارت و استبصار این اشارت از روی صدق و عقیدت و التجا بدان درگاهِ والا آورد که عنوان این صحیفه به نام میمون و اسم همایونِ آن کریم الطبع موشح ساخته، تابینِ لقبِ سامی و اسم گرامی او مشهور جمیع امصار گردد و مقبولِ انظارِ اولو الابصار شود، و واضح این دفتر نیاز مند و جامع این اوراقی چند، ادخار به چنگ آرد و از شداید روزگار وفتنِ لیل و نهار وا رهد. انشاء اللّٰہ الکریم.

مندرجہ بالا عبارات سے دو دو باتوں کا اندازہ ہوتا ہے- اول: مرزا خسرو کے سلسلے میں اسی زمانے کے ایك ادیب کے خیالات کیا تھے؟ اور دوسرے یہ کہ اس دور میں سندھ میں فارسی تحریر کا کیا انداز تھا۔

اولاد: خسرو کی اولاد کے متعلق صحیح علم نہیں ہے- ہمیں جو نام مل

سکے ہیں، ان کے سلسلے کی صورت حال کچھ یوں ہے:
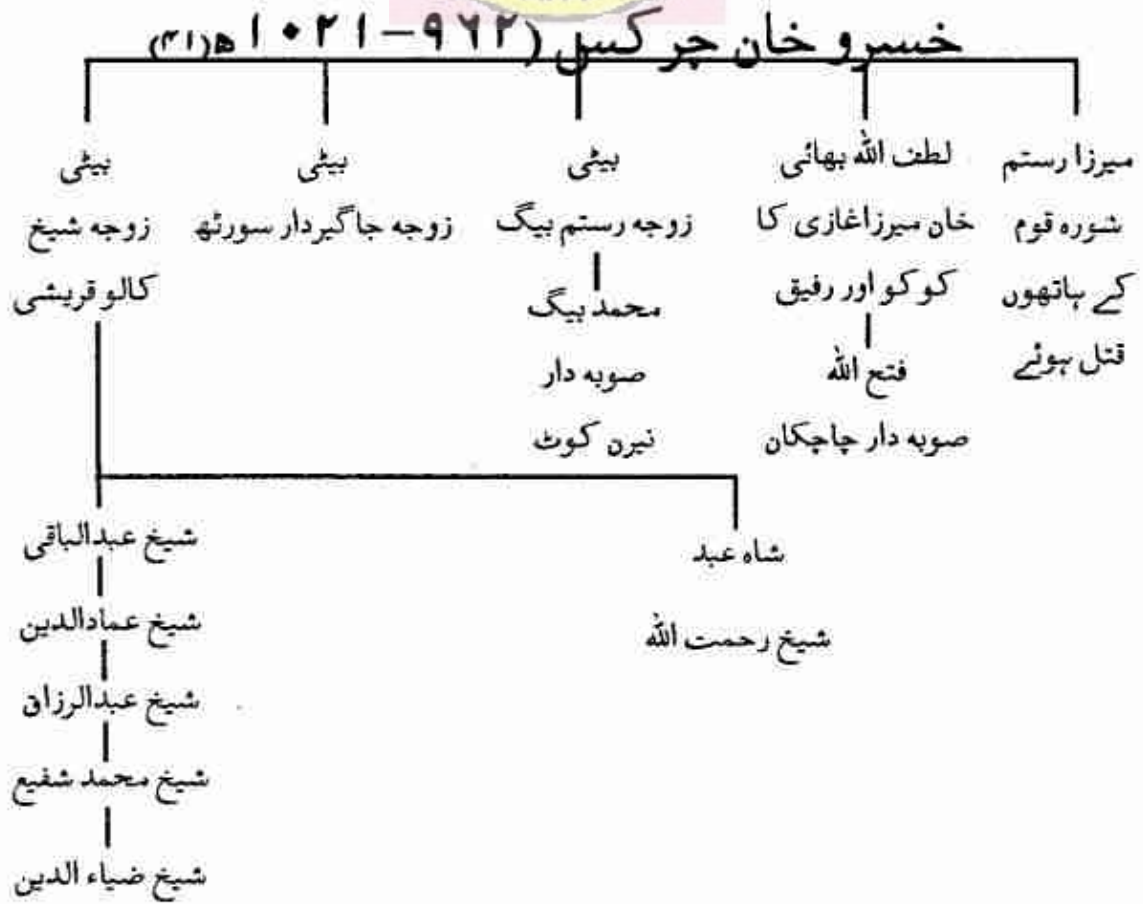
بھائی خان: مرزا کی تمام اولادوں میں لطف اللہ بھائی خان زیادہ مشہور ہوئے۔ بھائی خان کا لقب مرزا غازی نے "کوکہ" ہونے کی وجہ سے دیا تھا۔ مرزا غازی جب زندہ تھے، اس کے ساتھ رہتے تھے، جب مرزا فوت ہوئے تو مرزا کو زہر دے کر مارنے کا الزام اس پر لگایا گیا۔ (۴۲) اسی زمانے میں مرزا غازی نے اپنے باپ کو معزول کر کے، اسے اپنے پاس قندھار بلوایا تھا۔ اگر مرزا کی زندگی میں خسرو قندھار پہنچتے تو یقینا جو حالات تھے، اس کے مطابق اُنھیں ناقابل برداشت عقوبتیں دی جاتیں، کیونکہ مرزا غازی یہ کہہ چکے تھے کہ:

"همه غلامان حرام نمک را۔ که پا از گلیم بیرون آورده و سر از اندازه بدر برده مارا بنظر نمی آورند۔ بدین عقوبت خوار و رسوا خواهم ساخت که خسرو خان را چوب در دست داده، دربان

کنیزان چند گه در کار بست می نمایيم- فتح الله ولد لطف الله
بای خان راکه حاکم بدین شده، آفتابچی می سازم، که پدرش
در جرگه نشته باشد و او آب بردست آن کسان برید، که آنرا
از جملهٔ نوکران خود نمی پنداشت- محمد بیگ که بسیار
نازك و بیشتر تقلید ما می دارد، جلاجل جلو داران در کمرش
می بندیم و در جلو می دوانیم تا بداند که صاحب ماهست و
نتیجهٔ بی دیانتی خود می یابیم." (۴۳)

تاریخ طاہری کے مصنف نے آخر میں لکھا ہے کہ: جب مرزا یوں کہہ رہا تھا، اسے اس وقت یہ علم نہیں تھا کہ قضا و قدر کا فیصلہ اس سلسلے میں کوئی اور ہوچکا ہے۔ جو کنواں وہ مرزا خسرو کے لیے کھود رہا ہے، اس میں اُس کو گرادیا جائے گا۔

"از قضا و قدر خبر نداشت که حریفان چند پخته کار پیش
ازین کار ما تمام خواهند ساخت. و چاهی که هنوز برای
افگندن ایشان کنده ایم در آن مرا خواهند انداخت."

یہی مصنف سید طاہر نسیانی، مرزا غازی کا مقرب تھا اور قندھار میں اس کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ:

"از حاضرانِ صحبت، چنین استماع داشته که چون از عمر آن
جامع الکمالات و صاحب فراست تتمه نمانده، همین نادولت
خواهان چند، که در اصل عالم به صاحب کشی شهرت
یافته، بی موجب تغیر و تبدیل خواری و بی ناموسی، زهر در
کام و کاسه اش ریختند و روی خود در هر دو عالم سیاه
ساختند."

اس مصنف نے آپ کی موت پر جو تاریخی قطعہ کہا ہے، اس میں بھی زہر دینے کا اشارہ موجود ہے۔

زهر در کامش غلامان ریختند از بهرِ آن
تا بگیرند، جای او آیند اندر منزلش

قاضی محمود ٹھٹوی نے مرزا کی موت کی تاریخ "کشتۂ جورو جفا"

سے نکالی ہے۔ اسی طرح ماثر الامرا اور تحفۃ الکرام کے مولف نے بھی اس واقعے کی اس نوعیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً میر علی شیر قانع یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بدست غلام خانه زادش عبداللطیف نام بقولی خفه و بقولی مسموم کردند." (۴۴)

یعنی زہر دینے والی روایت کے علاوہ گلا گھونٹ کر مارنے کی روایت بھی زبان زد عام تھی۔ ماثر رحیمی کے مولف نے لکھا ہے کہ: وفات کا سبب قولنج کہا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر زہر دینے والی بات مشہور ہے۔ (۴۵)

صاحب ذخیرۃ الخوانین بھائی خان لطف اللہ کے واقف تھے، بلکہ ان دونوں کے تعلقات بھی تھے۔ زہر دینے کی روایت کے بعد مولف مذکور لکھتے ہیں کہ:

"بعد از وقوعِ این حادثه- که بابی خان در سلکِ جهانگیری منسلك شد- در سفر مرتبۂ اول کشمیر در ۱۰۲۸ھ در رکاب سعادت جهانگیر بود- در مقام بابا حسن ابدال مسودِ این اوراق شیخ فرید بکری را با میر خواجه محمد مودودی چشتی از روی هم وطنی و معرفتهای سابق بابی خان به خانۂ خود طلبیده ضیافت کرد، در مجلس همین مقدمه کشتنِ میرزا، درمیان آمد، بابی خان مصحف مجید برداشت که: از من این امر صدور نیافته و نه به دانستگی من شده میرزا به اجل طبیعی در گذشته و از افراط شرب شراب میرزا ازین عالم رحلت کرده." (۴۶)

حسن ابدال کی منزل پر بھائی خان نے قسم کھاکر خود کو اس الزام سے بری کرنے کی سعی کی۔ لیکن یہ قطعی ناممکن ہے کہ ایک شخص اتنی بدنامی اور بے عزت ہونے کے بعد قسم کھاکر نمك حرامی اور خون کے جرم کا قبول دار ہوجائے!

مرزا غازی حقیقتاً شرابی تھا۔ رات دن نشے میں مدہوش اور مخمور

رہتا تھا۔ اس کی صحت بھی خراب ہوچکی تھی۔ ممکن ہے کہ ایک شرابی کا جو انجام ہوتا ہے، وہی اس کا بھی ہوا ہو۔ لیکن بھائی خان پر، مرزا کے خون کا جو الزام لگ چکا ہے، اسے اب تاریخ کے صفحات سے مٹایا نہیں جاسکتا۔ جب کبھی مرزا غازی اور بھائی خان کا ذکر ہوگا، اُس وقت زہر دینے کا الزام بھی لازماً سامنے آئے گا۔ اس کے لیے نمک حرامی اور محسن کشی کے الفاظ ابھر کر سامنے آئیں گے۔

بھائی خان کے لیے مرزا کی وفات پاجانے کے بعد یہ بات بھی مشہور ہوئی کہ بھائی خان نے قندھار پر تسلط جمانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ ترخان نامہ کا مؤلف اس کا راوی ہے، اور لکھتا ہے کہ:

> "بابی خان ولد خسرو خان بعد از رحلت میرزا، خیال فاسد قایم مقامی میرزا به خاطر رسانیده، اداهای جنگ نمود. مردم او را متهم داشتند که: از روی حرام نمکی آقایِ خود را خفه کرد." (۴۷)

بھائی خان چونکہ مرزا غازی کے معزز امراء میں سے تھے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ جب تک دربار میں کوئی دوسرا صوبے دار مقرر ہو کر آئے، تب تک اُنھوں نے قندھار کے انتظامات سنبھالنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن انھیں یہ کام کرنے کی مندرجہ بالا بیان کے مطابق، لوگوں نے مہلت ہی نہیں دی ہوگی۔ علاوہ ازیں جہانگیر نے اُنھیں وہاں رہنے نہ دیا۔ اس خطرے کی وجہ سے کہ کہیں وہ ایران سے کوئی سازش کریں، اسی لیے اسے واپس بلوایا۔ (۴۸)

ترخان نامہ کے مصنف کی روایت ہے کہ بھائی خان مرزا خسرو اور مرزا عبدالعلی کے ساتھ جیل میں تھے، جہاں سے وہ مرزا عبدالعلی کے ساتھ بیگم نور جہاں کی سفارش پر رہا ہوئے۔ (۴۹)

شیخ فرید بکھری کا قول ہے کہ جہانگیر نے اُن کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ قندھار میں اپنے پاس بلوایا۔

> "بعد از وقوع این حادث بابی خان درسلک جهانگیری

منسلک شد... بعد از فوت میرزا غازی بیگ خلیفه الاهی به توهم آنکه مبادا بابی خان قندهار را به قزلباش دهد، ابل بی اوزبک... به قندهار فرستادند و بابی خان را به صد گونه اعزاز و احترام به حضور طلبیدند." (۵۰)

اُن کے متعلق آخری اطلاع یہی ہے جو کہ اوپر دی جاچلی ہے۔ یعنی ۱۰۲۸ھ میں وہ کشمیر کے سفر میں جہانگیر کے ساتھ تھے، اس کے بعد تاریخ اُن کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ ہاں البتہ ایک تاریخی کتبے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھائی خان ۱۰۳۲ھ میں بھی جہانگیر کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔

مغربی خاندیش کے شہر نندر بار بذر بار میں، ایک خدا رسیدہ بزرگ، سید سعادت علاؤ الدین امام بادشاہ صاحب کی خانقاہ ہے، جہاں دن بھر ہزاروں عقیدت مندوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اس بزرگ کا مقبرہ بھائی خان لطف اللہ کا تعمیر کردہ ہے۔ مقبرے کے کتبے کی عبارت اس طرح بیان کی جاتی ہے:

"در زبان خلافت جهانگیر بادشاه غازی بنده درگاه لطف الله عرف بابی خان ابن خسرو تنئی بنا نهاده در تاریخ غره ماه ذوالحج ۱۰۳۲ھ به اتمام رسانیده." (۵۱)

اس کتبے کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی طرح بھائی خان کا رجحان بھی یادگار عمارات تعمیر کروانے کی طرف تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھائی خان نے اپنی زندگی ثروت مندی کے ساتھ گذاری۔

بھائی خان کب فوت ہوئے؟ کہاں دفن ہوئے؟ اس کے متعلق کوئی بھی اطلاع نہیں ہے۔

مرزا رستم اور زوجہ شمشیر بیگ اوزبک: مرزا خسرو کی اولاد کا ذکر اوپر کہیں آچکا ہے۔ مرزا خسرو کے بڑے بیٹے مرزا رستم کا تفصیلی ذکر تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا، سوائے "تاریخ مظہر شاہجہانی" کے، جس میں اس کا ذکر ضمناً آیا ہے۔

میرک یوسف سرکار چاکر ہالہ کی سرکش قوم کا ذکر کرتے ہوئے شورہ قبیلے کے بیان میں لکھتا ہے کہ:

اس قوم نے ترخان عہد میں اپنی خود سری کے باعث حکومت کا انتظام اور اُس کا عمل دخل درہم برہم کردیا تھا۔ اس قوم کے ساتھ حکومت کی طرف سے جب مقابلہ ہوا، تو اس میں سے ایک میں مرزا خسرو کا بڑا بیٹا رستم مارا گیا۔ مرزا خسرو نے دوبارہ بھاری تعداد میں کمک جمع کرکے (شورہ قبیلہ) پر حملہ کیا، لیکن کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ شورہ نومڑہ کے ساتھ مل کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مرزا خسرو "کوہیار" اور "ونکار" تک ان کا پیچھا کرکے واپس لوٹ آئے۔ (۵۲)

ذخیرۃ الخوانین سے مرزا خسرو کے خاندان کی ایک عورت کے متعلق کچھ معلوم ہوتا ہے، جس کی شادی ٹھٹہ اور سہون کے صوبے دار شمشیر خان اوزبک کے ساتھ ہوئی تھی۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے اسی صوبے دار کی حماقتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"صاحب صوبہ تتہ شد، در آنجا از سلسلہ خسرو خان چرکس خواستگاری نمودہ، باز بہ جاگیر سرکار سیوستان آمد... حکایت سادہ لوحی ایشان، مکرر بہ سمع اشرف اقدس صاحب قران ثانی (شاھجھان پادشاہ) رسید. از منصب و جاگیر افتاد... از جملۂ حکایات اویکی این است کہ: روزی درون محل رفت و آن منکوخہ چرکس- کہ نو در حبالہ نکاح خود آوردہ بود- و بازیب و زینت نشستہ بود، خان مشارا الیہ نگاہ بہ جانب او کردہ پرسیدند کہ: این عورت کیست؟ و از کجا آمدہ؟ کیوانوی خانہ بعد از قسم مغلظہ خاطر نشان ایشان ساختند کہ: او منکوحہ شما است!" (۵۳)

۱۳ — شاہ پریاں

مکلی نامہ میں شاہ پریاں کا ذکر کرتے ہوئے (۵۴) میر قانع نے لکھا ہے کہ:

"جایی است چھار دیواری و درو چند قبر۔ باعتقاد عالمِ اناث آنرا جای شاہ پریان نامند- کہ روز خمیس ہر ہفتہ، ھجوم زیارت زنان پری طلعتان آن جا محشر طاقت نظارگان می

شود."

میر قانع نے نظم اور نثر کے ذریعے اس آستان کی تعریف میں پورے آٹھ صفحات تحریر کیے ہیں۔ سبزہ زار، برسات کے موسم، پُر لطف نظارے، مہ و شوں کی محشر خرامی:

پری رویان بلای دین و ایمان
در آنجا هر طرف محشر خرامان

سیاہ چشم عورتوں کی دائیں بائیں غارت گری، کبھی شوخی، کبھی عشوہ کبھی ناز:

نگاہِ شان، نمی دارد، یک انداز
گهی شوخی، گهی شکوه، گهی ناز
به چشمانِ سیه، غارتگری هوش
کمان زه کَرده، از ابروی تا گوش

غرض کہ تعریف کرتے کرتے میر قانع اس جگہ کی کیفیت اور فضا کو شہداء عشق کی کربلا قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

رود آنجا کسی، کو را هوایی است!
شهیدِ عشق را خوش کربلایی است!

یہ قصہ پرانا ہے، دو سو برس گذرچکے ہیں۔ شاہ پریاں کا آستانہ آج بھی موجود ہے، لیکن ویران بیابان اور بے آب و گیاہ ہے۔ گرد و پیش بہت بے رونق ہے۔ ماحول دل و دماغ کو بڑا مایوس اور اداس کرنے والا نظر آتا ہے۔ دکھ اور غم کے ستائے ہوئے لوگ یہاں آکر کوئی سکون محسوس نہیں کرتے۔ غموں میں ڈوب کر ماضی کے عذاب سے دوچار ہو کر یہاں آتے ہیں اور سب کچھ فراموش کرکے یہاں سے اداس و غمگین چلے جاتے ہیں۔ پتھروں کے ٹکڑوں کی بنی ہوئی کچی حد بندی کے اندر تنکوں کے سائے تلے تین لاوارث اور اداس قبریں ہیں۔ جن کا کوئی نام پتا نہیں ہے۔ ان کا کوئی وارث بھی نہیں۔ پری طلعتوں کی محشر خرامی تو کجا اس وقت شاید ہی کوئی زیارت مند ادھر آتا ہو۔ مجاور کے بجائے آثار قدیمہ کا چوکی دار کبھی کبھی کسی وزیر یا امیر کے مقبرے کی طرف آتے

ہوئے، اس آستانے سے متصل پگڈنڈی سے گذرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کو یہ کیا خبر کہ دو سو برس قبل یہ جگہ بڑی متبرک شمار کی جاتی تھی۔ یہاں لوگ بڑی عقیدت و انکساری سے حاضری دیتے تھے۔ چوکی داروں کا نہیں بلکہ عشاق کا ہجوم ہوتا تھا۔ یہ ویرانہ کبھی آباد تھا۔ پریوں کا آستانہ تھا۔ اِن حدود کے اندر کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ بے غرضی کے ساتھ گذر جائے!

اس وقت آس پاس سوکھے ہوئے خشک درخت ہیں۔ تینوں قبریں زمین سے ایک فوٹ اونچے ٹیلے پر چونے سے بنی ہوئی ہیں۔

یہ آستانہ کسی زمانے میں زنانہ زیارتوں کے لیے مخصوص تھا۔ ہر ہفتہ کو جمعرات کے دن، جیسا کہ قانع کا بیان ہے، عورتوں کا میلہ لگتا تھا۔ مردوں کے میلے اور زیارتوں کے لیے مکلی کے قبرستان میں متعد خانقاہیں اور درگاہیں تھیں۔ عورتوں نے یہ آستانہ اپنے لیے مخصوص کرلیا تھا، جہاں آکر وہ منتیں مانتی تھیں اور ساتھ ساتھ دل کی مرادیں بھی حاصل کرتی ہوں گی۔ لیکن زیادہ تر یہاں اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوکر دلوں کے داغ اور برسوں کی تھکن دور کرتیں اور مایوسی کا بوجھ یہاں آکر اُتارتی تھیں اور یہاں پہنچ کر ایک دوسرے کو سہارا اور تسلی دیتی تھیں۔

یہ قبریں کس کی ہیں، اس کا علم کسی کو نہیں ہے، سوائے "مکلی نامہ" کے، کسی دوسرے کتاب میں اِس آستانے کا ذکر نہیں ملتا۔ خود میر قانع نے بھی اپنی دوسری کتابوں میں کچھ نہیں لکھا۔ بہرحال قرین قیاس یہ ہے کہ یہ قبریں پاک باز عورتوں کی ہوں گی (۵۵) جن کی برگزیدگی آستانہ بوسی کا سبب بنی ہوگی۔

اس طرح "شاہ پریاں" اس کے نام سے ایک اور زیارت گاہ ایران میں واقع ہے، جو صرف عورتوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔
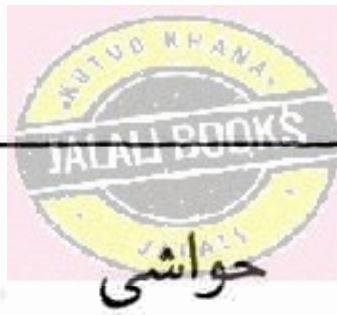
حواشی

(۱) جام نظام الدین کے مقبرے کے ذکر کے بعد قانع نے ان کے نشیب میں ایک تالاب کا ذکر کیا ہے: در پائین تالاب خوش آب، رشک جلوۂ سیماب است۔ اس وقت مقبرہ کے متصل ایسا کوئی بھی تالاب نہیں ہے۔ البتہ مشرق کی جانب ایک بڑی جھیل ہے اور شمال کی جانب کچھ فاصلے کے بعد نشیبی علاقہ ہے، جو شاہ مراد شیرازی تک ہے۔

(۲) خطی نسخہ ص ۲۱۹۔

(۳) چراغش را به شب از ماه روغن
چراغ مکلی' است نامش به این فن (مکلی نامه ص ۲۴)

(۴) مکلی نامہ میں لکھا ہے کہ: ہر اتوار کی رات زائرین آکر جمع ہوتے ہیں۔ خاص طور پر مہینے کے پہلے اتوار کو خوب رونق ہوتی ہے۔ اس میلے کی اب وہ کیفیت نہیں رہی، لیکن زائرین اب تک آتے رہتے ہیں۔ سالانہ میلہ میں لوگ آتے تو ہیں، لیکن ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔

(۵) تحفۃ الکرام خطی نسخہ ص ۲۱۹ مطبوعہ ۳/۲۴۸۔

(۶) شرقی شیخ جیہ مدفون— تحفۃ الطاہرین کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں لال کا مدفن مقبرے کے باہر ہے۔ سمتِ مشرق درگاہ شیخ جیہ مدفون است. (ص ۳۸)

(۷) آسات لفظ کے معنیٰ معلوم نہیں۔

(۸) بہ خدمت سید میران محمد مہدی جونپوری (متوفی ۱۹ ذیقعدہ سنہ ۹۱۰ھ) شرف ارادت حاصل کردہ. (تحفۃ الکرام خطی ص ۲۲۰)— سید موصوف ٹھٹہ میں پہلی بار ۹۰۱ھ میں آئے اور دوسری مرتبہ ۹۰۶-۹۰۷ھ میں۔ افغانستان جاتے ہوئے کچھ وقت آپ ٹھٹہ میں رہے۔ پیر آسات اسی زمانے میں آپ کے مرید ہوئے ہوں گے۔ اس طرح، مخدوم عربی جن کی وفات کا سال ۹۸۰ھ تسلیم کیا جائے تو

پیر آسات کو آپ کا بڑا بھائی ہونا چاہیے۔

(۹) عقب این درگاہ... چشمہ ایست... در عین مابین کوہ... وسایہ آزاد درخت در آن ظل رحمت لا یزال. (ص۲۷)

(۱۰) دیکھیے متن ص۳۰

(۱۱) تحفۃ الکرام خطی متن ص ۶۴۔

(۱۲) بقول عبدالباقی نہاوندی میرزا جانی ۲۴ جامدی الثانی ۱۰۰۱ھ اکبر کے دربار میں پہنچے۔

(۱۳) مظہر شاہجہانی (ص۲) اکبر نے سندھ کے ترخانی حصے پر سب سے پہلے شاہ رخ میرزا (متوفی ۱۰۱۶ھ) کو مقرر کیا، لیکن خانِ خانان کی سفارش پر وہ حکم تبدیل کرکے حق داروں کو اپنا حق دیا گیا۔

(۱۴) خان خانان نے اپنی عدم موجودگی میں، خان جہان لودھی کے والد، دولت خان لودھی کو، ملك کا نگران مقرر کیا۔ (ذخیرۃ الخوانین ص ۱۹۱) خسرو نے آکر ملك کی باگ دوڑ سنبھالی۔

(۱۵) با ابو القاسم نمکین فرمان نافذ گشت کہ میرزا غازی را با خسرو خان غلامی– کہ معتمد اوست– روانہ درگاہ والا سازد. (اکبر نامہ جلد ۳ صفحہ ۸۱۲ واقعات سال ۴۷ جلوس، مطابق ۱۰۱۱ھ)

(۱۶) طاہری خطی تحت طلبیدن خسرو خان.

(۱۷) ایضاً۔

(۱۸) ایضاً۔

(۱۹) ترخان نامہ نے یہ تاریخ دی ہے، تاریخ طاہری کے مؤلف اور قاضی محمود ٹھٹوی یا صاحب ذخیرۃ الخوانین نے وفات کا سال ۱۰۲۱ھ بیان کیا ہے۔

(۲۰) طاہری۔

(۲۱) مطبوع صفحہ ۹۳

(۲۲) میرزا کے انتقال کی خبر بادشاہ کو اجمیر میں ۲۷ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ کو ہوئی۔ (تزك جہانگیری صفحہ ۱۱۰ نولکشور)
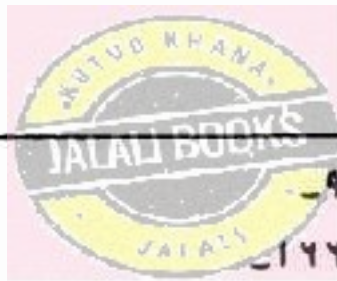
(۲۳) ترخان نامہ صفحہ ۹۴۔

(۲۴) ذخیرہ خطی صفحہ ۱۶۶۔

(۲۵) بخشی کے عہدے کے بعد میر عبدالرزاق معموری کو ٹھٹہ کا مستقل صوبہ دار بھی مقرر کیا۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ، ان کا تقرر ہوا اور ربیع الاول ۱۰۳۰ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ (تزک جہانگیری ۳۳۱-۳۴۳- ۱۵۰ نولکشور) اُنھوں نے ٹھٹہ کے گدا بازار میں ۱۰۲۲ھ جامع مسجد تعمیر کروائی جو آج تک "مسجد خضری" کے نام سے مشہور ہے۔

(۲۶) ترخان نامہ صفحہ ۹۴-۹۵

(۲۷) ذخیرہ ۱۶۳ قلمی۔

(۲۸) خطی صفحہ ۶۵۔

(۲۹) ذخیرۃ الخوانین صفحہ ۱۶۳۔

(۳۰) تحفۃ الکرام مطبوعہ ج۳ صفحہ ۹۱-۹۲۔

(۳۱) مقالات الشعراء صفحہ ۲۰۲۔

(۳۲) دابگرون کا محلہ۔

(۳۳) تحفۃ الکرام میں ہے کہ خسرو نے یہ مسجد سید ابوالمکارم مشہدی کی حویلی کے پاس تعمیر کروائی تھی۔

(۳۴) ان کی حویلی نہایت عظیم الشان، خوب صورت اور دو منزلہ تھی۔ ان کے بیٹے لطف اللہ بھائی خان کی حویلی اس سے الگ تھی۔ شیخ کالہ قریشی جو خسرو کے داماد تھے، وہ بھی خسرو کی حویلی میں بطور گھر داماد رہتے تھے۔ میر قانع (۱۱۸۱ھ میں) نے لکھا ہے کہ یہ حویلی اب زبوں حال ہوچکی ہے، لیکن آج بھی یہ خسرو کے نام سے پہنچانی جاتی ہے اور شیخ کالہ کی اولاد اس میں رہتی ہے۔

(35) Antiqueties of Sindh. 122

(۳۶) یہ تحفۃ الکرام کی روایت ہے (ص۱۶۷)- خسرو خان چرکس چون تعمیر مسجد جامع، پهلوی حویلی وی به تمام رسانید. تولیت آن هم به سید حواله کرد- یہ مسجد ۹۹۷ھ میں تیار ہوئی- سید کی وفات
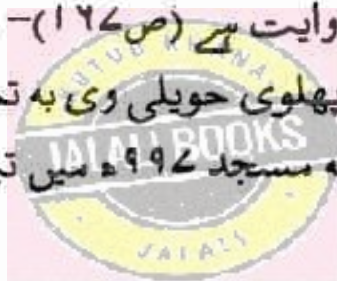
کے سال (۱۰۶۵ھ) کو مد نظر رکھتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ، مسجد کی تعمیر کے وقت اگر سید صاحب کی ولادت ہوئی ہوگی، تو وہ مشلك سے سات، آٹھ سال کے ہوں گے، اس لیے یہ روایت مشکوك ہے کہ وہ مسجد بننے کے بعد پہلے خطیب یا متولی بنے تھے۔

(۳۷) تحفة الکرام۔

(۳۸) ذخیرہ صفحہ ۱۶۴۔

(۳۹) مقالات صفحہ ۲۰۱۔

(۴۰) پہلا تذکرہ میرزا باقی کے دور میں قاضی نعمت اللہ ٹھٹوی نے لکھا، جو دستیاب نہیں۔

(۴۱) میرزا عیسیٰ کی مسند نشینی سے لے کر میرزا عبدالعلی کی معزولی تك۔

(۴۲) صاحب ذخیرة الخوانین لکھتے ہیں کہ: مردم مردن میرزا را بہ بابی خان لطف اللہ ولد خسرو خان کوکہ تهمت نهادند، چراکہ میرزا اگرچہ لطف اللہ را بہ خطاب بابی خان ممتاز ساخته وکیل مطلق العنانِ خود ساخته بود و او مصاحب و ندیم میرزا بود اما میرزا با پدرش خسرو خان بی عنایت بودند. (قلمی ۱۳۲)

(۴۳) طاهری تحت طلبیدن میرزا خسرو خان.

(۴۴) تحفة الکرام ج۳ ص۲۸۔

(۴۵) ماثر رحیمی ج۲ ص۳۵۴۔

(۴۶) ذخیرہ ۱۶۲۔

(۴۷) ترخان نامہ مطبوعہ ص۹۳۔

(۴۸) ذخیرة الخوانین ص۱۶۲۔

(۴۹) ترخان نامہ ص۹۵۔

(۵۰) ذخیرة الخوانین ص۱۶۲۔

(۵۱) یہ اطلاع اور کتبے کا مضمون جناب محمد منیر صاحب قریشی سابق سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ کا عنایت کردہ ہے۔ اس کتبے

کا چربہ ان کے پاس موجود ہے، لیکن فی الحال یہ دستیاب نہ ہوسکا، اس لیے یہ معلوم نہیں کہ عبارت کتنی سطور میں ہے۔

(۵۲) مظہر شاہ جہانی ص ۴۱۔

(۵۳) ذخیرۃ الخوانین خطی ص ۳۰۰۔

(۵۴) دیکھیے متن ص ۳۱ – ۳۸۔

(۵۵) مکلی میں دو برگزیدہ خواتین کی زیارت گاہیں بھی ہیں، جن کا ذکر تحفۃ الطاہرین کے مصنف نے کیا ہے۔ مثلاً بی بی تاری، بی بی فاطمہ اور ہفت عفیفہ (۴۸-۹۱-۱۷۵)

(۵۶) افسوس اس بات کا ہے کہ یہ مضمون لکھتے ہوئے ایرانی "شاہ پریاں" کا احوال اور حوالہ دستیاب نہ ہوسکا۔

باب ٦
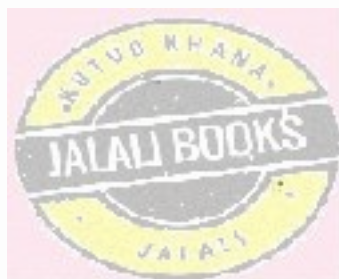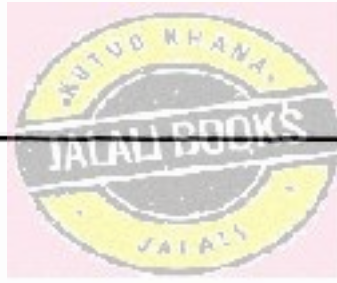
۱۴ - میرزا عیسیٰ ترخان ثانی

میرزا عیسیٰ بن مرزا عبدالعلی بن مرزا عبدالرزاق ترخان (۱) شاہ بیگ اور شاہ حسن ارغون کے جید امراء میں سے تھے۔ شاہ بیگ کے ساتھ (۲۶-۹۲۷ھ) میں سندھ آئے اور شاہ حسن کے دور (۲۸-۹۶۲ھ) سب امراء میں اہم حیثیت کے مالک رہے۔ دوسرے امیروں کے مقابلے میں ان کو اہمیت حاصل ہوئی، اس لیے کہ ان کے ساتھ ان کے قبیلے کی فوج شامل تھی، جب کہ دوسرے امراء تنہا سندھ میں آئے تھے۔

شاہ حسن لا ولد فوت (۱۲ ربیع الاول ۹۶۲) ہوا۔ (۲) اس لیے سندھ کو ارغون کے دو امیروں نے آپس میں بانٹ لیا۔ بالائی سندھ پر سلطان محمود کوکلتاش نے قبضہ کیا اور زیریں سندھ میرزا عیسیٰ کے تسلط میں آیا۔ پہلے ان کا مرکز بکھر تھا، پھر بعد میں اُنھوں نے ٹھٹہ میں اپنا مرکز قائم کیا۔ اسی طرح چھتیس برس کی حکومت کے بعد ارغون ختم ہوگئے اور سندھ پر ترخان (۳) دور کا آغاز ہوا۔

(۲)

میرزا عیسیٰ ۹۷۴ھ میں فوت ہوا، مرزا کا بڑا بیٹا میرزا محمد صالح (۴) اس کی زندگی میں ہی، ایک بلوچ کے ہاتھوں مارا گیا، اس لیے دوسرا بیٹا میرزا محمد باقی تخت نشین ہوا۔(۵) جس نے انتہائی ظالمانہ زندگی گذارنے کے بعد ۹۹۳ھ میں (۸ شوال ہفتہ کے دن) خود کشی کرلی، اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا پائندہ بیگ (متوفی ۱۰۰۱ھ) تخت نشین ہوا، اُس کے دماغ میں خلل تھا، اس لیے حکومت کا کاروبار اُس کے بیٹے مرزا جانی بیگ کے سپرد ہوا۔

سال ۹۹۹ھ میں مرزا عبدالرحیم خان خانان نے سندھ پر حملہ کیا اور

۱۰۰۰ھ میں سندھ ترخان کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستانی مغلوں کی حکومت کا جز بن گیا۔ نہ صرف سندھ کی جداگانہ حیثیت ختم ہوئی، بلکہ ترخان خود ۳۸ سالوں کے تسلط کے بعد اقتدار سے محروم ہوگئے۔

سال ۱۰۰۰ھ سے لے کر ۱۰۲۱ھ تک سندھ میں ترخانوں کی حیثیت جاگیردارانہ رہی۔ جانی بیگ خان خانان کے ساتھ اکبری دربار میں پہنچا، جس کی سفارش پر اکبر نے سندھ کے ترخانی حصے میں سے کچھ ٹکڑوں کو سرکاری خزانے کے لیے مختص کرکے باقی مرزا جانی کو بطور جاگیر دے دیا۔

جانی بیگ زندگی کے بقیہ آٹھ سال اکبر کی حاضری میں رہا۔ سندھ کی جاگیر اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا غازی بیگ، تجربہ کار امیروں کے مشورے اور نظرداری کے تحت سنبھالتا رہا۔ ۱۰۰۹ھ میں مرزا جانی بیگ کا انتقال ہوا۔ وہ خود اس وقت برہان پور میں تھا، اکبر وہاں منزل انداز تھا کیوں کہ آسیر کی مہم در پیش تھی۔

اکبر نے سندھ اپنے حقوق کے ساتھ مرزا غازی کے نام قائم رکھی۔ جہانگیر نے نہ صرف اس کی وہی جاگیر بلکہ ملتان اور بکھر کے کچھ حصے بھی اس کے حوالے کیے اور بعد میں قندھار کی صوبہ داری (۱۰۲۱-۱۷ھ) پر اُسے فائز کیا۔ بہت زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے جوانی میں ہی (محرم ۱۰۲۱ھ) میں قندھار میں فوت ہوا۔ اس کے بعد سندھ پر ترخانی بالادستی کا دوسرا دور ختم ہوا جو بیس برس تک قائم رہا۔(۷)

جب مغلوں کی پہلی صوبہ داری براہ راست قائم ہوئی، اس وقت ارغونوں اور ترخانوں کے تمام پسماندگان کو سندھ سے نکال کر ہندوستان روانہ کرکے سندھ سے ان کی جڑ اکھاڑ دی۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے نہایت عبرت ناک انداز میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"نام و نشان آن سلسلہ، بلکہ علامت تمام قوم ارغون و ترخون، دران دیار نماند۔ اگر احیاناً تا حال خالی زندہ باشد، ازان زندگی مرگ اولیٰ تراست۔"(۱)

اسی طرح ماثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"میرزا رستم قندھاری را به حکومت آن دیار مامور فرمود. و به سعی او، رگ و ریشۂ ترخانیه ازان ولایت بر کنده گشت." (۲)

دونوں قبیلوں نے سندھ پر ایک صدی حکومت کی- ترخانوں نے سندھیوں کے ساتھ رشتہ داری بھی کی- لیکن اس طرح بھی وہ خود کو اس ملک کا باشندہ نہیں بناسکے- جب ان کا دورِ حکومت ختم ہوا تو اُن کے زوال اور زبون حالی پر کسی کی آنکھ پرنم نہ ہوئی- کسی کو بھی افسوس نہ ہوا- رشتے دار بننے اور کسی بھی ملک میں سو سال تک رہائش پذیر ہونے سے غیر اپنے نہیں ہوسکتے- وہ پرائے تھے، صرف حکومت کرنے آئے تھے، اس لیے آخر تک غیر ہی رہے- ان کا تمدن جدا، تہذیب الگ اور زبان مختلف تھی- سو سال تک یہاں رہے، لیکن نہ اپنی ذہنیت کو بدل سکے، نہ فکری ہم آہنگی پیدا کرسکے- ان میں سندھیت کا ایک بھی گُن نہ تھا- پھر کیوں سندھ کے لوگ ان کے زوال اور بیخ کنی پر مرثیہ خوانی کرتے- وہ پرائے تھے پرائے ہی رہے- جب یہاں سے نکلے تو اس وقت بھی وہ غیر ہی تھے، یہ تو فطری امر ہے- پھر کسی کو دیکھ کیوں کر ہو-

(۳)

میرزا عیسیٰ ثانی: میرزا عیسیٰ ثانی جس کا خوب صورت مقبرہ مکلی میں ہے اور جس کو مکلی نامہ میں میر علی شیر قانع نے بہت سراہا ہے- وہ مذکورہ بالا میرزا عیسیٰ کلاں کا پوتا، مرزا جان بابا (۸) کا بیٹا مرزا باقی کا بھتیجا اور جانی بیگ کا چچا تھا-

ننھیالی قبیلہ: میرزا جان بابا نے سندھ کے سمیجہ قبیلے سے شادی کی تھی- میرزا عیسیٰ اسی گھر میں پیدا ہوئے- سمیجہ قبیلہ سندھ کے اندر نام ور، بردبار، بہادر اور بڑا عزت دار تھا- جب مرزا باقی نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو ختم کرنا شروع کیا، تو میرزا جان بابا بھی مارا گیا- اس وقت یا اس کے بعد جب مرزا غازی اور مرزا عیسیٰ کے درمیان نا اتفاقی ہوگئی تو میرزا

عیسیٰ نے اپنے ننھیال میں جا کر پناہ حاصل کرلی، اس لیے مرزا باقی کا اُن پر بس چل نہ سکا اور غازی کو بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

ولادت: میرزا موصوف کی تاریخ پیدائش کہیں سے موصول نہ ہوسکی، البتہ اُس کی عمر کا تخمینہ مختلف مورخین نے دیا ہے، جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے "تولد کا سال" متعین کیا جاسکتا ہے۔

مورخ عمر کے تخمینے پر متفق نہیں ہیں، ہر ایک نے اپنے اپنے انداز سے الگ الگ عمر لکھی ہے۔ مثلاً:

۱- ذخیرة الخوانین ۱۱۲- (۳) اور عمر طبعی سے اوپر (۴)

۲- ترخان نامہ ۹۵ (۵)

۳- ماثر الامرا ۱۰۰ (۶)

۴- مراۃ محمدی ۱۰۰ (۷)

ترخان نامہ کے علاوہ بقیہ دونوں مورخین کا ماخذ ذخیرة الخوانین ہے۔ ماثر نے ذخیرہ سے لیا ہے اور محمدی نے ماثر سے اخذ کیا ہے۔ اختلاف کی مذکورہ بالا صورت حال کے مطابق عمر ۹۵- ۱۰۰- ۱۱۲ برس ہوتی ہے۔

میرزا کی وفات کے سال (۱۰۲۱ھ) کو مدنظر رکھتے ہوئے، مذکورہ بالا تینوں تخمینوں کے مطابق، مرزا کے تولد کا سال ذیل کی طرح متعین ہوتا ہے:

۱- ذخیرہ	۱۲۲-۹۲۸ھ
۲- ترخان نامہ	۹۵-۹۲۶ھ
۳- ماثر اور مراۃ	۱۰۰-۹۲۰ھ

لیکن یہ تینوں سال غلط ہیں۔ کیونکہ میرزا کے دادا عیسیٰ اول -جن کا نام ان پر رکھا گیا تھا۔ وہ اوپر دیے گئے سالوں میں زندہ سلامت تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اُن کی زندگی میں رواج کے مطابق ان کے پوتے کا نام یہ نہیں ہوسکتا۔

مرزا عیسیٰ کلاں: ۹۷۳ھ میں فوت ہوا اور مرزا عیسیٰ ثانی کے والد مرزا جان بابا کو ۹۷۸ھ میں قتل کروایا گیا۔ اس لیے میرزا موصوف کا سال تولد

۹۷۴ھ کے بعد اور ۹۷۸ھ سے پہلے سمجھنا چاہیے۔ ۹۷۸ھ میں باپ کے قتل ہونے کے وقت میرزا پیدا ہوچکا تھا اور اس کی والدہ نے اُسے میرزا باقی کے خوف سے چھپا کر اپنے میکے پہنچادیا تھا۔

اگر بالفرض میرزا عیسیٰ ۷۵-۹۷۶ھ میں سے کسی ایک سال میں پیدا ہوا، تو اسی حساب سے وفات کے وقت اُس کی عمر ۸۵-۸۶ بنتی ہے۔ یہ عمر اگرچہ کسی بھی صورت میں طبعی عمر سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اوپر دیے گئے دلائل کی بنا پر فی الحال ہمارے سامنے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، کہ مرزا کی اسی عمر کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کی پیدائش کا سال ۹۷۵ یا ۹۷۶ سمجھیں۔

ترخان نامہ کے مؤلف کا تخمینہ ذخیرۃ اور مائژ کے مقابلے میں حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ اس سلسلے میں ایک احتمال کی گنجائش موجود ہے، ہوسکتا ہے کہ ترخان نامہ کے مؤلف نے اصل میں ہشت و پنج لکھا ہو، اور پھر بعد میں کاتبوں کی سہو کے سبب نود و پنج رقم ہوگیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے کسی سبب اپنے تخمینے میں مبالغہ سے کام لیا ہو یا اس سے عمر کا اندازہ لگانے میں غلطی سرزد ہوئی ہو۔

(۴)

باقی سے جانی تک: میرزا باقی نے جس وقت اپنے عزیز و اقارب کا قتل عام شروع کیا اور اپنے بھائی، جان بابا کو دھوکے سے قتل کرواکے دوسرے اعزہ کے پیچھے پڑا، اس وقت میرزا عیسیٰ مشکل سے سال ڈیڑھ کا (۷۵-۹۷۷) ہوگا۔ اور باپ کے مرنے کے بعد والدہ کے ساتھ جاکر اپنے ماموں کے ہاں پناہ لی ہوگی۔ کیونکہ اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ اُس کا سلامت رہنا ممکن نہ تھا۔ مرزا باقی نے وہاں سے بھی اُس کو پکڑنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ چونکہ سمیجوں کی زیر پناہ تھا، اس لیے میرزا عیسیٰ کو پکڑنا مرزا باقی کے اقتدار اور اختیار میں نہیں تھا۔

میرزا عیسیٰ: ۹۷۷ھ سے لے کر کم و بیش سات آٹھ سال تک روپوش رہا۔

۹۸۳ھ میں جب میرزا باقی نے خود کشی کی اور ملک کی باگ مرزا پائندہ کے نام سے اس کے بیٹے میرزا جانی کے ہاتھ میں آئی، تو اس وقت میرزا عیسیٰ بھی واپس آیا۔ میرزا جانی اپنے سب عزیز و اقارب کو تلاش کرکے واپس لایا جو مرزا باقی کے خوف سے جان بچاکر ملک سے باہر جاکر چھپ گئے تھے۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے میرزا کے متعلق لکھا ہے:

"... که از ملاحظه میرزا محمد باقی، در احتشام سمیجه مختفی بود. (میرزا جانی) به هزار تملق و دلاسا، به اعزاز و اکرام، در تته آورده، عمۂ، خود را در حباله نکاح او آورد، و جاگیر و منصب مقرر نمود..." (۸)

اس طرح عیسیٰ کو منصب جاگیر اور رشتہ دے کر میرزا جانی نے واپس بلواکر ٹھٹہ میں آباد کیا۔

اگر میرزا عیسیٰ ۸۳-۹۸۴ھ میں واپس ٹھٹہ لوٹ آیا، تو اس وقت اُس کی عمر بمشکل نو دس برس ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ شادی اس نے آتے ہی نہیں کی ہوگی، بلکہ نامزدگی کے بعد اس کی شادی بلوغت کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ یہ لڑکی جو میرزا کے نکاح میں آئی وہ کس کی بیٹی تھی؟ یہ معلوم نہیں، البتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا پائندہ کی بھتیجی تھی۔

جب تک میرزا جانی زندہ تھا، اس وقت تک معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کا وقت نہایت آرام و اطمینان اور سکون سے گذرا۔ اس دور میں کوئی بھی خاندانی خلفشار اور نفاق پیدا نہیں ہوا تھا۔ البتہ وہ تمام زمانہ نہ صرف سندھ کے لیے، بلکہ خود اس گھرانے کے لیے مجموعی طور پر بڑے انقلاب کا تھا۔ ۹۹۹ھ سے ۱۰۰۰ھ تک سندھ میں مغل اور ترخان کے درمیان، سندھ کے مختلف حصوں میں جنگیں ہوتی رہیں۔ سال ۱۰۰۰ھ میں سندھ مغلوں کے قبضے میں آیا۔ میرزا جانی چند دن کے بعد اپنے امیروں سمیت سندھ کو الوداع کہہ کر خان خاناں کی معیت میں اکبری دربار میں پہنچا۔ اُن کے والد میرزا پائندہ بیگ کا انتقال اُس کے جانے کے فوراً بعد اسی سال صفر کے مہینے میں ہوا۔ جب سندھ بطور جاگیر واپس

میرزا کو ملا، تب اس نے اپنے اسیروں کو واپس سندھ روانہ کیا، تاکہ وہ اُس کے بیٹے مرزا غازی کے تحت جاگیر داری کا انتظام سنبھالیں۔ ۱۰۰۹ھ میں میرزا جانی فوت ہوا۔ (۹) اور اس کی لاش مکلی میں دفن کی گئی۔ میرزا غازی جو اس وقت تک باپ کی طرف سے نیابت کررہا تھا، وہ شاہی حکم سے باپ کا جانشین ہوا۔

یہ سارا دور ۹۸۳ سے لے کر ۱۰۰۹ھ تک اٹھائیس برس کا ہے۔ میرزا عیسیٰ کا اس عرصے میں کسی بھی سلسلے میں کوئی ذکر بالکل نہیں آیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت کے حالات کے مطابق اس کے حالات خراب نہیں تھے۔ ملکی معاملات میں ضرور حصہ لیا ہوگا، لیکن ترخانوں کے دوسرے امراء اتنے نمایاں اور موثر تھے کہ تاریخ کے صفحات میں ان کے مقابلے میں یہ نوخیز ترخان کوئی خاص مقام حاصل نہیں کرسکا۔

میرزا موصوف کا ذکر پہلی بار تاریخ کے اوراق میں اس وقت آتا ہے، جب میرزا غازی اور ان کے امرا کے درمیان نہ صرف اختلاف پیدا ہوا، بلکہ ان کے درمیان خطرناک حد تک کشمکش رہی۔

میرزا غازی سے اختلاف: جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ میرزا غازی نے نوجوانی میں اپنے والد کی نیابت کی اور بعد میں جانشین بنا۔ سارا کام کاج قدیم امراء انجام دیتے تھے۔ میرزا محض ایک نشانی کے طور پر تھا۔ جب باپ کی وفات کے بعد مسند نشین ہوا، اس کے بعد وہ صورت حال زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکی۔ میرزا غازی جب سنِ شعور کو پہنچا تو اس نے اسیروں کا اتنا زیادہ تسلط اور قبضہ اپنے اختیار اور اقتدار کے منافی سمجھا۔ اس لیے اس نے سب سے پہلے نئے منصب عطا کرکے نئے امراء مقرر کیے اور بعد میں آہستہ آہستہ قدیم امراء سے اختیارات چھیننا شروع کردیے۔

میرزا کی اس روش نے قدیم اسیروں کو ناراض کردیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد امراء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ نئے امراء ایک طرف پرانے امراء ایک طرف۔ پرانے اسیروں کا اثر اور اقتدار اتنا مضبوط تھا کہ اس کو

ختم کرنے کے لیے کافی جدوجہد کرنی پڑی اور کئی سال اس کشمکش میں بسر ہوئے۔

پرانے امیروں میں سے دو مشہور تھے۔ ایک امیر خسرو چرکس جس کا تقریباً پورے سندھ پر اثر رسوخ تھا۔ دوسرے بیگلار قبیلے کا امیر میر ابوالقاسم سلطان جس کا نصرپور صوبے پر خصوصاً اور عام طور سے پورے ملک پر ضابطہ تھا۔

نئے امیر نو دولتیے تھے۔ ہر چند ان کی پشت پر ملک کا والی موجود تھا، لیکن ملک کو قدیم امیروں کے ہاتھوں سے نکال کر نئے امیروں کے حوالے کرنا، بلکہ صحیح معنیٰ میں ان کا اقتدار قائم کرنا اتنا آسان کام نہ تھا۔

اسی سلسلے میں بڑی کشمکش ہوئی، سال ۱۰۱۰ سے لے کر ۱۰۱۲ تک یہ ہنگامہ ہوتا رہا۔ میرزا عیسیٰ خفیہ طریقے سے پرانے امیروں کی پشت پناہی کررہے تھے، لیکن ظاہر طور پر اُن کی ہمدردی مصلحت کے خلاف تھی۔ میرزا عیسیٰ کا در حقیقت یہ خیال تھا کہ اِس اختلاف میں اگر میرزا غازی ناکام ہوا تو قدیم امراء اسے مسند نشین کرکے شاہی دربار سے پروانہ حاصل کرلیں گے۔ چونکہ اس کے نانا کا قبیلہ نہایت طاقتور تھا، اس لیے سندھ پر حکومت کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل مسئلہ نہیں تھا۔

میرزا خسرو چرکس مرکز میں موجود تھا۔ اس لیے اس کو زیادہ اہمیت تھی۔ میرزا غازی نے سب سے پہلے اسی کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ تاریخ طاہری میں ہے:

"سر همه شور بختان، خسرو خان چرکس است، اگر اول اورا به چنگ آریم، کار دیگران بسی آسان است."

میرزا غازی نے یہی سوچ کر پروگرام بنایا کہ:

"قرار دیگر بر این یافت که اورا تنها در خلوت طلبیده از مرکبِ حیات پیاده ساخته به خاك تیره یکسان نماید."

تاریخ طاہری کے مصنف نے لکھا ہے کہ میرزا عیسیٰ نے میرزا کی

اس نیت سے خسرو کو آگاہ کر کے بچالیا۔

"چون مابین میرزا عیسیٰ ترخان و مشاراً الیه اتحاد و اخلاص از قدیم باز بود. ازین واقعه، واقف ساخته بدمِ عیسوی از مرگ مامون داشت."

میرزا غازی کو یہ حقیقت معلوم ہوئی، اس لیے ارادہ کیا کہ عیسیٰ کو بھی ختم کیا جائے۔

"میرزا از موافقت عیسیٰ ترخان نفاقت معلوم و مفهوم گشت که او نیز از خیر خواهان نیست! لائق چنانست که اول اورا بدار سیاست - چونِ صلیب عیسیٰ - برداشت، تا کسی همراز بوده افشای راز پوشیده ننماید."

میرزا عیسیٰ کو یہ علم ہوگیا کہ اس کی جان کی خیر نہیں، اس نے سمجھا تھا کہ یہ بات پوشیدہ رہ جائے گی، لیکن جہاں نفاق، مخالفت اور ایک دوسرے کا بیڑا غرق کرنے کی تیاری ہورہی ہو، ماحول انتہائی شر انگیز ہوجائے، وہاں راز کہاں چھپ سکتے ہیں۔ میرزا عیسیٰ، میرزا غازی کے آدمی پہنچنے سے پہلے ہی ٹھٹہ سے نکل کر ننھیال جا پہنچا۔

"میرزا از سیاست چیره دستانِ این درگاه، چون روح الله، از زمین به آسمان ازین جا بدر رفت. و در مردم سمیجه، که خویشان مادری او بودند، پا برجا نموده، منتظر آن ماند که امروز فردا، فتنه قائم خواهد گشت و مرا نیز از ملك یك گوشه به دست آیدا"

تاریخ طاہری کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: اگر میرزا غازی کی قسمت اچھی نہ ہوتی تو امیروں نے اسے مارنے کا جو منصوبہ بنایا تھا، اسی میں اس کا خاتمہ ہوجاتا۔ مخالفین نے میرزا عیسیٰ ترخان اور مرزا مظفر کو جانشین بننے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ (۱۰) میرزا عیسیٰ، ننھیال پہنچنے کے بعد بھی ایک عرصے تک اس امید پر ٹھٹہ کی طرف آس لگائے بیٹھا تھا کہ خسرو کے ساتھیوں کی جیت ہوگی۔ اب ان کی مسند نشینی کی باری آئے گی۔

ترخان نامہ کے مولف نے اوپر بیان کیے گئے واقعے کے متعلق لکھا ہے کہ: جس وقت میرزا غازی نے خسرو چرکس کو ختم کرنے کے لیے قلعہ کے اندر منصوبہ بنایا، اس وقت میرزا عیسیٰ ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میرزا نے اس کو سمجھایا کہ قدیم امیروں کی بربادی مصلحت آمیز نہیں۔ لیکن میرزا غازی باز نہیں آئے اور حکم دیا کہ آج جیسے ہی خسرو سلام کرنے آئے تو فوراً اسے گرفتار کیا جائے۔ میرزا عیسیٰ رنجیدہ ہو کر دربار سے اٹھ کر چلا گیا۔ اتفاق سے قلعے کے دروازے کے پاس ہی اُس کی خسرو سے ملاقات ہوئی، اشاروں ہی اشاروں میں اسے معاملے کی نوعیت سے آگاہ کرتے ہوئے وہ خود آگے چلا گیا۔ (۱۱)

خسرو بچ گیا لیکن فساد ہوتا رہا۔ نصرپور کے صوبے دار ابوالقاسم سلطان نے آخر میرزا کے خلاف بغاوت شروع کی۔ لشکر واپس آکر ٹھٹھ کی سرحد کے پاس پہنچا۔ میرزا سچ مچ ہی خوش قسمت تھا، نوجوان تھا، جوش زیادہ اور تجربہ کم، نئے امیر سارے کے سارے بزدل، کم ہمت اور نو دولتیے تھے۔ دوسری طرف پرانے امراء یک مشت، باقوت اور صاحب اقتدار، آدمیوں پر رعب، کسی پر احسان تو کسی کے لیے خطرہ۔ میر ابوالقاسم خود اتنا دلیر اور پہلوان تھا کہ جب نصرپور سے تھوڑا آگے بڑھا تو ملک کے اندر خوف و ہراس پھیل گیا۔ ٹھٹھ کے عوام کی حالت تو دیکھنے کے لائق تھی۔ (۱۲) بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ میرزا غازی اس کشمکش سے نکل جائے گا۔ لیکن یہ سارا ہنگامہ ختم ہوگیا۔ امیر ابوالقاسم سلطان پیش ہوا۔ ان کو اندھا کر کے قید کیا گیا۔

میرزا عیسیٰ اس واقعے کے بعد آخری بار مایوس ہوگیا۔ ابوالقاسم سلطان ختم ہوگیا۔ خسرو چرکس نے صلح کر کے اختلافات ختم کردیے۔ دوسرے امراء جو اس کے زیر سایہ تھے وہ بھی خاموش ہوگئے۔ اس طرح اس کشمکش کا اختتام ہوا۔

(۵)
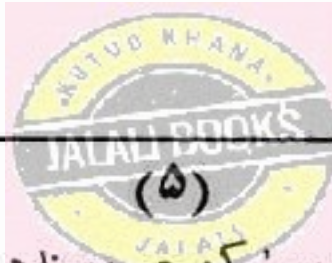
ہندوستان روانگی: میرزا عیسیٰ کو جب سندھ میں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی، تو نا امید ہو کر ننھیال سے سیدھا شاہی دربار چلا گیا، تا کہ ہاتھ پیر مار کر کچھ حاصل کرسکے۔ طاہری کی عبارت ہے:

"میرزا عیسیٰ ترخان که چشمِ پر شورش دوخته منتظر مانده بود، که مرا از ازین نمد، کلاهی خواهد رسید، مایوس گشته متوجه به دار الخلافت، خاکبوس اعلیٰ حضرت (اکبر) گشت."

ترخان نامہ نے ماموں کے پاس پناہ لینے کا واقعہ بیان نہیں کیا۔ بلکہ بتایا ہے کہ مرزا عیسیٰ قلعے کے دروازے کے پاس خسرو کو آگاہ کرنے کے بعد ٹھٹہ چھوڑ کر ہندوستان روانہ ہو گیا۔

"میرزا متوهم شد که، مبادا کسی این مقدمه به میرزا غازی رساند، از تته بر آمده، متوجه دربار عالم مدار گرید." (۱۳)

طاہری کے مؤلف نے معاملات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے: جب کہ ترخان نامہ نے اختصار اور کوتاہ قلمی سے کام لیا ہے۔ حقیقت میں میرزا عیسیٰ نے ٹھٹہ سے روانہ ہونے کے بعد پہلے سمیجہ کے یہاں قیام کیا اور ابوالقاسم سلطان کے واقعے کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

ماثر الامراء کے مؤلف نے ان دونوں مؤلفین سے مختلف صورت حال بیان کی ہے۔ لکھا ہے کہ: میرزا جانی کی وفات کے بعد میرزا عیسیٰ نے حکومت حاصل کرنے کے لیے کافی تگ و دو کی، لیکن خسرو چرکس نے میرزا غازی کو مسند نشین کر کے میرزا عیسیٰ کو قید کرلیا، مگر بخت کی یاوری کے سبب وہ جان بچا کر جہانگیر کے دربار میں پہنچ گیا۔

"چون پیمانهٔ حیات میرزا جانی لبریز گردید، میرزا عیسیٰ به هوسِ حکومت، دست و پای به حرکت آورد. خسرو خان چرکس (که وکیل مستقل آن سلسله بود) میرزا غازی را جانشین پدر خاست، و خواست که میرزا عیسیٰ را به ادب

گاہ زندان بر نشاند، او بہ قلا ورزی بخت و رہنموی اقبال،
ازان دیار بدر زدہ، بدرگاہ جہانگیری استظلال عافیت نمود. و
جنت مکانی بہ منصب عمدہ، مطرح انظار عاطفت ساختہ،
تعینات دکن فرمود." (۱۴)

ماٹر نے یہ روایت ذخیرۃ الخوانین سے لی ہے، اگرچہ ذخیرۃ الخوانین ایک وقیع تذکرہ ہے اور اُس کا مؤلف میرزا عیسیٰ کا دوست اور بقول خود اُس کا رشتے دار بھی تھا۔(۱۵) لیکن مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر یہ قول قبول نہیں کرسکتے:

۱- سندھ کے جاگیردار کی مقرری خسرو کے ہاتھ میں نہیں تھی، بلکہ بادشاہ کے حکم سے ہوتی تھی۔

۲- اکبر نامہ میں ہے کہ میرزا جانی کے فوت ہوتے ہی بادشاہ نے غائبانہ طور پر اپنے بیٹے کے نام پروانہ، خلعت گرانمایہ سمیت ان کو بھیج دیا۔ گیتی خداوند، از قدردانی الکای اورا بہ پور او میرزا غازی، غایبانہ باز گذاشت، و منشور والا، و گرانمایہ خلعت، فرستاد. (۱۶)

۳- میرزا جانی نے ۱۰۰۹ھ میں انتقال کیا، اس وقت جہانگیر نہیں، بلکہ شہنشاہ اکبر تخت نشین تھا۔

۴- میرزا عیسیٰ یقینا اکبر کے دور میں گیا، تاریخ طاہری اس سلسلے میں قدیم ترین ماخذ ہے۔ جس کا مؤلف مرزا غازی کا معاصر تھا اور بہت سے واقعات کا وہ عینی شاہد ہے۔ ترخان نامہ کا مؤلف بھی اس کا ہم نوا ہے۔

(۶)

دور اکبر اور عیسیٰ: ممکن ہے کہ میرزا عیسیٰ نے جانی بیگ کی وفات کے بعد کسی وقت سندھ کا جاگیردار ہونے کی خواہش کا اظہار کیا ہو، لیکن اس پر عمل نہ ہوسکا اور غالباً بادشاہ تک بھی ان کی یہ خواہش نہیں پہنچی تھی۔ عیسیٰ اور میرزا غازی کے باہمی تعلقات خوش گوار تھے۔ جب امراء کا ہنگامہ جاری تھا، اس وقت بھی قلعے کے اندر میرزا عیسیٰ

کا آنا جانا جاری تھا۔ سندھی مورخین نے اس موقع پر جاگیردار بننے کی خواہش کے پیدا ہونے کا بیان اس موقعہ پر کیا ہے، جب میرزا غازی اور امیروں کے درمیان نفاق شروع ہوا اور یہی بات قرین قیاس ہوسکتی ہے، ورنہ بیٹے کی موجودگی میں دوسرا کوئی بھی وارث رواج کے مطابق درست نہیں۔

ترخان نامہ کے مولف نے لکھا ہے کہ ۱۰۱۲ھ میں میرزا عیسیٰ سندھ کو چھوڑ کر، اکبر کے دربار پہنچا، یہ وہی زمانہ تھا جب ابوالقاسم سلطان کی گرفتاری کے بعد سندھ کے حالات میرزا غازی کے لیے اطمینان بخش تھے۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ:

> "چون در سنه اثنی و عشر و الف هجری، به شرف اقدام بوسی حضرت اکبر بادشاه مشرف شد، اعلیٰ حضرت عنایت و مهربانی بسیار شامل حال او داشته، خلاف ضابطۂ آنوقت، از روی رعایت و شفقت، ده سی زیاده منصب به او مرحمت فرموده در سلك امرایان انتظام داده." (۱۷)

سندھ کے سلسلے میں ابتداء ہی سے اکبر کی پالیسی نہایت نرم تھی۔ ملک تو فتح ہوا، لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ قدیم روایات کا فوراً خاتمہ کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے میرزا باقی کے معاملے میں درگذر سے کام لیا اور میرزا جانی کے ہاں سے پہلی دفعہ محمد صادق کو واپس بلوایا۔ پھر بھی جب سندھ فتح ہوا، تو لوگوں کو سندھ میں ہونے والی تبدیلی محسوس ہونے نہ دی، بلکہ میرزا جانی کو دوبارہ ملک واگذاشت کردیا گیا۔ جانی کے بعد غازی کی تقرری بھی اسی پالیسی کے تحت ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ میرزا عیسیٰ جب وہاں پہنچا تو خلافِ دستور اس کو بھی غیر معمولی منصب پر فائز کیا گیا۔

اس کے علاوہ شاید دوسری بھی ایک خاص وجہ موجود تھی۔ اکبر نے بغیر دیکھے میرزا غازی کے لیے جاگیر اور جانشینی کا پروانہ ارسال کیا تھا۔ اب اکبر کی خواہش تھی کہ میرزا غازی خود آکر دربار میں حاضری دے۔ اس کو بلانے کے لیے اکبر نے بابا اصفہانی کو بھیجا۔ جب

دیر ہو گئی تو اس نے ۱۰۱۱ھ میں سعید خان چغتائی کو روانہ کیا۔ غازی اپنے گھریلو انتشار میں مصروف تھا، اس لیے فوراً نہیں پہنچ سکا۔ دربار میں یہی شک اور خدشہ تھا کہ ممکن ہے کہ خسرو چرکس جیسے سیاست مدار اور با تدبیر امیر کے مشورے پر میرزا ایرانی حکومت سے امداد حاصل کرکے کہیں سندھ کو دوبارہ آزاد کروالے۔ یہ گمان اور یہ خطرہ مغلوں کو سندھ میں ہمیشہ رہتا تھا۔ اور یہ ایک لحاظ سے درست بھی تھا۔ اہل سندھ آخر دم تک خود کو مغلوں کی غلامی کا عادی نہیں بناسکے تھے۔ نفرت، عدم تعاون اور کبھی کبھی بغاوت ہوتی رہتی تھی۔ جب تک مغلوں کی سندھ سے بنیاد نہ نکالی اور اپنا ملک حاصل نہیں کیا، تب تک برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔

میرزا عیسیٰ کو معمول سے بڑھ کر منصب عطا کرنے کا مطلب یہی تھا کہ جب کبھی سندھی، غازی کی رہنمائی میں ہنگامہ کریں تو اُن کے مقابل مغل دربار میں دوسرا ترخانی امیر موجود ہو۔ جس کی ننھیال بھی سندھی ہے اور وہ سندھیوں کی ہمدردی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ ماثر الامراء کی عبارت اسی شبہے پر روشنی ڈالتی ہے:

"در سنه ۱۰۱۱ھ میرزا غازی در تته، بعد مردن پدر خود جانی بیگ، خیال خود سری پیش گرفت. عرش آشیانی ملتان و بکر را به جاگیر سعید خان تنخواه فرمود، او را بر سرِ میرزا تعین کرد." (۱۸)

خیال خودسری- اور- بر سر میرزا تعین کرد- لفظوں سے درباری فضا کا تکدر عیاں ہے۔ یہی رنگ ماثر رحیمی کی عبارت کا ہے:

"سعید خان چغتایی کوکه را به ابیست هزار سوار مقرر نمودندکه، رفته میرزا غازی را به پایه سریر خلافت میسر آورد." (۱۹)

بیست ہزار سوار - اور - میسر آورد - کے الفاظ درباری محاول کی ترجمانی کرتے ہیں۔ نہ فقط یہ بلکہ سیہون کے صوبے دار میر ابوالقاسم نمکین کے لیے بھی تاکیدی فرمان جاری ہوا، کہ میرزا غازی کو خسرو

سمیت دربار پہنچایا جائے۔

بہرحال، میرزا عیسیٰ ۱۰۱۲ھ میں پہنچا اور میرزا غازی کے پیش تر حالات کے مدِ نظر ۱۰۱۳ھ میں اکبر کے سامنے حاضر ہوا۔ (۲۰)

(۷)

عہد جہانگیری اور میرزا عیسیٰ: اکبر کے دور میں ہی میرزا عیسیٰ کے سلسلے میں فقط اتنا ہی ذکر ملتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ منصب کے علاوہ، میرزا موصوف اکبری زمانہ میں کون کون سے عہدوں پر اور کہاں کہاں رہا۔ تاریخ میں اس کا پہلا تقرر جہانگیر کے عہد میں دکن سے بیان کیا گیا ہے۔ ماثر امراء کے مؤلف کا قول ہے کہ:

> "جنت مکانی، به منصب عمده مطرح انظار عاطفت ساخته، تعینات دکن فرمود." (۲۱)

جہانگیر ۸ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ کو تخت نشین ہوا۔ میرزا غازی اس وقت دربار میں حاضر تھا، بعد کی صورت حال اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا غازی کا جہانگیر کے مزاج پر بڑا اثر تھا۔ جہانگیر نہ صرف خسرو کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اس کو اپنے ساتھ لاہور لے گیا، بلکہ چند مہینوں کے بعد جب قندھار پر لشکر کشی کا معاملہ در پیش آیا، تو غازی بیگ کو پنج ہزاری منصب دے کر بڑے ٹھاٹھ سے روانہ کیا۔ معلوم نہیں کہ میرزا غازی کے اس رسوخ نے میرزا عیسیٰ کی پوزیشن پر کون سا اثر ڈالا۔ بہرحال ترخان نامہ کے مؤلف نے تفصیل دینے کے بجائے جہانگیر کے مجموعی سلوک کا مؤثر لفظوں میں ذکر کیا ہے:

> "چون حضرت جهانگیر پادشاه، بر سریر سلطنت و خلافت جلوس فرمود، میرزا عیسیٰ ترخان را مشمول عنایات و عاطفتِ پادشاهانه (گردانیده نواز شها) فرمود. و در ایام سلطنت جهانگیر پادشاه، بدار المهامی اکثر به و سائل بود."

جہانگیر ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوا اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ میں کشمیر سے واپسی پر راستے میں فوت ہو گیا۔ اِن تیئیس برسوں کے دور

میں معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ بڑے دبدبے اور ٹھاٹھ کے ساتھ اپنے منصب پر فائز رہا اور اپنے فرائض ادا کرتا رہا۔ جیسا کہ ترخان نامہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

"میرزا عیسیٰ ترخان از کمال جمعیت و همت و غیرت، بغیر از پادشاه، به کسی سرفرو نمی آورد، و به ارکان دولت توسل نمی جست. لاجرم ارکانِ دولت در مقام نزاع او بوده، اورا جاهای سخت و زور طلبِ تنخواه می کردند.

میرزا مذکوره جمعیت خوب همراه داشت، از روی تهور قبول نموده، به هر صوبه که می رفت ترددات نمایان نموده، به انعام و اکرام واضافهٔ منصب، بی منتِ عمرو زید، سر بلندی میبافت." (۲۲)

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا ہمت، جرأت اور بڑے دل گردے والا شخص تھا۔ بادشاہ کے سوا وہ کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ سلطنت کے مدار لمہاموں کے آگے کبھی نہیں جھکا۔ اس لیے سارے امراء اس سے نالاں اور ناراض رہنے لگے۔ یہی سبب تھا کہ اس کو ہمیشہ بہت دور کے علاقوں اور مشکل مہمات پر بھیجا جاتا تھا، لیکن اُس نے جس طرف بھی رخ کیا، وہاں سے فتح کے ساتھ واپس ہوا، نہ کسی سے مروت چاہی نہ مدد کا طالب ہوا۔ ایک تو اُس کے پاس بہت لشکر تھا اور دوسرا اپنے آپ پر بھی بھروسا تھا۔ اپنی ہمت سے کامیابیاں حاصل کیں اور بڑے منصب حاصل کیے اور انہیں کسی ایرے غیرے کی سفارش کی ضرورت نہ پڑی۔

یہ عبارت میرزا کے کردار اور اس کی فطرت پر مکمل روشنی ڈالتی ہے۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ واقعی پوری زندگی اسی رنگ میں بسر کی۔ اس کی فطرت کی بلندی اور اولوالعزمی اس کے مقبرے کی عمارت سے ظاہر ہے۔ اس کے حسن طبیعت، تحمل اور صبر کا اندازہ اُس کے مقبرے کی عمارت ہی سے ظاہر ہے۔ بڑے بڑے انسان ہی، بڑی بڑی عمارتیں بناتے ہیں۔ ہر تخلیق اپنے خالق کے حوصلے کی بلندی اور پستی

کا مظہر ہوتی ہے۔

آگے چل کر یہ معلوم ہوگا کہ میرزا عیسیٰ نے جہانگیر کے عہد میں زندگی کا زیادہ عرصہ دکن اور گجرات میں گذارا۔ جب جہانگیر فوت ہوا، اس وقت بھی وہ گجرات میں تعینات تھا۔

جہانگیر کے زمانے میں میرزا کی تقرریوں کا سلسلہ وار احوال مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوجائے گا:

دکن ۱۰۱۴ھ: جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد غالباً سب سے پہلے تقرر دکن میں ہوا۔ میرزا کہاں گیا؟ کس عہدے پر فائز ہوا اور کون کون سے کام سر انجام دیے؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں اور نہ کہیں کوئی اس سلسلے میں اشارہ ملتا ہے۔

مکمل آٹھ سال درمیان میں گذرے، ۱۰۲۱ھ میں میرزا غازی کی وفات کے بعد ایک مرتبہ پھر میرزا عیسیٰ کا ذکر ملتا ہے۔ اتنے سال کے عرصے میں جہانگیر نے خود بھی مرزا عیسیٰ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا، حالانکہ تزک میں زیادہ تر قابل ذکر واقعات نظر آتے ہیں اور ہر امیر کا کچھ نہ کچھ ذکر موقع بموقع ملتا ہے۔

میرزا غازی کی وفات ۱۰۲۱ھ: میرزا غازی کو قندھار کی صوبے داری مستقلاً ۱۰۱۷ھ میں دی گئی۔ پہلی دفعہ ۱۰۱۵ھ میں گیا تھا۔ ایران کے صفوی بادشاہ نے قندھار پر لشکر کشی کی اور شہر کا محاصرہ کیا۔ جہانگیر تخت پر بیٹھا تھا اور بیٹھتے ہی خسرو (۲۳) کی بغاوت در پیش آئی۔ اندرونی خلل ابھی جاری تھا کہ لاہور کی منزل پر قندھار کے انتشار کا احوال پہنچا۔ میرزا غازی پر خاص نظر عنایت تھی۔ جہانگیر نے اس کو وہیں روانہ کیا۔ غازی نے پہنچتے ہی ایرانی لشکر کے محاصرے کو ختم کرکے قندھار کو آزاد کیا۔ قندھار دور تھا اور ایرانی لشکر کے حملوں اور مقامی بغاوتوں کا ہر وقت خطرہ موجود رہتا تھا۔ میرزا غازی کی کارکردگی دیکھ کر جہانگیر نے اس کو مستقلاً وہیں روانہ کیا۔

میرزا غازی کا کثرت شراب نوشی کے سبب ۱۰۲۱ھ میں انتقال ہوا۔ جہانگیر سے پہلے آصف خان کی وفات ۱۰۲۲ھ کی خبر پہنچی اور

چند دن بعد (۲۵ ماہ اردی بہشت) میرزا غازی کی وفات کا احوال انہیں ملا۔ (۲۴)

میرزا عبدالعلی کی مسند نشینی: سندھ میں جس وقت یہ خبر پہنچی تو میرزا خسرو چرکس نے مرزا عبدالعلی (۲۵) کو مرزا غازی کی جگہ ٹھٹہ میں مسند نشین کیا۔ جہانگیر کو نہ تو اس کی اطلاع دی گئی اور نہ اجازت طلب کی گئی۔ اس بات کا علم نہیں کہ خسرو نے کون سان منصوبہ بنایا تھا۔ جب جہانگیر کو علم ہوا تو اس وقت دربار میں بڑے اندیشے اور خدشات پیدا ہوگئے۔ ایرانی بادشاہ سے اچھے تعلقات نہیں تھے۔ ظاہرداری کے باوجود دلوں میں خلش تھی۔ اسی طرح سندھ کی سرحد پر دوسری ریاستیں بھی موجود تھیں، جن کی مدد سے سندھ مغلوں سے آزاد کرانے کا احتمال ہوسکتا تھا۔

میرزا عیسیٰ کی دکن سے واپسی ۱۰۲۱ھ: میرزا عیسیٰ اسی زمانے میں دکن کی طرف (؟) تھا۔ جہانگیر نے اس لیے اُنھیں بلوایا تاکہ ان کو سندھ روانہ کرے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف کا قول ہے کہ:

> "پس از فوت میرزا غازی بیگ... به موجب فرمان طلب از دکن به حضور آمد. حضرت جنت مکانی خواستند که اورا به تته فرستند که، مبادا خسرو خان بغی ورزد و عبدالعلی ترخان که بجای میرزا غازی بیگ نشانده او را تقویت بخشد." (۲۶)

مآثر الامراء کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

> "خسرو خان، عبدالعلی نامی را ازان سلسله بر مسند ترخانیه متمکن ساخته، دست مایۂ حکم رانی اندیشید. جنت مکانی به توهم آن (که مبادا عبدالعلی به دستان سرائی خسرو خان ریشۂ استقلال دران سرزمین فرو برد) فرمان به نام میرزا عیسیٰ خان قلمی فرمود." (۲۷)

ٹھٹہ کی صوبیداری: جہانگیر چاہتا تھا کہ میرزا کو ٹھٹہ روانہ کرے، چنانچہ مرزا حکم کے مطابق جمعرات کے دن (۱۸ خرداد) ۱۰۲۱ (ھ ش) کو آکر دربار میں حاضر ہوا۔

"میرزا عیسیٰ... در لشکر دکن تعین بود به جهت تته او را طلبیده بودم۔ در همین تاریخ به خدمت استسعاد یافت. چون قابل رعایت و تربیت بود به منصب هزاری و پانصد سوار ممتاز گشت." (۲۸)

اوپر دکھایا گیا ہے کہ میرزا خود دار، خود پسند اور بے پروا تھا۔ آخر وہ ایک حکمران خاندان کا فرد تھا۔ اسی لیے درباری امراء اُس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امیروں نے دخل اندازی شروع کی۔ جہانگیر مضبوط ارادے کا مالک نہ تھا، قوتِ فیصلہ میں کمزور شخص تھا۔ افیون کھانے کی وجہ سے طبیعت میں وسوسہ رہتا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ مبادا میرزا پہنچنے کے بعد باغی ہوجائے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے اس بات پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

"بعضی ارباب عناد به عرض رساندند که: میرزا عیسیٰ بیگ که از سالهای دراز آرزوی حکومت ملك موروثی خود داشت، حالا که در آنجا برود و با دارایِ ایران شاه عباس صفوی ساخته توسل به او نماید، و یا حاکم کیچ مکران و هرمز که دران صلح واقع شده اند، توسل جسته باعانتِ آنها، در آنجا بماند. عمری باید که کارِ او ساخته گردد." (۲۹)

ماثر الامراء کے مؤلف نے اسی مأخذ سے اخذ کرکے ان لفظوں میں اشارہ قلم بند کیا ہے:

"–به عرض برخی حساد [که میرزا از دیر باز در آرزوی ملك موروثی نعل در آتش است. اگر درین ولا مستقل شده، به حاکم کیچ و مکران و هرمز- که قریب واقع شده اند- اعانت جسته با شاه عباس صفوی توسل نماید، مدتها باید که تدارك آن به وقوع آید] بادشاه بد گمان شد." (۳۰)

میرزا رستم کا تقرر ۱۰۲۱ھ: اوپر دیے گئے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے حالات کیا تھے۔ شاہ عباس اندر ہی اندر مغلوں کے خلاف تھا۔ قندھار اور کابل یا خراسان کے جن حصوں پر مغلوں کا قبضہ

تھا وہ اس کو پسند نہیں تھا، کیونکہ ایرانیوں نے اس کو اپنا سمجھ رکھا تھا۔ کیچ اور مکران سندھ کی سرحدوں سے ملتے ہیں۔ بلکہ سندھ کا حصہ ہیں۔ مغلوں کو یہ ملک فتح کرنے کی ایک عرصے سے آرزو تھی۔ اکبر کے دور میں حکومت کا خیال تھا، لیکن عمل میں نہیں آسکا۔ (۳۱) اس لیے فطری طور پر کیچ اور مکران کے والی بھی موقع کی تلاش میں تھے، تاکہ سندھ سے مغلوں کا قبضہ ختم کرکے اپنے ملک کی سرحدوں سے ان کو دور ہٹادیں۔ ہرمز کی والی کا بھی شاید یہی خیال تھا۔ ان سب کے درمیان صلح تھی۔ جس کا اشارہ اوپر دیے ہوئے اقتباس میں موجود ہے۔ اس لیے "توسل جستہ وبہ اعانت آنہا در آنجا بماند" کے خطرے کی وجہ سے میرزا کا جانا منسوخ کرکے میرزا رستم صفوی کو ٹھٹہ پر مقرر کیا گیا۔ جو شاہ عباس صفوی کا عزیز (۹) تھا، مگر خاندانی اختلافات اور جھگڑوں کے سبب ترک وطن کرکے مغلوں کے امیروں میں شامل ہوا تھا۔ جہانگیر کو اطمینان تھا کہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے ایران اور ہرمز سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور اس طرح کیچ اور مکران کا بھی سدِ باب ہوجائے گا۔

رادھن پور میں تقرر ۱۰۲۱ھ: میرزا عیسیٰ دربار میں پہنچ چکا تھا، یقینا دکن کا چارج کسی دوسرے کے سپرد ہوگا۔ اس لیے جہانگیر نے میرزا عیسیٰ کو اس مرتبہ رادھن پور (۱۰) میں جاگیر دے کر اُس کو وہاں سے بلایا۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: میرزا کو دین پور کی جاگیر دے کر روانہ کیا ہوگا:- میرزا را دین پورہ در نواحی گجرات جاگیرداده بدان صوبہ فرستادند– لیکن ماثر الامراء، جس کا ماخذ بھی ذخیرہ ہے، اس میں دین پورہ کے بجائے رادھن پورہ ہے - میرزا عیسیٰ بجاگیرداری رادن پور گجرات سربر نواختہ تعین آن صوبہ گردید– ہمارے خیال میں ذخیرہ میں دین پورہ کتابت کی غلطی ہے، دراصل مرزا کو رادھن پورہ کی جاگیر ملی، جیسا کہ ماثر کا بیان ہے۔

رادھن پورہ میں قیام کے زمانے کی تفصیل یا اجمال نہیں ملا، لیکن اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اس تقرر نے میرزا کے دل میں گجرات کے لیے غیر

معمولی کشش پیدا کردی۔ چنانچہ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ گجرات میں مختلف عہدوں اور مختلف جگہوں پر بسر کیا۔ اُس کی ذہنی اور فکری تشکیل میں بھی گجراتی اثرات کار فرما رہے۔ جس کا اظہار واضح طور پر اپنے اور اپنے والد کے مقبرے کی ساخت اور فن کاری سے ظاہر ہوتا ہے۔

ترخانی پس ماندہ اور میرزا عیسیٰ ۱۰۲۳ھ:

۱۰۲۱ھ میں میرزا رستم کو ٹھٹہ کا صوبے دار مقرر کیا گیا۔ میر عبدالرزاق معموری کو جہانگیر نے ٹھٹہ کا بخشی مقرر کر کے (۳۲) میرزا رستم سے پہلے ٹھٹہ بھیج دیا، تاکہ وہ پہلے پہنچ کر حکمت عملی سے عبدالعلی کو معزول کر کے حکومت کے اختیارات اور ملک اپنے قبضہ میں لے لے۔ چنانچہ میر عبدالرزاق نے پہنچتے ہی میرزا خسرو چرکس کو راضی کر کے اس سے منصب دینے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد عبدالعلی کو معزول کر کے ملک کو اپنی گرفت میں لیا۔

میرزا رستم کو بادشاہ نے ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ کو ٹھٹہ کی صوبے داری کا فرمان دیا تھا۔ (۳۳) میرزا کو تیاری میں کچھ وقت لگا۔ جب وہ ٹھٹہ پہنچا، اس کے بعد میر معموری ارغون اور ترخانوں کے سارے قبیلے کو عبدالعلی اور خسرو سمیت ٹھٹہ سے نکال کر ہندوستان لے گیا۔ اور ۲۶ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ (جمعرات) کو دربار میں پہنچا (۳۴) میر عبدالرزاق معموری کو دربار سے اس کے صلے میں مظفر خان کا لقب ملا۔

ترخانوں کا جو حشر ہوا، وہ صاحب ترخان نامہ کی زبان سننا چاہیئے:

> ”— چون عبدالعلی خان ترخان و خسرو خان وغیرہ منسوبان میرزا غازی خان کہ در تتہ و قندھار بودند، بہ نظر اشرفِ اقدس گذشتہ اند، حکم شد کہ: عبد العلی و خسرو خان و پسرش را محبوس سازند! اکثر نوکران عمدہ میرزا غازی مدد معاش مرحمت فرمودند. باقی کل ارغون و ترخان و سپاہ، رجوع بہ خدمت نواب میرزا عیسیٰ ترخان نمودند۔“

میرزا عیسیٰ ترخان کے سلسلے میں مؤلف نے لکھا ہے:

"مومیٰ الیه از کمال همت پرداخت نموده، هر کس را فراخور استعداد، در خدمتِ خود نگاه داشتند." (۳۵)

اوپر دی گئی عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا کی مالی حالت اس حد تک مستحکم تھی کہ وہ ارغونوں اور ترخانوں کے جملہ افراد اور سپاہیوں کے اخراجات کا متحمل ہوسکا۔

میرزا رستم کی معزولی ۱۰۲۳ ھ: میرزا رستم ۱۰۲۱ھ میں ٹھٹہ پہنچا۔ سندھ جغرافیائی لحاظ سے مغلوں کے لیے نہایت مشکل مقام پر واقع تھا۔ مرکز سے دور اور سرحدی ممالک اس کے مخالف۔ سندھ کے اندر بھی بہت ہی مخالف مواد موجود تھا، جس کی وجہ سے ہنگامی حالات پیدا ہونے کا امکان ہر وقت رہتا تھا۔ اسی نکتے کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہانگیر نے رستم میرزا کو خاص تاکید کی تھی کہ، ملکی رعایا سے غیر معمولی سلوک کرتے رہنا۔ لیکن میرزا رستم اس ہدایت پر عمل نہیں کرسکا، الٹا وہاں پہنچتے ہی رعایا پر مختلف قسم کے مظالم شروع کردیے، جس کے نتیجے میں سخت اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ جہانگیر کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ فوراً اس کو واپس بلالے۔ چنانچہ اس نے اپنے خاص امراء ٹھٹہ بھیج کر اس کو واپس بلالیا۔

جہانگیر پانچ شوال ۱۰۲۲ھ سے اجمیر میں منزل انداز تھا اور میرزا رسم ۲۶ اردی بہشت (غالباً رمضان) ۱۰۲۳ھ اجمیر میں ان کے ہاں پہنچا۔ (۳۶)

جہانگیر نے تزک میں کہا ہے:

"... او را به ته فرستم تا آنجا جوهر ذاتی خود را خاطر نشان ساخته، آن ملك را به عنوان پسندیده محافظت نماید، و به منصب پنجهزاری ذات و سوار سرفراز ساخته دو لك روپیه نقد مدد خرج بدو مرحمت فرموده به صوبیداری ملك ته را رخصت نمودم۔ عقیده آن بود که از و دران سرحد خدمتها به

وقوع آید، به خلاف توقع مصدر هیچگونه خدمتی نشد. ظلم و تعدی را به جای رسانید که، خلق بسیاری از سلوك زشت او به شکوه در آمدند. و خبری چند ازو شنیده شد که، آوردن او لازم گشت. یکی از بنده های درگاه را طلب او تعین نموده او را بدرگاه طلبیدم. در بیست و ششم اردی بهشت اورا آوردند، چون ظلم و تعدی به خلق خدا بسیار رسیده بود، باز خواست آن، به مقتضای عدالت لازم گشته او را به انی رای سِنگ دلن سپردم... الخ" (۳۷)

جہانگیر نامہ کے مصنف نے لکھا ہے:

"- او خود طریقی پیش گرفته که خلاف آئین مروت و مردمی بود. و مردم از ستم و تعدی او بستوه آمدند و زبانها بشکوهٔ او گویا شد... چون به درگاه پیوسته، خلق انبوه از ظلم و تعدی او، داد خواه آمدند. و باز خواست آن به مقتضای شریعت و عدالت ناگزیر شد. لا جرم حواله انی رای سِنگ دلن فرمودند و حکم شد که: تا دلاسای مستغیثان نماید به دریافت سعادت ملازمت بار ندهند." (۳۸)

ذخیرة الخوانین میں ہے:

"و مُشار الیه اگرچه در آنجا رسید و تشخیص جمع هم داد و خسرو خان را با توابع و لواحق میرزا غازی بیگ و میرزا جانی بیگ روانه درگاه ساخت، اما به آنها سلوك خوب نکرد. اکثر مردم جلا وطن شدند. قاضی محمود که اعلم العلماء الملك بود، از دست تعدی میرزا باعیال و اطفال خود در بکر آمده، در خانه پدر مسود این اوراق شیخ معروف- صدر سرکار بکر- مقیم گشت. این خبر به مسامع علیه جهانگیری رسید. میرزا را تغیر کرده حضور طلبیده روزی چند بار ندادند... الخ" (۳۹)

رستم میرزا کچھ عرصہ زیر شاہی عتاب رہا، جس کے بعد بمشکل

اس کو حاضری کی اجازت ملی۔ تاہم وہ پہلی سی عزت دوبارہ حاصل نہیں کرسکا۔ (۴۰)

جہانگیر اس دفعہ تین سال سے پانچ دن کم عرصہ اجمیر میں مقیم رہا۔ (۴۱) اس لیے حکومت کا سارا کاروبار آگرہ کے بجائے اجمیر میں چلتا رہا۔ رجب ۱۰۲۳ھ میں بکھر کے حاکم تاج خان کی وفات (۴۲) کی اطلاع بھی اس کو وہیں ملی۔ سید بایزید کو اجمیر سے بکھر کا چارج سنبھالنے کا حکم صادر ہوا۔ (۴۳) شمشیر خان اوزبک کو بھی وہاں سے ٹھٹہ روانہ کیا گیا۔ پھر اجمیر کی منزل پر ۱۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو میر عبدالرزاق مظفر خان معموری کو ٹھٹہ کی صوبے داری کا حکم دیا گیا۔ (۴۴)

اسی طرح میرزا عیسیٰ کے منصب میں اضافہ بھی اجمیر میں ہی کیا گیا۔ اور اس کو اسی منزل پر، سنبھل کی جاگیر سے بلوایا گیا۔

سنبھل ۱۰۲۴ھ: تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۲۴ھ (۴۵) میں میرزا عیسیٰ سنبھل کا جاگیردار تھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ اسے رادھن پور سے سیدھا سنبھل کی طرف روانہ کیا گیا، یا درمیان میں کسی دوسری جگہ اس کا تقرر کیا گیا تھا۔ ۱۰۲۴ھ میں ہم اُس کو سنبھل سے اجمیر میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور منصب حاصل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جہانگیر نے چوتھے مہینے آبان کے روزنامچے میں میرزا کی آمد کا ذکر اس طرح کیا ہے:

> "میرزا عیسیٰ ترخان، از ولایت سنبل (۱۱) - کہ بہ جاگیر او مقرر بود- آمدہ ملازمت کرد. و یک صد مہر نذر گذرانید." (۴۶)

اسی مہینے کی اٹھارہ تاریخ، یعنی حاضر ہونے سے چودہ دن بعد، میرزا کے منصب میں اضافہ کیا گیا، جس کا ذکر جہانگیر نے روزنامچے میں یوں کیا ہے:

> "در هیجد هم، منصب میرزا را از اصل و اضافہ هزار و پانصدی ذات و هشت صد سوار مقرر ساختہ، خلعت و فیل

مرحمت نمودم- و به دکن رخصت یافت." (۴۷)

دکن - لاہور ۱۰۳۱ھ: بادشاہ کشمیر کے دوسرے سفر سے واپس ہو کر لاہور پہنچا (۴۸) یہ سترہواں سال جہانگیری تھا۔ ماہ آذر کی ساتویں تاریخ کے بعد کے احوال میں جہانگیر نے لکھا ہے کہ دکن سے دوسرے امیروں کے ساتھ میرزا عیسیٰ خان بھی آیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اُسے بھی خان خانان کی ہمراہی کے لیے روانہ کیا گیا۔

"الهداد خان افغان و میرزا عیسیٰ ترخان و مکرم خان اکرم خان و دیگر امراء که از صوبهٔ دکن و محال جاگیر خود آمده بودند- اسپ و خلعت لطف نموده به همراهی خان جهان رخصت فرمودم." (۴۹)

قندھار کی شورش ۱۰۳۱ھ: مندرجہ بالا عبارت میں 'صوبہ دکن و محال جاگیر خود' کے فقرے کی وجہ سے نہیں کہا جاسکتا کہ میرزا عیسیٰ صوبہ دکن سے آیا، یا اپنی کسی جاگیر سے آیا۔ کیوں کہ ۱۰۲۴ھ سے لے کر ۱۰۳۱ھ تک آٹھ سال کا عرصہ اُس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔ بہرحال شوال ۱۰۳۱ھ کے بعد میرزا قندھار کی مہم کے لیے ہندوستان سے بادشاہ کے حکم پر لاہور پہنچا۔

اسی زمانے میں، قندھار میں شاہ عباس صفوی کے اشارے پر دوبارہ شورش کا آغاز ہوا۔ جہانگیر کشمیر کی طرف جاتے ہوئے حسن ابدال کی منزل پر تھا کہ اُسے اس شورش کی اطلاع ملی۔ اُس نے خود لکھا ہے کہ:

"درین ولاء، مکرر استماع یافته که: دارای ایران از خراسان به عزم تسخیر قندهار شتافته- اگرچه این حرف، نظر بر نسبتهای سابق و حال، به غایت بعید می نمود و از حساب دور بود که، این قسم بادشاهِ بزرگ، خیالاتِ سبکی و بی حوصلگی به کار برد، و برسر ادنیٰ بنده، از بنده های من، که با سیصد چهار صد نوکر در قندهار باشد، خود بیاید." (۵۰)

اطلاع میں شاہ عباس کے بذات خود آنے کا واقعہ درج تھا اور اسی

لیے بادشاہ کو حیرت تھی کہ اُس کے ایک معمولی امیر پر اتنے بڑے بادشاہ نے کیوں لشکر کشی کی۔ بہرحال بادشاہ کشمیر کی طرف اپنا دوسرا سفر جاری رکھتے ہوئے معاملے کا مقابلہ کرنے کا انتظام کرتا گیا۔ خود لکھتا ہے:

"اما از آنجاکه حزم و احتیاط از شرایط جهانداری و لوازم سلطنت است. زین العابدین بخشی احدیان را با فرمان مرحمت عنوان، نزد خرم فرستاده ام که: با عساکر فیروزی اثر، و فیلان کوه شکوه، و توپ عظیم که دران صوبه به کمکِ او مقرر بود، به سرعت هرچه تمام تر خود را به ملازمت رساند، که اگر این حرف مقرون تصدیق شد، او را با لشکری، از حساب و شمار بیرون و خزانه از حدود اندازه افزون، فرستاده شود، تا نتیجه عهد شکنی و حق نا شناسی را دریابد!"(۵۱)

بادشاہ نے دکن، گجرات، بنگال اور بہار کے تمام امیروں کو حکم صادر کیا کہ لشکر کے ساتھ دربار میں حاضر ہوں اور خود کشمیر پہنچا۔ (۵۲) کچھ عرصے یہاں قیام کرنے کے بعد ۷ شوال ۱۰۳۱ھ کو واپس لاہور آیا۔ اس وقت شاہ عباس کے ایلچی جو پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے، اُس سے ملے۔ شاہ عباس نے قندھار پر لشکر کشی کے متعلق عذر معذور لکھے تھے، جس کا مناسب جواب لکھ کر (۵۳) جہانگیر نے ۷ تاریخ ماہ آذر اپنے ایلچیوں کو واپس کیا اور خود اہتمام میں مصروف ہو گیا۔

خان جہان اس وقت ملتان میں تھا۔ وہ بھی لاہور پہنچ گیا۔ بادشاہ نے جو لشکر قندھار کی طرف روانہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا، اس کا سربراہ شہزادہ شہریار تھا، اور سپہ سالاری کے لیے خان جہان اس کی نگاہ میں تھا۔ ایران کے ایلچیوں کو رخصت کرنے کے بعد جہانگیر رقم طراز ہے:

"همگی همت به تنبیه لشکر قندهار مصروف داشته فرزند خان جهان را، که به جهت بعضی مصلحتها طلب شد بود... رخصت فرمودم که تا رسیدن شاهزاده شهریار با عساکر ظفر

آثار در ملتان توقف نمودہ، منتظرِ حکم باشد۔" (۵۴)

جاری کردہ حکم کے مطابق لاہور کی منزل پر، جیسا کہ ہم اوپر دکھاچکے ہیں۔ دکن سے لشکر خان اور اپنی اپنی جاگیروں سے الھداد افغان، مکرم خان، اکرم خان اور میرزا عیسیٰ ترخان وغیرہ پہنچ چکے تھے۔ ان کو بھی وہی حکم دے کر خان جہان کے ساتھ ملتان میں منتظر رہنے کا ارشاد فرما کر رخصت کیا گیا۔

شہزادہ خرم کی بغاوت ۱۰۳۱ھ: بادشاہ ابھی لاہور ہی میں منزل انداز تھا، شہریار ابھی نہیں پہنچا تھا۔ خان جہان اور دوسرے امراء ملتان میں انتظار کررہے تھے کہ اچانک وہاں یہ اطلاع پہنچی کہ شہزادہ خرم نے بغاوت کی ہے۔ ان حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ مجبور ہو کر سارے کام کاج چھوڑ کر بادشاہ کو فی الحال دہلی کی طرف کوچ کرنا پڑا۔

معتمد خان بخشی اور تزک ۱۰۳۲ھ: اُس زمانے میں بادشاہ کی صحت کمزور ہوگئی تھی۔ دو سال قبل ہونے والی بیماری کی وجہ سے دل و دماغ پر گہرا اثر ہوگیا تھا۔ جب بادشاہ لاہور میں تھا، اس وقت مختلف معاملات کی اہمیت اور نزاکت نے اُسے اور زیادہ پریشان کردیا۔ قندھار کا مسئلہ، خرم کی بغاوت، اپنی صحت کی کمزوری۔ اس سے قبل تزک وہ خود لکھتا تھا، لیکن اس صورت حال کے بعد لاہور کی منزل پر اُس نے تزک نویسی کا کام معتمد خان کے سپرد کیا، جو خود اِس عرصے میں دکن سے لاہور پہنچا تھا۔

قندھار کی مہم ملتوی: شہزادہ خرم کے ساتھ اس بغاوت میں کئی امراء شامل تھے۔ خان خانان جیسا قدیم امیر جو کہ ستر سال کا ہوچکا تھا، وہ بھی اُس بغاوت میں شریک تھا۔ بادشاہ لاہور سے روانہ ہوا اور خرم آگرہ سے چلا۔ خرم اور شاہی لشکر کا پہلا مقابلہ پیر کے دن جمادی الاول ۱۰۳۲ھ کو ہوا۔ یہ دن بادشاہ کے اٹھارہویں جلوس کا آغاز تھا۔ مقابلے میں شہزادہ خرم کا سپہ سالار سندر مارا گیا۔ بغاوت تو بدستور جاری رہی، لیکن لشکر کے شکست کے بعد اِدھر اُدھر بھاگ گیا۔

یہ اندرونی خلفشار اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ بادشاہ کو مجبور ہو کر قندھار پر لشکر کشی کا ارادہ فی الحال ملتوی کرنا پڑا۔

میرزا عیسیٰ کی حاضری ۱۰۳۲ھ: میرزا عیسیٰ قندھار کی مہم پر جانے کے لیے ملتان میں بادشاہ کے حکم ثانی کے لیے منتظر تھا۔ جب قندھار کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ ملتوی کر کے، سارا لشکر خرم کی بغاوت فرو کرنے کے لیے مرکزی ہندوستان کی طرف بلوایا گیا، تب میرزا عیسیٰ بھی ملتان سے اپنے سواروں سمیت ساز و سامان لے کر، کول فتح پور (۵۵) کی منزل پر آکر ۴ تاریخ ماہ اردی بہشت (۱۰۳۲ھ) کو شاہی دربار میں حاضر ہوا۔ روزنامچہ نگار اس تاریخ میں لکھتا ہے:

"میرزا عیسیٰ ترخان از ملتان رسیدہ سعادت آستان بوسی دریافت۔"(۵۶)

میرزا عیسیٰ اور گجرات ۳۲-۱۰۳۵ھ: ذخیرۃ الخوانین اور ماثر الامراء کے انداز تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا عیسیٰ ۱۰۲۴ھ کو رادھن پور کی جاگیر پر گیا تو اکیسویں سال جہانگیری تک وہیں رہا، اور جس وقت شہزادہ خرم گجرات پہنچا تو اُسے خدمت گذاری کا غیر معمولی شرف حاصل ہوا۔ جس نے مستقبل میں اس کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ لیکن در حقیقت جس طرح پہلے بیان ہوچکا ہے کہ مرزا رادھن پور میں کچھ عرصہ رہ کر باقی وقت میں مختلف جگہوں پر خدمت انجام دیتا رہا۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۳۲ھ میں جب وہ ملتان سے لوٹ کر شاہی دربار میں پہنچا، اسی وقت اُس کو گجرات روانہ کردیا گیا۔ کس عہدے پر اور کس مقام پر فائز ہوا؟ اس کا علم نہیں، لیکن معاملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اچھے منصب اور آمدنی والی جگہ ملی تھی۔

شہزادہ خرم ٹھٹہ میں ۱۰۳۵ھ: شہزادہ خرم نے ۱۰۳۲ھ میں باپ کے خلاف بغاوت شروع کی، جو جہانگیر کی وفات تک مختلف صوبوں میں جاری رہی۔ اکیسویں سال جہانگیری میں (۱۰۳۵ھ) شہزادہ اجمیر، ناگپور، جودھ پور اور جیسلمیر سے ہوتا ہوا ٹھٹہ پہنچا۔ (۵۶) اس کا خیال تھا کہ ٹھٹہ کو فتح کر کے آئندہ کے لیے اسے مرکز بنا کر بغاوت کا
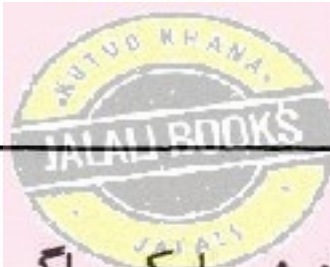
سلسلہ جاری رکھے گا۔

ٹھٹہ اُس وقت شہزادہ شہریار کی جاگیر میں شامل تھا اور اس کی جانب سے شریف الملک نیابت کررہا تھا۔ شہزادہ خرم سے اس نے نہ صرف اچھا سلوک اور شایان شان برتاؤ نہیں کیا، بلکہ جنگ و جدل کے لیے تیار ہوگیا۔ تحفۃ الکرام (۵۸) کی روایت ہے کہ: ایک بار شہزادے کی بیگم نے انار کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس زمانے میں ٹھٹہ کے انار شیرینی، رنگ روپ اور اصل نسل کے سبب بہت مشہور تھے۔ شریف الملک کی طرف جب یہ پیغام پہنچایا گیا، تو اس نے نہ صرف انار نہیں بھیجے، بلکہ شہزادے کے خیمے پر توپ سے گولہ داغ کر، پیغام بھیجا کہ: لو یہ انار آرہا ہے! شہزادے نے کافی مقابلے کیے لیکن وہ ٹھٹہ فتح کر نہ سکا۔ بعد میں مایوس ہوکر گجرات کے راستے دکھن کی طرف رخ کیا۔

تزک جہانگیری میں شریف الملک اور خرم کے اس معرکے کا احوال کچھ اس طرح ہے:

"شاہ جہان با معدودی از بندہ ها به جانب تته نهضت فرمود... چون به حوالی تته پیوستند، شریف الملک که حارس آن ملک بود، نه هزار سوار و دوازده هزار پیاده فراهم آورده، حصار شهر را استحکام داده، قدم جرات پیش گذاشت، وبا لجمله همگی سیصد چهار صد سوار از بنده های وفادار همراه بودند، تاب صدمۂ آنها نیاورده، به حصار شهر در آمده، متحصن گشت. و چون از پیشتر مرمت قلع نموده توپ و تفنگ بسیار در برج و باره آماده ساخته بود، درین ولا بدرون حصار در آمده، به مدافعه و مقابله پای ضلالت افشرد. و شاهجان مردم خود را منع فرمود که بر قلع نتازند، و رعیت خود را به توپ و تفنگ ضایع نسازند باوجود این معنی، جمعی از جوانان کار طلب بر حصار بند شهر یورش نمودند. و از استحکام برج و باره و کثرت توپ خانه کاری نساختند، و ناگزیر عطف عنان نموده دائره کردند و پس از روزی چند، باز بهادران شیر دل زنجیر گسل

مانند برق لامع، به قلعه تاختند، و چون بر دور قلعه همه جا میدان مسطح بود، واصلاً پستی و بلندی و دیوار و درخت نداشت، سپرها بر رو کشیده دویدند، قضا را دران قلع، خندق عمیق و عریض، مملو از آب بود، پیش رفتن محال و پس گشتن ازان محال تر شد. درمیان میدان نشسته توکل را حصار خود ساختند درین وقت شاهجان تکسری بهم رسانید، و بنا بر بعضی موانع، که نوشتن آن طولی دارد، سفر عراق در عقد توقف افتاد... باوجود ضعف قوی و بیماری ضعب پالکی سواره از راه گجرات و ملك بهار، متوجه دکن شدند۔" (۵۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے، شاہ جہان کے معاملے کے علاوہ ٹھٹہ کے قلعہ کی وضع قطع اور صورت حال کے علاوہ فوج کا احوال بھی معلوم ہوتا ہے۔

ذخیرۃ الخوانین کا مصنف رقم طراز ہے کہ:

"صاحب قران ثانی، که به حسب گردش فلکی از دکن به راه باروار و امرکوت به ته رسیدند. شریف خان کور (۶۰) حاکم ته، که از قبل شاهزاده سلطان شهریار بود. سعادت رهنمونی او نگشت قلعه را بر روی دولت خود بسته از گستاخی به جنگ مبادرت نمود. آنحضرت به آن ملك محقر نپرداخت، نظر بر مطلب بلند داشته فسخ فتح ته نموده، مراجعت به جانب دکن نموده، به همین راه جبل و دشت گجرات، پای دولت خود، به عزیمتِ دکن در رکاب آورند۔" (۶۱)

میرزا عیسیٰ اور شہزادہ خرم ۱۰۳۵ھ: جب شہزادہ خرم مایوس ہوکر واپس گجرات پہنچا، اس وقت میرزا عیسیٰ گجرات میں تھا۔ شہزادے کی آمد کا سن کر خود تو شاہی عتاب کے خوف کے سبب کنارہ کش ہوگیا، لیکن شہزادے کے سفر اور منزل کے لیے اونٹ، گھوڑے، اناج اور نقد روپیہ اتنی زیادہ تعداد میں بجھوادیا کہ شہزادے کی تمام کلفت دور ہوگئی۔ ذخیرۃ الخوانین کا مؤلف لکھتا ہے کہ یہی دن

میرزا کی ساری زندگی کی اقبال مندی کے لیے بار آور ثابت ہوا:

"میرزا عیسیٰ بیگ از رهنمونی بخت و افزونی طالعِ خود که ارباب دول تحقیق ملهم غیبی اند، اسپان و شتران و زر نقد و جنس بسیار، در خدمت خدیو زمان پیشکش فرستاده، سرخرہی دین و دنیا و وسیلۂ اعظم تمام عمر و آل و اولاد خود، حاصل کرد." (۶۲)

مائر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"میرزا به یاوریِ طالع از نقد و جنس و اسپ وشتر به طریق پیشکش در جناب شاهی ارسال داشته، ذخیرۂ سود و بهبودِ روزگار خود، اندوخت." (۶۳)

صاحب ذخیرہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ میرزا ملہم غیبی نہ تھا بلکہ اس وقت کا ایک بڑا صاحب تدبیر، سمجھ دار اور دانش مند تھا۔ اس وقت کا سارا سیاسی حال اور جائزہ اس کے سامنے تھا۔ بادشاہ کی بیماری سلطنت کے وزیر اعظم آصف خان کی طبیعت کا رجحان اور اقتدار دوسرے شہزادوں کے مقابلے میں تخت نشینی کے مواقف، الغرض میرزا ذہین آدمی تھا یہ ساری صورت حال اس کے سامنے تھی۔ مستقبل کے سارے واقعات اور حادثات کے نقشے اس کے دماغ میں تھے، اس لیے اس موقع پر جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ خود شہزادے کے سامنے نہیں گیا، اس لیے شاہی عتاب اور خطاب دونوں سے بچا رہا۔ گھوڑے، اونٹ، اجناس و نقدی بھیج کر اس نے مستقبل کے بادشاہ کو خوش کرلیا اور اس طرح اپنے مستقبل کو بھی محفوظ کرلیا۔

(۸)

عہد شاہجہانی اور عیسیٰ ترخان: جب شہنشاہ جہانگیر نے وفاتِ پائی، اس وقت شہزادہ خرم دکن میں تھا۔ اور اس کا سسر ابوالحسن آصف خان بادشاہ کی لاش کے پاس موجود تھا۔

ابوالحسن کی بہن نور جہاں بیگم کی خواہش تھی کہ اپنی

زندگی میں ہی شہریار کو شہریار بنادے اور مستقبل میں بھی اقتدار اسی طرح قائم رہے۔ اس کے برعکس ابوالحسن آصف خان چاہتے تھے کہ تاج و تخت اپنے داماد خرم کے سپرد کرے، تاکہ وہ اس طرح خود تمام مملکت کا سربراہ بن جائے۔

بہن اور بھائی کا یہ اختلاف ابھی صرف ان کی سوچوں میں ہی تھا کہ ابوالحسن نے جلد بازی میں بادشاہ کے مرتے ہی شہریار کے لیے دروازے بند کرنے کی خاطر داور بخش کو تخت پر بٹھا کر چکر ہٹی کی منزل پر، بنارسی داس ہندو کو شہزادہ خرم کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجا، اور خود داور بخش کے شاہی تخت و تاج کے زیرِ سایہ سابق بادشاہ کی لاش لاہور لے گیا۔

بنارسی داس نے بیس دن کے بعد ۱۹ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ میں شہزادے کو دکن کے اس پار خیبر میں پہنچ کر اطلاع دی۔ شہزادے نے دو دن کے وقفے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ ۲۲ تاریخ کو خیبر سے روانہ ہوکر گجرات کے راستے سے دو مہینے چار دن کے سفر کے بعد ۲۶ جمادی الاول کو اکبر آباد میں باغ نور جہاں میں منزل انداز ہوا۔

تیرہ دن کے بعد ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو شاہ جہاں نے اپنی تخت نشینی کی باقاعدہ رسم ادا کرکے بادشاہت کا آغاز کردیا۔ شاہ جہاں کے اس شاہی آغاز کا راستہ چار مغل شہزادوں کے خون کے چھڑکاؤ سے تیار کیا گیا تھا۔ خود ۲۶ جمادی الاول کو اکبر آباد پہنچا اور ایک دن قبل یعنی ۲۵ جمادی الاول کو، لاہور میں نہ صرف عارضی تخت نشیں داور بخش کو ماردیا گیا، بلکہ تخت کے دوسرے دعوے داروں کا بھی صفایا کردیا۔ گویا شہریار، طہمورث اور ہوشنگ کو بھی قتل کردیا گیا۔ تب کہیں جاکر شاہ جہاں کی شاہی سیج تیار ہوئی۔

گجرات میں میرزا عیسیٰ کی حاضری: اُس زمانے میں ناہر خان مخاطب بہ شیر خان گجرات کا صوبے دار تھا۔ میرزا عیسیٰؒ ترخان اُبھی تک گجرات کا جاگیردار، اور غالباً کسی مقام پر فوج دار بھی تھا۔ ۱۰۳۵ھ میں میرزا عیسیٰ، شاجہاں کے دکھ سکھ میں خدمت گذار رہ

چکا تھا اور اب ڈھائی سال کے بعد وہی شہزادہ بادشاہ بن کر گجرات سے گذر رہا تھا، تو اس وقت خود حاضر ہو کر اُس کے حضور نذرانے اور سلامی پیش کی۔

بادشاہ نامہ کا مؤلف رقم طراز ہے کہ: ناہر خان المخاطب به شیر خان جوکہ اس وقت گجرات میں صوبیدار تھا، تمام امراء کے ساتھ آکر محمود آباد کی منزل پر بادشاہ کے پاس حاضر ہوا اور عیسیٰ بھی اس کے ساتھ آیا۔ (۶۴) تزک جہانگیری کے ضمیمہ نویس نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ:

"شیر خان از ضبط و نسق شهر (احمد آباد) خاطر پرداخته با دیگر امراء، مثل میرزا عیسیٰ ترخان و میرزا والی وغیرهم، به محمود آباد به سعادت زمین بوسی کا مروایی مراد گردیدند." (۶۵)

ترخان نامہ کے مؤلف کی روایت مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ: میرزا عیسیٰ گجرات میں جاگیردار تھا، جب اس نے شاہ جہان کی آمد کی خبر سنی، اس وقت احمد آباد پہنچ کر، عیدگاہ میں جاکر اس کے نام کا خطبہ پڑھایا، پھر بادشاہ کے پاس بھی سب سے پہلے گیا اور بادشاہت کی مبارک باد پیش کی۔

"از کمال اخلاص و دانائی- بی استصواب و رخصت صوبه دار گجرات- خطبه به نام همایون حضرت صاحب قران ثانی، در عیدگاه احمد آباد خوانده، روانه خدمت گردید. و بر کنارهٔ مهی که سی کروهی احمد آباد است، به شرف اقدام بوسی مشرف شده، و به سعادت کورنش مبارکبادیِ سلطنت، پیش از امرایان تعینات آن صوبه، استعداد یافت. مجرایِ او خوب شده و حضرت بادشاه ظل الله دربارهٔ میرزا کمال عنایت و مرحمت فرمودند." (۶۶)

اس سلسلے میں ترخان نامہ کی روایت اس لیے قابل قبول ہوسکتی ہے کہ مؤلف خود براہ راست میرزا کا سوانح نگار ہے اور دوسرے مؤرخین

نے واقعے کے ضمن میں میرزا عیسیٰ کا صرف نام لیا ہے۔ میرزا عیسیٰ کی ذات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

ٹھٹہ کی صوبے داری ۱۰۳۷ھ: تزک جہانگیری کا ضمیمہ نگار رقم طراز ہے کہ: شاہ جہان محمود آباد کی منزل کے بعد احمد آباد میں کانکریہ تالاب کے پاس منزل انداز ہوا۔ سات دن مسلسل اس خوب صورت مقام پر رہ کر گجرات کے معاملات کی تنظیم کرتا رہا۔

شیر خان کو منصب پنج ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کر کے اسی طرح گجرات کی صوبے داری پر قائم رکھا اور میرزا عیسیٰ کو منصب چار ہزاری ذات اور دو ہزار و پانصد سوار پر فائز کر کے ٹھٹہ کی صوبے داری عطا کی۔ (۶۷)

بادشاہ نامہ کا مؤلف رقم طراز ہے: بادشاہ نے میرزا عیسیٰ کو ٹھٹہ بھیجنے کا فرمان ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو جاری کیا اور خلعت دے کر ٹھٹہ روانہ کیا۔

> "به اضافه دو هزار وسی صد سوار، به منصب چهار هزاری ذات و دو هزار پانصد سوار، سربراه پرداخته بدان صوب رخصت فرمودند." (۶۸)

ماثر الامراء کے مؤلف نے اس تقرر کے متعلق لکھا ہے کہ: میرزا عیسیٰ ٹھٹہ کی ایالت حاصل کر کے 'کامروایِ ملکِ خود گردید۔' (۶۹)

ٹھٹہ روانگی، ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ: میرزا کو ٹھٹہ کی ایالت یا صوبے داری (۷۰) کا فرمان ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو ملا۔ بادشاہ ایک آدھ دن کے بعد اکبر آباد کی طرف روانہ ہوا۔ اندازہ ہے کہ میرزا عیسیٰ بھی چند دن کے اندر ٹھٹہ روانہ ہوا ہو گا۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: میرزا عیسیٰ اپنے بیٹے میرزا عنایت اللہ کو ایک ہزار سواروں سمیت بادشاہ کی اردل میں روانہ کر کے خود دو سَو سواروں سمیت ٹھٹہ کی طرف روانہ ہوا۔ (۷۱)

شریف الملک کا واقعہ: ترخان نامہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ: ٹھٹہ کی صوبے داری کا حکم میرزا عیسیٰ کو دے کر، بادشاہ نے اس کو حکم

دیا کہ ٹھٹہ پہنچتے ہی "شریف الملک" یعنی شریف خان شریف الملک کو گرفتار کرکے دربار کی طرف روانہ کرے، تاکہ اُسے ایام شاہزادگی میں بادشاہ کے ساتھ کردہ بدسلوکی کی سزا دی جائے۔

"تابہ خرابی کردار و افعال شنیعہ خود برسد، و اگر جنگی بکند اورا بکشند."(۷۲)

اس سلسلے میں شریف کی بدسلوکی کا واقعہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ تحفۃ الکرام کے مؤلف نے میر ابوالبقاء امیر خان کے متعلق لکھا ہے کہ: بادشاہ اس کو میرزا عیسیٰ کے بعد ٹھٹہ میں مقرر کرکے ان تمام اغیار کی گرفتاری کا حکم دیا، جنھوں نے شریف الملک کے ساتھ مل کر بادشاہ سے بدتمیزی کی تھی۔

"چون شاہ جہان جلوس کردہ بہ نسبت بہ نبقاری کہ از همراهیان شریف خان مذکور در دل داشت. و گستاخی جام ککرالہ کہ بازار لشکرش تاختہ بود و حسن خدمت رانای داراجہ، نکامرہ قوم، و حمل جت، صاحب ایل مواضعات دری، نامبردہ را متعین بلدہ فرمودہ... در بلدہ... رسید منصبداران متعینہ تتہ را اکثر ماخوذ و معزول و مصادرہ فرمود..." (۷۳)

تحفۃ الکرام کے مؤلف سے غلطی سرزد ہوئی ہے، میرزا عیسیٰ کے بعد میر ابوالبقاء (۷۴) نہیں، بلکہ شیر خواجہ ٹھٹہ کے صوبے دار ہوئے۔ میرزا عیسیٰ جہانگیر کے آخری سال میں تو برابر ٹھٹہ آتا رہا، لیکن جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں کے فرمان پر آیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔

شریف الملک کے واقعے کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ ترخان نامہ کی روایت کس قدر درست ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جہانگیر نے اپنی زندگی میں رجب ۱۰۳۶ھ کو مرزا ابو سعید کی صوبے داری کا فرمان جاری کیا تھا، ترخان نامہ کا مؤلف تو اس طرح لکھتا ہے کہ: شریف الملک نے میرزا عیسیٰ کا خوب مقابلہ کیا۔ لیکن اقبال بادشاہی طاقتور تھا،

آخر گرفتار ہوا اور شاہی دربار کی جانب بھیجا گیا۔ بادشاہ نے اس کارنامے پر میرزا عیسیٰ کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔

"شریر الملك سپاهی اول و از شجاعان روزگار و دلیران آوان بود، و جمعیت خوب داشت، اما به اقبال به پادشاهی (میرزا) لشکر از اطراف و جوانب جمع نموده بر سر او آمد، و بعد از جنگ و جدال او را دستگیر ساخته روانه درگاه فلك بارگاه نمود. و مجرای عظیم میرزا شد، و میرزا را صاحب نوبت ساخته به انعام یك لك روپیه نقد و هزاری اضافه منصب سرفراز فرموند." (۷۵)

یعنی نہ صرف میرزا عیسیٰ کو ایک لاکھ روپے انعام دیا بلکہ اُس کے منصب میں بھی اضافہ کیا گیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کو 'نوبت' کا اختیار بھی دے دیا گیا، جوکہ مغل دور میں سوائے شہزادوں اور بڑے بڑے امراء کے کسی اور کو نصیب نہ ہوتا تھا۔

ٹھٹہ سے تبادلہ: میرزا عیسیٰ نے ٹھٹہ پہنچ کر اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، جس کے لیے شاہجہاں کا انتظار میرزا عیسیٰ کو دیے گئے انعام اور اعزاز سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بقول ماثر الامراء حسب اقتضائے وقت اس کو اڑھائی مہینے کے مختصر عرصے کے بعد یہاں سے تبادلے کا حکم دے دیا گیا۔ معلوم نہیں کہ یہ اقتضائے وقت کیا تھا؟ اور مملکت سندھ کے ضبط و روابط میں میرزا کا وجود کیوں مفید ثابت نہ ہوسکا؟ ہوسکتا ہے کہ یہی سبب ہو، جو ۱۰۲۱ھ میں میرزا غازی کے بعد میرزا عیسیٰ کو نہ بھیجنے کے لیے بارگاہ سلطانی میں در پیش ہوا تھا۔ بہرحال ۱۸ ربیع الثانی گجرات میں میرزا کو ٹھٹہ جانے کا فرمان دیا گیا اور ۲۶ جمادی الاول کو بادشاہ آگرہ پہنچا۔ ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو تخت نشین ہوا۔ یکم رجب، یعنی فرمان جاری ہونے کے تقریباً ڈھائی مہینے کے بعد میرزا کے تبادلے کا حکم جاری کرکے اس کی جگہ شیر خواجہ کو مقرر کیا گیا۔ یہ وہی دن تھا جب ابوالحسن آصف خان نے بھی تخت کے حالیہ دعوے داروں کو قتل کرکے تخت کے آئندہ دعوے داروں، داراء شجاع، اورنگزیب کو لاہور

سے لا کر دربار میں پہنچا تھا۔ (۷۶) بادشاہ نامہ کے مؤلف نے مرزا کے تبادلے اور شیر خواجہ کے تقرر کا ذکر یوں کیا ہے:

"خواجہ باقی خان مخاطب به شیر خواجه (۷۷) به خلعت و خنجر مرصع، و منصب چهار هزاری ذات، و سه هزار پانصد سوار، و علم و نقاره، و اسپ بازین مطلا و صوبیداری تته سرافرازی یافت... از تغیر میرزا عیسیٰ ترخان، که در اثنای توجه رایات جهان کشا از دکن به دارالخلافت اکبر آباد، هنگام وصول موکب اقبال به حوالی احمد آباد، به نظم صوبه مزبور دستوری یافته بود." (۷۸)

ماثر الامراء کے مؤلف نے اس واقعے کو اسی طرح بیان کیا ہے:

"لیکن بعد جلوس بر سریر فرمان روائی، حسب اقتضای وقت، ضبط و ربط آن دیار به شیر خواجه مخاطب به خواجه باقی خان، تفویض یافت. و میرزا بی نیل مقصود از عرض راه معاودت نموده." (۷۹)

ماثر کی مندرجہ بالا عبارت میں "حسب اقتضای وقت" "وبی نیل مقصود" و "عرض راہ" کے الفاظ قابل غور ہیں۔ گویا اس مؤلف کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرزا ٹھٹہ پہنچا ہی نہ تھا کہ راستے ہی میں (از عرض راہ) اسے واپس روانہ کیا گیا، وہ بھی بی نیل مقصود۔ کم از کم ایک بات کا یقین ہے کہ میرزا ٹھٹہ پہنچا تھا، جس کا علم ترخان نامہ کی عبارت سے ہوتا ہے۔

ٹھٹہ کا قیام (ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ ربیع الاول ۱۰۳۸ھ): میرزا عیسیٰ کے تبادلے کا حکم یکم رجب ۱۰۳۷ھ کو جاری ہوا، ممکن ہے کہ شیر خواجہ اسی وقت ٹھٹہ پہنچا ہو۔ لیکن میرزا عیسیٰ چارج چھوڑنے کے کم و بیش نو مہینے تک کے عرصے میں ٹھٹہ میں قیام پذیر تھا۔ اس نے اپنے اور اپنے والد جان بابا کے مقابر تعمیر کروانے کا بندوبست کیا تھا۔ دونوں مقبروں کے نقشے اور ایک دوسرے کے سامنے کے سلسلوں سے بھی اس گمان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے علاہ یہ پہلا اور آخری دفعہ تھا جب

سندھ سے (۱۰۱۲-۱۱ھ) روانہ ہونے کے بعد میرزا کو ایک بار پھر ٹھٹہ آنے کا موقع ملا تھا۔

میرزا عیسیٰ کی ٹھٹہ آمد کے سلسلے میں یہ تاریخیں ذہن نشین ہوں:

۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ کو جہانگیر کا انتقال ہوا۔

۱۹ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہاں کو دکن میں اطلاع ملی۔

۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہاں دکن سے روانہ ہوا۔

۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہاں گجرات پہنچا۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۸ھ کو میرزا عیسیٰ کو ٹھٹہ کی صوبے داری کا فرمان ملا۔

۲۶ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ آگرہ پہنچ کر باغ نور جہاں میں منزل انداز ہوا۔

۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تخت نشین ہوا۔

۱ رجب ۱۰۳۷ھ میرزا عیسیٰ کے تبادلہ کے احکامات جاری ہوئے اور شیر خواجہ کو ٹھٹہ میں مقرر کیا گیا۔

۸ ربیع الاول ۱۰۳۸ھ میرزا عیسیٰ کو متھرا کی جاگیر ملی۔

۷ ربیع الثانی ۱۰۳۸ھ میرزا عیسیٰ ٹھٹہ سے اکبر آباد پہنچا۔

متھرا کی صوبے داری ۱۰۳۸ھ: تحفۃ الکرام کے مؤلف نے لکھا ہے کہ میرزا عیسیٰ ٹھٹہ سے بدلی ہونے کے بعد گرنار پر مقرر ہوا۔ لیکن بادشاہ نامہ کے قول کے مطابق، جو کہ درست ہے، میرزا عیسیٰ کو متھرا کا علاقہ دیا گیا۔ جس کے لیے شاہی فرمان ۸ ربیع الاول ۱۰۳۸ھ کو جاری ہوا۔

"وھم بہ میرزا عیسیٰ ترخان، بعد از تغیر، صوبیداری متر او نواحی آن، جاگیر عنایت شد۔" (۸۰)

مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ:

"بہ تیولداری مترا و آن نواحی مورد نوازش گشت۔" (۸۱)

میرزا عیسیٰ ابھی ٹھٹہ میں مقیم تھا کہ یہ حکم جاری ہوا۔ غالباً میرزا ربیع الاول کے مہینے ہی میں ٹھٹہ سے روانہ ہوا۔ متھرا جانے سے قبل

سلامی کے لیے ایک مہینے کے بعد ۷ ربیع الثانی کو شاہی دربار میں حاضر ہوا۔ جس کی اطلاع بادشاہ نامہ میں اس طرح مرقوم ہے:

'ھفتم ربیع الثانی (۱۰۳۸ھ) میرزا عیسیٰ ترخان کہ صوبیداری تتہ از و تغیر یافتہ بود، و مترا و نواحی آن در تیولش مقرر شدہ، از تتہ آمدہ، بسعادت کورنش کامیاب صوری و معنوی گردید." (۸۲)

قرین قیاس ہے کہ میرزا عیسیٰ چند دن شاہی حضور میں گذار کر رخصت ہوا۔ اسی مہینے یعنی ربیع الاول میں متھرا والی جاگیر کی طرف روانہ ہوا ہوگا۔

دولت آباد – جمادی الاول ۱۰۴۰ھ: ۱۰۳۹ھ کے بعد ۱۰۴۰ھ تک میرزا عیسیٰ کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملتی، ہوسکتا ہے کہ یہ اڑھائی تین سال میرزا نے متھرا میں بسر کیے ہوں۔ بادشاہ نامہ کے ذریعے ایک دفعہ پھر ۱۰۴۰ھ کے واقعات میں اطلاع موجود ہے۔ جس کے مطابق ۱۰ جمادی الاول ۱۰۴۰ھ کو عبداللہ خان بہادر کی زیر کمان دونوں سرداروں کے ساتھ میرزا عیسیٰ کو بھی دریا خان کی بغاوت کچلنے کے لیے دولت آباد بھیجا گیا۔

"عبداللہ خان بهادر راکه... از بالا گھات طلب فرموده بودند، به جهت تادیبی آن شوریده بخت، معین گردانیدند. دهم جمادی الاول به عنات خلعت واسپی از طویله خاصه بازینِ مطلا، سر بلند ساخته رخصت فرمودند.

میرزا عیسیٰ و... دیگر منصبداران و احدیان وکمانداران و تفنگچیان همراه او مرخص گشتند." (۸۳)

محمد طاہر آشنا نے قرنیہ میں اس واقعے کو اس انداز سے درج کیا ہے:

"عبداللہ خان بهادر را... به تادیب دریا خان (به دکن) تعین نمودند دهم جمادی الثانی... میرزا عیسیٰ ترخان و رشید خان و خواجه بابا و خواجه کا مگار، که با عبداللہ خان بهادر بودند، و سیف الملوک و شذره خان و ابوالبقا برادر زاده عبداللہ خان

بهادر و خلیل بیگ... و دیگر منصبداران و احدیان و تفنگچی همراه او مرخص کردند۔" (۸۴)

ناسک رمضان ۱۰۴۰ھ: جمادی الاول اور شعبان ۱۰۴۰ھ کے درمیان کہہ نہیں سکتے کہ میرزا مندرجہ بالا مہم میں مصروف رہا یا دوسرے کام اس کے سپرد کیے گئے۔ شعبان میں ناسک میں سخت قحط پڑا، اس لیے عوام کی تکلیف دور کرنے کی غرض سے بہت سا روپیہ شاہی خزانے سے روانہ کیا گیا۔ خواجہ ابوالحسن (۸۵) اس وقت صوبے کا گورنر تھا۔ شاہی خزانہ جن امیروں کی نگہبانی میں بھیجا گیا تھا، ان میں میرزا عیسیٰ بھی شامل تھا۔ بادشاہ نامہ کے مؤلف نے ۵ رمضان کے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے:

"فرمان شد که: خزانه از درگاه والا نزد او (ابوالحسن) فرستاده شده، از هر راهی که مناسب داند، همراه میرزا عیسیٰ ترخان و سردار خان و رشید خان و خواص خان و چندی دیگر، بنده های درگاه، به لشکر منصور ارسال نماید۔" (۸۶)

طاہر آشنا نے قرنیہ میں اس واقعے کو تقریباً انھی الفاظ میں دہرایا ہے:

"درین اثنا فرمان رسید که: خزانه که از درگاه فرستاده شده بود، از هر راه که مناسب داند، به لشکر منصور ارسال دارد، مصحوب میرزا عیسیٰ ترخان و سردار خان و رشید خان و خواص خان و چند دیگر بفرستد۔" (۸۷)

ایلچ پور شعبان ۱۰۴۱ھ: میرزا رمضان ۱۰۴۰ھ میں ناسک گیا، اس کے پورے ایک سال بعد اسے ایلچ پور بھیجا گیا۔ بادشاہ نامہ کی اطلاع یہ ہے:

"میرزا عیسیٰ را به عنایت خلعت و اسپ با زینِ مطلا بر نواخته به ایلچ پور رخصت نمودند۔" (۸۸)

گھوڑا سونے کی زین کے ساتھ اور دوسرے ساز و سامان دے کر خلعت قیمتی مرحمت کر کے میرزا کو ایلچ پور کیوں بھجا گیا؟ مندرجہ بالا عبارت میں یہ چیز بالکل واضح نہیں ہے۔ طاہر آشنا نے قرنیہ میں بھی

وضاحت نہیں کی۔ اس تمام عبارت کو گھما پھرا کر اس طرح لکھا ہے کہ:

"میرزا عیسیٰ ترخان را خلعت و اسپ شفقت کردہ بہ ایلچ پور مرخص ساختند."

ماثر الامراء کا مصنف رقم طراز ہے کہ میرزا کو ایلچ پور کے لیے جاگیر دے کر روانہ کیا گیا تھا۔

"در سال پنجم در سواران، منصب افزودہ، بہ جاگیرداری ایلچ پور رخصت یافت." (۸۹)

بادشاہ نامہ کے مصنف کے مطابق میرزا عیسیٰ کو ۲۷ شعبان ۱۰۴۱ھ اسی طرف رخصت کیا گیا۔

گویا ٹھٹہ سے تبادلہ کرکے ۱۰۳۸ھ میں اس کو متھرا کی صوبے داری اور جاگیر دی گئی تھی اور درمیان کا عرصہ وہ عام خدمات انجام دیتا رہا، پھر ۱۰۴۱ھ میں اسے جاگیر عطا کرکے مستقل طور ایلچ پور روانہ کیا گیا۔ متھرا کے بعد یہ دوسری جاگیر تھی جو میرزا کو عطا کی گئی۔

منصب میں اضافہ– شوال ۱۰۴۱ھ: میرزا شعبان کے مہینے میں ایلچ پور روانہ ہوا، رمضان کا مہینہ درمیان میں شامل کرکے شوال ۱۰۴۱ھ کی تاریخ کو شاہجہان نے اس کے منصب میں اضافہ کردیا۔ اس سے قبل شاہ جہان کی جانب سے پہلے منصب ۱۰۳۷ھ میں ملا جب اسے ٹھٹہ بھیجا گیا تھا۔ چار ہزاری ذات دو ہزار پانصد سوار۔ جس کے بعد پانچ سالوں کے عرصے کے بعد دوسری دفعہ میرزا کے منصب کے متعلق دربار شاہی سے فرمان صادر ہوا، اس دفعہ اس کے منصب میں اس طرح اضافہ کیا گیا:

"میرزا عیسیٰ بہ اضافہ پانصد سوار، بہ منصب چھار ھزاری سہ ھزار سوار، نوازش یافت." (۹۰)

یعنی ابتداء میں اسے چار ہزار ذات کے ساتھ اڑھائی ہزار سواروں کا منصب تھا۔ اور اب اسے سواروں میں پانچ سو کا اضافہ کرکے چھار ہزاری سے تین ہزار سواروں کے منصب تک پہنچایا گیا۔

ماثر الامراء میں اس اضافے کا ذکر نہیں ملتا۔ قرنیہ کے مؤلف نے

بادشاہ نامہ سے اس اضافے کی نقل یوں کی ہے کہ:

"میرزا عیسیٰ ترخان به اضافه پانصد سوار به منصب چهار هزار سوار نوازش یافته." (۹۱)

سورٹھ کی جاگیر اور منصب - صفر ۱۰۴۵ھ: معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۴۱ھ شوال سے لے کر ۱۰۴۵ھ تک میرزا عیسیٰ ایلچ پور میں مقیم رہا، جہاں سے ۲۷ صفر ۱۰۴۵ھ کو اس کا تبادلہ سورٹھ (جونا گڑھ) کی طرف کیا گیا۔ اُسے جاگیر بھی عطا کی گئی اور تین دفعہ منصب میں بھی اضافہ کیا گیا۔ محمد طاہر آشنا رقم طراز ہے کہ:

"بیست و هفتم (صفر ۱۰٤٥ھ)... سرکار سورت به جاگیر میرزا عیسیٰ ترخان مقرر گردید، و منصب مشار الیه به اضافه یك هزاری ذات سوار دو اسپه و سه اسپه، پنج هزاری ذات و سوار ازانجمله یك هزار سوار دو اسپه و سه اسپه قرار یافت." (۹۲)

اس سے قبل چار ہزاری ذات و سہ ہزاری سوار کا منصب تھا۔ اور اب پانچ ہزاری ذات اور چار ہزاری سوار کے منصب پر فائز ہوا، ایک ہزار کا اضافہ ذات میں اور ایک ہزار کا اضافہ سواروں میں کیا گیا۔ ماثر الامراء کے مؤلف نے اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"در سال هشتم به اضافه هزاری هزار سوار، به منصب والای پنج هزاری چار هزار سوار دو اسپه سه اسپه بر نواخته، به فوجداری سرکار سورت مباهی گردید."(۹۳)

میرزا عیسیٰ گویا جہانگیر کے زمانے میں پہلی بار ۱۰۲۱ھ کو گجرات (رادھن پور) گیا تھا۔ دوسری مرتبہ ۱۰۳۲ھ میں گیا اور ۱۰۳۷ھ تک وہیں مقیم رہا۔ اس عرصے میں دو مرتبہ شاہجہاں ٹھٹہ سے واپسی پر گجرات پہنچا اور دوسری دفعہ اعلان بادشاہی کے بعد ۱۰۳۷ھ میں گجرات سے اکبر آباد کی طرف جاتے ہوئے اور تیسری بار نو سال کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ گجرات کی طرف روانہ ہوا۔

کچھیلے گھوڑے۔ رمضان ۱۰۴۷ھ: میرزا عیسیٰ ۱۰۴۷ھ میں ابھی جونا گڑھ میں ہی تھا، جہاں سے شاہی حضور میں پیش کرنے کے لیے ۱۵ کچھی گھوڑے روانہ کیے، جو بقول مصنف بادشاہ نامہ ۱۵ رمضان ۱۰۴۷ھ کو بادشاہ کی نگاہوں سے گذرے۔

"پیشکش میرزا عیسیٰ ترخان پانزدہ اسب کچی کہ از جونا گر فرستادہ بود... از نظرِ اقدس گذشت۔" (۹۴)

منصب میں ترقی۔ جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ: بادشاہ نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ، ۵ جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ کو بادشاہ کی منزل بھیرہ (پنجاب) میں تھی۔ جہاں سے میرزا کے منصب میں ایک ہزار سواروں کے اضافے کا پروانہ جاری ہوا۔

"میرزا عیسیٰ ترخان حاکم ولایت سورت، بہ اضافۂ ہزار سوار بہ منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار، ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ مفتخر گردید۔" (۹۵)

اس سے قبل پنج ہزاری اور چہار ہزاری سوار کا منصب تھا۔ اب پنج ہزاری ذات کے ساتھ پنج ہزاری سوار ہوا۔ میرزا ابھی سورٹھ ہی میں تعینات تھا۔ معلوم نہیں کہ یہ فرمان اُس کی غیر موجودگی میں جاری ہوا یا میرزا خود بھیرہ میں اس وقت شاہی منزل پر موجود تھا۔ اس کے بیٹے میرزا عنایت اللہ کا بھی اسی دن منصب میں اضافہ ہوا، جس کا ذکر اس کی سر گذشت میں کیا جائے گا۔

کچھی گھوڑے ۱۰۵۰ھ: معلوم نہیں، کچھی گھوڑے بادشاہ کو پسند تھے یا وہ گھوڑے نسل کے لحاظ سے بہتر تھے۔ غرض میرزا عیسیٰ جونا گڑھ میں دو دفعہ شاہی حضور میں ایک ہی قسم کے چالیس گھوڑے پیش کرچکا تھا۔ جو کہ ۱۱ محرم ۱۰۵۰ھ کو شاہی ملاحظ کے لیے پیش کیے گئے۔

"(۱۱ محرم ۱۰۵۰ھ سال سوم دورۂ دوم) پیشکش میرزا عیسیٰ ترخان چھل اسپ کچی کہ از جونا گر ارسال داشتہ بود، بہ نظر انور در آمد۔" (۹۶)

گجرات کی صوبے داری اور منصب میں اضافہ —

محرم ۱۰۵۲ھ: جس دور کا ذکر ہورہا ہے، اس دور میں گجرات کا صوبے دار اعظم خان تھا۔ وہ اپنے زمانے میں گجرات کا انتظام مکمل طور پر درست نہ رکھ سکا۔ اس لیے ایک عرصے سے بادشاہ کے حضور شکایات ارسال ہورہی تھیں۔ بار بار شاہی دربار سے اسے تاکید کی جارہی تھی، لیکن حالات بدستور ویسے ہی رہے۔ جس کی وجہ سے محرم ۱۰۵۲ھ کو اسے صوبے داری سے معزول کردیا گیا۔

گجرات سے میرزا عیسیٰ کا پرانا تعلق تھا، سارے صوبے میں اُس کی انتظامی صلاحیت، تدبر اور دانش مندی کی ساکھ تھی۔ اس زمانے میں وہ گجرات کے ایک اہم صوبے کا جاگیردار اور فوج دار تھا۔ اس لیے بادشاہ نے ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اعظم خان کو معزول کرنے کے بعد چوتھے دن یعنی ۱۲ محرم ۱۰۵۲ھ میرزا عیسیٰ کی صوبے داری کا فرمان جاری کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبے داری پر فائز کرنے کے ساتھ اس کی منصب میں بھی اضافہ کیا گیا۔

> ”و از جملہ سواران منصب او، ہزار و پانصد سوار دو اسپہ، سہ اسپہ، مقرر فرمودہ... اورا بہ منصب پنج ہزاری ذات و پنج ہزار سوار دو ہزار و پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ سر بلند گردانیدند۔“ (۹۷)

اس حکم کے ساتھ اسی دن دوسرا حکم بھی جاری کیا گیا۔ جس کے مطابق میرزا عنایت اللہ اپنے والد کی جگہ پر سورٹھ میں فوج دار مقرر ہوا۔ اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا گیا اور اُس کے بھائی میرزا محمد صالح کا منصب بھی بڑھایا گیا۔

شاہ جہاں کے اس سلوک سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ میرزا عیسیٰ اور اُس کی اولاد کے لیے بادشاہ کے دل میں کتنی عزت تھی۔ شیخ فرید بکھری کی تحریر واقعے کی سچائی سے تعلق رکھتی ہے کہ: میرزا عیسیٰ نے مشکل وقت میں شاہ جہاں کی مدد کرکے ”وسیلۂ اعظم تمام

عمر و آل و اولاد خود حاصل کرد۔"

شاہی فرمان – محرم ۱۰۵۲ھ: مرآۃ احمدی کے مؤلف نے بھی اتفاق سے اسی فرمان کی نقل دی ہے، جو ۱۲ محرم ۱۰۵۲ھ کو اعظم خان کی معزولی کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ بادشاہ نے اعظم خان کی بد انتظامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے فرمان میں لکھا ہے کہ:

"خود توفیق نیافت، و آن ملك را خراب تر ساخت، و کار به جای رسانید که، اگر به تدارك نپردازم، دیگر ممکن نه باشند."

اس فقرے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اعظم خان نے گجرات میں کتنی تباہی کردی تھی اور کس حالت میں گجرات کے انتظام اور اصلاح کا حکم میرزا کے سپرد کیا گیا۔ میرزا کے متعلق فرمان کی عبارت یہ ہے:

"بنا بر این، بر آن ملك و اهل آن ملك ترحم فرموده، صاحب صوبگی آن ملك، به امارت پناه، سزاوار لطف و احسان، میرزا عیسیٰ ترخان- که ملك سورت خراب را، به حسن سلوك و رعیت پروری، آباد ساخته بود- از ابتداء خریف یونت ئیل مرحمت نمودیم. میرزا مذکور که داخل احمد آباد شود، صوبه را تسلیم مشار الیه نموده، خود عازم درگاه عرش اشتباه گردد۔ و در عهده دانسته تخلف و انحراف نورزند. تحریر دوازدهم شهر سنه ۱۵ جلوس مبارك- موافق سنه یکهزار و پنجاه دو-" (۹۸)

فرمان کے اس اقتباس سے میرزا کی انتظامی صلاحیتوں اور کارکردگی کی اہلیت کے لیے بادشاہ کی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سورٹھ کی حالت میرزا کے جانے سے قبل اتنی خراب اور برباد تھی کہ جس کو میرزا نے جاکر درست کیا اور اپنے حسن سلوك اور رعایا پروری کی وجہ سے جلد ہی ملك کو آباد اور رعایا کو خوشحال کردیا۔

اعظم خان: مراۃ احمدی کے مؤلف نے اس حکم کے سلسلے میں لکھا

ہے کہ: بادشاہ روشن ضمیر نے سوچا تھا کہ کہیں یہ خبر معلوم ہونے سے اعظم خان رعایا اور زیردستوں پر انتقامی کارروائیاں شروع کروادیں۔ اس لیے اسی وقت میرزا عیسیٰ کی طرف شقہ خاص روانہ کیا۔

"پادشاہ روشن ضمیر آگاہِ دل- کہ مبادا بہ سبب استماع خبر تغیری صوبہ، اعظم خان، بیش از پیش ستم و تعدی، عاید حال رعایا و زیردستان شود، شقہ خاص بہ نام میرزا عیسیٰ ترخان، با فرمان طلب حضور بہ اعظم خان، شرف صدور یافت." (۹۹)

میر محمد باقر عرف ارادت خان ملقب بہ اعظم خان ساوہ شہر کے اصل سیدوں میں سے تھا اور میرزا جعفر آصف خان کا داماد تھا۔ اس رشتے کی وجہ سے سے شاہجہان کے سسر عین الدولہ آصف خان کی وزارت عظمیٰ میں اس نے زبردست ترقی کی۔ شہزادہ محمد شجاع کی پہلی بیوی، جو کہ مرزا رستم صفوی کی بیٹی تھی، جب فوت ہوگئی تو اس نے اعظم خان کی بیٹی سے ۱۰۴۹ھ میں شادی کی۔ انھی رشتوں ناتوں کی وجہ سے اعظم خان کو اتنا بڑا اقتدار اور دبدبہ حاصل تھا کہ اس نے غرور میں آکر گجرات میں مظالم شروع کیے۔ بادشاہ کے کانوں تک رعایا کی زبوں حالی کا احوال پہنچایا گیا۔ مراۃ احمدی کا مؤلف رقم طراز ہے کہ:

"از کهن سالان ثقات کہ از نیاکانِ خود نقل نمودند. استماع یافت کہ: از ملاحظۂ منزلت و نسبت با پادشاہ زادہ محمد شجاع بهادر، کسی راحد نالش تعدیِ اعظم خان نبود. این معنی بہ ذریعہ سیادت پناہ سید جلال بخاری بعرض رسید. لهذا چهار دهم (؟) شهر محرم الحرام سال هزار و پنجاه و دو، از تغیر اعظم خان، صوبہ گجرات بہ میرزا عیسیٰ ترخان... مرحمت شد." (۱۰۰)

مطلب یہ کہ اتنی مشکلات کے ساتھ گجرات کی رعایا نے خان مذکورہ سے رہائی حاصل کی۔ اور میرزا عیسیٰ کے لیے گجرات کی صوبے داری کا راستہ ہموار کیا۔

گجرات کی اصلاح اور بھاگ بٹائی: گجرات کا صدر مقام احمد آباد تھا۔ میرزا عیسیٰ اعظم خان کو شاہی دربار کی طرف روانہ کرکے خود ملک کے انتظام اور اصلاح میں مصروف ہوگیا۔ زمینیں غیر آباد ہوچکی تھیں، ان کو آباد کروایا۔ گاؤں ویران ہوچکے تھے، ان کو از سر نو بسایا۔ آدمی دربدر ہوگئے تھے، ان کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ ملک کے اندر بدنظمی اور انتظامی خرابی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی، بڑی کوششوں کے بعد میرزا نے نظم و نسق کو دوبارہ رائج کیا۔

ہم ابتداء میں پڑھ چکے ہیں کہ درباری امراء مرزا کی خودداری کی وجہ سے اس سے ہمیشہ ناراض اور نالاں رہتے تھے۔ اور جان بوجھ کر اُسے کسی مشکل سے مشکل مہم کی طرف روانہ کیا جاتا، تاکہ وہ ناکام ہوجائے اور اس طرح اس کی رسوائی ہو۔ مگر میرزا نے ہمیشہ ہر مشکل موقع پر فتح حاصل کی۔ لیکن اس دفعہ امراء کی کوششوں کے سبب اُس کا تبادلہ نہ ہوا تھا، بلکہ اُس کی صلاحیتوں کے مدنظر سوچ سمجھ کر بادشاہ نے خود اُسے روانہ کیا تھا۔ چنانچہ میرزا نے امید کے مطابق جلد ہی گجرات میں ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی۔

مراۃ احمدی کے گجراتی مؤلف نے یہ بات تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "و مرہم تسلی دلهای ستمدیدگانِ گجرات شد، میررا عیسیٰ ترخان به اشتغال امور صوبه به استمالت رعایا پرداخته، در پر گنات عمل غله بخشی- که به اصطلاح این ملک، باگ بتائی گویند- قرار داد، و در اندك فرصتی ملك به معموری آورد۔"
> (۱۰۱)

کاشتکاروں نے شکستہ خاطر ہوکر زمینیں آباد کرنا چھوڑ دی تھیں۔ زمین داروں، جاگیرداروں اور اہل کاروں کے ظلم، سختیوں اور غیر واجبی مطالبوں نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اُس زمانے میں مغل کار پردازوں کی بے جا کارروائیوں نے سندھ کے اندر ایسی ہی صورت حال پیدا کردی تھی۔ گاؤں ویران، زمینیں غیر آباد، ملک لاوارث اور عوام زیر و زبر

ہوچکے تھے۔

میرزا عیسیٰ نے بھاگ بٹئی یعنی خوشحال بٹئی کا رواج جاری کیا اور کسانوں کو دوبارہ کھیت سرسبز کرنے پر آمادہ کیا۔ بھاگ بٹئی کا مفہوم شاید یہ تھا کہ ایک متعین عرصے تک زمین کی پیداوار انھی کسانوں کے حوالی کی جاتی تھی۔ سال کی دونوں فصلوں کے وہی مالک ہوتے تھے۔ اس لیے اس کو بھاگ والی بٹئی کہا گیا۔

ایک انگریز مورخ کی رائے: میرزا کے سلسلے میں گجرات کا مشہور مورخ Mr. Commissariat بھی بہت زیادہ معترف ہے، لکھا ہے کہ:

In April 1642. Azam Khan was recalled from Gujrat by the Emperor's.... (122).... In succession to Azam Khan, therefore, Mirza Isa Tarkhan the Governor of Sorath, become the next viceroy of Gujrat (1642-45). This noble had aquired a Good reputation when in charge of Junagadh and it was expected that his rule would bring relief and prosperity to the much harassed population of Gujrat. By force marches, the new viceroy travelled from Junagadh to the Ahmadabad, and proceeding without delay to the Bhadra, delivered personally the Imperial farman of 2nd April 1942 to Azam Khan for his recall. Inayatullah, son of Mirza Isa Tarkhan was appointed governor of fouzdar at Junagadh in place of his father. Among the measures of the new subahdar was the introduction in the province of the 'Bhagbatai' of Share system of levying revenue in kind. (102)

انعام، ہاتھی — صفر ۱۰۵۲ھ: محرم میں بادشاہ نے میرزا کو احمد آباد روانہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ۳۰ تاریخ صفر ۱۰۵۲ھ کو بیٹے محمد صالح کے ہاتھوں شاہی فیل خانے کا ایک خاص ہاتھی، بطور انعام اس کے

لیے بھجوایا۔

"سلخ ماہ (صفر) بہ میرزا عیسیٰ ترخان، معجوب محمد صالح پسرش، فیل از حلقۂ خاص عنایت نمودہ فرستادند." (۱۰۳)

مراۃ محمدی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: میرزا صوبے کا انتظام نہایت اچھا چلا رہا تھا، "بھاگ بٹئی" کی رسم شروع کرکے زمینوں کو آباد کرایا، جس کے صلے میں بادشاہ نے اسے ایک ہاتھی انعام میں دیا۔ (۱۰۴)

ظاہر ہے میرزا بمشکل پہنچا ہی تھا کہ اس کے لیے ہاتھی بھجوایا گیا۔ اس لیے یہ انعام بھاگ بٹئی شروع کرنے پر نہیں بلکہ شاہی خوش نودی کے لیے بھجوایا گیا تھا۔ میرزا صالح شاہی دربار سے رخصت ہو کر باپ سے ملنے کے لیے جارہا تھا، بادشاہ نے اس کو باپ کے لیے ایک ہاتھی دے دیا تاکہ وہ اپنے باپ کے ہاں خالی ہاتھ نہ جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ گجرات میں قیام کے دوران شاہجہاں نے میرزا پر بڑی عنایتیں کیں، اور بار بار کیں۔ جیسے جیسے وقت گذرتا جارہا تھا اور وہاں کے انتظامات کی بہتری کی خبریں بادشاہ کو ملتی تھیں، ویسے ویسے شاہی انعامات، و اکرامات بھی اس کے لیے جاتے تھے۔

خلعت اور گھوڑا– ذی القعد ۱۰۵۳ھ: ۳۰ تاریخ ماہ ذی القعد ۱۰۵۳ھ کو دوستکام ولد معتمد خان احمد آباد کا بخشی بن کر دربار سے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ میرزا کے لیے خلعت خاص اور خاص شاہی اصبطل کا گھوڑا سونے کی زین سے آراستہ کرکے بھجوایا۔

"سلخ ماہ (ذی القعد) دوستکام ولد معتمد خان... بدان صوبہ مرخص گردید، و مصحوب او بہ میرزا عیسیٰ ناظم گجرات، خلعت و اسپ از طویلۂ خاصہ با براق طلا عنایت نمودہ فرستادند." (۱۰۵)

منصب کا اضافہ– ربیع الثانی ۱۰۵۴ھ: انعامات کا سلسلہ اسی طرح ہر سال جاری رہا۔ ۷ تاریخ ربیع الثانی ۱۰۵۴ھ کو بادشاہ نے

میرزا کے منصب میں یہ اضافہ کیا:

"دو ہزار پانصد سوار، میرزا عیسیٰ ترخان ناظم احمد آباد، بہ جهت ضبط صوبہ، دو اسپه سه اسپه، مقرر نموده، او را به منصب پنج ہزاری پنج ہزار سوار دو اسپه سه اسپه، سر افراز گردانیدند۔" (۱۰۶)

وہ جب گجرات جارہا تھا، اس وقت ۵ ہزار سواروں میں فقط دو ہزار پانچ سو سوار دو اسپہ سہ اسپہ تھے۔ اور اب پانچ ہزار سوار دو اسپہ اور سہ اسپہ کیے گئے۔

شاہجہاں کے آخری زمانے تک میرزا کا یہ منصب قائم رہا۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہ نامہ کے منصب داروں والی آخری فہرست میں میرزا کا نام پنج ہزاری میں لکھا گیا ہے۔

ترخان نامہ کے مؤلف نے میرزا کا منصب ہشت ہزاری لکھا ہے۔ جس کا ثبوت دوسری جگھوں سے میسر نہ ہوسکا، ترخان نامہ کی عبارت یہ ہے کہ:

"— منصب میرزا عیسیٰ ترخان...... به هشت هزاری ذات و هفت هزار سوار دو اسپه و سه اسپه رسیده۔" (۱۰۸)

پھر سورٹھ ذی الحج ۱۰۵۰ھ تا ۱۰۶۱ھ: میرزا عیسیٰ نے گجرات کی صوبے داری پورے تین سال تک کی۔ شاہجہاں کے بیٹوں میں کتنے سالوں سے اختلاف کی جو آگ دبی ہوئی تھی، وہ اُس زمانے میں بھڑک اٹھی۔ دارا شکوہ بادشاہ کا ولی عہد تھا۔ اسے عالمگیر سے مستقبل میں خدشہ تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی رقابت کے سبب دوسرے شہزادے بھی برسرِ پیکار رہے۔ ۱۰۵۴ھ میں شاہجہاں نے احمد آباد کی صوبے داری بقول مراۃ احمدی خاص مصلحتوں کی وجہ سے عالمگیر کو دی۔ ۲۹ ذی الحج میرزا عیسیٰ کو اس کی اصلی جاگیر اور اپنے عہدے پر واپس سورٹھ روانہ کیا۔ (۱۰۹)

جونا گڑھ کا قلعہ: میرزا نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ گجرات اور سورٹھ میں گذارا۔ میرزا کا مزاج اصلاحی اور فلاحی کارناموں کی طرف

مائل تھا۔ عمارت سازی کا شوق اور اس سلسلے میں وہ ایک خاص قسم کے ذوق کا حامل تھا۔ اس نے مقبروں کی تعمیر میں جس نزاکت اور حسن سے کام لیا ہے، اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے جب دوسری تعمیرات کروائی ہوں گی تو ان کی کیا کیفیت اور صورت ہو گی۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس قسم کے تمام کارنامے گجرات کے حصے میں آتے ہیں۔ جن تک ہماری دسترس نہیں ہے۔ سورٹھ کے صوبے کا مرکزی شہر جونا گڑھ تھا، مرزا نے اپنے پہلے دور یا ابتدائی دور میں اس کا قلعہ تعمیر کروایا، جو کہ غالباً آج تک موجود ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ قلعہ اس نے پہلے دور میں (۴۵-۱۰۵۲ھ) میں تعمیر کروایا ہو گا۔

قلعہ کی تاریخ: تاریخ سورٹھ کے مؤلف **Ranchodji Amarji** جونا گڑھ کے قلعے کی تاریخ اس طرح بیان کرتا ہے:

"The fort of Junagadh is called in Sanskrit Karana Kubja, but as an account of it is given in the Prabhasa Khanda of the Skanda Purana. I Shall describe its present state only. The citadel, called Uparkot is strongly build of stone and is situated in a velley at the foot of Mount Girnar; it has eighty-four turrets, two gates and two wavs- one of the latter called Adi, and the other called Chadi, built by Raja Nonghan's slave-girls. There is also a kuvo (or draw-well) excavated by Nonghan and named after him. The stone dug out to from the fosse around the fort served for the construction of the towers and battlements; and in case of a siege, there is a subterranean passage leading into the fort on the east side; which might be used to convey provisions to the garrision.

There is a tradition that Uparkot or fort was built by the

Yadav Raja Ugarasena, when he fled from Mathura in dread of Kala Yavana Shah of Khorasan, and came to the Sorath country. It is said that on Samvat 1507 (A. D. 1450) Raja Mandalik repaired the fort of Uparkot. Afterwards, in the reign of Shah Akbar, A'isa Khan came from Sindh to be the Subahdar, and built the wall of the city on Samavat 1690 (A. D. 1633) with a hundred and fourteen turrets and nine gates, four of which were kept open, and five closed. In Samvat 1718 (A. D. 1661) the fort was improved by Mirza A'isa Torkhan." (110)

ملازمت سے سبک دوشی ۱۰۶۱ھ: میرزا کے لیے زندگی کی جدوجہد اور کش مکش کی صورت حال جنم کے دن سے ہی شروع ہوئی تھی جو آخری دن تک قائم رہی۔ ساری زندگی اسی چل چلاؤ میں گذری۔ باپ کا قتل، اپنی موت کا خوف، ماموں کے پاس جاکر چھپنا، میرزا غازی سے اختلاف، ترکِ وطن، شاہی دربار میں باریابی میرزا غازی سے رسوخ ہونے کی وجہ سے جہانگیری دور میں اپنا مقام پیدا کرنا، وطن کے لیے واپسی پر سازشوں کا درباری جال، امراء کی کدورت اور کینہ پروری، ان کی عداوتوں سے اپنے پہلو کو بچانا، ہمیشہ احتیاط سے چلنا، ہر معاملے میں دامن بچاتے ہوئے سرخرو ہونے کے لیے کوششوں میں مصروف اور منہمک رہنا۔ غرض مرزا کی ساری زندگی کی اسیری کانٹوں کی سیج ثابت ہوئی۔ لیکن کمال تو یہ ہے کہ اس سارے عرصے میں ایک دفعہ بھی اُس کے دامن پر کوئی داغ نہ لگ سکا۔ واقعی اُس کے تدبر فہم اور فراست کا یہ کمال تھا۔

میرزا ۱۰۶۱ھ میں تقریباً چھیاسی سال کا ہوچکا تھا۔ اس وقت تک شیخ فرید بکھری کی روایت کے مطابق ان کی بینائی رجولیت اور قوت اشتہا میں کمی نہ ہوئی تھی، دیکھنے میں بیس سال کا جوان لگتا تھا، تاہم چھیاسی سال کا جسم آرام کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ جیسے

مندرجہ ذیل عنوان کے تحت معلوم ہوتا ہے، بادشاہ نے سورٹھ کی فوج داری اُس کے بیٹے محمد صالح کے حوالے کر کے اُسے ملازمت سے پنشن دے کر اپنے پاس ملاقات کے لیے بلوایا، اس طرح میرزا عیسیٰ کی عملی زندگی کا ایک طویل باب اختتام کو پہنچا بلکہ بڑی خیر خوبی کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا۔

(۹)

وفات: میرزا عیسیٰ کے بارے میں ہم کو آخری اطلاع ذخیرۃ الخوانین کے مصنف شیخ بکھری نے دی ہے۔ لکھا ہے کہ:

"تا حال کہ سنہ الف و ستین هجری (۱۰۶۰ھ) هست، در رادن پور وغیرہ آن ضلع، بہ کمال خواهش خاطر می گذراند، و معزز و محترم وبا آبرو هست۔"

اسی سلسلے میں اس وقت اُس کی صحت اور تندرستی کے بارے میں اطلاع دیتا ہے کہ:

"عمر شریف ایشان از عمر طبیعی زیادہ است، در شنوائی و بینائی و رجولیت وقوتِ اشتھا کمی، نیست، بمثل جوان بست سالہ دارد۔" (۱۱۱)

ایک اور مقام پر رقم طراز ہے کہ:

"و تا حال کہ سنہ ستین و الف هجری هست میرزا در صوبہ گجرات بہ کمال عیش میگزراند، و مصدر توجهات قدسی هستند۔ و عمر شریف ایشان زیادہ از یک صد دوازدہ سال است۔ شنوائی و بینائی و قوتِ بدن و رجولیت بہ حال خود است۔" (۱۱۲)

ماثر الامراء میں اس کی عمر ایک سو بارہ نہیں، بلکہ ایک سو سال سے زیادہ بتا کر صحت اور قوت کے متعلق وہی رائے دی ہے:

"با آنکہ عمر میرزا از صد متجاوز بود، اما قویٰ از درجۂ طبیعی سقوط نیافتہ، باہ هم جوانانہ داشت۔" (۱۱۳)

ذخیرۃ الخوانین ۱۰۶۰ھ تک کا احوال لکھنے کے بعد میرزا کے سلسلۂ سوانح کو چھوڑ دیتا ہے۔

میرزا کی وفات کا ذکر فقط تین کتابوں میں ملتا ہے۔ ترخان نامہ، عمل صالح اور مآثر الامراء۔

میرزا عیسیٰ ۶۰-۱۰۶۱ھ تک اپنا سارا کاروبار اپنے بیٹے میرزا محمد صالح کے سپرد کرکے خود عملاً ریٹائر ہوگیا تھا، لیکن اُس کا قیام اپنی جاگیر اور رادھن پور میں تھا۔

مراۃ احمدی کا مؤلف رقم طراز ہے کہ: شاہجہاں بادشاہ نے مرزا عیسیٰ کو خود اپنے پاس بلوایا اور سورٹھ کی فوج داری اس کے بیٹے محمد صالح کے سپرد کی۔ مآثر الامراء سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ پچیسویں سال شاہجہانی میں میرزا کو بادشاہ نے اپنے پاس بلوایا تھا اور میرزا وہاں جاکر جب سانبھر گوٹھ میں پہنچا، اس وقت اُس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا، اسی گاؤں میں اس کا انتقال ہوا۔

"فرمان طلب میرزا به حضور، صادر گردید، در محرم سنه (۱۰۶۲ھ) هزار و شصت و دوم به قصبهٔ سانبر رسیده بود که، پیمانهٔ حیاتش بر آمود." (۱۱۴)

میرزا کی وفات کی تاریخ ترخان نامہ کے مؤلف نے لکھی ہے، لیکن کتاب کے ایک نسخے میں ۱۲ محرم ہے اور دوسرے میں ۱۳ محرم (۱۱۵) سال بجائے ۱۰۶۲ھ کے ۱۰۶۱ھ لکھا گیا ہے۔ جو کہ غلط ہے اور یہ کتابت کا سہو ہوسکتی ہے۔

"در تاریخ ۱۲ شهر محرم الحرام سنه احدی و ستین الف (۱۰۶۱ھ) میرزا عیسیٰ ترخان به رحمت حق پیوست." (۱۱۶)

عمل صالح کے مؤلف نے صراحت سے لکھا ہے کہ میرزا کی وفات ۱۳ محرم کو سانبھر میں ہوئی، جس کی اطلاع بادشاہ کو لاہور کی منزل پر پانچ صفر کو ملی۔

"پنجم صفر به عرض مقدس رسید که: میرزا عیسیٰ ترخان که

از جونہ گر روانۂ درگاہ آسمان جاہ شدہ بود، سیزدھم محرم در سانبر پیمانۂ حیات بر آمود. پادشاہ بندہ نواز محمد صالح پسر کلانش را از اصل و اضافہ بہ منصب دو ہزاری پانصد سوار و دو پسر دیگر را بہ منصبی در خورِ عز و امتیاز بخشیدند۔" (۱۱۷)

مراۃ احمدی کے مؤلف نے میرزا کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرزا دورہ کرتے ہوئے سانبھر میں آکر منزل انداز ہوا، جہاں ۱۰۶۲ھ میں اُس کا انتقال ہوا۔(۱۱۸)

میرزا کے مزار پر یہ کتبہ نصب ہے، جس سے سال وفات ۱۰۶۲ھ بر آمد ہوتا ہے۔

چو رحلت کرد از دارِ فنا
آن سرورِ ترخان بہ بستانِ جنان
آسودہ شد در منزل اعلیٰ
بپرسیدم چو سالِ رحلتِ او، از خرد، گفتا:
نمودہ میرزا عیسیٰ بگلزارِ ارم ماوا

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ میرزا کی عمر کے لیے مختلف آراء ہیں، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ اُس کی ولادت ۷۵-۹۷۶ھ کو ہوئی اور وفات کے وقت اُس کی عمر ۸۷-۸۶ سال ہونی چاہیے۔

سانبھر سے یا رادھن پور سے لاش روانہ ہوئی اور سندھ میں پہنچی اور اس کو اپنے تعمیر کردہ مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا۔ ٹھٹہ سے ۱۰۱۲ھ میں رخصت ہوئے اور پوری آدھ صدی گذرنے کے بعد ۱۰۶۲ھ میں ان کی لاش اسی شہر لائی گئی اور وہیں دفن ہوئے۔

(۱۰)

میرزا عیسیٰ کی شخصیت: میرزا کے واقعات زندگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہادر، خوددار، عزت خواہ امیر تھا، بادشاہ کے علاوہ کبھی کسی دوسرے کی پروا نہیں کی، دوسرے درباری امراء اسی خودسری کی وجہ

سے اس کے مخالف تھے۔ لیکن اس نے کبھی ان کی پروا نہ کی۔ مشکل سے مشکل مہم پر روانہ ہوا اور اپنی قوتِ بازو کی وجہ سے اس کو سر کرکے سرخرو ہو کے واپس آیا۔ اسے جو کچھ بھی شاہی دربار سے حاصل ہوا وہ سب کچھ اس نے اپنی ہمت، مردانگی اور کارکردگی کی بنیاد پر حاصل کیا، نہ کہ کسی کی سفارش کے سہارے سے۔ غرض وہ تمام عمر لاغرض رہا اور بے غرض ہو کر زندگی گزاری۔ فہم و فراست، دانش مندی اور تدبر اُس کے ہر عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ زندگی کا تمام سفر نہایت شان و شوکت اور خوش اسلوبی سے طے کیا۔ دل کا کشادہ اور مزاجاً سخی تھا۔ ارغونوں اور ترخانوں کا سندھ سے خارج شدہ قافلہ جب اُس کے سپرد ہوا تب بھی نہایت دریا دلی سے ان کی پرورش کا بوجھ خود اٹھالیا۔

ترخان نامہ کے مؤلف نے اُس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "مردی خلیق و ادیب و حلیم و بردبار صاحبِ همت و غیرت، قبیله پرور، سپاه دوست، آبادان کار، در جوانی کسب کمالات نموده در علوم دستگاهی هم، رسانیده. به جمع مکارم اخلاق آراسته و پیراسته. شیوهٔ عدالت و سخاوت، شعار خود داشته. در شجاعت و دلاوری نظیر نداشت." (۱۱۹)

مندرجہ بالا اقتباس اُس کا تمام کردار آئینے کی طرف ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف نے اُس کے سلسلے میں یہ عبارت لکھی ہے:

> "مردی است حریص، جمله کیفها و در سرود و نغمه سندی و هندی قابل است. خود هم، در علم نظم و نثر و موسیقی و نواختن سازها، دستگاهی دارد. و اوقات را به عیاشی و بی غمی می گذراند." (۱۲۰)

یعنی میرزا عیسیٰ راگ رنگ کا شوقین ساز و سرود کا رسیا تھا اور نظم و نثر میں کامل۔ سندھی سر اور راگنیوں سے واقف، عیاش، آزاد منش اور خوش باش شخص تھا۔ کیف و سرور کی چاٹ بھی تھی۔ مندرجہ ذیل عبارت، ذخیرہ سے ماثر الامراء کے مؤلف نے اس طرح لکھی ہے:

”بسیار عیش دوست و شیفتۂ مسکرات و دلدادۂ راگ و رنگ بود، و در نغمہ خوانی و ساز نوازی خالی از کمال نبود۔“ (۱۲۱)

اکثر ترخان علم دوست، شاعر، راگ رنگ کے دل دادہ اور ہنر پرور تھے۔ میرزا عیسیٰ اول علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ میرزا باقی باوجود اپنی شقی القلبی کے اور ظالم ہونے کے علم و ہنر کا پرستار تھا۔ میرزا پائندہ نیم پاگل سا شخص تھا، لیکن شعر کہتا تھا اور شاعری کا ذوق بھی رکھتا تھا۔ میرزا جانی بیگ شاعر، راگ کا ماہر اور نہایت خوش ذوق امیر تھا۔ میرزا غازی کو شاعری، نغمہ نوازی اور علم پروری میں خاص مقام حاصل تھا۔ اسی لیے میرزا عیسیٰ ثانی میں اگر مندرجہ بالا خوبیاں تھیں تو وہ ذاتی کے علاوہ خاندانی وراثت کے طور پر اسے ملی تھیں۔ اور وہی خصوصیات اُس کے خون بلکہ رگ و پے میں پیوست تھیں۔

افسوس کہ میرزا کی نظم کا نمونہ محفوظ نہ رہ سکا۔ راگ روپ کے سلسلے میں اگر اُس کی کوئی ایجاد تھی تو وہ بھی لوگوں سے پوشیدہ رہ گئی۔

(۱۱)

اہل و عیال: جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ میرزا عیسیٰ کی پہلی شادی میرزا جانی بیگ نے اپنی چچی (؟) سے کرائی تھی۔ ذخیرۃ الخوانین کا قول ہے کہ ۱۰۶۰ھ میں جب وہ طبعی عمر سے تجاوز کرچکے تھے، تو بھی ان کی قوت بیس سالہ نوجوان جیسی تھی۔ ظاہر ہے کہ میرزا نے اپنی زندگی میں ایک شادی پر تو اکتفا نہیں کیا ہوگا، ترخان نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی کچھ بیویاں زندہ تھیں جن کے لیے بادشاہ نے وظیفے مقرر کردیے تھے۔ (۱۲۲)

میرزا عیسیٰ کو کثیر الاولاد کہا جاتا ہے۔ جس طرح ذخیرہ کے مؤلف نے لکھا ہے: ”-اولاد امجاد کثیر بهم رسانده-“ یا اسی کی تقلید کرتے ہوئے ماثر الامراء کے مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ: ”اولاد بسیار بهم رساند“

(۱۲۳) یا انھی سوانح نگاروں کے نوشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی اولادیں تو ان کی زندگی میں ہی وفات پاچکی تھیں، جبکہ صاحب ذخیرۃ الخوانین کا کہنا ہے کہ ۱۰۶۰ھ میں ان کا صرف ایک بیٹا (؟) زندہ تھا جو کہ باپ کے بعد اس کے خاندانی اثاثے کا وارث بنا۔

"همه داعی حق را لبیك اجابت گفته اند. یك پسر مسن و معمر یادگار دارد."(۱۲۴)

لیکن یہ درست نہیں ہے کہ میرزا کے تمام بیٹے سوائے ایک کے اس کی زندگی ہی میں وفات پاچکے تھے۔ اس کا ایک بیٹا میرزا فتحی باپ کے بعد تیس برس تک زندہ رہا۔ اس طرح ترخان نامہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد میرزا صالح کے علاوہ بھی میرزا کے متعدد بیٹے تھے جن کو بادشاہ نے جدا جدا منصب عطا کیے۔

"پسران خورد میرزا عیسیٰ ترخان و نبیره های و اقربا و عاجز های میرزا، جدا جدا به منصب و مدد معاش سرفراز ساختند." (۱۲۵)

ترخان نامہ کے مؤلف نے میرزا عیسیٰ کے مندرجہ بیٹوں کے نام نسب نامہ میں دیے ہیں۔

(۱) میرزا عنایت اللہ بہادر
(۲) میرزا محمد صالح
(۳) میرزا فتحی
(۴) میرزا عاقل محمد
(۵) میرزا جان بابا ثانی

مورخین کی مندرجہ بالا آراء پر یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ، یہ فہرست مکمل نہیں ہے، بلکہ ترخان نامہ کے مؤلف نے اس مسئلے میں بھی دستوری غفلت اور تحریر کی سرسری روش سے کام لیا ہے۔
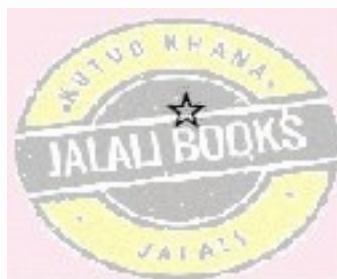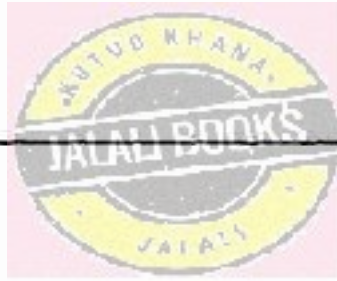
حواشی

(۱) ذخیرہ ص۱۶۶

(۲) ماثر ج۳ ص۴۵۸

(۳) عمر شریف ایشان زیادہ از یکصد و دوازدہ سال است. شنوائی و بینائی و قوتِ بدن در رجولیت، به حال خود است. فتوری به سبب کبر سنِ ایشان، راہ نیافته. (ذخیرہ خطی نسخه انجمن ترقی اردو ورق ص۸۳)

(۴) عمر شریف ایشان از عمر طبعی زیادہ است، در شنوائی و بینائی و رجولیت و قوتِ اشتها کمی نیست. به مثل جوان بیست ساله دارد. (ذخیرہ ایضاً وریق ۱۳۱ الف)

(۵) عمر شریفش نود و پنج سال (۹۵) بود. (ترخان نامه ص۹۹)

(۶) عمر میرزا از صد متجاوز بود. اما قویٰ از درجۂ طبیعی سقوط نیافته. باہ هم جوانانه داشت. (ماثر الامراء ۳ ص۴۸۸)

(۷) اثنائے دورہ، بمقام سانبھر میرزا عیسیٰ ترخان نے وفات پائی- ایک سو برس سے زیادہ عمر پائی. (مراۃ محمدی اردو ص۱۸۰)

(۸) ترخان نامه ص۶۶

(۹) سال ۴۵ اکبری (۱۰۰۹ھ) ماہ بہمن مورخه ۱۳ کی روئداد میں اکبر نامه کے مؤلف لکھتے ہیں: "... از صوری دانش لختی آگهی داشت. در پارسی شعر و نظم و موسیقی توانا داشت. ازان باز که به درگاہ والا آمد، اخلاص از پیشانی گفتار و کردار او تابان بود. و
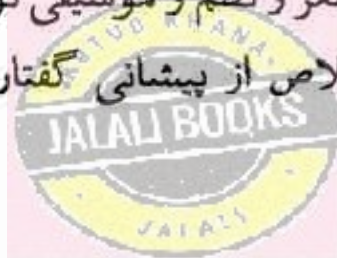
شناسائی و آهستگی از نشست و برخاست او پیدا. لیکن از خردی باز شیفتۂ باده بود. شگرف آنکه از ناهنجاری سر بر نزدی و در کار کرد و گفت پاسبان خود بودی، به کنج خانه ساغر کشی از اندازه بیرون بودی، و از نابودن اندرز سرا عنان بر نگرفتی... آن صافی آب زلالِ زندگی بر آلاید، و آن عشرت مایه جان کاستی بر دهد. از می فزونی رنجور شد، و به رعشه و سر سام کشید. سیزدهم (بهمن ۱۳) ازین کاروانی سرا رخت بربست و آشنا و بیگانه را دل بسوخت. گیتی خداوند از قدردانی، اُلکائی او را به پور او میرزا غازی، غایبانه باز گذاشت . و منشور والا و گرا نمایه خلعت فرستاد . (ج۳ ص۸۲-۷۸۳) اکبر کا دور ۴۵ سال شب دو شنبہ ۴ رمضان ۱۰۰۸ھ ماہ فرودین سے شروع ہوکر، شب دو شنبہ ۱۰ رمضان ۱۰۰۹ھ (فروردین) پر ختم ہوتا ہے۔ (اکبر نامہ ج۳ ص۷۸۰)۔ اکبر اس وقت قلعہ اسیر کی فتح کے لیے برہان پور میں منزل انداز تھا۔ آسیر کی چابیاں ۷ ماہ بہمن اکبر کو ملیں، اور ۱۳ بہمن کو میرزا جانی کا انتقال ہوا۔ (اکبر نامہ ج۳ ص۷۸۰) ذخیرۃ الخوانین کا قول ہے کہ:

> "... و حضرت خلیفه الٰهی به تسخیر قلعه آسیر تشریف آوردند، و بهادر (خان) آسیری بی جنگ آمده ملازمت حضرت نمود... ظاهرا جانی بیگ گفته باشد که اگر این قسم قلعه من می داشتم، اگر حضرت خلیفه الٰهی خود به دولت می آمدند فتح میسر نمی شد. این ماجرا به عرض مقدس رسید، از نظر حضرت افتاد. و دران چند روز در گذشت. (ورق ۱۰۸)"

(۱۰) طاہری خطی- تحت- باغی گردیدن ابوالقاسم سلطان.

(۱۱) ترخان نامہ ۸۶

(۱۲) ملاحظہ ہو طاہری۔ راقم کا مضمون "میرزا غازی ترخان" اور "چنیسر نامہ" کا مقدمہ پڑھنا چاہیے۔

(۱۳) ترخان نامہ ص۸۶

(۱۴) ماثر الامراء ۳ ص۴۸۵-۴۸۶۔ یہ روایت ذخیرۃ الخوانین کی اس عبارت سے اخذ کی گئی ہے: ... بعد از فوت میرزا جانی بیگ ترخان، مشار الیہ (عیسیٰ ترخان) خواست کہ در تتہ قائم مقام او شود. میرزا غازی بیگ کہ دست گرفتہ خسرو خان چرکس بود، بہ جای پدر نشست و غالب گردید. میرزا اسیلایِ اورا معاینہ کرد، ازانجا گریختہ بر آمدہ بہ درگاہ مقدس معلیٰ بندگان حضرت جہانگیری رسیدہ، بہ منصب فاخرہ رسیدہ، تعینات دکن گشت." خطی ص۲۸۶۔

(۱۵) "... مسود این مجموعہ شیخ فرید بکری کہ وطن بندہ از سند است، بہ نسبت دعا گویی بہ آن سلسلۂ عالیہ بروجہ اتم و اکمل دارد. و قرابت قریبیہ ہم فی مابین واقع است. از احوال آن ستودہ صفت (یعنی میرزا عیسیٰ) کما ینبغی واقف است. ذخیرہ ۲۸۸۔

(۱۶) اکبر نامہ ج ۱ ص۸۲-۸۳۔

(۱۷) ترخان نامہ ص۹۶

(۱۸) ماثر الامراء ج۲ ص۴۰۴

(۱۹) ماثر رحیمی ج۲ ص۳۵۰

(۲۰) اکبر نامہ- چہار دہم مہر ماہ الاھی (سال ۱۰۱۳ھ ۵۰ سال جلوس)... میرزا غازی خان از تتہ آمد... ج۳ ص۸۳۹۔

(۲۱) ماثر ج۳ ص۴۸

(۲۲) ترخان نامہ ص۹۶ ص۹۷

(۲۳) تزک صفحہ ۱۱۰-۸ھ ذوالحج ۱۰۱۴ھ کو خسرو نے بغاوت کی اور

آگرہ سے فرار ہوا۔ ۹ تاریخ کو جہانگیر اس کے پیچھے گیا۔ میر ابوالقاسم نمکین نے اس کو ۲۸ ذی الحج ۱۰۱۴ھ کو گجرات (پنجاب) میں گرفتار کر کے ۳ محرم ۱۰۱۵ھ کو لاہور کی منزل پر باغ کامران میں، جہانگیر کے سامنے پیش کیا۔ ۹ محرم ۱۰۱۵ھ کو بادشاہ کو قندھار کے انتشار کی خبر پہنچی۔

(۲۴) تزک ص ۱۱۰۔

(۲۵) میرزا عبدالعلی بن میرزا فرخ بن میرزا شاہ رخ (۹۹۳ھ) بن میرزا باقی ترخان۔

(۲۶) ذخیرہ قلمی ۲۸۶

(۲۷) ذخیرہ قلمی ۲۸۶

(۲۸) تزک ص ۱۱۱

(۲۹) ذخیرہ قلمی ص ۲۸۶

(۳۰) ماثر ج ۳ ص ۴۸۵

(۳۱) دیکھیے میر معصوم بکھری تالیف راقم الحروف

(۳۲) تزک ص ۱۱۱

(۳۳) تزک ص ۱۱۲

(۳۴) تزک ص ۱۱۸

(۳۵) ترخان نامہ ص ۹۴، خسرو خان کے لیے مؤلف رقم طراز ہے کہ: ان کا جیل میں انتقال ہوا (؟) عبدالعلی اور خسرو کا بیٹا نور جہان کی سفارش پر آزاد ہوئے۔

(۳۶) تزک ص ۱۳۰

(۳۷) تزک ص ۱۲۹-۱۳

(۳۸) جہانگیر نامہ ص ۷۳

(۳۹) ذخیرۃ قلمی ص ۵۸

(۴۰) رستم میرزا کے تغیر کے بعد شمشیر خان اوزبک کو ٹھٹہ پر مقرر کیا گیا۔ تزک ص ۱۳۱ ص۱۵۷

(۴۱) تزک ص۱۶۹

(۴۲) تزک ص۱۳۲

(۴۳) تزک ص۱۵۷ – ص۳۰۹

(۴۴) تزک ص۱۵۷ ص۳۰۹

(۴۵) یہ دسواں سال جہانگیری تھا، جو کہ ہفتہ ۸ صفر ۱۰۲۴ھ سے شروع ہوا۔ مطابق غزہ فروردین سنہ ۱۰

(۴۶) تزک ص۱۴۹

(۴۷) تزک ص۱۴۹

(۴۸) ۷ شوال ۱۰۳۱ھ کو بادشاہ کشمیر سے روانہ ہوا اور ۴ ماہ آبان لاہور پہنچا۔ یہ ۱۷ سال جہانگیری تھا، جو شب دو شنبہ جمادی الاول ۱۰۳۱ھ سے شروع ہوا تھا۔ تزک ص ۳۵۰

(۴۹) تزک ص۳۵۹–۳۶۰

(۵۰) تزک ص۳۵۰

(۵۱) تزک ص۲۵۰

(۵۲) بادشاہ ۲ تاریخ اردی بہشت کو کشمیر پہنچا۔

(۵۳) یہ دونوں خطوط جہانگیر نے تزک میں درج کیے ہیں۔ ص۳۵۶

(۵۴) تزک ص۳۵۹

(۵۵) بادشاہ غرہ ماہ اردی بہشت کو کنارِ کول فتح پور پر منزل انداز ہوا۔

(۵۶) تزک ص۳۶۸

(۵۷) تزک ص ۴۲۱

(۵۸) تحفۃ الکرام فارسی ص۹۴

(۵۹) تزک ۴۲۵-۴۲۶

(۶۰) شریف الملک ملازم سلطان شهریار، که حکومت دولپر داشت، با دریا خان افغان جنگ کرده و تیری بر چشم شریف الملک رسید او را کور ساخت. ذخیر قلمی ص۱۸۶

(۶۱) نسخۂ خطی ص۲۸۷ ماثر الامرا نے اس کا اختصار دیا ہے۔ ج۳ ص۴۸۶

(۶۲) ایضاً ص۲۸۷

(۶۳) ماثر الامرا ج۳ ص۴۸۶

(۶۴) بادشاہ نامه ج۱ ص۷۸

(۶۵) تزک نولکشور ص۴۳۸ و تاریخ گجرات مولفه کمیشریت ج۲ ص۱۰۸

(۶۶) ترخان نامه ۹۷

(۶۷) تزک ص۴۳۸

(۶۸) بادشاہ نامه ج۱ ص۷۸-۷۹، تحفة الکرام کے مؤلف نے غلطی سے میرزا کے تقرر کو جهانگیر کی زندگی کا واقعه بیان کیا ہے۔ "ودر ابتدای سال سی و هفت هجری، آخر سال جهانگیری به منصب چهار هزار سوار ایالت تته یافته." ص۹۴

(۶۹) ماثر الامرا ج۳ ص۴۸۶

(۷۰) محمد طاہر آشنا نے بادشاہ نامه کے پہلے دس برسوں کی تلخیص کی ہے، جس کا نام قرنیه ہے۔ اس میں میرزا کے تقرر کا بحیثیت صوبے دار بیان کیا گیا ہے۔ "میرزا عیسیٰ ترخان را به منصب چهار هزاری و دو هزار و پانصد سوار نواخته به صوبیداری تته تعین فرمودند." (خطی نسخه ۱۵)

(۷۱) ترخان نامه ص۹۸
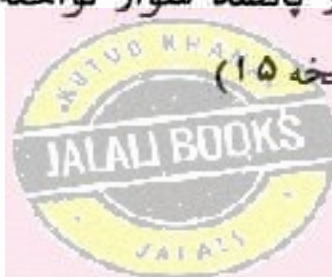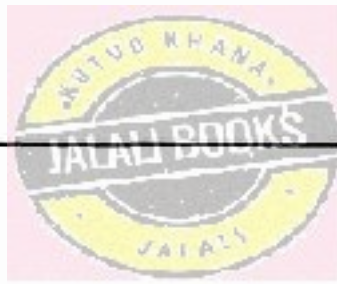
(۷۲) ترخان نامہ ص۹۸

(۷۳) تحفۃ الکرام ص۹۵

(۷۴) میر ابوالبقا جہانگیر کی وفات کے وقت شاہجہاں کی تخت نشینی کے زمانے میں یمین الدولہ ابوالحسن کی طرف سے ملتان میں اپنی جاگیر پر نیابت کررہا تھا۔ اس کو مرتضیٰ خان کی وفات کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۹ھ کو ٹھٹہ روانہ کیا گیا۔ (دیکھیں تذکرہ امیر خانی)

(۷۵) ترخان نامہ ص۹۸

(۷۶) بادشاہ نامہ ج ۱ ص۱۷۷

(۷۷) اصل نام سید بادشاہ خواجہ، بادشاہ نے اُن کا نام شیر خواجہ رکھا تھا، خواجہ باقی خطاب۔ ٹھٹہ کی صوبے داری سے چھٹی پر ہندوستان روانہ ہوا۔ راستے میں ۱۰۳۸ھ کو فوت ہوا۔ ماثر الامرا ج۲ ص۶۴۸

(۷۸) بادشاہ نامہ ج ۱ ص۱۸۱

(۷۹) ماثر الامرا ج۳ ص۴۸۷

(۸۰) بادشاہ نامہ ج ۱ ص۱۳۰

(۸۱) ماثر الامراء ج۳ ص۴۸۶

(۸۲) بادشاہ نامہ ج ۱ ص۲۴۴

(۸۳) بادشاہ نامہ ج ۱ ص۳۲۹

(۸۴) قرنیہ خطی ۷۴-ب

(۸۵) خواجہ ابوالحسن تربتی متوفی ۱۰۴۲ھ ٹھٹہ کے گورنر ظفر خان احسن کے والد اور قرنیہ کے مؤلف محمد طاہر آشنا کے دادا۔

(۸۶) بادشاہ نامہ ج ۱ ص۳۶۳۔

(۸۷) قرنیہ ۹۳/الف

(۸۸) بادشاه نامه ج ۱ ص ۴۱۸
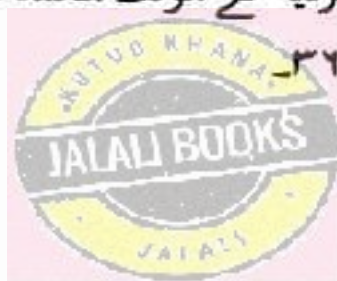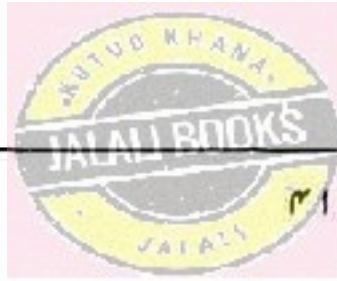
(۸۹) ماثر جلد ۳ ص ۴۸۷

(۹۰) بادشاه نامه ج ۱ ص ۴۲۳

(۹۱) قرنیه ۱۸۸-ب

(۹۲) قرنیه ۲۰۶-الف

(۹۳) ماثر جلد ۳ ص ۴۸۸

(۹۴) بادشاه نامه جلد ۲ ص ۱۲

(۹۵) بادشاه نامه جلد ۲ ص ۱۶۲

(۹۶) بادشاه نامه جلد ۲ ص ۱۹۳

(۹۷) بادشاه نامه جلد ۲ ص ۲۹۰

(۹۸) مراۃ احمدی، چاپ قدیم، جلد اول ص ۲۸۸

(۹۹) مراۃ، چاپ جدید ۲۱۶

(۱۰۰) مراۃ، چاپ جدید جلد ۱ ص ۲۱۹۔ اعظم خان آخری عمر میں جون پور میں تھا۔ وہاں ۷۶ برس کی عمر میں ۱۰۵۹ھ میں انتقال کی۔ 'اعظم اولیا' سے وہ سال برآمد ہوتا ہے۔ اس کو دریائے جون پور کے کنارے، اسی باغ میں دفن کیا گیا، جسے خود نے ۱۰۵۸ھ میں تیار کروایا تھا اور جس کی تاریخ 'بہشت بر لبِ آبجو' سے نکلتی ہے۔ (ماثر الامراء ج ۱ ص ۱۸۰)

(۱۰۱) مراۃ احمدی چاپ قدیم ص ۲۲۹

(۱۰۲) A History of Gujrat vol II P123

(۱۰۳) بادشاه نامه جلد ۲ ص ۲۰۲

(۱۰۴) مراۃ محمدی اردو ص ۱۸۰

(۱۰۵) بادشاه نامه جلد ۲ ص ۳۵۳

(۱۰۶) بادشاه نامه ج ۲ ص ۳۷۷
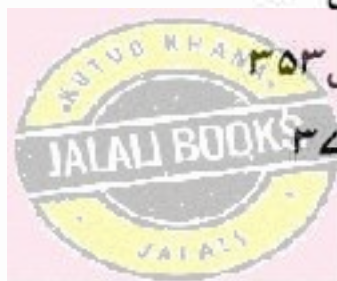
(۱۰۷)بادشاہ نامہ ج۲ ص۳۱۹- عمل صالح میں بھی پانچ ہزار کی فہرست میں ان کا نام موجود ہے۔ (جلد ۳ ص۳۵۰)

(۱۰۸)ترخان نامہ ص۹۸

(۱۰۹)مراۃ احمدی ۱۸۰

(۱۱۰)Tarikh-i-Sorat 1982 P 26-24 اس میں دیے گئے سال غلط معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۱۱)ذخیرہ خطی ص۲۸۶

(۱۱۲) ذخیرہ خطی ص۱۶۳

(۱۱۳)ماثر جلد ۳ ص۴۸۸

(۱۱۴)ماثر جلد ۳ ص۴۸۸

(۱۱۵)۱۳ صفر ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۶۵۱ء- تاریخ گجرات کمشریت ۱۲۳

(۱۱۶)ترخان نامہ ص۹۸

(۱۱۷)عمل صالح جلد ۲ ص۱۳۴

(۱۱۸)مراۃ محمدی اردو ص۱۸۰

(۱۱۹)ترخان نامہ ص۹۶

(۱۲۰)ذخیرہ قلمی ص۲۸۷

(۱۲۱)ماثر الامراء جلد ۳ ص۴۸۷

(۱۲۲)ترخان نامہ ص۹۹

(۱۲۳)ماثر جلد ۳ ص۴۸۸

(۱۲۴)ذخیرہ ص۲۸۸

(۱۲۵)ترخان نامہ ص۹۸
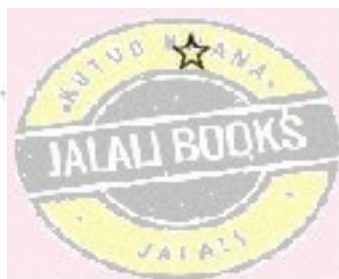
باب ۷

(۱۲)

میرزا کے بیٹے

ابتداء میں بیان کردہ اولاد کے متعلق جو معلومات حاصل ہوچکی ہیں، وہ ہر بیٹے کے عنوان سے ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

میرزا عاقل محمد: اس سلسلے میں کوئی بھی تفصیل یا جزوی احوال بالکل نہیں ملتا۔ ترخان نامہ کے شجرے میں ان کا نام موجود ہے۔ ماثر الامراء کا مؤلف رقم طراز ہے کہ: "اُس کو شاہی دربار کا منصب ملا تھا۔" کتنا اور کون سا؟اس کی وضاحت کہیں نہیں کی گئی۔ فقط ان چند لفظوں پر اکتفا کیا ہے:

"و عاقل به منصبی در خور سرافرازی... (یافت)..."(۱)

فتح اللہ معروف بمیرزا فتحی: ترخان نامہ اور ماثر الامراء کے مؤلف نے ان کا نام فتح اللہ لکھا ہے۔ لیکن دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد فتح یا محمد فتحی کے نام سے بھی مشہور تھا اور مرزا فتحی کے عرف سے بھی معروف تھا۔ جوکہ نیچے مکمل طور پر معلوم ہوگا۔ افسوس ہے کہ میرزا عیسیٰ کے اس بیٹے کے متعلق بھی معلومات کا حال پہلے جیسا ہی ہے۔ ماثر الامراء میں فقط اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ: وہ پنج صدی منصب پر فائز تھا۔ (۲)

ہم کو تاریخی مکتوبات کے ایک مجموعے سے کئی خطوط ملے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے دور میں میرزا فتحی مختلف عہدوں پر فائز رہا اور سندھ میں بھی کئی علاقوں میں فوج دار وغیرہ کے عہدوں پر فرائض انجام دیتا رہا۔ مثلاً یہاں مندرجہ ذیل خطوط کے ذریعے
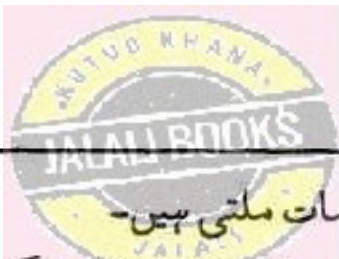
اس سلسلے میں مفید معلومات ملتی ہیں۔
نصرپور میں تھانے داری ۸۵-۱۰۸۲ھ: مغلوں کے کسی عملدار نے سندھ سے شاہی دربار میں ایک عرض داشت بھیجی تھی، جس میں سندھ می مخالف تحریك، قحط سالی، بدنظمی اور اپنی بدحالی کے ذکر اذکار کے بعد مشورہ دیا گیا ہے کہ: سندھ کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب ہوگا کہ میرزا محمد فتحی کو سہون میں رکھا جائے۔ یا نصرپور کی تھانے داری دے کر ٹھٹھ میں مقیم کیا جائے۔ عرض داشت کی عبادت اس طرح ہے:

"حضرت جهان پناه سلامت!

به عنایت الٰهی و اقبال جهانکشای حضرت شهنشاهی، تا حال نظم و نسق سرکار سوستان، به وجه احسن براه امنیت جاری، جمیع قضایا به قانون شریعت غرا.

احقر باین جرد ضعیفی در سرکار... تردد و تدبیر، تقصیر نکرده، اما! سه سال علی الاتصال از ممر آفت سماوی، آنقدر بهم نرسیده که به مواجبِ طلب داران، اکتفا کند. بدونِ مصالح و سرانجام، بندوبست این استخوان معلوم. خصوصاً پراگندگی زمیندار پرگنه چاندوکه سرکار بکر، در هر دو سرکار تخلل یافته است، و پسران قیصر زمیندار پرگنه کاهان و دیگر واقعه جویان این مرزوبوم که هنگامه ها را از خدا می خواهند... خیره شده، معه هذا احمد بلوچ زمیندار قلات، حینی که بختیار خان زنده بود، نیز یکبار آمده به افغان آویزش کرده و به مذکور نیز دست رسانید. حالا که، میرزا پسر بختیار خان در هم در افتاده اند، چنان خبر رسیده که احمد مذکور، قابو وقت دیده، باز جنبیده است. هنوز مشخص نشده که مطلبِ پرخاش با که دارد؟ و از کجا سر خواهد کشید؟ از روی صلاحِ دولت به خاطر ناقص رسیده که، چنانچه امارت پناه نصرت خان از ممر قرب و جوار واقف شده، در باب عفو تقصیر، از درگاه معلیٰ

درخواست نموده، پیرایۂ قبول یابد. از اقامت او برجای خود، هر آیینه این تگاپوی بی حاصل فرو نشیند. و الا هرچه پذیرای خاطر مبارک مز کیٰ آید، عین کرامت و محض ثواب است. بنده را لازم است که حقیقتِ ملك کما حقه به عرض مقدس معلی رساند.

حضرت سلامت! قریب پنج سال است که این فقیر زاده درین جا کشتی بر خشکی رانده به ضبط و مدارات عملی از روی پیش رفت کار آنچه دانسته، در مراتب جانفشانی به جان کوشیده و می کوشد. لیکن، الحال از عسرتِ وقت و حوادث متعدده چنان طاقت طاق شده، که پاس ناموس دعا گوی، درین جا معتذر است، و نمی تواند دید که عبث این هنگامه ها در ملك پادشاهی... در آید و از بی سر انجامی نشسته تماشا... به مردن راضی است. به مقتضای کار سرکار والا تجدید ونسق ملکداری اینست که خدمت این سرکار به یکی [از بندگان حضور] لامع نور مرحمت شود یا محمد یا فتحی پسر عیسیٰ ترخان خانه زاد درگاه والا، به منصب مناسب... او بفوجداری این سرکار، به چندین وجوه و واسطه درخورِ است... حضور قدسی ظهور شود که به شرف عتبه بوسی رسیده، حیات دو باره حاصل نماید. یا محمد فتحی به همین منصب، تهانه [تانه] نصرپور مفوض شود که تعنیات تته باشد. اگرچه هر کس ترقی خود می خواهد و عرض انکسار و تنزل دشوار می داند، اما، فقیر زاده جرد ضعیفی خود دیده. باوجودی که تا حال امری منافی نظم و نسق بسر نبرده، اما منصوبه که به نظر می آید، از پیش اندیشه بی کم و کاست به عرض التماس جسارت نموده ، چون ملك بادشاه و بنده پادشاه است، واجب بود به عرض رسانیدند.“ (۳)

مندرجہ بالا عرض داشت سے درجہ ذیل صورت حال واضح ہوتی ہے:

۱- یہ عرض داشت سہون کے فوج دار یا قلعہ دار کی لکھی ہوئی نظر آتی ہے، جوکہ عالمگیر کے دور میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں گورنر نصرت خان کا نام موجود ہے۔ جو کہ پہلی دفعہ ۱۰۸۰ھ میں ٹھٹہ میں تھا اور دوسری دفعہ ۱۱۰۰ھ میں مقرر کیا گیا۔ یہ عرض داشت پہلی مرتبہ (۸۰-۱۰۸۲ھ) میں کی گئی معلوم ہوتی ہے، ان کے اس پہلے دور میں میرزا فتحی زندہ تھا۔

۲- تین سال لگاتار آسمانی آفات کی وجہ سے سندھ کی زراعت برباد ہوگئی تھی، جس کے سبب مغل حکمرانوں کے اخراجات کے لیے رقم وصول نہیں ہوسکی تھی۔

۳- قحط سالی کی وجہ سے رقوم کی وصولی کے سلسلے میں ان پر کی گئی سختیوں سے چانڈوکہ پرگنہ کے زمینداروں میں پراگندگی پیدا کی تھی۔ جس کے لیے بکھر اور سہون کی سرکار پریشان تھیں۔ کاہان پرگنہ کے زمیندار قیصر خان کا بیٹا اس تحریک کا اک رہنما تھا۔ قلات کے زمیندار بھی اس سلسلے میں ان کے ہمدرد اور ہمنوا بتلائے گئے تھے۔

۴- ٹھٹہ کے گورنر نصرت خان سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی تھی جس کی معافی کے لیے دربار میں اس کی درخواست بھیجی گئی۔ عرض داشت لکھنے والے کا خیال ہے کہ نصرت خان چوں کہ ان حالات سے واقف ہے اس وجہ سے اس کو وہاں رہنے کی مہلت دی جائے، وہی اس تحریک کو ختم کرسکے گا۔

۵- عرض داشت لکھنے والے نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کو رہتے ہوئے پانچ سال ہوگئے ہیں اس عرصے میں اُس نے سارا وقت فاقہ کشی اور مصیبت میں بسر کیا ہے، اب اس میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ زیادہ کام کرسکے یا ہنگامہ آرائیاں اور تماشا دیکھتا رہے اور ان پر قابو پانے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکے۔

۶- 'تجدید و نسق ملکداری' کے لحاظ سے اُس کی تجویز ہے کہ مدمد

فتحی ولد میرزا عیسیٰ ترخان کو مناسب منصب دے کر مذکورہ علاقے (سہون) کی حکومت پر فوجدار بنا کر بھیجا جائے۔ کیونکہ وہی موزون ترین آدمی ہے، یا اسے نصرپور کے تھانے پر مقرر کردیا جائے اور وہ ٹھٹہ میں رہائش پذیر ہو۔

۷- اس عرض داشت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت میرزا فتحی کسی بھی عہدے پر فائز نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ عرض داشت لکھنے والے نے "به شرف عتبه بوسی رسیده، حیات دوباره حاصل نماید." کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

میرزا فتحی کی ناکارکردگی: مکتوبات کے اس مجموعے میں میرزا فتحی کے نام کسی بالادست کا لکھا ہوا خط موجود ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ: میرزا کے مقرر کردہ تمام گماشتوں کی بدکرداریوں اور خرابیوں کی شکایات بھی اس کے پاس پہنچی ہوئی ہیں، جن کے لیے میرزا کو تنبیہاً لکھا کہ اگرچہ کسی حد تک بے توجہی کی جاسکتی ہے، لیکن اگر اس روش پر کوئی ضابطہ نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ شکایات چلتے چلتے اس منزل پر پہنچ جائیں جہاں تلافی ممکن نہ ہو اور شرمندگی حاصل ہو۔ اسی بالادست نے ان کی امیر زادگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فی الحال صرف لفظی انتباہ پر اکتفا کیا ہے۔

مندرجہ بالا عرض داشت کے سلسلے میں ہمیں شک ہے کہ جس وقت مندرجہ بالا عرض داشت لکھی گئی، اس وقت میرزا فتحی زیر عتاب تھا۔ مندرجہ ذیل خط سے اس شبہ کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ ان کے اعمال کی زبونی اور اس گماشتوں کی غلط کاریوں کا آخر یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۰۸۰ھ میں اس کو معزول ہونا پڑا۔ خط کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

"رفعت و معالی پناه، میرزا محمد فتحی، محفوف العافیة باشد!

بعد هذا مستور نماند که، به مراتب کیفیتِ بی روشی و شیطنت بعض گماشتگان کهنه عمل آن رفعت پناه. که در آنجا اقامت و رزیده مصدر امور نامناسب می باشند- به گوش

رسیده- از سواد بزرگزادگی و احوال زمانه شناسی آن معالی انتعا رواداری این معانی، از بس غریب و تعهد نمود، چه سیاست نوکر باز گشت به جانب آقایش دارد، و از مردم با فهم و دور اندیش تجویز این معنی چه لائق. به مقتضای اغماض تحملی که به عنایت قسام حقیقی نصیب است، اگرچه رعایتِ حال هر یکی نموده چنین مقدمات را شنیده ناشنیده می شود، اما اندیشه آن باید که، مبادا قاله قاله به جای رسد که تلافی از متعذرات و اسباب ندامت گردد. نظر به امیر زادگی و اصالت اعتبار حالتِ شما به این جانب لازم بود که، در هرچه خیریت و بهبود باشد، رهنمونی کرده آید. یقین که بگوشِ هوش راه... مرتکبِ تهاون این مراتب نخواهد بود!" (۴)

وفات: میرزا فتحی غالباً سندھ میں فوت ہوا۔ بلکہ ان کے بیٹے میرزا محمد فضل اللہ کے خط سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت بکھر میں ہوئی۔ جب ان کا بیٹا فضل اللہ لاش حاصل کرنے کے لیے بکھر پہنچا، اس وقت اُس کے چچا زاد بھائی میرزا محمد مراد (ولد عنایت اللہ) نے اُس سے تکرار کی، جس کی شکایت اس نے نواب صاحب (؟) کے حضور میں یہ عریضہ لکھ کر کی:

"بندگان رفیع مکان امارت و... مرتبت، شوکت و ابهت منزلت، امیدگاه قدردان، ملجأ متوسلان، صاحب و قبله مهربان، فیض بخش فیض رسان، صاحبی نواب صاحب، جیو زید عمره سلامت!

بنده محمد فضل اللہ ولد محمد فتحی عرض نیاز و بندگی به تقدیم رسانیده، معروض می دارد که: چون خبر ارتحال والدِ مغفور به فقیر رسید، از بس یاس و شکستگی هیچ طاقتی نمانده بود. اما ازین مَمَر که آوردن نعش در عالم ناموس، ضرور و لابدی بود. لاجرم براه تری معه وابسته ها، عازم بکر گردید.

وقتی که درینجا رسید میرزا محمد مراد پیش از بنده در بکر رسیده طریقهٔ تعصب و عداوت پیش آورده، کاوش کردن گرفت. تا آنکه روزی که فقیر می خواست داخل حویلی شود، میرزا مذکور با جمعیت سوار و پیاده از مردم سمیجه وغیره، که همراه آورده بود سبقت نموده در حویلی خزیده به هنگام در آمد، احقر دروازه را مضبوط گرفته. شمشیرها و کتك و کلوخ بر سر کسانِ احقر-که جزوی بودند- ریختند، چنانچه چند آدم ازین طرف مجروح گشتند، و در بی ستری هیچ نمانده بود که درین اثنا، بعض مردمِ این دیار، درمیان آمدی، از هم جدا ساختند. وَ بر یتیم بیکس خیلی تطاول و زیادتی به وقوع آمد، که درین ملك اجنبی، کس نیست که به فریاد من رسد و اکنون ملاحظ دارد که چنانچه درین جا در اضرار فقیر هیچ فرونگذاشت مبادا به کسان متعبه محال جاگیر تته نیز متعرض گردد لاجرم مصدع اوقاتِ حسنات گردیده که، تدارك این معنی به ذات کریم الصفات وابسته است، مهربانی فرموده حسبة لله این حقیقت را به خدمت بندگان خانصاحب و قبله برنگارند، که بخشودن بر یتیمان بیکس اجرها دارد... زیاده چه عرض نماید؟ دولت و اقبال مستدام!" (۵)

مندرجہ بالا عرضداشت سے یہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں:

۱- میرزا فتحی غالباً سکھر میں فوت ہوا۔ اور فضل اللہ اس وقت سندھ سے باہر تھا۔ باپ کی وفات کی اطلاع ملتے ہی کشتیوں کے ذریعے بکھر پہنچا۔

۲- ان کا چچا زاد بھائی میرزا محمد مراس اس سے پہلے بکھر پہنچا تھا۔ جس نے فضل اللہ کی آمد پر تعصب اور عداوت کے سبب اس سے جنگ کی، سمیجہ قبائل، محمد مراد کی مدد کررہے تھے۔ فضل اللہ کو حویلی میں داخل ہونے سے روکا گیا، جس کے سبب

کئی لوگ زخمی ہوئے۔ آخر کچھ معزز لوگوں نے آکر جھگڑا ختم کروایا۔

۳- فضل اللہ کو خطرہ تھا کہ ٹھٹہ پہنچنے پر مبادا کہیں دوبارہ میرزا محمد کے لوگ اس سے جھگڑا کریں۔ اس لیے یہ ماجرا نواب صاحب (؟) کو لکھتے ہوئے درخواست کی کہ خان صاحب قبلہ (؟) کی خدمت میں تمام روئداد پہنچا کر تدارک کروایا جائے۔

۴- اس درخواست سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کی اولاد کو سندھ سے کوئی خاص انس اور تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ بیٹے، نواسے اور پوتے سب ہندوستان میں پیدا ہوئے، محض ملازمتوں کی غرض سے کبھی کبھی، یہاں چلے آتے۔ البتہ قبرستان سندھ میں ہی تھا، یہی وجہ ہے کہ فضل اللہ نے سندھ کے لیے 'مُلكِ اجنبی' کے الفاظ لکھے ہیں اور خود کو سندھ میں لاوارث کہا ہے۔

۵- میرزا فتحی کی وفات کے زمانے میں (۱۰۹۳ھ) میرزا محمد مراد کو ٹھٹہ کی طرف جاگیر ملی تھی۔

۶- مندرجہ بالا عرض داشت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کا آپس میں باہمی ربط ضبط برقرار نہ رہا۔ ایک دوسرے سے شائستہ سلوک نہیں کرتے تھے۔

قبر: میرزا فتحی سال ۱۰۳۹ھ میں فوت ہوا۔ بکھر سے اس کی لاش فضل اللہ نے لاکر دادا کے مقبرے کے اندر مکلی میں دفن کی۔

میرزا کی قبر گنبد میں مرکزی چبوترے پر مشرق سے پہلے نمبر پر ہے۔ قبر کا کتبہ پتھر کا ہے۔ چاروں طرف قرآنی آیات کندہ ہیں۔

لا الہ... بسم اللہ... تبارک الذین... بماءٍ معین. قل یا عبادی الذین... ھو الغفور الرحیم. کل شیء ھالك... و علیه ترجعون. شهداللہ انه... ھو العزیز الحکیم. کل من علیها فان... والاکرام. اللہ لا الہ الا ھو الحیّ القیوم... ھو العلی العظیم. آمن الرسول بما انزل الیه من ربه... ان نسینا او اخطانا.

قبر کے بائیں یہ تاریخی کتبہ ہے:

چون فتحی میرزا ازین دار فنا
در ملك بقا گرفته آرام
رضوان تاریخ رحلتش گفت
فتحی به ارم نموده آرام
۱۰۹۳ھ

اولاد

فضل اللہ: میرزا فتحی کی اولاد میں فقط میرزا فضل اللہ کی پہچان، مذکورہ خطوط اور عرض داشتوں کے ذریعے ہوئی ہے۔ خاص فضل اللہ کے بارے میں دو اور خطوط بھی ہم کو ملے ہیں، جن سے حاصل شدہ احوال نقول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

کھیروں کی تھانیداری ۱۱۱۱ھ: ایک نشان کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا فضل اللہ ۱۱۱۱ھ میں کھیر پرگنہ کا تھانے دار تھا، اس نشان کی نقل یہ ہے:

> نشان عالی، به نام فضائل خان. شانزدهم (۱٦) صفر سنه٤٤ براه داك روانه حضور مطلع النور گشت. آنکه سیادت پناه، لائق العنایت والاحسان، قابل المرحمت والامتنان، فضائل خان، مفتخر و مباهی بوده بداند که!
>
> عبدالحافظ و حرزانه (٢) پسران حفظ الله خان، خانه زادان موروثی و کار آمدنی و شائستهٔ تفضل جنابِ فضل و کرم اند. اولین که به نیابت پدر به تقدیم خدمتِ فوجداری قلعه گلبهلك (؟)- مضاف صوبهٔ پنجاب- قیام دارد. باوجود دو صد سوار، مشروط خدمت مذکوره، نظر بر کار پادشاهی جمعیت بسیار نگاه داشته بندوبست آن ضلع- که از مدتی مختل بوده- وتنبیه مفسدان و ترفیه رعایا کما ینبغی درست نموده. و از دو من لوازم حسن رفاقت برادر به ظهور می رسد.

والحال که آنها جوان قابلِ بندگی، درگاه خلایق پناه شده اند، و برای هر کدام سامانی علیحده می باید، و مصالح مشروط خدمت مذکوره به غایت قلیل است، خان مسطور از عهده سر انجام ضروریات آنها، نمی تو اند بر آمد. اگر از پیشگاه خانه زاد نوازی، عبدالحفاظ به منصب چهار صدی ذات دو صد سوار، سرفراز شود، گنجایش دارد. و پرگنه کیبران مضاف صوبه تته همگی چهار لك دام جمع دارد تانه [تهانه] داری آنجا به هشتاد سوار مشروط، به فضل الله ولد فتحی ترخان، متعلق است، و ناشائستگی اوضاع و زبونی علمش، مکرر به عرض مقدس و معلیٰ رسیده و تعلق خدمت آن محال، به این قدر مصالح گنجایش ندارد... اگر آن پرگنه به جاگیر و فوجداری، خان مسطور مقرر شود بدون مصالح مشروط به کار آنجا به از دیگران می تواند پرداخت. و درین صورت کفایت سرکار والا و انتظام کارهاست. باید که آن سیادت پناه در وقت نیك به عرض اقدس ارفع و اعلیٰ برساند! و توجهات ما را نسبت به حال خود، روز افزون شناسد. ١٤ ماه صفر ٤٤ (٧)

مندرجہ بالا نشان مندرجہ ذیل حقائق کو ظاہر کرتا ہے:

۱- یہ 'نشان' ۴۴ سال عالمگیری (۱۱۱۱ھ) میں لکھا گیا ہے مغلیہ دار الانشاء کے مقرر کردہ قانون کے مطابق 'نشان' اُس مراسلے کو کہا جاتا تھا، جو کہ شاہی خاندان کا فرد، بادشاہ یا اپنے خاندانی بزرگوں کے علاوہ، کسی اہم شخص کو لکھتا تھا۔

۲- چنانچہ اس نشان کا لکھنے والا شہزادہ معظم ہے۔ جو اُس زمانے میں پنجاب کا گورنر تھا اور ان کی جانب سے حفظ اللہ خان جو کہ بعد میں ٹھٹہ اور سہون کا گورنر ہوا، پنجاب میں نیابت کررہا تھا۔

۳- شہزادے نے یہ نشان فضائل خان (۸) کے لیے لکھا تھا جو اُس سال عالمگیر کا منشی بیوتات تھا۔ لکھا ہے، اور اسے حفظ اللہ خان کی

بیٹوں کی سفارش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس وقت دونوں جوان ہوچکے ہیں، فی الحال باپ کی طرف سے قلعہ گلبھلک (؟) کی فوج داری پر مامور ہیں، لیکن بادشاہ کی جانب سے ان دونوں کو جدا جدا منصب عطا کیے جائیں۔ تاکہ ہر ایک اپنی رائے اور محنت سے شاہی خدمت کرتا رہے۔"

۴- تجویز یہ کی گئی ہے کہ عبدالحافظ (۹) کو چہار صدی منصب عطا کرکے اسے سندھ میں کھیبران پرگنہ کی جاگیر اور فوج داری دی جائے۔ جس کی آمدنی ۴ لاکھ دام تھی۔ یقین دلایا گیا ہے کہ عبدالحافظ اس پرگنہ کو اچھی طرح سنبھال لے گا۔

۵- یہ پرگنہ اس وقت فضل اللہ کی تھانے داری میں تھا، جس کے لیے شہزادے کا کہنا ہے کہ وہ نا اہل ہے۔ اس نے انتظام خراب کردیا ہے اور اس سے قبل بھی شاہی دربار تک اس کی "ناشائستگیِ اوضاع اور زبونیِ عمل" کی شکایات پہنچتی رہی ہیں۔

فضائل خان کو آخر میں تاکید کی گئی ہے کہ: وہ کسی نیک ساعت شاہی حضور میں یہ عرض پہنچاکر، حکم جاری کروائے۔ یہ نشان ۱۴ صفر ۱۱۱۱ھ (سنہ ۴۴ عالمگیری) کو لکھا گیا اور اسی مہینے کی ۱۲ تاریخ کو ڈاک چوکی کے ذریعے دہلی بھجوایا گیا۔

سرکار سہون کی فوجداری ۱۱۱۳ھ: فضل اللہ کے سلسلے میں ایک دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمادی الثانی ۱۱۱۳ھ (سنہ ۴۶ عالمگیری) کو سہون میں فوج دار ہوکر پہنچا، وہ خط دراصل عرضیہ ہے جوکہ سندھ سے کسی سرکاری عہدے دار نے کسی مرکزی بالادست کے لیے بھیجا ہے۔ عریضے کی عبارت یہ ہے:

"و... می رساند کہ ٥ شهر جمادی الثانی سنہ ٤٦ بہ موجب امر عالی، فضل اللہ بہ نیابت فوجداری سرکار سوستان داخل قلعہ گردید.

خانہ زاد بہ مقتضای فدویت، فضل اللہ مذکور گفتہ فرستاد کہ: هنگام گرد آوری سال سرکار والاست، تانہ [تھانہ] داران

خود در تپه کجیره و پرگنۀ بوبکان و پرگنۀ سن- که اندکی ازبیمِ غنیم لئیم، در جان اند- بفرستند، تا سلسلۀ بندوبست انتظام پذیر گردد. جواب داد که: بی امر عالی نگاه داشتن سپاه سوای ضابط متعذر. مطابقِ منصب، سی وچهار سوار نگاه داشته ام، ازان جمله چندی برای استحکام تانه [تهانه]جات هاله کندی و کهیران گذاشته. معدودی برای شهر مقرر هستند.

قبلۀ عالم و عالمیان سلامت! حقیقت تسلط مفسدانِ این دیار، به جناب عالمتاب روشن و هویدا . درین ولا از دریافت خصوصیات اوضاع و اطوارش، معلوم شد که: در صورت متوجه شدن رایات به این سمت، عزم تاخت مصمم دارد. از آنجا که مقاهیر خذلان پذیر، در پرگنه کاهان دوازده کروه از سوستان اقامت دارد. جمعی که، از جانب گردون رکاب روانه این صوب شده، تا حال نرسیده، وامر والا در بان نگاه داشتن جمعیت سرکار نظم و نسق به فدوی شرف اصدار نیافته، وامارت پناه سعید خان ناظم معزول، سپاه خود بر طرف نموده پربجد است که: قیصر زمیندار پرگنۀ کاهان که حبسِ او بود، به خانه زاد حواله نماید، درس او از خانه زاد بگیرد. خانه زاد اگرچه درکار... تا جانِ خود را دریغ ندارد، لیکن بدون جمعیت که باعثِ امنیت ملک است، در گرفتن زمیندار مسطور متردد است.

به هر تقدیر، به حکمت عملی نظر بر صلاح زمان و بر آمد کارِ و کلای سرکار عالی، عاملان را در پرگنات مذکوره و بر محال سایر قصبۀ سوستان مقرر ساخته، با سر گروه مفسدان در مقام دلاسا واستمالتِ عنایات والا افضال است . اگر استادهای حضور پر نور بر این برابت، تا زینت افزای گردیدن رایات عالیات درین ملك، اورا مشمول دلاسا دارند مثمر مدعا

و متضمن مصلحت امور اینجا ست. کشتی های پر بار متاع بیوپاریان از تته به این صوب می آمدند، هنگام رسیدن بر گذر هاله کندی فضل الله مسطور، مبلغی از محصول از آنها، متصرف شد. به تاریخ ۱۱ شهر صدر، داروغه های محالات سایر و بندر لاهری درینجا رسید، سید فتح الدین که به خدمت داروغگی محال سایر سوستان مقرر بود، سر گرم کار گردیده، و داروغه های محالات تته روبرو روانه شدند. خانه زاد را معروض داشتن لازم بود، به نحوی که امر جلیل القدر به سرعت شرف نفاذ یابد، کار بند گردد... واجب بود به عرض رسانیدن." (۱۰)

مندرجہ بالا عریضہ ۱۱۱۳ھ کا ہے۔ ۱۱۱۲ھ میں ٹھٹہ اور سہون کا صوبے دار نواب حفظ اللہ خان- جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے- سہون میں پل بنواتے ہوئے لُو لگنے کے سبب فوت ہوا۔ (۱۱) جس کے بعد اسی سال یا ۱۱۱۲ھ کی ابتداء میں سعید خان (معروف بہ خانہ زاد خان متوفی ۱۱۱۶ھ) کو ٹھٹہ اور سہون کا صوبے دار مقرر کرکے بھیجا گیا، جس نے اپنے بیٹے ارشاد خان کو نائب مقرر کیا اور خود ٹھٹہ میں رہنے لگا۔ سعید خان جلد ہی معزول ہوگیا اور وہ ابھی سندھ میں ہی تھا کہ فضل اللہ کو فوج دار مقرر کرکے سہون روانہ کیا گیا۔ مندرجہ بالا خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ جمادی الثانی کو فضل اللہ سہون کے قلعے میں داخل ہوا۔

عریضے سے مزید چند مندرجہ ذیل حقائق پر روشنی پڑتی ہے:

۱- فضل اللہ جس وقت سہون پہنچا، اس وقت لگان کی وصولیوں کا وقت تھا۔ خط لکھنے والے کا قول ہے کہ: کجیروں کے تپہ اور سن اور بوبکوں کے پرگنوں میں غنیم(؟) کے ہراس کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ اس لیے فضل اللہ نے فوراً اپنے تھانے دار وہاں روانہ کرے، تاکہ سرکاری وصولیابی میں خلل واقع نہ ہو۔ لیکن اس نے ایسا کرنے سے مجبوری ظاہر کی۔ کیونکہ از روی منصب اس کے پاس نہ اتنے لوگ تھے اور نہ روپے۔

۲- فضل اللہ کے پاس منصب کے ظرف کے مطابق جملہ ۴۳ سوار تھے۔ جن میں سے کچھ سوار اس نے کھیبران اور ہالہ کے تھانوں کی طرف نگہداشت کے لیے روانہ کردیے تھے۔

۳- مذکورہ سال میں سندھ کے اندر شورش تھی۔ جس سبب مغلوں کے لوگ پریشان تھے۔ کاہان کے زمیندار قیصر کو گرفتار کیا گیا تھا جو اتنا طاقتور تھا اور اس حد تک مغلوں کے کارندوں کی حالت زبوں تھی، کہ عریضے لکھنے والے کو معزول شدہ صوبے دار نے ان کے حوالے کرنا چاہا، لیکن اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کی نگہداشت کرسکے۔

۴- غالباً کوئی شہزادہ سندھ میں اپنی فوج سمیت آکر ٹھہرا تھا، تاکہ سندھ میں جو تحریک شروع ہوئی تھی، اس کا تدارک کرے۔ عریضہ نویس اس کے لیے سخت انتظار دکھاتے ہوئے لکھا ہے کہ مخالف گروہ کاہان میں منزل انداز ہے اور روانگی کی تیاری کررہا ہے۔

۵- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معزول شدہ صوبے دار سعید خان جمادی الثانی سے قبل بلکہ غالباً جمادی الاول میں معزول ہوچکا تھا۔ مخالف تحریک کا سرخیل قیصر خان اُس کے پاس نظر بند تھا، جس کو وہ سندھ چھوڑنے سے قبل عریضہ لکھنے والے کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔

۶- عریضہ نویس نے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ: پیدا شدہ تحریک کے سلسلے میں حکمت عملی سے کام لینا ضروری ہے۔ لہٰذا تحریک کے علم برداروں کو آسرے اور دلاسے دے کر رکھنا چاہیے کیونکہ مصلحت اور وقت کا تقاضا یہی ہے۔

۷- عریضہ بھیجنے والے نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ ہالا کے پتن پر جب ٹھٹہ کے سوداگروں کی کشتیاں پہنچیں تو ان سے محصول کی وصولی مذکورہ فضل اللہ نے کی۔

مندرجہ بالا خط ممکن ہے کہ سہون کے ناظم کا لکھا ہوا ہو۔ اس

وقت سندھ کا یہ صوبہ عالمگیر کے کسی بیٹے کی جاگیر میں شامل تھا، جس کے لیے یہ عریضہ بھیجا گیا۔

میرزا فضل اللہ کے متعلق فی الحال مذکورہ بالا احوال سے زیادہ کوئی بھی حقائق دستیاب نہیں ہوسکے۔ ۱۱۱۳ھ کے بعد وہ کہاں رہا؟ کب فوت ہوا؟ اس کی قبر کہاں ہے؟ یہ سب باتیں خدا ہی کو معلوم ہیں۔

(۱۳)

میرزا عنایت اللہ:

میرزا عنایت اللہ عیسیٰ کا بڑا بیٹا تھا۔ (۱۲) باپ کے بعد خاندان میں اس کی شخصیت اہم تھی۔ عمر بھر وہ دربار شاہی سے مختلف اعزاز اور منصب حاصل کرتا رہا۔

اُس کی پیدائش کی تاریخ یا ابتدائی زندگی کے بارے میں علم نہیں، لیکن قیاساً کہہ سکتے ہیں کہ سندھ میں پیدا ہوا اور امکان یہ ہے کہ اسی بی بی کی اولاد تھا، جو میرزا جانی کی چچی تھی اور اس نے میرزا عیسیٰ کو ماموں کے ہاں سے ٹھٹہ واپس بلوا کر ان کی شادی کروائی تھی۔

میرزا کی سرگذشت حیات کے چند واقعات ہم کو دستیاب ہوئے ہیں، جو کہ سال کی ترتیب سے نیچے بیان کیے جاتے ہیں:

اکبر آباد ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ: در حقیقت میرزا عنایت اللہ کے احوال کی ابتداء تاریخ میں اسی دن سے ہوتی ہے، جب باپ کے حکم پر وہ گجرات سے شاہجہاں کے ساتھ اکبر آباد روانہ ہوا۔

میرزا عیسیٰ کی سرگذشت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ، بادشاہ دکن سے اکبر آباد تخت نشینی کے لیے جاتے ہوئے ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو گجرات میں آکر رکا، جہاں میرزا عیسیٰ کو ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۳۷ھ کو ٹھٹہ جانے کا حکم دے کر، خود اکبر آباد کے لیے کوچ کیا۔ ترخان نامہ کا

قول ہے کہ میرزا عیسیٰ نے اپنا بڑا بیٹا میرزا عنایت اللہ ایک ہزار سواروں سمیت شاہی رکاب میں روانہ کیا۔

"میرزا عیسیٰ ترخان، با ہزار سوار میرزا عنایت اللہ پسر کلان خود را، همرکاب همایون نموده." (۱۳)

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا عنایت اللہ ۱۰۳۲ھ سے لے کر ۱۰۴۳ھ تک باپ کے ساتھ گجرات میں تھا اور شاہجہاں بادشاہ سے اس کا پہلا تعارف بھی اسی موقع پر ہوا، جب گجرات سے اُس کا اردل بن کر روانہ ہوا۔ اگرچہ یہ دستور تھا، لیکن بیٹے کو ساتھ بھیجنے سے میرزا عیسیٰ کا ایک مطلب یہ بھی ہوگا کہ وہ بادشاہ سلامت کی نظر اشرف اور ملاحظے میں آجائے۔ بہرحال اِس مقصد کے لیے اس سے زیادہ اور کون سا بہتر موقع ہوسکتا تھا۔

عہد جہانگیری تک میرزا عنایت اللہ کے متعلق ہمیں کوئی بھی شہادت نہیں ملتی کہ وہ کس سرکاری منصب یا عہدے پر فائز تھا۔ شاہی منصب دار کی حیثیت میں اس کی زندگی کا آغاز شاہجہانی دور کی ابتداء سے سمجھنا چاہیے۔

منصب ۱۰۴۷ھ: بادشاہ نامہ کے مؤلف نے، شاہجہاں کی پہلی دہائی (۱۰ دن) کا احوال پہلی جلد میں دیا ہے۔ پہلی دہائی ربیع الثانی ۱۰۴۷ھ میں ختم ہوتی ہے۔ جلد کے آخر میں عنایت اللہ کو "هشتصدی چهار صد سوار" کے منصب داروں میں دکھایا گیا ہے۔ (۱۴) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۴۷ھ تک میرزا کا منصب یہی تھا۔

اضافہ جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ: میرزا عیسیٰ سورٹھ کا فوج دار تھا۔ بادشاہ کی منزل پنجاب (بھیرہ) میں تھی۔ (۱۵) جمادی الثانی کو میرزا عیسیٰ کے منصب میں اضافے کا فرمان اسی مقام سے جاری ہوا اور میرزا عنایت اللہ کے منصب میں بھی اسی دن اضافہ کیا گیا۔ بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"و عنایت اللہ پسر کلان او، به منصب هزاری ذات و پانصد سوار از اصل و اضافه سرفراز گردید." (۱۶)

اس زمانے میں وہ کس عہدے پر پہنچا؟ اور کہاں تھا؟ اس کا علم

نہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ میرزا اس فرمان کے جاری ہونے کے وقت بھیرہ میں شاہی منزل پر حاضر تھا۔ اکثر وہ خود یا اُس کا بھائی محمد صالح سرکاری کام کاج کے سلسلے میں اپنے باپ کی جانب سے شاہی دربار میں وقت بوقت حاضر ہوتے رہتے تھے۔

سورٹھ کی فوج داری، محرم ۱۰۵۲ھ: میرزا عیسیٰ کے احوال میں بتایا جاچکا ہے کہ بادشاہ نے گجرات کے صوبے دار اعظم خان کو بد انتظامی کے سبب تبادلہ کرکے سورٹھ سے میرزا عیسیٰ کو بلوا کر، گجرات کی صوبے داری پر فائز کیا تھا۔

میرزا عیسیٰ کی جاگیر سورٹھ میں تھی اور زیادہ عرصے تک رہنے کی وجہ سے سورٹھ گویا میرزا کا وطن ہوچکا تھا۔ غالباً اسی سبب بادشاہ نے اس کی جگہ پر عنایت اللہ کی فوج داری کا پروانہ جاری کیا اور اسی وقت (۱۲ محرم) اس کے منصب ہزاری میں اضافہ کرکے دو ہزاری کردیا۔ میرزا عیسیٰ کے اس تبادلہ کا ذکر کرتے ہوئے بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

> ”ضبط سرکار سورت به عنایت اللہ ولد موسی الیه مفوض گشت، واز اصل و اضافه اورا به منصب دو هزاری و هزار و پانصد سوار... نواختند۔“ (۱۷)

اس موقع پر اس کے چھوٹے بھائی محمد صالح کا منصب بھی بڑھایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بادشاہ ان پر زیادہ مہربان تھا، ایک ہی گھر کے تین افراد کو ایک ہی وقت انعام سے نوازنا معمولی بات نہیں تھی۔

میرزا عنایت اللہ کا پہلا منصب ہزاری ذات و پانصد سوار تھا اور اب ایک ہزار ذات اور ایک ہزار سواروں کا اضافہ کرکے دو ہزاری میں داخل کیا گیا۔

عَلَم، رجب ۱۰۵۴ھ: شاہی دربار سے عَلم عطا ہونا گویا بڑی عزت اور ایک امیر کے لیے انتہائی سرفرازی کی دلیل ہوتی تھی اور تمام اہم خدمات کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے بعد ہی عَلم عنایت کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا

ہے کہ میرزا عنایت اللہ نے باپ کی جگہ پر سورٹھ کی فوج داری میں رہ کر نہ صرف اپنے دستوری فرائض پوری طرح انجام دیے، بلکہ کچھ ایسے خاص اور اہم کام بھی کیے کہ بادشاہ نے اس کو قابلِ عزت و احترام سمجھا۔

عزت افزائی کا یہ حکم، غالباً ۱۴ رجب کو جاری ہوا۔ اس تاریخ کے روزنامچے میں بادشاہ نامہ کے مؤلف نے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"۔ عنایت اللہ ولد میرزا عیسیٰ صوبہ دار در گجرات، بہ عنایت علم عزو افتخار اندوخت۔" (۱۸)

مراۃ احمدی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: "مرزا عنایت اللہ کو عَلم کے ساتھ نقارہ بھی عنایت ہوا۔"

"عنایت اللہ... فوجدار جونہ گر بہ عنایت علم و نقارہ رتبۂ بلندی یافت۔" (۱۹)

لیکن نقارے کی تصدیق بادشاہ نامہ سے نہیں ہوتی۔

فوجداری کا اختتام، ذی الحجہ ۱۰۵۴ھ: ہم اوپر میرزا عیسیٰ کے بیان میں یہ کہہ چکے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی ذاتی مصلحتوں کی وجہ سے گجرات کی صوبے داری عالمگیر کے سپرد کی اور میرزا کو بلواکر اپنی اصلی جاگیر اور عہدے پر سورٹھ روانہ کیا۔(۲۰) یہ تبادلہ ۲۹ ذی الحج کو ہوا۔ چنانچہ باپ کے پہنچنے کے بعد میرزا عنایت اللہ سورٹھ کی فوج داری سے سبکدوش ہوا۔

منصب: بادشاہ نامہ کے مؤلف نے میرزا کو دو ہزاری منصب داروں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ (۲۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورٹھ کی فوج داری پر محرم ۱۰۵۲ھ میں مقرر کرتے وقت اُنھیں شاہی دربار سے جو منصب عطا ہوا، اس میں اور اضافہ نہ ہوا، بلکہ وہی دو ہزاری و ہزار صد پانصد سوار تھا۔

وفات، ۱۰۵۸ھ: میرزا سورٹھ کی فوج داری سے ۱۰۵۴ھ کو سبکدوش ہوا۔ جس کے بعد فقط چار سال تک ان کی زندگی رہی۔ ان چند سالوں کے متعلق ہمیں معلومات نہیں ملتیں۔ ان کی وفات کی اطلاع ماثر الامراء سے ان الفاظ میں ملتی ہے:

"عنایت اللہ خلف کلانش، کہ عمدہ بود در سال بیست و یکم (۱۰۵۸ھ) در گذشت." (۲۲)

قبر: مرزا کی وفات سورٹھ میں ہوئی ہوگی، جہاں سے اس کی لاش ٹھٹھ لاکر مکلی کے قبرستان میں اسے باپ کے مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا۔

اس کی قبر مرکزی چبوترے کے دائیں اور بائیں سے ۴ نمبر پر یعنی اپنے والد کے پہلو میں موجود ہے، پائیں کتبے پر یہ عبارت کندہ ہے:

۱- تاریخ وفات مرحوم

۲- میرزا عنایت اللہ ۱۰۵۸ھ

قبر کے پتھر پر چاروں جانب قرآنی آیات خوبصورت خط میں کندہ ہیں۔

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ. قال اللہ تعالیٰ: قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمة اللہ... غفور الرحیم. کل شیءِ ھالک... ترجعون. قال اللہ تعالیٰ: لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا... آمنین. محلقین روسکم... فتحا قریبا. ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق... محمد رسول اللہ. والذین معمہ اشداء علی الکفار... من اثر السجود ذالک مثلھم فی توراة. وعداللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات منھم مغفرة واجرا عظیما. یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذرو البیع ذالکم... واللہ خیر الرازقین. قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ان الذین آمنوا و عملو الصالحات کانت لھم جنات الفردوس نزلا... بعبادة ربہ احدا. بسم اللہ... تبارک الذین بیدہ الملک... یاتیکم بماء معین.

میرزا اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہوا اور باپ اس کے بعد تقریباً ساڑھے چار سال تک زندہ رہا۔

پہلی لاش: بیان کیا جاتا ہے کہ میرزا عیسیٰ کی راتک پر ۱۷ سال تک کام ہوتا رہا۔ اسی حساب سے مقبرہ ۱۰۵۴ھ میں مکمل ہوا۔ گویا مکمل ہونے کے بعد اس میں پہلی لاش میرزا عنایت اللہ کی دفن کی گئی۔

اولاد: میرزا عنایت اللہ کی تمام اولادوں کا احوال دستیاب نہیں۔ ترخان نامہ بھی خاموش ہے، فقط نسب نامہ میں ان کے بیٹوں کی اولاد کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

۱- میرزا داراب
۲- میرزا غازی (ثانی)
۳- میرزا مظفر (ثانی)
۴- میرزا مراد
۵- میرزا ایرج

ان میں سے میرزا داراب اور میرزا غازی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا، حتیٰ کہ یہ بھی علم نہیں کہ وہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہوئے؟

میرزا مظفر کی اہلیہ: میرزا مظفر کے بارے میں بھی وہی صورت حال ہے، البتہ آپ کی اہلیہ کی قبر میرزا عیسیٰ کے احاطے میں شمالی دیوار کے ساتھ الگ ایک چبوترے پر موجود ہے، جس کی قبر پر پائیں یہ کتبہ ہے:

۱- عصمت پناہ ولینعمت میرزا مظفر
۲- بتاریخ ۱۰ شہر جمادی الثانی
۳- ۱۰۸۲ھ به رحمت حق شده

قبر کے چاروں اطراف درج ذیل آیات قرآنی کندہ ہیں:

لا الہ الااللہ... بسم اللہ... تبارک الذین... یاتیکم بماء معین.

اسی چبوترے پر دوسری قبر بھی موجود ہے، جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

میرزا محمد مراد: فضل اللہ اور میرزا محمد مراد کے سلسلے میں اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ ۱۰۹۳ھ میں نقل شدہ عریضے کے مطابق محمد مراد کی ٹھٹہ میں جاگیر تھی اور سمیجہ قوم اس کی پشت پناہ تھی۔ میرزا عیسیٰ کی یہ ننھیال تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاندان کے لوگ بعد میں بھی سمیجوں سے رشتہ داریاں کرتے رہے۔

جہانگیر آباد، ہاکڑہ اور ساوڑہ: ایک تاریخی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد مراد سندھ میں جہانگیر آباد، ہاکڑہ اور ساوڑہ کا تھانے دار تھا۔

جہاں اپنے قیام کے دوران اس نے نہایت عمدہ انتظام رکھا۔ خط کی عبارت اس طرح ہے:

"مسندِ ابہت و کامرانی و وسادۂ مکنت و مہربانی، به ذات بابرکات صدر آرای انجمن امارت و اقبال، بهار پیرای گلشن... و اجلال، خان والاشان، قدردان صداقت نشان، آراسته و پیراسته باد!

بعد ادای ادعیه اجابت طراز و اثنیۂ نیاز پرداز، مشهود ضمیر خورشید نظر می گرداند که: بعد دریافت خصوصیات این صوبه ظاهر شد که پیش ازین، صوبه جهانگیر آباد و هاکره و ساوره متعلقه سرکار نصرپور- به محمد مراد نبیره میرزا عیسیٰ ترخان مقرر بود به حسنِ ضبط و ربطش، مفسدان مجال شوخی و شیطنت نمی یافتند، و رعایا و برایا به فراغ خاطر اشتغال به کسب و کارخود داشتند- ظاهرا اشغاثه بعض مردم- که بر آئینه از راه افترا به تحریك اهل غرض خواهد بود. باعث عزلش گردید. و بعد تغیر او، تانه جهانگیر آباد به محمد باقی تقویض یافت. به علت زبونی عملش، متمردان مصدر حرکات دور از کار و متوطنین و مسافرین مورد اضرار و آزار، می شوند. وتانه هاکره و ساوره که سر راه قوافل احمد آباد و جیسلمیر و ملتان است. تا حال خالی و آمد و شد قوافل اطراف مذکوره، در موانع مزاحمت نشده آنجوانب است، و فکر بندوبست این تانه جات وحفظ حال خلائق لازم. نظر بر صلاح امور، امیدوار است که، این معانی معروض مقدس گردیده، تانه داری آن محال به محمد مراد مسطور- که خانه زاد موروثی و بندۂ کار آمد و بی تقصیر است- به دستور سابق مقرر شود، تا سر رشتۂ نظم امور آن امکنه مضبوط گردد! زیاده مهربانی و قدر دانی باد! (۲۳)

مندرجہ بالا خط کا حاصل یہ ہے کہ:

۱- جہانگیر آباد، ہاکڑہ اور ساوڑہ کے صوبہ جات جو کہ نصرپور کی سرکار میں تھے، محمد مراد ترخان کے تحت تھے۔
۲- اپنے دور میں اس نے بہت اچھے انتظامات کیے۔ مخالف تحریکیں بند ہوگئیں۔ بقول عریضہ نویس: رعیت اطمینان سے اپنے کام کاج میں مشغول تھی، کہیں کوئی گڑبڑ کبھی نہیں ہوئی کسی کو بھی شکوہ شکایت نہ تھی۔
۳- کچھ خود غرض لوگوں کی رپورٹوں پر جس کا مطلب تھا کہ فتنہ اور فساد ہوتا رہے۔ محمد مراد کو معزول کیا گیا۔
۴- ان کی جگہ پر محمد باقی نامی ایک منصب دار کو مذکورہ علاقے کا عمل دار بناکر بھیجا گیا۔ جس نے آکر انتظام خراب کیا، ملک میں بدامنی پیدا ہوئی۔ آنے جانے کے راستے مسدود ہوگئے قافلوں نے آنا جانا بند کردیا۔ یہی تھانے آمد و رفت کے لحاظ سے اہم جگہ پر تھے۔ ہاکڑہ اور ساوڑہ، احمد آباد، جیسلمیر اور ملتان کی شاہراہوں پر تھے۔
۵- عریضہ نویس نے (؟) گذارش کی ہے کہ ان علاقوں کی تھانے داری پھر محمد مراد کے سپرد کی جائے۔ کیونکہ وہ نہ صرف موروثی خانہ زاد ہے، بلکہ نہایت کارآمد، موزوں اور برجستہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بے قصور بھی ہے۔ اس کے آنے سے یقینا انتظام بہتر ہوجائے گا اور ملک کا یہ حصہ دوبارہ سکھ کی سانس لے سکے گا۔

میرزا مراد کے سلسلے میں فقط اتنی ہی معلومات مل سکی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت برجستہ آدمی تھا۔ انتظام چلانے کا اس کو خاص سلیقہ تھا اور سندھ میں اس نے سمیجوں کے ساتھ مل کر اتنی قوت حاصل کرلی تھی کہ فضل اللہ کو بے بس کردیا تھا اور اس کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ عرض داشت لکھ کر بالادستوں سے انصاف طلب کرے، ٹھٹہ سے باپ کی لاش لے جانے میں بھی اسے تردد اور خدشہ تھا۔

میرزا مراد کب فوت ہوا؟ اس کی قبر کہاں ہے؟ اس سلسلے میں
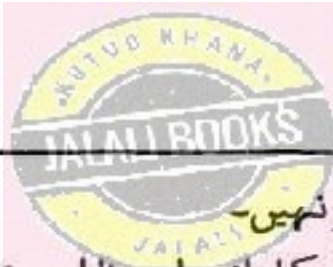
کوئی بھی معلومات میسر نہیں۔

میرزا ایرج: میرزا عنایت اللہ کا پانچواں بیٹا ایرج تھا۔ جس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکا۔ سوائے اس بات کے کہ اُس کی قبر دادا کے مقبرے میں داہنے ہاتھ تیسرے نمبر پر اور الٹے ہاتھ چھٹے نمبر پر ہے۔ یعنی اپنے باپ کے بائیں پہلو میں دفن ہے۔

قبر کا کتبہ: قبر کے پائیں میرزا ایرج کی وفات کی تاریخ کتبے پر اس طرح لکھی ہوئی ہے:

۱– به تاریخ ۲۰ شهر شوال ۱۰۶۱ھ قرة العیون

۲– میرزا ایرج از دار فنا

۳– به دار البقا رحلت نمود

قبر کے چاروں جانب یہ عبارات کندہ ہیں:

بسم اللہ... لا الہ الااللہ... ان الذین امنوا وعملوا الصالحات...

جنات الفردوس. ناد علیا مظهر العجائب... لافتیٰ الاعلی

لاسیف الا ذوالفقار.

میرزا مراد اپنے والد کی وفات کے تقریباً چار سال بعد فوت ہوا۔ یعنی اپنے دادا کی وفات سے تقریباً دو مہینے بیس دن قبل۔ یہ کتبہ، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دادا کے حکم سے لکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس میں "قرة العیون" کا لفظ کندہ ہے۔

میرزا عنایت اللہ مرحوم اور اس کی اولاد دونوں کے متعلق مندرجہ بالا بیانات کے علاوہ اور کسی بات کا علم نہیں۔

(۱۴)

میرزا محمد صالح:

ترخان نامہ کے مؤلف نے اس کے متعلق یہ شعر لکھا ہے:

ز ترخانیان، مثل او، گوهری

نیاورده از آسمان دیگری
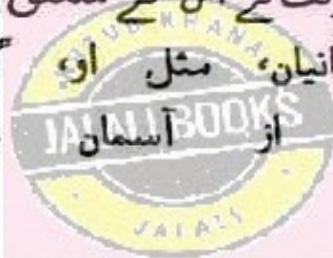
دیباچے میں لکھا ہے کہ:

"با اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ آراستہ، و بہ اکتساب کمالات صوری و معنوی پیراستہ بود. در حین حیاتِ پدر بزرگوارش، حضرت... ظل سبحانی بہ الطاف و اکرام بہ ادشاھانہ، وعنایت و مراحم خسروانہ، بین الاقران سر بلند مسلکِ امرای عظام انتظامش فرمود."

یعنی شہنشاہ شاہجہاں نے اس کو باپ کے زمانے ہی میں اعلیٰ منصب دے کر اپنے امراء میں شامل کرلیا تھا۔

برافراخت، شاھنشھی قدردان
سر میرزا صالح از فرقدان
بہ الطاف شاھانہ اش سرفراخت
میانِ گروھش سر افراز ساخت

یہ میرزا عیسیٰ کا دوسرا بیٹا تھا۔ اور اس کا نام عیسیٰ اوّل کے بیٹے میحمد صالح اول کے نام پر رکھا گیا۔ غالباً میرا عنایت اللہ اور اُس کے درمیان میں کوئی بیٹا باقی نہ رہا تھا۔ ماثر الامراء نے اس کو اسی وجہ سے 'پسردومش' لکھا ہے۔ (۲۴)

منصب- محرم ۱۰۵۲ھ: میرزا صالح کو شاہی دربار سے پہلا منصب غالباً اس وقت ملا، جب شاہجہان نے باپ کو اعظم خان کی جگہ پر گجرات کی صوبے داری سونپ دی اور (۱۲ محرم) ان کے بڑے بھائی کو منصب عطا کر کے سورٹھ کے فوج دار بنایا گیا۔ محمد صالح کو اسی وقت ہزاری منصب ملا، جیسا کہ بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے:

"و محمد صالح دیگر پسر اورا بہ منصب هزاری هزار سوار نواختند." (۲۵)

- اسی موقع پر جس طرح پہلے بیان ہوچکا ہے، باپ کو پنجہزاری پر فائز کیا گیا تھا اور اس کے بھائی عنایت اللہ کو دو ہزاری منصب دیا گیا تھا۔ میرزا صالح کے سلسلے میں یہ پہلی اطلاع ہے جو شاہجہانی تاریخوں سے ملتی ہے۔

گجرات روانگی، صفر ۱۰۵۲ھ: معلوم ہوتا ہے کہ محرم ۱۰۵۲ھ میں جس وقت بادشاہ نے میرزا عیسیٰ کے لیے گجرات کی صوبے داری کا فرمان جاری کیا۔ میرزا صالح شاہی دربار میں موجود تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ تقریباً ۴۸ دنوں کے بعد وہ باپ کے لیے شاہی انعام کے طور پر فیل خانۂ خاص سے ایک ہاتھی لے کر گجرات روانہ ہوا، بادشاہ نامہ میں مرقوم ہے:

"سلخ ماہ صفر بہ میرزا عیسیٰ ترخان، مصحوب محمد صالح پسرش، فیل از حلقۂ خاصہ عنایت نمودہ فرستادند۔" (۲۶)

میرزا صالح کا دربار میں موجود ہونا، ہم نے اس لیے فرض کیا ہے، کیونکہ شاہی حضور میں پیش ہونے کے بعد واپس لوٹ جانے کے لیے اجازت کے سلسلے میں جو مراحل در پیش تھے، اُنھیں طے کرنے میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ اس لیے گمان ہوتا ہے کہ میرزا صالح کے لیے گجرات کا فرمان جاری ہونے کے موقع پر ان کی وہاں موجودگی ضروری ہوگی اور باپ اور بھائی کے منصب میں اضافہ کرتے ہی بادشاہ نے اس کا منصب بھی بڑھا دیا۔

منصب میں اضافہ، محرم ۱۰۵۷ھ: معلوم نہیں کہ ابتدائی منصب کے بعد میرزا صالح کو اور کون سی سرکاری خدمات سپرد کی گئیں۔ اس کے متعلق دوسری اطلاع پانچ سال کے بعد ۳ محرم ۱۰۵۷ھ کو ملتی ہیں۔ جب شاہی دربار سے اس کے منصب میں اضافے کا حکم صادر ہوا، جس کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔ فقط بادشاہ نامہ کے مؤلف نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں:

"(۳ محرم) محمد صالح ولد میرزا عیسیٰ را بہ اضافۂ پانصدی ذات، بہ منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار مفتخر ساختند۔" (۲۷)

اسی زمانے میں اس کے والد گجرات کی صوبے داری سے تبادلہ ہونے کے بعد سورٹھ میں فوج دار کی حیثیت سے کام کررہے تھے اور بھائی میرزا عنایت اللہ باپ کی واپسی کے بعد (۱۰۵۴ھ) سورٹھ کا چارج

چھوڑ کر غالباً سورٹھ ہی میں مقیم تھا۔ جہاں محمد صالح کے اس اضافے کے ایک سال بعد فوت ہوا۔ جس کے بعد میرزا عیسیٰ کے خاندان میں صرف ایک محمد صالح بچا تھا۔ جس کو مورخین نے قابل ذکر سمجھا ہے۔

سورٹھ کی فوجداری ۱۰۶۱ھ: جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں محمد صالح کے منصب میں اضافے کی ایک آدھ اطلاع ملتی ہے۔ لیکن اس کے عہدے اور دوسری سرکاری خدمات کے متعلق اشارتاً بھی کہیں ذکر موجود نہیں۔ سب سے پہلے سورٹھ کی فوج داری کا ذکر آتا ہے۔ جب باپ کے ریٹائر ہوجانے کے بعد اس کو مستقل چارج دیا گیا تھا۔

میرزا عیسیٰ کو بادشاہ نے ۱۰۶۱ھ میں سرکاری عہدوں سے سبکدوش کرکے اپنے پاس بلوایا اور اُس کی وہ جگہ (سورٹھ میں) میرزا صالح کے سپرد کردی گئی۔ ماثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"محمد صالح پسر دوم میرزا عیسیٰ است، در سال بیست و چهارم شاهجهانی پدرش از فوجداری سورت طلب حضور گردید. و نظم سرکار مذکور بالاصاله به مشار الیه تفویض یافت." (۲۸)

فرید بکھری کی رائے: ہم اوپر بتاچکے ہیں کہ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف شیخ فرید بکھری کا کہنا ہے کہ: سوائے ایک بیٹے کے تمام بیٹے میرزا عیسیٰ کی زندگی ہی میں فوت ہوچکے تھے۔ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ لیکن کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت میرزا فوت ہوا، اس وقت محمد صالح کے سوا کم از کم دوسرے دو بیٹے میرزا فتحی اور میرزا عاقل زندہ تھے۔ جو کہ باپ کی وفات کے بعد بھی بہت سال تک زندہ رہے۔ شیخ فرید ۱۰۶۰ھ میں ذکر کرتا ہے کہ میرزا عیسیٰ اس وقت رادھن پور میں مقیم ہے اور اُس کا ایک بیٹا بچا ہے جو کسی قابل نہیں ہے۔

"اولاد امجاد کثیر بهم رسانده، همه داعی حق را لبیك اجابت گفته اند. یك پسر مسن و معمر یادگار دارد... مدار سرکار

خود بر پسر نام آوردہ انداخت، اگرچہ اورا لیاقت این بار گران
و کالت میرزا نبودہ، اما از مساعدت طالع، برین نوازش امتیاز
دارد." (۲۹)

یہ قول میرزا صالح کے متعلق ہے۔ کہتے ہیں کہ میرزا عیسیٰ کی جاگیر اور سرکار کا سارا انتظام میرزا کے ریٹائر ہوجانے کے بعد اُس کے سپرد ہوا۔ ذخیرہ کے مؤلف نے نہ صرف اُس کا نام لکھا ہے، بلکہ اُس کو یہ بوجھ اٹھانے کے قابل بھی سمجھتا ہے۔

میرزا صالح کے بارے میں معلوم نہیں کہ یہ رائے شیخ فرید نے کیوں دی۔ خاص طور پر اس حالت میں جبکہ باپ کی وفات کے بعد ہم اُسے مختلف عہدوں اور منصب پر سرفراز دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ماثر الامراء کے مؤلف جس کا ماخذ بھی شیخ فرید کی کتاب ہے، نے "ارشد اولاد" لکھا ہے۔ بہرحال شیخ فرید کے اس گھرانے کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ ہوسکتا ہے کہ محمد صالح کے کردار کے کئی پہلو اس کو ناپسند ہوں، جس کی وجہ سے اس نے اسے نا اہل سمجھا اور لکھا ہو۔

باپ کی جانشینی ۱۰۶۴ھ: بقول شیخ فرید بکھری جس وقت محمد صالح نے اپنے باپ سے چارج لیا، اس وقت وہ خود بھی مسن یعنی سن رسیدہ تھا۔ کہہ نہیں سکتے کہ اس سے شیخ فرید کی مراد کتنی عمر کا ہے؟ کیونکہ جس صورت میں اُس کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا علم نہیں تو صحیح عمر کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰۶۲ھ میں محرم کے مہینے میں اُس کے والد جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ جس کے بعد تمام اشیاء کا وارث یہی تھا۔ ترخان نامہ کا مؤلف رقم طراز ہے کہ:

"بعد از رحلت نواب غفران پناہ، بہ کمال عطوفت و مرحمت
شاہانہ، قائم مقامش کرد. و آن جوان بخت دولتِ قرین بہ
مسندِ حکومت و ایالتِ پدرِ نامور، متمکن گشتہ، ایل والوس
و سپاہ و رعیت، بہ انعامِ عامِ خود، بنواخت. و اہل اللہ
وسادات کرام و فضلاءِ عظام و فقرا و صلحا و گوشہ نشینان را

به التفات و اکرام راضی ساخت۔" (۳۰)

یعنی مسند نشینی کے بعد انعام و اکرام دینے سے اس نے اپنے عزیز و اقرباء، سپاہیوں، سادات، مشائخ حضرات کو خوب راضی رکھا۔ زندگی ہی میں وہ باپ کی جاگیر اور عہدے کا مالک بن گیا تھا۔ وفات کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ یہی بڑا بیٹا تھا۔ اس لیے خاندانی مسند نشینی بھی اُس کے سپرد ہوئی۔

منصب میں اضافہ ۱۰۶۲ھ: ماثر الامراء میں مرقوم ہے کہ ۲۴ سال شاہجہانی میں میرزا عیسیٰ کی وفات ہوئی۔ جس کے بعد شاہجہان بادشاہ نے میرزا صالح کے منصب میں اضافہ کیا۔ (۳۱) ۲۴واں سال شاہجہانی ۱۰۶۱ھ میں ختم ہوا اور میرزا نے ۱۰۶۲ھ ماہ محرم میں انتقال کیا۔ جس کی خود ماثر میں وضاحت کی گئی ہے۔ (۳۲) اس لیے اگر منصب کا اضافہ باپ سے چارج لیتے وقت نہیں، بلکہ باپ کی موت کے بعد میسر ہوا، تو اس حالت میں اُس کی تاریخ ۱۰۶۲ھ محرم میں یا اس کے بعد سمجھنی چاہیے۔

اس سے قبل میرزا کا منصب ہزار و پانصدی تھا اور باپ کی وفات کے بعد ماثر کے قول کے مطابق دو ہزاری ہوا:

"چو در همین سال (بیست و چهارم) والد بزرگوارِ او در گذشت، او به اضافه پانصدی، بمنصب دو هزاری، هزار و پانصد سوار، چهرهٔ امتیاز بر افروخت۔" (۳۳)

سورٹھ سے سبکدوشی ۱۰۶۴ھ: میرزا صالح سورٹھ کی فوج داری پر کم و بیش چار سال تک فائز رہا، جس کے بعد مراۃ احمدی کے قول کے مطابق ۱۰۶۴ھ میں سورٹھ کی فوج داری نظر بہادر کے بیٹوں شمس الدین اور قطب الدین کے سپرد کی گئی۔ (۳۴)

ماثر الامراء کے مؤلف نے شمس الدین کے احوال میں لکھا ہے:

"سال بیست و هفتم (۶۳-۱۰۶۴ھ) از تغیر محمد صالح پسر میرزا عیسیٰ ترخان، به فوجداری جوناگر و تیولداری برخی

محال آن، دستوری یافت۔"(۳۵)

سورٹھ سے سبکدوش ہونے کے بعد مرزا صالح نے گجرات ہی میں قیام کیا۔ ممکن ہے کہ رادھن پور والی جاگیر میں جاکر مقیم ہوا ہو، کیونکہ ابتدائی دور ہی سے یہ اس کی جاگیر تھی۔ اور زیادہ عرصہ جاگیر قائم رہنے کی وجہ سے اس گھرانے نے دادھن پور کو اپنا خاندانی مرکز بنالیا ہو۔

ترخان نامہ کی تالیف ۶۵-۱۰۶۶ھ: داھن پور میں میرزا تقریباً پونے دو سال فارغ رہا۔ یعنی ۱۰۶۵ھ کا سارا سال اور ۱۰۶۶ھ کے تقریباً دس ماہ تک لازمت کی مصروفیات اور زندگی کے تمام ہنگاموں سے فارغ ہوکر یکسوئی کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اس وقت اُس نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ معلوم کرنے کی طرف توجہ دی۔ ایسے وقت ہی میں اپنے آباؤ اجداد یاد آتے ہیں، خصوصاً اس وقت جب خاندان میں چند افراد بچے ہوں، باپ مرچکا تھا، بڑا بھائی عنایت اللہ بھی جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا تھا۔ ذخیرہ کے مؤلف نے لکھا ہے: اس کے متعدد دوسرے بھائی مرچکے ہیں اور خاندان میں سوائے اس کے شاید دو چھوٹے بھائی زندہ ہیں۔ اس وقت وہ خود بھی جوان نہ تھا، بلکہ شیخ فرید کے کہنے کے مطابق مرد مسن ہوچکا تھا۔ ایسے ہی دلگیر وقت میں اسے اپنے "گذشتگان" یاد آئے اور اس نے چاہا کہ اپنے بزرگوں کے حالات سے دل بہلائے۔

سندھ میں اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے گھرانے کی بنیاد یہاں ختم ہوچکی تھی۔ اس لیے اس نے ٹھٹہ میں اپنے دور کے ایک رشتے دار سید محمد شیرازی ٹھٹوی کو جو میرزا صالح کلاں کا نواسا تھا، لکھا کہ: وہ سندھ سے کتاب ترخان نامہ تلاش کرکے اس کو بھجوادے۔ چنانچہ سید محمد نے بہت تلاش کی، مگر اس نام سے کوئی بھی کتاب اس کو نہ ملی، جس کے بعد اُس نے بہت سی کتابوں کی مدد سے ایک نئی کتاب تصنیف کی، جس کا نام ترخان نامہ رکھ کر اُسے ارسال کی۔ مقدمے میں مؤلف نے اس روئداد کو اس طرح بیان کیا ہے:

"از روی قبیلہ پروری، میلی تمام و رغبتی مالا کلام، بہ مطالعہ

احوال اسلاف عالی نژاد خود داشت... بنا بر شفقت و مهربانی طریقهٔ مسلوکهٔ آباد و اجداد کرام- که به این سلسلهٔ فقراء دارند- مبذول فرمود. بنا براین اقل العباد... نامه ای نگارش فرمود که: کتاب ترخان نامه را ارسال نماید! هر چند این خادم... تفحص و تجسس نمود، در بلاد سند کتابِ مذکور پید انشد، هیچ کس از آن نشان نداد. و امتثال امرِ متاعِ آن بزرگ بر خود لازم دید، لاجرم باوجود تعلق خاطر به اموری که انتظام مهام این نشاء را از آن نا چار است، رجوع کتب معتبر... نموده، آنچه مطلوب و مرغوب آن... بود، انتخاب نموده... آن را مسمٰی به "ترخان نامه" گردانید۔"(۳۶)

ہمارے خیال میں کتاب، جسے مؤلف نے مکمل کرکے میرزا کے نام منسوب کیا، وہ غالباً ۱۰۶۵ھ کے آخر یا ۱۰۶۶ھ کے شروع میں تالیف ہوئی۔ مؤلف نے خود تاریخ نہیں دی لیکن یہ ظاہر ہے کہ میرزا عیسیٰ کی وفات (۱۲ محرم ۱۰۶۲ھ) کے بعد کتاب لکھی گئی۔ میرزا صالح خود ۱۰۶۴ھ تک ملازمت میں مصروف تھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ کتاب تب ہی لکھی گئی ہوگی، جب میرزا صالح کو نوکری سے برخاست ہونے کے بعد یکسوئی کے پونے دو سال (۶۵-۱۰۶۶ھ) ملے ہوں گے۔

سہون کی فوج داری، آخر ۱۰۶۶ھ: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، بظاہر میرزا سورٹھ سے آنے کے بعد تقریباً پونے دو سال تک کسی بھی سرکاری عہدے پر فائز نہ تھا اور اپنی جاگیر رادھن پور میں بیٹھا رہا۔ ۱۰۶۶ھ کے آخر میں بلکہ ممکن ہے کہ آخری دو مہینوں کے دوران میرزا صالح کو سہون کی فوج داری کے لیے شاہی فرمان پہنچا۔ ماثر الامراء نے حسب دستور تاریخ نہیں دی فقط اتنا لکھا ہے کہ:

"— در سال سی ام به خدمت فوجداری و تیولداری سیوستان از تغیر میرزا ابو المعالی...... تارک افتخار بر افراخت......"(۳۷)

اس سے قبل سہون کا فوج دار میرزا ابو المعالی تھا۔ جس کا تقرر بقول صاحب ماثر چھبیسویں سال شاہجہانی میں سہون میں ہوا تھا۔

"در سال بیست و ششم (۶۲-۱۰۶۳ھ) جلوس اعلیٰ حضرت به منصب دو هزاری و پانصد سوار و جاگیرداری و فوجداری سیوستان تارک عزت بر افراخت۔" (۳۸)

ماثر الامراء کے مؤلف اس کے تذکرے میں تبادلے کا سال اکتیس لکھا ہے۔ حالانکہ میرزا صالح کے سلسلے میں لکھا چکا ہے کہ وہ تیسویں سال شاہجہانی سہون کا فوج دار ہوا۔ بہرحال ایک خط کی بناء پر جو کہ ذیل میں دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ: میرزا صالح کو سال ۱۰۶۶ھ کے آخری دو مہینوں میں سہون کی فوج داری کا حکم ملا اور دو مہینے تیاری کرنے کے بعد وہ محرم ۱۰۶۷ھ کی ۳ تاریخ کو سہون پہنچا۔

منصب کا اضافہ ۱۰۶۶ھ: سہون کی فوج داری کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا، اس سے قبل وہ دو ہزاری ذات و پندرہ سو سواروں کا منصب دار تھا اور اس دفعہ اس کے سواروں میں پانچ سو کا اضافہ کر کے، دو ہزاری ذات و دو ہزار سوار پر فائز کیا گیا۔ (۳۹)

محمد صالح کو، جیساکہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، پہلا منصب ۱۰۵۲ھ محرم میں ملا تھا۔ جس کے بعد پہلا اضافہ ۱۰۵۷ھ میں ہوا اور دوسرا اضافہ اس کو باپ کے مرنے کے بعد ۱۰۶۲ھ میں غالباً ماہِ محرم میں ملا۔ یہ تیسرا اضافہ تھا جو ماہِ محرم ہی میں کیا گیا۔

سہون میں آمد، ۳ محرم ۱۰۶۷ھ: ہمارا خیال ہے کہ میرزا صالح کو، سہون کی فوج داری کا حکم رمضان ۱۰۶۶ھ میں ملا اور آنے کی تیاری میں کم و بیش اس کو مہینہ ڈیڑھ لگ گیا ہوگا۔ ذی الحج کی نمازِ عید غالباً اپنی جاگیر رادھن پور میں پڑھی۔ اس کے بعد دس دن قیام کرنے کے بعد سہون کی طرف، یعنی اپنے آبائی ملک کی جانب روانہ ہوا ہوگا۔ سہون میں وہ ۳ محرم ۱۰۶۷ھ کو وارد ہوا۔ جو کہ درج ذیل عریضے سے ظاہر ہوتا ہے۔

دربار کے لیے عریضہ ۳ محرم ۱۰۶۸ھ: میرزا صالح نے سہون پہنچنے کے بعد ایک عریضہ اطلاعاً دربار میں بھجوایا تھا۔ جس کی نقل خوش قسمتی سے ایک خطی بیاض سے ملی ہے۔ یہ خط بہت سی اہم باتوں پر روشنی

ڈالتا ہے۔ خط کی عبارت اس طرح ہے:

"عرضداشت- کمترین خانه زادان فدوی محمد صالح آدابِ بندگی و تسلیمات به جا آورده ناصیه عزت به درگاه سلاطین سجده گاه سوده، به موقف عرض ایستاده های پایهٔ سریرِ خلافت مصیر عرش نظیر سلیمانی می رساند که: پادشاه دین و دنیا پناه سلامت! این فدوی چون به سرحدِ سرکار بکر رسید. قیصر نام زمیندار سیوستان آمده دید و همچنین منزل به منزل اکثر زمینداران- که پیش ازین، راه تمرد می پیمودند- حلقهٔ اطاعت و انقیاد درگاه خواقین پناه به گوش هوش کشیده رجوع آوردند.

امروز یکشنبه (سوم) محرم الحرام ۱۰۶۷ھ در ظاهر قصبهٔ سیوستان آمده منزل نموده و میر ابوالمعالی از قلعه بر آمده روانهٔ عتبه بوسی شده سنیه گردید. انشاء الله تعالیٰ به ساعت مختار که هفتم شهر مذکور (محرم) باشد، این فدوی داخل قلعه می شود.

الحمدلله والمنة که مفسدان دستِ تمرد و قطاع الطریقی کوتاه ساخته، در استغفار جرایم ماضیه می کوشند، و مترددین از سوداگر وغیره- که در عمل فوجدارانِ سابق، بی بدرقه عبورِ آنها، ازین سر زمین معتذر بود، بل باوجود بدرقه، در خوف و رجا می بودند- درین ولا به یمنِ اقبال ابد اتصال شاهنشاهی از مخاطرهٔ راه، جمعیت خاطر حاصل نموده، و به شکر این عطیه عظمیٰ و موهبت کبریٰ خاقانی، دست دعا بر افراشته، از حضرت مجیب الدعوات، دوام دولتِ ابد مدت مسئلت می نمایند. امیدوار است که در اندك روز، به اقبالِ لا یزال والا، این کل زمین از لوثِ وجودِ کوته اندیشان پاك سازد.

سایهٔ آفتاب عالم تاب، بر مفارقِ خانه زادان فدوی- تا انقراضِ عالم- تابنده و پاینده بادا" (۴۰)

مندرجہ بالا عریضہ نہایت اہم اور قیمتی ہے۔ شاہجہانی دور میں سندھ کے اندر پیدا ہونے والی صورت حال کے کئی اہم اور تاریخی پہلو اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً:

الف: محمد صالح کے پہنچنے سے قبل وہاں کی صورت حال خراب ہوچکی تھی۔ عوام میں امن و امان کی صورت حال بالکل ابتر تھی۔

ب: جن کو "قطاع الطریق اور متردین" بیان کیا گیا ہے، وہ در حقیقت مغلوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑ رہے تھے۔ حکومت کی ناکامی اور غیر مقبولیت کو چھپانے کے لیے محمد صالح نے عریضے میں دستوری طور پر سرکاری اصطلاح کی آڑ میں پناہ لی ہے۔

ج: بد نظمی اور امن امان کے فقدان کا یہ حال ہوچکا تھا کہ تمام راستے غیر محفوظ تھے۔ سوداگر ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہیں جاسکتے تھے۔ ان کا نہ مال سلامت تھا اور نہ جان سلامت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاجر اور سوداگر غیر ملکی تھے۔ جوکہ مغل گورنروں کی پشت پناہی کی وجہ سے سندھ میں آتے تھے۔ ملکی دولت باہر بھجواکر نفع کما رہے تھے، یہی وجہ تھی، جس نے سندھیوں اور ان کے درمیان میں نفاق کی ایک وسیع خلیج حائل کردی۔ ملک کے لوگ بھوکے تھے۔ ملک کی تمام دولت غیروں کے ہاتھ آگئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اپنے ملک کے آدمیوں کو موقع ملا، تو اُنھوں نے انتقامی کاروائیاں کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

د: نہ صرف ابوالمعالی کے دور حکومت میں یہ صورت حال تھی، بلکہ اس سے قبل بھی جو شخص فوج دار رہ چکا تھا، اس کے زمانے سے لے کر اب تک نفاق اختلاف و برہمی کا سلسلہ جاری تھا۔

ھ: سندھ کا زمین دار جس طرح اس صدی میں ہے، اس زمانے میں بھی اُس کا مزاج یہی تھا۔ ابھرتے سورج کی سلامی، کردار اور عمل میں اخلاقی فقدان۔ فقط ذاتی فائدے مدنظر رکھنا، نہ لوگوں کی بھلائی سے غرض اور نہ حکومت کی بہبودی سے مطلب۔ محمد

صالح کی آمد کا سن کر سھون کا زمین دار قیصر بکھر تک پیشوائی کے لیے پہنچا۔ راستے میں دوسرے زمین دار حاضر ہوتے رہے۔ شاید اسی عرصے میں ابوالمعالی کے دور میں، حکومت پرستی کے راستے سے تھوڑا ہٹ گئے تھے۔ نئے فوج دار کو آتے دیکھ کر پھر سرکار کے ساتھی بن گئے۔

و: محمد صالح ۳ تاریخ محرم ۱۰۶۸ھ کو سھون شہر میں داخل ہوا۔ اسی دن ابوالمعالی قلعہ خالی کرکے شہر سے نکلا اور ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

ز: میرزا صالح نے پہنچتے ہی ۳ تاریخ کو مندرجہ بالا عریضے کے ذریعے شاہی دربار میں اپنی آمد کی اطلاع دی۔

ح: قلعے میں داخل ہونے کی تاریخ ۸ محرم مقرر کی۔ جس کی اطلاع بھی عریضے میں درج کی گئی ہے۔

ط: خط میں محمد صالح نے شاہی دربار کو یقین دلایا ہے کہ تمام مفسدین نے "قطاع الطریقی" سے توبہ کرلی ہے۔ اور اپنے گناہوں پر پشیمان ہیں، راستوں پر آمد و رفت شروع ہونے کی اطلاع بھی درج کی ہے۔ محمد صالح نے یہ بھی لکھا ہے کہ اب ہر وہ آدمی جس کو راستے میں کوئی خطرہ تھا، خود کو محفوظ سمجھ کر شاہی اقبال کی سربلندی کے لیے دست بدعا ہے۔

اگر ان اطلاعات کو صرف مبالغہ تصور نہ کیا جائے، تو پھر اعتماد کرنے میں ذرا تکلیف ہو گی۔ محمد صالح ابھی قلعے میں داخل بھی نہیں ہوا، ملک کا جائزہ بھی نہیں لیا، فقط بکھر سے سھون تک پہنچتے ہی وہ کون سی جادو کی چھڑی ہے، جس کے ذریعے اس نے چند دن کے اندر مدتوں کے برباد شدہ انتظام کو درست اور اس کے زبوں حال وقار کو از سر نو سربلند کردیا؟

بہرحال، مظہر شاہجہانی کی تالیف کے وقت (۱۰۴۰ھ) میں جو سندھ کی صورت حال تھی، وہ ستائیس سالوں کے بعد بھی جیسا کہ اس خط سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح تھی۔ وہی انتظام کی خرابی، اسی طرح

عمل داروں کی نا اہلیت اور نا کامی، وہی حکومت کے خلاف نفرت اور حقارت کا جذبہ اور وہی فاتح اور مفتوح کے درمیان میں احساس برتری اور کمتری۔ اسی لیے نفرت، کشیدگی اور عدم تعاون تھا۔

الUرض اس صورت حال کی موجودگی میں محمد صالح ترخان گجرات سے روانہ ہوکر سہون کا فوج دار بنا۔ یہ صورت حال غیر معلوم نہ تھی۔ بلکہ یہ دستوری صورتِ حال تھی۔ جو کہ پہلے بھی موجود تھی اور اس کے بعد بھی قائم رہی۔ اور اسی طرح مغلوں کے سندھ پر تسلط کے خاتمے تک جاری و ساری رہی۔

محمد صالح کو ابھی اصلاح حالات کی فرصت بھی نہیں ملی ہوگی۔ کیونکہ اس کے پہنچنے کے بعد جلد ہی شاہجہاں اور اس کے بیٹوں کے مابین اختلاف اور اس کے بعد فساد شروع ہوا۔ جس نے تھوڑے عرصے میں مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کمزور کرنی شروع کردیں۔

<u>شاہجہاں کا زوال- ۱۰۶۷ھ:</u> شاہجہاں کے بیٹوں میں کئی سالوں سے اختلاف چلا آرہا تھا۔ دارا شکوہ ولی عہد اور شاہجہاں کا پیارا بیٹا تھا۔ عالمگیر اس کے خلاف تھا۔ اختلاف کا سبب تخت اور تاج تھا۔ باقی بھائی اور بہنیں کچھ دارا شکوہ کے حامی اور کچھ عالمگیر کے ہمدرد تھے۔ یہ صورت حال جس وقت شدت اختیار کر گئی، عین اس وقت (۱۰۶۸ھ) میں شاہجہاں خود بیمار ہوگیا۔ شہزادوں کے درمیان تخت و تاج کو حاصل کرنے کے لیے جو کشمکش چل رہی تھی، وہ بادشاہ کے بیمار ہوجانے کی وجہ سے یک لخت نازل صورتحال اختیار کر گئی۔

محمد صالح ابھی سکون سے بیٹھا ہی نہیں تھا کہ مرکز میں یہ رسہ کشی شروع ہوگئی۔ ہر شاہی ملازم کی توجہ مقامی حالات سے ہٹ کر مرکز کے اس ہنگامے کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔ ہر ایک کا مستقبل اس ہنگامے کے نتیجے سے وابستہ تھا۔ ظاہر ہے کہ محمد صالح ترخان کے لیے بھی سوائے اس کے دوسرا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ سہون میں بیٹھ کر اس ڈرامے کے انجام کا انتظار کرے۔

<u>دورِ عالمگیر کا آغاز- رمضان ۱۰۶۷ھ:</u> ۱۰۶۷ھ میں اس کشمکش اور

داروگیر کا آغاز ہوا اور ۱۰۶۸ھ تک برابر فساد اور کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر رمضان ۱۰۶۸ھ میں اورنگزیب نے باپ کو بیماری کی حالت ہی میں بستر سے اٹھا کر قید خانے میں بند کروا کر یکم ذیقعد کو اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور تخت پر قبضہ کر کے بیٹھ گیا۔

دارا شکوہ سندھ میں ۱۰۶۸ھ: عالمگیر کے ہاتھوں دارا شکوہ کو پہلی شکست رمضان (۱۰۶۸ھ) کو آگرہ اور دھول پور کے درمیان سامو گڑھ (فتح آباد) (۴۱) کے قریب ہوئی۔ جس کے بعد وہ آگرہ چھوڑ کر دہلی سے ہوتا ہوا پنجاب پہنچا۔ عالمگیر نے پنجاب تک اس کا تعاقب کیا۔ جب دارا شکوہ نے سندھ کی طرف رخ کیا تو صف شکن خان کو لشکر سمیت اس کے پیچھے روانہ کیا اور خود دارالسلطنت کی جانب واپس چلا گیا۔

دارا آگے اور صف شکن اس کے پیچھے، صف شکن خان کی سرکردگی میں شاہی لشکر تھا۔ دارا ابھی سھون تک بھی نہ پہنچا تھا کہ صف شکن بقول صاحب عالمگیر نامہ صفر ۱۰۶۹ھ کو آکر روہڑی کے پاس منزل انداز ہوا۔

صف شکن خان نے دوسرے دن، چار صفر کو روہڑی، بکھر اور سکھر میں مندرجہ ذیل عمل دار مقرر کیے:

بکھر: آغر خان (امام قالی) کو فوج دار بنا کر اس کو ساڑھے تین سو سوار حفاظت کے لیے دیے گئے۔

روہڑی: محمد علی بیگ جماعہ دار کو روہڑی کی کوتوالی عطا کر کے اور دو سو سوار برق انداز اور تین سو پیادہ بندوقچی اس کے سپرد کیے۔

سکھر: فوج علی بیگ سکھر میں مقرر ہوا۔ پانچ سو سوار برق انداز اور تین سو پیادہ بندوقچی پانچ توپوں سمیت اسے دیے گئے۔

ان عملداروں کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ بکھر کے قلعے کا محاصرہ کر کے وہاں مقیم لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کریں۔

"از مداخل و مخارج قلعه باخبر باشد و حتی المقدور تا معاودت لشکر منصور، به توپ و تفنگ شعله افروز نیران

جنگ بوده، کار بر متحصنان تنگ نماید۔"(۴۲)

یہ انتظامات کرنے کے بعد آصف شکن بکھر سے ۵ تاریخ کو روانہ ہوا اور اسی مہینے کی ۱۲ تاریخ کو سہون سے تیرہ کوس کے فاصلے پر پہنچ کر منزل انداز ہوا۔

سہون: اس وقت سہون کا فوج دار محمد صالح ترخان تھا۔ دارا شکوہ کے متعلق، عین اُس وقت اسے معلوم ہوا کہ وہ سہون آرہا ہے۔ جس وقت آصف شکن ۱۳ کوس کے فاصلے پر سکونت پذیر تھا، محمد صالح نے اس کو پیغام بھیجوایا کہ شہزادہ پانچ کوس کے فاصلے پر آچکا ہے، اس لیے آپ اس سے قبل سہون آجائیں، تاکہ شہزادے کی خزانے والی کشتیاں، جو ابھی راہ میں ہیں، ان پر قبضہ کرلیں۔

"نوشتۂ محمد صالح ترخان فوجدار و قلعدار آنجا رسید کہ: دارا بی شکوه (۴۳) بہ پنج کروهی قلعه رسیده، باید که شما (صف شکن) خود را زود رسانیده کشتیهای خزانه و اموال و اشیای او را، که از عقب می آید، در کنار دریا سد راه شوید۔" (۴۴)

صف شکن نے اپنے عزیز محمد معصوم کو ضروری سپاہ اور سامان سمیت پہلے ہی روانہ کردیا، وہ قلعے کے نزدیک جہاں دریا کی وسعت کم ہو وہاں پہنچ کر دارا کی کشتیوں کا راستہ روک لے اور وہ خود بھی راتوں رات بارہ کوس کا فاصلہ طے کرکے صبح سویرے قلعے سے ایک کوس کے فاصلے پر پہنچ گیا۔

شہزادے کو اس سازش کی خبر ملی گئی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی کشتیوں کا رخ تبدیل کردیا۔ صف شکن کے پاس اتنی کشتیاں نہ تھیں کہ وہ اس کے مقابل جاکر اس کو روک سکے۔ اس نے محمد صالح کو پیغام بھیجوایا کہ، سہون سے اس کے لیے کشتیاں روانہ کرکے اور خود بھی فوج سمیت قلعہ چھوڑ کر مقابلہ کے لیے پہنچ جائے۔

"پیغام نمود کہ: ازان طرف کشتی بفرستد و خود نیز با سپاه و تابینان خویش، از قلع بر آید و عقبۂ صعب دشوار گذاری، کہ

نزدیك به سیوستان واقع شده- و عبور دارا بی شکوه ازان می شد- گرفته، تا رسیدن جیش منصور، حتی المقدور در مراتبِ ممانعت، کوشش به کار برد. و به اهل قلعه تاکید نماید که: هر گاه مخالفان کشتیها را از جای خود حرکت داده، خواهند که از پای قلعه بگذرانند، از قلعه ابواب انداختن توپ و تفنگ مفتوح داشته شرایط ممانعت به تقدیم رسانند۔"(۴۵)

محمد صالح کا زوال، صفر ۱۰۶۹ھ: اس پیغام کے بعد محمد صالح ترخان کے زوال کی ابتدا ہوئی- محمد کاظم نے اس کو "بے جوہر" اور "فرو مایہ" کہتے ہوئے لکھا ہے کہ پیغام پہنچنے کے بعد اس نے بہت بزدلی دکھائی اور جواب بھیجا کہ اگر کشتیاں روانہ کروں گا تو دارا کے آدمی جو راستہ روکے ہوئے ہیں، وہ کشتیوں پر قبضہ کرلیں گے، اس لیے اتنی ہمت نہیں ہے کہ شاہی لشکر کی امداد کے بغیر دارا کا مقابلہ کرسکوں-

"محمد صالح از بی جوهری و فرو مایه همتی، توفیق خدمتی به سزا نیافته، پیغام داد که:... مرا بی امداد عساکر به ادشاهی، قدرتِ گرفتن سرکتل و تاب مقاومت و مصادمت جنود مخالف نیست، و چون ازین کنار عمقِ آب به مرتبه ای کم است که عبور کشتی امکان ندارد بالضرورت عبور کشتیها ازان کنار خواهد شد، ازان طرف در مراتب ممانعت باید کوشید." (۴۶)

محمد صالح کا یہی پیغام اس کے زوال کا سبب بن گیا- صف شکن نے اس پر اعتماد کیا کہ واقعی دوسرے کنارے پر پانی گہرا نہیں ہے- اس لیے دارا کی کشتیاں ضرور بقول محمد صالح ان کے ہاں سے گذریں گی- اس لیے وہ وہیں بیٹھا رہا اور کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ دارا شکوہ کی کشتیوں کا بیڑہ دوسرے کنارے سے آگے چلا گیا- صف شکن کا انتظام، انتظار اور اہتمام سب بے کار ثابت ہوا- صف شکن نے اس کے تعاقب کی ہر ممکن سعی کی، لیکن بہت زیادہ فاصلے کی وجہ سے وہ اس کو نہیں پکڑ سکا- محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: سوائے دو کشتیوں

کے اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آسکا، جن میں سے ایک ٹوٹی ہوئی اور ایک کیچڑ میں پھنسی ہوئی تھی۔ ساری کشتیاں اور لشکر قلعے کے پاس سے بغیر کسی روک ٹوک کے گذر گیا۔

"دیگر مجموع آنها بی ممانعتی از طرف قلعه عبور کرده، از آن ورطهٔ تهلکه و بیم گذشت، و این قسم منصوبهٔ فتحی، به کج بازی محمد صالح باطل گشت." (۴۷)

محمد صالح کی اس کوتاہی پر، جوکہ اس سے عمداً سرزد ہوئی یا حالات کا نتیجہ تھی۔ محمد کاظم نے اس سلسلے میں جو طویل عبارت لکھا ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شاہی افسروں میں اس وقت، محمد صالح کے خلاف کس قدر اشتعال پیدا ہوا ہوگا۔ (۴۸) مؤلف نے لکھا ہے کہ: محمد صالح نے لالچ میں آکر شاہی لشکر سے یہ دھوکے بازی بازی کی۔

"آن بی بهرهٔ جوهرِ دانش و تهی دست سرمایهٔ سعادت راء افسونِ وسوسه های طمع و امید فریفته و خیالات باطل مردم فریب پردهٔ بینش گشته، دیدهٔ ناعاقبت بین، از شرائط دولتخواهی و خدمت گذاری پوشید، و مدار کار بر سامحه و تساهل نهاده، از سطوتِ قهر مانِ عتاب نیندیشید، و درین وقت- که باندك حُسن سعی و جوهر همتی، مصدر خدمتی نمایان می توانست شد- سر رشته صلاح اندیشی و خیر سگالی از کف داده، به ادای حقوقِ عبودیت و نیکو خدمتی و احراز قصب السبق ارادت و هوا خواهی- که در گرو اتفاق این قسم اوقات و رهن انتها ز این چنین فرصتها میباشد- موافق نگشت. والا اگر به دلالتِ بخت و یاوری، سعادت کمرِ همت برمیان دولت خواهی بسته سر کتل رامیگرفت.

چنانچه صف شکن خان ازین طرف تهیه اسباب ممانعت نموده بود، او نیز از آن طرف ابواب مدافعت بر روی مخالفان می کوشد، نه دارا بی شکوه باطل پژوه بالشکر ازان عقبهٔ صعب

می توانست گذشت و نه کشتیهای آن غریق بحر ادبار را، عبور از پای قلعه به آسانی میسر می گشت. و عنقریب زبدهٔ نوئینان اخلاص کیش شیخ میر، با جنود اقبال و عساکر دشمن مآل از پی رسیده، آن سر گشتهٔ تیه نکال را باتمامی اشیا و اموال به دست میاورد. و هم دران زودی ساحت ملك و دولت از غبارِ فساد او پیرایش می یافت." (۴۹)

صف شکن نے عالمگیر کی خدمت میں جب محمد صالح کے خلاف یہ رپورٹ پیش کی، اس کا ماحصل محمد کاظم کے مندرجہ بالا بیان کو سمجھ لینا چاہیے۔ شاہی کارکنوں کا خیال تھا کہ:

الف: محمد صالح کو دارا کی جانب سے لالچ ملا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے جان بوجھ کر یہ غلط پیغام بھیجا اور صف شکن خان کو گمراہ کیا۔

ب: محمد صالح نے جان بوجھ کر شاہی لشکر کو گمراہی میں رکھ کر قلعے کے پاس سے دارا شکوہ کو آگے نکل جانے کا موقع دیا۔

ج: اگر صف شکن خان کی صلاح پر عمل کرتا تو دارا شکوہ اور اس کا بیڑا یقینا گرفتار ہوجاتا۔ بکھر سے شیخ میر بھی پہنچ جاتا۔ نہ صرف سارا سامان قبضے میں آجاتا، بلکہ دارا بے شکوہ و باطل پژوہ، کا سارا فساد وہیں کا وہیں ختم ہوجاتا۔

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: محمد صالح سے قسمت نے ساتھ نہ دیا، ورنہ ایسے مواقع کبھی کبھی ہاتھ آتے ہیں۔ وہ حسن خدمت دکھاکر دربار سے سب کچھ حاصل کرلیتا۔

محمد صالح کے خلاف جو سازش سہون کی سر زمین میں کی گئی تھی، عالمگیر کے درباری مؤرخ نے اس کو اتنا دوام بخشا کہ بعد کے مؤرخین نے بھی اس کو ہو بہو نقل کرتے ہوئے ذرا بھی خدا ترسی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ماثر الامراء کے مؤلف نے یہ حقیقت نقل کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ محمد صالح کے گھر میں دارا شکوہ کے کوکہ کی بیٹی تھی۔ اس لیے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔

راجا جے سنگھ: دارا شکوہ کی جنگوں، فرار اور گرفتاری کے سلسلے میں راجا جے سنگھ اور عالمگیر کے درمیان کی گئی خط و کتابت، جس کو اورنگزیب کی وفات کے بعد محمد صالح جعفری نے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے۔ یہ بے حد مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ (۵۰) اس سلسلے میں چند اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

عالمگیر نے جے پور کے راجہ جے سنگھ کو ایک خط میں (جنوری ۱۶۵۹ء-۱۰۶۹ھ) جودھپور کے راجا جسونت سنگھ کی غداری کی شکایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بی شکوہ از تته به جانب گجرات روانه شده، انشاء اللہ تعالیٰ دستگیر خواهد شد۔"

راجا جے سنگھ نے ان کو (ربیع الاول) میں لکھا کہ:

"... آنچه از روی خانه زاد نوازی خبر واقعه بکر مرقوم خامۂ الهام نگاه، گشته بود که: صف شکن خان پیش راه بی شکوه گرفته و سید میر و دلیر خان و دیگر بنده ها متعاقب در آمده اند، از آنجا که اقبال مخالف مال در کار کشای و ظفر آرای است، و بنده های که به خدمتِ مذکور مامور اند، کار طلب در دست اعتقاد اند، یقین که دستگیر شده باشند..."

معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر نے اپنے امراء کو بکھر سے سھون بھیجنے کی اطلاع جے سنگھ کو دی، جس کے جواب میں جے سنگھ نے اسے یہ خط لکھا۔

راجا جے سنگھ ذاتی طور پر دارا کا سخت مخالف تھا۔ ایک دفعہ جے سنگھ رنگ برنگے کپڑے پہن کر دربار میں آیا۔ دارا نے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں اس کو کہا کہ آج میراثیوں کے رنگ میں نظر آتے ہو۔ راجا نے یہ مذاق معاف نہیں کیا اور ہمیشہ اس کی گھات میں رہا۔ دارا کو جسونت سنگھ نے اپنی مدد کا یقین دلایا تھا۔ جس کے بھروسے پر اُس نے سھون سے اپنی جان بچا کر سیدھا گجرات کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ جسونت سنگھ کی امداد سے وہ عالمگیری لشکر سے دوسری جنگ

لڑسکے گا۔

مذکورہ بالا مجموعے میں وہ خط اور اس کے جوابات ہیں، جوکہ عالمگیر نے راجا جے سنگھ جے پوری کی طرف، جسونت سنگھ کو راضی کرنے اور دارا کے بجائے شاہی لشکر کی مدد کرنے کے لیے لکھے تھے۔

راجا جے سنگھ نے بالآخر جسونت سنگھ کو دارا سے باغی کردیا۔ چنانچہ جسونت سنگھ کے جے سنگھ کو ذریعے عالمگیر کے پاس حاضر ہوکر منصب اور جاگیر کو بحال کرایا اور واپس جودھ پور پہنچایا۔ دارا جوکہ جسونت سنگھ کے مشورے سے اجمیر پہنچا تھا۔ جب اس نے یہ حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے سپہر شکوہ کو اس کے پاس روانہ کیا، لیکن شہزادہ نا امید ہوکر واپس لوٹا۔(۵۱)

جسونت سنگھ کی بے وفائی نے دارا کو مجبور کیا کہ اپنے لشکر سے عالمگیری لشکر کا مقابلہ کرے، نتیجتاً دونوں لشکروں کے مابین اجمیر میں جنگ ہوئی۔ (۱۱ سے ۱۳ مارچ ۱۶۵۹ء) جس میں دارا کو شکست ہوئی۔ نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں رن کچھ سے ہوکر بدین، ٹھٹہ، سہون اور بکھر سے ہوتا ہوا سیوی پہنچا۔ جہاں ۲۹ رمضان ۱۰۶۹ھ کو اسے گرفتار کیا گیا۔

جے سنگھ اور عالمگیر کی مذکورہ خط و کتابت کے مزید اقتباسات یہ ہیں:

"آنچه از بی سعادتی جسونت سنگ مرقوم خامۂ اقبال گشته، کسی را که روز بد پیش آید، رای و روی او سیاه و تباه می شود، و مصدر این قسم کار و کردار میگردد."

جسونت سنگھ نے عالمگیر سے غداری نہیں کی، بلکہ حقیقت میں اس نے دارا شکوہ کو دھوکا دیا۔ س کا نتیجہ اجمیر والی شکست تھی۔

دارا شکوہ اس شکست کے بعد احمد آباد سے ہوتا ہوا، جب سندھ کی طرف روانہ ہوا، اس وقت کی اطلاع جے سنگھ نے یوں دی ہے:

"می گویند که: از آن سمت تته با معدودی گذشته رهگرای دشت ادبار و ناکامی است، بنده ها در تعاقب او مرحله

پیمای جدوجهد اند. امیدوار است که به عنایت ایزدی گرفتار شود.

و رسیدن خلیل الله خان به بکر و مسدود ساختن جیسلمیر، از اعجاز تدبیر خاقان ملك ستان عالمگیر است. دو منصبدار سرکار شریفه به اتفاق عمده خواقین رفیع مکان بهادر بیارند. آنچه خان مذکور بنویسد معروض خواهد داشت۔"

دوسرے خط میں دارا شکوہ کے فرار ہوجانے اور سرکاری لشکر کی جفاکشی کا ذکر کرتے ہوئے جے سنگھ نے اس طرح ابتداء کی ہے:

"می رساند که: حقیقت آمده دیدن پیماجی زمیندار کچ و مشخص شدن آوارگی بی شکوه به سمت سند و عزیمت بندهای درگاه به تعاقب آن وخیم العاقبت از عرضداشت سابق به عرض معلی رسیده باشد۔"

رن کچھ میں جے سنگھ کے لشکر کا جو حال ہوا، اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مثلاً پانی کی قلت، سفر کی مشکلات و زحمتیں اور تباہیاں، جانوروں کی پیاس، اس کے لیے گھاس کی کمی وغیرہ۔ یہی لشکر احمد آباد سے آکر کچھ کے گاؤں چھل پہنچا۔ وہاں سے رن کچھ آٹھ یا نو کوس کے فاصلے پر تھا۔ کچھ کا رن عبور کرکے کنارے پر پہنچنے کے بعد ان کو پہلا گاؤں راہمان ملا، جس کے تالاب پر منزل انداز ہوئے' راہمان میں ایک دن قیام کرنے کے بعد بدین پہنچے تو یہ حالت تھی کہ:

"اسپان وشتران... از تعب سفر دراز و محنت کم کاهی و بی آبی و کم غلگی کشیده زبون شده بودند... اکثری ضایع شدند و در هر منزل تلف می شدند... عسرت غله به مرتبه بود که بعض منزل کمترین را روپیه سیری بهم رسید و پیشتر ی رامیسر نشد و در بعض منزل هیچ را بهم نرسید. و از اشداد هر قسم مصائب و متاعب احوال لشکری به جای رسیده که از جمله چهار هزار سوار این خانه زاد. که حسب الحکم اشرف اقدس اعلیٰ همراه آورده بود. شاید امروز هزار کس سوار

اسپ بودہ باشد. احوال دیگران از اینجا متصور می شود.“

دارا شکوہ کے متعلق راجا جے سنگھ نے اسی خط میں لکھا ہے کہ:

”خبر بی شکوہ از نو شتجات میر معین و قاضی داؤد، آنچہ پیش ازین برظھور پیوست، این بود کہ: بی شکوہ از رن گذشتہ می خواست کہ بہ بدین بیاید، از ممر بودن قباد خان یا جمعیت ھزار کس از سوار و پیادہ فسخ (کرد) و ارادہ آمدن قصبہ مسطور نمودہ بہ سند ودا (کذا) سنزل گزیدہ بہ جانب نصرپور و ھالہ کندی آوارہ شد. پسر قباد خان در تعاقب اوست این خانہ زاد ازین طرف لشکر ظفر اثر کنار دریا گرفتہ بہ تعاقب او می رود و از سمت بکر خلیل اللہ خان با فوج گران روبرو او می آید. فدوی بہ قباد خان نوشتہ کہ: آن دولتخواھان والا درگاہ، با جمعیت ھمراہ و زمینداران آن نواح- کہ بین سرحد تتہ و سیوستان است- آن سویِ آب گرفتہ، از مسالك و معابر خبردار شود. و بہ پسرش قلمی نمودہ کہ: بہ نیلوفری (کذا) رفتہ، سلطان بیگ ارغون را بر سر سائر راہ ھای جیسلمیر تعین نماید، کہ نتواند ازان راہ سری بدر کرد.“

اسی سلسلے میں محمد صالح ترخان کو بھی راجا جے سنگھ نے لکھا ہے کہ:

”وبہ محمد صالح فوجدار سیوستان تاکید نوشتہ و بہ مصری افغان و فتح سنگ کچوھہ کہ پیشتر روانہ نمودہ. بہ قدغن تمام قلمی ساختہ کہ: در قطع منازل جھد بلیغ کنند.“

اسی کے ساتھ قباد خان، اس کا بیٹا اور خلیل اللہ خان کے نوشتے بھی عالمگیر کو روانہ کیے گئے۔

”نوشتہ جات قباد خان و پسرش و نقل نوشتہ خلیل اللہ خان کہ قباد خان فرستادہ، خود بہ جنس ارسال داشت. بہ عرض مقدس معلیٰ خواھد رسید.“

یہ عریضہ نصرپور کی منزل پر ۱۷ رمضان کو عالمگیر کو روانہ کیا

گیا۔ اس کے بعد بھیجے گئے عریضے میں جے سنگھ نے مندرجہ بالا خط کا حوالہ دیتے ہوئے سندھ سے دارا شکوہ کے چلے جانے اور قندھار کی طرف جانے کی اطلاع اس طرح دی ہے:

"قبل ازین، منزل نصرپور عرضداشت نموده بود به عرض اقدس رسیده.

بعد ازان چون بنده های درگاه وقف تعاقب آن مخذول العاقبت بودند، راضی به توقف یکشنبه ٢٦ رمضان به هاله کندی رسیدند، و از آنجا کوچ به کوچ عازم کوه زمحری (کذا) که به سرحد سیوستان و بکر واقع است، گردیدند. آخر شهر مذکور، لشکر منصور این سوی آب سیوستان رسیده بود، که حقیقت رفتن آن آوراه صحرای ادبار به قندهار، و گذشتن از آب سند به استصواب سمیجه های سیوستان، و عزیمت پیشتر بدرقه و امداد الکهار و خاندیه و یکسان (کذا) به ظهور پیوست. پادشاه خواقین جهان سلامت، در وقت تعین این خانه زاد به خدمت لازم الانقیاد حکم جهان متاع شرف ایراد یافته تا بی شکوه دستگیر نشود یا اسیر سر پنجهٔ تقدیر- که عبارت از محروم گشتن اوست- نگردد، تا از قلمرو خلافت ابد پیوند بر نتابد، دست از و باز ندارد. (۵۲)

اس سلسلے میں ایک نامعلوم عملدار کا عریضہ بھی خطوط کے اس مجموعے میں موجود ہے- جس میں عالمگیر کو دارا شکوہ کی گرفتاری کی حقیقت بیان کی گئی ہے:

"می ساند که: در تهنیت و مبارکباد اولیای دولت ابد پیوند، عرضداشتی مشتمل بر گرفتار شدن، بی شکوه به طریق اجمال ارسال داشته، بعد ازان مفصل اینست که: او چون از سروهی قاضی عنایت الله را نوشتجات عمدة الملك بهادر خان به سمت زمیندار بکر و حدود آن فرستاده بود که: در اسیر ساختن او جهد بلیغ نمایند، پس از رسیدن بنده های ازین طرف، بنده

[؟] نوشته قاضی مذکور مشعر برین معنی رسید که: جیون زمیندار دهادهر اورا باپسرش دستگیر نمود: به مجرد استماع این، فدویان والا درگاه، بلا توقف و اهمال بهیر و بنگاه را عقب گذاشته به طریق یلغر شتافته و از معبر نزدیك بکر از آب سند گذشته آتش بیگ قلماق و محمود قدیمی را روانه پیش گردانیده، خودها از عقب روان گشته، عازم مطلب بودند. و از دوازدهم شحر شوال آتش بیگ و محمود قدیمی بی شکوه و پسر اورا گرفته معاودت نمودند. و تاریخ هفدهم شهر مذکور از آب سند عبور نموده، این سوی آب در سواد قصبه لوهری دهره (کذا) گردند. به جهت بعض مراکب سواری محل و بار بردار توقف ضرور بود، و نوشته بی شکوه نیز مصحوب مقبول خواجه سرا و سید خاندیه دلی وال به حضور آن قلعه فرستاده مترصد آنست که قلعه را امروز فردا به بنده ها به درگاه تفویض نمایند.“

تاریخی جدول: دارا شکوہ کی مذکورہ جدوجہد، شکست اور زوال کے سلسلے میں یہاں ایک تاریخی جدول دیا جارہا ہے، جس سے تاریخوں کے تعین سمیت ساری صورت حال معلوم ہوجائے گی۔

۲۹ مئی ۱۶۵۸ء: سامو گڑھ کے قریب دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔ (۷ رمضان ۱۰۶۸ھ)

- رات کے ۹ بجے دارا آگرہ پہنچا، اس کے دس ہزار سپاہی جنگ میں قتل ہوئے اور ۹ راجپوت ۱۹ مسلمان جرنیل کام آئے۔ بوندی کا رائے چترا جو ۵۲ لڑائیاں لڑ چکا تھا، اپنے چھوٹے بھائی بھارت سنگھ اور بھائی مقیم سنگھ کے ساتھ اور تین بھتیجوں کے ساتھ خود بھی راہِ اجل کا راہی ہوا۔ رستم خان فیروز جنگ، محمد صالح دیوان، علی مراد خان کے دو بیٹے دلیر خان روہیلے کا بھائی اور ساداتِ بارہہ کے ۵ افراد بھی اس جنگ میں
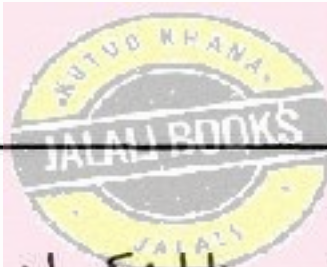
کام آئے۔
- رات ۳ بجے دارا شکوہ اپنے عیال اور خاص آدمیوں سمیت آگرہ سے نکل کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے محل کا سامان شہر کے لوگ لوٹ کرلے گئے۔
- دہلی جاتے ہوئے دو دن کے اندر دارا کے لشکر میں ۵ ہزار آدمی جمع ہو گئے۔

یکم جون ۱۶۵۸ء: ساموگڑھ سے فتح حاصل کر کے عالمگیر آگرہ پہنچ کر نور منزل میں منزل انداز ہوا۔ دس دن اسی مقام پر مقیم رہا۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ، شاہی دربار کے امراء اور فوج کے اہم ارکان، شاہی حلقے سے نکل کر اس کے ساتھ شمولیت اختیار کرتے گئے۔
- شاہجہاں نے حالات کا جائزہ لے کر عالمگیر کے لیے قرب کا پیغام بھیجوایا اور اس کو اپنے پاس حاضر ہونے کا پیغام بھیجا۔ لیکن عالمگیر نے ٹال دیا۔ شاہجہاں نے دوسری دفعہ فاضل خان کو بھجوایا (۵ جون) لیکن عامگیر نے ایک دفعہ پھر ٹال مٹول سے کام لیا۔

۵ جون ۱۶۵۸ء: رات کو عالمگیر نے شاہی قلعے کا محاصرہ کروایا۔ دارا شکوہ دہلی پہنچ کر بابر کے قلعہ میں اقامت پذیر ہو کر دہلی کے خزانے پر قابض ہوا۔

۸ جون ۱۶۵۸ء: آگرہ کے قلعے پر قبضہ کیا (جمعہ ۱۱ رمضان ۱۰۶۸ھ) عالمگیر کے بیٹے محمد سلطان نے اپنے دادا کو (۲۱ رمضان ۱۰۶۸ھ) نظر بند کردیا۔ کسی نے یہ تاریخ کہی ہے:- واعتبروا یا اولی الابصار- ۱۰۶۸ھ۔

۱۲ جون ۱۶۵۸ء: دارا دہلی چھوڑ کر، دس ہزار کی فوج سمیت پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔

۱۳ جون ۱۶۵۸ء: عالمگیر آگرہ سے نکل کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

(۲۲ رمضان ۱۰۶۸ھ)

۳ جولائی ۱۶۵۸ء: دارا لاہور پہنچا (جہاں تقریباً ساڑھے تین مہینے تک رہا) لاہور کا صوبے دار سید غیرت خان تھا۔ جو بعد میں ٹھٹہ کا گورنر بنا اور ٹھٹہ میں ہی وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ دارا کے پاس لاہور کی منزل پر ۲۵ ہزار فوج جمع ہوئی۔

۵ جولائی ۱۶۵۸ء: عالمگیر دہلی پہنچا۔

۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء: دہلی کے باہر شالیمار باغ میں عالمگیر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور رسم تخت نشینی ادا کی اور ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر کا لقب اختیار کیا۔ (یکم ذی القعدہ ۱۰۶۸ھ)

۲۶ جولائی ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے دہلی سے لاہور کی جانب کوچ کیا۔

۱۴ اگست ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے روپڑ کے قریب ستلج کے کنارے پہنچ کر منزل کی۔

۱۸ اگست ۱۶۵۸ء: دارا نے لاہور چھوڑ کر ملتان کی جانب کوچ کیا۔

۲۱ اگست ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے اس منزل پر آٹھ دن تک قیام کیا، تاکہ اُس کا لشکر ستلج پار کرے۔

۲۵ اگست ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے راستے ہی سے ظاہر خان کو لاہور روانہ کیا، تاکہ وہ پہلے پہنچ کر دارا کے چھوڑے ہوئے مال اور آدمیوں پر قبضہ کرلے۔

۲۹ اگست ۱۶۵۸ء: طاہر خان کے بعد خلیل اللہ خان بھی لاہور پہنچا، لیکن اس نے فوراً دارا کے تعاقب میں ملتان کا رخ کیا۔

۴ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے تین ہفتوں تک سلتج کے کنارے قیام کیا، تاکہ اس کا تمام لشکر دریا کو پار کرلے۔ (۱۴ اگست تا ۴ ستمبر)

۵ ستمبر ۱۶۵۸ء: دارا ملتان پہنچا، اس نے خزانہ اور دوسرا سامان فیروز سیواتی اور بسنت ملازم کے ذریعہ کشتیوں میں ڈال کر

بکھر روانہ کیا۔
۱۱ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر نے دریائے بیاس پار کیا۔
۱۲ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر ہیبت پور پہنچا۔
۱۳ ستمبر ۱۶۵۸ء: دارا خشکی کے راستے ملتان چھوڑ کر براہ اُچ بکھر روانہ ہوا۔
۱۷ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر مومن پور پہنچا۔ اس کو خلیل اللہ خان کا یہ پیغام ملا کہ وہ سیدھے ملتان آئیں۔ ممکن ہے کہ دارا ملتان میں مقابلہ کرے۔ عالمگیر نے سامان اور غیر ضروری آدمیوں کو اپنے بیٹے اعظم خان سمیت لاہور بھجوادیا اور خود شیر گڑھ اور قصور کے راستے ملتان روانہ ہوا۔ ۱۷ تاریخ کو مومن پور پہنچ کر دارا کے بکھر جانے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ اسی دن وہ چھے ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ صف شکن خان کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔
۲۱ ستمبر ۱۶۵۸ء: خلیل اللہ خان خود ملتان پہنچا۔ یعنی دارا کے روانہ ہونے کے آٹھ دن بعد۔
۲۳ ستمبر ۱۶۵۸ء: دارا، اُچ پہنچا۔
۲۵ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر ملتان پہنچا۔
۲۶ ستمبر ۱۶۵۸ء: ملتان سے عالمگیر نے شیخ میر اور دلبر خان کو نو ہزار فوج سمیت دارا کے تعاقب میں روانہ کیا۔
۳۰ ستمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر خود بھی ملتان سے دہلی چلا گیا۔ صف شکن خان اچ پہنچا، دارا وہاں سے چار دن قبل نکل چکا تھا۔
۲ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان کے پاس اسی ہزار سونے کی مہریں اور راج مزدور پہنچے۔
۱۳ اکتوبر ۱۶۵۸ء: دارا دریائے سندھ کے داہنے کنارے کے راستے بکھر پہنچا۔
۱۷ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان بکھر سے ۱۲۶ میل کے فاصلے پر مقیم

تھا۔جہاں اس کے پاس شیخ میر اپنے لشکر کے ساتھ پہنچا۔
– شیخ میر دریا کے دائیں کنارے سے بکھر روانہ ہوا اور صف شکن بائیں کنارے سے روانہ ہوا۔ علی الترتیب دونوں کناروں سے بکھر تک ۲۰۰ اور ۱۲۶ میل کا فاصلہ تھا۔

۱۸ اکتوبر ۱۶۵۸ء: دارا بکھر کو چھوڑ کر زیریں سندھ کی جانب روانہ ہوا۔

۲۱ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن بکھر پہنچا (۳ صفر ۱۰۶۹ھ) معلوم ہوا کہ دارا حرم سرا کے آدمی، خزانہ، کچھ توپیں، بارود اور دوسرا بہت سا سامان اپنے ملازم اور سید عبدالرزاق کی تحویل میں دے کر آگے کی جانب نکل گیا ہے۔ اور وہ امراء قلعہ بند ہوکر بکھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یورپی ملازم اور فرنگی توپچی اور اس کا یورپی مصاحب منوچی بھی بکھر کے قلعہ میں موجود ہے۔ دارا لاہور سے ۱۴ ہزار کا لشکر لے کر نکلا تھا۔ راستے میں اس سے جدا ہوتے ہوتے باقی تین ہزار لوگ بچے تھے، بکھر سے ۵۰ میل دور پہنچ کر، اس نے قندھار کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کی بیوی اور دوسرے لوگوں نے انکار کیا۔ جس کی وجہ سے مجبور ہوکر سہون کی جانب روانہ ہوا۔

۲۲ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان روہڑی پر قابض ہوا اور بکھر کے قلعے کا محاصرہ کرنے کے لیے آدمی مقرر کیے۔ (۴ صفر ۱۰۶۹ھ)

۲۳ اکتوبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خود دارا کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ (۵ صفر ۱۰۵۹ھ)

۳۰ اکتوبر ۱۶۵۸ء: محمد صالح ترخان کا خط صف شکن کو ملا، جس

میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ سہون سے دس میل کے فاصلے پر دارا موجود ہے۔ وہ خود فوراً وہاں پہنچ کر اُس کی کشتیوں پر قبضہ کرلے۔

– صف شکن خان پہنچا (۱۲ صفر ۱۰۶۹ھ) لیکن دارا دھوکہ دے کر سہون سے سلامتی کے ساتھ آگے نکل گیا۔

– صف شکن خان نے محمد صالح ترخان کو لکھا کہ دارا کو سہون کے پاس روکو، لیکن اس نے مقابلہ کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

– محمد صالح ترخان پر اِس کوتاہی کا الزام عائد ہوا اور آخر وہ معزول ہو گیا۔

۱ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن خان نے جو جگہ مقرر کی تھی۔ اس مقام پر سہون کے قریب پہنچا (۱۲ صفر ۱۰۶۹ھ) تاکہ وہ دارا کو گرفتار کرے اور اس کی کشتیوں کو روک سکے۔

۲ نومبر ۱۶۵۸ء: ۹ بجے صبح کے وقت معلوم ہوا کہ دارا اور اس کی کشتیاں سلامتی کے ساتھ نکل گئی ہیں۔ صف شکن کے توپچی صرف دو کشتیوں کو نقصان پہنچا سکے۔

۳ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن اس منزل سے روانہ ہوکر بائیں کنارے والی راہ لے کر دارا کے تعاقب کے لیے روانہ ہوا۔ ایک دو دن تک انتظار کرتا رہا تاکہ شیخ میر بھی پہنچ سکے۔

۶ نومبر ۱۶۵۸ء: شیخ میر صف شکن خان کے آمنے سامنے آ پہنچا، دو دن دریا کو پار کرنے میں لگ گئے اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے مل گئے۔

۱۳ نومبر ۱۶۵۸ء: دارا شکوہ یہ تکالیف برداشت کرتا ہوا ٹھٹہ پہنچا۔

۱۴ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن ان کے تعاقب میں ٹھٹہ کی جانب روانہ ہوا۔

۱۷ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن کو خبر ملی کہ ٹھٹہ کے قریب دارا نے بائیں

کنارے سے دریا کو پار کرلیا ہے۔

- دارا ایک دفعہ قبل بھی اپنے والد کے دور میں باپ سے ناراض ہوکر ٹھٹہ آیا تھا۔ بقول صاحب مقالات الشعراء: لیکن ٹھٹہ اس کو پسند نہ آیا۔ ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ قاضی ابراہیم ٹھٹوی ان کا مصاحب تھا۔ اس کو حکم دیا کہ: ٹھٹہ کو جلادو! حکم کی بجا آوری کی خاطر گھاٹ کے اطراف کی چند جھونپڑیوں کو آگ لگادی گئی۔ چنانچہ میر علی شیر قانع کے دور تک اس آگ کے نشانات موجود تھے اور عرف عام میں اس کو "سوختہ گھاٹ" یعنی جلا ہوا پتن کہا جاتا تھا۔

- قاضی ابراہیم ٹھٹہ کا امین الملک تھا۔ اس نے مخزن الاسرار کی شرح لکھی اور شیخ عبدالقادر گیلانی کی ایک تصنیف کا فارسی میں ترجمہ کرکے وہ دارا کے نام معنون کی۔ یہ نسخہ راقم کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور یہ معروف کتاب ہے۔

۱۸ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن ۲۸ میل طے کرکے ٹھٹہ سے دو میل کے فاصلے پر آ پہنچا۔ لیکن دارا ٹھٹہ چھوڑ چکا تھا۔

۱۹ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن نے ٹھٹہ پہنچ کر دارا کے چھوڑے ہوئے سامان پر قبضہ کرلیا۔ شیخ میر بھی ان کے ہاں پہنچ گیا۔

۲۰ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن ٹھٹہ سے آگے روانہ ہوا، چھ میل کے سفر کے بعد دریا پار کرنے کے لیے منزل انداز ہوا۔

۲۳ نومبر ۱۶۵۸ء: صف شکن نے دریا پار کیا، دارا کو اس کا علم نہیں ہوسکا۔

۲۴ نومبر ۱۶۵۸ء: دارا بدین پہنچا، جہاں سے گجرات جانے کے لیے رن کچھ کی راہ لی۔

۲۷ نومبر ۱۶۵۸ء: دارا رن کچھ پار کر کے آگے روانہ ہوا۔
۸ دسمبر ۱۶۵۸ء: عالمگیر کی جانب سے صف شکن خان کو حکم ملا کہ: شجاع کی بغاوت ختم کرنے کے لیے سندھ والا لشکر ہندوستان واپس بھیج دے۔ چنانچہ ناکام تھکا، ہارا اور مایوس لشکر فی الحال بے نیل و مرام واپس ہوا۔
۳ جنوری ۱۶۵۹ء: شجاع کے خلاف عالمگیر نے کجواہی میں لشکر کشی کی۔
۹ جنوری ۱۶۵۹ء: کچھ اور کاٹھیاواڑ سے ہوتا ہوا دارا، شاہنواز خان (عالمگیر کے سسر) کی دعوت پر قلعے میں داخل ہوا۔
آخرِ جنوری ۱۶۵۹ء: شہزادہ مراد اور اس کے بیٹے کو عالمگیر نے قید کر کے گوالیار کے قلعے میں بھجوادیا، جہاں سے بعد میں ۴ دسمبر ۱۶۶۱ء (۲۱ چہار شنبہ ربیع الثانی ۱۰۷۰ھ) کو اسے علی تقی کے قتل کے الزام میں بے بنیاد گناہ کی پاداش میں قاضی سے فتویٰ لے کر قصاص میں شہید کردیا گیا۔
۱۳ فروری ۱۶۵۹ء: دارا ایک مہینے سات دن تک احمد آباد کے قلعے میں مقیم رہا۔ شاہنواز خان نے شہزادہ مراد کا رکھا ہوا، دس لاکھ روپیہ نکال کر اسے دے دیا۔ دارا نے یہ روپیہ تقسیم کر کے تین ہزار کے بجائے بائیس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ (عالمگیر نامہ ۲۹۶-۲۹۹- خافی خان ج۲-۶۲-۶۳)
۱۴ فروری ۱۶۵۹ء: احمد آباد کو چھوڑ کر دارا اجمیر کی جانب روانہ ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یہ راستہ اختیار کر کے آگرہ پہنچے گا اور اپنے والد کو عالمگیر کی قید سے آزاد کرائے گا۔
- راستے میں اسے اطلاع ملی کہ شجاع نے عالمگیر کو شکست دی ہے۔ تو اسے بہت خوشی ہوئی، لیکن تین

منازل عبور کرنے کے بعد اسے اصل حقیقت کا علم ہوا کہ، در حقیقت عالمگیر کے ہاتھوں شجاع کو شکست ہوئی ہے۔

- راجپوتانہ کی جانب، دارا، جودھپور کے راجا جسونت سنگھ کے بھروسے اور آسرے پر جارہا تھا۔

- عالمگیر نے جے سنگھ کی معرفت جسونت سنگھ کو راضی کرلیا۔

- دارا نے یہ خبر سن کی پہلے اپنے ملازم دبی چند کو اس کے پاس بھیجا۔ دوسری مرتبہ بھی دہی چنداس کے پاس گیا۔ آخر تیسری بار اپنے بیٹے سپہر شکوہ کو اس کے ہاں بھجوایا۔

- دارا جب اجمیر پہنچا تو سپہر شکوہ آخری دفعہ جسونت سنگھ سے مایوس ہو کر واپس لوٹ آیا۔

- دارا مجبور اور ماس ہو گیا۔

- عالمگیر لشکر لے کر اجمیر کے قریب آ پہنچا۔ دارا کے لیے دوسرا چارہ نہ تھا، سوائے اس کے کہ اجمیر میں قیام پذیر ہو کر لڑائی کا انتظار کرے۔

۱۱ مارچ ۱۶۵۹ء: عالمگیر اجمیر کے قریب دیورائے **Deorai** سے ایک میل کے فاصلہ پر پہنچ کر منزل انداز ہوا۔

- اجمیر سے چار میل کے فاصلے پر دیورائے کے اطراف میں لڑائی کا میدان تیار ہوا۔ عالمگیر کی منزل سے دو میل کے فاصلے پر اجمیر کی جانب دارا کا لشکر تھا۔

۱۲ مارچ ۱۶۵۹ء: دونوں بھائیوں میں فیصلہ کن جنگ شروع ہوئی۔

۱۳ مارچ ۱۶۵۹ء: جنگ جاری رہی۔

۱۴ مارچ ۱۶۵۹ء: (۲۹ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ) دارا کو شکست ہوئی (۵۳) اور اس کا تمام لشکر تباہ ہوگیا، عالمگیر کا جرنیل شیخ میر قتل ہوا، دارا کا مددگار اور عالمگیر کا

سسر شاہنواز خان بھی قتل ہوا، دونوں جرنیل خواجہ اجمیر کی درگاہ میں دفن ہوئے۔

- دارا نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں دس بارہ لوگوں اور چند عورتوں سمیت سخت پریشانی اور بدحالی کے عالم میں میدان چھوڑ کر سندھ کی طرف چلا گیا، اس کو اپنے مستقبل اور انجام کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ سندھ کیوں جارہا ہے؟ سپہر شکوہ اور فیروز سیواتی اس کے ساتھ تھے۔ آگے چل کر برنیر ان کے ساتھ ہو گیا۔

۱۵ مارچ ۱۶۵۹ء: جے سنگھ اور بہادر خان دونوں اپنے لشکروں سمیت دارا کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔

۲۰ مارچ ۱۶۵۹ء: جے سنگھ میرتا **Mairta** پہنچا۔

۲۹ مارچ ۱۶۵۹ء: دارا ۲۹ میل کے فاصلے پر احمد آباد کے قریب پہنچا تھا، ان کا خیال تھا کہ وہ احمد آباد کے قلعے میں پناہ لے لے، لیکن وہاں بھی اسے کسی نے پناہ نہ دی، سارے راجپوتانہ میں کہیں بھی اسے امان حاصل نہ ہوسکی، جہاں رخ کرتا، وہیں خطرہ اور گرفتاری کی تیاریاں ہونے لگتیں۔ احمد آباد کا قلعہ دار سید احمد بخاری جو دارا کا حامی تھا وہ گرفتار ہو گیا تھا۔

۳۱ مارچ ۱۶۵۹ء: جے سنگھ کے ساتھ جسونت سنگھ بھی آکر شامل ہوا۔ دونوں ہاتھ مل کر دارا شکوہ کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔

۵ اپریل ۱۶۵۹ء: جے سنگھ سدھپور پہنچا۔

۱۱ اپریل ۱۶۵۹ء: جے سنگھ احمد آباد پہنچا، ایک دن رہنے کے بعد آگے روانہ ہوا۔ دارا تقریباً ۱۲ دن قبل احمد آباد کی حدود کو چھوڑ چکا تھا۔

شروع مئی ۱۶۵۹ء: دارا رن کو عبور کر کے بدین کے پاس پہنچ گیا، جہاں

اسے خبر ہوئی کہ قباد خان نے ایک ہزار سپاہ کے ساتھ اس کا راستہ روکا ہوا ہے، دارا یہاں سے سیدھا درمیانی راستے سے سہون پہنچا، سہون سے اس کا ارادہ قندھار جانے کا تھا۔

- لاہور کا گورنر خلیل اللہ خان دارا کو گرفتار کرنے کے لیے لشکر سمیت بکھر کے پاس موجود تھا۔ جے سنگھ اس کا تعاقب کرتا رہا، اب دارا کے لیے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

- اس نازک موقع پر فیروز میواتی جو کہ اس وقت تک اس کے ساتھ تھا، وہ بھی الگ ہو گیا۔

۳ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ ہلود سے چھے میل کے فاصلے پر پہنچا ہی تھا کہ اسے دارا کے رن پار کر جانے کی اطلاع ملی۔

۱۳ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ بھج میں پہنچا، جہاں اسے بدین سے قباد خان کی ارسال کردہ اطلاع ملی کہ دارا بدین سے سہون کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔

- رن ستر میل دور تھا، جے سنگھ نے رن کو پار کرنا شروع کیا، اس کا بہت سا لشکر تباہ ہو گیا، جس کا ذکر اس کے خطوط سے عیاں ہوتا ہے۔

۱۸ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ رحمکی بازار پہنچا۔

۲۹ مئی ۱۶۵۹ء: جے سنگھ نصرپور پہنچا۔

۲ جون ۱۶۵۹ء: دارا سیوی ڈھاڈھر پہنچا، اس کی بیوی نادرہ بیگم کا انتقال ہوا۔

۷ جون ۱۶۵۹ء: جے سنگھ ہالا پہنچا۔

۸ جون ۱۶۵۹ء: دارا نے اپنی بیوی نادرہ بیگم کی میت خواجہ مقبول کے ذریعے سیوی سے میاں میر سندھی کے قبرستان میں دفن کرنے کے لیے لاہور روانہ کی۔

۹ جون ۱۶۵۹ء: ملک جیون کا گھر چھوڑ کر دارا جس وقت درہ بولان

کی طرف روانہ ہوا، اس وقت ملک جیون نے دارا کو گرفتار کروایا۔ (۲۹ رمضان ۱۰۶۹ھ)

۱۵ جون ۱۶۵۹ء: گرفتاری کی خبر جے سنگھ اور بہادر خان کو ملی تو وہ بکھر کے پاس اپنا سامان اور لشکر چھوڑ کر دونوں جرنیل بڑی تیزی کے ساتھ سیوی کی طرف روانہ ہوئے۔

۲۳ جون ۱۶۵۹ء: ملک جیون نے دارا کو بہادر خان کے سپرد کیا اور خود بھی بہادر خان کے ساتھ دہلی روانہ ہوا۔

- بہادر خان نے دارا سے بسنت قلعہ دار کے لیے زبردستی خط لکھایا تاکہ وہ بکھر کا قلعہ سرکاری آدمیوں کے سپرد کردے۔

۲۸ جون ۱۶۵۹ء: دارا قیدی کی حیثیت میں بکھر کے مشرق میں دریا عبور کرکے آگے روانہ ہوا۔

۲ جولائی ۱۶۵۹ء: عالمگیر کو ملک جیون کا خط ملا، جس میں دارا کی گرفتاری کی اطلاع تھی۔ لیکن عالمگیر خاموش رہا، کسی کو یہ بات نہیں بتائی۔ محتاط تھے، اُنھیں کسی پر بھروسہ نہ تھا، اس کو دراصل یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ کہیں یہ کوئی دھوکا نہ ہو۔

۱۵ جولائی ۱۶۵۹ء: عالمگیر کو جب بہادر خان کا خط ملا، تو عالمگیر کو تسلی ہوئی، پھر اس نے سرکاری طور پر دارا کی گرفتاری کا اعلان کیا، دہلی کے عوام سخت مایوس ہوگئے، ان کو بے حد دکھ اور غم ہوا۔

۲۳ اگست ۱۶۵۹ء: دارا شکوہ ایک قیدی کی حیثیت میں نہایت خستہ حالی میں دہلی پہنچا۔

۲۹ اگست ۱۶۵۹ء: دارا کی پگڑی اتار کر ہاتھ پیٹھ سے باندھ کر ہاتھی پر بٹھا کر دہلی کے شہر میں گشت کرواکے رسوا کیا۔

- یہ جلوس لاہوری دروازے سے شہر میں داخل ہوا اور چاندنی چوک سے ہوتا ہوا، قلعہ کے برابر سے گذرتا ہوا، خضر آباد پہنچا، جہاں خواص پور محل میں اسے اتار کر قید میں رکھا گیا۔

- اسی شام کو عالمگیر نے دربار لگایا اور حکم دیا کہ دارا کو فوراً قتل کردیا جائے، دانش مند خان نے جان بخشی کے لیے عرض کی، لیکن دوسرے سب امراء (شائستہ خان، محمد امین خان، بہادر خان (۵۴) حکیم داؤد) نے بادشاہ کی رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے قتل پر اصرار کیا، روشن آرا بیگم نے بھی ان سب کی تائید کی کہ دارا شکوہ کو ضرور قتل کیا جائے۔

- دارا نے جان بخشی کے لیے درخواست کی، جسے نا منظور کیا گیا۔

- مذکورہ جلوس دیکھ کر لوگوں کو سخت غصہ آیا، شہر میں آہ و زاری ہونے لگی اور تمام دارالسلطنت میں ایک محشر بپا ہوگیا۔

۳۰ اگست ۱۶۵۹ء: ملک جیون کو اِس غداری کے عوض عالمگیر کے دربار سے ایک ہزار منصب اور بختیار خان کا لقب ملا، لوگوں کو غصہ تھا۔ پچھلے دنوں تو وہ دارا کے ساتھ ہاتھی پر سوار تھا۔ سخت فوجی پہرہ تھا، اس لیے لوگ کچھ بھی نہیں کرسکے۔

- آج ملک جیون درباری لباس پہن کر اپنے افغان سواروں سمیت دربار میں جانے کے لیے بازار سے گذرا تو لوگوں کے مجمع نے اس کا گھیراؤ کیا، اس پر تھوکا اور چھتوں پر سے عورتوں اور بچوں نے اس پر تھوکا۔ اینٹیں، جوتے، پتھر اور لاتیں ماریں اور خوب گالیاں دیں۔ الغرض کتنے ہی افغان مر گئے ملک جیون زخمی ہو کر گر گیا۔

پورے شہر میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔
- سرکاری فوج پہنچ گئی اور ملک جیون کو بڑی مُشکل کے ساتھ اٹھا کر محفوظ مقام پر پہنچایا گیا۔
- شام کو عالمگیر نے حکم دے دیا کہ فوراً دارا کو قتل کردیا جائے، ممکن ہے کہ لوگ اس کو قید خانے سے آزاد کرالیں۔
- رات کو سیف خان کی زیر نگرانی نذر بیگ بندی خانے میں داخل ہوا۔
- سپہر شکوہ باپ کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ ان کو زبردستی جدا کرکے دوسرے کمرے میں پہنچایا گیا اور دارا کا سر دھڑ سے جدا کرکے عالمگیر کی خواہش پوری کی گئی۔ (۲۱ ذی الحج ۱۰۶۹ھ)
- دارا کا سر عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔

۳۱ اگست ۱۶۵۹ء: دارا کی لاش ہاتھی پر رکھ کر شہر میں گھمائی گئی، اور ہمایوں کے مقبرے میں اس کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا، نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی گئی۔

محمد صالح کی معزولی ۱۰۶۹ھ: بہرحال محمد صالح کا قصور اتنا ہی تھا، ابھی دارا شکوہ کا قصہ چل ہی رہا تھا، محمد صالح کو معزول کرکے (۵۵) رعایت خان کو اس کی جگہ سہون بھیجا گیا۔ محمد کاظم نے لکھا ہے:

"رعایت خان به فوجداری سیوستان، از تغیر محمد صالح ترخان، تعین یافته مشمول مراحم خسروانه گشته." (۵۶)

یہ حکم رجب (۱۰۶۹ھ) میں جاری ہوا، جب دارا اجمیر کے پاس شکست کھاکر (۲۹ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ) سندھ پہنچ چکا تھا، یا پہنچنے والا تھا۔

رعایت خان ۶۹-۱۰۷۳ھ: عالمگیر نامہ کے مؤلف نے رعایت خان کے منصب وغیرہ کے سلسلے میں لکھا ہے:

"منصب رعایت خان که به فوجداری سیوستان از تغیر محمد صالح ترخان منصوب شده بود. به اضافهٔ هفتصد سوار هزار و پانصدی، هزار و پانصد سوار دو اسپه و سه اسپه مقرر گشت." (۵۷)

رعایت خان سہون کی فوج داری پر تقریباً سوا چار سال تک رہا، اور سال ۱۰۷۳ھ میں سہون میں فوت ہوا، جس کی اطلاع عالمگیری سے چھبے (رمضان ۱۰۷۳ھ سے شروع) کے ضمن میں محمد کاظم نے یوں دی ہے:

"به عرض اشرف رسید که: رعایت خان فوجدار سیوستان به اجل طبعی بساط حیات درنوردید." (۵۸)

محمد صالح کو معافی ۱۰۷۰ھ: محمد صالح معزولی کے بعد واپس گجرات گیا یا سندھ میں ہی رہائش پذیر ہوا، مورخین کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے یہ جاننا مشکل ہے۔ اس کے بارے میں پھر اطلاع اس وقت ملتی ہے، جب ان پر شاہی عتاب ختم ہوا اور اس کا نام لینا اور لکھنا جائز ہوا۔

عالمگیر کے دوسرے سال میں جب اُنھوں نے اپنی پیدائش کا جشن منایا، اور خود شمسی حساب کے مطابق ۴۱ ویں سال کے بعد ۴۲ویں سال میں قدم رکھا، اس موقع پر اس نے بہت سے زیر عتاب امراء کو ان کی خطائیں معاف کرکے دوبارہ اپنے منصب پر بحال کردیا۔ مثلا راجا جسونت سنگھ کا راجگی کا خطاب جو ضبط ہوچکا تھا، اس موقع پر دوبارہ واپس کیا گیا، اس طرح خان عالم کی بھی تقاصیر کی معافی ہوگئی، اسے سہ ہزاری منصب پر فائز کیا گیا۔ محمد کاظم اپنی کتاب میں روایت کرتا ہے کہ محمد صالح ترخان کو بھی اس موقع پر 'بادشاہ خطا بخش' نے معاف کردیا۔

"محمد صالح ترخان که سابق قلعه دار سیوستان بود، بنا برتهاون تقصیری... هنگام رفتن دارا بی شکوه به تته، چنانچه در مقام خود گذارش یافته... ازو صادر شده، از منصب معزول

گشتہ مغضوب و معاتب بود، از مراحم شہنشاہ جرم بخش رخصت کورنش یافتہ بہ منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار، کامیاب تفضل گردید۔" (۵۹)

عالمگیر کی عمر کا بیالیسواں سال جمعرات کے دن ۵ ربیع الاول ۱۰۷۰ھ کو شروع ہوا اور اسی دن جب تمام امراء اور درباریوں پر انعام و اکرام کی بارش ہوئی، اس وقت محمد صالح کی خطا بھی معاف ہوئی۔ اس کو دربار میں حاضر ہو کر کورنش بجا لانے کی اجازت ملی۔ اور اس کو پندرہ صدی منصب واپس ملا۔ ماثر الامراء کے مؤلف نے، جس کا ماخذ وہی کتاب ہے، لکھا ہے کہ:

"مورد عتاب خسروانی گردید و از منصب و خطاب بر طرف شد۔ و باز در سال دوم عالمگیری بہ منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار بہ حال گشت۔" (۶۰)

اسی موقع پر زاہد بیگ ترکمان کو جو صف شکن کے ساتھ سندھ کی مہم پر خاص خدمت انجام دے چکا تھا، زاہد خان کے خطاب سے نوازا گیا۔ (۶۱)

مندرجہ بالا مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صالح رجب ۱۰۶۹ھ کو معزول ہوا، اور تقریباً ۹ یا ۱۰ مہینے کے بعد ربیع الاول ۱۰۷۰ھ میں اس کی خطا معاف کر کے اسے دوبارہ منصب اور ملازمت پر بحال کیا گیا۔

بہادر کی مہم، ربیع الثانی ۱۰۷۰ھ: ماثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ محمد صالح ترخان کو منصب دوبارہ واگذشت ہونے کے بعد بہادر خان کی سپہ سالاری کے تحت بہادر پچکوٹی کی تنبیہ کے لیے روانہ کیا گیا۔ جس نے بسواری کے آس پاس فساد اور شورش کی تھی۔ (۶۲)

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: ۸ ربیع الاول ۱۰۷۰ھ میں بہادر خان کو اس مہم پر مقرر کیا گیا۔ یعنی منصب بحال (۱۵ ربیع الاول) ہونے کے چوتھے دن یہ مہم در پیش ہوئی، شہنشاہ عالمگیر اس وقت دہلی سے روانہ ہو کر دو کوس کے فاصلے پر شکار کے لیے منزل انداز تھا۔

"چون وقایع سمت پورب، مکرر به عرض واقفان پایهٔ سریر خلافت مصیر رسیده بود که: بهادر نام مفسد از طائفهٔ پچکوتی در سمت بیسواره سر به فتنه وفساد و رهزنی افساد برداشته است، و جمعی کثیر وفرقهٔ انبوه از کواران و متمردان طایفهٔ بیس و دیگر واقعه جویان و خلاف منشان آن سمت، به او گردیده به استظهار جمعیت و هجوم اوباش، لوای جرأت و جسارت به تاخت غارت آن حدود افراشته و رعایا و متردین از سر شورش وطغیانش در امان نیستند، لهٰذا دفع او نیز پیشنهاد خاطر اقدس گشته. بهادر خان با جمعی از افواج نصرت مال به دفعه و استیصال آن بغی اندیشه فتنه سگال تعین یافت، و به عنایت خلعت خاص و شمشیر و سپر هر دو با ساز مرصع مورد نوازش گشته، درین تاریخ (۸ ربیع الاول) مرخص شد۔" (۶۳)

بہادر خان جس نے دارا شکوہ کی مہم میں سندھ میں نہایت سرگرمی کا مظاہر کیا تھا، اور دارا شکوہ کو ملک جیون سے لے کر دہلی تک پہنچایا تھا۔ اسی طرح اب بہادر خان کی سرکردگی میں محمد صالح روانہ ہوا۔ کئی دوسرے امراء اور منصب دار اس مہم پر فائز ہوئے۔ مثلاً رائے امر سنگھ چندراوت، جگت سنگھ ہادہ، رام سنگھ راٹھوڑ، اغر خان، سید مصطفی، رگھ ناتھ، غیرت خان، مظفر، بہادر افغان کے بیٹے بلوہ چوہان وغیرہ۔ محمد کاظم نے لکھا ہے کہ تمام امراء "به مراحم خسروانه سر بلند گردیدند۔"

اس کے بعد بادشاہ نے بھی دو دنوں کے بعد ۱۱ تاریخ کو شکار کے لیے گڑھ مکتسیر کی جانب کوچ کیا۔ (۶۴)

اختتام، ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ: بادشاہ ابھی شکار پر ہی تھا کہ بہادر خان اور اس کے ساتھ پچکوٹی کے فساد کو ختم کرکے واپس آگئے۔ بادشاہ نے شکار کے سفر سے واپسی پر ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ کو شاہدرہ میں منزل کی۔ (جو کہ دہلی سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا)

انھی دنوں بہادر خان کو خان دوراں کے تبادلے کی وجہ سے الہ آباد کی صوبے داری کے خالی عہدے پر تقرر کا فرمان خلعت سمیت بجھوایا گیا۔ شیواجی، ۱۹ ربیع الاول ۱۰۷۵ھ: ۱۰۷۰ھ میں جمادی الثانی کے مہینے میں بہادر پچکوٹی کی مہم سے واپسی کے بعد ۱۰۷۵ھ تک سال کا عرصہ محمد صالح نے کہاں اور کس مشغولیت یا خدمت میں گذارا، اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ محمد کاظم بھی اس معاملے میں خاموش ہے۔ اور ماثر الامراء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ بہادر پچکوٹی کی مہم سے واپسی کے بعد محمد صالح:

"پس ازان تعین یساق دکن گردیده، به همراهی میرزا راجه جی سنگ در تسخیر قلاع سیوائی بونسله و تاخت و تاراج ولایت او، کمر خدمتگاری محکم بست." (۶۵)

شیواجی کی شورش اور بغاوت کو فرو کرنے کے لیے پہلے راجہ جسونت سنگھ کو بھیجا گیا، لیکن یہ معاملہ وہ اکیلا ختم کرنے سے قاصر تھا۔ بادشاہ جیسا چاہتا تھا، ویسے راجہ نہیں کرسکا۔

"مهاراج جسونت سنگ که با عساکر قاهره به استیصال او تعین یافته بود، اگرچه بر سر ولایت آن مردود رفته یکچند به محاصره بعض از قلاع او قیام ورزید و در تخریب ولایت و تسخیر حصون آن مقهور سعی موفور به ظهور رسانید، لیکن اثری که مطلوب اولیای دولت بود، بر کوشش او مترتب نشد و هیچ یك از قلعهای عظیم آن مخذول لئیم مفتوح نگشت، و مهم او به طول و امتداد کشید." (۶۶)

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ، اسی وجہ سے بادشاہ سلامت کا خیال تھا کہ جسونت سنگھ کو واپس بلوا کر اس مہم پر راجہ جے سنگھ کو جو کہ: "از راجه های ذی شان و به حسن تدبیر و جمعیت لشکر... و وفور سامان سرداری و سر لشکری را شایان بود." چند دوسرے امراء سمیت بھجوادے، جسونت سنگھ یا راجہ جے سنگھ دونوں عالمگیر کے معتبر امیر تھے۔ دارا شکوہ کے سلسلے میں ان دونوں کے کارنامے گذشتہ صفحات

میں بیان ہوچکے ہیں۔

دلیر خان، داؤد خان، راجہ رائے سنگھ، احتشام خان شیخ زادہ، قباد خان، راجہ سجان سنگھ بدیلو، کیرت سنگھ، ملا یحییٰ نایت، راجہ نرسنگھ گور، پورنمل بندیلو، زبردست خان، بادل بختیار، برق انداز خان اور دوسرے کئی بہادر جرنیل، چودہ ہزار جوانوں اور دوسرے ضروری اسلحہ اور اسباب سمیت اس مہم کے لیے نام زد ہوئے۔

راجہ جے سنگھ ہفتہ ۱۹ ربیع الاول ۱۰۷۵ھ کو شاہی وزن کے جشن میں شریک ہونے کے بعد انعام اور خلعتیں و دوسری شاہی عنایات حاصل کرکے اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ (٦٧) ۲۵ شعبان ۱۰۷۵ھ کو پونہ پہنچ کر جسونت سنگھ سے ملا۔ جو ان کے انتظار میں تھا۔ (٦٨) اس کو چارج دے کر وہ شاہی دربار کی طرف روانہ ہوا اور راجہ جے سنگھ ۷ رمضان ۱۰۷۵ھ کو پونہ سے کوچ کرنے کے بعد شیوا جی کے مقابلے کے لیے ساسور کی جانب روانہ ہوا، ساسور کے پاس شیوا جی کے دو مضبوط قلعے تھے۔ ایک ردر مال اور دوسرا پورندھر۔ راجہ نے سوچا کہ پہلے ان دونوں قلعوں کو فتح کرے، چنانچہ ۲۲ رمضان ۱۰۷۵ھ کو راجہ جے سنگھ نے ساسور سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ کر حملہ کرنے کی نیت سے پڑاؤ ڈالا۔

محمد صالح ترخان: راجہ جے سنگھ کی سرکردگی میں جو امراء دیے گئے تھے، ان کی فہرست اوپر دی گئی ہے، محمد صالح کا نام اس میں شامل نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جسونت سنگھ کی کمان داری میں محمد صالح پہلے ہی اس مہم پر چلا گیا ہو۔ جب جے سنگھ اور شیوا جی کا مقابلہ اور معرکہ شروع ہوا، اس وقت محمد صالح ترخان موجود تھا اور اس نے جنگ میں نمایاں اور قابل ذکر حصہ لیا۔

بارہ رمضان کو راجہ جے سنگھ نے مندرجہ بالا منزل پر پہنچ کر دلیر خان کو آگے روانہ کیا۔ تاکہ وہ راستے کی تمام مشکلات کو طے کرکے ساسور کے سامنے جاکر خیمہ زن ہو۔ وہ خود بھی دو دن کے بعد وہاں روانہ ہوا۔

دلیر خان منزل مقصود پر پہنچ کر ابھی لشکر کے لیے جگہ اور زمین

منتخب کررہا تھا کہ شیوا جی کا لشکر آ پہنچا۔ یہ اچانک اور پہلا حملا تھا۔ دلیر خان نے بھی جوابی کارروائی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقابل حملہ آور تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹ گئے اور اسی پہاڑی پر پہنچے، جس کی بلندی پر دو قلعے پورندھر اور ردر مال تھے۔ اس معرکے میں شیواجی کے لشکر کا بہت نقصان ہوا، کچھ سپاہی قلعے میں داخل ہو کر پناہ گزین ہوئے اور بہت سوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

قلعے کا محاصرہ: دلیر خان نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ راجہ جے سنگھ کو جیسے ہی اس کی اطلاع ہوئی، اس نے اپنے بیٹے کیرت سنگھ کو تین ہزار سواروں سمیت دلیر خان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اس وقت راجہ جے سنگھ، قباد خان، مترسین، اندرمن اور بادل بختیار نے اپنے اپنے دستے ان کی طرف روانہ کردیے، اس طرح داؤد خان بھی پوری آب و تاب کے ساتھ قلعے کے سامنے پہنچ گیا۔

محمد کاظم نے محاصرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان امیروں کے نام دیے ہیں، جو محاصرے کو تنگ کر کے پورندھر کے قلعے کے دروازے پر پہنچے۔ مثلاً جن دستوں کے ساتھ محمد صالح ترخان تھا، اس کے لیے لکھا ہے کہ:

> "داؤد خان به اتمام تابینان خویش و راجا رای سنگ راتور، و محمد صالح ترخان و رام سنگ و سید زین العابدین بخاری و حسین داؤد زیی و شیر سنگ راتور و راج سنگ گور و چندی دیگر از بنده های بادشاهی، عقب قلعۂ پورندر مقابل کُرکی، جای مورچال گزیدند۔"

ردر مال کی شکست، ۲ شوال ۱۰۷۵ھ: دوسرے دن راجہ جے سنگھ بھی روانہ ہوا۔ ساسور کے پاس پہنچ کر، دو کوس کے فاصلے پر لشکر کو وہاں بٹھا کر قلعے کے قریب صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے پہنچ گیا۔ شوال کی ۳ تاریخ کو، وہاں سے روانہ ہو کر قلعے کے پاس خیمہ زن ہوا۔

روزانہ مقابلے شروع ہو گئے، اور دونوں جانب سے تیر و تفنگ چلنے لگے، ردر مال کے قلعے کا ایک برج مسلسل توپ زنی کی وجہ سے گر گیا،

۶ شوال کو دلیر خان نے اس برج پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا۔ اس قبضے میں دونوں طرف کے لوگوں کو جو جانی نقصان ہوا، اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے محمد کاظم نے ایک خاص انداز اختیار کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

"درین یورش و آویزش چهار کس از تا بینان دلیر خان، پیکر مردی به زینت زخم آراستند، و هفت تن از مخالفان بر خاك هلاك افتاده چهار کس زخمدار شدند."

یعنی دشمن کے سپاہی موت کی مٹی پر گر پڑے۔ اور دلیر خان کے چار نوجوانوں نے جوان مردی کے جسم کو زخموں سے سجا لیا تھا۔

بہرحال ردر مال قلعے کے سپاہی مقابلے کی تاب نہ لاکر اور محاصرے سے تنگ ہوکر دلیر خان کے سامنے پیش ہوئے اور قلعہ اس کے سپرد کردیا۔ اس قلعے کو حاصل کرنے میں شاہی لشکر کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا۔ محمد کاظم کا قول ہے کہ:

"در تسخیر آن حصار استوار از مبارزان جلادت شعار قریب پنجاه سوار وسی پیاده جان نثار گشتند. وسی و دو سوار و هفتاد و هفت پیاده را آسیب زخم رسید." (۲۹)

تاخت و تاراج ۱۹ شوال ۱۰۸۵ھ: قلعہ سر ہوجانے کے بعد راجہ جے سنگھ نے مختلف دستوں کو مرتب کرکے، اس کے لیے مختلف سمتوں میں روانہ کئے تاکہ وہ دشمن کے ملک کے تمام علاقوں کے اندر لوٹ مار اور زد و کوب کرکے مخالفین کے لیے دشواریاں پیدا کریں۔

"بعد از فتح این قلعه، راجه به صوابدید رای اخلاص پیرا، داؤد خان را با راجه رای سنگ و شرزه خان و امر سنگ چندراوت، محمد صالح ترخان، وسید زین العابدین بخاری و اچل سنگ کچواه نوکر عمدۂ خود و چهار صد سوار از تابینان خویش و جمعی دیگر از مبارزان بسالت کیش، که همگی قریب هفت هزار سوار بودند، معین نمود که: از دو طرف بولایت سیوای مردود در آمده بتاخت و تاراج پردازند، و بدین جهت کار بر آن تیره روزگار تنگ سازند."

شوال کی ۱۹ تاریخ کو داؤد خان اپنی نئی مہم پر روانہ ہوا۔ محمد صالح ترخان بھی اپنے دستوں سمیت ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ مقررہ پروگرام کے تحت، وہ لشکر جہاں سے بھی گذرتا، آگ لگاتا، ملک کو نیست و نابود کرتا ہوا آگے کی طرف بڑھتا گیا۔ مثلاً ۲۱ شوال کو روہیڑہ کے نواح میں قلعہ راج گڑھ کے پاس پہنچ کر ۵۰ گاؤں (قریہ) کو۔ چون خرمن بخت اعادی۔ آگ لگاکر جلادیا۔ اس کے علاوہ چار بڑے گاؤں (موضع) بھی تباہ کردیے اور:

"و رعایای ضلالت گرا اسیر گردیده مواشی وامتعه واشیای آنها، به دست بهادران ظفر لوا در آمد."

۲۳ شوال کو راج گڑھ قلعے کی طرف بڑھتے ہوئے شاہی دستے:

"بسیاری از مواضع و قریه را آتش در زده ویران ساختند."

۲۴ شوال کو قلعہ راج گڑھ کے پاس پہنچ کر بقول کاظم:

"به تسخیر مضافات و نواحی آن پرداختند."

قطب الدین خان کے لیے مرقوم ہے کہ وہ اپنے حمایتوں کے ساتھ پوردہ گھوڑہ اور تاسی گھوڑہ کے قریب کنواری قلعے کے پاس پہنچ گیا اور:

"به تخریب ولایت اهل کفر و غدابت پرداخت از سکنۂ آن و بوم، اسیر بسیار گرفت و مواشی بیشمار به دست آورد."

۲۹ شوال کو داؤد خان اور قطب الدین خان دونوں آپس میں آملے اور دونوں ایک ساتھ قلعہ لوہ گڑھ کی جانب بڑھے۔ قلعے کے پاس پہنچتے ہی طرفین میں جنگ ہوئی، جس میں مخالفین شکست کھاکر بھاگ گئے اور قلعہ شاہی سواروں کے ہاتھ آگیا، اس طرح چاروں طرف شاہی لشکر کے دستے، "عاصیان مردود" کی ولایت کو "پامال و تاخت و تاراج" کرتے ہوئے مقررہ پروگرام کے مطابق پونا کے قریب آ پہنچے۔

شاہی لشکر نے آخری معرکے کی تیاری راج گڑھ کے قلعے کے پاس کی، کیونکہ شیواجی کے اہل و عیال اور سارا مال خزانہ اسی قلعے میں موجود اور محفوظ تھا۔

پیش ہونا، ۷ ذی الحج ۱۰۷۵ھ: شیوا جی نے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے ایک طرف تو مقابلے کی تیاری کی اور دوسری طرف ایک برہمن کو راجہ جے سنگھ کے پاس امان طلبی کے لیے بھیجا۔ راجا نے اس کی جان، مال اور عیال کی حفاظت کا وعدہ کیا، جس کے بعد ۷ ذی الحج ۱۰۷۵ھ شیوا جی طے شدہ طریقے سے راہ گڑھ سے نکل کر راجا کی منزل کی طرف بڑھا۔ دوسرے دن راجہ جے سنگھ نے قلعے کا محاصرہ مزید تنگ کروا کر، قتل و غارت گری کو فروغ دیا، تاکہ شیوا جی اپنا ارادہ تبدیل نہ کرے۔

آخر شیوا جی گوٹھ شیواپور کے تھانے دار سرفراز خان کو اپنا شفیع بنا کر، اس کو ساتھ لے کر راجہ جے سنگھ کے سامنے پیش ہوا۔

پیش ہونے کے بعد (۷۰) شیوا جی نے ۳۵ قلعوں میں سے جو اس کے قبضے میں تھے، ۲۳ قلعے شاہی لشکر کے سپرد کردیے، جن میں دو محکم ترین قلعے پورندھر اور ردرمال بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ یہ معاہدہ بھی ہوا کہ: اپنے ملک کی آمدنی میں سے دس لاکھ وہ شاہی خزانے کو دے گا، باقی بارہ قلعے، جن کی قیمت تقریباً ایک ایک لاکھ ہوتی تھی، اس کے پاس رہے۔ اس کے علاوہ اس کا آٹھ سالہ بیٹا سنبھا جی بھی بطور یرغمال شاہی دربار میں رہے گا۔ اگر کبھی کسی بھی مہم میں ضرورت پیش آئی تو شیوا جی سرکاری طلب پر فوراً آکر حاضر ہوگا۔

انعام اور منصب: شیوا جی کے پیش ہونے، شرائط طے کرنے اور قلعہ حوالے ہونے کا احوال راجا کے عریضے کے ذریعے ۱۹ ذی الحج ۱۰۸۵ھ کو شاہی دربار میں پہنچا، بادشاہ نے خوشخبری پہنچتے ہی:

> "به اشارهٔ معلی شادیانهٔ اقبال به نوازش آمد و عواطف خسروانه راجه را به عطای خلعت خاص و شمشیر خاصه با ساز میناکار و یک زنجیر فیل بایراق نقده و جل زربفت نواخته، دو هزار سوار از تابینانش دو اسپه سه اسپه مقرر فرمود که منصبش اصل و اضافه هفت هزار هفت هزار سوار دو اسپه سه اسپه باشند."(۷۱)

اس طرح راجہ کے بیٹے کنور رام سنگھ، دلیر خان، داؤد خان، راجہ

رائے سنگھ، کیرت سنگھ، سجان سنگھ اور ترکتاز خان کو بھی درجہ کے مطابق انعام و اکرام ملے اور ان کے منصب میں بھی اضافہ ہوا۔
محمد صالح کو کیا ملا؟: محمد کاظم نے مندرجہ بالا جرنیلوں کے نام کی فہرست دے کر، مہم میں دوسری شراکت داروں کے لیے فقط مجمل طور پر لکھا ہے کہ:

"دیگر بندہ ھا در خور حال به اضافۂ مناصب و دیگر مواهب نوازش یافتند۔"(۷۲)

محمد صالح ان "دیگر بندہ ھا" کے ضمن میں آتا ہوا نظر آتا ہے، جس کے لیے معلوم کرنا مشکل ہے کہ اس کی کس طرح قدر افزائی کی گئی۔
بیجاپور کی مہم، ۲۳ جمادی الاول ۱۰۷۶ھ: عالمگیر نے شہزادگی کے دوران یا بادشاہی تک پہنچنے کے بعد بھی زندگی کے تین حصے دکن میں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ جنگ لڑتے ہوئے بسر کردیے، تخت نشینی کے بعد، شیوا جی کی مہم در پیش آئی، اب اس کے لشکر کو ایک اور مہم بیجاپور کے والی عادل شاہ کی درپیش ہوئی۔ جس کے لیے راجہ جے سنگھ کی سرکردگی میں یہی تمام لشکر بیجاپور کی جانب منتقل کیا، جو پہلے ہی شیواجی کے سلسلے میں دکن میں موجود تھا۔
محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں عادل شاہ کے حسب نسب پر سخت حملے کیے ہیں۔ مثلاً

"عادل خان حاکم بیجاپور... در اصل از جوہر شعور و دانایی محروم و به نقص فرومایه نژادی و صمت پستی نسب موسوم است۔" (۷۳)

محمد کاظم کا قول ہے کہ عادل خان کو مسند سوائے کسی حق اور وارث کے ملی، اس وقت عالمگیر شہزادہ تھا اور اورنگ آباد میں مقیم تھا۔

"دران ایام خیر انجام که صوبۂ دکن مرکز رایات اقبال و آرام گاہ موکب جاہ و جلال بود، آن ناقابل امر ایالت که بی سابقۂ

ارث و استحقاق تازہ بہ حکومت آن ولایت رسیدہ بود، امور دولت و امارتش کمال فتور و اختلال داشت۔" (۷۴)

عادل شاہ کے ملک میں "فتور اور اختلال" کی کوئی بھی تفصیل نہیں بیان کی گئی، اس لیے قاری کے لیے ناممکن ہے کہ وہ الزام اور حقیقت، حق اور ناحق کے درمیان تمیز کرسکیں۔ محمد کاظم نے تفصیل دینے سے گریز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تفصیل موجب اطناب" ہے۔

عالمگیر نے خود بیجاپور پر حملہ کرکے بیدر اور کلیان کا قلعہ فتح کیا۔ ارادہ تھا کہ بیجاپور تک جائے، لیکن مرکز کے حالات و واقعات نے اسے واپس لوٹنے پر مجبور کیا، اس کے علاوہ عادل خان نے بھی ایک کروڑ روپے دینے کی پیش کش کا وعدہ کرکے سردست مصیبت کو ٹالنا مصلحت کی خاطر ضروری سمجھا۔

تخت نشینی کے بعد: جب وہ دارا اور شجاع کے مسائل سے فارغ ہوا، تب اسے بیجاپور والی پیش کش وصول کرنے کا خیال آیا۔ لیکن بقول محمد کاظم "مجہول النسب" (۷۵) عادل شاہ مختلف بہانوں سے ٹال مٹول کرکے دیر کرتا رہا۔

محمد کاظم نے دکن کے باشندوں کے لیے نفرت اور حقارت کا اظہار کیا ہے۔ جس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ عالمگیر کے دربار اور دور میں دکن اور دکن کے رہنے والوں کے لیے کون سا ماحول تھا۔ عادل شاہ کے ٹال مٹول کا ذکر کرتے ہوئے، محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: دکن والے اصل سے ہی روباہ خصلت ہیں:

"تاخیر و تسویف در امور و کوتہ اندیشی و نا عاقبت بینی و مکیدت و احتیال از خصائص احوال دکنیان روبہ خصال است، در ادای وجہ پیشکش تعلل و تاخیر ورزید۔" (۷۶)

یہ لیت و لعل چل رہی تھی کہ عادل شاہ کے کچھ قلعوں پر شیوا جی نے حملہ کرکے قبضہ کرلیا۔ عادل شاہ نے اس وقت وہ پیشکش بھیج کر عالمگیر کو مدد کی درخواست کی۔

عالمگیر نے اپنا لشکر شیوا جی کی سرکوبی کے لیے روانہ کرکے

عادل شاہ کو حکم دیا کہ وہ بھی دوسری طرف سے شیوا جی پر حملہ کرے، تاکہ دونوں طرف سے شیوا جی پر دباؤ پڑے۔ محمد کاظم نے لکھا ہے کہ در اصل عادل شاہ کی مرضی بالکل نہ تھی کہ شیوا جی ختم ہوجائے۔ وہ فقط شاہی لشکر پر دباؤ ڈال کر صرف شیوا جی سے اپنے قلعے خالی کروانا چاہتا تھا، ورنہ اس کی نیت تو یہ تھی کہ بیجاپور اور ہندوستانی حکومت کے درمیان شیوا ایک دیوار کی صورت میں ضرور قائم رہے۔

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: کج اندیشی اور کوتاہ نظری– چونکہ اہلِ دکن کی فطرت ہے، اس لیے راجہ جے سنگھ کے لیے عالمگیر نے حکم بھجوایا کہ شیوا جی کی مہم سے فارغ ہو کر فوراً بیجاپور پر حملے کے لیے روانہ ہو۔

> "بعد از بندوبست قلاع و ولایاتی کہ از سیوای بہ تصرف اولیایِ دولت قاہرہ در آمدہ بود، با افواج منصور بہ تاخت ولایت بیجا پور شتافتہ در تخریب توابع و مضافات آن کہ ہمگی سکانش در کیش کفر و جہالت و آئین بت پرستی و ضلالت اند، جہد و کوشش بکاربرد۔" (۷۷)

ابتداء میں جب قصہ شروع ہوا تھا، مجہول النبی کو بی ارث، ملک ہاتھ آجانے کی وجہ سے پیدا ہونے والا 'کمال فتور اور اختلال' کے سبب جس کی صورت حال بیان کرنا 'طول الکلام' کا سبب بن رہا تھا۔ درمیان میں ایک کروڑ کی پیش کش پر فتور اور اختلال کے مسئلے کو نظر انداز کیا گیا۔ پھر جب اسی ایک کروڑ کی پیشکش دینے میں تاخیر ہوئی تب حملہ کرنے کے لیے 'کفر اور جہالت' کا مسئلہ پیش آیا اور بیجاپور کے مسلمان حکمران پر لشکر کشی ہر لحاظ سے جائز اور ضروری ہو گئی۔

راجہ جے سنگھ کی زیر کمان ۲۲ جمادی الاول ۱۰۷۶ھ کو پورندھر کے قلعے سے شاہی لشکر بیجاپوریوں کی تادیب اور تخریب کے لیے روانہ ہوا۔

اسی مہم پر راجا کے ساتھ کتنے ہی نامور امراء اور منصب دار شامل تھے، جن کی فہرست عالمگیر نامہ (۹۸۸–۹۸۹) میں موجود ہے۔

لشکر کی بر انغار کی کمان داؤد خان کے حوالے تھی۔ جس کے ساتھ منجملہ اور فوجی جرنیلوں کے محمد صالح ترخان بھی شامل تھا۔ چھے ہزار سوار ان جرنیلوں کے حوالے کیے گئے۔ (۷۸)

شاہی لشکر نے بیجاپور کی سلطنت پر حملے شروع کردیئے، ابتداء میں اُنھوں نے کئی قلعے بھی قبضے میں کرلیے۔ لیکن پورا سال لڑنے کے باوجود بیجاپور کو فتح نہیں کرسکے، بیجاپور سے ۸ کوس کے فاصلے پر پہنچ کر شاہی لشکر کو مقابلہ کرتے ہوئے کئی مہینے لگ گئے۔

واپسی، ۳۰ ذی القعدہ ۱۰۷۶ھ: لشکر تھك گیا تھا۔ برسات کا موسم بھی آگیا تھا۔ راجا کے لیے عالمگیر کا حکم پہنچا کہ بیجاپور کی مہم کو فی الحال ترك کرکے واپس آکر اورنگ آباد میں منزل انداز ہوں، برسات کا موسم گذر جانے کے بعد پھر دیکھا جائے گا۔

راجہ جے سنگھ نے اِس حکم کے مطابق ۳۰ ذی القعدہ ۱۰۷۶ھ کو کوچ کیا۔ ۸ جمادی الاخر ۱۰۷۷ھ کو واپس آکر اورنگ آباد پہنچا۔ (۷۹)

محمد کاظم نے لکھا ہے کہ: مقابلوں اور مجادلوں کی وجہ سے شاہی لشکر بہت زیادہ تلف ہوچکا تھا، اور پھر جب برشگال کا موسم آیا تو ان میں مقابلے کی سکت اور توانائی باقی نہیں رہی، پروانے میں مذکورہ بالا صورت حال کی بنائی پر راجہ کے لیے یہ بھی حکم تھا کہ خود اورنگ آباد میں مقیم رہے اور دوسرے امراء اور لشکریوں کو اپنے اپنے مقامات کے لیے چھٹی دے دے، تاکہ وہ آرام کریں اور اپنا ساز و سامان بھی درست کریں۔

> "به راجه جیسنگ صادر شد که: باجنود مسعود به بلدهٔ فاخره اورنگ آباد معاودت نموده موسم بر شگال را آنجا بگذراند، و برخی امرا و لشکریان را به محال تیول خویش، رخصت نماید که مرفه و آسوده حال شوند." (۸۰)

آخری اطلاع: عالمگیر نامه میں محمد صالح ترخان کے متعلق یہ (۱۰۷۶ھ کو) آخری اطلاع ہے۔ بیجاپور سے واپسی پر راجا جے سنگھ کے ساتھ اورنگ آباد میں رہ گیا، یا واپس اپنی کسی جاگیر (؟) پر گیا (؟) یہ پتا کرنا

مشکل ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ سہون سے بر طرف ہونے کے بعد جب اس کا قصور معاف ہوا تو اُس کو کہاں جاگیر دی گئی؟

وفات اور قبر: میرزا صالح کے آخری ایام کا کسی بھی کتاب میں ذکر نہیں ہے، کسی بھی شخص نے اس کی تاریخ وفات نہیں بتلائی، نہ ہی کسی کو یہ علم ہے کہ کہاں فوت ہوا، اور کہاں دفن ہوا۔ ماثر الامراء کے مؤلف کو بھی یہ شکایت ہے کہ: تاریخ فوتش نظر نیامد. اسی طرح کسی دوسرے تذکرے یا بیاض یا تاریخ ہی سے یہ عقدہ کشائی نہ ہوسکی۔

اس کا آخری ذکر راجا جے سنگھ کی ہمراہی میں عادل شاہ کے ساتھ معرکہ آرائیوں کے سلسلے میں آیا ہے، جو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ نہ اس کے بعد کی کوئی خبر ہے کہ کتنا وقت شاہی ملازمت میں گذارا اور کس طرح اس کی زندگی پوری ہوئی۔

اس کی قبر کے متعلق بھی نہیں کہہ سکتے کہ باپ کے ساتھ ہے یا نہیں۔ رانک کی مرکزی قبروں سے کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے، اگر مکلی میں دفن ہوا ہوگا تو ممکن ہے کہ ان قبروں میں سے کوئی ایک قبر اُس کی ہو۔ اگر اس کا انتقال ہندوستان میں ہوا ہو تو اُس کی لاش وہاں سے مکلی پہنچائی گئی ہوگی۔ جس طرح اس کے بھائی میرزا عنایت اللہ اور اس کے والد میرزا عیسیٰ کی لاش گجرات سے سندھ پہنچائی گئی۔

عالمگیر کا کتاب دار: رسالہ معارف اعظم گڑھ میں خان خانان کے کتب خانہ پر حافظ نذیر احمد مرحوم کا ایک مضمون آج سے ۴۴ سال قبل شائع ہوا۔ تھا، جس کے کئی حصوں کا اعادہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اسلامک کلچر میں کیا گیا ہے۔ مضمون نویس ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا ایک خطی کلام مجید کا ذکر کرتے ہوئے اس پر لکھی ہوئی ایک عبارت کو محمد صالح ترخان کی طرف منسوب کرتا ہے، عبارت یہ ہے:

> "مصحف مجید به خط نسخ ترجمه در بین السطور به خط خفی نوشته، چهار لوح و جدول و طلارنگ آمیز. اکثر اوراق آب رسیده داغدار. بر حواشی اوراق خط خانخانان عبدالرحیم. ابری جلد، زر دوزی اطلس... بابت پیشکش محمد جعفر

مخاطب به اله وردی خان به تاریخ ۲۱ جمادی الاول سنه ٤
جلوس مبارك از تحویل محمد منصور شد. العبد محمد
صالح." (۸۱)

حافظ نذیر احمد کا خیال ہے کہ یہ محمد صالح ترخان ہے۔ ایک دوسرا محمد صالح خوش نویس شاہجہانی کتب خانے کا لائبریرین تھا، لیکن وہ ۱۰٦۱ھ میں فوت ہوچکا تھا۔ اس لیے مذکورہ محمد صالح اُن کے خیال کے مطابق محمد صالح ترخان ہی ہوسکتا ہے۔

ہمارے خیال میں فقط اوپر کی عبارت کو سمجھنے کے لیے وہی محمد صالح، محمد صالح ترخان تھا، کافی نہیں ہے، عالمگیری عہد میں محمد صالح کرمانی نام کا بھی ایک منصب دار تھا، جو بیوتات عالمگیری کا دیوان تھا، اور عالمگیر نے اس کو مکرمت خان کا خطاب دیا تھا۔ (۸۲) ہوسکتا ہے کہ وہ محمد صالح کچھ عرصے کے لیے کتب خانے کا مہتمم ہوا ہو۔ ایک وقت میں وہ اکبر آباد میں بھی شاہی بیوتات (۸۳) کی دیوانی پر رہا تھا۔

اہل و عیال: محمد صالح ترخان کے ذاتی اور خانگی حالات معلوم نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کے گھر میں دارا شکوہ کے کوکہ کی بیٹی تھی۔ یہ دونوں روایات ماثر الامراء کے مؤلف کی ہیں، سہون کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ: محمد صالح ترخان نے صف شکن کے ساتھ دھوکہ بازی اس لیے کی کہ اس کی ہمدردی دارا شکوہ کے ساتھ تھی۔ کیونکہ اس کے گھر میں دارا کی کوکہ زادی تھی۔

"چون کوکه زادهٔ دارا شکوه در خانهٔ محمد صالح بود اصلاً
توفیق خدمت نیافت، بلکه هوا داریی او به خاطر رسانیده به
خان مذکور پیغام داد که: ازین کنار عمق آب تا کمر است،
ازان کنار آب عبود خواهد کرد." (۸۴)

اس طرح اس کے بیٹے بهروز کے متعلق بھی اس کتاب میں اتنی ہی اطلاع ہے کہ: "پسرش میرزا بهروز پانصدی شاهجهانی بود." (۸۵)

ترخان نامہ کے مؤلف نے نہ صرف محمد صالح کا احوال نہیں لکھا،

بلکہ نسب نامے میں اس کی اولاد کے نام بھی درج نہیں کیے۔ حالانکہ اس کتاب میں محمد صالح کے حالات کم سے کم ضروری حد تک ضرور لکھنے چاہیے تھے۔

میرزا بھروز: میرزا بھروز کے متعلق زیادہ حقائق نہیں ملتے۔ سوائے اس کے کہ اس کی قبر ددھیال کے قبرستان میں تیسرے نمبر پر ہے اور اس کی وفات کا سال کتبے میں ۱۰۷۷ھ مرقوم ہے۔ (۸۶) شاہجہانی دور میں اس کو پنج صدی دو صد و پنجاہ سوار کا منصب حاصل تھا۔ خداداد خان کی بیاض میں یہ الفاظ درج ہیں:

"وفات در سنہ ۱۰۷۷ھ مرحوم مغفور میرزا بھروز۔"

ترخانی منصب: عیسیٰ ترخان اور اس کی اولاد شاہجہاں کے زمانے تک جن منصبوں پر فائز رہی، اس کی فہرست عمل صالح کے مؤلف نے اس طرح دی ہے:

۱- میرزا محمد عیسیٰ: پنج ہزاری چہار ہزار سوار

۲- محمد صالح: دو ہزاری دو ہزار سوار

۳- عنایت اللہ: دو ہزار دو صد پنجاہ سوار

۴- بھروز: پانصدی دو صد و پنجاہ سوار

۵- فتحی: پانصدی صد سوار

محمد صالح کو مذکورہ بالا منصب سیھون میں فوج دار بن کر آمد کے وقت ۱۰۶۶ھ میں شاہجہاں نے دیا تھا۔ جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں۔ عالمگیر نے اُس کے منصب اور مرتبہ میں کون سے اضافے کیے، اس کا مذکور نہیں ملتا۔

☆

حواشی

(۱) ماثر ج۳ ص۴۸۸
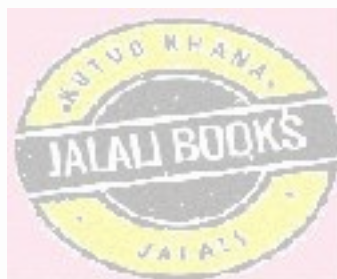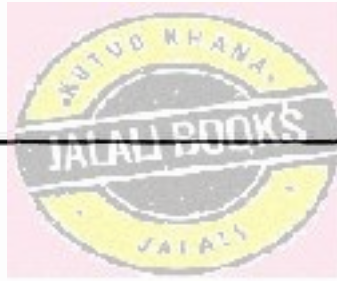
(۲) ماثر ج۳ ص۴۸۸

(۳) مکاتیب تاریخی ملک دانشگاہ نمبر ۲۰۴۶۱ صفحہ ۱۴

(۴) مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶۱ ملک دانشگاہ سند ص۸۹

(۵) رک: مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶۱ ص۴۵ دانشگاہ سند

(۶) اصل نام حرز اللہ۔ لقب ببر جنگ۔ وفات ۱۱۶۷ھ۔ ان دونوں بیٹوں کے علاوہ حفظ اللہ خان کو، جس نے ۱۱۱۲ھ میں سندھ میں انتقال کیا، دو بیٹے اور بھی تھے۔ متوسل خان بہادر رستم جنگ اور طالب محی الدین خان بہادر۔ خان مذکورہ کی دو بیٹیاں غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ سے بیاہی گئی تھیں۔ ماثر الامراء ج ۲ ص ۵۲۱۔

(۷) مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶ ص ۹۱

(۸) فضائل خان میر ہادی ولد وزیر خان میر حاجی۔ عالمگیر کے زمانے میں مختلف خدمات پر فائز رہا، ماثر الامراء میں ہے کہ: در سال چھل و چھارم از تغیر خدا بندہ خان بہ خدمت بیوتاتی حضور بہ انضمام منشیگری سرمایۂ جمعیت اندوخت. ۲ ذی القعدہ ۱۱۱۴ھ (۴۷ سال عالمگیری) میں فوت ہوا ماثر ۳ ص۳۸۔

(۹) عبدالحافظ غالباً حفظ اللہ خان کے تیسرے بیٹے طالب محی الدین کا دوسرا نام تھا۔

(۱۰) مجموعہ مکاتیب نمبر ۲۰۴۶۱ ص۳۹

(۱۱) تاریخ محمدی میں مرقوم ہے کہ حفظ اللہ خان ۱۱۱۳ھ کے آخر میں فوت ہوا۔ ص۱۳

(۱۲) ماثر ج۳ ص۴۸۸
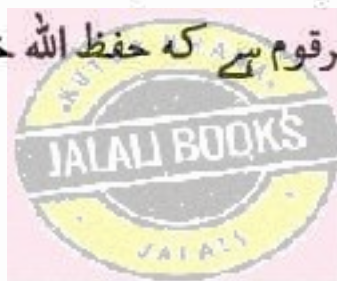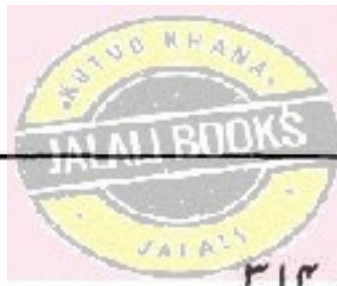
(۱۳) ترخان نامہ ص۹۸
(۱۴) بادشاہ نامہ جلد ۱ ص۳۱۴
(۱۵) بادشاہ کی منزل ۵ تاریخ کو حضرت فردوس مکانی کے تالاب کے پاس تھی، جو کہ گڑھ گوٹھ (از مضافات پرگنہ بھیرہ) میں تھا۔ بادشاہ نامہ ج۲ ص ۱۶۱
(۱۶) بادشاہ نامہ ج۲ ص۱۶۲
(۱۷) بادشاہ نامہ ج۲ ص۲۹۰
(۱۸) بادشاہ نامہ ج۲ ص۳۸۶
(۱۹) مراۃ احمدی چاپ قدیم ص ۲۳۱
(۲۰) مراۃ احمدی
(۲۱) بادشاہ نامہ ج۳ ص۴۲۶
(۲۲) ماثر ج۳ ص۴۸۸
(۲۳) مکتوبات تاریخی ص۹۲ نمبر ۲۰۴۶۱
(۲۴) ماثر ج۳ ص۴۸۸ و ج۳ ص۵۶۰
(۲۵) بادشاہ نامہ ج۲ ص۲۹۰
(۲۶) بادشاہ نامہ ج۲ ص۳۰۲
(۲۷) بادشاہ نامہ ج۲ ص۶۳۲
(۲۸) ماثر ج۳ ص۵۶۰ میں پرشن لٹریچر کے مؤلف مسٹر اسٹوری نے غلطی سے ترخان نامہ کا ذکر کرتے ہوئے، محمد صالح کے لیے لکھا ہے کہ وہ ۱۰۶۱ھ میں ٹھٹہ کا صوبے دار تھا۔ ہوسکتا ہے کہ صاحب ممدوح سورٹھ کے بجائے غلطی سے ٹھٹہ لکھ گیا ہو۔ پرشن لٹریچر ص۶۵۵
(۲۹) ذخیرہ خطی
(۳۰) ترخان نامہ ص۳
(۳۱) ماثر ج۳ ص۵۶۰
(۳۲) ماثر ج۳ ص۴۸۸
(۳۳) ماثر ج۳ ص۵۶۰
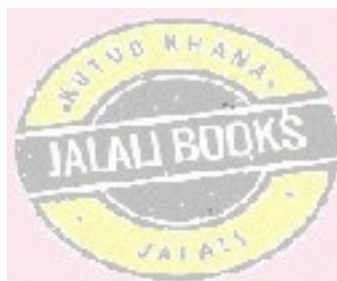
(۳۴) مراۃ چاپ قدیم ص ۲۴۳
(۳۵) خویشگی پٹھان تھے، تیسویں سال شاہجہانی میں (۶۷-۱۰۶۶ھ) دونوں بھائیوں کا آپس میں تنازعہ ہوا۔ جس کی وجہ سے دونوں کو سورٹھ سے نکالا گیا۔ قطب الدین کو پٹن کی فوج داری اور تیولداری دی گئی اور شمس الدین کو اورنگزیب کی طرف دکن روانہ کیا گیا۔ عالمگیر کے زمانے میں شمس الدین نے خوب ترقی کی۔ ماثر جلد ص ۶۷۶-۶۷۷
(۳۶) مقدمہ ترخان نامہ ص ۳-۴
(۳۷) ماثر ج ۳ ص ۵۶۰
(۳۸) ماثر ج ۳ ص ۵۷-۵۶۰ میرزا والی کا بیٹا جو شہزادی دانیال کی بیٹی بلاقی بیگم کا شوہر تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ابوالمعالی سہون پر مقرر ہوا۔ اس تبادلے کے بعد وہ دوسری مختلف جگہوں اور منصب پر فائز رہا۔ ۱۰۷۴ھ میں طبعی موت مرا۔
(۳۹) ماثر ج ۳ ص ۳۶۰ بادشاہ نامہ میں منصب دار کی فہرست میں محمد صالح کو، ہزار و پانصدی و پانصدی ہزار- میں لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ بعد کا اضافہ بھی اسے شاہجہانی دور میں ملا۔ معلوم نہیں کہ مصنف نے کس طرح اس کو پندرہ صدی میں شمار کیا ہے۔ (بادشاہ نامہ ج ۲ ص ۷۳۰)
(۴۰) مکتوبات خطی ملک دانش گاہ سند نمبر ۲۰۴۶۱ ورق ۲۸-۲۹
(۴۱) سامو گڑھ پر یہ نام اسی فتح کے سبب پڑا۔
(۴۲) عالمگیر نامہ ۲۷۶
(۴۳) دارا شکوہ کو 'بیشکوہ' محمد صالح نے نہیں لکھا تھا، بلکہ عالمگیر کی بادشاہت کے بعد، سرکاری مورخین نے اپنی کتابوں میں اس کا نام لکھنا اس طرح شروع کردیا تھا۔ عالمگیر نامہ کے مؤلف محمد کاظم اسی نام کو خاص طور پر اپنی کتاب میں دہرایا ہے۔
(۴۴) عالمگیر نامہ ص ۱۷۶
(۴۵) عالمگیر نامہ ص ۲۷۷
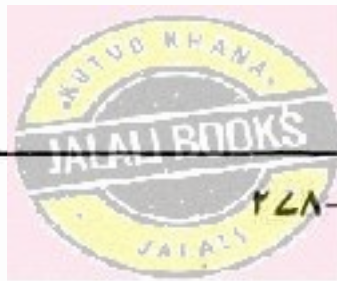
(۴۶) عالمگیر نامہ ص۷۷-۲۷۸
(۴۷) عالمگیر نامہ ۲۷۸
(۴۸) ایضاً ص۲۷۹
(۴۹) ایضاً ص۲۷۹
(۵۰) یہ کتاب پیرس کے ببلیوتھک ناسونال میں موجود ہے۔ (پرشین سپلیمنٹ ۲۷۶- ورق ۲۳۳) دیکھیے جرنل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان- لاہور اپریل ۱۹۶۵ء)
(۵۱) لڑائی کا نقشہ دیکھیے تاریخ اجمیر ص ۱۶۰
(۵۲) جرنل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان- اپریل ۱۹۶۵ء ۱۳۳-۱۴۵
(۵۳) دیکھیے جنگ کا نقشہ تاریخ اجمیر از ہربلاس ساردھا ص ۱۶۱ سال ۱۹۴۱ء۔
(۵۴) بہادر خان کا مقبرہ لاہور میں میاں میر کے سامنے نہر کے نیچے ہے۔ (ڈاکٹر چغتائی کا مضمون)
(۵۵) دارا کے کوکہ کی بیٹی سے محمد صالح کی شادی اور اسی وجہ سے دارا کی چشم پوشی کا قصہ ماثر الامراء (ج۳ ص۵۶۰) لکھا ہے۔ خلاصۃ التواریخ کے مؤلف محمد کاظم کی عبارت لفظ بہ لفظ اخذ کی ہے۔ ص۵۳۹۔
(۵۶) عالمگیر نامہ ص۳۴۷
(۵۷) عالمگیر نامہ ص۴۰۰
(۵۸) عالمگیر نامہ ص۸۱۵
(۵۹) عالمگیر نامہ ص۴۴۷
(۶۰) ماثر ج۳ ص۵۶۲
(۶۱) عالمگیر نامہ ص۴۰۱
(۶۲) ماثر ج۳ ص۶۲-۵
(۶۳) عالمگیر نامہ ص۴۵۰ تا ۴۵۲
(۶۴) بادشاہ شکار سے دو مہینے آٹھ دن کے بعد ۱۰ جمادی الثانی
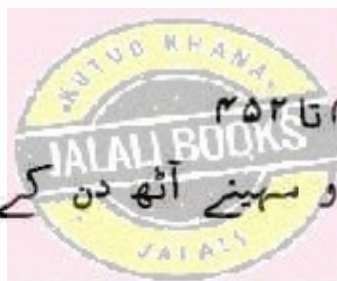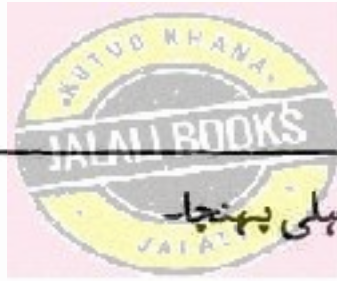
۱۰۷۰ھ کو واپس دہلی پہنچا۔

(۶۵) ماثر ۳ ص ۵۶۲

(۶۶) عالمگیر نامہ ص۸۶۷

(۶۷) عالمگیر نامہ ص۸۶۹

(۶۸) عالمگیر نامہ ص۸۸۸

(۶۹) عالمگیر نامہ ص ۸۹۳

(۷۰) پیش ہونے، قلعوں کی تفصیل اور احوال کے لیے دیکھیے عالمگیر نامہ ص ۹۰۱ تا ص۹۰۶۔

(۷۱) عالمگیر نامہ ص۹۰۷

(۷۲) عالمگیر نامہ ص۹۰۸

(۷۳) عالمگیر نامہ ص۹۰۹

(۷۴) عالمگیر نامہ ۹۱۰

(۷۵) عالمگیر نامہ ص۹۱۰

(۷۶) عالمگیر نامہ ص ۹۱۱

(۷۷) عالمگیر نامہ ص۹۱۳

(۷۸) عالمگیر نامہ ص۹۸۹

(۷۹) عالمگیر نامہ ص۲۰–۱۰۲۱

(۸۰) عالمگیر نامہ ص۱۰۲۰

(۸۱) معارف، دسمبر ۱۹۲۴ء ص ۴۲۳ ج ۱۴

(۸۲) عالمگیر نامہ ص ۱۶۱–۲۲۱

(۸۳) بادشاہ کا خانگی اور گھریلو امور کا انچارج

(۸۴) مآثر ج ۳ ص ۵۶۲

(۸۵) ایضاً ص ۵۶۲

(۸۶) کتبات مکلی از بیاض خداداد خان (خطی)

☆
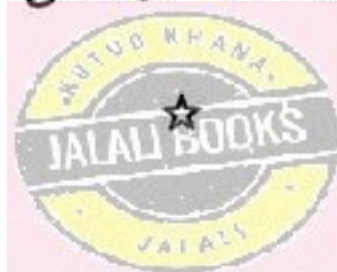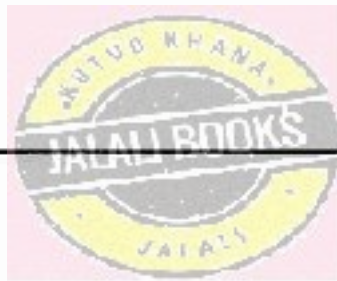
باب ۸

(۱۵)

رانک- گورستان:

میرزا عیسیٰ کی رانک جس کی مکلی نامہ کے مصنف نے بڑی تعریف کی ہے۔ وہ واقعی ہر لحاظ سے پوری مکلی کا حسن ہے۔ تعمیر کا ایسا نادر نمونہ کہیں نہیں ہے۔ میر قانع نے مبالغہ نہیں کیا، بلکہ سچ لکھا ہے:

> "طرفہ نشیمنی کہ ادراک حیرت زدۂ بو قلمونی صفت بنایان اوست، و اندیشہ محو برجستہ کارِیِ معماران ویست. بینندہ را خرد بیرون در وداع میکند، و نشینندہ را فرحت یار غار می باشد. چون کسی آنجا بہ فراغت چار زانو زند، ہر سو صحرا صحرا سبزۂ نو و ہر طرف جنگل جنگل ریاحین خوشبو معاینہ کند. نسیم فرحتی کہ آنجا وزد، نوح نبی بر کوہ جودی نبردہ باشد، ومی آسایشی کہ در آن قصر عالی نوش گردد، موسیٰ بر جبلِ طور سینا نخوردہ باشد. تا نظر کار کند ہر روز ہر طرف عالمی آبادان، و تا دیدہ و اگردد ہمہ سو جہانی نمایان."

آج وہ عمارت تو ہے، لیکن ویران و سنسان۔ وہ فضا نہیں ہے، جس کا نقشہ میر قانع نے کھینچا ہے، جس دور کا ذکر کیا ہے، اس زمانے میں ابھی ٹھٹہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ جوان اور جوان بخت تھا۔ اس وقت واقعی یہی صورت حال ہو گی، جس کا بیان ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔

تعمیر اور سامان: میر قانع نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ اس عمارت کے لیے پتھر میرزا عیسیٰ نے ہندوستان سے بھیجا تھا اور اٹھارہ سال عمارت کی

تعمیر میں صرف ہوئے۔ ابھی عمارت مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اس کا انتقال ہوا۔ میرزا چاروں اطراف ایک دوسرے کے مقابل نشیمن تعمیر کروانا چاہتا تھا۔

"رو بروی نشیمن بزرگ هر چهار طرف نشیمنهای شایان به جواب هم دگر ترتیب دهند." (۱)

میرزا کی زندگی کا زیادہ عرصہ گجرات میں گذرا۔ اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ اُس نے پتھر ہندوستان سے نہیں بلکہ گجرات سے منگوائے ہوں گے۔

میر قانع نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمارت کی تعمیر پر نورائی جاگیر کی آمدنی خرچ کی گئی تھی۔ یہ جاگیر ابتدائی زمانے سے خاندانی مقابر کی تعمیر اور مرمت کے لیے مخصوص تھی۔

تعمیر کا عرصہ: میر قانع نے لکھا ہے کہ اس رانک کی تعمیر میں اٹھارہ سال صرف ہوئے، ایک خطی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ: میرزا نے ۱۰۳۷ھ میں کام شروع کروایا جو ۱۰۵۴ھ میں ختم ہوا۔ (۲) یہ عرصہ سترہ سال بنتا ہے، غالباً یہاں پہلی لاش چار سال کے بعد ۱۰۵۸ھ میں مرزا عیسیٰ کے بیٹے میرزا عنایت اللہ کی دفن ہوئی۔

میرزا عیسیٰ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ٹھٹہ کا صوبہ دار بن کر دو مہینوں کے لیے ۱۰۳۷ھ میں آیا۔ ہمارے خیال کے مطابق اسی زمانہ میں اُس نے فقط اپنے والد کے مقبرے کی تعمیر کا کام شروع کروایا ہوگا۔ وہ رانک اتنی اعلیٰ ساخت اور کارکردگی کا نمونہ ہے کہ اس کی تکمیل میں کئی سال لگ گئے ہوں گے۔ میرزا خود اسی زمانے میں دو مہینوں کی صوبے داری کے بعد بھی آٹھ مہینے ٹھٹہ میں قیام پذیر رہا، لیکن یہ عرصہ ظاہر ہے کہ فقط نقشے تیار کرنے اور ابتدائی بندوبست کے لیے بھی کافی نہیں تھا، اس لیے گمان غالب ہے کہ نقشے تیار کرواکر مقبرے کی بنیاد ڈالنے کے بعد وہ خود چلا گیا ہوگا۔ بقیہ کام اُس کے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔

پتھر کی فراہمی اور درستی: جب سارا پتھر گجرات سے لایا گیا، اس

صورت حال میں ایک گمان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پتھر کے تراشنے اور نقش و نگار کا سارا کام گجرات میں میرزا نے اپنی نگرانی میں مکمل کروا کر بنا بنایا سامان بھیج دیا، جس کو یہاں کاری گروں نے عمارت کی شکل دی ہوگی۔ گجرات، پتھر کے کام اور اس پر نقش و نگار کے سلسلے میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ سندھ میں اس وقت تک جو پتھر پر کام ہورہا ہے وہ گجرات کے ماہرین ہی کررہے ہیں۔

پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر اس طرح رکھا گیا ہے کہ کہیں سے جوڑ معلوم نہیں ہوتا۔ میر قانع نے صحیح کہا ہے کہ:

"سنگھاي این قصر، چنان بالای هم چیده اند که گویا، همگی
در قالبی ریخته اند و یا همچنین یك لخت انگیخته اند۔"

گجراتی اثر: جان بابا کا مقبرہ ہو یا میرزا عیسیٰ کی رانک، دونوں کی طرز تعمیر جداگانہ ہے۔ جام نظام الدین کا مقبرہ اور اس دور کے دوسرے مقبروں کی طرز تعمیر کے لحاظ سے یہ دونوں مقبرے ہم شکل ہیں۔ سما خاندان کے طرز تعمیر پر گجرات کا اثر ہے۔ اس طرح یہ دونوں مقبرے بھی تعمیر کی نوعیت سے مخصوص اور گجراتی اثرات کے آئینہ دار ہیں۔ چوکور ستون پتھر کی کاٹ اور نقش و نگار، دروازوں کے چوکور فریم اور سردر، ان کا مختصر طول و عرض بر آمدے اور بر آمدوں میں اضافے، چھت اور اس کے شہتیر، ونگوں کا نمونہ اور مقبروں کی بناوٹ یہ سب کچھ گجراتی طرز تعمیر کے مظہر ہیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر خاصی حد تک یقین ہوجاتا ہے کہ نقشہ بنانے والے، مستری، کاریگر اور نقش و نگار کرنے والے گجراتی تھے۔ اس لیے قوی گمان ہے کہ عمارات کا سارا سامان گجرات ہی میں میرزا کی زیر نگرانی تیار ہوا ہوگا۔ یہ خیال اس لیے بھی یقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ میرزا اور اس کی اولاد سب کے سب گجرات میں تھے اور کوئی شخص نہیں تھا جو ٹھٹہ میں اس کام کی نگرانی کرتا۔ میرزا جب سندھ سے باہر گیا تو پھر کبھی واپس سندھ نہیں آیا۔ اس صورت حال میں یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ میرزا، ایسی خوب صورت عمارات پس غائبانہ غیروں کے ہاتھ

چھوڑ دیتا۔

عمارت: مقبرے کی عمارت دو منزلہ ہے۔ ایوان میں داخل ہونے کا دروازہ مشرق سے ہے اور مقبرے کے اندر داخل ہونے کا دروازہ جنوب میں ہے۔ پوری عمارت ایک چبوترے پر ہے۔ بر آمدے زیریں یا بالیں چوکور نقشہ دار پتھر کے ستونوں پر آویزاں ہیں۔ چھت میں بھی اسی طرح چوکور نمونے کے شہتیر نصب ہیں، بالائی منزل پر جانے کے لیے مشرقی دیوار سے دونوں طرف اوپر جانے کے لیے سیڑھی بنی ہوئی ہے۔

مرکزی قبریں کمرے کے درمیان ایک تھلے (چبوترہ) پر بنی ہوئی ہیں۔ کمرے کی دیواریں دونوں طبقوں سے نکل کر اوپر جاتی ہیں، جن کے اوپر ہشت پہلو گنبد ہے۔

زیریں طبقے کے بر آمدے یا غلام گردش، یا بالائی طبقے کے صحن بہت کشادہ ہیں۔ بالائی منزل پر پہنچنے کے بعد مکلی کا مکمل نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

دکانیں: باپ بیٹے کے ان دونوں مقبروں کے درمیان، پتھر کی دیوار کی ایک گلی نظر آتی ہے، جس میں دونوں طرف سے حجرے بنے ہوئے تھے، جو میلوں ٹھیلوں کے وقت دکانوں کا کام دیتے تھے۔ اس وقت اس گلی کی بنیادوں کے آثار کھود کر نمایاں کیے گئے ہیں۔ مکلی نامہ میں ان دکانوں کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

”دو رسته دکاکین محاذی نردبانش، شهر مصر را چون نبات در آبِ رشك گداخته. و آمد و شد خیل خیل خوبان زَمین خلخ و نوشاد را چون کان نمك شور زار انفعال ساخته.“

ناران سر اور بھرا سر تالاب: میر قانع نے لکھا ہے کہ عمارت کے چاروں طرف نہایت ہی دلکش اور دیدہ زیب تالاب موجود ہیں:

”از چشمه ها لا تعد و تحصیٰ عالم آب مرئي و از جلوه فروزیِ حوضها، بیرون از عد احصیٰ کانهایِ سیماب مشاهده.“

هر طرف چاه چشمه و تالاب
قلب را فرح دیدها را آب
وه چه مردم فریب کانِ حسن
نمك زیب رویِ خوانِ حسن
سبزه ها رسته درمیانۂ آب
برگهایِ زمرد و سیماب

میر قانع نے مکلی نامہ میں دو تالابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، ایک چشمۂ ناران سر اور دوسرا تالاب خوش آب بھراسر۔ ان کے پانی کی تعریف کرتے ہوئے شاعرانہ مبالغے سے کام لیا ہے، لکھا ہے:

"آب هر یکی در عذوبت رشك ذایقۂ نبات و در گوارایی شریك چاشنیِ آب حیات:
قلم شکر فروشد وقت تحریر
زبان طوطی بود هنگامِ تقریر

یہ تالاب یا پانی کے چاہ اور چشمے سب خشک ہوکر مٹ گئے ہیں۔ آج ان کے تھوڑے سے آثار بھی موجود نہیں ہیں۔

معبد کالکان: میر قانع نے مکلی نامہ میں میرزا عیسیٰ کے مقبرے کا ذکر کرتے ہوئے ہندوؤں کے ایک معبد کا ذکر کیا ہے:

"پائین این رانك در دامن کوه، معبد هندوان است. و اغلب از آن مردم در آنجا جهان جهان نمایان."

مزید لکھتے ہیں کہ:

"ازین معبد تا دامن بلده، از همه جهات در ایام برسات، تمام زمین مملو از آب و باران بود. وکرا طاقت که بی کشتی از آنجا رود."

میر قانع نے در حقیقت جان بابا کے مقبرے کا ذکر اور جانی بیگ کی رانکہ کا بیان حذف کرکے، اس مندر کا ذکر کیا ہے، جس کو کالکا کا مندر کہا جاتا ہے، جو موجودہ شاہراہ کے جنوب میں پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ اس کے جڑ سے لے کر شہر تک نشیبی زمین ہے جو آج بھی سیم
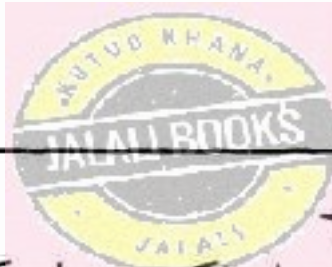
کے پانی سے بھری پڑی ہے۔

اس کالکا مندر کا تفصیلی ذکر ہم نے اس کتاب کے ضمیمے میں دیا ہے، یہاں فقط چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جارہے ہیں، جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ جس وقت یہ مندر آباد تھا، اس وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا:

به هر گوشه نشسته حلقه حلقه
بتانِ ماهرو و رشک زهره
بود خورشید و مه وقف یك آهنگ
به دست شان نباشد 'تال و مردنگ'
به لب گویند: رام، و رام سازند
دو گیسو بشکنند و دام سازند
ازین غارت گران شهر دلها
کرا تابِ صبوری و شکیبا
مگر آن قشقه بر جبهِ عیان است
سمایِ رویِ شان را کهکشان است
نه در دُر گوشِ این خوبان قرین است
طلوع ماه و مهر از مشرقین است
رخ شان کعبۂ ارباب اسرار
غزالانِ حرم چشمان طرّار
کمان دارند ز ابرو و زمژه تیر
دلی یك عالمی شان راست نخچیر
کشیده قامتان چون سرو آزاد
خرامِ شان کند صد گلشن آباد
به این خوابی چو جمعی جمع کردند
جهان شیرین کنند از یك شکر خند

به روزِ مجمع شان، اهل تقویٰ
برایِ بت پرستی داده فتویٰ
عجب حالی و طرفه اتفاق است
رهایی دل اینجا، امر شاقی است
بیا ساقی بده ذوقِ الستی
خرابم میکند این بت پرستی!

میر قانع کی یہ فقط شاعری نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عروج کے زمانے میں ٹھٹہ کے ہندو اور مسلمان سب زندہ دل تھے۔ میلے ٹھیلے، موسیقی کی محفلیں، خوشی اور خرمی ان کا دن رات کا شعار اور وظیفہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے مختلف پیروں اور بت کدوں پر میلوں، عرسوں اور ساز و سرود کی محفلوں کے لیے مختلف تاریخیں اور دن مقرر کرکے گورستان کو بھی عشرت گاہ میں تبدیل کردیا تھا۔

جس شہر کے ہر گھر میں شراب کی بھٹیاں موجود تھیں، جس شہر کے ہر گھر سے ساز و سرود کی دل موہ لینے والی آواز فضا میں بلند ہوتی رہتی ہو، جن کے جوان ابی چند اور جن کی عورتیں دن رات عروسی اور گلابی کپڑے زیب تن کرکے سرخی اور دنداسا لگاکر میلے میں موجود ہوں۔ اس شہر کے لوگوں کی طبع کے میلان اور مزاج کا کیا رنگ ہوگا؟ یہ بات ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے اور ہر آدمی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے، تاریخ طاہری کے مؤلف نے حقیقت بیان کی ہے:

"هرگز ساکنان و متوطنان آن، غمگین و حزین کسی نیافته، برکم و بیش قناعت داشته به عیش و طرب کام و کامرانی میدارند. تا حال خوشدلی و خرمی که درین خلق است، جایِ دیگر نیست و نخواهد بود." (۳)

<u>کھیر سر تالاب</u>: میرزا عیسیٰ نے اپنے مقبرے اور اپنے والد کی رانک کے لیے نہ صرف خوبصورت عمارات تعمیر کروائیں، بلکہ ان کے لیے مکلی پر جو جگہ منتخب ہوئی، وہ بھی نظارے اور جائے وقوع کے لحاظ سے مکلی کی بے انتہا خوبصورت جگہ ہے۔ شہر کے بالکل سامنے، آنے جانے والے راستے

کے درمیان، چاروں طرف خوش نما تالاب اور چشمے، سرسبز زمین تا حد نظر سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا ہو۔

جان بابا کا مقبرہ مکلی کے کنارے پر واقع ہے، نیچے سے نشیبی زمین شروع ہوتی ہے جو ایک طرف شہر تک پھیلی ہوئی ہے تو دوسری طرف جام نظام الدین کے مقبرے تک پہنچتی ہے۔ ساری کی ساری زمین پانی سے بھری رہتی ہے اور سارا سال اس پر کشتیاں چلتی رہتی ہیں اور سیر و تفریح کے شائقین کے میلے لگے رہتے ہیں۔

ہندوؤں کا معبد جنوب کی طرف ہے اور اس طرف سے دوسرا خوبصورت اور بے مثل تالاب ہے، جس کو کھیر سر کہا گیا ہے۔ مزار سے لے کر اسی تالاب تک ساری سرزمین مخملی تھی۔ جیسا کہ مکلی نامہ میں درج ہے:

"ارض مابین رانکِ مذکور و این تالاب همه مخمل باف... نساج قدرت براین منوال دارای آبی رنگ نبافته، ونقاش صنعت صورتی بدین شادابی بر صفحه تکوین نکشوده. دهقان امل را هیچ ارضی به ازین مرئی نشده و معمار امید را زمینی بدین طراوت مشاهده نرفته، تا نظر کار کند سبزه در سبزه و تا دیده بار بندد، جنس طراوت توده بر توده. و سوداگران شهر ختن و خطا، خریدار عطریت این زمین و تجارانِ معموره سبز و سبا، مشتری متاع سر سبزیِ چنین ارض."

یہ تالاب مکلی کے مشہور تالابوں میں سے ایک تھا۔ سرسبز خوبصورت اور پانی سے بھرا ہوا اور اس کا پانی صاف اور شفاف۔ یہ تالاب لوگوں کی سیر و تفریح کا مرکز تھا۔ زندہ دل لوگ سارا دن اس تالاب کے کنارے بیٹھے رہتے تھے۔ مکلی نامہ سے پونے دو سو برس قبل کی تاریخ میں، اس تالاب اور اس پر لوگوں کی سیر و تفریح اور شغل کا ذکر یوں آیا ہے:

"بر بالایِ کوهِ مکلی، تالابی است که آنرا کیر سر می نامند،

یعنی تالاب شیرین. درین مدت تا باران، آب در تالاب هست، مرد و زن اصناف چه هندو چه مسلمان صف در صف، هر روز تاشب در آنجا طعام می پزند و جشن میدارند، به نوعی جمعیت یکجا می گردد که کدام عید و چه طوی برابر آن باشد؟ هر که آنجا رسیده و تفرج نموده، او می داند و انصاف خواهد داد.“

مذکورہ بالا عبارت تاریخ طاہری کی ہے۔ مزید اس طرح ہے: یہ طریقہ ایام سے چلا آرہا ہے کیونکہ ایک تو رسم جاری ہے، اس لیے اس کو ترک کرنا مشکل ہے۔ (۴)

پونے دو سو برس بعد میر قانع کے زمانے میں بھی اس تالاب پر لوگوں کے ہجوم اس طرح لگے رہتے تھے۔ میر قانع نے مکلی نامہ میں اپنے شاعرانہ انداز میں وہی بات بیان کی ہے، جو میر طاہر نسیانی نے اپنی کتاب تاریخ طاہری میں بیان کی ہے:

”هر طرفش مجمع مرد و زن، و هر سو کله گوشهٔ عشرت در بشکن بشکن. ساقیان سیمین عذار بر لب آن چشمه سار کوثر بکاسه دهند، و مغنیان لاله رخسار، برکنار این تالاب، گوش طنبور مسرت بر مالند. پا کوبی اطفال و دستك زني جوانان شیرین مقال، هر جانب شور در بحر اخضر سپهر می افگند. رقاصهٔ مه طلعتان و خنیاگری پری رویان، زهره را بر فلك رامشگری می آموزد. جوانان امرد و امردان بیخود در آنجا خیل خیل روان، و نازنینان هم صورت غلمان، جوق جوق خرامان. پری رویان را خوش مجعی و سهی قدان را نیکو مرجعی.“

میر قانع نے مکلی نامہ میں حسب دستور اسی تالاب کی تعریف میں ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے ابتدائی اشعار بڑے اہتمام سے کہے گئے ہیں:

به وصف کیر سر تا لب کنم تر
دهن پر می شود از شیر و شکر
قلم از نیشکر باید به دستم
به ذوق آب این تالاب مستم
به آب خضر باید شستنم دست
شوم تا در صفاتش پاک سر مست
ز چشم آهوم چینی دوات است
به جایِ آبم آبی از نبات است
مدادم مشک ابری کاغذ اعلیٰ
مگر در وصف او لب را کنم وا

اس تالاب سے وضو کر کے لوگ جلوہ گاہ اماسین کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔

اس تالاب کی سرزمین کس جگہ پر تھی؟ اس وقت یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ تالاب کا نشیب موجود ہو، لیکن کسی کو اس کے متعلق معلومات نہ ہو۔

بہرحال یہ خوبصورت اطراف تھے، میرزا عیسیٰ کی رانک کے، شرفا خان کا مقبرہ اور طغرل بیگ کی چوکھنڈی یا دوسری آس پاس کی عمارات، بعد کی ہیں۔

رانک اور اشعار: عمارت کی خوبصورت ساخت دو منزلہ بر آمدہ ستونوں اور دیواروں کے نقش و نگار اور دل کشی ہر دور میں سیاحوں کی کشش کا سبب رہے ہیں۔ ملکی خواہ غیر ملکی جن لوگوں نے اس مزار کو دیکھا، وہ اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہوئے۔ متعدد شعراء نے اس کی توصیف میں نظمیں کہیں۔ مثلاً ٹھٹہ کے ایک شاعر "طاہر" نے ایک قصیدہ کہا تھا، اس کے چند اشعار "مقالات الشعراء" میں بطور نمونہ درج ہیں:

رانک میرزا عیسیٰ اندر کوہ مکلی، طرفه جاست
در بهاران گوییا، سر چشمهٔ نور خداست
در صفایش هر که بگمارد نظر، بی شک و ریب
دیده دیده بالیقین می گوید این جای هدا ست
بی تکلف گر کند ناگه گذر رضوان درو
در غلط افتاده گوید: آنکه فردوس علا ست
چار دیوارش اگر از شش جهت... صفا
باج گیرد در دو چشم منصفان، الحق بجا ست

اسی عمارت میں ٹھٹہ کے عوام کے علاوہ خواص کی تفریحی محفلیں اور مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ صبح سے لے کر شام تک آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ شاعروں کے ہجوم اور مشاعروں کی محفلیں ہوتی تھیں۔ مخدوم ابراہیم نے تکملہ مقالات الشعراء میں ایک ایسی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: "ایک دن ٹھٹہ کے مشہور شاعر میر عظیم الدین موجود تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی یعنی میر قانع کے صاحب زادہ میر غلام علی مائل بھی ان کے ساتھ تھے۔ دونوں چچازاد بھائی میرزا عیسیٰ کے مقبرے کے بڑے داخلی دروازے کے پاس بیٹھے تھے، آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ دروازے کے پاس سے ایک بہت خوبوصرت لڑکا گذرا، اس کی ناک، کے نیچے کالا تل تھا، جس کے سبب اس کا چہرہ زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ میر عظیم کی طبع میں جولانی پیدا ہوئی، فوراً ایک مصرع موزوں کیا:

زبس حیرت، بلال از منبر افتاد

میر مائل ابھی اس وقت غالباً شعر و سخن کی طرف مائل نہیں تھے، مگر اچانک اس موقع پر ان کی زبان سے مصرع نمودار ہوا:

چو دید، آن خال زیر بینیِ یار
ز بس حیرت، بلال از منبر افتاد

میر عظیم نے فرط محبت سے اپنے بھائی کو گلے لگایا، اگرچہ دونوں

اشعار میں شعریت بالکل نہیں ہے، لیکن شاعروں کی بات ہے، بلال کی مناسبت سے جو خال سیہ مصرع میں آگیا، اس نے شاعر کو شعر کہنے پر مجبور کردیا۔

(۱۶)

۱ – قبریں اور اس کے کتبے:

میرزا کی رانك کی مکمل عمارت پیلے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ دیواریں، ستون، چھت، شہتیر، اندرونی یا بیرونی میدان کا فرش، الغرض ہر چیز پتھر کی بنی ہوئی ہے۔

چھت والی عمارت درمیان میں ہے، جس کے چو گرد کشادہ میدان ہے اور چاروں طرف دیوار بنی ہوئی ہے۔داخلی دروازہ مشرق سے اور مرکزی عمارت میں جانے کے لیے دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ مکمل عمارت تھلے (چبوترے) پر بنی ہوئی ہے، جس کے اوپر چڑھنے کے لیے چاروں طرف سے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔

بیرونی دیوار کے مغربی حصے میں درمیان میں محراب ہے اور دیوار کے ساتھ تھلہ (چبوترہ) بنا ہوا ہے، جس پر تقریباً دو سو آدمی نماز ادا کرسکتے ہیں۔

مرکزی عمارت میں شمال اور جنوب کی بیرونی دیواروں کے ساتھ تھلوں (چبوتروں) پر کل اٹھارہ قبریں ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

۲ – مرکزی قبریں:

مرکزی عمارت میں قبروں کی کوٹھری کے اندر جنوب سے داخل ہونا پڑتا ہے۔ قبریں ایک تھلے (چبوترے) پر بنی ہوئی ہیں، جس کے سامنے والی دیوار پر خوبصورت نقش و نگار نظر آتے ہیں۔

ہم اس کے ساتھ پوری عمارت کا نقشہ شامل کررہے ہیں، جس میں ہم نے ہر ایک قبر پر نمبر لگائے ہیں۔ انھی نمبروں کے تحت ہر ایک قبر کے متعلق ضروری احوال دیا گیا ہے۔

۱، ۲، ۴، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۱۸ نمبر والی قبروں پر تاریخی کتبہ نہیں۔ ان

میں سے فقط ۲ اور ۴ نمبر والی قبروں پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ پہلی اور دسویں نمبر والی قبر مرکزی قطار سے الگ ایک تھلے (چبوترے) پر موجود ہے۔

۴۔ میرزا بہروز:

تاریخ اور آیات کا کتبہ خان بہادر خداداد خان مرحوم کی بیاض میں موجود ہے۔ تاریخی کتبہ میرزا کے احوال کے ساتھ دیا گیا ہے۔ آیات یوں ہیں:

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... ھو العلی العظیم. (۵)

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ. شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ... الیہ ترجعون. (۶)

لقد صدق اللہ... منھم مغفرۃ و اجراً عظیماً (۷)

بسم اللہ... تبارک الذین... بماءٍ معین. (۸)

۵۔ میرزا عیسیٰ:

پیلے پتھر کی قبر ہے، قبر کے پائیں والا کتبہ تاریخی کتبہ ہے۔ میرزا کے احوال کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ قبر کے کناروں پر مندرجہ ذیل آیات کندہ ہیں:

لا الہ... بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۹)

بسم اللہ . . . اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم . . . ھو العلی العظیم.(۱۰)

کل شیءٍ ھالک الا... ترجعون. (۱۱)

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین امنوا و عملوا الصالحات... ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا. (۱۲)

قل یا عبادی الذین اسرفوا... انہ ھو الغفور الرحیم۔ (۱۳)

۶۔ میرزا عنایت اللہ:

میرزا عیسیٰ کے پہلو میں، اسی پیلے پتھر والی قبر پر، بائیں سے تاریخی کتبہ ہے، آیات اور کتبہ، ان کے احوال کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

۷۔ ایرج میرزا:

عنایت اللہ کے پہلو میں دفن ہیں، آیات اور کتبہ ان کے احوال کے ساتھ ملاحظہ ہوں۔

۹- فتحی میرزا:

میرزا عیسیٰ کے صاحب زادے میرزا فتحی کی قبر اسی پیلے پتھر کی بنی ہوئی ہے- کتبہ اور آیات ان کے احوال میں دیے گئے ہیں-

۱۰- دو قبریں:

مرکزی تھلے پر موجود قبر نمبر ۲ اور ۴ پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں- قرآنی آیات مرحوم خداداد خان نے اپنی بیاض میں نقل کی ہیں- ایک قبر پر یوں لکھا ہوا ہے:

بسم اللہ... تبارک الذی... والیه النشور. (۱۴)

اللہ لا اله الا هو الحی القیوم... علی القوم الکافرین. (۱۵)

دوسری قبر پر مندرجہ ذیل آیات موجود ہیں:

لا اله الا اللہ... آمن الرسول بما انزل الیه... علی القوم الکافرین. (۱۶)

توکلت علی الحی الذی لا یموت

کل شیء هالك الا ترجعون. (۱۷)

کل من علیها فان...

قال اللہ سبحانه وتعالیٰ: ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لهم... ولا یشرك بعبادة ربه احدا. (۱۸)

بسم اللہ... تبارک الذی... بماءِ معین. (۱۹)

۱۱- شمال اور مغربی کونے کا تھلہ (چبوترہ):

نماز کے لیے مغرب کی طرف سے جو تھلہ (چبوترہ) ہے، اسی سے متصل تھلے (چبوترے) پر شمال اور مغرب والی دیوار کے کونے میں دو قبریں (۱۲-۱۳) ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو موجود ہیں- ایک قبر (نمبر ۱۱) بائیں سے کچھ فاصلے پر ہے، جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے، قبر سیمنٹ کی بنی ہوئی ہے، شاید کسی چھوٹے بچے کی ہے-

معلوم ہوتا ہے کہ دستور کے مطابق ان قبروں کے چاروں طرف چهار دیواری تھی، جو بعد میں مسمار ہوگئی- دو قبریں (۱۲-۱۳) کے کتبات ذیل میں دیے جاتے ہیں-

۱۲ – ولی نعمت:

اس قبر کے پائیں کتبہ ہے:

تاریخ وفات مرحومہ مغفورہ ولی نعمت
پانزدھم شہر رجب المرجب ۱۰۸۰ھ

قرآنی آیات:

لا الہ الااللہ... قال اللہ تعالیٰ: قل یا عبادی الذین اسرفوا...
الغفور الرحیم۔ (۲۰)
صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ الکریم۔
بسم اللہ...آمن الرسول بما انزل الیہ... والیک المصیر۔(۲۱)
بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین۔ (۲۲)

ہمارا گمان ہے کہ یہ قبر میرزا عیسیٰ کی بیگم کی ہوگی، کیونکہ دستور کے مطابق 'ولی نعمت' مالک کی بیگم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس خاندان کے بڑے بزرگ یا مالک میرزا عیسیٰ تھے، اس لیے ان کی بیگم کے لیے ہی یہ الفاظ لائے جاسکتے ہیں۔ ۱۰۸۰ھ میں اس خاتون کا انتقال ہوا۔

۱۳ – عصمت پناہ جہاں بیگم:

قبر نمبر ۱۲ کے پہلو میں ہے۔ شجرے میں یہ نام نظر نہیں آتا۔ فقط کتبے سے اس خاتون کا نام جہاں بیگم ظاہر ہوتا ہے۔ کتبہ یوں ہے:

بتاریخ بیست و ششم ذی
الحجہ سنہ ۱۰۸۲ھ عصمت پناہ
جھان بیگم فوت شد۔

آیات:

لا الہ الااللہ... بسم اللہ... یٰسین والقرآن الحکیم... ومتاعاً الی
حین۔ (۲۳)

۱۴ – صحن کا جنوبی تھلہ (چبوترہ):

جنوب اور مغرب کے کونے پر صحن کے اندر تھلّے پر تین (نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶) خوبصورت قبریں موجود ہیں۔ اوپر سے چھجے کی دیوار پر آیت کا ایک ٹکڑا بچ گیا ہے۔
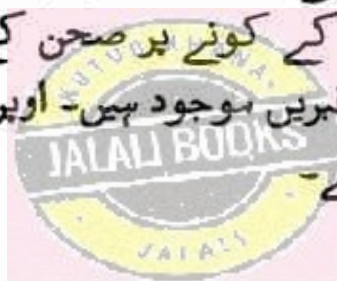
مذکورہ قبور میں سے (قبر نمبر ۱۲) پر کتبہ نہیں ہے، باقی دو قبروں کے پائیں تاریخی کتبات اور کناروں پر آیات درج ہیں، یہ تینوں زنانہ قبریں ہیں، مگر کتبوں پر ان کا نام لکھا ہوا نہیں ہے۔

۱۵ — سعادت یافت:

اس قبر کے پائیں ایک کتبہ ہے:

بگفتا بی حجاب از غیب، هاتف:

سعادت جاودانی یافت بی بی — ۱۱۱۳ھ

قبر کے کناروں پر یہ آیات مرقوم ہیں:

لا اللہ... بسم اللہ... یٰسین والقران الحکیم... ومما لا یعلمون. (۲۴)

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین. (۲۵)

صدق اللہ جل جلالہ.

۱۶ — عصمت پناہ: اس قبر کے پائیں کتبہ موجود ہے:

بتاریخ بیست وسوم

شهر رمضان سنه ۱۰۸۱ھ

وفات این عصمت پناہ مغفورہ.

آیات:

لا الہ الا اللہ... بسم اللہ... یٰسین والقرآن الحکیم... ومما لا یعلمون. (۲۶)

۱۷ - صحن کا شمالی تھلہ (چبوترہ):

مرکزی عمارت کے مقابل شمالی دیوار کے بیچ میں تھلے کے اوپر فقط ایک قبر (۱۷) موجود ہے، جس کے دونوں اطراف کافی زمین خالی پڑی ہوئی ہے۔

۱۸ — ولی نعمت میرزا مظفر:

قبر پہلے پتھر کی ہے، پائیں والا تاریخی کتبہ اور آیات (۲۷) میرزا مظفر کے احوال میں ملاحظہ ہوں۔

ترخانی خاندان میں میرزا مظفر دو گذرے ہیں، ایک میرزا باقی کا بیٹا جو پہلے چاچکان پرگنہ کا حاکم تھا اور والد کی وفات کے بعد میرزا جانی سے شکست کھا کر کچھ کی طرف بھاگ گیا تھا دوسرے میرزا مظفر ثانی، جو

بسم اللہ... الحمدللہ فاطر السموات والارض... کذالک النشور
من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا الیہ یصعد الکلم الطیب
والعمل الصالح یرفعہ۔ (۳۷)

جنوب کی طرف باہر سے:
محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار... وعملوا
الصالحات منھم مغفرۃ و اجراً عظیما۔ (۳۸)

مشرق کی طرف سے اندر کی طرف زیر مصلیٰ:
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا... وفصالہ
ثلثون شھرا حتی اذا بلغ۔ (۳۹)

شمال کی طرف سے اندرون زیر مصلیٰ:
قال اللہ تعالیٰ: وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا... من
الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العاملین۔ (۴۰)

مغرب سے اندرون جانب زیر مصلیٰ:
محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء...
منھم مغفرۃ واجر عظیما۔ (۴۱)

جنوب سے اندر کی جانب زیر مصلیٰ:
قال اللہ تعالیٰ: لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق... کفی باللہ
شھیدا۔ (۴۲)

گنبد کے دروازے کے اوپر: یہ کتبہ ہے:
اقم الصلواۃ لدلوک الشمش . . . اعلم بمن ھو اھدیٰ
سبیلا۔(۴۳)

گنبد کے اندر:

گنبد کے اندر تین اطراف (جنوب شمال اور مغرب) سے دیوار کے کناروں پر مندرجہ ذیل کتبات موجود ہیں، جو ہر طرف سے پتھر کے پانچ ٹکڑوں پر کندہ ہیں۔

شمالی، غربی، جنوبی دیوار:
بسم اللہ... تبارک الذی...
من دون الرحمن ان الکافرون الا فی غرور۔ (۴۴)

بسم اللہ... الحمدللہ فاطر السموات والارض... کذالک النشور
من کان یرید العزۃ فللّٰہ العزۃ جمیعا الیہ یصعد الکلم الطیب
والعمل الصالح یرفعہ۔ (۳۷)

جنوب کی طرف باہر سے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار... وعملوا
الصالحات منھم مغفرۃ و اجراً عظیما۔ (۳۸)

مشرق کی طرف سے اندر کی طرف زیر مصلیٰ:

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا... وفصالہ
ثلثون شھرا حتی اذا بلغ۔ (۳۹)

شمال کی طرف سے اندرون زیر مصلیٰ:

قال اللہ تعالیٰ: وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا... من
الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العاملین۔ (۴۰)

مغرب سے اندرون جانب زیر مصلیٰ:

محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء...
منھم مغفرۃ واجر عظیما۔ (۴۱)

جنوب سے اندر کی جانب زیر مصلیٰ:

قال اللہ تعالیٰ: لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق... کفی باللہ
شھیدا۔ (۴۲)

گنبد کے دروازے کے اوپر: یہ کتبہ ہے:

اقم الصلواۃ لدلوک الشمش . . . اعلم بمن ھو اھدیٰ
سبیلا۔(۴۳)

گنبد کے اندر:

گنبد کے اندر تین اطراف (جنوب شمال اور مغرب) سے دیوار کے کناروں پر مندرجہ ذیل کتبات موجود ہیں، جو ہر طرف سے پتھر کے پانچ ٹکڑوں پر کندہ ہیں۔

شمالی، غربی، جنوبی دیوار:

بسم اللہ... تبارک الذی...
من دون الرحمن ان الکافرون الا فی غرور۔ (۴۴)

محراب کے اوپر:

مندرجہ بالا کتبے سے ڈھائی ڈھائی فوٹ اوپر چاروں طرف سے گنبد میں روشن دان ہیں، جن کے اوپر کتبات ہیں، جو مندرجہ ذیل کتبے کے تین نمبر ٹکڑے پر کندہ ہیں۔ روشن دان محراب کی طرز پر ہیں، اسی لیے خداداد خان نے ان کو محرابی کہا ہے۔

جنوب کی طرف:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار۔ (۴۵)

مشرق کی طرف:

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔(۴۶)

شمال کی طرف:

ربنا و آتنا وعدتنا علی رسلك ولا تخزنا یوم القیٰمۃ انك لا تخلف المیعاد۔ (۴۷) صدق اللّٰہ۔

مغرب کی طرف:

علی اللّٰہ توکلنا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق خیر الفاتحین۔(۴۸)

(۱۸)

مقبرے کا نقشہ:

میرزا عیسیٰ کے مقبرے کا نقشہ آئندہ صفحات میں دیا گیا ہے، جس میں نمبروں کے ذریعے خاص جگہوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

نقشے میں دکھائی گئی ۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸ نمبر کی قبروں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل قبروں کی بقیہ شرح اس طرح ہے:

قبر ۱: کتبہ نہیں ہے اور نہ ہی آیات کندہ ہیں۔

قبر ۲: تاریخ کا کتبہ نہیں۔ صرف سرہانے سے کلمہ طیبہ کندہ ہے۔ قبر کے دونوں پہلو قرآنی آیات کندہ ہیں، آیات کی تفصیل گذشتہ صفحات میں دی گئی ہے۔

قبر ۳: میرزا بھروز: تاریخ کا کتبہ پائیں سے ہے، لیکن وہ مٹ گیا ہے، فقط

نشانات موجود ہیں، بڑی مشکل سے پڑھا جاسکتا ہے، قبر پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔

قبر ۴: کتبہ نہیں ہے، فقط قرآنی آیات کندہ ہیں، جن کی تفصیل اوپر دی گئی ہے۔

قبر ۵: میرزا عیسیٰ: (تاریخی کتبہ ان کے احوال میں دیا گیا ہے) قرآنی آیات کے کتبات اس طرح ہیں:

لا الہ الااللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۴۹)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... حفظھما وھو العلی العظیم. (۵۰)

کل شیء ھالك الا وجه له الحکم والیه ترجعون. (۵۱)

قل اللہ تعالیٰ: ان الذین امنوا و عملوا الصالحات کانت لھم جنات... ربه احدا. (۵۲)

قل یا عبادی الذین... انه غفور الرحیم. (۵۳)

قبر ۶: میرزا عنایت اللہ: (تاریخی کتبہ اور آیات ان کے احوال میں دیے گئے ہیں۔ آیات: الزمر آیت ۵۳۔ القصص آیت ۸۸۔ الفتح آیت ۲۷، ۲۹۔ الجمعه آیت ۹-۱۱ الکھف آیت ۱۰۷-۱۱۰۔ الملك آیت ۱ و دعا)

قبر ۷: میرزا ایلچ: (کتبات ان کے احوال میں ملاحظہ ہوں۔ قرآنی آیات یہ ہیں: الکھف آیت ۱۰۷ و دعا)

قبر ۸: کتبہ یا آیات نہیں ہیں۔

قبر ۹: میرزا فتحی: (کتبہ اور آیات ان کے احوال کے ساتھ دئے گئے ہیں۔ آیات یہ ہیں: الملك آیت ۱، الزمر آیت ۵۳، القصص آیت ۸۸، آل عمران آیت ۱۸، الرحمن آیت ۲۷، البقرہ آیت ۲۵۵، البقرہ آیت ۲۸۵، ۲۸۶) یہ قبریں گنبد کے اندر تھلے (چبوترے) پر ہیں۔ تھلے کی شرقی دیوار نقشہ دار ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔

قبر ۱۹: مسجد کا محراب اور نماز کے لیے تھلہ (چبوترہ)

قبر ۲۰: داخلی دروازہ، اس وقت کتبہ نہیں ہے۔
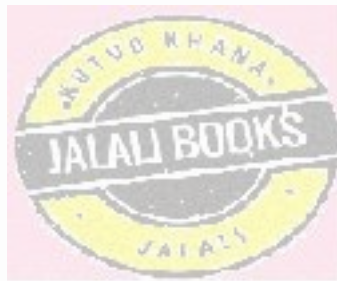
PLAN OF THE TOMB OF
MIRZA 'ISA KHĀN TARKHĀN II
TATTA
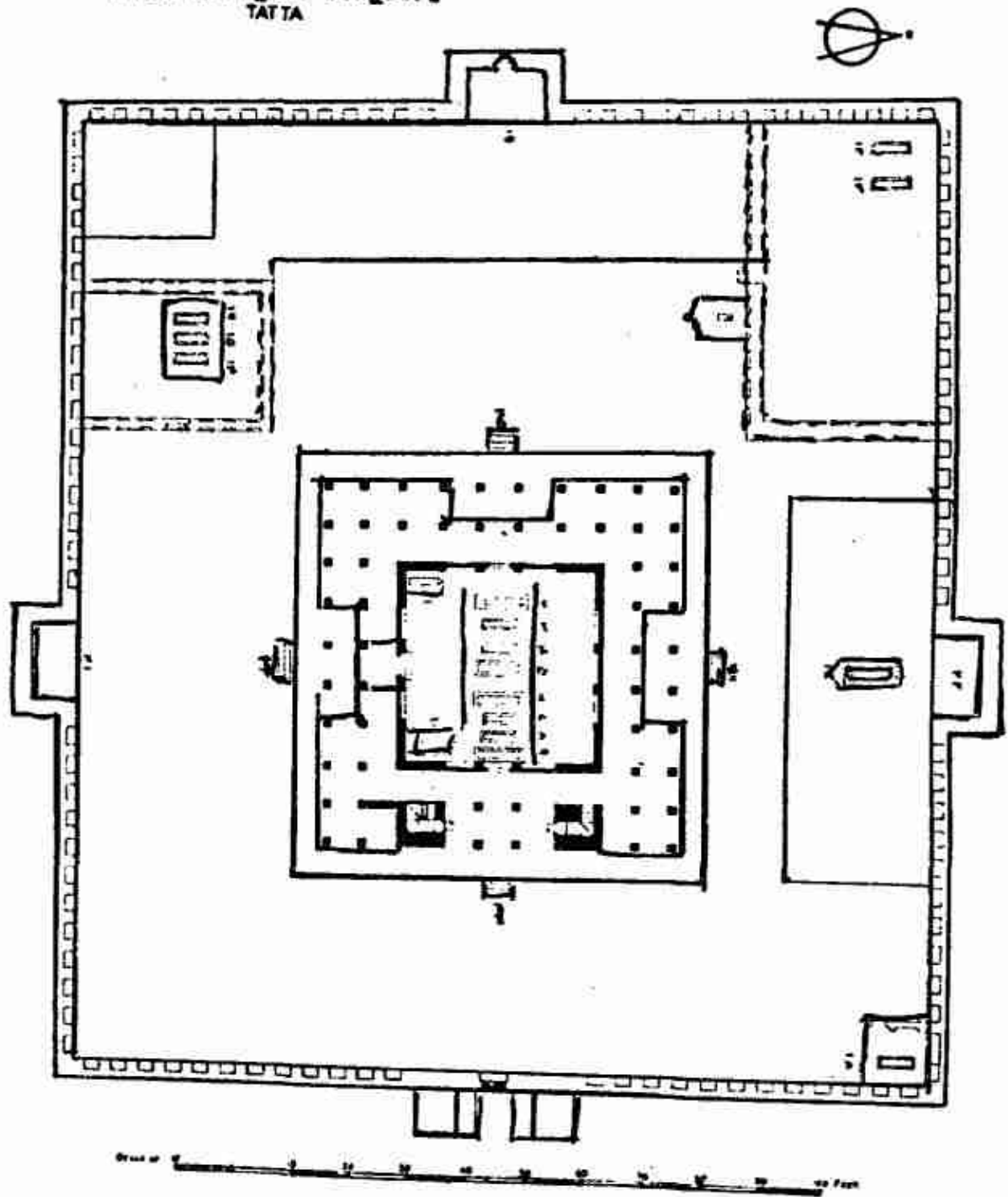
قبر ۲۱-۲۲:احاطے کی دیوار میں چاروں طرف سے سہ گوشہ محرابیں ہیں۔
ان محرابوں پر آیات کے کتبات ہیں، جو کتبات کے تحت ملاحظہ ہوں۔

قبر ۲۳: مرکزی عمارت میں سہ گوشہ محراب اور ان پر آیت کے کتبات ہیں، وہاں سے چڑھ کر دونوں طرف کی سیڑھیوں سے بالائی منزل تک جاسکتے ہیں۔

قبر ۲۴: سہ گوشہ محراب اور اندر جانے کا دروازہ، محراب پر اسی طرح آیات کے کتبات ہیں۔

قبر ۲۵-۲۶:اسی طرح سہ گوشہ محرابیں اور ان پر آیات کے کتبات نظر آتے ہیں۔

میرزا عیسیٰ کے خوبصورت مقبرے کے اندر جملہ ۱۸ قبریں موجود ہیں۔ جن کے کتبات اور ان کی موجودہ صورت حال کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح عمارت کی آیات کے کتبات بھی دیے گئے ہیں۔ مقبرے کی مرمت ۱۹۲۰ء سے محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی شروع ہوچکی ہے۔

میرزا عیسیٰ کا سندھ کو الوداع کہنے کے بعد پھر واپس سندھ آنا، ایک مرتبہ ۱۰۳۷ھ ثابت ہے، قرین قیاس ہے کہ اس زمانے میں اُنھوں نے عمارت تعمیر کروانے کا منصوبہ تیار کیا ہوگا، وہ ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ معلوم نہیں کہ اُنھوں نے اپنے والد کا اور اپنا مقبرہ زندگی میں دیکھا یا نہیں یا مرتے دم تک وہ اپنے اس تخلیقی شاہکار کو دیکھنے سے محروم رہے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

(۱۹)

نسب نامہ:

اس مضمون میں تقریباً سندھ کے سب ترخانوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ان کے باہمی رشتوں کو سمجھنے کے لیے ایک مفصل شجرہ (۵۴) شامل کررہے ہیں۔ اسی نسب نامہ میں شامل افراد کے متعلق یہاں مختصر حواشی دئے جارہے ہیں، تاکہ ہر فرد کے متعلق قاری کو ضروری احوال معلوم ہوجائے۔ آسانی کے لیے ناموں کی ترتیب حروف تہجی کے

تحت دی گئی ہے۔

آنجہ بیگہ بنت میرزا عیسیٰ اول: وفات محرم ۹۶۵ھ، قبر میرزا سلیمان کے ساتھ ہے (نمبر ۵) تاریخی کتبہ پائیں سے اس طرح ہے:

وفات آنجہ بیگہ بنت

میرزا عیسیٰ فی محرم ۹۶۵ھ

ابراہیم سلطان اول بن میرزا عیسیٰ اول:

اس کی قبر مغلیہ قسم کے گنبد دار مقبرے میں (نمبر ۱) ہے، وہ ۱۶ ربیع الاول ۹۶۶ھ میں فوت ہوئے، قبر پر کتبہ اس طرح ہے:

بائیں:

وفات شاهزاده عالمیان سلطان

ابراهیم بن حضرت سلطان شعاری میرزا

محمد عیسیٰ ترخان بهادر مدظله

پائیں:

در تاریخ لیلة الاثنین شانزدهم

ماه ربیع الاول سنه ۹۶۶ھ بوده.

آیات:

الله لا اله الا هو الحی القیوم... العلی العظیم. (۵۵)

شهد الله انه لا اله الاالله... العزیز الحکیم. (۵۶)

صدق الله العلی العظیم.

والحمدلله وعده العزیز.

لا اله الاالله محمد الرسول الله.

مقبرۂ میرزا ابراہیم:

یہ مقبرہ ۱۸۷۱ء تک خلیل خان مُہردار کے نام منسوب تھا، یہ خلیل خان میرزا باقی کے عہد کے امیر تھے۔ (۵۷) تحفۃ الکرام کے صاحب نے لکھا ہے کہ: ان کا مقبرہ مکلی پر مشہور ہے، کہتے ہیں کہ اُنھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو اس مقبرے میں دفن نہ کرنا، کیوں کہ وہ مقبرہ اُن کی امارت کے دور میں تعمیر ہوا ہے، ممکن ہے کسی مزدور پر ظلم ہوا ہو، اس لیے اُنھیں مقبرے کے باہر دفن کیا جائے۔ چنانچہ اُنھیں مقبرہ
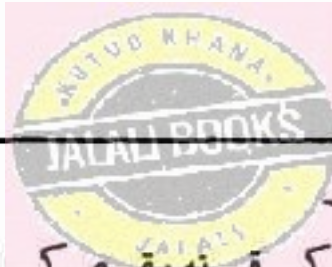
کے صحن میں دفن کیا گیا۔

بہرحال اس وقت ان کی قبر نہ مقبرے کے اندر اور نہ ہی باہر ہے۔ ان کی قبر کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

یہ مقبرہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے، جس کا آٹھ محرابی گنبد کاشی کا بنا ہوا ہے، ترخانی دور میں اپنی طرز تعمیر کے لحاظ سے یہ واحد نمونہ ہے، ترخانوں کے سارے مقابر اور گورستان پتھر کے بنے ہوئے تین نمونوں کے ہیں، کچھ کھلے میدان میں مثلاً عیسیٰ اوّل، باقی ترخان، محمد صالح اور سلیمان کے مقبرے، جن کے چاروں طرف دیوار بنی ہوئی ہے اور اندر کھلے ہوئے تھلوں (چبوتروں) پر قبریں موجود ہیں، دوسرا نمونہ آٹھ ستونی کھلی ہوئی چھتری کے اندر مثلاً میرزا بدیع الزمان کا مقبرہ، تیسرا نمونہ گنبد سے ہے، مثلاً عیسیٰ ثانی، میرزا جانی اور میرزا جان بابا کے مقبرے، لیکن ان کے گنبد مقامی رنگ سے متاثر اور مغلیہ گنبد سے سراسر مختلف ہیں۔

ترخانوں کے گورستانوں پر سما سلاطین کی تعمیر کا اثر ہے، جو مقامی اور گجراتی طرز تعمیر کے سنگم سے تیار کیے گئے ہیں، مثلاً دریا خان کا گورستان، جام نظام الدین کا مقبرہ اور اُس دور کے ہشت ستونی چتھری والے مقبرے۔

سما دور کے چند مقبرے خشتی بھی نظر آتے ہیں، مثلاً ہمشیرہ فتح خان والا مقبرہ، یا اس کے ساتھ ایک آدھ اور اسی طرز کے خشتی مقبرے، لیکن اپنے عہد کے عام رواج اور مخصوص طرز تعمیر سے، ان مقبروں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اسی قسم کے خشتی مقبرے کچھ خاص غیر معلوم محرکات کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔

میرزا عیسیٰ ۹۶۲ھ میں سندھ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کے دور کا پہلا خاندانی گورستان وہی کھلے صحن والا ہے، جس میں ان کی بیٹیوں کے ساتھ میرزا سلیمان (۹۶۴ھ) مدفون ہیں۔ اس سے تقریباً ڈیڑھ برس بعد ان کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا، جو معلوم نہیں کس سبب سلیمان والے گورستان کے بجائے اس خشتی مقبرے میں دفن کیا گیا۔ جس کے اندر پہلی قبر شہربانو (۹۵۰ھ) کی موجود تھی، جو شاہ حسن ارغون کے دور کی تھی۔

مصلیٰ:

مقبرے کے صحن میں دستور کے مطابق اینٹوں کی بنی ہوئی مسجد (مصلیٰ) تھی، جو اس وقت زبوں ہوچکی ہے، فقط اس کی دیوار کے چند حصے موجود ہیں، خداداد نے مصلی کا کتبہ یوں نقل کیا ہے:

بسم اللہ... سبح اسم ربك الاعلیٰ... صحف ابراهیم و موسیٰ. (۵۸)

دیوار کے چاروں گوشوں پر:

مقبرے کی دیوار پر بیرونی پہلودار محرابوں پر چاروں گوشوں پر یہ کتبہ نیلی ٹائلس پر موجود تھا، وہ بھی خداداد خان نے نقل کیا ہے، لیکن اب وہ کتبہ ہر طرف سے مٹ گیا ہے۔

اقم الصلوٰة لدلوك الشمس... هو احدیٰ سبیلا. (۵۹) صدق الله جل جلاله.

بیرونِ دیوار:

مندرجہ ذیل کتبہ دروازوں کے چاروں اطراف مغرب، مشرق، شمال اور جنوب، محرابوں پر تین حصوں میں موجود تھا، جو اس وقت مٹ چکا ہے، فقط شمال اور جنوب کی طرف کے کچھ حصے موجود ہیں:

وسیق الذین... فادخلوها خالدین. (۶۰)

مشقه العبد الفقیر المحتاج الی الله الباری احمد الانصاری.

بیرون گنبد:

بیرونِ گنبد، چاروں طرف نشیبی کنارے پر مندرجہ ذیل کتبہ اسی طرح نیلی ٹائلز پر منقش تھا، جو اب مٹ چکا ہے، فقط کہیں کہیں کچھ نشانات موجود ہیں:

بسم اللہ... کھیٰعص... یرجعون. (۶۱)

گنبد کے اندر:

گنبد کے اندر چاروں طرف کنارے کے نیچے مندرجہ ذیل کتبہ خداداد خان کی بیاض میں منقول ہے:

بسم اللہ... سبح اسم ربك... صحف ابراهیم و موسیٰ.(۶۲)

قبر ۲. ناہید سلطان یا بیچہ سلطان ۹۶۱ھ:

اس قبر کا تاریخی کتبہ بڑی حد تک مٹ چکا ہے، محکمہ آثار قدیمہ
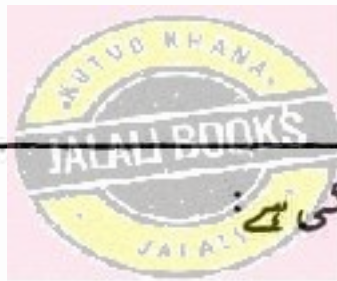
نے اس کی تحریر یوں نقل کی ہے:

بائیں:

هذه روضة الجناب الصالحه العابده الواصلة
الى الله الملك المنان ناهید سلطان بنت
امیر خليل [عاشت].

پائیں:

فی طاعة رب العالمين
فی احدى و ستين و تسعماية. (٦٣)

آیات:

الله لا اله الا هو الحی... هو العلى العظيم. (٦٤)
لا اكراه فى الدين... والله سميع عليم.(٦٥)
قل يا عبادى... الغفور الرحيم. (٦٦)
صدق الله... النبی الکریم.

قبر ۳. شہربانو ۹۵۰ھ:

قبر پر موجود تاریخی کتبہ بڑی حد تک مٹ چکا ہے، قبر پتھر کی ہے۔

وفات یافت مستوره مغفوره شهربانو فی
سن (کذا) خمس و عشرین من شهر رمضان سن ۹۵۰ھ (٦٧)

آیات:

لا اله الا الله... بسم الله...
الله لا اله الا هو الحی... وهو العلى العظيم۔ (٦٨)
ربنا اغفرلی... یوم يقوم الحساب.(٦٩)
رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين.

قبر ۴. یادگار محمد ۹۵۳ھ:

یہ قبر کسی چھوٹے بچے کی معلوم ہوتی ہے، اشعار سے یادگار محمد کا نام معلوم ہوتا ہے:

نو بهار آمد و گلها همه رستند ز خاک
تو هم از خاک بر آ ای گل خندان پدر
ریختی خون دل از دیده گریان پدر
رحم بر جان پدر، بایدت ای جان پدرا
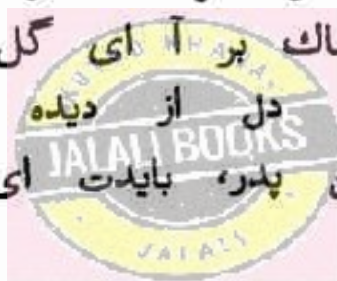
زیر گل تنگدل ای غنچۂ رعنا چونی
بی تو ما غرق به خونیم، تو بی ما چونی
بسلك جمعیت ما، بی تو گسست است، زهم
ما که جمعیم چنینیم! و تو تنها چونی

پائیں:

هزار حیف و صد افسوس یادگار محمد
که جان سپرد به جانان و سوخت جان جهان

بالیں:

ز پیر عقل چو تاریخ فوت طلبیدم
ز یادگار بهشتی (۷۰) بجوی! گفت روان

قبر سلطان محمد بن امیر حاجی بیگ مغل ۹۶۳ھ:

شمال مغربی کونے پر مصلی کے سامنے پتھر کے کٹھرے کے اندر، ایك خشتی قبر موجود ہے، سرہانے سے لمبے پتھر پر یہ کتبہ ہے:

الله. قال الله تعالیٰ:
کل شیء هالك... والیه ترجعون. (۷۱)

کتبه الفقیر عبدالرحیم الصدیقی:

قبر کے پائیں یہ کتبہ ہے:

قد توفی الامیر المرحوم سلطان
محمد بن امیر حاجی بیگ مغل فی یوم
الخمیس سنه ثلاث و ستین و تسعائه.

قبر کے اوپر اور کناروں پر:

شهد الله انه لا... هو العزیز الحکیم. (۷۲)
الله لا اله الا هو الحی... العلی العظیم. (۷۳)

سلطان ابراہیم کے مذکورہ قبرستان کی چہار دیواری تھی اور مشرق سے داخلی دروازہ تھا۔ دیوار گر گئی ہے مگر دروازے والا حصہ قائم ہے۔

ابراہیم میرزا ثانی بن میرزا ناصر اپنے دادا میرزا عیسیٰ اوّل کے مقبرے

میں دفن ہے، اُس کی قبر۳ کے کتبہ پر سال ۱۰۴۷ھ لکھا ہوا ہے، یہ کتبہ قبر کے پائیں موجود ہے۔

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ.

میرزای زمانہ ابراھیم
آن خلیل اللہ از قنوت وجود
سال هجرش چو آمدہ بشمار
چهل و هفت از هزار افزون بود

قبر کے دونوں پہلو یہ آیات ہیں:

لا الہ الااللہ... بارک و سلم

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: قل یا عبادی الذین اسرفوا... انہ غفور الرحیم. (۷۴)

امن الرسول بما انزل... القوم الکافرون. (۷۵)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۷۶)

ابوالفتح میرزا اول بن میرزا جانی بیگ (۷۷) میرزا محمد باقی کے قبرستان میں (نمبر ۴۲) دفن ہیں۔ کتبے سے سال وفات ۱۰۰۱ھ ظاہر ہوتا ہے۔ میرزا جانی بیگ خود غالباً ہندوستان پہنچ چکا تھا، ان کے بیٹے نے ان کے بعد وفات پائی۔ میرزا جانی کا اپنا مقبرہ غالباً میرزا غازی بیگ نے تعمیر کروایا، یہی وجہ ہے کہ ان سے پہلے کے وفات یافتہ میرزا عیسیٰ اول اور میرزا باقی کے گورستان میں مدفون ہیں۔ قبر کے پائیں یہ کتب ہے:

وقد توصل الی
الملک
السبحان ابوالفتح
بن میرزا جانی
بیگ ترخان تاریخ ۱۰۰۱ھ

دونوں پہلو یہ آیات ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: کل من علیها فان... والاکرام. (۷۸)

ا قل یا عبادی الذین... هو الغفور الرحیم. (۷۹)

ان الذین امنوا وعملوا... بعبادة ربه احدا. (۸۰)

قال اللہ تعالیٰ: یا ایها الذین آمنوا استعینوا بالصبر... هو الرحمٰن الرحیم۔ (۸۱)

صدق اللہ... المختار الکریم۔ هو الکریم یا غفار یا وهاب- یا ستار - یا رحیم۔

ابوالفتح شاہ قاسم خان بیگلار کی بیٹی سے تھا- شاہ قاسم کے بیٹے ابوالقاسم نے اپنی بیٹی ان سے منسوب کی تھی، لیکن ابوالفتح شادی سے پہلے (۱۰۰۱ھ) میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد وہی رشتہ میرزا غازی بیگ نے اپنے لیے حاصل کیا۔

ابوالفتح میرزا ثانی بن میرزا ابراهیم بن میرزا ناصر بن میرزا عیسیٰ اوّل، متوفی ۱۰۹۲ھ کی قبر (نمبر ۲) اپنے پر دادا میرزا عیسیٰ اول کے قبرستان میں ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

مه کوکب میرزایِ خورشید عالم
در عالم جان شد به عیسیٰ همدم
جستم از دل چو سال آرامش،
گفت: دادند بمیرزایِ ابوالفتح ارم

آیات کے کتبے

لا اله الااللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وصحبه وبارك وسلم.

قال اللہ سبحانه وتعالیٰ: قل یا عبادی الذین اسرفوا... غفور الرحیم. (۸۲)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسوله الکریم.

قال اللہ سبحانه وتعالیٰ: اللہ لا اله الا هو الحی القیوم... وهو العلیم العظیم. (۸۳)

بسم اللہ... تبارك الذی... بماء معین. (۸۴)

کل شیء هالك... والیه ترجعون. (۸۵)

کل من علیها فان ویبقیٰ... الثقلان . فبای الاء ربکما تکذبان.(۸۶)

صدق اللہ العلی... رسوله الکریم.

ایرج میرزا بن میرزا عنایت اللہ بن میرزا عیسیٰ ثانی متوفی ۲۰ شوال ۱۰۶۱ھ: میرزا عیسیٰ ثانی کے مقبرے میں (نمبر ۷) مدفون ہے۔ اُس کی قبر کے کتبات اُس کے احوال میں ملاحظہ ہوں۔

باقی میرزا محمد بن میرزا عیسیٰ اوّل، اپنے والد کے قبرستان سے تقریباً تین سو فوٹ جنوب میں میرزا باقی کا الگ گورستان ہے۔

میرزا باقی کا قبرستان:

اندر داخل ہونے کے لیے چہار دیواری کے مشرق میں ایک دروازہ ہے، اس سے اندر داخل ہوتے ہی شمال کی طرف کونے میں زنانہ قبرستان ہے، جس میں گیارہ پختہ قبریں ہیں۔ (نمبر ۱ تا ۱۱) (۸۷) وہاں سے تھوڑا مغرب میں ایک احاطہ ہے، جس کے کھلے ہوئے کشادہ میدان میں کئی قبریں ہیں، مرکزی تھلے کی قبریں (۱۴ تا ۲۲) اہم اور پختہ ہیں۔ احاطے میں مختلف جگہوں پر دوسری قبروں کے بھی مجموعے ہیں۔ مثلاً ۱۲-۱۳ اور ۲۳-۲۴-۲۵-۲۶ اور ۲۷ سے ۳۳ تک۔ یہ سب قبریں کچی ہیں، ان پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے، فقط نشان کے طور پر ان قبروں پر چھوٹے پتھر رکھے گئے ہیں، تاکہ ہر ایک قبر کی نشان دہی ہوسکے۔

اسی میدان کے مغرب میں ایک گلی ہے، جس کے ذریعے آدمی جنوبی صحن پہنچ جاتا ہے، مغربی کونے میں ہشت پہلو چھتری کے نیچے قبر نمبر ۳۴ ہے، (۸۸) اس کے ساتھ کھلے ہوئے تھلے (چبوترے) پر ایک دوسری قبر نمبر ۳۵ ہے، مغربی اور جنوبی کونے میں قبر نمبر ۳۶ ہے، جنوبی دیوار سے متصل قبر نمبر ۳۷ اور صحن کے درمیان والی قبر نمبر ۳۸ مٹ چکی ہے۔

اسی میدان میں ہشت ستونی چھتری کے اندر قبر نمبر ۳۹ پر کتبہ ہے۔ یہ بدیع الزمان میرزا کی قبر ہے، جس کا ذکر ان کے نام کے تحت آئے گا۔

مردانہ قبرستان کی چہار دیواری:

اسی میدان کے اندر مذکورہ چھتری ۳۹ کے سامنے چہار دیواری کے اندر پانچ قبریں (۴۰ سے ۴۴ تک) موجود ہیں۔ میرزا باقی اور ان کے دوسرے عزیز و اقارب اس کے اندر دفن ہیں۔ ان کے کتبات کا ذکر ان کے

ناموں کے تحت دیا جائے گا۔

آیات کے کتبات: اسی چار دیواری کی اندرونی اور بیرونی پیشانی پر چاروں طرف، آیات کندہ ہیں۔ محراب پر بھی ایک آیت موجود ہے۔ اندر آیات کے علاوہ دیوار کے کنارے اور ستون نقشہ دار ہیں۔ دیوار میں ہوا کے لیے جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ اوپر کوئی چھت نہیں۔ آیات اس طرح ہیں:

بیرونی کنارے پر:

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۸۹)

بسم اللہ... قل ھو اللہ احمد... کفوا احد. (۹۰)

صدق اللہ...... والحمدللہ رب العالمین.

مشقه العبد الفقیر الی اللہ الملک المتین حسن بن رکن الدین.

اندرون کنارے پر:

بسم اللہ... اذا وقعت الواقعة... فسبح باسم رب العظیم.(۹۱)

مشقه العبد الفقیر الی اللہ الملک المتین حسن بن رکن الدین.

محراب پر اندر کی طرف:

فنادته الملائکة... فی المحراب. (۹۲)

میرزا باقی کی قبر ۴۱:

میرزا باقی کی قبر نقشے میں ۴۱ نمبر پر ہے، قبر کے پائیں ایک تاریخی کتبہ ہے:

وفات یافت حضرت جنت
مکانی الواصل الی جوار الملک
الرحمن میرزا محمد باقی بن میرزا
محمد عیسیٰ ترخان در تاریخ
روز پنج شنبه هشتم
شهر شوال سنه ۹۹۳ھ.

قبر پر دونوں پہلو:

قال اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ.

شهد اللہ انه لا اله الا هو الملائکة... بصیر بالعباد. (۹۳)
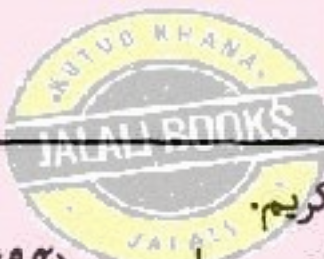
صدق اللہ... النبی الکریم۔

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین۔ (۹۴)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... ھو العلی العظیم۔(۹۵)

قال اللہ... کل شیء ھالک... ترجعون۔ (۹۶)

صدق اللہ یبشرھم ربھم... عندہ اجر عظیم۔ (۹۷)

صدق اللہ... رسولہ النبی الکریم۔

قبر ۴۴: ؟

میرزا کے گورستان میں قبر نمبر ۴۴ پر نام کا کوئی کتبہ نہیں، آیات کے کتبات یہ ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: قل ان الموت الذین تفرون... بما کنتم تعلمون۔(۹۸)

صدق اللہ... النبی الکریم۔

بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین۔ (۹۹)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم۔ (۱۰۰)

کھلا ہوا زنانہ قبرستان:

جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے، میرزا باقی کے زنانہ قبرستان سے نکل کر مغربی دیوار کے دروازے سے باہر آنے کے بعد ایک کشادہ صحن میں داخل ہوتے ہی قبروں کے تین مجموعے نظر آئیں گے۔ ان میں سے مرکزی تھلے (چبوترے) پر موجود قبروں (۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲) کے کتبات ذیل میں دیے جاتے ہیں۔ باقی قبریں (۱۲، ۱۳ اور ۱۴ اور ۲۳ تا ۲۵ اور ۲۶ اور ۲۷ تا ۴۳) بغیر کتبے کے ہیں اور ان میں سے اکثر کچی اور مسمار شدہ ہیں۔

قبر ۱۵... بیگہ؟ سنہ ۱۰۱۳ھ:

بالیں:

ھو الکریم – ھو الفتاح

پائیں:

وفات یافت... بیگہ... بنت

شاہ بیگ در تاریخ سنہ ۱۰۱۳ھ (۱۰۱)

آیات

هو الکریم– یا فتاح

قال الله سبحانه وتعالیٰ: یاایها الذین امنوا استعینوا...... واولئك هم المهتدون. (۱۰۲)

الا اله الا هوالحی...وهو العلی العظیم. (۱۰۳)

ما کان محمد ابا احمد... علیما. (۱۰۴)

قبر ۱۶؟

نام کا کتبہ نہیں ہے۔

آیات:

قال الله تعالیٰ: ولقد خلقنا الانسان... عن الخلق غافلین.(۱۰۵)

صدق الله... النبی الکریم.

صلی الله علیه وآله وصحبه وبارك وسلم.

قبر ۱۷ – چوچك بیگم ۱۰۰۱ھ:

یہ قبر چھوٹی ہے۔

وفات یافت چوچك (؟)

بیگم در تاریخ سنه ۱۰۰۱ھ

هو الکریم.

الله لا اله الا هو الحی... هو العلی العظیم. (۱۰۶)

بسم الله... تبارك الذی... مغفرة واجر کبیر. (۱۰۷)

صدق الله.

قبر ۱۸ – ماه بیگم ۱۰۰۱ھ: (؟)

پائیں:

وفات ماه بیگم تاریخ ۱۰۰۱ھ (؟)

آیات یہ ہیں:

هو الباقی

الله لا اله الا هو الحی القیوم... العلی العظیم. (۱۰۸)

قبر ۱۹: ؟

اس پر نام نہیں ہے۔ آیات یہ ہیں:

قال اللّٰہ تعالیٰ: قل یا عبادی... انہ ھو الغفور الرحیم۔ (۱۰۹)

اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... العلی العظیم۔ (۱۱۰)

قبر ۲۰- والدہ محمد علی ۹۵۵ھ: (؟)

پائیں:

وفات یافت صالحہ ساجدہ والدہ میرزا محمد علی ترخان......

(؟) در تاریخ سنہ ۹۵۵ھ (؟)

آیات یہ ہیں:

لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا... من غفور الرحیم۔ (۱۱۱)

منھا خلقناکم... الی صدق اللّٰہ۔ (۱۱۲)

قبر ۲۱- ارغون بیگہ ۱۰۰۰ھ:

پائیں:

وفات ارغون بیگہ بنت

امیر محمد علی ارغون سنہ ۱۰۰۰ھ

آیات:

لا الہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ.

قال اللّٰہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ: شہد اللّٰہ انہ لا الہ... العزیز الحکیم۔ (۱۱۳)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق ... نبی الکریم.

اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم۔ (۱۱۴)

قبر ۲۲:

نام کا کتبہ نہیں ہے۔ آیات یہ ہیں:

بسم اللّٰہ... یاایھا المزمل قم... الیٰ ربہ سبیلا۔ (۱۱۵)

قل یا عبادی الذین... ھو الغفور الرحیم۔ (۱۱۶)

اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی... وھو العلی العظیم۔ (۱۱۷)

کل شیء هالك ال...... ترجعون. (۱۱۸)

صدق الله العلی... الکریم و نحن علی ...... الشاکرین...... رب العالمین.

میرزا باقی کی والدہ، سندھ کے سوڈھا خاندان سے تھی، اسی لیے ارغون اور ترخان اُنھیں طعنے کے طور پر سندھی بچہ (۱۱۹) کہتے تھے۔ لیکن وائے ناکامی کہ وہ سندھی بچہ مرتے دم تک سندھی نہ بن سکا۔ سندھ میں اس نے جو مظالم کیے، ان کی مثال غیروں کے دور حکومت میں بھی ملنا مشکل ہے۔

ارغون اور ترخان ایک سو برس سے زیادہ عرصے سندھ میں مقیم رہے، لیکن اپنے آپ کو سندھی نہ بنا سکے۔ غیر ہونے کے سبب ہمیشہ اپنے آپ کو اہل سندھ سے برتر و بالا سمجھتے رہے، وہ فاتح تھے اور اہل سندھ مفتوح، حاکم اور محکوم کے درمیان جو فرق ہوتا ہے وہ اس دور میں شدت سے قائم رہا۔

میرزا باقی کی ایک بیگم رایحہ بیگم تھی، جو ناہید بیگم کی بیٹی تھی، اور شاہ قاسم بیگلار کے ہاتھوں مدافعت کرتے ہوئے ماری گئی۔

بیگہ...؟ بنت میرزا عیسیٰ مدفن گورستان میرزا سلیمان قبر (نمبر ۷) پر یہ کتبہ ہے:

وفات... بیگہ بنت میرزا

عیسیٰ در شعبان ۹۶۳ھ

بیگہ (بیگی آغا)؟ بنت میرزا عیسیٰ ترخان، زوجہ یادگار مسکین، میرزا باقی نے اُنھیں دو بچوں کے ساتھ قتل کروایا (۹۷۸ھ) ان کا مدفن گورستان جان بابا میں ہے (قبر ۷) کتبہ اچھی طرح پڑھنے میں نہیں آتا، عبارت تقریباً یہ ہے:

وفات یافت صالحہ

بیگہ (بیگی بنت) میرزا محمد

عیسیٰ ترخان (۸) ۹۷۸ھ

آیات جان بابا کے قبرستان کے تحت ملاحظہ ہوں۔ (۱۲۰)

بیگہ جان بیگان؟ بنت میرزا باقی متوفی پنجشنبہ رجب ۱۰۱۸ھ مدفون زنانہ گورستان میرزا باقی قبر (نمبر ۲) نام غیر مانوس ہے، کتبہ یہ ہے:

منتقل شد از دار غرور بدار

سرور مرحومہ مغفور المعرفہ بالاحسان

بیگجان بیگان (؟) بنت مرحوم

میرزا محمد باقی ترخان مغفور

در تاریخ روز خمیس شہر رجب المرجب ۱۰۱۸ھ

آیات کے کتبات

ھو الکریم.

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... وھو العلی العظیم.(۱۲۱)

قال اللہ تعالیٰ: قل ان الموت الذین... کنتم تعملون. (۱۲۲)

صدق اللہ العلی العظیم... رسولہ الکریم.

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۱۲۳)

بدیع الزمان بن میرزا شاہ رخ بن میرزا باقی (متوفی ۱۰۱۱ھ):

ان کی قبر میرزا باقی کے مردانہ قبرستان کے باہر دروازے کے سامنے جنوبی صحن میں، ہشت ستونی چھتری کے نیچے (نمبر ۳۹) ہے، چھت کے کنارے پر اندر سے آیات تھیں، جو اس وقت تھور اور نمک کے سبب ضایع ہو گئی ہیں۔ ذیل میں خداداد خان کے بیاض سے ان آیات کی نقول دی جارہی ہیں۔ ہر ستون پر مور کی تصویر ہے، جو اپنی چونچ سے سانپ کو ماررہا ہے، دوسرے ستون پر دو مرغ دانہ چگ رہے ہیں، ستونوں کی تصاویر ضایع ہوچکی ہیں۔ اس قسم کی تصاویر مقبرے پر منقش کرنا غیر معمولی بات ہے، ہوسکتا ہے کہ میرزا صاحب کو مور اور مرغ پالنے کا شوق ہو اور اسی مناسبت سے مقبرے پر نشان کے طور پر اس قسم کے نقوش دیے گئے ہوں۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ کاریگر کی یہ اپنی اختراع ہو۔ تاریخی کتبہ پائیں سے یہ ہے:
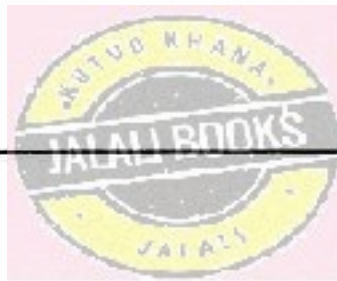
وفات یافت مرحوم
مغفور الواصل الیٰ
الجوار الملک منان
بدیع الزمان
ابن شاہ رخ خان ۱۰۱۱ھ

آیات:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: شہداللہ انہ لا الہ الا ھو... العزیز الحکیم. (۱۲۴)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم. (۱۲۵)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق... الکریم... والشاکرین.

بسم اللہ... تبارک الذی... بماء معین. (۱۲۶)

چوکھنڈی ۳۴:

میرزا باقی کے اس صحن میں مغرب کی طرف سے دوسری چوکھنڈی ہوبہو اسی طرح کی ہے، جس کی قبر (نمبر ۳۴) پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے۔ آیات یہ ہیں:

بسم اللہ... تبارک ... بماء معین. (۱۲۷)

بسم اللہ... قل ہو اللہ... کفواً احد. (۱۲۸)

صدق اللہ ... الکریم.

بہروز میرزا بن محمد صالح بن عیسیٰ ثانی، ان کا نام مآثر الامراء (جلد ۳ ص ۵۶۲) کے مؤلف نے دیا ہے۔ پسرش میرزا بہروز پانصدی شاھجہانی بود۔ میرزا عیسیٰ ثانی کے مقبرہ میں (نمبر ۳) مدفون ہے، ان کے کتبات ان کے احوال میں میرزا عیسیٰ کے تحت ملاحظہ کریں۔

ترسون بیگہ، بنت میرزا عیسیٰ اوّل، متوفی جمادی الاول ۹۶۷ھ گورستان میرزا سلیمان میں ان کی قبر (نمبر ۲) ہے، پائیں یہ کتبہ ہے:

وفات ترسون بیگہ بنت
میرزا عیسیٰ جمادی الاول ۹۶۷ھ

پسگران بیگہ بیگی آغا:

میرزا باقی نے ہوتھی اور نوتھی نامی دو جلادوں کے ہاتھوں رات

کی تاریکی میں ان دو صغیر بچوں کو ان کی والدہ کے ساتھ قتل کروایا۔ "ہوتی، و نوتی جلادان امر نمود: تا شب بدزدی بخانہ بیگہ بیگی آغا رفتہ معہ دو پسر صغیر اورا خفہ کردند۔" (۱۲۹) غالباً ین دونوں صغیر جان بابا کے مقبرے میں مدفون ہیں۔ (مثلاً قبر نمبر ۸)

پائندہ محمد بن میرزا باقی:

یہ بڑا بیٹا تھا۔ صفر ۱۰۰۰ھ میں فوت ہوا۔ جس وقت میرزا جانی سندھ کے مفتوح ہونے کے بعد ہندوستان جانے کی تیاری کررہے تھے۔ اس کی قبر میرزا عیسیٰ اوّل کے ساتھ (نمبر ۵) ہے اور کتبہ پانچ چوکور خانوں میں پائیں سے کندہ ہے۔

قد وصل الی جوار

رحمت حضرت الملك

السبحان میرزا محمد پائندہ بن میرزا محمد باقی ترخان... اللہ

تعالیٰ

تاریخ ماہ صفر ۱۰۰۰ھ

یہ آیات قبر پر کندہ ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انہ... الحکیم (۱۳۰) صدق اللہ.

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... فیھا خالدون. (۱۳۱)

بسم اللہ... تبارك الذی... بماء معین. (۱۳۲)

قال اللہ تعالیٰ: یا ایھا النفس... ادخلی جنتی. (۱۳۳)

صدق اللہ... العظیم. یا اللہ، وصدق الکریم.

درمیان میں باری تعالیٰ کے اسمائے حسنہ ہیں.

یا رحمٰن یا رحیم یا کریم یا حی یا قیوم یا لا یموت ابداً.

ان کے دائیں:

ربنا آتنا فی الدنیا... عذاب النار.

بائیں:

ربنا و تقبل... یوم قوم الحساب. (۱۳۴)

نیچے:

وارحمنا برحمتك یا ارحم الراحمین.

دوسری طرف:

وقال ان الذین آمنو... بعبادة ربه احداً. (۱۳۵)

والذین آمنوا وعملوا الصالحات . . . وعداللہ حقا ۔ صدق اللہ۔(۱۳۶)

قال اللہ سبحانه وتعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا . . . السمیع العلیم۔(۱۳۷)

صدق اللہ تعالیٰ۔

میرزا پائندہ اپنے باپ کے زمانے میں ان کے بیٹے جانی بیگ اور مصاحب شمس کشمیری کے ساتھ سہون کے حاکم تھے۔ ۹۸۲ھ میں بکھر کے بھی حکمران رہے۔ (۱۳۸)

جان بابا اوّل بن عیسیٰ ترخان اول:

میرزا عیسیٰ کا تیسرا بیٹا تھا، جس کو میرزا باقی نے ۹۷۸ھ میں قتل کروایا۔ ان کی ایک بیگم سما خاندان سے تھی، جس کے بطن سے میرزا عیسیٰ ثانی پیدا ہوئے 'تاریخ طاہری کے مؤلف نے لکھا ہے: "باپ کی اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی"۔ "جان بابا که جان پدربود از خود چون جان بابا جدا نمی داشت۔" ان کی قبر اپنے بیٹے کے مقبرہ کے سامنے ایک الگ رانک میں ہے، جس کے نقش و نگار کی مکلی میں کوئی مثال نہیں ملتی، اس کی قبر پر یہ کتبہ ہے:

بالیں:

وفات یافت حضرت جنت
مکانی الواصل الی جوار الملک المنان میرزا جان بابا ابن میرزا عیسیٰ
ترخان بتاریخ سنه ۹۷۸ھ۔

پائیں:

ھاتف از غیب گفت تاریخش:
ورنه عقل از جنون بصحرا رفت
طرح میم (۴۰) است تابکی تاریخ
جان بابا ز دار دنیا رفت
۱۰۱۷ - ۴۰ = ۹۷۷؟

آیات:

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... ھو العلی العظیم. (۱۳۹)

شھد اللہ انہ... ھو العزیز الحکیم. (۱۴۰)

ان الذی... ربہ احداً. (۱۴۱)

وسق الذین اتقوا... خالدین. (۱۴۲)

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا... اجراً. (۱۴۳)

بسم اللہ ... تبارک... بماء معین. (۱۴۴)

مقبرہ:

اس مقبرے کے اندر ۱۳ قبریں ہیں، جن میں سے اکثر وہ مقتول مدفون ہیں، جن کو میرزا باقی نے قتل کروانے کے بعد میرزا جان بابا اور دوسرے مقتولین کو ترخانی گورستان سے الگ اسی جگہ دفن کروایا۔ موجودہ مقبرہ ان کے بیٹے عیسیٰ ثانی نے اپنی ایام کاری میں تعمیر کروایا۔

یہ مقبرہ تعمیری فن اور نقش و نگاری کے لحاظ سے بے حد خوبصورت ہے، مقبرے کے سامنے تھلہ (چبوترہ) ایک چھت والی عمارت ہے، اس کی تعمیر سے گجراتی اور سندھی اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ اندر کی طرف مرکزی تھلے پر ایک گول گنبد ہے، محراب اور داخلی دروازے کے نقش و نگار لاجواب ہیں، احاطے کی دیوار پر بھی چاروں طرف خوبصورت نقش و نگار ہے، جو ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

مقبرے کے مشرقی شمالی کونے میں دیوار کے اندر دو زنانہ قبریں موجود ہیں، مرکزی تھلے (چبوترے) پر سات قبریں ہیں، بقیہ قبریں تھلے کے نیچے ہیں۔ جان بابا کی قبر کے کتبے اوپر دیے گئے ہیں۔ بقیہ قبروں کے کتبات اس طرح ہیں:

قبر ۴: یادگار مسکین ترخان ۹۷۸ھ:

اس کو میرزا باقی نے قتل کروایا۔ قبر کے بالیں اور پائیں یہ کتبات ہیں:

پائیں:

وفات یافت مرحوم

مغفور الواصل الی جوار حضرت رحمۃ الملک السبحان میرزا
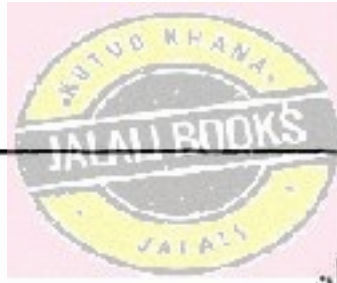
پائیں:

یادگار مسکین ترخان

ابن مرحوم مغفور امیر مسکین ترخان...

اللہ تعالیٰ.

بتاریخ سنہ ۹۸۸ھ

آیات:

بسم اللہ... قال اللہ... کل نفس ذائقة الموت. (۱۴۵)

کل شیء هالك... ترجعون. (۱۴۶)

صدق اللہ... الکریم.

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۴۷)

یبشرھم... فیھا ابدا. (۱۴۸)

بسم اللہ... تبارک الذین... ان کنتم صادقین. (۱۴۹)

قبر ۵: پسر یادگار مسکین ترخان ۹۶۴ھ:

یہ قبر جان بابا کی قبر کے پہلو میں (۵) ہے، کتبات یہ ہیں:

سرہانے:

وفات یافت

سعادت امیرزادہ بیگ بن

پائیں

حضرت سلطنت شعار یادگار مسکین

بیگ ترخان در تاریخ دوازدہم ربیع الاول

سنه۹٦٤. (۱۵۰)

آیات:

شهد اللہ انه لا الہ... الحکیم. (۱۵۱)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم۔ (۱۵۲)

قبر ٦:

یہ ایک بچے کی چھوٹی قبر ہے، اس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

آیات:

قال اللّٰہ تعالیٰ: کل شیء ھالک... والیہ ترجعون. (۱۵۳)

قال اللّٰہ: کل نفسہ ذائقۃ... یوم القیامۃ. (۱۵۴)

یبشرھم ربھم... فیھا ابداً. (۱۵۵)

قبر ۷: بیگہ (بیگی آغا) ۹۷۸ھ:

پائیں تاریخی کتبہ ہے، جو اس کے نام کے تحت دیا گیا ہے، یہاں آیات دی جاتی ہیں:

ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات... ربہ احدا. (۱۵۶)

اللّٰہ لا الہ ھو الحی... سمیع علیم. (۱۵۷)

قبر ۸: میر... ابن یادگار مسکین ۹۷۸ھ:

یہ قبر مشرق کی طرف مرکزی تھلے (چبوترے) کے نیچے ہے، قبر کے پائیں مندرجہ ذیل تاریخی کتبہ ہے:

وفات یافت میر محمد...

ابن امیر یادگار مسکین در تاریخ ۹۷۸ھ

آیات:

بسم اللّٰہ... تبارک...بماء معین. (۱۵۸)

قال اللّٰہ تعالیٰ: کل من علیھا... والاکرام. (۱۵۹)

کل شیء ھالک... ترجعون. (۱۶۰)

ہمارے خیال کے مطابق یہ قبر بیگہ بیگی آغا کے ان دو صغیر بچوں میں سے ایک کی ہے، جن کو میرزا باقی نے ان کی والدہ کے ساتھ قتل کروایا تھا۔

قبر ۱۲: ۱۰۷۵ھ:

یہ قبر مشرقی جنوبی کونے پر موجود ہے، جس کے پائیں فقط تاریخ کا کتبہ ہے۔

بتاریخ غرہ ماہ ربیع الاول ۱۰۷۵ھ مغفور شد.

آیات:

قال اللہ تعالیٰ:

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم . . . الغفور رحیم.(۱۶۱)

صدق اللہ۔

اللہ لا اله الا هو الحی القیوم... العلی العظیم. (۱۶۲)

لا اکراه فی الدین... فیها خالدون. (۱۶۳)

قبر ۱،۹،۱۰،۱۱،۱۳:

ان قبروں پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے، فقط مندرجہ ذیل آیات کندہ ہیں:

الف: قال اللہ سبحانه تبارک وتعالیٰ جل جلاله و عم نواله:

قل یا عبادی الذین... الغفور الرحیم. (۱۶۴)

بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین. (۱۶۵)

لقد صدق اللہ رسوله الرؤیا بالحق... واجراً عظیما. (۱۶۶)

ب: شهد اللہ انه لا اله الا هو وملئکته... العزیز الحکیم.(۱۶۷)

ج: یہ قبر چھوٹے بچے کی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی. (۱۶۸)

کل نفس ذائقة الموت. (۱۶۹)

کل شیء هالك... ترجعون. (۱۷۰)

صدق اللہ العلی العظیم و صدق رسوله الکریم.

د: اللہ لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۷۱)

کل شیء هالك... ترجعون. (۱۷۲)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۷۳)

ه: آمن الرسول بما انزل الیه... القوم الکافرین. (۱۷۴)

اللہ لا اله الا هو الحی... العلی العظیم. (۱۷۵)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۷۶)

جان بابا میرزا ثانی بن عیسیٰ ثانی، اس کا نام ترخان نامہ کے مؤلف نے اپنے شجرے میں دیا ہے۔

جانی بیگ میرزا بن میرزا محمد پائندہ بیگ، الگ ایک خشتی مقبرہ میں مدفون ہیں، جو غالباً میرزا غازی نے ان کی وفات کے بعد تعمیر کروایا تھا۔ مقبرے کا بالائی گنبد منفرد نوعیت کے کنول کے پھول کی مانند ہے۔ یہ مقبرہ اپنی وضع کے لحاظ سے بے انتہا خوبصورت ہے، چہار دیواری کے مغربی حصے کے درمیان ایک محراب کی پیشانی پر یہ آیت اور عبارت ایک سطر میں مرقوم ہے:

فنادته الملائکة وهو قائم یصلی فی المحراب.(۱۷۷)

تاریخ میرزا جانی بیست و هفتم ماه رجب ۱۰۰۹ھ.

مقبرہ:

بیرونی دروازے کی سنگی چوکٹھ کے دونوں اطراف اوپر پیشانی پر، بیرونی طرف سے تین حصوں میں یہ آیات کندہ ہیں:

(۱) ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات ... کلمت ربی.

(۲) ولو جئنا... ولا یشکر.

(۳) بعبادة ربه احدا (۱۷۸) قال الله سبحانه وتعالیٰ: وسق الذین... خالدین. (۱۷۹)

مقبرے کے آٹھ محرابوں میں سے ہر ایک پر کاشی کی اینٹ پر یہ آیت مرقوم ہے:

فالله خیر حافظا وهو ارحم الراحمین.

میرزا کے مقبرے کے اندرونی قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ غالباً مرمت کے سبب قبروں کی اصل صورت مٹ چکی ہے۔ گنبد کے اندر چار قبریں ہیں۔

چہار دیواری کے اندر مقبرے کے صحن میں تین کونوں پر (۵-۶-۷) قبریں ہیں اور مقبرے کے اندر چار قبریں (۱-۲-۳-۴) موجود ہیں۔ (نقشہ ملاحظہ ہو) مقبرے کی چھت پر جانے کے لیے مغرب سے ایک سیڑھی بنی ہوئی ہے۔

سنگِ مرمر کی قبریں: گنبد کے اندر مرکزی تھلے (چبوترہ) جس

کی جنوبی دیوار پتھر کی بنی ہوئی خوب صورت نقشے دار ہے، اس کے اوپر دو قبریں (۲-۳) سنگ مرمر کی ہیں۔ غالباً قبر (نمبر ۲) میرزا جانی بیگ کی اپنی ہے اور (نمبر ۳) میرزا غازی کی ہونی چاہیے۔ ۱۸۷۱ء میں بھی ان قبروں پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں تھا۔ فقط ایک پر آیات اس طرح کندہ ہیں:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم.(۱۸۰)

خشتی قبر:

اسی مرکزی تھلے (چبوترے) پر قبر (نمبر -۱) پتھر کی بنی ہوئی ہے، جس پر مندرجہ ذیل آیت کندہ ہے:

بسم اللہ... تبارک... بماء معین۔ (۱۸۱)

مشرق کی طرف آخری قبر (۴) چونے سے بنی ہوئی کسی بچے کی ہے، باہر صحن کی قبروں ۵-۶-۷) پر کوئی کتبہ نہیں ہے، وہ زنانہ قبریں معلوم ہوتی ہیں۔

میرزا جانی کی ایک بیگم شاہ قاسم خان بیگلار کی بیٹی تھی۔ (۱۸۲) میرزا شاعر تھے اور 'حلیمی' تخلص کرتے تھے۔

جوہر میرزا:

بن میرزا عیسیٰ ترخان اول- ان کو میرزا باقی نے قتل کروایا تھا۔ ان کا قتل اس زمانے میں (۹۷۸ھ) میں ہوا، جس وقت میرزا باقی نے اپنے عزیزوں کو قتل کروانے کا سلسلہ شروع کیا تھا- میرزا جان بابا کے قتل کے بعد جلد ہی اسے بھی قتل کروادیا گیا تھا۔ (۱۸۳) گمان غالب ہے کہ اس کی قبر بھی جان بابا والے 'گنج شہیدان' میں ہو گی۔

چوچك بیگه، بنت میرزا جانی بیگ؟

متوفی ۲۶ شعبان ۱۰۱۰ھ مدفن زنانہ گورستان میرزا باقی (نمبر ۵) تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات نامہ مرحومہ مغفور ھمساہ (؟)

حضرت

نواب

رضوان

مقامی (۱۸۴)
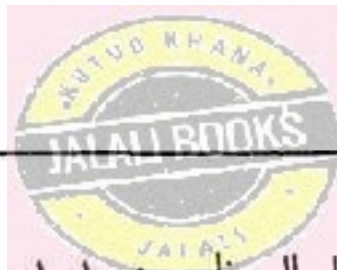
عاجزہ چوچکہ بیگہ
بتاریخ ۲۶ شہر شعبان المعظم سنہ ۱۰۱۰ھ

آیات:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... ھو العلی العظیم. (۱۸۵)
قال اللہ تعالیٰ: شہد اللہ انہ... الحکیم. (۱۸۶)
صدق اللہ العلی العظیم.
قل یا عبادی الذین... الرحیم. (۱۸۷)
صدق اللہ... النبی الکریم.
بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۸۸)

حور بیگم، بنت میرزا باقی،

وفات ربیع الاول ۱۰۱۲ھ مدفن زنانہ گورستان میرزا باقی قبر (نمبر ۷) اس کا کتبہ اس طرح ہے:

منتقل شد از دار غرور بدار
سرور مرحومہ مغفورہ و المعرفۃ بالاحسان
حور بیگم...؟ بنت مرحوم
مغفور میرزا محمد باقی ترخان
بتاریخ روز جمعہ شہر ربیع الاول ۱۰۱۲ھ

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شہد اللہ... الحکیم. (۱۸۹)
صدق اللہ... رسولہ الکریم.
اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۹۰)
قال اللہ تعالیٰ: شہد اللہ... الحکیم. (۱۹۱)
بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۹۲)

داراب میرزا:

بن میرزا عنایت اللہ بن میرزا عیسیٰ ثانی، ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔ مگر ان کا مدفن معلوم نہیں۔

دختر، میرزا عیسیٰ اوّل کی بہن اور میر یار محمد ترخان کی والدہ۔ جن کا میر معصوم نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ (۱۹۳)

دختر، میرزا عیسیٰ ترخان اوّل، زوجہ فقیر محمد ترخان (مقتول رجب ۹۸۶ھ گورستان محمد صالح اوّل بن امیر مسکین بیگ ترخان، اس خاتون کا نام اور مدفن معلوم نہیں۔

دختر، میرزا محمد صالح اوّل، زوجہ سید جلال شیرازی، میرزا غالب کو قتل کروانے کے بعد میرزا باقی نے اس لڑکی کو ان کی دادی کے ساتھ قلعے کے اندر ایک حویلی میں قید کردیا تھا۔ (۱۹۴) یہ واقعہ ۹۷۹ھ کا ہے، ۹۹۴ھ میں میرزا جانی نے اس لڑکی کا نکاح سید میر جلال الدین شیرازی کے ساتھ کیا۔ (۱۹۵) جس کے بطن سے سید میر محمد، مؤلف ترخان نامہ، پیدا ہوئے۔ (۱۹۶)

دختر، میرزا محمد باقی۔ سندھی بیگم (۱۹۷) ۹۷۲ھ میں ناہید بیگم ہندوستان جانے کے لیے تیار ہوئی۔ میرزا باقی نے ہندوستانی حملے سے بچنے کے لیے اپنی بیٹی ان کے ساتھ روانہ کردی، تاکہ ان کو شاہی حرم میں شامل کرے۔ ان کے ساتھ یادگار مسکین ترخان کو بھی روانہ کیا۔ لکی میں میرزا جان بابا بھی آکر ان کے ساتھ ملے اور اُنھیں میرزا باقی سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرکے مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں میرزا باقی کو فتح حاصل ہوئی۔ ناہید بیگم کی والدہ ماہ بیگم، جو پہلے قاسم کوکہ کی بیوی تھی اور طلاق کے بعد ان کا نکاح شاہ حسن سے ہوا اور آخر میں میرزا عیسیٰ نے ان سے شادی کی، وہ گرفتار ہوکر میرزا باقی کے پاس پہنچی، جس نے ان کو ایک کمرے میں قید کرواکر حکم دیا کہ ان کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دی جائے۔ اس طرح وہ بے چاری بھوک اور پیاس کے سبب مر گئی۔ (۱۹۵)

دختر، میرزا محمد باقی زوجہ میرزا شادمان۔ ۸۷۵ھ میں میرزا جان بابا نے بحیثیت ولی عہد میرزا باقی کے خلاف بغاوت کی۔ ٹھٹہ کے پاس جنگ ہوئی، جس میں میرزا شادمان، جان بابا کے ساتھ تھے۔ میرزا شادمان کے متعلق ترخان نامہ میں مرقوم ہے:

"از شجاعان روزگار بود داماد میرزا باقی بود. و از جانب پدر به سلطان قلی برادر میر ذوالنون ارغون می رسد." (۱۹۹)

شادمان، بیگ علی کا بیٹا اور میر سلطان علی کا پرپوتا تھا۔ میر

سلطان علی ۹۱۰ھ میں شاہزادہ بدیع الزمان کی طرف سے سیستان کے حکمران تھے۔ (ترخان نامہ شجرہ F) اس خاتون کا نام نہیں دیا گیا۔ ترخان نامہ میں فقط حوالہ دیا گیا ہے۔

دختر، میرزا محمد باقی، منسوب به میرزا غالب بن میرزا محمد صالح اوّل: میرزا باقی نے میرزا غالب سے اپنی ایک بیٹی منسوب کرکے اسے بڑی تسلیاں دے کر دھوکہ دہی سے قتل کروایا "اورا (غالب) بیکی از دختران خود نامزد کرد۔" (۲۰۰)

دختر، میرزا محمد باقی، میرزا جانی بیگ نے میرزا عیسیٰ کو جو سمیجہ قبائل کے ہاں قیام پذیر تھے، وہاں سے بلوا کر کی اپنی پھوپھی سے شادی کروائی۔ '- عمه خود را در حبالۂ نکاح اور آورده۔' (۲۰۱)

یہ بات وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس کی بیٹی تھی۔ ہمارے خیال کے مطابق وہ میرزا باقی کی بیٹی تھی، کیونکہ وہ کثیر الاولاد تھے۔

دختر، میرزا جانی بیگ، منسوب بشاہزادہ خسرو بن جہانگیر بادشاہ،

دختر، میرزا باقی، زوجہ شاہ بابا اول:

زاہد، میرزا اول بن میرزا عیسیٰ اوّل، متوفی رجب ۸ بروز جمعہ ۹۶۶ھ۔ یہ لا ولد فوت ہوئے اور محمد صالح اوّل کے گورستان میں دفن ہوئے۔ قبر پر یہ تاریخی کتبہ ہے۔

وفات یافت مرحوم مغفور
الواصل الیٰ جوار الملك
السبحان امیر محمد زاهد ترخان بن
اعظم سلاطین زمان و افضل سلاطین
دوران میرزا محمد عیسیٰ ترخان.

پائیں:

فی تاریخ، هشتم روز جمعه
شهر رجب المرجب ۹۶۶ھ

آیات:

قال اللّٰہ تعالیٰ: شهد اللّٰه انه لا اله... العزیز الحکیم. (۲۰۲)

ان الدین عنداللہ الاسلام صدق اللہ تعالیٰ:
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العزیز الحکیم۔(۲۰۳)
بسم اللہ... یایھا المزمل... ان اللہ غفور الرحیم۔ (۲۰۴)
بسم اللہ... اذا جاء نصر اللہ... انہ کان تواباً۔ (۲۰۵)
بسم اللہ... قل ھو اللہ... کفواً احد۔ (۲۰۶)
صدق اللہ العظیم۔

زاھد میرزا ثانی بن میرزا ابراہیم ثانی/ سلیمان، میرزا اول بن میرزا عیسیٰ اوّل متوفی ۹۶۴ھ:

جام نظام الدین کے مقبرے کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پتھر کی چہار دیواری کے اندر تھلے (چبوترے) پر ایک قبرستان ہے، جس میں میرزا عیسیٰ اوّل کی اولاد مدفون ہے، ترسون بیگہ اور آنجہ بیگہ وغیرہ۔

یہاں قبروں کا نقشہ دیا جاتا ہے، جس میں ۹ قبریں ہیں۔ میرزا سلیمان کی قبر آنجہ بیگہ کے سرہانے قبر نمبر ۱۳ ہے۔ قبر چھوٹی ہے، اس لیے گمان ہے کہ مرزا سلیمان بچپن میں فوت ہوئے' پائیں یہ کتبہ ہے:

وفات میر سلیمان
ابن میرزا عیسیٰ ۹٦٤ھ

کتبے میں میرزا کے بجائے 'میر' لفظ لکھا گیا ہے، ممکن ہے کہ ترخانوں کے ہاں چھوٹی اولاد کے لیے 'میر' کا لفظ مروج ہو۔

سلیمان، میرزا ثانی بن میرزا ابراہیم ثانی:

شاہ بابا اول بن جان بابا اول:

میرزا باقی کے خوف سے ہندوستان بھاگ گیا تھا۔ جب جانی بیگ ہندوستان پہنچا تو اُسے وہاں سے ٹھٹہ روانہ کیا اور بقول ترخان نامہ: 'امر کرد کہ عمہ خورد خود او را، در عقد نکاح او در آورند۔' (۲۰۷) معلوم نہیں یہ خاتون کس کی بیٹی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ بھی میرزا باقی کی بیٹی ہو۔
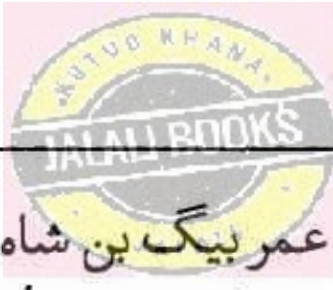
شاہ بابا، ثانی بن عمر بیگ بن شاہ بابا اوّل۔
شادمان، میرزا، میرزا باقی کا داماد تھا۔ اُس کا ذکر دختر کے تحت آیا ہے، لیکن مدفن معلوم نہ ہوسکا۔

شاہ رخ، میرزا اول بن میرزا باقی: ۹۹۲ھ میں فوت ہوا۔ میرزا کا دوسرے نمبر والا بیٹا تھا۔ میرزا کا اُس سے اتنا پیار تھا کہ جب وہ فوت ہوا تو اس صدمے سے وہ دیوانہ ہوگیا۔ جب اُس کو اپنے بیٹے کی وفات کی خبر ملی تو اس وقت دیوانگی میں عورتوں کی چھاتیاں کٹوادیں اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی مظالم کیے۔ میرزا شاہ رخ نصرپور کا صوبے دار تھا۔ ان کے ساتھ علی شیر کوکہ بھی قیام پذیر تھا۔ (۲۰۸) ان کا مزار میرزا باقی کی قبر کے ساتھ (نمبر ۴۰) ہے۔

ان کی قبر کے پائیں پانچ خانوں میں کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحوم مغفور
الواصل الی جوار الملك
السبحان شاهزاده شاه رخ خان بن مرحوم
سلطان دوران میرزا
محمد باقی ترخان
بتاریخ سنه۹۹۲ھ۔

آیات:

قال اللہ سبحانہ تبارك وتعالیٰ: ولقد خلقنا... تحملون۔(۲۰۹)
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین آمنوا... ربه احداً۔ (۲۱۰)
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا... مکان بعید۔ (۲۱۱)
قال اللہ تعالیٰ: کل شیء هالك... الیه ترجعون۔ (۲۱۲)
کل من علیها... والاکرام۔
اللہ لا اله الا هو الحی... فیها خالدون۔ (۲۱۳)
بسم اللہ... یٰس... وجعلنی من المکرمین۔ (۲۱۴)
قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:
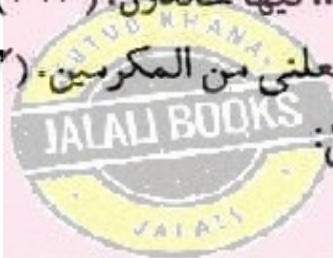
قل یا عبادی الذین... انہ ھو الغفور الرحیم۔ (۲۱۵)

صدق اللّٰہ العلی العظیم وصدق رسول النبی المختار الکریم

ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب

العالمین۔

شاہ رخ، میرزا ثانی بن میرزا محمد پائندہ:

میرزا جانی کا چھوٹا بھائی تھا۔ (۲۱۶)

شاہ رخ، میرزا ثالث بن میرزا ابوالفتح ثانی:

شاہ رخ، بن شاہ رخ اوّل:

(طاہری: ۱۷۱، ۱۷۳ اور ۱۷۴ مطبوعہ) اس نام میں تاریخ طاہری کے مؤلف سے سہو ہو گئی ہے۔ شاہ رخ بن شاہ رخ ہو نہیں سکتا۔

صالح، میرزا محمد بن میرزا عیسیٰ اوّل:

اُس کو مرید بلوچ نے قتل کیا۔ لفظ 'ظلم' سے اُس کی وفات کا سال نکلتا ہے۔ (۲۱۷) اُس کے قتل کا سنہ ۹۷۰ھ ہے، تاریخ طاہری میں مرقوم ہے 'محمد صالح تند طبع' تند رائے اور خود بین تھا۔ (ص۹۹) غالباً اُس کے مزاج کی تندی اُس کے قتل کا سبب بنی۔ (۲۱۸) اُس کی قبر اُس کے والد کے قبرستان سے جنوب کی طرف تھوڑے فاصلے پر الگ ایک تھلے (چبوترے) پر ہے۔ قبر اور اس کے کتبات بہت خوبصورت ہیں۔ مکلی کی ساری قبروں میں یہ قبر اپنے طرز کی ایک لاثانی قبر ہے۔ تھلے (چبوترے) پر تین قبریں ایک قطار میں اور دو بچوں کی قبریں پائیں سے مغربی کونے پر ہیں۔ میرزا محمد صالح کی قبر درمیان میں ہے۔

پائیں لمبے کھڑے پتھر پر یہ تاریخی کتبہ موجود ہے:

وفات یافت

حضرت شاہزادہ عالمیان

شہید سعید الواصل

الی جوار الملک المنان

میرزا محمد صالح

ترخان بن عالی حضرت
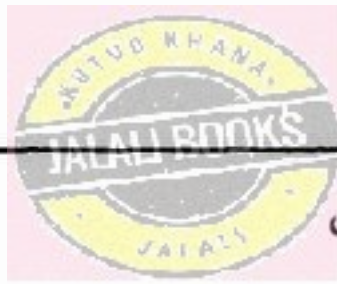
جنت مکانی الواصل
الی جوار الملك
الرحمان میرزا محمد
عیسیٰ ترخان
در تاریخ
روز شنبه بیست و
سیوم ماه شعبان
۹۷۰ھ

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا محمد صالح کی قبر میرزا عیسیٰ (جنت مکانی) کی وفات کے بعد تیار ہوئی اور پتھر پر نقش و نگار کا کام۔ ۹۷۰ھ سے میرزا عیسیٰ کی وفات ۹۷۳ھ تک تین سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے تک ہوتا رہا۔ اسی کے بائیں کھڑے پتھر کے چاروں حواشی پر مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

خدایا تو آگاه از حال من
عیان است پیشِ تو احوال من
تویی از کرم دلنوازِ همه
به بیچارگی چاره ساز همه
بود هر کسی را امیدی بکس
امید من از رحمت تست و بس
اگر نا مرادم کنی، باك نیست
چو لطف تو باشد ازان باك نیست
مرا چشم پر لطف و انعام تست
امید من از رحمتِ عام است

اسی طرز کے کھڑے پتھر پر اندر کی طرف مندرجہ ذیل اشعار درمیان میں اور حواشی پر مرقوم ہیں:

جنت مکانی الواصل
الی جوار الملک
الرحمان میرزا محمد
عیسیٰ ترخان
در تاریخ
روز شنبه بیست و
سیوم ماه شعبان
۹۷۰ھ

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا محمد صالح کی قبر میرزا عیسیٰ (جنت مکانی) کی وفات کے بعد تیار ہوئی اور پتھر پر نقش و نگار کا کام۔ ۹۷۰ھ سے میرزا عیسیٰ کی وفات ۹۷۳ھ تک تین سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے تک ہوتا رہا۔ اسی کے بائیں کھڑے پتھر کے چاروں حواشی پر مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

خدایا تو آگاه از حال من
عیان است پیشِ تو احوال من
تویی از کرم دلنوازِ همه
به بیچارگی چاره ساز همه
بود هر کسی را امیدی بکس
امید من از رحمت تست و بس
اگر نا مرادم کنی، باك نیست
چو لطف تو باشد ازان باك نیست
مرا چشم پر لطف و انعام تست
امید من از رحمتِ عام است

اسی طرز کے کھڑے پتھر پر اندر کی طرف مندرجہ ذیل اشعار درمیان میں اور حواشی پر مرقوم ہیں:

درمیان میں:

مشتاقِ آفتابِ جمال محمدیم
ما بندۂ محمد و آل محمدیم
پروانہ وار سوختہ از آتش فراق
در آرزویِ شمع جمال محمدیم
صاف شراب عشق ز لال محمد است
ما تشنہ زلال شراب محمدیم
خالی شدہ تمام ز فکر و خیال خود
شام و سحر بفکر و خیال محمدیم
صالح شد است شیفتہ ہر کس بہ حالتی
خوش حال ماکہ، شیفتہ خال محمدیم

حواشی پر:

بود پیوستہ مہ رویِ تو آیینہء ما
رویِ او سوخت ز ہجران دل بی کینہ ما
تا قیامت زغم ہجر رخت، خواہم سوخت
این نہ سوزیست کہ، بیرون رود از سینۂ ما
گنج الطاف و کرم بود محمد صالح
مردم از غم کہ، برون رفت ز گنجینۂ ما
اسی پتھر پر چوگرد مندرجہ ذیل آیات ہیں:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: قل یا عبادی . . . ہو الغفور الرحیم.(۲۱۹) صدق اللہ العلی العظیم.

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: کل نفس ذائقة . . . ثم الینا ترجعون.(۲۲۰)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: زغم الذین... المومنون. (۲۲۱)

صدق اللہ العلی العظیم.

انما امرہ اذا اراد ... ترجعون. (۲۲۲)

یہ آیات شروع میں اشعار والے پتھروں پر ہیں:

... کل حی یموت، و کل شیء یموت.

قال الله سبحانه وتعالیٰ: کل شیء هالك... ترجعون. (۲۲۳)

قال الله تعالیٰ عزوجل: ان الذین قالوا ربنا . . . من غفور الرحیم.(۲۲۴) صدق الله العلی العظیم.

قل ان الموت الذین تفرون... کنتم تعلمون. (۲۲۵)

قال الله سبحانه وتعالیٰ: والذین امنوا... فیها ابدا. (۲۲۶)

مندرجہ ذیل آیات قبر پر موجود ہیں:

قال الله سبحانه تبارك وتعالیٰ تقدس: بسم الله... شهد الله انه لا اله الا هو... العزیز الحکیم. (۲۲۷)

صدق الله العلی العظیم.

قال الله تعالیٰ عزوجل: کل من علیها فان . . . ربکما تکذبان.(۲۲۸) صدق الله.

الله لا اله الا هو الحی... وهو العلی العظیم. (۲۲۹)

بسم الله... تبارك... بماء معین. (۲۳۰)

قال الله تعالیٰ: ان الذین آمنوا... ربه احداً. (۲۳۱)

صدق الله.

قال الله تعالیٰ: کل نفس ذائقة الموت... الا متاع الغرور.(۲۳۲)

صدق الله العلی العظیم.

قال الله سبحانه تقدس وتعالیٰ: قل یا عبادی...... هو الغفور الرحیم. (۲۳۳) صدق الله.

قال سبحانه تبارك وتعالیٰ: وسق الذین... رب العالمین.(۲۳۴)

صدق الله العلی العظیم وصدق رسوله النبی المختار الکریم ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین والحمدلله رب العالمین.

قبرستان اور قبریں:

میرزا صالح کے قبرستان میں اگر کوئی دیوار تھی تو وہ اب مسمار ہو گئی ہے۔ اس وقت تھلے (چبوترے) پر پانچ قبریں موجود ہیں، اور اسی

تھلے (چبوترے) کے پاس دو اور چبوترے ہیں، جو بقول خداداد خان، اسی احاطہ کے اندر تھے۔ ذیل میں محمد صالح والے تھلے (چبوترے) اور ان دونوں چبوتروں کی قبروں کے کتبات دیے جاتے ہیں۔

محمد صالح والا چبوترہ:

میرزا صالح اور محمد زاہد کا کتبہ درج کیا گیا ہے، تھلے (چبوترے) پر اس وقت پانچ قبریں موجود ہیں، لیکن خداداد خان نے چھے قبروں کے کتبات دیے ہیں۔

چھوٹے بچے کی قبر ۳:

اس قبر پر قرآنی آیات کے یہ کتابت ہیں:
قال اللہ سبحانہ تقدس وتعالیٰ:
کل شیء ھالك... اجراً عظیما. (۲۳۵)
صدق اللہ تعالیٰ.

قبر ۴:

اسی تھلے (چبوترے) پر چوتھی قبر پر یہ آیات ہیں:
قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انه لا الہ... الاسلام. (۲۳۶)
صدق اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا... قالوا یعلمون. (۲۳۷)
قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: کل شیء ھالك... ترجعون. (۲۳۸)
صدق اللہ تعالیٰ:
قال اللہ تعالیٰ: یاایھا الذین آمنوا... اللہ شاکر علیم.(۲۳۹)
قال اللہ: آمن الرسول... الکافرین. (۲۴۰)
صدق اللہ... الکریم.
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... ھو العلی العظیم.(۲۴۱)
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا... حظ عظیم. (۲۴۲)
صدق اللہ... الکریم ونحن علی ذالك... رب العالمین.

قبر ۵:

اس قبر پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں۔ آیات یہ ہیں:
قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انه... عنداللہ الاسلام۔ (۲۴۳)
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم.(۲۴۴)
صدق اللہ... الکریم.

قبر ٦:

اس قبر پر تاریخی کتبہ نہیں ہے۔

آیات یہ ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: یبشرهم ربهم... اجر عظیم۔ (۲۴۵)

صدق اللہ... والحمدللہ وحدہ۔

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم۔ (۲۴۶)

صدق اللہ العلی العظیم الذین... القلم والنون۔

پہلا تھلا (چبوترہ):

میرزا محمد صالح والے تھلے (چبوترے) کے پاس الگ ایک تھلہ (چبوترہ) ہے، جس کی قبروں کے کتبات اس طرح ہیں:

شاہ بیگہ ۹۷۷ھ:

مندرجہ ذیل تاریخی کتبہ پائیں موجود ہے:

وفات یافت مرحومہ مغفورہ

شاہ بیگہ بنت امیر مرحوم مغفور

سلطان محمد ترخان بتاریخ بستم

شہر ذی الحج سنہ۹۷۷ھ

آیات:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: شهد اللہ انہ... الاسلام۔ (۲۴۷)

بسم اللہ ... یا یها المزمل... غفور رحیم۔ (۲۴۸)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم۔(۲۴۹)

صدق اللہ ... الکریم۔

قبر ۲: اسی قبر کے ساتھ تھلے (چبوترے) پر دوسری قبر کی آیات کے کتبات یہ ہیں:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: شهد اللہ انہ لا الہ الا هو... الاسلام۔ (۲۵۰)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا هو الحی... العلی العظیم۔(۲۵۱)

دوسرا تھلہ (چبوترہ):

یہ تھلہ بھی محمد صالح کے احاطے میں شمار کیا گیا ہے۔ جس پر دو قبریں ہیں:

محمد علی ترخان ۹۸۴ھ:

اس قبر پر مندرجہ ذیل تاریخی کتبہ پائیں موجود ہے:

وفات یافت مرحوم مغفور

الواصل الی جوار الملک المنان

محمد علی بن امیر ولی (محمد) ترخان

تاریخ ماہ محرم الحرام ٤٨٤ھ

آیات:

بسم اللہ ... یا المزمل... غفور الرحیم۔ (۲۵۲)

شھد اللہ انہ... عنداللہ الاسلام۔ (۲۵۳)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... ھو العلی العظیم۔(۲۵۴)

دوسری قبر:

اسی تھلے (چبوترے) پر دوسری قبر ہے، جس پر مندرجہ ذیل آیات مرقوم ہیں:

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ... صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم۔

بسم اللہ... یایھا المزمل... غفور رحیم۔ (۲۵۵)

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا... حظ عظیم۔ (۲۵۶)

میرزا صالح میرزا عیسیٰ کا دوسرے نمبر والا بیٹا تھا، اُس کے قتل کے بعد میرزا عیسیٰ نے میرزا جان بابا کو ولی عہد بنایا۔ (۲۵۷)

صالح، میرزا محمد، ثانی بن میرزا عیسیٰ ثانی۔ اُس کی قبر ان کے باپ کے رانک میں ہونی چاہئے۔

صالحہ بیگہ، بنت میرزا عیسیٰ ثانی اُس کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔

عاقل میرزا محمد، بن میرزا عیسیٰ ثانی: (۲۵۸)

عبدالعلی ترخان اول:

میرزا عیسیٰ کے والد تھے۔ ان کے شجرہ میں کئی پشتیں غائب ہیں۔ سلطان شاہ حسین بایقرا کے دور میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ (۲۵۹) ان کی وفات ہرات کی طرف ہو گئی ہو گی۔

ان کے نسبی سلسلے میں مندرجہ ذیل نام بیان کیے جاتے ہیں۔

عبدالعلی، عبدالخالق، میر حسن ترخان، میرزا عبدالعلی ترخان (ان کی بیٹی ترخان بکم سلطان احمد میرزا کی بیگم تھیں)، میرزا نور اللہ ترخان، فضل اللہ ترخان، امیر التمش بن امیر ایکوتمر بن امیر ایلچی بن الجائتو خدا بندہ (۷۰۳-۷۱۶ھ) بن ارغون خان (۷ جمادی الآخر ۶۸۳-۲ ربیع الاول ۶۹۰ھ) بن ہلاکو خان (۶۵۱- ۹ ربیع الاول ۶۶۳ھ) (۲۶۰)

عبدالعلی، ثانی بن فرح میرزا بن میرزا شاہ رخ:

میرزا غازی کی وفات کے بعد چند مہینوں کے لیے خسرو چرکس نے اُنھیں جانشین بنایا۔ ان کا انتقال ۹ رجب ۱۰۴۰ھ کو ہوا۔ ان کی قبر میرزا باقی کے مقبرے کے اندر پیش کردہ نقشے کے مطابق نمبر (۴۳) پر ہے، تاریخی کتبہ پائیں موجود ہے، جس کے دو پہلو سادہ ہیں، ان پر کوئی نقش و نگار نہیں:

وفات میرزا عبدالعلی

نهم شهر رجب سنه ۱۰٤۰ھ

آیات:

قال اللّٰہ... وتعالیٰ.

قل یا عبادی الذین... الغفور الرحیم. (۲۶۱)

اللّٰہ لا الہ الا ھو... العظیم. (۲۶۲)

کل شیء ھالك... ترجعون. (۲۶۳)

ترخان نامہ کے قول کے مطابق سنہ ۱۰۳۹ھ میں فوت ہوئے۔ (۲۶۴) لیکن یہ قول غلط ہے۔

عبدالعلی، ثالث بن عمر بیگ بن شاہ بابا اول، ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔

عمر بیگ، بن شاہ بابا اوّل:

ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔

عمہ خورد میرزا جانی زوجہ شاہ بابا اوّل:

معلوم نہیں یہ خاتون کس کی بیٹی تھی، ترخان نامہ کے مؤلف نے ان کا ذکر کیا ہے۔ (۲۶۵)

عنایت اللہ میرزا:

بن میرزا عیسیٰ ترخان ثانی متوفی ۱۰۵۸ھ مدفون رانك میرزا عیسیٰ۔ ان کا کتبہ ان کے احوال میں ملاحظہ ہو۔

عیسیٰ میرزا محمد اول بن میرزا عبدالعلی ترخان:

متوفی ۹۷۳ھ ان کا مقبرہ پتھر کی ایک الگ چھار دیواری کے اندر ہے، جس کی تفصیل یوں ہے:

قبرستان:

احاطے کی بیرونی دیوار کے اندر قبروں کے مختلف تھلے (چبوترے) موجود ہیں، جن میں سے بہت سی قبریں زبوں ہوچکی ہیں۔ بیرونی دیوار سے ملحق دو تھلوں (چبوتروں) اور مغربی تھلے (چبوترے) اور جنوبی تھلے (چبوترے) کی قبروں کے فقط نشان رہ گئے ہیں۔ مشرق سے کونوں پر زنانہ چھار دیواریاں ہیں، جن کے اندر قبریں نہیں۔ صحن میں جنوب سے ایک چوکھنڈی ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ داخلی دروازوں کی پیشانی پر قرآنی آیات کندہ ہیں، احاطے والی دیوار کے چو گرد یہ آیات ہیں:

بیرونی طرف سے دیوار کے کنارے پر:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. تبارک الذی... بماء معین.(۲۶۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم. والضحی واللیل... فاما بنعمت ربک فحدث. (۲۶۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم. انا انزلنہ فی... مطلع الفجر. (۲۶۸)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق حضرت رسولہ النبی المختار الکریم. ونحن علی ذالک من الشٰھدین والشاکرین. والحمدللہ رب العالمین.

کاتب مقبول عنہ عبدالرحیم بن حافظ رشید صدیقی.

اندرونی طرف سے دیوار پر:

بسم اللہ الرحمن الرحیم: اذا وقعت الواقعۃ... باسم ربک العظیم. (۲۶۹) صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین.

محراب کی پیشانی پر:

قال سبحانہ تبارک وتعالیٰ: فنادتہ الملائکۃ وھو قائمۃ یصلی فی

المحراب۔ (۲۷۰) فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔ قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انه... بصیر بالعباد۔ (۲۷۱)

جنوبی مصلی پر:

قال اللہ سبحانہ تبارك وتعالیٰ: وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنة زمرا... الحمدللہ رب العالمین۔ (۲۷۲)

سبحان ربك رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ صدق اللہ العلی العظیم وصدق الرسول النبی الکریم۔

قبر کے کتبات:

میرزا عیسیٰ کی قبر کے چاروں طرف اشعار اور آیات کندہ ہیں۔

پائیں تاریخی کتبہ ہے:

مغرب سے:

افسوس که دور کامرانی بگذشت
دوران نشاط و شادمانی بگذشت
سرمایه عمر زندگی رفت ز دست
شد عمر و زندگانی بنادانی بگذشت

......

دهریست که، صد هزار عیسیٰ دید ست
طوریست که، صد هزار موسیٰ دیدست
قصریست که، صد هزار قیصر دید ست
طاقیست که صد هزار کسریٰ دیدست

جنوب سے:

میرسد بیداد صد، هر لحظه از دست اجل
داد از دست اجل! فریاد از دست اجل!

......

یا رب تو که داری بایمان مرا
با قول شهادت ببری جان مرا
خشنود کنی جمله خصمان مرا
پر نور کنی تربت تاریک مرا

گر من گناهی روی زمین کردستم
امید به لطف تو که، گیری دستم
گفتی که: به روز غم، دست گیرم!
عاجز تر ازین مخواه، که اکنون هستم

تربت کے اوپر چاروں طرف سے:

ای چرخ! فلك را سیرت کینهٔ تست (؟)
بیداد گری شیوهٔ دیرینهٔ تست
ای خاك! اگر سینهٔ تو بشگافند
بس گوهرِ قیمتی که در سینهٔ تست

......

تا در رگ من، خون بود و پوست
از دوست، مراد خود نخواهم جز دوست
بستن باین جهان متاع دل، نه نکوست
کانها، همه فانی ست، باقی همه اوست

......

ای دیدن، رویت آرزویِ مردم
گاهی نظرت، بود بسویِ مردم
تا چشم ازین جهان فانی بستی
شد بسة در فیض برویِ مردم

......

ای! آنکه همیشه از قضا بر حذری
بشنو از من این حدیث، گر باخبری
از سویِ قضا نباشدت راه گریز
گر در حضری مقیم، ور در سفری

......

سالها ای چرخ! تخم درد، در دل کاشتی
عاقبت کردی، نخاکه جاد، در دل داشتی
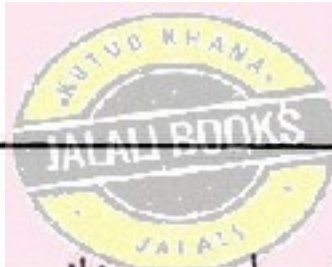
تربت کے سرہانے چو کور:

بیچ میں کلمہ اور چاروں طرف سے خانوں میں یہ اشعار ہیں:

لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ

غرض نقشی ست کز ما یاد ماند
که دنیا را نمی بینم بقایی
مگر صاحبدلی، روزی برحمت
کند در کار درویشان دعایی

تربت کے مشرقی پہلو پر:

دوستان ذکر حق و فکر مزار خود کنند؟
عاقبت مر گست، یاران! فکر کار خود کنند
بگذرند از فکر خط و ذکر رخسار بتان
بعد ازین اندیشۂ لیل و نهار خود کنند
نامه طاعت، که از دودِ گنه، آمد سیاه
شست وشویِ این، بچشم اشکبار خود کنند
با رخ همچون خزان چون گرد آید بر بهار؟
این خزان خویش بادیِ و از بهار خود کنند

دونوں سروں پر:

غم دنیا مخور ای هم نشین! تا یك نفس مانده
که بیکس مانده در دنیا، ولی دنیا بکس مانده

......

تنی که بود ویرا لباس حریر و کتان
ببین که جایی چشان کرده زیر سنگ گران
زمانه داشت دو عیسیٰ و هر دو شان رفتند
یکی بچرخ و دگر در زمین گرفته مکان
دهانِ خاك، چو شد پر، ز لقمۂ تن او
نهادَ دست فلك حسرتش بدهل سنان (؟)
بسال نه صد و هفتاد وسه ز هجر نبی
جهان گذاشته بگرفت، ملك جاویدان

سنه ۹۷۳ھ

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم.

قال سبحانہ وتعالیٰ: شھد اللہ انہ... عنداللہ الاسلام.(۲۷۳)

صدق اللہ العلی العظیم و صدق رسولہ الکریم.

یبشرھم ربھم... اجر عظیم. (۲۷۴)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... العظیم. (۲۷۵)

صدق اللہ... الکریم.

بسم اللہ... تبارک الذین... بماء معین. (۲۷۶)
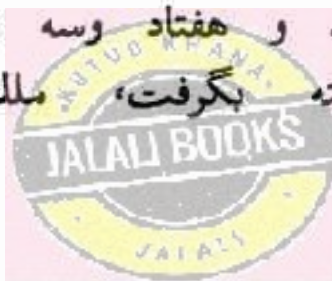
پائیں تاریخی کتبہ:

چوکور کتبہ کے چاروں طرف یہ اشعار ہیں:

مشتاق آفتاب جمال محمدیم
ما بندۂ محمد و آل محمدیم
پروانہ وار سوختہ از آتش فراق
در آرزویِ شمع جمال محمدیم

درمیان میں یہ کتبہ ہے:

وفات یافت حضرت جنت مکانی میرزا

محمد عیسیٰ بن عبدالعلی ترخان فی سنہ۹۷۳ھ (۲۷۷)

چوکھنڈی:

اندرونی دیوار کے باہر مغرب جنوب کونے پر صحن کے اندر ایک چھت والی چوکھنڈی (ہشت ستونی) ہے، جس کی قبر پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے۔ آیات اس طرح ہیں:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ تقدس و تعالیٰ.

کل من علیھا فان... والاکرام. (۲۷۸)

کل نفس ذائقة ... ترجعون. (۲۷۹)

کل شیء ھالك... ترجعون. (۲۸۰)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو... العظیم. (۲۸۱)

صدق اللہ تعالیٰ.

ہشت ستونی گنبد کی چھت میں چاروں طرف بقول خداداد خان یہ آیات کندہ ہیں:

بسم اللہ... ھل اتی علی الانسان... عذابا اسینا. (۲۸۲)

صدق اللہ.

تین قبریں:

خداداد خان کی بیاض میں مندرجہ ذیل تین قبروں کے کتبات نقل شدہ ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ یہ قبریں عیسیٰ ترخان والے قبرستان کے احاطے میں ہیں۔ عیسیٰ اوّل یا عیسیٰ ثانی کے قبرستان کا احاطہ؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، بہرحال ہم یہاں وہ کتبات نقل کئے دے رہے ہیں:

میرزا محمد معظم:

بتاریخ سیزدھم شہر شوال المکرم
سنہ ۱۰۹۷ھ غفران پناہ رضوان آرام گاہ
میرزا محمد معظم از دار الفنا بدار البقا رحلت نمود.

میرزا غلام محی الدین:

واقعہ بتاریخ بستم شہر شعبان
المعظم سنہ ۱۰۹۰ھ میرزا غلام محی الدین
از دار الفنا بدار البقا
رحلت نمود.

ممکن ہے یہ دونوں میرزا عیسیٰ ثانی کے پوتوں میں سے ہوں اور ان کا کہیں ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اس وقت قبریں احاطے میں نہیں ہیں، اس لیے ہم نے خداداد خان کی نقل کو ہوبہو نقل کیا ہے۔ (۲۸۳)

خواجہ شرف الدین شیرازی:

خداداد خان کے قول کے مطابق مندرجہ ذیل قبر بھی میرزا عیسیٰ والے قبرستان کے احاطے میں تھی، جو اس وقت موجود نہیں۔ بہرحال، خواجہ کے انتقال کا سال ۹۱۱ھ ہے، جو سما گھرانے کے حکمران جام نظام الدین کا دور تھا، یہ کتبہ ایران اور سندھ کے باہمی ربط اور ایران سے آنے والوں کے سلسلے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔
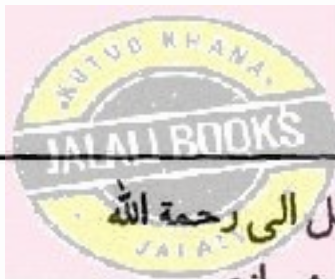
وفات مرحوم الواصل الی رحمة اللّٰہ

خواجه شرف الدین شیرازی

فی تاریخ شهر جمادی الاول سنه۹۱۱ھ

آیات:

اللّٰہ لا اله الا هو الحی... العلی العظیم. (۲۸۴)

شهد اللّٰہ انه... هو العزیز الحکیم. (۲۸۵)

صدق اللّٰہ... رسول الکریم.

عیسیٰ محمد ثانی بن جان بابا، قبر کا تاریخی کتبہ ان کے احوال میں دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات کے کتبات مقبرہ کی نقشہ عنوان کے تحت ملاحظہ ہوں۔

خداداد خان نے اپنی بیاض میں دو قبروں کے کتبے دیے ہیں، جو ان کے قول کے مطابق وہ چہار دیواری کے اندر تھیں۔ یہ غالباً وہ دو قبریں ہیں، جن میں سے ایک اس وقت ۱۷-۱۸ کے درمیان ہے، جبکہ دوسری ۱۳-۱۷ کے درمیان ہے۔ اب دونوں قبریں مسمار ہو گئی ہیں۔

غازی بیگ، میرزا محمد اول، بن میرزا جانی بیگ متوفی ۱۱ صفر ۱۰۲۱ھ اپنے باپ کے ساتھ مدفون ہے، قبر پر کتبہ نہیں ہے، ۹۹۲ھ میں تولد ہوئے اور جمعرات کو قندھار میں فوت ہوئے، راقم الحروف نے ان کی مکمل سوانح مرتب کی ہے۔

غازی بیگ، میرزا محمد ثانی بن میرزا عنایت اللّٰہ:

ان کا نام ترخان نامہ والے شجرے میں موجود ہے۔

غالب بن میرزا صالح اول، اس کو میرزا باقی نے ۹۷۹ھ میں قتل کروایا (۲۸۶) ان کی قبر گورستان عیسیٰ اوّل میں ہے۔

قبر کا کتبہ:

بتاریخ بست و دوم شعبان

۹۷۹ھ میان غالب فوت شد

آیات کے کتبات:

قال اللّٰہ... قل یا عبادی الذین اسرفوا... الغفور الرحیم. (۲۸۷)

صدق اللہ... رسولہ الکریم.
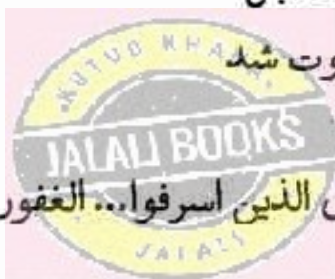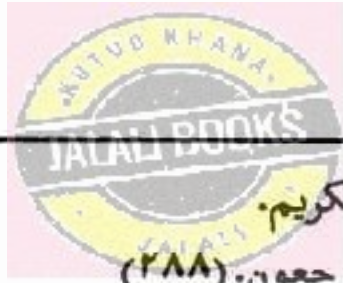
کل شیء هالك... ترجعون. (۲۸۸)

قال اللہ... ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات...... بعبادة ربه احدا.
(۲۸۹)

صدق ... رسوله الکریم.

مثل الجنة التی... ومغفرة من ربهم. (۲۹۰)

صدق اللہ... والشاکرین. والحمدللہ رب العالمین.

کل من علیها فان... کل یوم هو فی شان. (۲۹۱)

صدق اللہ... رسوله الکریم.

فتح اللہ، معروف بہ میرزا فتحی، بن میرزا عیسیٰ ثانی، متوفی ۱۰۹۳ھ کتبات ان کے احوال کے تحت ملاحظہ ہوں، ان کا مدفن میرزا عیسیٰ ثانی کی رانک میں ہے۔

فرخ میرزا بن میرزا شاہ رخ اول:

ترخان نامہ کے مؤلف نے ان کا نام عبدالعلی کے ذکر میں کیا ہے۔ (۲۹۲)

فضل اللہ بن میرزا فتحی بن میرزا عیسیٰ ثانی، کھیبران کے پرگنہ میں تھانے دار تھا، ان کا ذکر عیسیٰ ثانی کے احوال میں ان کے نام کے تحت کیا گیا ہے۔

فقیر محمد، امیر ترخان بن امیر مسکین ترخان، یہ میرزا عیسیٰ کا داماد تھا، اُنھیں میرزا باقی کے دور میں قتل کیا گیا۔ ان کی قبر میرزا صالح اوّل کے احاطے میں ہے۔ تاریخی کتبہ یہ ہے: (۲۹۳)

تاریخ شهادت الواصل الی جوار ملك المنان
امیر فقیر محمد ترخان بن مرحومی مغفوری
امیر مسکین بیگ ترخان
شهر رجب المرجب سنه ۹۷۶ھ

الٰهی عبدك العاصی اتاکا مقرا بالذنوب وقد دعاکا
وان تغفر لذاك فانت اهل وان تطرد فمن یرحم سواکا
تجاوز عن ضعیف قد جفاکا وجائك تائباً یرجوا رضاکا

فان یک یا مھین قد عصاکا فلم یسجد لمعبود سواکا
الٰھی کم رکبت علی الخطایا فھب لی توبۃ قبل المنایا
ندمت ندامۃ ثم ارجعو الیکا لیغفر ذلتی رب البرایا
الٰھی (قد) عصیتک من عناد ولکن شقوتی غلبت علیا
متیٰ خبرت ان الشمس اتیٰ سینھانی عضا فی ان اراھا
الٰھی لا الہ سواک فارحم علی من لا الہ سوا کا(؟)
صرفت العمر فی لھو و لعب فآھا! ثم آھا! ثم آھا!
احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

الملک للہ محمد رسول اللہ

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ولا تحسبن الذین . . . ذو فضل عظیم.(۲۹۴)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ان الذین قالوا ربنا . . . الا ذو حظ عظیم.(۲۹۵)

قال اللہ... قل یا عبادی الذین... الغفور الرحیم. (۲۹۶)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۲۹۷)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: شھد اللہ انہ . . . ھو العزیز الحکیم (۲۹۸)

ان الدین عنداللہ الاسلام.

قال اللہ... وسیق الذین... رب العالمین. (۲۹۹)

بسم اللہ... یٰس... رب الرحیم. (۳۰۰)

صدق اللہ الغلی العظیم.

لطیف بیگہ:

بنت میرزا جانی (؟) مدفن زنانہ مقبرہ میرزا محمد باقی (نمبر ۹) متوفی ۱۴ دو شنبہ ذیقعدہ ۱۰۲۴ھ کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحومہ
مغفورہ لطیف بیگہ بنت
حضرت رضوان المقاسی (؟)
روز دو شنبہ چھار دھم ماہ
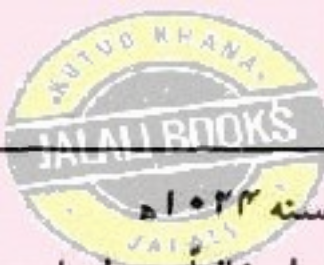
تاریخ شهر ذی قعده سنه ۱۰۲۴ھ

'رضوان مقامی' سے مراد غالباً میرزا جانی بیگ ہے۔

هوالفتاح– هو الکریم– لا اله الاالله محمد رسول الله۔

قال الله تعالیٰ: شهد الله انه... الحکیم. (۳۰۱)

الله لا اله الا هو الحی... وهو العلی العظیم. (۳۰۲)

بسم الله... تبارک الذین... بماء معین. (۳۰۳)

کاتب منقول عنه: شیخ فقیر محمد۔

ماه بیگه:

بنت میرزا باقی ۱۰۱۴ھ متوفی میرزا باقی والے زنانہ قبرستان (نمبر ۸) میں مدفون ہے۔ ان کی قبر کا کتبہ یہ ہے:

وفات یافت صالحه ساجده مرحومه

مغفوره ماه بیگه بنت مرحوم

مغفور الواصل الی جوار حضرت

ملک القدوس میرزا محمد باقی ترخان

در تاریخ سنه ۱۰۱۴ھ

آیات:

قال الله تعالیٰ: شهد الله انه... الحکیم. (۳۰۴)

قال الله تعالیٰ: لا اله الا هو الحی القیوم... العلی العظیم.(۳۰۵)

صدق الله... والشاکرین.

بسم الله... تبارک الذین. بماء معین. (۳۰۶)

صدق الله... رسوله الکریم.

محمد، میر محمد بن سید جلال الدین بن سید علی شیرازی:

میرزا محمد صالح اوّل کا نواسہ تھا۔ اس نے اپنا احوال قلم بند نہیں کیا۔ ترخان نامہ میں اپنے نانا یا اپنے والد کی شادی (۳۰۷) کا ذکر کرتے ہوئے بھی اپنی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ تحفۃ الکرام میں ان کا مختصر ذکر موجود ہے۔ (۳۰۸)
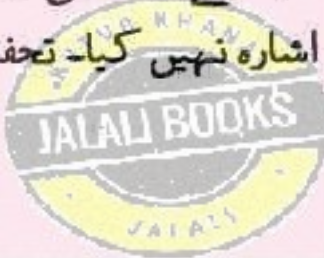
محمد مراد، میرزا بن میرزا عنایت اللہ:

ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں موجود ہے۔ جہاں گیر آباد کا تھانے دار تھا، اُس کا احوال میرزا عیسیٰ ثانی کے احوال میں اُس کے نام کے تحت دیا گیا ہے۔

مظفر، میرزا اوّل بن میرزا محمد باقی۔ یہ ان کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا۔ اپنے باپ کی زندگی مین علی خان کوکہ سمیت بدین اور چاچکان کا حاکم تھا۔ (۳۰۹) میرزا کی وفات کے بعد مسند نشینی کے معاملے پر میرزا جانی سے جنگ کی۔ جنگ میں شکست کھا کر کچھ کے راجہ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ (۳۱۰)

صاحب سمہ نامی جاڑیجہ قوم کے ایک معزز فرد نے اپنی بیٹی میرزا باقی کو دی تھی۔ جس کے بطن سے مظفر پیدا ہوا۔ (۳۱۱) صاحب صمہ، سمہ کی ایک شاخ کا بھی نام ہے، (۳۱۲) میرزا مظفر جہانگیر سے ۱۰۲۶ھ میں فتح باغ (احمد آباد) میں ملا تھا۔ (تزک اردو ۴۵۸)

مظفر میرزا ثانی بن میرزا عنایت اللہ:

ان کا نام ترخان نامہ کے شجرے میں ہے۔ غالباً ان کی بیگم کی قبر میرزا عیسیٰ والے قبرستان کے صحن میں ہے۔ (ملاحظہ ہو کتبہ رانک مذکور میں)

ناصر، میرزا بن میرزا عیسیٰ اوّل میرزا باقی کے خوف سے ساری زندگی لنگڑے اور گونگے ہو کر گذاری۔ (۳۱۳)

یار محمد، میرزا ترخان، میرزا عیسیٰ کا بھانجا تھا۔ (۳۱۴)

یادگار مسکین، ترخان، بیگی آغا بنت میرزا عیسیٰ اوّل کے شوہر تھے، میرزا باقی نے جان بابا کے ساتھ ان کو بھی قتل کروایا تھا۔ (۳۱۵) ان کی قبر جان بابا کی قبر کے ساتھ ہے، کتبہ جان بابا کے گورستان کے تحت دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ۱- عیسیٰ اول ۲- محمد صالح اوّل ۳- میرزا باقی ۴- میرزا جان بابا ۵- میرزا جانی بیگ ۶- سلطان ابراہیم اور ۷- میرزا سلیمان کے گورستان کے نقشے شامل کررہے ہیں، جن میں نمبروں کے ذریعے قبروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ متن میں یہی نمبر دیے گئے ہیں۔ (۳۱۶)
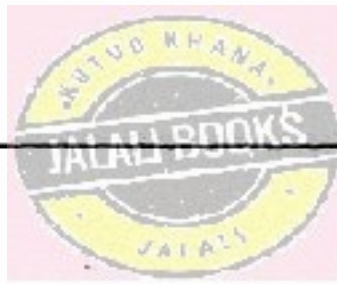
حواشی

(۱) تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۹۵
(۲) بیاض میر محفوظ علی شاہ قلمی
(۳) طاہری قلمی ص ۸۴
(۴) تاریخ طاہری قلمی ص ۸۶-۸۷
(۵) آیات کے شروع اور آخر الفاظ اختصار کے طور پر دیے جارہے ہیں۔
البقرہ: ۲۵۵
(۶) آل عمران: ۱۸
(۷) الفتح: ۲۷
(۸) الملك: ۱-۳۰
(۹) الملك: ۱-۳۰
(۱۰) البقرہ: ۲۵۵
(۱۱) القصص: ۸۸
(۱۲) الکھف: ۱۰۷-۱۱۰
(۱۳) الزمر: ۵۳
(۱۴) الملك: ۵۳
(۱۵) البقرہ: ۲۵۵
(۱۶) البقرہ: ۲۸۵
(۱۷) القصص ۸۸
(۱۸) الکھف: ۱۰۷-۱۱۰
(۱۹) الملك: ۱-۳۰
(۲۰) الزمر: ۵۳
(۲۱) البقرہ: ۲۸۵
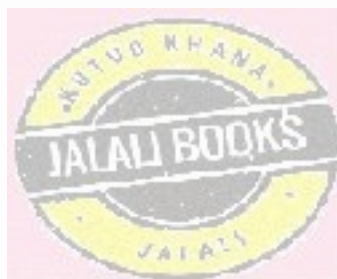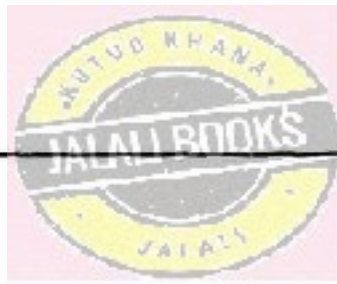
(۲۲) الملک: ۱-۳۱

(۲۳) یٰس: ۱-۳۱

(۲۴) یٰس: ۱-۳۶

(۲۵) الاعراف: ۵۶

(۲۶) یٰس: ۱-۳۶

(۲۷) الملک: ۱-۳۰ قبر پر سال کا اک نمبر مٹا ہوا ہے۔ خداداد خان نے ۱۰۸۷ھ لکھا ہے۔

(۲۸) الملک: ۱-۳۰۔ قبر پر سال مٹا ہوا ہے۔ خداداد خان نے ۱۰۸۷ھ لکھا ہے۔

(۲۹) الملک: ۱

(۳۰) یہ سارے کتبے خداداد خان کی بیاض سے نقل کیے گئے ہیں، جو اُنھوں نے ۱۸۷۱ء میں نقل کرائے تھے۔

(۳۱) البقرہ: ۲۸۵

(۳۲) الکھف: ۱۰۷

(۳۳) الکھف: ۱۰۷

(۳۴) الاحزاب: ۴۰

(۳۵) الفتح: ۱

(۳۶) الجمعہ: ۹

(۳۷) فاطر: ۱

(۳۸) الفتح: ۲۹

(۳۹) الاحقاف: ۱۳- آیت یہاں تک کندہ ہے۔

(۴۰) الزمر: ۷۳

(۴۱) الفتح: ۲۹

(۴۲) الفتح: ۲۷-۲۸

(۴۳) بنی اسرائیل: ۷۸-۸۴

(۴۴) الملک: ۱-۲۰
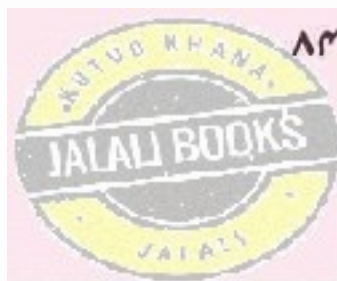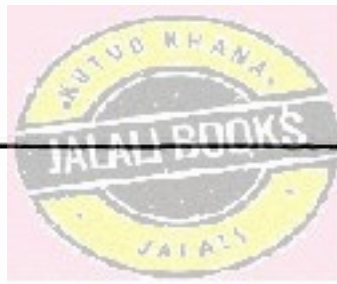
(۴۵) آل عمران: ۱۹۳

(۴٦) الاعراف: ۲۳

(۴۷) آل عمران: ۱۹٦

(۴۸) الاعراف: ۸۹

(۴۹) الملك: ۱

(۵۰) البقرہ: ۲۵۵

(۵۱) القصص: ۸۸

(۵۲) الکهف: ۱۰۷-۱۱۰

(۵۳) الزمر: ۵۳

(۵۴) یہ شجرہ ترخان نامہ، تاریخ طاہری، تاریخ معصومی، بیگلارنامہ اور تحفۃ الکرام کی مدد سے تیار کیا گیا ہے، بہت سے نام مکلی کے مقابر سے تلاش کر کے دیے گئے ہیں۔ سنین کا مقابلہ کتبات کے ذریعے کیا گیا ہے۔ ایلیٹ کی تاریخ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ (ج ۱ – ص ۳۰۳ تا ص ۴۹۷) اس کے علاوہ اکبر نامہ ج ۳ ص ٦۳٦ اور بلا خمن ص ۳۸۹ وغیرہ بھی زیر نظر رہے ہیں۔

(۵۵) البقرہ: ۲۵۵

(۵٦) آل عمران: ۱۸

(۵۷) تاریخ طاہری ص ۱۳۷ اور تحفۃ الکرام۔

(۵۸) الاعلیٰ: ۱-۱۹

(۵۹) الاسراء: ۱۷

(٦۰) الزمر: ۴۳

(٦۱) مریم: ۱-۴۰

(٦۲) الاعلیٰ: ۱-۱۹

(٦۳) مرحوم خداداد کی بیاض میں یوں منقول ہے:

هذه روضة المنوره للجناب الصالحه العابده الواصلة

الیٰ الله الملك المنان بیجه سلطان

فی تاریخ شهر رجب المرجب یوم الثلثا

سنه احدی وستین وتسعمائه.

میری اپنی بیاض میں اس طرح منقول ہے:

هذه روضة المنوره للجناب الصالحه العابدة الواصل
الجوار الی الله الملك المنان بیچه سلطان
بنت امیر مرحوم (؟) خلیل خان(؟) عاشت فی
طاعته رب العالمین، صارف عمره فی اعان المسلمین
رحلته الدنیا الفانیه فی یوم الثلثا ماه
رجب المرجب سنه احدی ستین و تسعماته.

(۶۴) البقرہ: ۲۵۵
(۶۵) الزمر: ۵۳
(۶۶) البقرہ: ۲۵۶
(۶۷) خداداد کی بیاض میں ۹۵۲ھ ہے۔ مندرجہ بالا نقل محکمہ آثارِ قدیمہ کی ہے۔
(۶۸) البقرہ: ۲۵۵
(۶۹) ابراهیم: ۴۱
(۷۰) ۹۵۳ھ
(۷۱) القصص: ۸۸
(۷۲) آل عمران: ۱۸
(۷۳) البقرہ: ۲۵۵
(۷۴) الزمر: ۵۳
(۷۵) البقرہ: ۲۸۵
(۷۶) الملك: ۱-۲۰
(۷۷) تحفة الکرام فارسی ص۷۵
(۷۸) الرحمن: ۲۶
(۷۹) الزمر: ۵۳
(۸۰) الکهف: ۱۰۷-۱۱۰
(۸۱) البقرہ: ۱۵۳-۱۶۳
(۸۲) الزمر: ۵۳
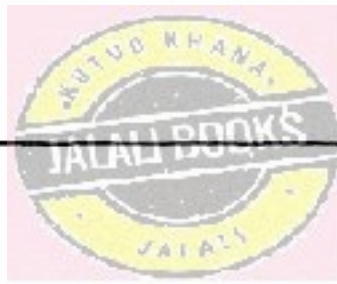
(۸۳) البقرہ: ۲۵۵

(۸۴) الملک: ۱ تا ۳۰

(۸۵) القصص: ۸۸

(۸۶) الرحمان: ۲۶ تا ۳۱

(۸۷) دیکھئے نقشہ گورستان باقی ۱ تا ۴ نمبر قبور بغیر کتبے کے ہیں۔

(۸۸) دیکھئے آیات: ۵۰۸

(۸۹) الملک: ۱ تا ۲۰

(۹۰) الاخلاص: ۱

(۹۱) الواقعہ: ۱

(۹۲) آل عمران: ۳۹

(۹۳) آل عمران: ۱۸

(۹۴) الملک: ۱ تا ۲۰

(۹۵) البقرہ: ۲۵۵

(۹۶) القصص: ۸۸

(۹۷) التوبہ: ۲۱

(۹۸) یونس: ۶۹

(۹۹) الملک ۱ تا ۲۰

(۱۰۰) البقرہ: ۲۵۵

(۱۰۱) یہ تحریر بیاض کی ہے، لیکن کتبہ صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ در اصل وہ یوں ہے:

وفات یافت بیگہ ماہ بنت...

سلطان (؟) تاریخ ۱۰۱۳ھ (؟)

(۱۰۲) البقرہ: ۱۵۳

(۱۰۳) البقرہ: ۲۵۵

(۱۰۴) الاحزاب: ۴۰

(۱۰۵) المومنون: ۲۱

(۱۰۶) البقرہ: ۲۲۵
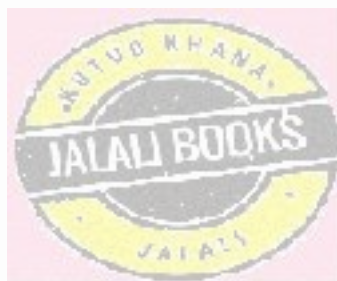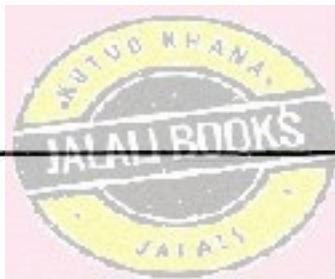
(۱۰۷) الملک: ۱-۱۲
(۱۰۸) البقرہ: ۲۵۵
(۱۰۹) الزمر: ۵۳
(۱۱۰) البقرہ: ۲۵۵
(۱۱۱) فصلت: ۳۰
(۱۱۲) طہٰ: ۵۵
(۱۱۳) آل عمران: ۱۸
(۱۱۴) البقرہ: ۲۲۵
(۱۱۵) المزمل: ۱
(۱۱۶) الزمر: ۵۳
(۱۱۷) البقرہ: ۲۵۵
(۱۱۸) القصص: ۸۸
(۱۱۹) ترخان نامہ ص۵۳
(۱۲۰) ترخان نامہ ص ۶۱
(۱۲۱) البقرہ: ۲۵۵
(۱۲۲) یونس: ۲۹
(۱۲۳) الملک: ۱-۳۰
(۱۲۴) آل عمران: ۱۸
(۱۲۵) البقرہ: ۲۵۵
(۱۲۶) الملک: ۱-۳۰
(۱۲۷) الملک: ۱-۳۰
(۱۲۸) الاخلاص: ۱
(۱۲۹) ترخان نامہ ص ۶۱
(۱۳۰) آل عمران: ۱۸
(۱۳۱) البقرہ: ۲۵۵
(۱۳۲) الملک: ۱ تا ۳۰
(۱۳۳) الفجر: ۲۷

(۱۳۴) ابراهیم: ۴۱
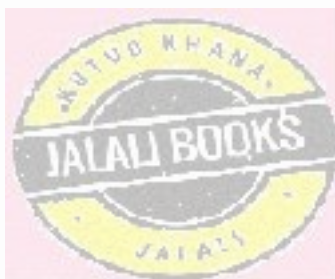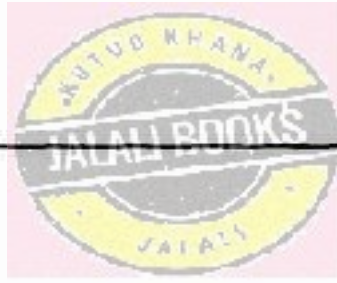
(۱۳۵) الکهف: ۱۰۷

(۱۳۶) النساء: ۱۲۲

(۱۳۷) فصلت: ۳۰

(۱۳۸) معصومی– ترخان نامہ– تاریخ طاہری

(۱۳۹) البقرہ: ۲۵۵

(۱۴۰) آل عمران: ۱۸

(۱۴۱) الکهف: ۱۰۷

(۱۴۲) الزمر: ۷۱

(۱۴۳) الفتح: ۲۷

(۱۴۴) الملك: ۱ تا ۳۰

(۱۴۵) آل عمران: ۱۸۵

(۱۴۶) القصص: ۸۸

(۱۴۷) البقرہ: ۲۵۵

(۱۴۸) التوبہ: ۲۱

(۱۴۹) الملك: ۱–۲۵

(۱۵۰) مرحوم خداداد خان کی بیاض میں تاریخ ۶ ماہ ربیع الاول ۹۶۴ھ مرقوم ہے۔

(۱۵۱) آل عمران: ۱۸

(۱۵۲) البقرہ: ۲۵۵

(۱۵۳) القصص: ۸۸

(۱۵۴) آل عمران: ۱۸۵

(۱۵۵) التوبہ: ۲۱

(۱۵۶) الکهف: ۱۰۷–۱۱۰

(۱۵۷) البقرہ: ۲۵۵–۲۵۶

(۱۵۸) الملك: ۱–۳۰

(۱۵۹) الرحمن: ۲۶–۲۷
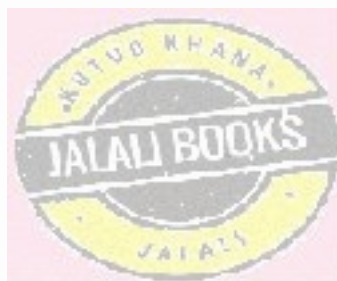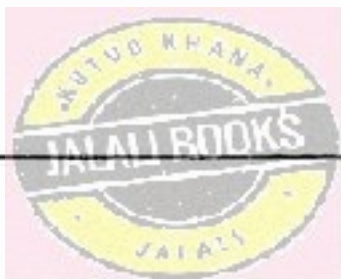
(۱۶۰) القصص: ۸۸

(۱۶۱) الزمر: ۵۳

(۱۶۲) البقرہ: ۲۵۵

(۱۶۳) البقرہ: ۲۵۶–۲۵۷

(۱۶۴) الزمر: ۵۳

(۱۶۵) الملک: ۱–۳۰

(۱۶۶) الفتح: ۲۷–۲۹

(۱۶۷) آل عمران: ۱۸

(۱۶۸) الفجر: ۲۹–۳۰

(۱۶۹) آل عمران: ۱۸۵

(۱۷۰) القصص: ۸۸

(۱۷۱) البقرہ: ۲۵۵

(۱۷۲) القصص: ۸۸

(۱۷۳) الملک: ۱–۳۰

(۱۷۴) البقرہ: ۲۸۶

(۱۷۵) البقرہ: ۲۵۵

(۱۷۶) الملک: ۱–۳۰

(۱۷۷) آل عمران: ۳۹

(۱۷۸) الکھف: ۱۰۷–۱۱۰

(۱۷۹) الزمر: ۷۳

نمبر (۱) سطر کے سیدھے طرف سے۔ سطر نمبر (۲) پیشانی کے اوپر اور نمبر (۳) سطر الٹے ہاتھ پر کندہ ہے۔

(۱۸۰) البقرہ: ۲۵۵

(۱۸۱) الملک: ۱–۳۰

(۱۸۲) تاریخ طاہری

(۱۸۳) ترخان نامہ

(۱۸۴) رضوان مقامی میرزا جانی بیگ کے لیے ان کی وفات کے بعد
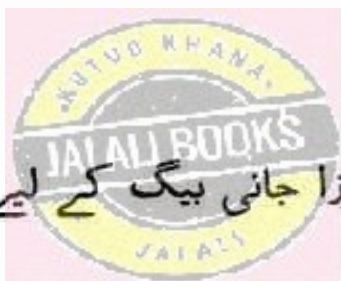
استعمال کیا جاتا تھا۔ عیسیٰ اور دوسرے لوگوں کے لیے 'جنت مکانی' کا لقب تھا۔ جو ان کی قبروں پر نظر آتا ہے۔ میرزا جانی کے لیے 'رضوان مقامی' کی سند فی الحال دستیاب نہ ہوسکی۔

(۱۸۵) البقرہ: ۲۵۵

(۱۸۶) آل عمران: ۱۸

(۱۸۷) الزمر: ۵۳

(۱۸۸) الملك: ۱-۳۰

(۱۸۹) آل عمران:۱۸

(۱۹۰) البقرہ: ۲۵۵

(۱۹۱) آل عمران:۱۸

(۱۹۲) الملك:۱-۳۰

(۱۹۳) معصومی ص۲۱۹

(۱۹۴) ترخان نامہ ص۶۲

(۱۹۵) ترخان نامہ ص۶۷

(۱۹۶) تحفۃ الکرام سندھی ص۴۶۸

(۱۹۷) طاہری ص۱۴۳-۱۴۸-۱۵۰-۱۷۸

(۱۹۸) ترخان نامہ ص۵۷ و طاہری ص۱۰۵

(۱۹۹) ترخان نامہ ص۵۶

(۲۰۰) ترخان نامہ ص۶۱

(۲۰۱) ترخان نامہ ص۶۶

(۲۰۲) آل عمران: ۱۸

(۲۰۳) البقرہ: ۲۵۵

(۲۰۴) المزمل: ۱-۲۰

(۲۰۵) النصر: ۱-۳

(۲۰۶) الاخلاص: ۱-۴

(۲۰۷) ترخان نامہ: ۶۶

(۲۰۸) تحفۃ الکرام سندھی ص۱۷۲، فارسی ص۷۱-۷۳، تاریخ طاہری۔
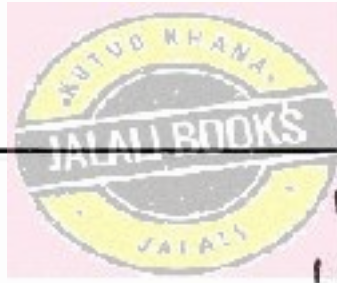
(۲۰۹) المومنون: ۱۳-۲۲

(۲۱۰) الکھف: ۱۰۷-۱۱۰

(۲۱۱) حم السجدہ: ۳۰-۳۴

(۲۱۲) القصص: ۸۸

(۲۱۳) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷

(۲۱۴) یس: ۱-۲۷

(۲۱۵) الزمر: ۵۳

(۲۱۶) تحفۃ الکرام (سندھی ترجمہ) ص ۱۸۸، فارسی ص ۴۳-۴۷

(۲۱۷) ترخان نامہ ص ۴۷-۴۸

(۲۱۸) تاریخ طاہری کے حاشیے میں ان کے قتل کے سلسلے میں ایک سندھی شعر دیا گیا ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے: اس نے ایک بلوچ کو گالی دی، اب اس پر حملہ کرنا لازمی ہو گیا۔ اب میرزا صالح کو قتل کرنے کے سوا میں کوئی اور کام کرنا نہیں چاہتا۔ حاشیہ نویس ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے جو قصہ تحریر کیا ہے، اس پر نظر ثانی کی گنجائش ہے۔ (طاہری ص ۳۲۴، معصومی ص ۲۰۸ اور تحفۃ الکرام ص ۲۶)

(۲۱۹) الزمر: ۵۳

(۲۲۰) العنکبوت: ۵۷

(۲۲۱) التغابن: ۷-۱۳

(۲۲۲) یس: ۸۲-۸۳

(۲۲۳) القصص: ۸۸

(۲۲۴) سجدہ: ۲۳-۳۰
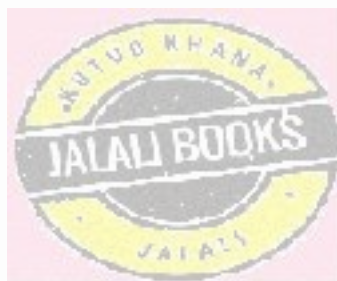
(۲۲۵) الجمعہ: ۸

(۲۲۶) النساء: ۱۲۲

(۲۲۷) آل عمران: ۱۸

(۲۲۸) الرحمن: ۲۶-۲۷

(۲۲۹) البقرہ: ۲۵۵

(۲۳۰) الملک: ۱–۳۰
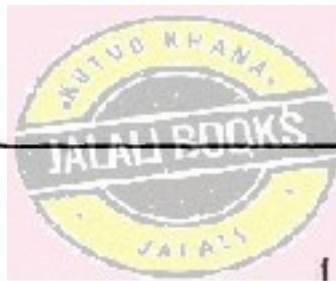
(۲۳۱) الکہف: ۱۰۷–۱۱۰

(۲۳۲) آل عمران: ۸۵

(۲۳۳) الزمر: ۵۳

(۲۳۴) الزمر: ۷۳–۷۵

(۲۳۵) القصص: ۸۸

(۲۳۶) آل عمران: ۱۸–۱۹

(۲۳۷) الاحقاف: ۱۳–۱۴

(۲۳۸) القصص: ۸۸

(۲۳۹) البقرہ: ۱۵۳–۱۵۸

(۲۴۰) البقرہ: ۲۸۵–۲۸۶

(۲۴۱) البقرہ: ۲۵۵

(۲۴۲) حم السجدہ: ۳۰–۳۵

(۲۴۳) آل عمران: ۱۸–۱۹

(۲۴۴) البقرہ: ۲۵۵

(۲۴۵) التوبہ: ۲۱–۲۲

(۲۴۶) البقرہ: ۲۵۵

(۲۴۷) آل عمران: ۱۸–۱۹

(۲۴۸) المزمل: ۱–۲۰

(۲۴۹) البقرہ: ۲۵۵

(۲۵۰) آل عمران: ۱۸–۱۹

(۲۵۱) البقرہ: ۲۵۵

(۲۵۲) المزمل: ۱–۲۰

(۲۵۳) آل عمران: ۱۸–۱۹

(۲۵۴) البقرہ: ۲۵۵

(۲۵۵) المزمل: ۱–۲۰

(۲۵۶) حم السجدہ: ۳۰–۳۵
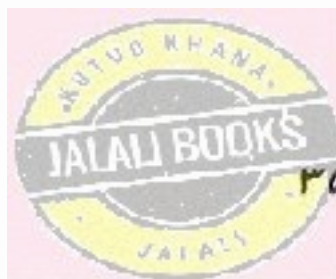
(۲۵۷) ترخان نامہ: ۴۴-۴۶-۴۷
(۲۵۸) بلاخمن ص ۳۹۲، ماثر الامراج ۳ ص ۴۸۸
(۲۵۹) مکاتیب عبداللہ مروارید
(۲۶۰) ملاحظہ ہوں ترخان نامہ کے شجرے
(۲۶۱) الزمر: ۵۳
(۲۶۲) البقرہ: ۲۵۵
(۲۶۳) القصص: ۸۸
(۲۶۴) ترخان نامہ ص ۹۵-۹۳
(۲۶۵) ترخان نامہ ص ۲٦
(۲۶۶) الملک: ۱-۳۰
(۲۶۷) الضحیٰ: ۱-۱۱
(۲۶۸) القدر: ۱-۵
(۲۶۹) الواقعہ: ۱-۹۷
(۲۷۰) آل عمران: ۳۹
(۲۷۱) آل عمران: ۱۸-۲۰
(۲۷۲) الزمر: ۷۳
(۲۷۳) آل عمران: ۱۸-۱۹
(۲۷۴) التوبہ: ۲۱-۲۲
(۲۷۵) البقرہ: ۲۵۵
(۲۷۶) الملک: ۱-۳۰
(۲۷۷) چار دیواری کے اندر اس وقت ۶ قبریں ہیں، پائندہ، عیسیٰ اوّل، میرزا ابراہیم، ابوالفتح، غالب اور چھٹی قبر پر کتبہ نہیں ہے۔ وہ بچے کی معلوم ہوتی ہے۔ خداداد خان کی بیاض میں مذکورہ بالا قبروں کے علاوہ ساتویں قبر کی آیات کا کتبہ نقل شدہ موجود ہے، جو اس وقت احاطے میں موجود نہیں۔ بچے کی قبر اور مذکورہ ساتویں قبر کا کتبہ یہ ہے:

(۶) کل نفس ذائقۃ الموت... وادخلی جنتی. (آل عمران: ۱۸۵)
کل شیء ھالک... والیہ ترجعون. (القصص: ۸۸)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم۔ (البقرہ: ۲۵۵)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ الکریم۔

(۷) بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... العظیم۔ (البقرہ: ۲۵۵)

کل نفس ذائقۃ الموت... وادخل الجنۃ۔ (آل عمران: ۱۸۵)

کل من علیھا فان... الارض کل یوم ھو فی شان۔ (الرحمن: ۲۶-۲۹)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین۔ (الملک: ۱-۳۰)

صدق اللہ... الحمدللہ رب العالمین۔

(۲۷۸) الرحمن: ۲۶-۲۷

(۲۷۹) العنکبوت: ۵۷

(۲۸۰) القصص: ۸۸

(۲۸۱) البقرہ: ۲۵۵

(۲۸۲) الدھر: ۱-۳۰

(۲۸۳) بیاض خداداد: ۳۲۸

(۲۸۴) البقرہ: ۲۵۵

(۲۸۵) آل عمران: ۱۸

(۲۸۶) ترخان نامہ: ۶۱

(۲۸۷) الزمر: ۵۳

(۲۸۸) القصص: ۸۸

(۲۸۹) الملک: ۱۰۷ تا ۱۱۰

(۲۹۰) محمد: ۱۵

(۲۹۱) الرحمن: ۲۶-۲۹

(۲۹۲) ترخان نامہ: ۹۳، تزک جہانگیری نولکشور ص۴۵۸ صاحب تاریخ طاہری نے غلطی سے ان کو میرزا عیسیٰ کا بیٹا سمجھا ہے۔ ص۹۹ مطبوعہ۔

(۲۹۳) بیاض خداداد خان ۱۳۵-۱۵۲
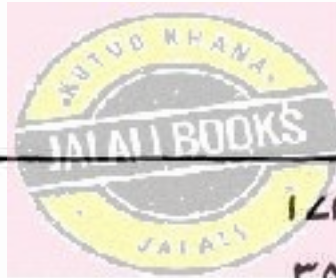
(۲۹۴) آل عمران: ۱۶۹-۱۷۴

(۲۹۵) حم السجدہ: ۳۰-۳۵

(۲۹۶) الزمر: ۵۳

(۲۹۷) البقرہ: ۲۵۵

(۲۹۸) الرحمن: ۲۶-۲۷

(۲۹۹) الزمر: ۷۳-۷۵

(۳۰۰) یٰس: ۱-۵۸

(۳۰۱) آل عمران: ۱۸

(۳۰۲) البقرہ: ۲۵۵

(۳۰۳) الملک: ۱-۳۰

(۳۰۴) آل عمران: ۱۸

(۳۰۵) البقرہ: ۲۵۵

(۳۰۶) الملک: ۱-۳۰

(۳۰۷) ترخان نامہ ص۶۷۲

(۳۰۸) تحفۃ الکرام سندھی ص۴۶۸

(۳۰۹) طاہری اور تحفۃ الکرام ص۱۸۲

(۳۱۰) تحفۃ الکرام فارسی ص۶٦-۷۲-۷۳

(۳۱۱) تحفۃ الکرام ص۱۶۹-۱۷۹-۱۸۶

(۳۱۲) تحفۃ الکرام ص۷۸

(۳۱۳) ترخان نامہ ص۶۳

(۳۱۴) معصومی ص۲۰۹

(۳۱۵) ترخان نامہ ص۵۹-۶۰-۶۴

(۳۱۶) یہ نقشے فاضل دوست عزیز محمد ادریس صدیقی (محکمہ آثار قدیمہ) نے مجھے دیے تھے، جن کے لیے مین ان کا بے حد ممنون ہوں۔ دو نقشے (ابراہیم اور سلیمان) کے جناب ایم اے مجید صاحب نے میری طلب پر تیار کر کے دیے، کس کے لیے میں ان کا شکر گذار ہوں۔

PLAN OF THE TOMB OF MIRZA 'ĪSA K͟HĀN TARK͟HĀN I TATTA

1 2 3 4 5 6

74'-6½"

29'-5"

29'-5"

15'-0"

15'-6"

78'-11"

0 8 16 24 32
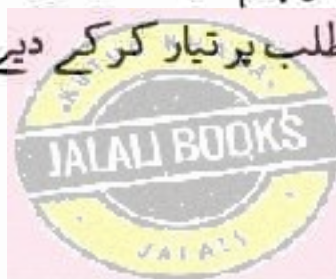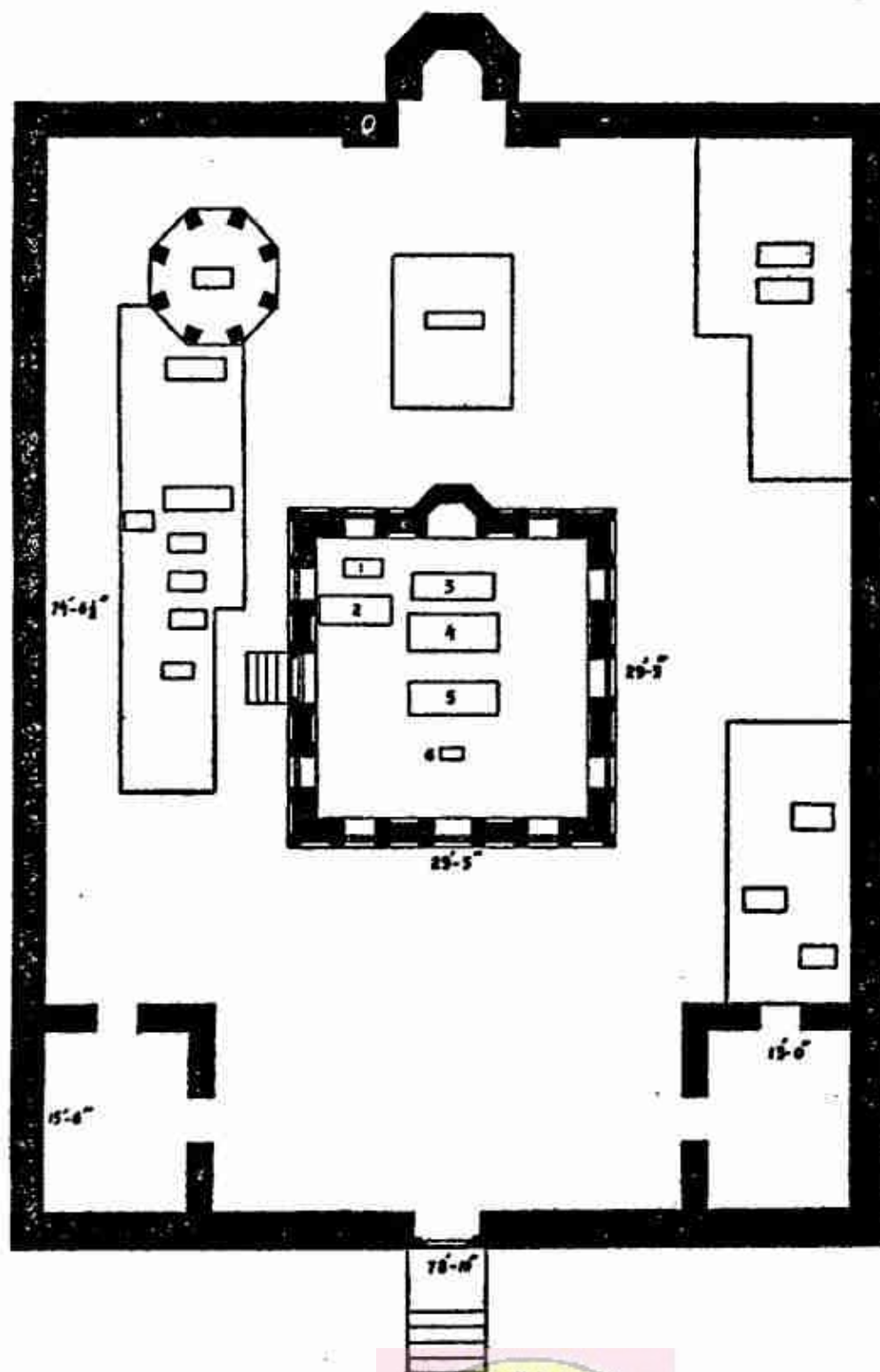
PLAN OF MOHAMMAD SALEH & OTHERS TOMB.
MAKLI HILLS THATTA (SIND)

NO	DESCRIPTION	L	B	H
1	GRAVE PLATE FORM	44'-5"	29'-0"	2'-10"
2	" " "	11'-3"	9'-5"	2'-8"
3	" " "	9'-7"	6'-3"	2'-6"
4	" " "	12'-9"	9'-2"	2'-9"
5	" " "	8'-8"	6'-3"	2'-9"

NO	DESCRIPTION	L	B	H
I	STONE GRAVE	6'-10"	2'-2"	1'-11"
II	" "	9'-6"	3'-0"	2'-6"
III	" "	2'-2"	1'-6"	0'-6"
IV	" "	5'-5"	2'-4"	2'-1"
V	" "	1'-11"	0'-7"	0'-7"
VI	" "	1'-8"	0'-3"	0'-7"
VII	" "	2'-3"	0'-10"	1'-3"
VIII	LIME PLASTERED GRAVE	8'-2"	6'-9"	2'-5"
IX	STONE GRAVE	7'-1"	2'-5"	2'-2"
X	" "	6'-9"	1'-8"	1'-8"

DRAWN BY
(M. A. MAJEED) CONSERVATION ASST. (THATTA)

PLAN OF THE TOMB OF
MUHAMMAD BĀQĪ TARKHĀN,
TATTA

PLAN OF THE TOMB OF JĀN BĀBĀ TATTA
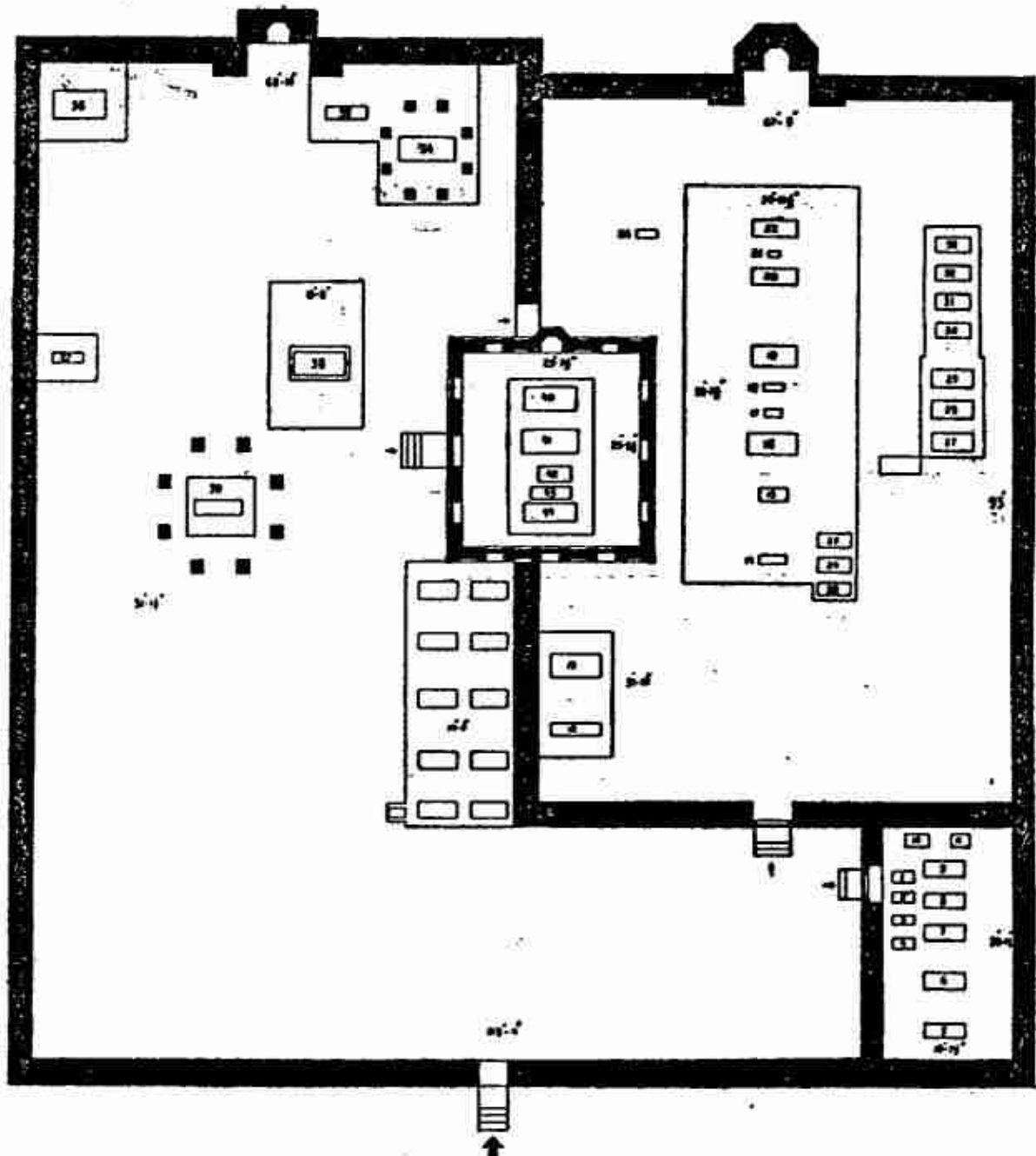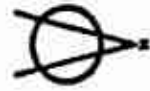
PLAN OF THE TOMB OF
MIRZA JANI BEG

		L	B	H
1	GRAVE PLATFORM (SOUTH EAST CORNER)	10'-5"	6-10	1'-8"
2	GRAVE PLATFORM (SOUTH WEST CORNER)	11'-6"	8'-9"	3'-10"
3	GRAVE PLATFORM (NORTH WEST CORNER)	11'-7"	8'-10"	3'-8"
4	PLATFORM OF THE TOMB	–	–	3'-3"
5	GRAVE PLATFORM	21'-2"	21'-2"	2'-11"

	LEFT TO RIGHT	L	B	H
1	GRAVE INSIDE TOMB	6'-11"	2'-4"	2'-2½"
2	" "	9'-1"	2'-11"	2'-7"
3	GRAVE INSIDE TOMB	7'-4"	2'-11"	2'-4"
4	" "	4'-10"	2'-4"	1'-8"
5	GRAVE ON SOUTH EAST CORNER	10'-3"	6'-10"	1'-7"
6	GRAVE ON SOUTH WEST CORNER	11'-6"	8'-9"	2'-7"
7	GRAVE ON NORTH WEST CORNER	11'-7"	8'-10"	0'-4"
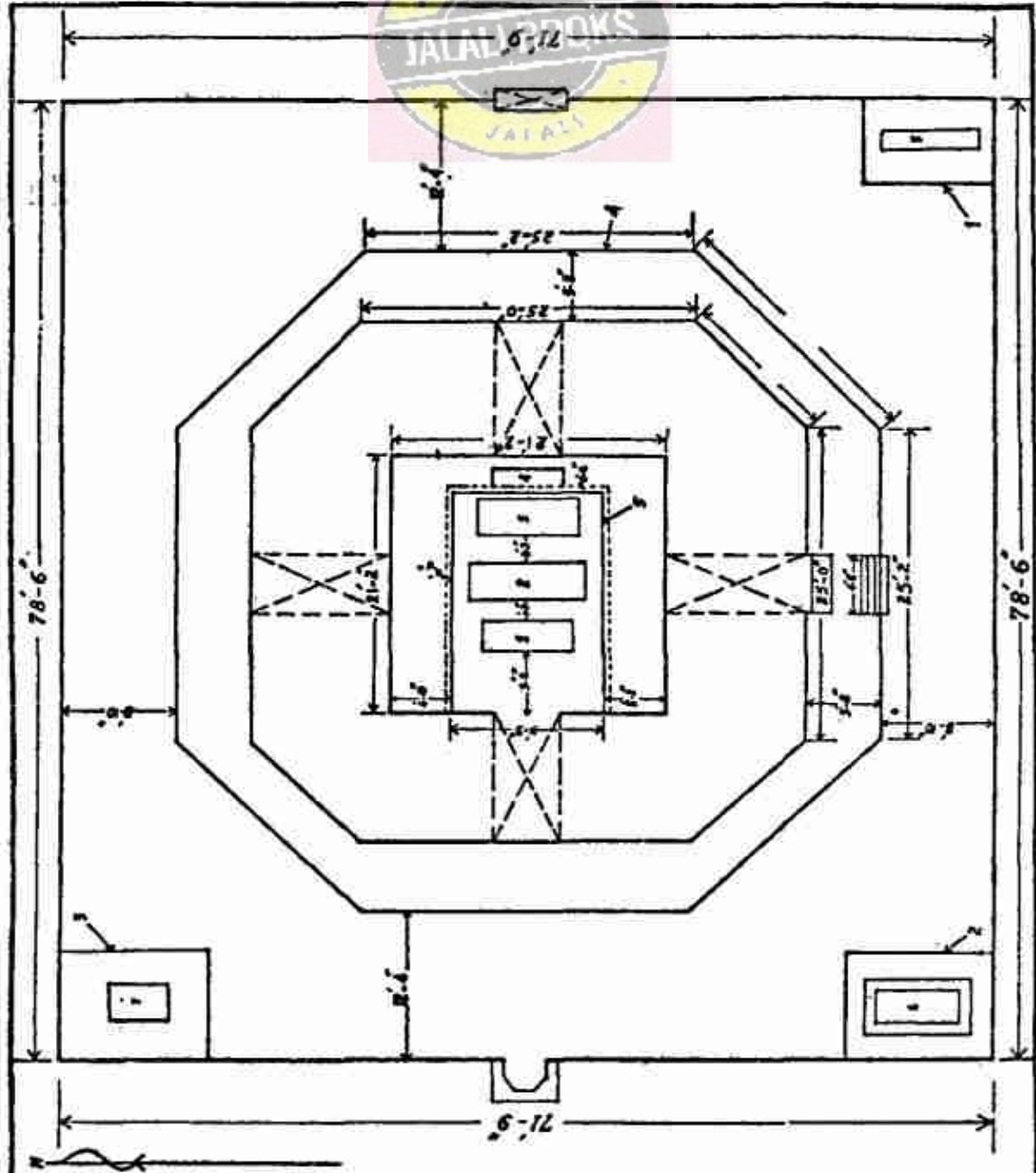
PLAN OF THE TOMB OF SULTĀN IBRĀHĪM TARKHĀN TATTA

باب ۹

ترخان دور کی غیر معروف قبریں

ارغون اور ترخان دور (۹۲۸-۱۰۲۱) کے اکثر تاریخی افراد مکلی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ سوائے پہلے دو ارغون حکمرانوں کے، جن کو وفات کے بعد سندھ کی سرزمین نے اپنے سینے میں جگہ نہ دی اور اُنھوں نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ ان کی لاشیں متبرک ملک میں دفن ہوں۔

صدیوں کا عرصہ گذر جانے کے سبب سیکڑوں قبریں مسمار ہوگئیں، اس وقت چند شخصیتوں کی قبریں صحیح سلامت رہ گئی ہیں۔ چونکہ ان صفحات میں ترخان مقابر کا ذکر موجود ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مذکورہ دو خاندانوں کے متعلق کچھ غیر معروف لیکن اہم شخصیات کی قبروں کے کتبے، تاریخی مطالعہ کے لیے یہاں محفوظ کرلیں۔ ممکن ہے ان مدفونین کا کوئی رشتہ ناطہ ترخان یا ارغون تاریخ سے ظاہر ہوجائے اور اس طرح سندھ کی تاریخ کا ٹوٹا ہوا سلسلہ جُڑ جائے۔

ذیل میں جو کتبات دیے جارہے ہیں، وہ مرحوم و مغفور خداداد خان کی بیاض سے نقل کیے گئے ہیں، ان میں سے بہت سی قبریں خوش قسمتی سے آج بھی موجود ہیں۔ کتبات سنین کی ترتیب سے دیے گئے ہیں، تاکہ وقت ضرورت قاری کو آسانی ہو۔

بیگہ جان ۹۴۱ھ:

یہ قبر حسین بیگ ترخان کے قبرستان میں اس کی قبر سے متصل ہے، جس کے بعد دوسری قبریں ہیں، جن کی آیات کے کتبات حسین بیگ کے کتبے کے تحت دیے گئے ہیں۔ اس قبر کا تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات مستورہ مرحومہ بیگہ جان
در ماہ رمضان سنہ۹٤۱ھ۔ (۱)

آیات:

بسم اللہ... رب اغفرلی... الراحمین
یا غفور۔
ان الذین قالوا ربنا... السمیع العلیم۔ (۲)
قال اللہ تعالیٰ: یا عباد لا خوف... تاکلون۔ (۳)

امیر محمد قلی بن عبدالصمد خان ۹۴۶ھ:

اس گھرانے کا قبرستان علیحدہ ہے، جس میں امیر محمد قلی کے علاوہ دوسری چار قبریں (حلیمہ بیگہ، بادشاہ زاد، صالح بیگہ، ظریف بیگہ) کی ہیں۔ امیر محمد قلی کی قبر پر یہ تاریخی کتبہ ہے:

قد توفی الامیر الشباب الاعظم الاکرام
الواصل الی رحمۃ اللہ المنان امیر محمد قلی
بن امیر عبدالصمد ترخان
فی تاریخ سنہ
تسع و اربعین و تسعمائتہ (۴)

آیات:

ناد علیا مظہر العجائب والغرائب تجدہ عونالک
فی النوائب سینجلی بنبوتک یا محمد وبولایتک
یا علی! یا علی! یا علی!
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العلی العظیم۔ (۵)
لا اکراہ فی الدین... الی النور۔ (٦)
قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: یبشرھم ربھم... اجر عظیم۔ (۷)
امیر محمد قلی غالباً شیعہ تھے۔

حسین بیگ ترخان ۹۴۹ھ:

یہ قبرستان الگ ہے، جس میں چار قبریں ہیں (بیگہ جان وغیرہ) قبر کا اہم کتبہ یہ ہے:

قد توفی الامیر المرحوم حسین بیگ ترخان سنہ ۹٤۹ھ (۸)

آیات:

بسم اللہ... لا الہ الااللہ– محمد رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم۔

قال اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... ھو العلی العظیم. (۹)

اسی قبرستان میں دو قبریں بغیر نام کے ہیں۔

۱– شھد اللہ انہ لا الہ... الکافرین. (۱۰)

اسی قبر کے ساتھ دوسری قبر (۱۱) ہے۔

۲– قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: کل شیء ھالک... ترجعون.(۱۲)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... ھو العلی العظیم. (۱۳)

اس قبرستان کے آس پاس اس دور کے متعدد خاص لوگوں کی قبریں ہیں، جن کا ذکر ان کے نام کے تحت کیا گیا ہے۔ مثلاً:

۱– امیر سلطان قلی بن امیر حسین طغائی ۹۵۱ھ. (ص۶۸۶)

۲– سلطان میر علی بن امیر سلطان مقیم بیگلار ۹۵۲ھ (ص۶۸۵)

۳– امیر احمد قلی سلطان محمد قلی بیگلار

۴– ماہ بیگہ بنت امیر حیدر محمد برلاس ۸۷۶ھ (۶۸۰)

۵– بی بی مریم ۹۶۷ھ (ص۶۷۸)

یہ قبر بھی مذکورہ قبروں کے قریب ہے۔

۶– الملک الخواص ملک کؤس (؟) سلطانی ۹۱۳ھ (ص۶۷۴)

۷– بغیر نام کے یہ قبر بھی اس کے آس پاس ہے۔ (۱۴)

شھد اللہ انہ... الحکیم. (۱۵)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۶)

بادشاہ زادہ ۹۵۰ھ:

عبدالصمد ترخان کے گھرانے کے قبرستان میں یہ ایک چھوٹے بچے کی قبر حلیمہ بیگہ سے متصل ہے۔ تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات یافت پادشاہزادہ

معصوم مرحوم در تاریخ نھصد و پنجاہ. (۱۷)

آیات:

بسم اللہ... قل یا عبادی الذین... الغفور الرحیم. (۱۸)

امیر سلطانی قلی ۹۵۱ھ:

یہ قبرستان علیحدہ ہے۔ پہلی قبر کا کتبہ یہ ہے:

قد توفی الامیر الاعظم سلطان قلی

بن امیر مرحوم حسین بیگلار طغائی

فی خمس عشر شهر صفر ختم بالخیر

والظفر ۹۵۱ھ (۱۹)

آیات:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۲۰)

صدق اللہ... الکریم.

ممکن ہے اس خاندان کا تعلق امیر شیخ علی طغائی سے ہو جو شاہ حسین با یقرا کے امراء میں سے تھے۔ (۲۱)

امیر عباسی ۹۵۲ھ:

یہ قبر امیر قاسم طغائی (۹۶۵ھ) کے قبرستان (جس میں فرخ ارغون مدفون ہے) سے متصل ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری

امیر عباسی بتاریخ رجب المرجب

۹۵۲ھ (۲۲)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: کل شیء هالک... ترجعون. (۲۳)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۲۴)

لا اکراہ... یوم باللہ.

ظریف بیگہ بنت محمد مومن ۹۵۳ھ:

یہ قبر عبدالصمد کے قبرستان میں صالحہ بیگہ (۹۸۷ھ) سے متصل ہے۔

وفات حضرت عصمت مآب عفت مناب

قدوة المخدرات ظریف بیگہ بنت عالیجناب

دولت مآب معالی نصاب شجاعت شعار

امیر مرحوم الواصل الی جوار اللہ الغفار
امیر محمد مومن بیگ در تاریخ دھم روز جمعه
ماہ رجب المرجب ۹۵۳ھ. (۲۶)

آیات:

بسم اللہ... یٰس... ایدیھم افلا یشکرون. (۲۷)

امیر اصغر ۹۵۴ھ:

میرزا عیسیٰ اوّل کی رانک کے مشرق میں علیحدہ تھلے (چبوترہ) پر قبر ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری
عالی جناب امیر اصغر بتاریخ
شھر جمادی الآخر ۹۵٤ھ

آیات:

شھد اللہ انه... الحکیم. (۲۸)
قال اللہ تعالیٰ: اللہ لا اله الا ھو الحی... العظیم. (۲۹)
بسم اللہ... تبارك... بماء معین. (۳۰)

اسی تھلے (چبوترے) پر چار دوسری قبریں ہیں، جن پر کوئی تاریخی پتھر نہیں۔ آیات اس طرح ہیں:

۱- شھد اللہ انه لا اله... الحکیم. (۳۱)
۲- اللہ لا اله الا ھو الحی... العظیم. (۳۲)
۳- اللہ لا اله الا ھو الحی... العظیم. (۳۳)
۴- اللہ لا اله الا ھو الحی... العظیم. (۳۴)

ابو الفتح ۹۵۵ھ:

امیر فرخ ارغون (۱۰۰۰ھ) کے پہلو میں مدفون ہے۔

بالیں:

قال اللہ تعالیٰ کل شیء ھالك...... ترجعون. (۳۵)

پائیں:

وفات عالیجناب سیادت پناہ
امیر مرحوم و مغفور ابو الفتح

ابن عالیجناب سیادت مآب میر قاسم طغائی
بتاریخ شهر خمس خمسین وتسعمائة
سنه ۹۵۵ھ. (۳۶)

آیات:

اللہ لا اله الا هو الحی... العظیم. (۳۷)
لا اکراه فی الدین... فیها خالدون. (۳۸)
زعم الذین کفروا... تعملون خبیر. (۳۹)
اسی چبوترہ پر دو قبریں (۱-۲) خالی ہیں۔

سلطان مقیم بیگلار ارغون ۹۶۲ھ:

یہ مقبرہ علیحدہ ہے۔ (۴۰) جس میں تین قبریں ہیں پہلی قبر کا کتبہ:

هذا لمرقد المعطر و المشهد المنور
للامیر الاعظم الاکرام سیادت
مآب شجاعت مناب الواصل الی رحمة اللہ الکریم.
امیر سلطان مقیم بن امیر مرحوم مغفور میرزا حسین
قلی ارغون بیگ (لار)... من الدنیا الفانیه فی بیست هشتم ماه
جمادی الاخر ۹۶۲ھ.

آیات:

وسیق الذین ... رب العالمین. (۴۱)
صدق اللہ... الکریم.
بسم اللہ... قل یا عبادی... الرحیم. (۴۲)
قال اللہ تعالیٰ: ان الذین یتلون کتاب... فیها لغوب. (۴۳)
صدق اللہ تعالیٰ.

۲- فاطمه؟: کسی چھوٹے بچے کی قبر ہے، پائیں کا کتبہ:
بی بی سلطان فاطمه.

۳- شاہ مقیم: دوسرے نمبر کی قبر سے متصل:
قد توفی الامیر المعصوم شاہ مقیم بن سلطان مقیم.

آیات:

لا اله الاالله محمد رسول الله. صلی الله علیه وآله وصحبه وسلم.

بسم الله... الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۴۴)

امیر دوست محمد ۹۶۵ھ: یہ قبر علیحدہ ہے:

وفات یافت امیر دوست محمد بن امیر

درویش محمد (بیگ) لار سنه ۹۶۵ھ. (۴۵)

آیات:

قال الله تعالیٰ جل جلاله: شهد الله... الاسلام. (۴۶)

قال الله سبحانه وتعالیٰ: الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۴۷)

قل الله سبحانه وتعالیٰ: هو الذین انزل من السماء...

الرحیم.(۴۸)

مہتر بلبل (بابل) ۹۶۵ھ:

یہ قبر میرزا ابراہیم کے مقبرے کے باہر شمال میں ہے۔ مہتر بلبل (بابل) ارغون اور ترخان دور کے امیر تھے۔ ان کا بیٹا ملا گدا علی، میرزا جانی بیگ کے دور میں، امارت کے درجے پر پہنچا اور بھائی خان کا لقب حاصل کیا۔(۴۹)

جب اکبر بادشاہ کے جرنیل محمد صادق نے ہندوستان سے آکر سہون پر حملہ کیا (سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۹۹۴ھ) اس وقت مہتر بابل سہون کے قلعے میں موجود تھا۔

اُس کی قبر کا تاریخی کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحوم معفور الواصل

الیٰ رحمة الله مهتر بابل بتاریخ سنه ۹۹۵ھ. (۵۰)

آیات:

قال الله تعالیٰ: شهد الله انه... بالعباد. (۵۱)

بسم الله... یا ایها المزمل... غفور الرحیم. (۵۲)

قال الله تعالیٰ: یبشرهم ربهم... اجر عظیم. (۵۳)

ان الذین قالوا ربنا... استقاموا تتنزل... من غفور الرحیم.(۵۴)

اس مقبرے میں مہتر بابل کے علاوہ سات دوسری قبریں بھی ہیں، جن کے کتبات اس طرح ہیں:

۲- بی بی گلبیگہ: یہ قبر مہتر بلبل سے متصل ہے۔ کتبہ الگ دیا گیا ہے۔ (۵۵)

۳- یہ چھوٹے بچے کی قبر ہے:

وفات او در ۹۹٤ھ۔

آیات:

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۵۶)

قال اللہ... کل نفس... الموت۔ (۵۷)

شھد اللہ انہ لا الہ... الحکیم۔ (۵۸)

۴- چھوٹے بچے کی ہے:

وفات در سنہ ۹۹٤ھ (۵۹)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انہ لا الہ... الحکیم۔ (۶۰)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۶۱)

۵- چھوٹے بچے کی:

وفات او در سنہ ۹۹٦ھ۔

آیات:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۶۲)

صدق اللہ... جل جلالہٗ۔

۶- چھوٹے بچے کی:

وفات در سنہ ۹۹۸ھ۔ (۶۳)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: کل من علیھا فان... والاکرام۔ (۶۴)

صدق اللہ العلی العظیم... النبی الکریم۔

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۶۵)

۷- چھوٹے بچے کی:

وفات در سنہ ۹۹۹ھ (۶۶)
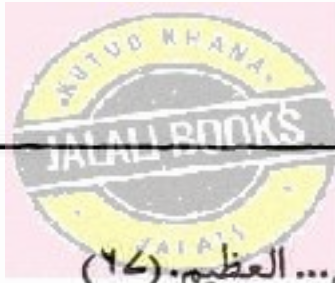
آیات:

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (٦٧)

قال الله تعالیٰ: کل شیء هالك... ترجعون. (٦٨)

صدق الله ... الکریم.

٨- چھوٹے بچے کی:

وفات در ٩٩٩ھ (٦٩)

آیات:

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (٧٠)

لا اکراه فی الدین... بالله. (٧١)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بچے نام رکھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے، ورنہ قبر پر نام ہوتا۔

حلیمہ بیگہ بنت عبدالصمد ترخان ٩٦٥ھ:

یہ قبر امیر محمد قلی سے متصل ہے۔ کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالصمد کے والد کا نام احمد علی ترخان تھا۔

وفات مرحومه مغفوره

حلیمه بیگه بنت جناب عبدالصمد

بن امیر احمد علی ترخان در تاریخ

شب جمعه دهم شهر صفر المظفر

ختم بالخیر والظفر ٩٦٥ھ. (٧٢)

آیات:

بسم الله... الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (٧٣)

لا اکراه فی الدین... الی النور. (٧٤)

بی بی گلبیگہ ٩٦٥ھ:

یہ قبر مہتر بابل کے قبرستان میں (٢) مہتر مذکور سے متصل ہے۔

کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مستوره مغفوره

صالحه ساجده بی بی گلبیگه

بتاریخ ٩٦٥ھ. (٧٥)

آیات:

قال اللہ... یایها الذین آمنوا اذا نودی... الرازقین. (۷۶)

بسم اللہ... اللہ لا اله الا هو الحی... العظیم. (۷۷)

بسم اللہ ... تبارك بماء معین. (۷۸)

قال اللہ... کل شیء هالك... ترجعون. (۷۹)

قال اللہ... شهد اللہ انه لا اله... بصیر بالعباد. (۸۰)

امیر قاسم طغائی ۹۶۵ھ:

اس کی قبر فرخ ارغون سے متصل ہے کتبہ:

بالیں:

وفات یافت امیر اعظم مرحوم و مغفور

الواصل الا رحمة اللہ امیر کبیر

امیر قاسم ابن مرحوم امیر محمود طغائی

پائیں:

در تاریخ دوازدهم روز یکشنبه

ماه رجب سنه ۹۶۵ھ. (۸۱)

آیات:

بسم اللہ... اللہ لا اله الا هو الحی... العظیم. (۸۲)

بی بی [مریم] ۹۶۷ھ:

نقل کرنے والا یہ نام صحیح طور پر نہیں پڑھ سکا۔ یہ قبرستان امیر حسین بیگ ترخان کی رانك سے متصل ہے:

وفات مرحومه مغفوره مبروره

بی بی [مریم...] بتاریخ شهر شعبان ۹۶۷ھ. (۸۳)

آیات:

شهد اللہ انه لا اله... الحکیم. (۸۴)

۲- مندرجہ بالا قبر سے متصل دوسری قبر بغیر نام کے ہے۔ (۸۵)

آیات:

اللہ لا اله الا هو الحی... العظیم. (۸۶)

۳- یہ قبر مندرجہ بالا قبروں سے متصل ہے: (۸۷)
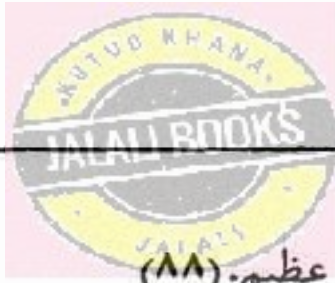
آیات:

یبشرھم ربھم... اجر عظیم۔ (۸۸)

صدق اللہ۔

خانم آغا ۹۶۷ھ:

یہ قبر میرزا عیسیٰ اوّل کے مقبرے کے قرب و جوار میں مشرق کی سمت ہے۔

وفات یافت حضرت مرحومہ مغفورہ

خانم آغا بنت سلطان میرزا مسعود

در تاریخ شب پنجشنبہ ماہ محرم ۹۶۷ھ۔ (۸۹)

آیات:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۹۰)

شھد اللہ... الحکیم۔ (۹۱)

ان الذین عندالاسلام۔ (۹۲)

صدق اللہ... الکریم۔

امیر شاہی ارغون ۹۶۸ھ:

یہ قبر طغائی خاندان کے قبرستان کے جنوب میں ہے۔

قد توفی الامیر الاعظم امیر شافی [؟] ۔(۹۳)

ابن امیر مرحوم ترسو (ن) ارغون

در تاریخ روز چھار شنبہ غرہ ماہ ذیقعدہ ۹۶۸ھ۔ (۹۴)

آیات:

شھد اللہ... الحکیم۔ (۹۵)

صدق اللہ العلی العظیم و صدق رسول النبی المختار الکریم ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین۔

اللہ- محمد - علی۔

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۹۶)

قال اللہ عزوجل: قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۹۷)

اولئک علیھم صلواۃ من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔(۹۸)

پائندہ محمد قریش ۹۷۱ھ:

یہ قبر امیر دوست محمد کی قبر کے ساتھ ہے۔
وفات یافت امیر مرحوم مغفور مبرور افتخار مقدمة
الجیش پایند محمد قریش در تاریخ شحر صفر
یوم الاربعا سنة احدی و سبعین و تسعمائته۔ (۹۹)

آیت:

قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ: و کلمة ربك... العلیم۔ (۱۰۰)
بسم اللّٰہ... اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۱۰۱)
قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ: شھد اللّٰہ انہ... الحکیم۔ (۱۰۲)
الحمدللّٰہ تعالیٰ العزیز وحدہ قال اللّٰہ تعالیٰ جل جلالہ: ان الذین
آمنوا وعملوا الصالحات انا... مرتفقا۔ (۱۰۳)
صدق اللّٰہ العلی العظیم۔

بیرم سلطان ۹۷۲ھ:

یہ قبر طغائی قبرستان کے جنوب میں ہے۔
وفات یافت مرحومہ مغفورہ
سیدہ بیرم سلطان بنت
سیادت پناھی مرحومی امیر قاسم طغائی
در تاریخ ششم ماہ صفر ختم بالخیر و الظفر
سنہ ۹۷۲ الھجریہ النبویة۔ (۱۰۴)

آیات:

قال اللّٰہ:... شھد اللّٰہ انہ... الحکیم۔ (۱۰۵)
وقال اللّٰہ تعالیٰ: کل شیء ھالك ترجعون۔ (۱۰۶)
صدق اللّٰہ العلی العظیم۔
بسم اللّٰہ... اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۱۰۷)

سلطان محمد یوسف (لنگہ) ۹۷۵ھ:

یہ قبر میرزا عیسیٰ کی رانك کے نواح میں مشرق کی سمت ہے۔
لنگہ دراصل لانگاہ ہے۔
وفات یافتہ امیر مرحوم مغفور
الواصل الی جوار الملك اللّٰہ

سلطان محمد یوسف بن عالیجناب مغفرت

مآب امیر نصیر الدین [النگه؟]

بتاریخ شهر ربیع الاول سنه ۹۷۵ھ. (۱۰۸)

آیات:

قال الله تعالیٰ: شهد الله ... الحکیم. (۱۰۹)

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۱۰)

بسم الله... تبارك ... بماء معین. (۱۱)

ماہ بیگہ بنت امیر حیدر محمد برلاس ۹۷۶ھ: کتبہ ہے:

وفات ماه بیگه بنت امیر مرحوم امیر

حیدر محمد برلاس تاریخ هژدهم روز یکشنبه

شهر رجب المرجب سنه ۹۷٦ھ هجریه المقدسه. (۱۱۲)

آیات:

آمن الرسول بما انزل الیه ... الکافرین.

مہتر شوخل ۹۷۹ھ:

یہ میرزا عیسیٰ ترخان اوّل کا ذاتی خدمت گار تھا۔ جس کا انتقال میرزا کی وفات کے بعد ہوا۔ کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا کی وفات کے بعد ان کے مقبرے کی مجاوری کرتا رہا۔ قبر کا کتبہ یہ ہے:

این قبر بنده مرحوم امیدوار بدرگاه

پروردگار دولت شعار سعادت

آثار مهتر شوخل (؟) مجاور و خدمتگار

حضرت جنت مکانی میرزا محمد عیسیٰ ترخان در سنه ۹۷۹ھ۔

آیات:

قال الله تعالیٰ عزوجل: شهد الله انه... بصیر بالعباد. (۱۱۳)

صدق الله العلی العظیم.

بسم الله... تبارك الذین... بماء معین. (۱۱۴)

قال الله سبحانه تبارك وتعالیٰ وتقدس: کل من علیها فان......

والاکرام. (۱۱۵)

صدق اللہ العلی العظیم۔ ھو الباقی۔ وصدق رسول النبی
المختار الکریم۔ (۱۱۶)

ماہ بیگہ ۹۸۴ھ:

امیر شمس الدین کے قبرستان میں مدفون ہے۔
وفات یافت ماہ بیگہ بنت امیر
مرحوم امیر شمس الدین محمد بتاریخ ۹۸۴ھ۔ (۱۱۷)

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انہ... الحکیم۔ (۱۱۸)
بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۱۱۹)
صدق اللہ... الکریم۔

صالحہ بیگہ بنت امیر محمد قلی ترخان ۹۸۷ھ:

یہ قبر عبدالصمد ترخان کے قبرستان میں شاہ زادے سے متصل ہے۔
وفات یافت صالحہ بیگہ ترخان۔
بنت امیر محمد قلی ترخان بتاریخ۔
شھر رجب المرجب ۹۸۷ھ۔ (۱۲۰)

آیات:

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۱۲۱)
لا اکراہ... النور۔ (۱۲۲)
قال اللہ تعالیٰ جل جلالہ: شھد اللہ انہ... الاسلام۔ (۱۲۳)
صدق اللہ تعالیٰ۔
بسم اللہ... تبارک... بماء معین۔ (۱۲۴)

امیر شاھم بیگ ارغون ۹۸۷ھ:

یہ کتبہ رانک کے دروازے پر ہے۔
وفات یافت مرحومی مغفوری الواصل الیٰ رحمۃ اللہ
امیر شاھم بیگ ارغون بتاریخ ۹۸۷ھ۔
رانک کے اندر اور باہر یہ آیات ہیں:
بسم اللہ... تبارک... بماء معین۔ (۱۲۵)
بسم اللہ...... قل ھو اللہ...... احد۔ (۱۲۶)
صدق اللہ... الکریم۔

رانک میں مصلیٰ کی محراب پر یہ کتبہ ہے:

بسم اللہ... اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس... زھوقا. (۱۲۷)

قال اللہ تعالیٰ: قل او ادعوا الرحمن... تکبیراً. (۱۲۸)

کاتب منقول عنه عبدالرحیم بن حافظ رشید صدیقی. (۱۲۹)

میر محمد ترخان:

یہ قبرستان ملک کوس (؟) کی رانک کے شمال میں ہے۔ اس میں دو قبریں ہیں:

۱- وفات امیر اعظم اکرم مرحوم مغفور.

میر محمد ترخان بن امیر محمود ترخان. (۱۳۰)

آیات:

قال اللہ سبحانه وتعالیٰ: شھد اللہ انه... الحکیم. (۱۳۱)

اللہ لا اله الا ھو الحی... العظیم. (۱۳۲)

۲- دوسری قبر نام اور تاریخ کے بغیر ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت کندہ ہے:

اللہ لا اله الا ھو الحی... العظیم. (۱۳۳)

اس قبرستان کے قرب و جوار میں میر سلطان محمود بن امیر تیمور ۱۰۲۱ھ کی تربت ہے۔

میرزا محمد شہید ۱۰۰۰ھ:

یہ قبر میرزا فرخ ارغون سے (۴) متصل ہے۔

بالیں:

لا اله الااللہ محمد رسول اللہ.

پائیں:

وفات یافت سیادت مآب

میرزا محمد شھید ابن امیر سید قنبر بیگلار

حسینی ۱۰۰۰ھ. (۱۳۴)

آیات:

لا اله الااللہ محمد الرسول اللہ.

قل یا عبادی... الرحیم. (۱۳۵)

قال اللہ: ان الذین قالوا ربنا... غفور الرحیم. (۱۳۶)

میر محمد بیگ ترخان ۱۰۰۰ھ:

اس قبرستان میں پانچ قبریں ہیں، جن میں سے ایک بچے کی ہے۔ خداداد خان نے لکھا ہے کہ یہ قبرستان میرزا عیسیٰ ترخان (؟) کے زنانہ قبرستان (؟) کی شمالی دیوار سے متصل ہے۔ معلوم ہوتا ہے زنانہ قبرستان سے مقصد میرزا باقی کا قبرستان ہے۔ پہلی قبر کا تاریخی کتبہ ہے:

وفات یافت مرحومی مغفوری الواصل
الیٰ جوار الملک المنان میر محمد بیگ ترخان
بتاریخ سنه ۱۰۰۰ھ (۱۳۷)

آیات:

شهد الله انه لا اله... العزیز الحکیم. (۱۳۸)
الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۳۹)
قال الله سبحانه وتعالیٰ: یبشرهم ربهم... اجراً عظیما.(۱۴۰)
بسم الله... تبارک... بماء معین. (۱۴۱)
قال الله تعالیٰ: قل یا عبادی الذین... غفور الرحیم.(۱۴۲)
صدق الله... الکریم.

مندرجہ ذیل چار قبریں بغیر نام کے ہیں:

۲- قال الله التعالیٰ: ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات... ربه احدا. (۱۴۳)
بسم الله... تبارک... صراط مستقیم. (۱۴۴)

۳- یہ قبر چھوٹے بچے کی ہے:
شهد الله انه... الحکیم. (۱۴۵)
قال الله تعالیٰ: کل شیء هالک... ترجعون. (۱۴۶)
قال الله تعالیٰ: کل من علیها فان... والاکرام. (۱۴۷)
قال الله سبحانه وتبارک وتعالیٰ: کل نفس... الموت.(۱۴۸)

۴- الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۴۹)
بسم الله... تبارک... بماء معین. (۱۵۰)
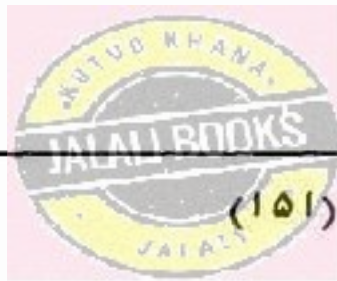
شهد الله... الحکیم. (۱۵۱)

۵- بچے کی قبر:

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۵۲)

میرزا عیسیٰ کی رانک کے نواح میں خداداد خان نے چند دوسری قبروں کے کتبے بھی دیے ہیں، جو اسی دور کے خاص لوگوں کے ہیں۔ مثلاً خانم آغا (۹۶۷ھ) اور سلطان محمد یوسف (۹۷۵ھ) جن کے کتبات ان کی اپنی جگہوں پر دیے گئے ہیں۔

میر فرخ ارغون سنہ ۱۰۰۰ھ:

میرزا ابراہیم کے مقبرے سے ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر مغرب میں ایک تھلے (چبوترے) پر ترخان قسم کا کھلا قبرستان طغائی خاندان کا ہے، جس میں چھ قبریں ہیں۔ قبرستان کا تھلہ (چبوترہ) اور قبریں سلامت ہیں۔ البتہ بیرونی دیوار مسمار ہوگئی ہے۔ میر فرخ ارغون کی قبر چبوترے پر (نمبر ۵) ہے۔ جس کے پائیں کتبہ ہے:

وفات یافت مرحوم مغفور

میر فرخ ابن امیر محمد بیگ ارغون

در تاریخ... سنہ ۱۰۰۰ھ. (۱۵۳)

بالیں:

لا اله الا الله محمد رسول الله.

قال الله تعالیٰ: شهد الله انه... الحکیم. (۱۵۴)

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۵۵)

میر فرخ جس نے ٹھٹہ میں جامع مسجد (سنہ۹۳۸ھ) میں تعمیر کروائی، یہ میرزا شاہ بیگ کا بھتیجا یعنی احمد بیگ (یا محمد بیگ) کا بیٹا تھا۔ [ملاحظہ ہو ترخان نامہ شجرہ F] ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا فرخ بیگ ارغون اسی خاندان کی آخری پشت سے ہو۔

اس قبرستان میں مندرجہ ذیل لوگوں کی قبریں ہیں، جن کے کتبات ان کے ناموں کے تحت دیے گئے ہیں:

۳- امیر قاسم طغائی ۹۶۵ھ

۴- میرزا احمد شہید ۱۰۰۰ھ

۶- ابوالفتح طغائی ۹۵۵ھ

اس قبرستان کے جوار میں شمال کی سمت ایک قبر بغیر نام کے ہے۔ جس پر فقط تاریخ کا کتبہ کندہ ہے:

در تاریخ هفدهم شهر ذی قعدالحرام

سنه ۹۷۲ الهجرة النبویه المصطفویه. (۱۵۶)

آیات:

هو الباقی

شهد الله انه... الحکیم. (۱۵۷)

ان الذین قالوا ربنا... غفور الرحیم. (۱۵۸)

قال الله... کل نفس... ترجعون. (۱۵۹)

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۱۶۰)

قال الله... ان الذین آمنوا... ربه احدا. (۱۶۱)

میرن سلطان قلی بیگلار ۱۰۰۱ھ:

کتبے کے نام کی ابتدا میں لفظ میرن آیا ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ میران ہو اور غلطی سے الف رہ گیا ہو۔

وفات یافت مرحومی مغفوری

میرن سلطان قلی بن میر

سلطان مقیم بیگلار بتاریخ شهر

جمادی الاول ۱۰۰۱ھ (۱۶۲)

آیات:

قال الله سبحانه وتعالیٰ: کل شیء هالك... ترجعون.(۱۶۳)

صدق الله... الکریم.

یہ قبر گورستان سلیمان کے نواح میں ہے۔ جہان سلطان (۱۶۴) کی قبر سلیمان کے جنوب، مغربی کونے میں دو گز کے فاصلے پر چبوترے پر ہے' ان کے جنوب میں ماہ بیگم بنت شاہ علی ارغون (۹۶۵ھ) کا چبوترہ

ہے۔ ان دونوں چبوتروں کے خشتی مصلی اور چبوترے مسمار ہو گئے ہیں۔ ماہ بیگم سے متصل الگ دیوار کے اندر سات گمنام قبریں ہیں، جن کے پہلو میں مختصر چار دیواری میں دو اور قبریں ہیں۔ اسی احاطے کے سامنے بارک شاہ کا تھلہ (چبوترہ) ہے۔ بارک شاہ کے مغرب میں ۲۰ گز کے فاصلے پر مذکورہ بالا میرن قلعی بیگلار کا تھلہ (چبوترہ) ہے، جس پر ماہ بیگم بنت امیر حیدر (۹۷۶ھ) کی قبر ہے۔ یہ سب قبرستان، چبوترے اور قبریں میرزا سلیمان کے ساتھ جنوب میں ہیں۔

امیر احمد قلی بیگلار: اس کا کتبہ یہ ہے:

وفات یافت مرحومی مغفوری امیر احمد
قلی بن سلطان محمد قلی بیگلار. (۱۶۵)

آیات:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: شهد الله... الحكيم. (۱۶۶)
صدق الله... الكريم.
قال الله تعالىٰ كل شيء هالك... ترجعون. (۱۶۷)
صدق الله تعالىٰ.
الله لا اله الا هو الحي... العظيم. (۱۶۸)
بسم الله... تبارك... بماءٍ معين. (۱۶۹)
لا اله الا الله محمد رسول الله.
صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم.

اسد ۱۰۰۷ھ:

امیر شمس الدین محمد کے گورستان میں یہ قبر (نمبر – ۲) ہے۔

چو در برج اجل بنمود جوزا
جدا گشت از سرای وای ویلا
پي سالِ وفاتش، گفت خسرو
جدا شد شمس از برج اسد وای
(۱۰۰۷ھ)– (۱۷۰)

قال اللہ تعالیٰ: کل نفس ذائقۃ... الموت. (۱۷۱)

قال اللہ تعالیٰ: کل من علیھا فان... ترجعون (۱۷۲)

صدق اللہ العلی العظیم.

بھائی خان وزیر سندھ کے والد ۱۰۰۸ھ:

سندھ میں ترخان دور میں دو بھائی خان گزرے ہیں، ایک ملا گدا علی بھائی خان مہتر بابل کا بیٹا، جس کو میرزا جانی نے بھائی خان کا لقب دے کر اپنا وزیر مقرر کیا جو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ دوسرا بھائی خان امیر خسرو چرکس کا بیٹا لطف اللہ تھا۔ یہ بھائی خان ہندوستان میں مدفون ہے۔ چونکہ بھائی خان کے والد کی قبر بھی اس قبرستان میں موجود ہے، اس لیے یہ بھائی خان مہتر بابل کا بیٹا ملا گدا علی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مہتر بابل کا قبرستان علیحدہ ہے، جس کا ذکر ان صفحات میں موجود ہے۔ بھرحال اس قبرستان کے مدفونین بھی ترخان دور سے متعلق ہیں اور قبرستان کے مالک بھائی خان وزیر سندھ تھے، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترخان دور میں تیسرا بھائی خان بھی تھا، جس کی اپنی اور والد کی قبر اس قبرستان میں ہے۔

یہ قبرستان میرزا عیسیٰ اوّل کے نزدیک دستور کے مطابق چھار دیواری کے اندر ایک کھلے چبوترے پر ہے۔ چھار دیواری مسمار ہوچکی ہے۔ مغربی دیوار میں مصلی کی کاشی کاری سے سجا ہوا نہایت خوب صورت مخروطی محراب ہے، وہ بھی اس وقت زبوں ہوچکا ہے۔ مشرق سے داخلی دروازہ پتھر کے فریم میں موجود ہے، اکثر قبریں زبوں ہوچکی ہیں۔ فقط چند قبریں موجود ہیں۔ خداداد خان کی بیاض (۱۷۳) سے کتبے دیے جارہے ہیں۔
سب سے پھلے بھائی خان کے والد کی قبر کا کتبہ دے رہے ہیں:

وفات بتاریخ دھم مرحوم ۱۰۰۸ھ
والد حق پرست بائیخان
روز عاشور چون شد از دنیا
خرد از بھر سال فوتش گفت:
نقد جانداد روز عاشورا
سنہ ۱۰۰۸ھ

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: قل یا عبادی... غفور الرحیم. (۱۷۴)

کل من علیھا فان... الاکرام. (۱۷۵)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۷۶)

شھد اللہ انہ... الحساب. (۱۷۷)

یاایھا الذین آمنوا ... مھتدون. (۱۷۸)

ماکان محمد ابا ... کریما. (۱۷۹)

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین قالوا... یحزنون. (۱۸۰)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۸۱)

اس قبرستان میں مزید مندرجہ ذیل قبریں ہیں:

بھائی خان وزیر سندھ ۱۰۱۲ھ:

تاریخی کتبہ یوں ہے:

وفات او بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ

وزیر سند بائیخان چو می شد
سویِ ملک بقا زین دار فانی
پی تاریخ خود گفتا: خدایا!
مقامم ده بهشتِ جاودانی!
سنه۱۰۱۲ھ

آیات:

قال اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۸۲)

ان الذی عنداللہ... سریع الحساب. (۱۸۳)

بسم اللہ... تبارک ... بماء معین. (۱۸۴)

۳- قبر ؟:

اس قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے- کتبات کی آیات یہ ہیں:

لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ.

قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ... الحکیم. (۱۸۵)

آمن الرسول... الکافرین. (۱۸۶)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۸۷)

قال اللہ تعالیٰ: وسیق الذین... العالمین. (۱۸۸)
ربنا آتنا ما وعدتنا... المیعاد.
ربنا ظلمنا... من الخاسرین.
ربنا وتقبل... یقوم الحساب.
بسم اللہ... یٰس... المکرین. (۱۸۹)
بسم اللہ... تبارک... القوا فیها. (۱۹۰)

۴- محمد ۱۰۳۵ھ:

بالیں:

نور بصری امیر خانی
. . . قدم بفردوس نهاد

پائیں:

تاریخ وفات او خرد چنین گفت:
ز باغ محمد گلی رفت بباد (کذا)
سنه ۱۰۳۵ھ

قبر پر دائیں جانب:

ریختی خونِ دل از دیدهٔ گریان پدر
رحم بر جانِ پدر نامدت ای جان پدرا
نوبهار آمد و گلها همه رستند ز خاک
تو هم از خاک برآی، ای گل خندان پدرا
جان خود بدهد و جان تو عرض بستاند
گر بود قابض ارواح بفرمان پدر
زیر گل تنگدل ای غنچهٔ رعنا، چونی؟
بی تو، ما غرقه بخونیم، تو بی ما، چونی؟

دوسرے حاشیے پر:

سلکِ جمعیتِ ما، بی تو، گسستست زهم
ما که جمعیم چنینیم، تو تنها چونی؟ (۱۹۱)

دوستان ذکرِ حق و فکرِ مزار خود کنید
عاقبت مرگ است یاران فکرِ کارِ خود کنید
بگذرید از ذکر حسن و خطِ رخسارِ بتان
بعد ازین اندیشۂ لیل و نهارِ خود کنید .

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: لقد صدق اللہ رسوله الرویا...... اجرا عظیما. (۱۹۲)

بسم اللہ... تبارک... بماء معین. (۱۹۳)

۵- قبر؟:

اس قبر پر کوئی کتبہ موجود نہیں ہے، آیات یہ ہیں:

قال اللہ... شهد اللہ انه... الحکیم. (۱۹۴)

بسم اللہ... تبارک... بماءِ معین. (۱۹۵)

اللہ رب العالمین... بماءِ معین.

صدق اللہ... الکریم.

بسم اللہ... اللہ لا اله الا هو الحی... فیها خالدون. (۱۹۶)

بسم اللہ... یٰس... اجر کریم. (۱۹۷)

صدق اللہ تعالیٰ جل جلاله.

۶- قبر؟:

مندرجہ ذیل اشعار قبر پر موجود ہیں۔

مشرقی پہلو پر:

پادشاها جرم مارا در گذار ما گنه گاریم تو آمرزگار
تو نکو کاری و مابد کرده ایم جرم بی اندازه بیحد کرده ایم
سالها در فسق و عصیان بوده ایم همقرینِ نفس شیطان بوده ایم
روز و شب اندر معاصی بوده ایم غافل از حدِ نواهی بوده ایم

دائیں جانب حاشی پر:

بیگنه نگذشت برما ساعتی با حضورِ دل نکرده طاعتی
بر در آمد بندۂ بگریخته آبروی خود بعصیان ریخته
مغفرت دارد امید از لطفِ تو آنکه خود فرموده ای لا تقنطوا
بحر الطافِ تو بی پایان بود تا امید از رحمتت شیطان بود

بالیں حاشی پر:

ای کار کشایِ کار بستہ ای امید ہمہ امیدواران

مغربی حاشیے پر

خدایا تویی آگہ از حال من عیان است پیشِ تو احوال من
تویی از کرم دلنوازِ ہمہ بہ بیچارگی چارہ سازِ ہمہ
بود ہر کسی را امیدیَ بکس امید من از رحمتِ تست و بس
ندارم امید از عملہای خویش ... ...

حاشیے پر

و گر نامرادم کنی باك نیست چو لطفِ تو باشد ازان باك نیست
کہ دارم منِ عاصیِ دل سیاہ بعفو تو امید بیش از گناہ

....

یا رب بہ صفایِ صبح خیزان یا رب بہ دعایِ اشك ریزان
یا رب بہ دلِ نیاز مندان یا رب بہ نیاز مستمندان

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: اللہ لا الہ الا ھو الحی... فیھا خالدون. (۱۹۸)

شھد اللہ انہ... سریع الحساب. (۱۹۹)

۷- قبر ۱۰۴۷ھ:

یہ ایک بچے کی قبر ہے:

وفات او بتاریخ ۲۵ شھر شوال الکرم ۱۰٤۷ھ

۸- قبر ؟ ۱۰۷۴ھ:

بچے کی قبر ہے۔

وفات او بتاریخ دھم یوم الخمیس

شھر شوال المکرم ۱۰۷٤ھ

آیات:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۲۰۰)

صدق اللہ... الکریم.

بھائی خان وزیر سندھ ۱۰۱۲ھ:

ان کی قبر کا کتبہ ان کے والد کی قبر کے تذکرے میں ملاحظہ ہو۔

سلطان قاسم علی خان ۱۰۱۹ھ: یہ علیحدہ مقبرہ ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری حضرت سلطان
قاسم علی بتاریخ یازدهم ماه رجب المرجب روز
یکشنبہ ۱۰۱۹ھ. (۲۰۱)

آیات:

قال اللہ... شهد الله انه... عندالله الاسلام. (۲۰۲)
قال الله: قل یا عبادی... الرحیم. (۲۰۳)
بسم الله... الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۲۰۴)
بسم الله... تبارک... بماء معین. (۲۰۵)

میر سلطان محمود ۱۰۲۱ھ:

یہ قبر میر محمود ترخان کی قبر کے قریب ہے۔ کتبہ یہ ہے:
وفات مرحومی مغفوری میر سلطان محمود
بن امیر مرحومی میر تیمور
بتاریخ یوم الاثنین شهر ذی الحج ۱۰۲۱ھ

آیات:

قال الله... شهد الله انه... الحکیم. (۲۰۶)
صدق الله الکریم.
بسم الله... تبارک... بماء معین. (۲۰۷)
الله لا اله الا هو الحی... العظیم.(۲۰۸)
لا اکراه... علیم. (۲۰۹)
قل یا عبادی... رحیم. (۲۱۰)
صدق الله... الکریم و نحن... العالمین.

میر متین بیگ بن امیر بھائی خان ۱۰۲۲ھ:

یہ پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی رانک ہے۔ بھائی خان (؟) کے سلسلے میں دوسرے کتبے بھی درج کیے گئے ہیں۔ اس لیے میر متین بیگ کے گورستان کے کتبے بھی دیے جارہے ہیں۔

وفات یافت مرحومی مغفوری میر متین بیگ
بن امیر بائیخان تاریخ شهر ربیع الاول
۱۰۲۲ھ (۲۱۱)

آیات:

لا اله الاالله محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم.

هو الفتاح- هو الکریم.

قال الله سبحانه وتعالیٰ: شهد الله لا اله... بصیر بالعباد.(۲۱۲)

بسم الله... تبارک... بماء معین. (۲۱۳)

الله لا اله الا هوالحی... العظیم. (۲۱۴)

قال الله تعالیٰ: کل شیء هالك... ترجعون. (۲۱۵)

صدق الله

وقال: ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات... ربه احدا. (۲۱۶)

صدق الله.

کاتب منقول عنه شیخ فقیر محمد بن شیخ محمد حسن.

اسی قبرستان میں دوسری مندرجه ذیل قبریں یه ہیں:

۲- بغیر نام کے قبر:

شهد الله... بصیر بالعباد. (۲۱۷)

قال الله تعالیٰ عزوجل: کل نفس ذائقة الموت ثم الی ربکم ترجعون.

الله لا اله الا هو الحی... العظیم. (۲۱۸)

بسم الله... تبارک... بماءٍ معین. (۲۱۹)

قال الله تعالیٰ: امن الرسول بما انزل... الکافرین. (۲۲۰)

وقال: ان الذین قالوا ربنا الله... غفور الرحیم. (۲۲۱)

وقال ...یاایها النفس المطمئنة... وادخلی جنتی.(۲۲۲)

صدق الله... الشاهدین... رب العالمین.

۳- بغیر نام:

الذین ینفقون... یحزنون. (۲۲۳)

لا اله الاالله محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم.
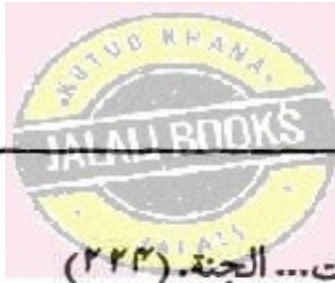
۴- بغیر نام:

کل نفس ذائقة الموت... الجنة۔ (۲۲۴)

کل شیء هالك... ترجعون۔ (۲۲۵)

کل من علیها فان... الاحسان... کذبان۔ (۲۲۶)

صدق الله... رسوله الکریم۔

محمد قلی ۱۰۳۰ھ:

یہ مقبرہ علیحدہ ہے۔

وفات یافت مرحومی مغفوری محمد قلی بن شاہ قلی
تاریخ بیست و هفتم شهر جمید الثانی روز سه شنبه
سنه ۱۰۳۰ھ (۲۲۷)

آیات:

قال الله سبحانه وتعالیٰ: قل یا عبادی... رحیم۔ (۲۲۸)

کل شیء هالك... ترجعون۔ (۲۲۹)

صدق الله... الکریم۔

بسم الله... الله لا اله الا هو الحی... العظیم۔ (۲۳۰)

بسم الله... تبارك... بماء معین۔ (۲۳۱)

امیر شمس الدین محمد:

امین الدین حسین خان امیر خانی کے مغرب میں امیر شمس الدین کا قبرستان ہے۔ امیر شمس الدین ترخان دور کے امیر تھے۔

شمس مشرق [سپهر ملت و دین]
که نظیرش درین زمانه نبود
در شجاعت چو رستمِ [دوران]
در سخاوت چو حاتم محمود
ناگهان آن سموم، از موتش
تن و دل را بجور غم بستود
آتشی فرقتش چو شعله کشید
از دلِ دوستان بر آمد دود
سال تاریخ فوت او طاهر
شمس اوجِ قمر شرف بنمود؟ (۲۳۲)

آیات:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ان الذین امنوا ... ربہ احدا.(۲۳۳)

قال اللہ تعالیٰ عزوجل: یایھا الذین... المھتدون. (۲۳۴)

قال اللہ تعالیٰ: الذین آمنوا وھاجروا... عندہ اجر عظیم. (۲۳۵)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: قل یا عبادی... رحیم. (۲۳۶)

صدق اللہ

قال اللہ تعالیٰ: کل نفس ذائقۃ ... ترجعون. (۲۳۷)

اللہ لا الہ الا ھو الحی ... العظیم. (۲۳۸)

قال اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ: کل شیء ھالک... الحکیم. (۲۳۹)

بسم اللہ... تبارک بماء معین. (۲۴۰)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: والذین آمنوا... قلیلا. (۲۴۱)

بسم اللہ یٰس والقرآن... امام مبین. (۲۴۲)

قال اللہ تعالیٰ عزوجل: وسیق الذین... رب العالمین. (۲۴۳)

بسم اللہ... قل ھو اللہ... احد. (۲۴۴)

صدق اللہ... الکریم ونحن... رب العالمین.

اسی گورستان کی بقیہ قبور کے کتبات یہ ہیں:

۱ – محمد میرل؟

دائیں جانب پہلے نمبر پر قبر ہے:

وفات محمد میرل

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: قل ان الموت... الرازقین. (۲۴۵)

قال اللہ تعالیٰ: کل من علیھا فان... والاکرام. (۲۴۶)

صدق اللہ... الکریم.

۲ – فقط آیات ہیں:

یا اللہ– یا رحمن – یا رحیم

قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ انہ... الحکیم. (۲۴۷)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم... العظیم. (۲۴۸)

صدق اللہ العلی العظیم.

۳- مہر بی بی:

مذکورہ بالا قبر سے متصل ہے۔

وفات یافت مہر بی بی

آیات:

ھوالکریم

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۲۴۹)

۴- ماہ بیگہ ۹۸۴ھ:

بنت شمس الدین اس کا کتبہ علیحدہ دیا گیا ہے۔

۵- زاہد بیگ:

مندرجہ بالا قبر سے متصل ہے۔

وفات زاھد بیگ

آیات:

قال اللہ تعالیٰ: ولقد خلقنا الانسان... تحملون. (۲۵۰)

صدق اللہ... الکریم ونحن... والشاکرین.

۶- اسد ۱۰۰۷ھ:

مذکورہ بالا مقبرے سے متصل ہے۔ کتبہ علیحدہ دیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل دو قبریں امیر شمس الدین کی رانک سے متصل ہیں۔ (۲۵۱)

۱-؟

قال اللہ تعالیٰ: شھد اللہ... الحکیم. (۲۵۲)

بسم اللہ... اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۲۵۳)

۲-؟

ان الذین آمنوا و عملوا ... ربہ احدا. (۲۵۴)

قال اللہ تعالیٰ: قل یا عبادی الذین... الرحیم. (۲۵۵)

حواشی

(۱) بیاض ص ۶۹۱
(۲) حم السجدہ: ۳۰-۳۶
(۳) الزخرف: ۶۸-۷۳
(۴) بیاض ص ۷۵۱-۷۵۲
(۵) البقرہ: ۲۵۵
(۶) البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷
(۷) التوبہ: ۲۱-۲۲
(۸) بیاض ص ۶۹۱
(۹) البقرہ: ۲۵۵
(۱۰) بیاض ص۶۸۹- آل عمران: ۱۸-۳۲
(۱۱) بیاض ۶۸۷
(۱۲) القصص: ۸۸
(۱۳) البقرہ: ۲۵۵
(۱۴) بیاض ص۶۷۹
(۱۵) آل عمران: ۱۸
(۱۶) البقرہ: ۲۵۵
(۱۷) بیاض ص۷۴۹
(۱۸) الزمر: ۵۳
(۱۹) بیاض ص۶۸۶
(۲۰) البقرہ: ۲۵۵
(۲۱) حبیب السیرج ۳ ص۲۳۸
(۲۲) بیاض ص۳۳۶
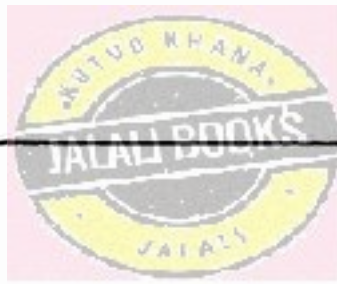
(۲۳) القصص: ۸۸
(۲۴) البقرہ: ۲۵۵
(۲۵) البقرہ: ۲۵۵
(۲۶) بیاض ۴۴۷
(۲۷) یس: ۱-۳۴
(۲۸) آل عمران: ۱۸
(۲۹) البقرہ: ۲۵۵
(۳۰) الملک: ۱-۳۰
(۳۱) آل عمران: ۱۸
(۳۲) البقرہ: ۲۵۵
(۳۳) البقرہ: ۲۵۵
(۳۴) البقرہ: ۲۵۵
(۳۵) القصص: ۸۸
(۳۶) بیاض ص ۳۴۰
(۳۷) البقرہ: ۲۵۵
(۳۸) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
(۳۹) التغابن: ۷-۸
(۴۰) بیاض ص ۱۷۴-۱۷۲
(۴۱) الزمر: ۷۳-۷۵
(۴۲) الزمر: ۵۳
(۴۳) فاطر: ۲۹-۳۵
(۴۴) البقرہ: ۲۵۵
(۴۵) یہ سال ۹۹۵ھ ہوسکتا ہے، بیاض میں صاف نہیں ہے۔ ص ۱۶۲
(۴۶) آل عمران: ۱۸-۱۹
(۴۷) البقرہ ۲۵۵
(۴۸) النحل: ۱۰-۱۸
(۴۹) ملاحظہ ہو تاریخ طاہری ص ۱۶۹-۱۷۰ وغیرہ
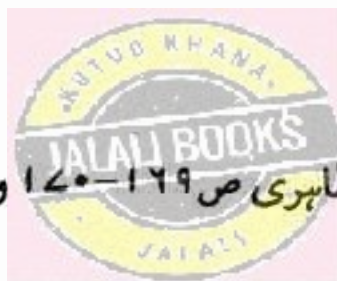
(۵۰) بیاض ۳۶۰ میں سال ۹۶۵ھ تحریر ہے، جو غلط ہے۔
(۵۱) آل عمران: ۱۸-۲۰
(۵۲) مزمل: ۱-۲۰
(۵۳) التوبہ: ۲۱-۲۲
(۵۴) حم السجدہ: ۳۰-۳۲
(۵۵) بیاض میں گلبی لکھا ہوا ہے، جس کو ہم گلبیگہ یا گلبیگی سمجھتے ہیں۔ ص۳۰۵-۳۵۶
(۵۶) البقرہ: ۲۵۵
(۵۷) آل عمران: ۱۸۵
(۵۸) آل عمران: ۱۸
(۵۹) بیاض ص۳۴۹
(۶۰) آل عمران: ۱۸
(۶۱) البقرہ: ۲۵۵
(۶۲) البقرہ: ۲۵۵
(۶۳) بیاض ص۳۴۷
(۶۴) الرحمن: ۲۶-۲۷
(۶۵) البقرہ: ۲۵۵
(۶۶) بیاض ص۳۴۶
(۶۷) البقرہ: ۲۵۵
(۶۸) القصص: ۸۸
(۶۹) بیاض ص۳۴۵
(۷۰) البقرہ: ۲۵۵
(۷۱) البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷
(۷۲) بیاض ص۴۶۹-۵۷۰
(۷۳) البقرہ: ۲۵۵
(۷۴) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷
(۷۵) بیاض میں (۳۵۶) گلبی لکھا ہے جس کو ہم گلبیگہ سمجھتے

ہیں۔

(۷۶) الجمعه: ۹–۱۱
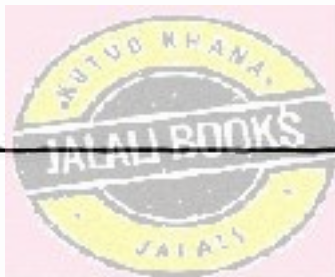
(۷۷) البقره: ۲۵۵

(۷۸) الملك: ۱–۳۰

(۷۹) القصص: ۸۸

(۸۰) آل عمران: ۱۸–۲۰

(۸۱) بیاض ص۳۴۴

(۸۲) البقره: ۲۵۵

(۸۳) بیاض ص۶۸۷

(۸۴) آل عمران: ۱۸

(۸۵) بیاض ص۶۸۷

(۸۶) البقره: ۲۵۵

(۸۷) بیاض ص۶۷۷

(۸۸) التوبه: ۲۱–۲۲

(۸۹) بیاض ص۴۰۷

(۹۰) البقره: ۲۵۵

(۹۱) آل عمران: ۱۸

(۹۲) آل عمران: ۱۸

(۹۳) امیر شاہی ہوسکتا ہے۔

(۹۴) بیاض ص ۳۳۲

(۹۵) آل عمران: ۱۸

(۹۶) البقره: ۲۵۵

(۹۷) البقره: ۱۵۶

(۹۸) البقره: ۱۵۷

(۹۹) بیاض ص ۱۲۰

(۱۰۰) الانعام: ۱۱۵

(۱۰۱) البقره: ۲۵۵
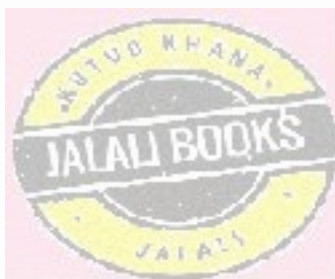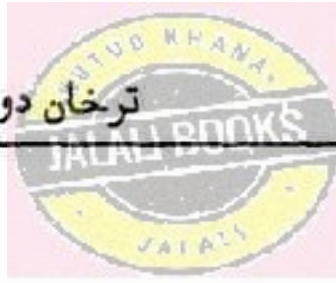
(۱۰۲) آل عمران: ۱۸
(۱۰۳) الکهف: ۳۰-۳۱
(۱۰۴) بیاض ص۳۳۴
(۱۰۵) آل عمران: ۱۸
(۱۰۶) القصص: ۸۸
(۱۰۷) البقره: ۲۵۵
(۱۰۸) بیاض ص۳۹۴
(۱۰۹) آل عمران: ۱۸
(۱۱۰) البقره: ۲۵۵
(۱۱۱) الملك: ۱-۳۰
(۱۱۲) بیاض ص۶۸۰
(۱۱۳) آل عمران: ۱۸-۲۱
(۱۱۴) الملك: ۱-۳۰
(۱۱۵) الرحمن: ۲۶-۲۷
(۱۱۶) بیاض ص۷۶۸-۷۶۵
(۱۱۷) بیاض ص۵۱۱
(۱۱۸) آل عمران: ۱۸
(۱۱۹) البقره: ۲۵۵
(۱۲۰) بیاض ص۷۴۸-۷۴۵
(۱۲۱) البقره: ۲۵۵
(۱۲۲) البقره: ۲۵۶-۲۶۷
(۱۲۳) آل عمران: ۱۸-۱۹
(۱۲۴) الملك: ۱-۳۰
(۱۲۵) الملك: ۱-۳۰
(۱۲۶) الاخلاص: ۱-۴
(۱۲۷) الاسراء: ۸۰-۸۱
(۱۲۸) الاسراء: ۱۱۰
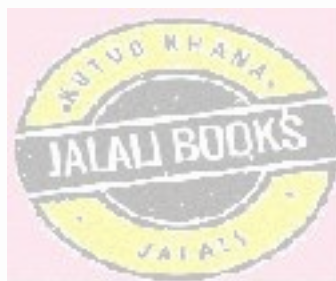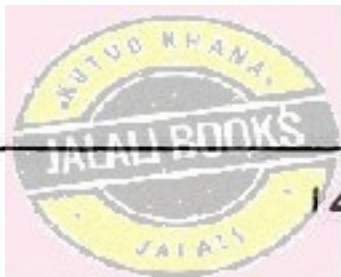
(۱۲۹) بیاض ص۱۷۵-۱۷۸
(۱۳۰) بیاض ص۶۷۲
(۱۳۱) آل عمران: ۱۸
(۱۳۲) البقرہ: ۲۵۵
(۱۳۳) البقرہ: ۲۵۵
(۱۳۴) بیاض ص۳۴۳
(۱۳۵) الزمر: ۵۳
(۱۳۶) حم السجدہ: ۳۰
(۱۳۷) بیاض ص۴۰۷-۳۹۵
(۱۳۸) آل عمران: ۱۸
(۱۳۹) البقرہ: ۲۵۵
(۱۴۰) التوبہ: ۲۱-۲۲
(۱۴۱) الملک: ۱-۳۰
(۱۴۲) الزمر: ۵۳
(۱۴۳) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
(۱۴۴) الملک: ۱-۲۲
(۱۴۵) آل عمران: ۱۸
(۱۴۶) القصص: ۸۸
(۱۴۷) الرحمن: ۲۶-۲۷
(۱۴۸) البقرہ: ۱۸۵
(۱۴۹) البقرہ: ۲۵۵
(۱۵۰) الملک: ۱-۳۰
(۱۵۱) آل عمران: ۱۸
(۱۵۲) البقرہ: ۲۵۵
(۱۵۳) بیاض ص۳۴۱
(۱۵۴) آل عمران: ۱۸
(۱۵۵) البقرہ: ۲۵۵
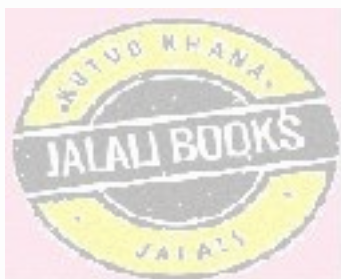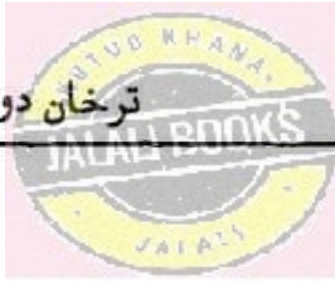
(۱۵۶) بیاض ص۳۳۸
(۱۵۷) آل عمران: ۱۸
(۱۵۸) حم السجدہ: ۳۰
(۱۵۹) العنکبوت: ۵۷
(۱۶۰) البقرہ: ۲۵۵
(۱۶۱) الکھف: ۱۰-۱۱
(۱۶۲) بیاض ص۶۸۵ میں ۶۵۲ھ غلط نقل کیا گیا ہے۔
(۱۶۳) القصص: ۸۸
(۱۶۴) ان قبروں کے کتبے یہاں نہیں دیے گئے۔
(۱۶۵) بیاض ص۶۸۴
(۱۶۶) آل عمران: ۱۸
(۱۶۷) القصص: ۸۸
(۱۶۸) البقرہ: ۲۵۵
(۱۶۹) الملک: ۱-۳۰
(۱۷۰) بیاض ص۵۰۶ سن لکھا ہوا نہیں ہے۔ مصرعہ سے مذکورہ بالا سنہ نکلتا ہے۔
(۱۷۱) آل عمران: ۱۸۵
(۱۷۲) الرحمن: ۲۶
(۱۷۳) بیاض ص۲۷۴-۲۵۱
(۱۷۴) الزمر: ۵۳
(۱۷۵) الرحمن: ۲۶-۲۷
(۱۷۶) البقرہ: ۲۵۵
(۱۷۷) آل عمران: ۱۸-۱۹
(۱۷۸) البقرہ: ۱۵۳-۱۵۷
(۱۷۹) الاحزاب: ۴۰-۴۴
(۱۸۰) الاحقاف: ۱۳
(۱۸۱) الملک: ۱-۳۰
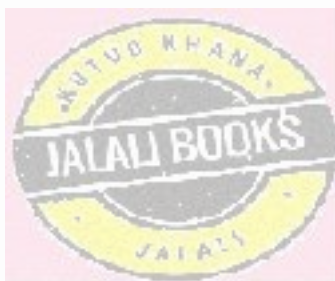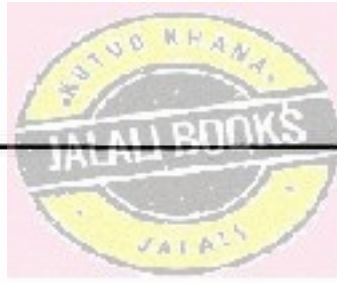
(۱۸۲) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷

(۱۸۳) آل عمران: ۱۸

(۱۸۴) الملک: ۱-۳۰

(۱۸۵) آل عمران: ۱۸

(۱۸۶) البقرہ: ۲۵۵-۲۸۶

(۱۸۷) البقرہ: ۲۵۵

(۱۸۸) الزمر: ۷۳-۷۵

(۱۸۹) یس: ۱-۲۷

(۱۹۰) الملک: ۱-۷

(۱۹۱) یہ اشعار مولانا جامی کے ایک مرثیے سے ہیں، جو اُنھوں نے ۸۸۱ھ میں اپنے صاحبزادے خواجہ صفی الدین کی وفات پر لکھا تھا۔ (دیوان جامی ص ۱۲۰، تصحیح ہاشم رضی تہران ۱۳۴۱ھ)

(۱۹۲) الفتح: ۲۷-۲۹

(۱۹۳) الملک: ۱-۳۰

(۱۹۴) آل عمران: ۱۸

(۱۹۵) الملک: ۱-۳۰

(۱۹۶) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷

(۱۹۷) آل عمران: ۱۸-۱۹

(۱۹۸) البقرہ: ۲۵۵-۲۵۷

(۱۹۹) آل عمران: ۱۸-۱۹

(۲۰۰) البقرہ: ۲۵۵

(۲۰۱) بیاض ص ۱۶۶

(۲۰۲) آل عمران: ۱۸

(۲۰۳) الزمر: ۵۳

(۲۰۴) البقرہ: ۲۵۵

(۲۰۵) الملک: ۱-۳۰

(۲۰۶) بیاض ص ۱۷۶
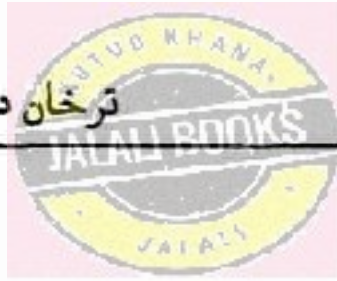
(۲۰۷) الملك: ۱-۳۰
(۲۰۸) البقرہ: ۲۵۵
(۲۰۹) البقرہ: ۲۵۵
(۲۱۰) الزمر: ۵۳
(۲۱۱) بیاض ص ۶۵۰-۶۳۹
(۲۱۲) آل عمران: ۱۸
(۲۱۳) الملك: ۱-۳۰
(۲۱۴) البقرہ: ۲۵۵
(۲۱۵) القصص: ۸۸
(۲۱۶) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰
(۲۱۷) آل عمران: ۱۸
(۲۱۸) البقرہ: ۲۵۵
(۲۱۹) الملك: ۱-۳۰
(۲۲۰) البقرہ: ۲۸۵-۲۸۶
(۲۲۱) حم السجدہ: ۳۰-۳۲
(۲۲۲) الفجر: ۳۰-۲۷
(۲۲۳) البقرہ: ۲۷۴
(۲۲۴) آل عمران: ۱۸۵
(۲۲۵) القصص: ۸۸
(۲۲۶) الرحمن: ۲۶-۲۷
(۲۲۷) بیاض ص ۱۷۰
(۲۲۸) الزمر: ۵۳
(۲۲۹) القصص: ۸۸
(۲۳۰) البقرہ: ۲۵۵
(۲۳۱) الملك: ۱-۳۰
(۲۳۲) اس قبرستان کے کتبات بیاض میں ص ۴۹۹ سے ص ۵۱۴ تک ہیں۔
مصرع سے سال ۱۳۳۲ برآمد ہوتا ہے، جو غلط ہے۔
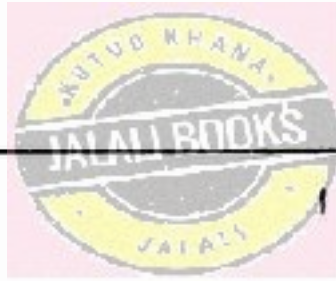
(۲۳۳) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰

(۲۳۴) البقرہ: ۱۵۳-۱۵۷

(۲۳۵) التوبہ: ۲۰-۲۲

(۲۳۶) الزمر: ۵۳

(۲۳۷) العنکبوت: ۵۷

(۲۳۸) البقرہ: ۲۵۵

(۲۳۹) القصص: ۸۸

(۲۴۰) الملک: ۱-۳۰

(۲۴۱) النساء: ۱۲۲

(۲۴۲) یٰس: ۱-۱۲

(۲۴۳) الزمر: ۷۳-۷۵

(۲۴۴) الاخلاص: ۱-۴

(۲۴۵) الجمعہ: ۸-۱۱

(۲۴۶) الرحمن: ۲۶-۲۷

(۲۴۷) آل عمران: ۱۸

(۲۴۸) البقرہ: ۲۵۵

(۲۴۹) البقرہ: ۲۵۵

(۲۵۰) المومنون: ۱۲-۲۲

(۲۵۱) بیاض ص۲۹۷-۲۹۸

(۲۵۲) آل عمران: ۱۸

(۲۵۳) البقرہ: ۲۵۵

(۲۵۴) الکہف: ۱۰۷-۱۱۰

(۲۵۵) الزمر: ۵۳
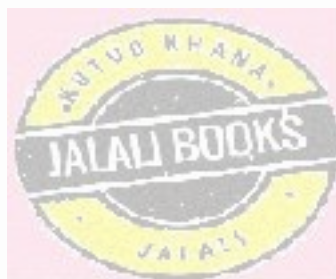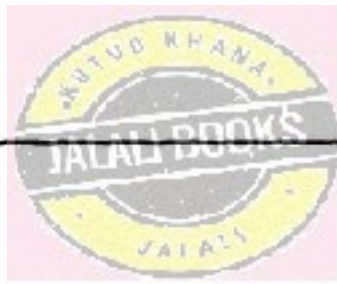
(۲۱)
حواشی

اس مقالے کے ابتدائی صفحات میں کچھ وضاحت طلب نکات آئے ہیں۔ ہم نے ان پر نمبر دیے ہیں، ذیل میں ان نمبروں کے تحت حواشی کے ذریعے وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) عیسیٰ کے آباؤ اجداد:

عبدالعلی سے اوپر کا شجرۂ نسب نامکمل ہے، اس سلسلے میں ہمیں جو مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ پیش خدمت ہیں:

عبدالعلی بن عبدالخاق (متن میں عبدالرزاق کمپوزنگ کی غلطی ہے)...... ؟ بن میر حسین ترخان بن عبدالعلی ترخان بن میرزا نور اللہ بن فضل اللہ بن امیر التمش بن امیر اکوتمر بن امیر الجی بن الجائتو خدا بندہ (۷۰۳-۷۱۶) بن ارغون خان (۶۸۳-۶۹۰ھ) بن اباقا خان (۶۶۳-۶۸۰) بن ہولاکو (۶۵۴-بن تولی بن چنگیز خان (۵۶۲-۶۶۴ھ)

سندھ کے ارغون اور ترخان کا باہمی رشتہ امیر اکوتمر کے بعد بہ روایت ترخان نامہ اس طرح ہے:
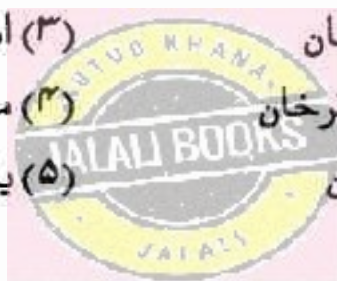
(٦) ؟	(٦) میر فرخ بیگ
(٧) ؟	(٧) میرم بیگ
(٨) ؟	(٨) احمد ولی بیگ
(٩) ؟	(٩) فرخ بیگ
(١٠) عبدالخالق ترخان	(١٠) امیر حسن بصری
(١١) عبدالعلی ترخان	(١١) امیر ذوالنون
(١٢) عیسیٰ ترخان	(١٢) میرزا شاہ بیگ ارغون

ترخان نامہ کے مؤلف نے عبدالخالق کو میر حسین ترخان کا بیٹا لکھا ہے، لیکن از روئے زمانہ یہ غلط ہے۔ جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ میر حسین سے لے کر عبدالخالق تک درمیان کی تقریباً چار پانچ پشتیں غائب ہیں۔ بلاخمن نے بھی (٣٩٠) اکبر نامہ سے شجرہ نقل کرتے ہوئے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے۔ انھیں ارغون اور اکوتمر کے درمیان چار پشتوں کے غائب ہونے کا گمان ہے، بہرحال مذکورہ نسب نامہ مشکوک اور نا تمام ہے۔

(١) امیر اکوتمر:

امیر تیمور کے امراء میں سے تھا اور تقتمش خان کی جنگ میں امیر تیمور کی طرف سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔ اسی قربانی کے طفیل تیمور نے ان کی اولاد کو ترخان کا خطاب دیا۔ ظفر نامہ کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ اس معرکے میں جن لوگوں نے بہادری کے جوہر دکھائے، تیمور نے ان سب کو ترخان کردیا۔

> "و جماعتی را کہ دران موقفِ هولناك، پایِ ثبات فشردہ بودند، و بہ شرایط سربازی قیام نمودہ، بہ انواع تربیت و نوازش بلند پایہ سرفراز گردانید. و حکم ترخان ارزانی داشتہ فرمان داد کہ: جماعت یساولان دستِ رد، پیش ایشان ندارند، و از در آمدن بحضرتِ ما، منع نکنند و تانہ پشت گناهی کہ از ایشان و فرزندان ایشان صادر شود، نپرسند.
>
> چنین داد پاسخ کہ: تانہ نژاد ـ هر آن کس کہ از تخم ایشان بزاد
> گنہ شان نپرسند، ابنایِ ما ـ کزین پس نشینند بر جایِ ما

و خویشان امیر ایکوتمر را که به عز شهادت فایز شده بودند،
عنایت و مرحمت بسیار فرمود۔" (۷۷-۳۷۸)

ان کے عزیزوں میں سے شاہ ملك بن قلحفائی کو اپنے دربار میں امیر اکوتمر کا رتبہ عطا کر کے 'مہر کلان' اور 'مہر پروانہ' کے حوالے کردیا۔

میرزا عیسیٰ کے والد میرزا عبدالعلی، سلطان محمود (۸۹۹ھ) بن میرزا بو سعید (قتل ۸۷۳ھ) کے دور میں بخارا کے صوبے دار تھے۔ شیبانی خان کی جنگ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ قتل ہوئے۔ میرزا عیسیٰ اس وقت بچہ تھا، جس کو میر ذوالنون ارغون نے پال پوس کر بڑا کیا۔ جب تك میر ذوالنون زندہ رہا، ان کو اپنے ساتھ رکھا (بلاخمن ص۳۸۹) امیر ذوالنون جب شیبانی کی جنگ (۹۱۳ھ) میں قتل ہوا تو میرزا عیسیٰ ان کے خاندان کے ساتھ رہے۔

(۲) چوچك بیگم:

شاہ حسن کی کوئی نرینہ اولاد زندہ نہ بچی، ایك بیٹا میرزا ابوالمنصور نامی گلبرگ بیگم سے ہوا جو دو سال کے بعد فوت ہوا۔ (معصومی ۱۴۷-۱۹۶ ہمایون نامہ ۲۳۰) اسے فقط ایك بیٹی چوچك بیگم نامی تھی، جو اس نے سیاسی جوڑ توڑ کے سلسلے میں پہلے ہمایوں سے الگ کرنے کی خاطر ناصر میرزا کو پیش کی اور آخر میں کامران کو ہمایوں سے لڑوا کر (۹۵۳ھ مطابق ۱۵۴۶ء) میں اسے دے دی۔ ہمایوں نے جب میرزا کامران پر فتح حاصل کر کے اُنھیں نابینا کروایا اور وہ مکہ معظمہ جانے کے لیے بکھر پہنچا تو اس وقت شاہ حسن نے چوچك بیگم کو ان سے الگ کرنا چاہا، لیکن اس عورت نے معذوری کی حالت میں اپنے شوہر کو چھوڑنا غیرت اور وفا کے منافی سمجھا اور اپنے باپ کو ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا۔ مکہ میں اپنے شوہر کی وفات (ذی الحج ۹۶۴ھ) کے ساتھ مہینے بعد اس کا انتقال ہوا۔ (معصومی ۱۸۲-۱۹۶- ہمایون نامہ ۲۶۰)

(۳) ترخان:

یہ ایك خطاب ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد کیے گئے گناہ مواخذے میں نہیں آتے۔ ترخان جس وقت چاہے بغیر اطلاع شاہی حضور

میں حاضر ہوسکتا ہے۔ لگان اور دوسرے سرکاری واجبات سے آزاد رہتا ہے۔ مال غنیمت میں سے ان سے کوئی حصہ نہیں لیا جاتا۔ نو گناہوں تک ان کی سب خطائیں معاف ہیں اور نو پشتوں تک ان کے ساتھ یہ رعایت قائم رہے گی۔

اگر صد خون بیك غمزه بریزی، کس نمی پرسد
مگر یرلیغ ترخانی ز سلطان ایلخان داری

(نزاری– جهانگیری)

کنون باشد که، بر خوانم به پیشِ شعر تو اندر
هر آنچه تو بخاقانان و طرخانان و خان کردی

(مجلد گرگانی– لغت فرس)

خط ترخانی و جاوید، بعالم ندهند
بگذر از عالم و منشور امانی بمن آر

(نظیری)

به شکر آن دو هفته ماهِ تابان
سپه را کرد چندین سال ترخان

(یحییٰ بن سیبك نیشاپوری)

کند ز حیله بر ای گزیدن مردم
بگاه مستی ازو التماس ترخانی

(عرفی)

خراسانی لہجے میں رئیس اور شریف کو ترخان کہا جاتا ہے۔ بچوں کے کھیل میں بڑے کو بھی ترخان کہا جاتا ہے۔ (لغت شوستر) بے باک، چور، اوباش کے لیے بھی ترخان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تو ترخون و ترخان، ز جورِ تو خواجو
دل از غم چو خانی و رخ زرخانی

(خواجو کرمانی – انند راج)

یونانی زبان میں پانچ ہزار کی سپاہ کے سردار کو ترخان کہا جاتا تھا۔ مسخروں کو بھی ترخان کہا جاتا ہے۔

کار بر ترخانی و طنز و مزاح افتاده است
خدمتِ صد ساله و فضل و هنر منظور نیست

(تاثیر– آنند راج)

ترخان کا معرب طرخان اور جمع طراخنه ہے۔ ترخان پودینه کی طرز کی ایک سبزی کو بھی کہا جاتا ہے۔ ترخون ترخوان، ترهٔ خوان، ترخونی یا ان کا معرب طرخون اس سبزی کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

بویِ بریان میرسد ترخان بدان خواهم فشاند
بر مزعفر حلقه چی در دور نان خواهم فشاند
می نهم از شاخ ترخان زلف بر رویِ پنیر
می کشم از برگ نعنع و سمه بر ابرویِ نان

(بو اسحاق اطعمه)

ترخان (اسم خاص)، اقلیم ہفتم کی ایک سرزمین کا نام ہے۔

"الاقلیم السابع: این اقلیم که بقمر منسوب است و... از آنجا بیلاد یاجوج و ماجوج گذرد. پس بر بلاد کیماک و شمال بلاد خلخ و جنوب بلدان ترخان گذرد." (حبیب السیر ج۴ ص۲۵۹ تہران)

ترخان آباد: دہستان، شہرستانن سندج کے زراب کے علاقے میں اور امان کی ایک دیہه ہے۔ (فرہنگ جغرافیائی ایران ج۵)

ترخانی: ایک قوم کا نام ہے جو ایلات کرد میں سے ہے اور راوند کی حدود میں قیام پذیر ہے۔ (جغرافیائ سیاست کیہان ص۵۷)

ترخان، طرخان: لوگوں کے نام بھی تھے۔ مثلاً

۱– ابو نصر فارابی کے دادا کا نام ابو نصر مہر بن اوزلغ بن طرخان (عیون الانباء ج۲ ص۱۳۴

۲– محمد بن علی بن طرخان بن عبداللہ المشہور ابو عبداللہ بلخی متوفی رجب ۴۷۸ھ (معجم البلدان ج۱ ص۲۲۳ھ)

۳– محمد بن جعفر بن طرخان الاستر آبادی (جواہر المضیه ۲/۳۸)

۴- حکام بن طرخان بن نفی الحموی متوفی ۲۶۵ھ (جواہر ۲/۱۷۹)
۵- سلیمان بن طرخان، صوفی خیل ۴۳۰ھ (حلیہ ج ۳ ص ۲۷ قاہرہ)
۶- طرخان حکمران طالقان (البلدان یعقوبی لیدن ۳۰۰)
۷- امیر ترخان، شامرخ اور ابو سعید کے دور میں امیر (حبیب السیر ۴/۶۱۸)
۸- ترخان بیگم، سلطان احمد میرزا کی چھے بیگمات میں سے ایک کا نام تھا۔ (حبیب السیر ۴/۹۶)
۹- خدیجہ سلطان ترخان، سلطان ابراہیم خان کی بیگم یعنی سلطان محمد خان چہارم کی والدہ۔ (قاموس الاعلام ترکی ج ۳)
۱۰- مولانا ترخانی، سپاہی سیرت اور صورت میں اعلیٰ تھا۔
مولانا جامی کے مندرجہ ذیل مطلع پر یہ شعر کہا ہے:

ای ز مشکین طره ات بر هر دلی بندی دگر
رشتهٔ جان را به هر مویِ تو پیوندی دگر
مرغ دل پر کندم و از سینه بریان ساختم
تا کشم پیشِ سگت هر لحظه بر کندی دگر

(جامی مجالس النفائس ۴۱-۲۱۴)

ترخان لقب: یہ لقب چنگیز خان نے دو نوجوان بھائیوں کو دیا تھا، جنھوں نے اُسے اورنگ خان کے حملہ کی اطلاع وقت سے پہلے دے کر، ان کی جان بچالی، ورنہ بے خبری کی حالت میں اُس کی موت یا گرفتاری لازمی تھی۔ چنگیز خان نے ان دونوں کو نو پشتوں تک ترخان بنادیا۔

سنگلاخ (۱۵۵) کا قول ہے کہ ماوراء النہر خراسان کے خان ان دو بھائیوں کی نسل میں سے تھے۔

شیبک خان نے عبدالوہاب مغل کی پرورش کی اور انھیں منصب شعاولی دے کر ترخان بنادیا۔ (مجالس النفائس)

جہانکشائے جوینی میں ہے:... و کسک را ترخان کرده از اموال دو چندان فرمود.

تاریخ غازانی میں ہے:... واتفاقی را که دلالت امیر ایتقول کرده بود، و

آن جماعت را می شناخت، اورا ترخان فرمود و یرلیغ فرمود تا همواره به تفحص مشغول باشد... (تاریخ غازانی ص ۲۸۰)

امیر ایکوتمر کی اولاد کا ترخان ہونا، ان صفحات میں مذکور ہے:

ہندوستان کے مغل بادشاہ اکبر اعظم نے نور الدین محمد کو ترخان کا لقب دیا، جس پر انھوں نے یہ شعر کہا:

که غیر از خان خشکی می نماند
ز ترخانی تری گردد چو حاصل

غالباً تاریخ میں یہ آخری شخص تھا، جن کو ترخان لقب حاصل ہوا۔

ترخان امراء کی خونریزی: تیموری سلطان میرزا ابوالقاسم بابر کے انتقال کے بعد (۸۶۱ھ) میرزا جلال الدین شاہ محمود اور میرزا سلطان ابراہیم کے درمیان تخت و تاج کے معاملے پر اختلاف پیدا ہوا۔ اسی سلسلے میں متعدد معرکے اور مجادلے ہوئے، اس جنگ کے شروع ہونے سے پہلے شاہ محمود کے وزیر مختار امیر شیر حاجی نے ہرات کے ترخان امراء کو سلطان ابراہیم کا طرفدار سمجھ کر ۳۰ جمادی الآخر ۸۶۱ھ میں ہرات کے باغ زاغان میں دھوکے سے قتل کروایا۔ یہ بڑی تباہی تھی، جس نے ترخان قبیلے کو عظیم نقصان پہنچایا اور بہت سے بے مثل بہادر اور امیر کبیر قتل ہو گئے۔ مثلاً امیر اویس ترخان اور ان کا صاحبزادہ یوسف ترخان، امیر محمد ترخان، امیر خسرو ترخان، امیر نظام الدین احمد ترخان (جن کے بھائی سلطان حسین تون کے حاکم تھے) وغیرہ۔

اس کارزار میں امیر اویس ترخان نے امیر شیر حاجی کو پیٹ میں چھرا گھونپ کر زخمی کردیا۔ امیر غیاث الدین محمد ترخان اور مولانا احمد یساول اس مقتل سے بچ کر سلطان ابراہیم میرزا کے ہاں پہنچے۔ جنھوں نے ان کا دردناک ماجرا سن کر ہرات پر لشکر کشی کی اور سات رجب صبح سویرے ہرات کے باغ مختار پہنچ کر سلطنت پر قبضہ کیا۔ سلطان محمود مشہد کی طرف بھاگ گیا اور امیر شیر حاجی حصار نیرہ تو کی طرف گم ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد سلطان ابراہیم نے شاہ محمود پر

دوبارہ حملہ کیا۔ اس جنگ میں امیر نظام الدین احمد ترخان اور ان کے بھائی یعقوب ترخان نے شدید انتقامی جذبے کے سبب زوردار جنگ کی۔ محمود بمشکل جان بچا کر فرار ہو گیا۔ (مطلع السعدین ۱۱۲۳-۱۱۳۹)

سندھ کے ترخان انھی امراء میں سے کسی کی اولاد یا خاندان سے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ امیر حسن بصری کا بھی یہی دور تھا۔

(ترخان لفظ کے سلسلے میں لغت نامہ دہ خدا ملاحظہ ہو۔ ان کے علاوہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی کا مخزن ۱۹۱۷ (۸۳۴) ۱۹۱۸ء (۱۲۳-۱۲۲) اور (۳۱۶-۳۱۴) بیورج اور دوسرے محققوں کے اس موضوع پر مقالات بہت دلچسپ ہیں۔

(۴) محمد صالح اوّل:

ان کا احوال ان کے قبر کا کتبہ اور قبر کا نقشہ متن میں دیا گیا ہے۔

(۵) باقی اور جان بابا کے معرکے:

محمد صالح، میرزا عیسیٰ کے ولی عہد تھے۔ فوت ہونے کے بعد میرزا عیسیٰ نے جان بابا کو اپنا وارث بنایا۔ وہ جب فوت ہوئے تو میرزا باقی نے تخت پر قبضہ کیا۔ چنانچہ جان بابا اور باقی کے مابین متعدد معرکے ہوئے۔ پے در پے شکستوں کے بعد میرزا جان بابا مایوس ہو کر گوشہ نشیں ہو گئے۔ میرزا باقی نے سید علی کے توسط سے جان بابا سے مصالحت کرکے اُنھیں ٹھٹہ بلوایا اور دھوکہ دہی سے اُنھیں اور ان کے حامیوں کو قتل کروا دیا۔ ان مقابلوں کا تفصیلی احوال تاریخ طاہری اور بیگلارنامہ میں ملاحظہ ہو۔

(۶) میرزا باقی کے مظالم:

ترخان نامہ کے مصنف نے میرزا باقی کے مظالم کی کئی مثالی دی ہیں۔ اُس کا سارا وقت اپنے خاندان کی بیخ کنی میں گذرا۔ اُس کی یہ کوشش رہی کہ ترخان خاندان کا کوئی فرد باقی نہ رہے، جو تخت کا دعوے دار بنے۔ چنانچہ اُس نے کئی افراد قتل کروائے اور بہت سے ہندوستان بھاگ گئے۔ اُس کا یہ سلوک نہ صرف اپنوں کے ساتھ تھا، بلکہ بربریت اور شقاوت اُس کی فطرت میں تھی، اس لیے جو سامنے آیا، اس کو قتل کروایا۔ اس حد تک لوگوں کا قتل عام کیا کہ اسی وحشت میں خود بھی دیوانہ ہو گیا اور ایک دن

اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی کے بعد سندھ کے لوگوں نے سکھ کی سانس لی۔ ترخان نامے کا مؤلف رقم طراز ہے: سندھ کے لوگ میر باقی کے دور میں ایک رات بھی چین کی نیند نہیں سوئے تھے۔ "مردم ولایت سند...... ہرگز شبی از ترس میرزا محمد باقی بفراغت نرفته بود." (۱) اس کے ظلم کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سید علی ثانی ٹھٹوی کے ذریعے قرآن شریف درمیان میں رکھ کر صلح کی۔ (۲) اپنے بھنوئی یادگار مسکین ترخان سے بھی اس وقت اور اس طرح صلح کی۔ صلح کے بعد جب راہ و رسم شروع ہوئی تو کسی کام کے بہانے ان دونوں کو اپنے ہاں بلواکر قتل کروادیا۔

(ب) اُس کے پاس ہوتھی اور نوتھی نامی دو جلاد تھے، ایک دن ان کو حکم دیا کہ یادگار میرزا کی بیگم بیگہ بیگی آغا اور اُس کے دو صغیر بیٹوں کو قتل کردیں۔ چنانچہ اُنھوں نے رات کی تاریکی میں ان تینوں کو قتل کردیا۔

(ج) میرزا غالب اُس کے بھتیجے تھے، اپنی بیٹی سے اس کی منگنی کروائی۔ ایک دن اُنھیں جاگیر کا پروانہ دینے کے بہانے اپنے ہاں بلوایا، پیشانی کو چوما اور کمرے کے اندر بھیج دیا تاکہ وہ وہاں سے جاگیر کے کاغذات دیکھ لے۔ ہوتھی اور نوتھی پہلے سے منتظر تھے، اُنھوں نے ان کو آتے ہی قتل کردیا۔ اس کے بعد نہ صرف ان کا مال و دولت لوٹا گیا، بلکہ ان کی معصوم بہن اور دادی کو قید کرواکر طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔

(د) میرزا جوہر اُس کے بھائی تھے۔ ملا جان محمد، جو میرزا باقی کی بیگم کے معلم تھے، وہ اُس کے پڑوس میں رہتے تھے۔ میرزا باقی کے اشارے پر ایک دن میرزا جوہر پر الزام لگایا کہ اُس کے ان کی بیٹی سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اس الزام کے بعد میرزا نے اُنھیں قید کروایا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ ان کو بھی قتل کروادے، لیکن وہ کسی ترکیب سے جیل سے بھاگ کر روپوش ہوگیا۔ میرزا باقی نے ان کو پکڑواکر قتل کروادیا۔ (۳)

(ھ) میرزا ناصر ایسے ظلم، قاتل اور خونریزیاں دیکھ کر، بیماری کا بہانہ کرکے صاحب فراش ہوگئے۔ قتل سے بچنے کی خاطر اس نے اپنے آپ کو گونگا لنگڑا بناکر اپنے آپ کو معذور کردیا۔ اگر پلنگ پر بیٹھتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کا سہارا لیتے تھے۔ یہ اگرچہ ایک بہانہ تھا، لیکن اس کو ایسا نبھایا کہ لوگوں نے سچ مچ ان کو معذور سمجھا۔ میرزا باقی نے خود آکر دیکھا، دو آدمیوں نے اُنھیں سہارا دے کر کھڑا کیا، پھر جب بیٹھے تو ایک طرف گرگئے۔ جب تک میرزا باقی زندہ تھے، وہ بڑی ہوشیاری سے یہ ڈرامہ کرتے رہے، اس لیے وہ زندہ بچ گئے۔

(و) ان کا بھتیجا شاہ بابا، جان بچاکر ہندوستان چلا گیا۔ سندھ کی حکومت کے خاتمے کے بعد، جب میرزا جانی ہندوستان گئے، اس وقت ان کو واپس ٹھٹہ روانہ کیا۔

(ز) میرزا عیسیٰ ثانی، میرزا باقی کی زندگی کا سارا عرصہ اپنے ننھیال میں چھپا رہا۔ باقی کے انتقال کے بعد اُسے جانی بیگ اپنے وطن لے آئے۔

(ح) حاجی ماہ بیگم، جو شاہ حسن ارغون اور ان کے بعد میرزا باقی کے والد میرزا عیسیٰ کی بیگم بنی، اُن کو قید کروایا جو فاقہ کشی میں مر گئی۔

(ط) پورانی خاندان کا ایک جید عالم اور پاک باز بزرگ میرک عبدالرحمن ایک دن عید کی نماز پڑھ کر واپس گھر کی طرف آرہے تھے، ان کو راستے ہی میں قتل کروادیا۔(۴) اس شریف آدمی پر شراب نوشی کا جھوٹا الزام لگایا گیا۔(۵) معصومی کا قول ہے کہ عیدالفطر کے دن اُنھیں شہادت کا جام نوش کروایا گیا۔ میرک شہید کی قبر مکلی میں پورانی سادات کے قبرستان میں ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

میرک چو شہید شد، بگفتم باخامہ، کہ: سال آن نوشتی؟
گفتا کہ: نوشتم و بر آمد تاریخ زمیرک بهشتی
(۹۸۷ھ)

(ی) ٹھٹہ کے مشہور معزز خلیفہ عبدالوہاب عباسی کو، خلیل مہر دار

کے ذریعے قتل کروایا۔ خلیفہ کے صاحب زادے محمد صادق نے جوش میں آکر خلیل پر حملہ کیا اور اُس کی ناک کاٹ دی۔ خلیل مہر دار پوری زندگی چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ کر اپنا عیب چھپاتا رہا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اُس نے ملتانی مٹی کی ناک بنوا کر چہرے پر لگادی تھی۔(٦)

(ک) آخر خلیفہ محمد صادق کو بھی قتل کیا گیا اور ان کے دوسرے بھائی محمد ہاشم نے دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی۔ (٧)

(ل) ٹھٹہ کے مشہور درویش اور خدا رسیدہ بزرگ، بھر کیو لنگ بھی میرزا باقی کے حکم سے شہید ہوئے۔ (٨)

یہ وہ مقتول اور شہید ہیں، جو مؤرخین کے لیے قابل ذکر تھے، ورنہ میرزا باقی کے حکم پر ایسے سیکڑوں خدا کے بندے بے گناہ قتل کئے گئے۔ روزانہ قتل کا بازار گرم رہتا تھا۔ یہ ان کا روز کا معمول اور مشغلہ تھا۔ کسی کی ناک، کسی کا ہاتھ، کسی کا بازو، کسی کی گردن روزانہ کاٹے جاتے تھے۔ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے دے کر مروانا اُس کا پسندیدہ شغل تھا۔(٩) جب میرزا شاہ رخ کا انتقال ہوا، اس وقت قلعے میں قیام پذیر سب عورتوں کی چھاتیاں کٹوا کر ان کی شلواروں کے اندر زندہ بلیاں چھوڑ دیں۔ شلوار کے اندر بلیاں ڈالنے کی اصطلاح اور تڑی اسی منحوس اور غیر انسانی کارروائی کی سندھ میں یادگار ہے۔

ایک دفعہ ٹھٹہ کے سیکڑوں طلباء و علماء کو شہر سے باہر نکوالر کر ایک گڑھا کھود کر اس میں بٹھادیا اور ان کے اوپر پہرہ بٹھادیا۔ ان بے گناہوں پر یہ الزام تھا کہ وہ جادو کے ذریعے میرزا کو ختم کریں گے۔ سید جلال جیسے بزرگ کو بھی شہر بدر کروا دیا تھا۔ (١٠)

اس حد تک وہ شکی مزاج اور شقی القلب تھے کہ جو آدمی باہر سے آتا تھا۔ اس کے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا۔ اگر ان پر ذرا بھی شک ہوتا تو ان کو قتل کروادیتا تھا۔ مرادیو نامی ایک ملاح اس کام پر مامور تھا، میرزا جس کو ختم کرنا چاہتا، وہ اُس کو سیر کے بہانے کشتی میں بٹھا کر دریا کے بیچ پھینک دیتا۔ (١١)

ترخان نامه کا مؤلف ان مظالم کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ:
"از ممر تظلمهای او، مردم اهالی و موالی و سپاه رعیت و جمهور سکنه ولایت تته، به تنگ آمده، نه شب قرار و نه روز آرام بود۔" (۱۲)

اس دور کے متعدد شعراء نے میرزا کی ہجو لکھی، جن کے کچھ اشعار محفوظ رہ گئے۔ مثلاً 'رنگین' فرماتے ہیں:

در زمانِ میرزا باقی نماند
امتیازِ نیکؔ و بد، اندر جهان
قدر دولت را ندانست، تا که شد
شیر کاسه لیس با جمعی سگان
(مقالات ۲۵۷)

غضنفر بیگ کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

نمود آوراه ام میرزایِ باقی
نیاساید دمی برجایِ غازی
ز حق است عنقریب این آرزویم
که گوشم بشنود: ای های باقی!
(مقالات ۲۶۸)

میرزا باقی کے بعد، جب میرزا پائندہ بیگ اور ان کے صاحب زادے جانی بیگ مسند نشین ہوئے، اس وقت 'فراقی' نے کہا:

بزرگانِ زمانِ شاه باقی
ندانستند احوالِ فراقی
کنون، پاینده چشمِ مهربانی
همی دارم من از یاران جانی
(مقالات ۴۹۴)

(۷) میرزا رستم قندھاری:

رستم میرزا کے والد کا نام سلطان حسین میرزا (متوفی ۹۸۴ھ) تھا، جو بہرام میرزا بن شاہ اسماعیل کبیر (۸۹۲-۹۰۷-۹۳۰) صفوی کے صاحب زادے تھے۔ میرزا رستم ایران کے شاہنشاہ شاہ عباس کبیر کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی رشتے داری کا سلسلہ یوں ہے:
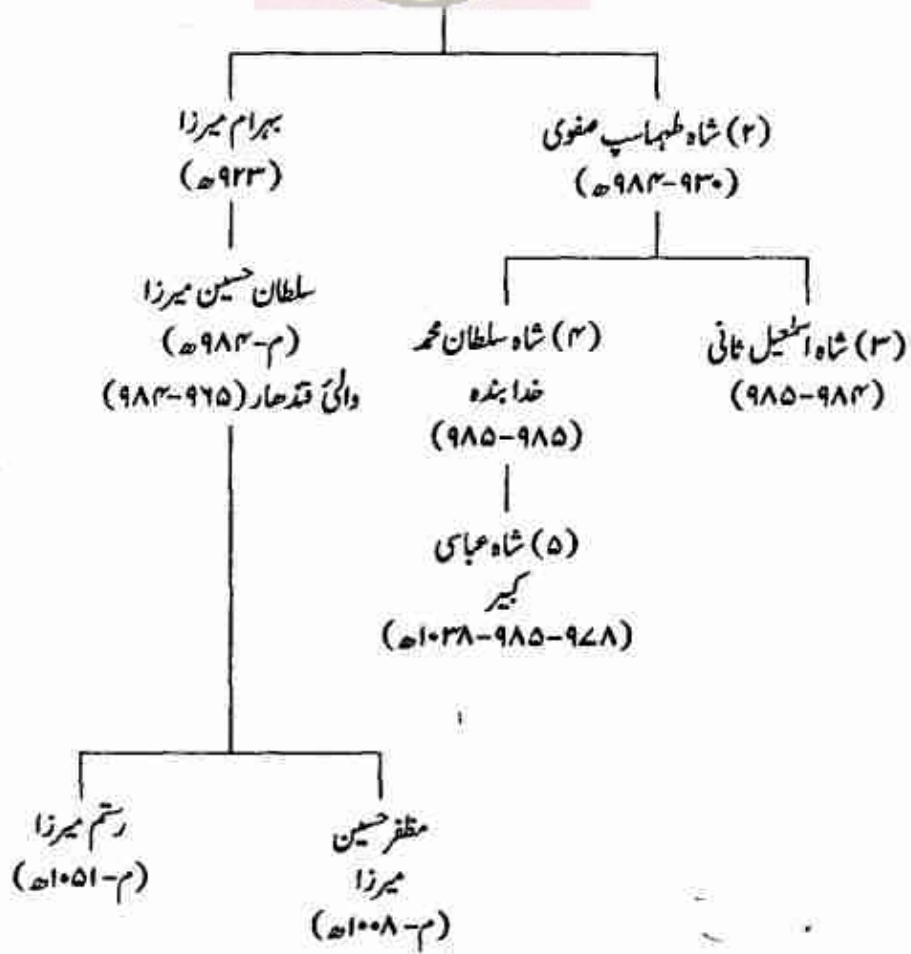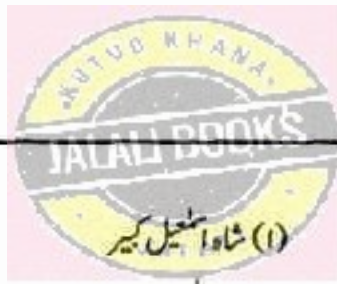
رستم میرزا اور مظفر حسین میرزا اپنے خاندانی نزاع کے سبب یکے بعد دیگرے ہندوستان چلے گئے اور وہاں اکبر کے امراء میں شامل ہوئے۔ رستم میرزا ۱۰۰۱ھ میں وارد ہوئے اور ان کے بڑے بھائی ۱۰۰۳ھ کو پہنچے۔

رستم میرزا، غازی بیگ کی وفات کے بعد صوبے دار بن کر ۱۰ محرم ۱۰۲۲ھ ٹھٹہ پہنچے۔ مزاج میں درشتی، ناتجربہ کاری اور خاندانی غرور کے سبب ٹھٹہ میں قیام کے دوران وہاں کے لوگوں پر غیر معمولی سختیاں کیں، اس لیے جہانگیر نے اُنھیں معزول کردیا اور واپس ہندوستان بلالیا۔

ان کے بعد میر ابوالقاسم نمکین کے داماد تاش بیگ مخاطب بہ تاج خان، جو سکھر کے فوج دار تھے، اُنھیں وہاں سے تبادلہ کر کے ٹھٹہ لایا گیا،

جس نے ٹھٹہ آکر چارج سنبھالا۔ (رستم میرزا کا مفصل احوال تحفۃ الکرام (فارسی) کے حواشی میں دیا جائے گا) میرزا رستم ربیع الاول ۱۰۲۳ھ (۲۶ اردی بہشت) اجمیر میں جہاں گیر کے ہاں پہنچے۔ اُنھیں ٹھٹہ سے لانے کے لیے ایک امیر کو روانہ کیا گیا تھا۔ جہانگیر ۵ شوال ۱۰۲۲ھ سے اجمیر میں منزل انداز تھے۔

(۸) عبدالرزاق معموری:

میر عبدالرزاق معموری نے عبدالعلی اور دوسرے ترخان لوگوں کو (سنہ ۱۰۲۳ھ جمعرات ۸ جلوس جہانگیری) لے کر اجمیر میں جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اس کامیابی پر بقول صاحب ترخان نامہ، اُنھیں مظفر خان کے خطاب سے نوازا۔ اسی مؤلف کا بیان ہے کہ جہانگیر نے عبدالعلی اور خسرو چرکس کو قید کروایا۔ خسرو جیل میں فوت ہوا(؟) کچھ عرصے کے بعد نور جہاں کی سفارش پر عبدالعلی کو رہا کرکے آصف خان کے حوالے کیا۔ وہ جب جوان ہوا تو اُس کے لیے جزوی روزینہ مقرر کیا گیا۔ ترخان نامہ کے مؤلف رقم طراز ہیں: "عبدالعلی کا ۱۰۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ اُس کی قبر کا کتبہ دیا گیا ہے، جس کے مطابق اُس کی وفات کی تاریخ ۹ رجب ۱۰۴۰ھ ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ میرزا عبدالعلی ہندوستان میں فوت ہوا اور وہاں سے اُس کی لاش لاکر، اُسے ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ذخیرۃ الخوانین کے مصنف نے اُس کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ جب میرزا خسرو عبدالعلی کو تخت نشین کررہے تھے، اس وقت ایک درویش نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خسرو سے کہا کہ آپ اُس معصوم کو کیوں یہ ذمے داری سونپ رہے ہیں؟ یہ چار دن کے لیے تخت نشین ہوں گے اور پھر عمر بھر جیل میں پڑے رہیں گے۔ "چرا این جوان بیگناہ را، برایِ سرداریِ چند روزہ محبوس مخلد می گردانی." (ص۲۱۸) شیخ بکھری نے لکھا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوا۔ "از آن تاریخ تا حال محبوس است."

اگرچہ دوسرے سلاسل میں شیخ فرید کا 'تا حال' کا مطلب غالباً ۱۰۶۰ھ ہے، لیکن اس معاملے میں ۱۰۴۰ھ سے پہلے کا زمانہ سمجھنا چاہیے۔

میر عبدالرزاق مظفر خان معموی ۱۰۲۱ھ میں ٹھٹہ کے بخشی مقرر ہوئے۔ ۱۰۲۲ھ میں عبدالعلی اور ان کے ساتھیوں کو دربار میں لے گئے۔ ۱۰۲۴ھ میں ٹھٹہ کے گدا بازار میں جامع مسجد تعمیر کروائی، جو اس وقت 'مسجد خضری' کے نام سے موجود ہے اور اُس کی محراب پر ان کے نام کا کتبہ موجود ہے۔ (۱۳)

۱۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ شمشیر خان اوزبک ٹھٹہ کا صوبے دار مقرر ہوا۔ یہ فرمان جہانگیر نے اجمیر کی منزل سے جاری کیا۔ رجب ۱۰۲۷ھ کو میر عبدالرزاق احمد آباد کی منزل پر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ ایک سو مہر طلائی، ایک سو روپیے اور ایک لاکھ روپے کے زر و جواہر اور اسلحہ بطور نذرانہ پیش کیے۔ ۳ یا ۴ رمضان ۱۰۲۷ھ شاہنشاہ نے اُسے خلعت اور ہاتھی بطور انعام دے کر اسی طرح ٹھٹہ پر بحال رکھا۔ (جمعرات ۳۱ ماہ مر داد) ربیع الثانی ۱۰۳۰ھ مظفر خان میر عبدالرزاق معموری ٹھٹہ کی صوبے داری سے تبدیل ہو کر آگرہ پہنچا۔ (۲۰ ماہ اسفند یار)

(۹) رادھن پور:

شمالی گجرات اور کچھ کا یہ مرکزی شہر انگریزوں کے عہد میں بمبئی کے صوبے سے ملحق تھا، یہ شہر پٹن کے ریلوے اسٹیشن سے ۳۴ میل دور ہے۔ (امپیریل گزیٹر ج ۲۲ ص ۱۸-۱۹)

(۱۰) سنبھل:

ضلع مراد آباد (اتر پردیش) تعلقہ کا صدر مقام ہے، جو مراد آباد سے ۲۳ میل جنوب مغرب میں ایک قدیم شہر ہے۔ پرتھوی راج نے جے چند کو اسی مقام پر شکست دی تھی۔ ہمایوں کچھ عرصے باہر کی طرف سے سنبھل کے گورنر رہے۔ (امپیریل گزیٹر ج ۲۲ ص ۱۸-۱۹)

(۱۱) سید محمد یوسف رضوی بکھری:

سید محمد یوسف ولد میر محمد جادم، نسب کے لحاظ سے رضوی سادات میں سے تھے۔ ان کے آباو اجداد ایران سے ہجرت کرکے سندھ آئے اور بکھر کو الوداع کہہ کر ٹھٹہ میں مقیم ہوئے۔

ٹھٹہ میں سید مبارک کے ذریعے سلوک کی منازل طے کیں۔ سید مبارک سید میران محمد جونپوری کے مرید (۱۴) میاں دانیال ٹھٹوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

(۱۲) سید محمد یوسف:

سید مبارک سے بیعت کرنے کے بعد ٹھٹہ کو خیر باد کہہ کر رات دن مکلی پر ریاضت میں مشغول رہے، مکلی میں اس مقام پر قیام پزیر ہوئے، جہاں سید میران محمد جون پوری نے قیام کیا تھا اور انتقال کے بعد اسی جگہ دفن ہوئے۔

میر محمد یوسف رضوی نے فارسی زبان میں بھی شعر کہا ہے۔ میر علی شیر قانع نے اپنی کسی بھی کتاب میں اس طرف اشارہ نہیں کیا، لیکن تکملہ مقالات شعراء کے مؤلف مخدوم ابراہیم خلیل نے ان کی ایک رباعی دیتے ہوئے لکھا ہے:

"الحمد للہ که به فقیر یك رباعی آنجناب، مسرت بخش شده.
به تحریر آن چهار گهر گوشِ شایقان را زینت بخشم."

رباعی یہ ہے:

هر که توجه، به در حق کند
توسنِ افلاك شود رام او
گرچه جهان جمله شود دشمنش
کج نکند موی ز اندام او (۱۵)

مہدوی نسبت: سید میران محمد جون پوری کے طریقے میں داخل ہونے کے بعد یہ خاندان مہدوی نسبت سے مشہور ہوا اور آج تک اس خاندان کو رضوی، مہدوی کہا جاتا ہے۔ سید یوسف کے مندرجہ ذیل دو عزیز ان کی زندگی میں ٹھٹہ آئے:

پیر پردیہی:

سید محمد یوسف نے ٹھٹہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد عباسی قاضی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی، جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ سید صاحب تنہا بکھر سے ٹھٹہ پہنچے تھے، ان کا دوسرا قبیلہ بکھر میں قیام پذیر تھا۔ جب ان کی بیٹی جوان ہوئی تو اپنے بھتیجے سید اسحاق بن سید کمال الدین کو بکھر سے ٹھٹہ لے آئے اور اپنی بیٹی اُس کے نکاح میں دے دی۔

یہ سید اسحاق ان کی فیض صحبت کے سبب اپنے دور کے صاحب دل انسان تھے۔ پیر پردیہی (پردیسی) کے لقب سے غالباً اس لیے مشہور

ہوئے کہ باہر سے ٹھٹہ آئے تھے۔ ان کا مزار محمد یوسف کے پہلو میں ہے۔ ٹھٹہ کے رضوی مہدوی سادات اس بزرگ کی اولاد ہیں۔ (۱۶)

سید عبدالرزاق: سید محمد یوسف کے بھائی تھے، جو اس کے دور میں بکھر سے ہجرت کرکے ٹھٹہ میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کو روحانیت میں کمال حاصل تھا۔ وفات کے بعد قاضی عبداللہ کے احاطے میں شیخ حماد جمالی کی پشت میں مغرب کی جانب دفن ہوئے۔

چند اہل کمال:

ٹھٹہ کے اس مہدوی رضوی سادات کے خاندان میں بہت سے اہل کمال پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے مختلف اوصاف کے سبب شہرت حاصل کی۔ در حقیقت یہ گھرانہ غیر معمولی ذہین افراد کا مجموعہ ثابت ہوا۔ شاعر، مصنف، امیر اور اہل دل درویش، الغرض دسویں صدی ہجری سے لے کر تیرہویں صدی کے آخر تک اس خانوادے نے کئی مشاہیر سندھ کو دیے، بلکہ چودہویں صدی کی ابتداء تک یہ خاندان اہل کمال سے خالی نہ رہا۔ ذیل میں چند مشہور بزرگوں کا احوال پیش کیا جارہا ہے۔

سید کمال الدین احمد خان:

بن سید عنایت اللہ، سید محمد یوسف کے نواسے اور ٹھٹہ کے مشہور انشا نویس فاضل خان (۱۷) کے داماد تھے۔ وہ صاحب طرز شاعر اور نثر نویس تھے۔ اصطلاحات رضویہ، شرح دیوان حافظ ان کی دو فارسی تصنیفات ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۳۲ھ میں ہوا۔ شیخ محمد رضا نے ان کی وفات کی تاریخ کمال داغ بدل سے نکال ہے۔(۱۸)

کمال الدین کی مدح میں ان کے معاصر شاعر عبدالحکیم عطا ٹھٹوی نے متعدد قصائد نظم کیے، جن میں سے فقط ایک نامکمل قصیدہ دستیاب ہوا ہے۔ قصیدہ موشح ہے۔ شروع کے نو مصرعوں کے ابتدائی الفاظ کو جوڑا جائے گا تو کمال الدین کا نام نمایاں ہوگا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

که اسم تست ز ربطِ همیں نه مصراعی
زهی کمال اسم است بامسمیٰ را (۱۹)

میر مرتضیٰ الہام:

بن سید کمال الدین عربی اور فارسی کے جید عالم اور ادیب تھے۔

مرزا صائب (۱۰۱۰-۱۰۸۱ھ) کے شاگرد آقا تعظیماقمی نے ہندوستان جاتے ہوئے جب دو سال کے لیے ٹھٹہ میں قیام کیا، تو اس وقت سید موصوف کے شعر و سخن کی شہر میں بڑی شہرت تھی۔ آقا تعظیما ان کی شہرت سُن کر ان سے ملنے گئے اور ان کے کلام سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی شاعری کو الہامی شاعری کہا۔ اسی دن ان کا تخلص الہام تجویز کیا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد (۱۱۱۸ھ) دہلی پہنچ کر اپنے نانا فاضل خان کی جگہ اور منصب حاصل کر کے وہیں قیام پذیر ہوئے۔ ان کا انتقال عین جوانی میں (۱۱۲۶ھ) ہوا۔ مقالات کے مؤلف نے لکھا ہے کہ وہ بے حد خوبصورت بلکہ یوسف ثانی تھا۔ میر قانع نے ان کی وفات "فاولئك علیھم صلوات من ربه" سے نکالی ہے۔ (۲۰)

میر محمد شفیع ہمت:

ولد سید یار محمد ۱۱۲۵ھ سے ۱۱۲۷ھ تک ٹھٹہ کے گورنر رہے۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ تخلص ہمت تھا۔ لطف علی خان اور شجاعت علی خان کے صوبے داری کے دور میں اُنھیں دہلی کی حکومت سے خطاب ملا۔ (۲۱) مقالات میں مندرج ہے کہ شہر میں ان کی شان و شوکت کے مقابل کوئی اور آدمی نہ تھا۔ (۲۲)

سید نے اپنے دو صاحبزادوں غضنفر علی اور ذوالفقار علی خان متخلص به شیدا کے لیے طلسم سعادت نامی کتاب فارسی میں لکھی، جس کا ایک نامکمل نسخہ سندھی ادبی بورڈ میں موجود ہے۔ اس کتاب میں باب اول مکمل ہے۔ جبکہ دوسرے باب کے فقط چار صفحات موجود ہیں۔ یہ نسخہ مصنف کے اپنے کتب خانے کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کے ساتھ شوکت بخارائی کا دیوان ہے، جس کے آخر میں کتابت کی تاریخ ۲ صفر ۱۱۴۳ھ ہے یعنی سید کی وفات سے کم و بیش ایک سال قبل لکھی گئی۔ طلسم سعادت میں ایک مقدمہ بارہ ابواب اور ایک خاتمہ ہے ذیل میں مقدمے کا کچھ حصہ اور کتاب کے مضامین کی فہرست دی جاتی ہے، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ کتاب کا موضوع اخلاقیات ہے۔
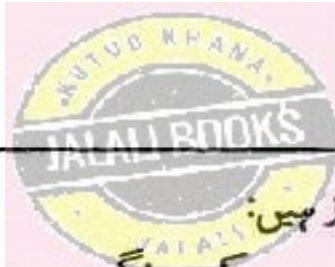
مقدمے میں رقم طراز ہیں:

”سبب تالیف این ست که، رنگ روی بهار خوشدلی نور چشم غضنفر علی و گرامی فرزند سعادت مند ازلی ذوالفقار علی– که اولین پا به مرحله نهم دارد، و دومین به پنجم– به کمال آرزو خواستند که رسالۂ به زبان فارسی که نعم البدل بازی تواند شد، به تحریر آورم. ناگزیر نظر به پاس خاطر این دو عزیز، کلپتره چند از زبان قلم، گل کرده بر صفحۂ کاغذ می کشم.“

کتاب کے مضامین کی فہرست کچھ اس طرح ہے:

باب اوّل: در اخلاق و عادات و علوی رتبۂ انبیا و اوصیا

فصل اوّل: در عالی فطرتی و فراخ مشربی و شکیبایی انبیاء و اوصیاء در مقام ابتلاء، و وا سپردن خود را در رضا

فصل دوم: در محبتِ خیر الانبیاء و آل آن برگزیده اصفیا و شفعاء روز جزاء، و قربِ کمال ایشان در بارگاه خداء، عز اسمه جل قدره

فصل سوم: در صبر و شکر و معراج خیر الانبیاء، و اجر محبت آن زبدۂ اصفیاء، و جزاء اعداء این گروه پسندیدۂ خدا جل شانه، و پستی مرتبۂ دنیا و عدم جمع آن با آخرت (حکایت قصه بلوهر حکیم و بوزاسف پادشاهزاده)

باب دوم: در توکل و تجرد انبیا و اوصیا و درویشان تجرد متبع پیروِ این، متضمن ست بر دو فصول

فصل اوّل: (؟)

باب سوم: در انزوا بسرمایۂ دانش و آگاهی

باب چهارم: در آداب صحبت و فوائد سیاحی

باب پنجم: در لطف خموشی و آگهی از مراتب درویشی

باب ششم: در ضوابط دستور پادشاهی و سیرت پادشاهان

باب هفتم: در عفو و عدم انتقام و طور معاش والامنشان در جوش بهار عشق و جوانی
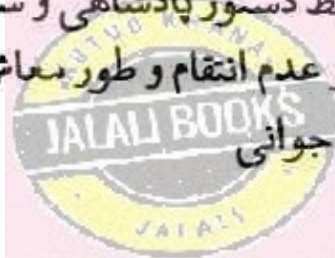
باب نهم:	در پیری و تجربه کاری و کمالاتِ انسانی.
باب دهم:	در ترک دنیا و تجرید از ماسواء و وحشت از بیگانه و آشنا.
باب یازدهم:	در احترام سادات عالی درجات و محبت عرفاء و علماءِ راه نما
باب دوازدهم:	در طرز شناسی آداب معاشی با ذرات کائنات و پاسداری انفاس لیل و نهار در تحصیل مراتبِ یقین
فصل دوم:	(؟)
خاتمه:	(؟)

سید موصوف کے وفات ۱۱۴۴ھ میں ہوئی۔ محسن ٹھٹوی نے "ادخله فی الجنات بلا حساب" سے نکالی ہے۔

لطف علی خان ہمت جس وقت ٹھٹہ کے صوبے دار تھے، اس وقت ان کے معاصر شاعر ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹوی نے متعدد قصائد منظوم کیے۔ ذیل میں ان قصائد کے چند اشعار دیے جاتے ہیں، جو ان کے دیوان میں ناقص شایع ہوئے ہیں:

(۱) امیر لطف علی خان، مهدی الاوصاف
خوشا امیر ز پیرانِ دستگیران است

دوسرے قصیدے کا شعر ہے:

(۲) امیر لطف علی خان که والیِ وطن است
. . . خیابان بهار گل چمن است

(مقدمه ص۴۸)

لطف علی خان اور عطر خان کے درمیان ٹھٹہ کی نوابی کے معاملے پر ۱۱۲۷ھ میں معرکہ ہوا۔ نو مہینے تک محاصرہ رہا۔ ایک شعر میں اُنھوں نے اس محاصرے کا ذکر یوں کیا ہے:

گذشته مدت نُه ماه، در تحصن شهر
خزیده در کوِخوف انتهای خود رفتند

(مقدمه ص۴۹)

افسوس که یه تاریخی قصیده بهی دوسرے قصائد کی طرح ناقص ہے۔
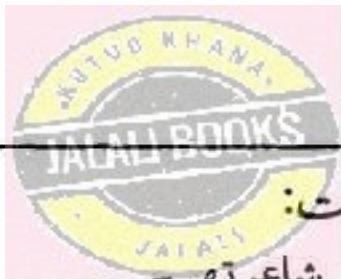
رفعت علی شاہ رفعت:

یہ فارسی زبان کے شاعر تھے۔

عسکر علی شاہ علی:

فارسی میں شعر کہتے تھے۔

موٹیل شاہ کمتر:

فارسی کے مرثیہ گو شاعر تھے۔ اس گھرانے کے افراد آخری زمانے میں شیعہ ہو گئے، اس لیے ان کے کلام میں مرثیے کا رنگ غالب ہو گیا۔

سید موٹیل شاہ کا سارا کلام منقبت اور مراثی پر مشتمل ہے۔ خلفائے راشدین کے خلاف ان کے اشعار دیکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ کمتر محمد ابراہیم خلیل کے دوست تھے۔ آپس میں شعر و شاعری کے ذریعے سوال جواب کرتے تھے۔ موٹیل شاہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن بڑے ذہین آدمی تھے۔ عین عنفوان شباب میں ۱۲۹۳ھ کے بعد انتقال کیا۔(۲۳)

امام بخش فدوی:

سندھی زبان کے شاعر تھے۔ مخدوم خلیل سے مراسم تھے۔ فارسی میں ایک آدھ شعر کہہ لیتے تھے، لیکن اُنھیں اپنی فارسی شاعری پر اطمینان اور اعتماد نہیں تھا۔ سندھی میں غزلیات کے علاوہ متعدد داستانیں منظوم کیں۔ مرتضائی کے استاد تھے۔ ۱۳۰۸ھ سے ایک آدھ سال پہلے وفات پائی۔ (۲۴)

روشن علی شاہ روشن:

بن سید ذوالفقار علی شاہ رضوی خوش نویس اور شاعر تھے۔ پہلے روشن تخلص کرتے تھے، بعد میں رضوی تخلص اختیار کیا، ان کے صاحبزادے میر مرتضائی نے یوسف زلیخا میں شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

روشن علی شاہ کربلائی بن حاجی سید ذوالفقار شاہ بن روشن علی شاہ (میر کمال الدین احمد خان کے نواسے) بن سید محمد افضل بن سید عبدالملک بن سید عبدالرحمن بن سید حمزہ بن سید اسحاق عرف پیر پردیہی (سید محمد یوسف رضوی سہدوی کے بھتیجے اور داماد) بن سید کمال الدین بن سید جادو بن سید رکن الدین بن سید مرید شہید (بڑے دادا

شاہ عنایت شہید کے مرید سید میر جان اللہ شاہ رضوی 'میر' روہڑی والے کے) بن سید شیخ (؟) بن سید موسیٰ بن سید علاؤ الدین بن سید صدر الدین خطیب بکھری (۱۰ رجب ۷۰۹ – محرم ۷۲۹ھ)

سید صدر الدین کے بعد کا شجرہ یوں ہے: بن قطب الاقطاب سید محمد مکی بکھری (متوفی ۶۹۱ھ – شیخ شہاب الدین سہروردی کے داماد – مدفن سکھر) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ الکرام، معیار سالکان طریقت، منبع الانساب، تذکرۃ السادات شیخ محمد اکبر آبادی، شجرہ سادات مکی از قنبر علی شاہ رضوی، سلسلۃ الانسباب، سید لطف اللہ کروی، عمدۃ الطالب، ریاض الانساب، نزہۃ الخواطر بن سید محمد شجاع (مدفن مقبرہ امام رضا مشہد) بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفر اصغر بن سید حمزہ بن سید ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید ابوالحسن علی المختار بن سید جعفر الکذاب بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن حضرت جعفر صادق بن امام باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن حضرت سیدنا علی بن ابی طالب۔

سید روشن علی شاہ انگریزوں کے دور میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ جھرک ضلع ٹھٹہ میں تحصیل دار تھے، کراچی کے کلکٹر کے منشی اور سول کورٹ میں ناظر رہے۔ ان کا انتقال ۱۳۰۲ھ یا ۱۳۰۳ھ میں ہوا۔ (۲۵)

میر نجم الدین عزلت:

بن میر محمد رفیع – شاعر اور مصنف تھے 'نخشبی کے طوطی نامہ کے طرز پر طوطی نامہ لکھی جو بقول میر قانع پہلی سے بہتر تھی۔ نظم اور نثر میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، لیکن گردش زمانہ کے سبب بہت سی کتابیں گم ہو گئیں۔ ان کا دیوان موجود ہے۔ انتقال ۱۱۶۰ھ میں ہوا۔

میر ذوالفقار علی شیدا:

میر لطف علی خان ہمت کے بڑے صاحبزادے تھے۔ میر قانع نے میاں غلام علی کی زبانی ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

جانان ز هجر روی تو بیتاب گشته ام
شبها به شوقِ وصل تو بی خواب گشته ام (۲۶)

میر محمد پٹھو:

مقالات الشعراء میں میر قانع نے ان کے کمال اور درویشی کی بہت تعریف کی ہے۔ لکھا ہے:

"و اغلب اهل بلده در مقام عقیدت به ایشان سلوک داشتند."

سید موصوف ۱۱۱۲ھ کے بعد بھی زندہ رہے۔ (۲۷)

سید میر مرتضائی:

بن سید روشن علی شاہ (۲۸) یہ صاحب آخری دور کے اہم سندھی شاعر تھے۔ دیوان کے علاوہ دو مثنویات: یوسف زلیخا اور سکندر نامہ کا ترجمہ کیا۔ فدوی ان کے استاد تھے۔ شیخ سعدی کی کریما کو مخمس کی صورت میں پیش کیا۔ یوسف زلیخا مطبوعہ ہے، اس کتاب کا ترجمہ ۱۰۳۸ھ میں مکمل کرکے پریس کو بھیجا۔ مخدوم خلیل نے ان کی متعدد تاریخیں نکالی ہیں۔ میرزا احمد علی بابی ان دنوں ٹھٹہ میں مقیم تھے۔ جھرک کی نمک کی کان کا اہتمام ان کے حوالے تھے۔ اُنھوں نے بھی اس کی تاریخیں نکالی ہیں۔ یوسف زلیخا کی یہ سنگی اشاعت ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مرتضائی سندھی غزل کے اچھے شاعر تھے، کبھی کبھار فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔(۲۹)

مرتضائی کے ہاں ایک بیٹا سید حسین بخش ۱۳۰۱ھ میں تولد ہوا، جس کی ولادت کی تاریخ مخدوم خلیل نے کہی ہے۔ دوسرے صاحبزادے سید روشن علی شاہ ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے، جن کی تاریخ ولادت بھی مخدوم خلیل نے کہی تھی۔

محمد زمان شاہ زمان: یہ اس خاندان کے آخری سندھی شاعر تھے، جس کے بعد اس خاندان میں علم و ادب کی شمع روشن نہ رہی۔ زمان شاہ سندھی غزل اور کافی کے شاعر تھے۔

تیرہویں صدی کے مہدوی سادات: میر مائل کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری تک اس خاندان میں بہت سے معروف بزرگ پیدا ہوئے، جن کی اولاد کی ولادت اور کچھ کی وفات پر میر مائل نے تاریخی قطعات کہے ہیں۔ مثلاً

۱- میر ارشاد علی کو ۱۲۲۴ھ میں علی اکبر نامی فرزند تولد ہوا، اس موقع پر دو تاریخی قطعات کہے گئے:

چو با میر ارشاد، از صد شرف
عطا کرد این پور اکبر علی
ز طبعم شد اینگو نه تاریخ گل
شریف آمده میر اکبر علی

چو به ارشاد میر، داد، علی
میر اکبر علی، مبارک نام
سال میلاد اشرفش دل گفت:
میر اکبر علی شریف دوام

(دیوان ۴۰۰)

۲- میر صابر علی سہدوی کی شادی (۱۲۲۴) کی تاریخ یوں نکالی گئی:

درین شادی چو از فرط مسرت
قرانِ نیرین آمد به تنویر
ز طبعِ گل شد این تاریخ مائل
مبارک شادیِ صابر علی میر

(دیوان ۴۰۳)

۳- سید محفوظ علی بن سید غلام مرتضیٰ سہدوی کی شادی ۱۲۳۲ھ کے موقع پر یہ قطعہ کہا گیا:

کرد حق میر ذوالفقار علی
که در اقبال اوست شادی آل
با هزاران نوید خوبی و خیر
شاد ازین شادیِ مبارک فال
در خوشی هر کسش مبارک گفت
دیده این تازه شادیِ اجلال
شادیِ عیش کتخدائی میر

خلفِ میر مرتضیٰ به کمال
میر محفوظ نامور به علی
نوجوان نیک بخت و نیک خصال
بسکه روشن علی درین شادی
کرد از مهر و ماه بزم وصال
'حبذا شادی وصال بعز' ۱۲۳۲ھ
بهر شادیش گفت طبعم سال
هم دگر سال کتخدا وی
گفت: بین کتخدائی اقبال
خوش درین شادی است بشغل دعا
مائل حق مرید درگه آل

(دیوان ۴۱۶)

۴- مظفر علی مہدوی کی وفات (۱۲۰۹ھ) کا قطعہ ہے:

آه کان میر مظفر از علی
آنکه وصفش آمده جنت مکان
شد چو سوئ جنت الماوایِ خلد
در شبِ معراج ناگه زین جهان
از سروشِ غیب گاهِ فکر سال
سوئِ جنت رفت- آمد سال آن

(دیوان ۴۲۴)

۵- میر امید علی مہدوی ۱۲۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ میر مائل نے یہ اشعار قلم بن کیے:

میر امید علی آه جوانی مقبول
که بود داغ جوانیش به هر پیر و جوان
رخت بربست چو ناگاه ازین دار خراب
در جنان همدم شه گشت ز وصل یزدان

ملهمِ غیب چنین سال وصالش فرمود:
میر امید علی همدمِ شه شد بجنان

(دیوان ص ۴۲۹)

۶- میر ذوالفقار علی کی وفات ۱۲۲۴ھ میں ہوئی، میر مائل نے کہا:

گشت چون بعد انتقال از دهر
در جنان میر، همجوار علی
سال فوتش بگفت هاتف غیب
باسر آه: ذوالفقار علی
باد من بعد از بیِ آلش
بدعایش مدام یار علی

(دیوان ص ۴۲۹)

۷- سید رستم علی بن سید ذوالفقار علی بن سید میر لطف علی خان مہدوی مرحوم کی وفات (۱۲۲۵ھ) پر میر مائل نے تین قطعات کہے، جن کے تاریخی اشعار یہ ہیں:

دلم با سر آه تاریخ گفت:
ببزم شهان باد رستم علی

در عزا پرسی بشرح سال فوتش هاتفم
میر رسم با علی دائم بود هم بزم- گفت

چنین گفت تاریخ فوتش سروش:
که دائم بحق میر رستم علی

(دیوان ۴۳۰)

۸- سید طاہر علی مہدوی جب فوت ہوئے تو میر مائل نے لمبا قطعہ کہا:

ز این دار غم چو در غمِ شهدا بماه غم
طاهر علی بقصر جنان گشت منتقل
تاریخ وصل او بجنان با سرِ جنان
طاهر علی است واصل شهدا- بگفت دل

(دیوان ۴۳۰)

۹- میر ارشاد علی کی وفات ۱۲۲۴ھ میں ہوئی- میر مائل نے لمبا تاریخی قطعہ کہا:

چون شد به جوانی ز جهان سویِ جنان، آنکه
ز ارشاد علی نامورِ اهل جهان بود
جستم چو دل سال وفاتش، خردم گفت:
صد آه که ارشاد علی تازه جوان بود
دائم به جنان باد دعا گویِ احبا
در مقدمِ او ورد دلِ اهلِ جنان بود

دوسرے قطعے کا تاریخی شعر یہ ہے:

گفت با رویِ یقین سال وصالش هاتف:
میر ارشاد علی واصل حسنین آمد

(دیوان ۴۳۳)

۱۰- میر کرم علی کی وفات ۱۲۲۸ھ میں ہوئی، میر مائل نے دو قطعات کہے:

هنگام رحلتش خردم سال فوت او
جایِ کرم علی ست بفردوس آل گفت

هاتف برویِ ولوله تاریخ فوت گفت:
بوده کرم علی چه جوانی خلیق آه

(دیوان ۴۳۵)

قبرستان:

میر قانع مکلی نامہ میں سید کے قبرستان کے متعلق رقم طراز ہیں:

"ارض مرقدِ پاکش، نمک خوانِ کنعان ملاحت، وفضایِ صحنِ رشک افلاکش، قافله آباد مصر نزاهت."

دو اشعار ملاحظہ ہوں:

نشد سائل چو زین در، هیچگه رد
رود گر بنده آنجا، شاه گردد

هر آن کو، رنج ز اخوان زمان است
برایش، این مکان، جایِ امان است

وہ کنعان ملاحت اور وہ قافلہ آباد مصر نزاہت اور وہ جائے امان اس وقت اجڑ چکی ہے۔ ویران، سنسان اور چاروں طرف شکست و ریخت۔ اس خاندان کے چند افراد نے چند برس پہلے احاطے کی اندرونی قبروں کی مرمت کروائی تھی، لیکن احاطے کا بیرونی قبرستان سارا کا سارا زبون ہوچکا ہے۔ قدیم زمانے میں اس قبرستان کا بڑا رتبہ تھا۔ صبح شام زائرین کا مجمع رہتا تھا۔ عرس، منتیں، میلے، غرض وہاں جانے کے لیے کئی صورتیں، کئی بہانے تھے۔ کلہوڑہ دور میں اس قبرستان کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ چونکہ مہدوی تھے، اس لیے سید کا قبرستان ان کے لیے مقام مقدسہ کا درجہ رکھتا تھا۔ شادی بیاہ کے موقع پر پہلے وہاں حاضری دیتے تھے، سلامیاں دیتے تھے اور خوشیاں مناتے تھے اس کے بعد اپنے گھروں کو جاکر دوسری رسمیں ادا کرتے تھے۔

راقم الحروف نے یہ قبرستان پہلی اگست ۱۹۶۲ء میں دیکھا۔ خاندان کے ایک بزرگ سید غلام محمد شاہ (۳۰) میرے ساتھ تھے۔ جنھوں نے ہر چیز کی نشاندہی کی۔ اس قبرستان کی موجودہ صورتحال کچھ یوں ہے:

جائے وقوع: یہ قبرستان عید گاہ سے جنوب مشرقی کونے پر ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ درمیان میں اور کوئی گورستان یا قابلِ ذکر مقبرہ نہیں ہے۔ چاروں اطراف پگڈنڈیاں ہیں۔ کچھ پہاڑی نشیب و فراز بھی ہیں۔

قبرستان کے چاروں اطراف حفاظتی دیوار تھی، جو اب زبوں ہوچکی ہے۔ دیوار کے اندر قابل ذکر جگہیں اس طرح ہیں:

حوض اور درخت: صحن میں ایک حوض تھا، جس کے متعلق میر قانع نے لکھا ہے: از چاہ کنعان عمیق تر و از نیل بخوش طمعی اکثر. مزید لکھا ہے:

خورد زان حوض، گر کنجشک، آبی
ز بالش میچکد هر سو گلابی
اگر زاغی خورد، زو رشحه، جامی
چو طوطی، میشود شیرین کلامی

حوض کے پاس ایک سایہ دار درخت تھا، جس کی شاخیں میر قانع کے قول کے مطابق ثریا تک پہنچتی تھیں، اور اُس کی جڑیں گھرائی تک تھیں۔ زائرین کی آسائش کے لیے درخت کا سایہ کریمانہ اور مشفقانہ تھا۔

بپی آسایش زوار یکسان
دوانده سایه در رنگِ کریمان

اس وقت اس حوض کا خشک اور اجڑا ہوا برتن موجود ہے۔ اس درخت کا تنا اب بھی موجود ہے۔ حفاظتی دیوار کے اندر شمال مشرقی کونے میں بالکل ویران اور اجاڑ درخت کا تنا حوض کے شمالی کنارے پر موجود ہے۔

نماز کے لیے چبوترہ:

سید یوسف کے احاطے سے باہر مشرق کی جانب ایک لمبا چبوترہ ہے، جو اس زمانے میں نماز پڑھنے کے لیے تھا۔ چبوترے کی محراب اور سید کی قبر کے احاطے کی دیوار کا داخلی دروازہ بالکل آمنے سامنے ہیں۔ یہ چبوترہ اس وقت مسمار ہوچکا ہے۔

میٹھے چاول والا کمرہ:

مسجد کے چبوترے سے متصل جنوب میں اینٹوں کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، اس میں دو مٹکے رکھے ہوئے ہیں۔ ایک دیوار کے باہر جنوب مغرب کی جانب کونے میں، دوسرا اندر شمال مغرب کی جانب کونے میں دیوار سے متصل ہے۔ یہ مٹکا ذوالفقار علی شان نے رکھوایا تھا۔

شبِ برات، شبِ معراج اور ذی الحج کی پہلی رات خاندان کے چھوٹے بڑے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ میٹھے چاول کی دیگچی شہر سے پکواکر لے آتے ہیں اور اپنے خاندان کے افراد میں بانٹتے ہیں۔ یہ دستور قدیم زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے۔ اس رسم کی غرض و غایت معلوم نہ ہوسکی۔

سید یوسف کا احاطہ:

مسجد کے چبوترے کے قریبِ مغرب کی جانب سید یوسف کے خاص قبرستان کی چھار دیواری ہے۔ دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ یہ دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی ہے۔ دروازے سے لے کر مغربی محراب تک بیچ میں پگڈنڈی ہے اور شمال اور جنوب سے قبروں کی قطاریں ہیں۔ اندر

داخل ہوتے ہی شمالی حصے میں چہار دیواری کے اندر ایک زنانہ قبر سامنے نظر آتی ہے، جو ممکن ہے کہ سید کی بیٹی یعنی پیر پردیہی (پردیسی) کی بیگم کی ہو۔ بالیں، دیوار سے متصل پتھر کا ایک کتبہ پڑا ہے، جو کہیں باہر سے لایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

شمالی حصے میں قبروں کے دو مجموعے ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی جو پہلا مجموعہ دو قطاروں میں نظر آتا ہے، اس میں سترہ قبریں ہیں، جو ساری کی ساری کچی ہیں۔ ان کی مٹی سے لپائی کی گئی ہے، کسی بھی قبر پر نام کا پتھر یا نشان موجود نہیں ہے اور کسی کو پتا نہیں کہ یہ قبریں خاندان کے کن افراد کی ہیں۔

سید یوسف اور پیر پردیہی (پردیسی):

اس حصے میں پہلے مجموعے سے تھوڑے فاصلے پر محراب کے ساتھ دو قبریں عیاں نظر آتی ہیں، جن کی چونے سے لپائی کی ہوئی ہے۔ قبروں کے اوپر نازبو کی سوکھی ہوئی پتیاں پڑی ہوئی ہیں۔ دیوے کے تیل کے کالے نشانات موجود ہیں۔ ان دو قبروں میں سے مغربی قبر پیر دیہی کی اور مشرقی سید محمد یوسف کی ہے۔ ان دونوں قبروں پر بھی کوئی کتبہ نہیں ہے۔ پیر پردیہی کے مغرب میں متصل سرہانے پرانی قبر ہے، جس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

زمان شاہ:

جنوبی حصے میں اسی طرح قبروں کے دو مجموعے ہیں۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی جو پہلا مجموعہ نظر آتا ہے، اس میں ۴۷ قبریں ہیں۔ دوسرا مجموعہ مغرب کی جانب تھوڑے فاصلے پر سید یوسف اور پیر پردیہی کے بالکل آمنے سامنے ہے، جس میں دس قبریں ہیں۔ اس مجموعے میں سید یوسف اور پیر پردیہی کے پائیں آمنے سامنے آخری دور کے مشہور سندھی شاعر سید زمان شاہ کی قبر ہے جس پر نام کا نشان نہیں ہے۔

احاطے کے باہر:

سید یوسف کے احاطے کی دیوار کے باہر قبروں کے متعدد مجموعے ہیں، جو جنوب مغرب اور شمال کی جانب علیحدہ علیحدہ تھوڑے سے فاصلے پر ہیں۔

لطف علی ہمت اور ذوالفقار علی شاہ شیدا:

احاطے کی جنوبی دیوار سے متصل دو قبریں ہیں جو اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں وہ اب شکست و ریخت کا شکار ہوچکی ہیں۔ یہ دو قبریں اگرچہ زبوں ہوچکی ہیں، لیکن اتفاق سے ان کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مغربی قبر نواب میر لطف علی ہمت کی اور مشرقی سید ذوالفقار علی شاہ شیدا کی ہے۔

سلطان سامٹیہ:

تحفۃ الکرام کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ کلہوڑہ کے مشہور امیر اور ٹھٹہ کے صوبے دار سلطان سامٹیہ اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ سید محمود یوسف کے احاطے سے باہر مغرب کی جانب دیوار سے متصل دس فٹ کے فاصلے پر اینٹوں کی بنی ہوئی ایک رانک موجود ہے، جس کے اندر ایک قبر ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ سلطان سامٹیہ کی قبر ہے۔

اسی رانک سے متصل شمال کی جانب دوسری رانک بھی اس طرح اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، جو اب مسمار ہوچکی ہے۔ رانک کے اندر ایک شکستہ قبر کے آثار موجود ہیں، معلوم نہیں یہ رانک کس اہم شخص کی ہے۔

اس رانک کے شمال مغرب کی جانب کونے میں تھوڑے فاصلے پر پتھر کی ایک الگ تھلگ قبر ہے، جس کے کتبے کی عبارت یوں ہے:

خرد تاریخ این مرحومہ گفتا
بیامرزید اورا حق تعالیٰ
۱۱۰۲ھ

شمالی چبوترہ:

احاطے کی دیوار سے متصل شمال کی جانب تین قبریں بغیر نام و نشان کے موجود ہیں۔ ان قبروں کے شمال میں بیرونی حفاظتی احاطے کی شمالی دیوار سے متصل ایک لمبا چبوترہ ہے، جو مسجد کے چبوترے سے شروع ہوکر سید کے احاطے کے مغربی دیوار سے تھوڑا آگے جاکر ختم ہوجاتا ہے۔ اس چبوترے کے دو حصے ہیں، پہلے حصے کی دو قبروں میں سے مغربی سید عبداللہ شاہ کی اور مشرقی ان کے صاحبزادے میر مراد علی شاہ

کی کہی جاتی ہے۔ اسی چبوترے کا دوسرا حصہ مغرب میں ایک الحاقی چبوترے کی صورت میں موجود ہے، جس پر دو گم نام قبریں ایک دوسرے کے پہلو میں موجود ہیں۔ اس چبوترے کے نیچے ایک الگ قبر ہے۔

قبرستان کی بیرونی دیوار کے اندر یہی قابل ذکر جگہیں ہیں، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں اسی حفاظتی دیوار کی بیرونی ملحقہ جگہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سید میران محمد کا آستانہ:

مشرقی دیوار سے قریباً دو سو فوٹ کے فاصلے پر ایک شکستہ چہار دیواری ہے، جن کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سید میران محمد جونپوری کا آستانہ ہے۔ آپ نے سارا وقت مکلی پر اسی مقام پر قیام کیا۔ اسی جگہ سے مشرق کی جانب دوسری شکستہ دیواروں کے آثار موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ حجرہ اس آستانہ سے متصل تھا، جو اب مسمار ہو گیا ہے۔

مشہدی سادات کا قبرستان:

اس آستانے کے قریب، جنوب میں ٹھٹہ کے مشہور مشہدی سادات کا قبرستان ہے۔ وہ بھی اب مسمار ہو گیا ہے۔

میاں آسودہ بودلو: تحفۃ الطاہرین کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ: ٹھٹہ کے مشہور بزرگ میاں آسودہ بودلو سید یوسف کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

میراں سید محمد جونپوری کے آستانے کے شمال میں ایک سو فٹ کے فاصلے پر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے، چبوترے پر چونے گچ سے لپائی کی ہوئی ایک قبر موجود ہے، جس کے اوپر چراغ دان بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مزار میاں آسودہ مجذوب کا ہو۔

اسی چبوترے پر مغرب کی جانب کچھ فاصلے پر ایک اور پتھر کی بنی ہوئی قبر موجود ہے۔ چبوترے کے شمال مغربی کونے پر اینٹوں کا بنا ہوا ایک چھوٹا چبوترہ ہے، جس کے اوپر دو پتھر کی قبریں ہیں۔ اس چبوترے پر جب شمال کی جانب اوپر جائیں گے تو وہاں ایک الگ چبوترے پر ایک قبر موجود ہے۔ یہ سب قبریں بے نام و نشان ہیں۔ اسی طرح چبوترے کے آس پاس نیچے کچھ قبریں نظر آتی ہیں، جن کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ وہ کن کی ہیں۔

بکھر کی جھیل: سید یوسف کے قبرستان میں مشرق میں ایک جھیل کے آثار موجود ہیں، جو جنوب کی طرف میکرا جھیل تک نظر آتے ہیں۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بکھر جھیل کے آثار ہیں۔

معلوم نہیں اس جھیل کو بکھر کی جھیل کیوں کہا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ سید محمد یوسف بکھری کی نسبت سے اس جھیل کو یہ نام دیا گیا ہو۔

تالاب سہسہ لنگ:

میر قانع نے لکھا ہے: وہاں سے کوئی اگر پہاڑی سے نیچے اترے گا تو سامنے سہسہ لنگ کا تالاب نظر آئے گا۔ "– ہر گاہ از کوہ فروشوند، پایین کوہ بہ تالاب سہسہ لنگ، کہ با چشمہ مہر یک رنگ است، دچار گردند۔"

اس تالاب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زبان، وصاف آبِ سہسہ لنگ است
نظر بینایِ تابِ سہسہ لنگ است
چہ گو یم وصفِ آن تالابِ صافی
نگہ آموزد آن جا نورِ صافی

میر قانع نے سہسہ لنگ کے مذکور کے بعد میکرا جھیل کی تعریف کی ہے:

سید یوسف کے قبرستان سے نیچے سہسہ لنگ کے نام سے کوئی تالاب موجود نہیں۔ اس قبرستان کے پاس پہاڑی سے نیچے اترنے کے بعد فقط بکھر جھیل کے آثار نظر آتے ہیں، جس کا آخری حصہ میکرا جھیل سے جا ملتا ہے۔

میر قانع نے جائے وقوعہ کا جس طرح بیان کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ در اصل سہسہ لنگ اسی بکھر جھیل کا نام تھا۔

رضوی سادات کی خانقاہیں:

روہڑی میں سید جان اللہ شاہ رضوی کا خاندان، سید حیدر حقانی کا خاندان اور نصرپور کے مشہور سندھی شاعر شاہ عنایت رضوی کا خاندان اور ٹھٹہ کے سہدوی سادات ایک ہی جد امجد سید محمد مکی بکھری کی اولاد ہیں۔
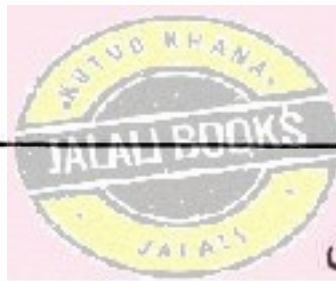
(۱۴) جلوه گاہ امامین

روایات: تحفة الکرام خواہ تحفة الطاہرین کی روایت کے مطابق جس مقام پر اس وقت جلوہ گاہ امامین ہے، وہ شروع میں ایک صاف میدان تھا۔ سب سے پہلے ایک چرواہے نے اس 'پر اسرار زمین' کے اسرار دریافت کیے۔

کہتے ہیں کہ وہ چرواہا روزانہ مکلی کی پہاڑی پر بکریاں چراتا تھا، بکریاں چرتے چرتے جب اس خاص میدان کے پاس پہنچتیں تو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک غیر معمولی کیفیت میں چلی جاتیں۔ چرواہا یہ تماشا روزانہ دیکھتا تھا اور حیران تھا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ ایک دن اس چرواہے نے کسی بزرگ کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ دعا مانگتے دیکھا۔ چرواہے نے ان سے حقیقت حال معلوم کرنا چاہی اور اپنا روز کا مشاہدہ بھی بتایا۔ بزرگ نے اس سے کہا: "— این جای پاکان و برگزیدگان الاھی است کہ عالم ملك و ملکوت گردن اطاعت بزیر ایشان نهادند۔"

یہ روایت اور یہ واقعہ جام نظام الدین کے زمانے (۸۸۶-۹۱۴ھ) سے پہلے کا ہے۔ جام کے اپنے دور میں مخدوم احمد اور مخدوم محمد (ولدان مخدوم اسحاق بھٹی ہالائی) مکلی پر زیارت کے لیے آئے اور مختلف بزرگوں کی زیارتوں سے شرف یاب ہوئے۔ جب اس مقام پر پہنچے تو ادب اور احترام کے ساتھ اپنی جوتیاں اتار کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعائیں مانگنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ خالی میدان پر اتنے ادب اور احترام سے دعائیں مانگنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا: "این جایی ست کہ بر عرش مجید تفوق دارد۔" ان دونوں بزرگوں نے یہ مشہور کیا کہ اس سرزمین پر جلوہ جمال جہان آرایِ حضرت امامین کریمین، دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کے بعد ہر شخص اس مقام کا احترام کرنے لگا اور یہ مقام زیارت گاہ اور مرجع خلائق بن گیا۔

حد بندی اور ساخت:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم احمد اور مخدوم محمد کے زمانے میں اسی اراضی کا فقط شرف اور مرتبہ عوام میں مشہور ہوا، لیکن اس کی حد بندی نہیں کی گئی۔ اس علاقے کی حد بندی سب سے پہلے میاں

ملوک شاہ نامی ایک بزرگ نے کی۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حقائق آگاہ معارف دست گاہ حضرت میاں ملوک شاہ وہاں سے گذرے۔ چونکہ وہ اہل دل اور صاحب طریقت تھے، اس لیے وہاں پہنچتے ہی اُنھیں امامین کریمین کے جمال جہان آرا کے جلوے اور انوار دیکھنے میں آئے۔ اُنھوں نے پتھر کی ایک دیوار تعمیر کرکے اس مقام کو نمایاں کیا۔ جب تک زندہ رہے اس مقام کو جھاڑو سے صاف کرتے اور اس کی نگھبانی کرتے رہے۔ یہ پہلی حد بندی اور پہلی دیوار تھی، جو جلوہ گاہ کے چاروں طرف تعمیر کی گئی۔

نواب سیف اللہ:

اُنھوں نے اپنی صوبے داری کے دور میں میاں ملوک شاہ کی بنائی ہوئی دیوار مسمار کرکے ۱۱۴۰ھ میں ایک پختہ دیوار تعمیر کروائی۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں مختلف مخیر حضرات اس اراضی پر تعمیرات کرتے رہے۔

شمال مغربی کونے میں چبوترے پر ایک چہار دیواری کے اوپر ایک گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ در اصل یہی وہ مخصوص مقام ہے، جس کو جلوہ گاہ کہا جاتا ہے۔ یہ عمارت میاں نور محمد کلہوڑہ نے تعمیر کروائی۔ اسی طرح تالپور دور میں بھی اس اراضی میں کچھ رد و بدل کیا گیا اور اس کے بعد بھی ہر دور میں اس کی درستی اور مرمت ہوتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک صحیح سلامت ہے۔

احاطے میں داخل ہونے کے لیے شمال کی جانب مشرقی کونے میں ایک چھوٹا لکڑی کا دروازہ ہے، اسی دروازے کے اوپر مندرجہ ذیل کتبہ پتھر کی چھوٹی تختی پر معمولی خط میں کندہ ہے:

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی
یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔
۱۱۴۰ھ

قدم شریف:

پہلا صحن عبور کرکے جنوبی دیوار سے جب باہر آئیں گے تو ایک ستون نظر آئے گا۔ اس کے اوپر ایک پتھر نصب ہے، جس پر انسان کے

پیروں دو نشانات دیکھنے میں آتے ہیں۔ روایت ہے کہ یہ قدم مبارک حضور اکرمؐ کے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ قدم حضرت علیؓ کے ہیں۔

نواب سیف اللہ کی قبر:

ٹھٹہ کے صوبے دار نواب سیف اللہ (۱۱۳۷-۱۱۴۲ھ) کو شیعہ ہونے کے سبب جلوہ گاہ امامین کی اراضی سے خاص عقیدت تھی، چنانچہ وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اُنھیں جلوہ گاہ کے جوار میں دفن کیا گیا۔ ان کی قبر جلوہ گاہ کی مشرقی دیوار سے متصل ایک چہار دیواری کے اندر ہے۔ یہ قبر ایک چبوترے پر پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ ان کی وفات کی تاریخ مولوی اسداللہ ولد ملك بر خوردار خان نے کہی، جو قبر پر مولوی مذکور کے خط میں کندہ ہے:

دست وی با دامنِ آلِ عباست ۱۱۴۲ھ (۳۱)

قبر مسمار ہو گئی ہے۔ اس قبر کے آس پاس احاطے کے اندر دوسری قبریں بھی ہیں، جن پر کوئی کتبہ نہیں۔ یہ سب قبریں نواب مذکور کے صاحب زادوں اور خاندان کی ہیں۔ ٹھٹہ میں قیام کے دوران ان کے دونوں صاحبزادے صادق علی خان اور تقی خان عاشق بھی تھے۔ صادق علی خان مغل حکمرانوں کی طرف سے ٹھٹہ کا آخری صوبے دار تھا۔ (۱۱۴۹-۱۱۵۰ھ) اس کے زمانے میں میاں نور محمد کلہوڑہ نے ٹھٹہ کا یہ علاقہ مغل حکومت سے اجارے پر لے کر سندھ کو مرکز سے آزاد کروایا۔ ٹھٹہ کے مشہور فارسی گو شاعر محسن ٹھٹوی اس خاندان کے ممدوح تھے۔ اُنھوں نے مثنوی طراز دانش محمد صادق خان کے کہنے پر (۱۱۴۹ھ) میں تصنیف کی۔ محسن نے نواب کے دونوں صاحبزادوں کے متعلق متعدد قطعات اور قائد منظوم کیے ہیں، جو ان کی مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں۔

محمد تقی کے متعلق مندرجہ ذیل قصائد ہیں۔ محمد تقی نواب سہابت خان کے بعد ٹھٹہ کے نواب مقرر ہوئے تھے:

(۱) بهار آمد و گلها به چهره آرایی
خبر دهید به هر عندلیبِ سودایی

(قصیده ص ۳۰۹)

(۲) زلطفِ باد شمال و ز فیض ابر بہار
زمانہ عطر فشان و زمین زمرد کار

(قصیدہ ص ۳۶۱)

(۳) ز بس جوش زد لشکر برشکال
شدہ رستمِ عرصۂ چرخ زال

(قصیدہ ص ۳۶۳)

(۴) ای نجمِ دولتِ تو بر اوجِ کمال باد
نعلِ سمِ سمندِ تو جرمِ ھلال باد

(قصیدہ ص ۳۶۴)

(۵) ۱۱۵۴ھ میں تقی محمد خان نے شیعی عقائد پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، جس کا محسن نے تاریخی قطعہ کہا۔ وہ تاریخی شعر یہ ہے:

گفت ھاتف بسالِ تاریخش
چمنِ دین ھشت و چار امام

(قطعہ ص ۴۶۸)

(۶) محمد تقی خان (۱۱۵۰ھ) ہالا گئے، محسن نے یہ تاریخ منظوم کی:

پیِ سال این گل ز ھاتف شگفت
بگلگشت ھالہ رسید او چو ماہ

(قطعہ ۴۷۷)

(۷) اس سے پہلے (۱۱۴۹ھ) میں گئے، قطعے کا تاریخی شعر یہ ہے:

از مردمِ دیدہ می شنیدم
ای صاحبِ ما بخیر مقدم

(قطعہ ۴۷۸)

(۸) تقی محمد خان نے ٹھٹہ میں (۱۱۵۷ھ) ایک عمارت تعمیر کروائی۔ محسن نے یہ قطعہ کہا:

بتاریخ سالش گھر سنج کلک
عجب جایِ عشرت فزائی نوشت

(قطعہ ۴۷۸)

(۹) غالباً میرزا صاحب کے کلام کا انتخاب تقی محمد خان کی فرمائش پر ۱۱۵۱ھ میں تیار ہوا۔ محسن نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

گفت ہاتف بسال اتمامش
'در معنی خزانۂ صائب'

(قطعہ ۴۷۹)

(۱۰) اسی تقی محمد خان نے دوسری عمارت (۱۱۵۱ھ) تعمیر کروائی، محسن نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

پیِ تاریخ و بھرِ تہنیت، دل
بعشرت گفت: دولت خانہ دائم

(قطعہ ۴۸۱)

(۱۱) تقی محمد خان کہیں جانے کے لیے تیار ہوئے، محسن نے ساتھ جانے کی استدعا میں یہ قطعہ منظوم کیا:

تمام عمر ندانم کہ نیل گاوِ سپھر
بوفقِ خواھشِ من ساعتی کند دوران

(۱۲) تقی محمد خان کی مدح میں محسن نے ایک رباعی کہی:

تا پرتو مھرِ عالم افروز بود
آغاز بھارِ عیدِ نو روز بود
گلزار نشاط از تقی محمد خان
سر سبز تر از طالع فیروز بود

(رباعی ۴۹۳)

مقالات میں درج ہے کہ تقی محمد خان ٹھٹہ میں فوت ہوئے اور اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مقالات میں ان کا نمونۂ کلام موجود ہے۔ (۳۸۸م)

محسن نے صادق علی خان کی مدح سرائی بھی اسی طرح کی ہے۔ ایک قصیدہ کا مطلع ہے:

(۱) سحر کہ دارایِ ھفت کشور بہ تخت فیروز گون بر آمد
چوتخل مومی سیاہِ ظلمت بتاب تیغش ز پا در آمد

(قصیدہ ص ۳۵۹)

صادق علی خان کی مدح میں ۳۲ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی (۱۱۵۰ھ) منظوم کی، جس کا مطلع ہے:

(۲)مطلع دیوان کتابِ کریم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مثنوی ۴۶۱)

اس مثنوی میں کچھ تاریخی واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ بدین میں صادق علی خان کو فتح (۱۱۵۰ھ) حاصل ہوئی۔ محسن نے یہ قطعہ کہا:

(۳)چو از تیغ نواب صادق علی خان
گلِ فتح از باغِ نصرت شگفت

آخر میں یہ تاریخی شعر ہے:

ز ہاتف شنیدم بتاریخ سال
کہ: انا فتحنا لک الفتح- گفت

(قطعہ ص۴۶۹)

ان کے صاحبزادوں کے ختنے (۱۱۵۱ھ) میں ہوئے۔ محسن نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

(۴) بہ ہر سو ز ہاتف ہمین حرف بود
بدینِ محمد زہی سنت است

(قطعہ ص۴۶۹)

تہنیت میں ایک رباعی ہے:

(۵) ای نامِ نامدار تو، چون صبح صادق است
زان ہر سیہ گلیم گریزد زصولتت
بہر بحالیت خرد این تہنیت بگفت:
اقبال باد زیب گلِ صبح دولتت

(رباعی ص۴۸۷)

صادق علی خان تاجن مندری کے محاذ پر روانہ ہوئے۔ محسن ان کے ہمراہ تھے۔ پہلی منزل پر یہ رباعی کہی:

(۶) این منزل اول تو مانند هلال
از بدر نشان دهد به ارباب کمال
یعنی که، بهر مرحله انوار فتوح
بر چهرهٔ دولتت فزاید اقبال
(رباعی ص ۴۹۱)

اسی منزل پر ایک دوسری رباعی کہی:
(۷) ای در سفرت ظفر باقبال قرین
با تست رفیق مالك یوم الدین
این منزل اوّلت مبارك بادا
بالحق نبی و آله المعصومین
(رباعی ۴۹۱)

غالباً صادق علی خان کی مدح میں یہ رباعی منظوم کی:
(۸) تا هست بلب لفظ و بدل معنیِ بکر
تا هست زبان را بدهان قوتِ ذکر
هر وقت و بهر مقام و هر حال که هست
'محسن' ز مدیحِ تونبندر لبِ فکر
(رباعی ص ۴۹۱)

مدح سرائی کرتے ہوئے ایک رباعی میں اُنھوں نے ان کے صاحبزادوں کے طرف اشارہ کیا ہے:
(۹) ای جوهر آبروی سیف الٰهی
وی زیب دهِ مسند والا جاهی
رخسارهٔ شومِ خصمِ جا هت بادا
از جذبهٔ کهربایِ تیغت کاهی
(رباعی ص۴۹۵)

یہ رباعی بھی غالباً صادق علی خان کی مدح میں ہے:
(۱۰) تا کعبهٔ حق قبلهٔ عالم باشد
و ز سجدهٔ او جبه مکرم باشد

بر درگہِ اقبال پناہِ تو مدام
پشتِ فلک و گردنِ مہ خم باشد

(رباعی ص۴۹۵)

مسجد اور تالاب:

مشرق کی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اسی سے متصل ایک تالاب کے آثار ہیں۔ مسجد زبوں ہوچکی ہے اور تالاب بھی باقی نہیں رہا۔ تالاب کی مرمت ۱۲۱۱ھ میں سید ابراہیم شاہ ٹھٹوی نے کروائی تھی۔ جس کا قطعۂ تاریخ میر مائل ٹھٹوی نے منظوم کیا:

به مکلی این گزین تالابِ خوش آب
که آبش در صفا چون مہر و ماه است
برایِ خرج درگاهِ امامین
نشانِ سید ابراہیم شاه است
خردؔ تاریخ تعمیرش چنین گفت
که این تالاب وقفِ جلوه گاه ست
۱۲۱۱ھ

قبرستان:

غالباً نواب سیْف اللہ کی تدفین کے بعد احاطے کی بیرونی زمین کو اہل تشیع نے اپنا قبرستان بنایا۔ اسی قبرستان میں شیعی حضرات کی سیکڑوں قبریں موجود ہیں۔ کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی نامی گرامی لوگ اس بستی میں محو خواب ہیں۔

عاشق صفاہانی:

ایران کے مشہور شاعر آقا محمد کریم صفاہانی جو عاشق تخلص کرتے تھے اور بڑا عرصہ ٹھٹہ میں مقیم رہے، وہ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی قبر صدر دروازے سے کچھ نزدیک مشرق کی جانب ایک چبوترے پر ہے۔ دیگر تین قبریں بھی اسی چبوترے پر ہیں، جو غالباً ان کے اعزاء کی ہوں گی۔ مزار کے بالیں ایک بڑے پتھر پر ایک کتبہ کندہ ہے، جس کا تاریخی شعر کچھ یوں ہے:

بتاریخ ہر سو شنید این ندا
مکانؔ یافته در جوارِ حسین

محسن ٹھٹوی نے محک کمال، ان کی تحریک پر مرتب کی تھی۔ (۳۲)
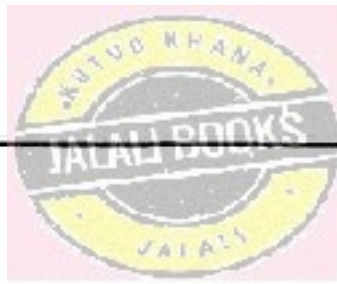
(۱۴) میکرا

میر قانع نے مکلی نامہ میں لکھا ہے:

میکرا چیست؟ قطعہ ای ز بهشت
ارض پاکش، همه عبیر سرشت
پاک تر از قلوبِ اهل اللہ
صاف تر از سرشتِ اهل صفا
خندۂ حور، جلوۂ آبش
اشکِ عشاق، خاکِ سیرابش

اُنھوں نے نثر میں الفاظ کی بندش اور عبارت آرائی کا زور اس طرح دکھایا ہے:

"میکرا نام زمینی ست مطرا و اسم ارضی ست فرح افزا، که سبزه اش با سبزۂ عذارِ مه رویان همرنگ، و بر فضایش فضائے گلشنِ خضرای سما صد پیرهن تنگ. غباری که از آن زمین خیزد، رنگ طاؤس نماید. و شراری که از سنگهایش انگیزد، بگونۂ سند روسی باشد. خضرت آسمان رشحه ای از تراوش رنگها او و کانِ زمرد عکس آئینۂ هر سنگ او."

یہ میکرا نامی جھیل مکلی کے جنوب میں عید گاہ سے ایک میل جنوب کی طرف ہے۔ جس دور کا نقشہ میر قانع نے پیش کیا ہے، اس وقت واقعی اس جھیل کا نظارہ بہشت بریں معلوم ہوتا تھا، لیکن اس وقت ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔

اس وقت جھیل کے جو آثار موجود ہیں، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر عالی کے قبرستان کے شمال سے شروع ہو کر مشرق کی جانب چل کر جنوب میں کلاں کوٹ کے چشمے میں شامل ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً چار میل ہوگی۔ جھیل کا عرض کہیں کم، کہیں زیادہ، زیادہ سے زیادہ آدھا میل ہے۔
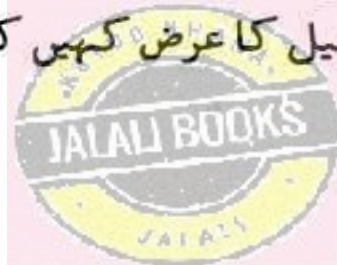
مکلی نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی نہ صرف قبرستان کے لیے مختص تھی، بلکہ ٹھٹہ اور گرد و نواح کے لوگوں کے لیے ایک عظیم تفریح گاہ بھی تھی۔ جگہ جگہ چشمے، سبزہ، باغات، رنگا رنگ پھولوں کی خوش بو اور گھنے درختوں کا سایہ ماحول کو مزید دلفریب بناتا تھا۔ میلے، ساز و سرود کی محفلیں، لوگ بہت ملیح، خوش حال، ان کی فطرت حسن پسند اور طبع لطیف اور نازک، سیر و تفریح کے دل دادہ، سبزہ اور باغات کے شائق، ٹھٹہ کا سدا گلاب اور موتیا نہ صرف اپنے وطن میں بلکہ بیرون ملک بھی مشہور تھا۔ مکلی نامہ میں جہاں کہیں چشمہ، سبزہ اور سایہ دار درختوں کا ذکر آتا ہے تو عبارت میں از خود حسن و نزاکت پیدا ہوجاتی ہے۔ اہل ٹھٹہ کے حسن تخیل اور رنگینی فکر پر یہ چیز دلالت کرتی ہے۔ تغلق آباد کے تالاب ناران سر، بھرا سر اور کھیر سر کے چشمے، اگھور کا تالاب، سہسہ لنگ کی جھیل غرض ایسے مقامات کا ذکر کرتے ہوئے میر قانع کا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ یہ فقط شاعری نہیں، میر قانع کے حسن طبع اور دلفریب مناظر کے امتزاج نے ان کے قلم کو جولانی عطا کی اور اس طرح عبارت میں گونا گونی اور رنگینی پیدا ہوئی۔

میکرا کے کناروں پر سایہ دار درختوں کی قطاریں ہوتی تھیں۔ آس پاس سبزہ۔ کنارے سر سبز و شاداب، پانی کے اندر ہری گھاس تاحد نظر بہشت کا منظر پیش کرتے تھے۔ میر قانع نے ان کناروں کے سایہ دار درختوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

در ختانش بہ گردون سر کشیدہ   بہ آزادی ازین دنیا رمیدہ
فروزان برگِ برگش از تجلی   مکانی حیرتِ ارواح قدسی
بہ سایہ ظل رحمانی کشیدہ   بہ رفعت سدرہ را دامن دریدہ

سبزہ زار کی توصیف کچھ یوں کی ہے:

"اسمی کہ مسمیٰ از و جلوہ دھد، ھمین است: زیرا کہ سبزہ اش آمیختۂ مای معین است۔ ارضِ ختن گرد بویِ او وخاکِ تبت بہ طینت بھرہ یاب ازو! خارش بہ بویایيِ رشکِ گل، و خاشاکش آتش زنۂ آشیانۂ بلبل۔"

(۱۵) پیر عالی

احوال: حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے۔ ترخانی عہد (۹۶۲-۱۰۰۰ھ) میں سیر سفر کرتے ٹھٹہ پہنچے۔ تحفة الکرام کی روایت ہے کہ وہ سید علی ثانی شیرازی کے باغ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ شام کو مالی رہٹ میں چلنے والے بیل حسب معمول اپنے گھر لے گئے، لیکن پیر عالی کی کرامت کے سبب ساری رات رہٹ چلتا رہا اور باغ سیراب ہوگیا۔ صبح کو مالی نے دیکھا کہ سارا باغ سیراب ہوچکا ہے۔

یہ حقیقت جب سید علی (م ۹۸۱ھ) تک پہنچی تو وہ سمجھ گئے اور پیر عالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پرکھا اور خاصی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

اس کے بعد پیر عالی مستقل طور ٹھٹہ میں قیام پذیر ہوئے۔ شادی کی اور چار فرزند ہوئے۔

ابو محمد، صالح محمد معروف بہ فاضل محمد، ولی محمد اور محمد فاضل۔ پہلے تین باپ کی زندگی میں ہی انتقال کرگئے، چوتھے صاحبزادے محمد فاضل باپ کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے اور اپنے والد کی طرح کامل اور اکمل ہوئے۔ اس بزرگ نے سید علی کے صاحبزادے سید جلال سے اسی طرح پیار و محبت کا سلسلہ قائم رکھا، جس طرح ان کے اجداد کے آپس میں روابط تھے۔

سید علی کا انتقال ۹۸۱ھ میں ہوا۔ ترخان دور ۹۶۲ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے پیر عالی کئی برس سید علی کی وفات سے پہلے آئے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ میرزا عیسیٰ کے ابتدائی دور میں آئے ہوں۔ (۹۷۳-۶۲ھ)

یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ پیر عالی نے کس سن میں وفات پائی۔ ایک خطی بیاض میں ان کے وصال کا سنہ ۹۹۸ھ درج ہے، جو ترخان دور کے آخری ایام کا تھا۔ میرزا جانی بیگ اس وقت حکمران تھے اور ایک سال کے بعد یعنی ۹۹۹ میں ہندوستانی غنیم سندھ پر حملہ آور ہوئے۔

قبرستان:

مکلی میں جس جگہ ان کی قبر ہے، اسی مقام پر ان کی عبادت اور ریاضت کا آستانہ تھا۔ اس وقت قبرستان ویرانی کا منظر پیش کررہا ہے۔ راقم الحروف نے ۲۴ جنوری ۱۹۶۲ء کو اس قبرستان کا جائزہ لیا تھا۔

یہ قبرستان مکلی کے جنوبی حصے میں ہے۔ عید گاہ سے ایک میل مغرب کی جانب آئیں گے تو پہلے میکرا جھیل کا نشیبی حصہ نظر آئے گا عبور کرکے جب اوپر آئیں گے تو میکرا جھیل کے کنارے سے مغرب کی جانب قبرستان ہے۔

میکرا جھیل قبرستان کے شمال سے شروع ہو کر مشرق سے ہوتے ہوئے جنوب میں جاکر کلاں کوٹ کی جھیل سے ملتی ہے۔

قبرستان کی اراضی دو حصوں میں منقسم ہے۔ جنوب سے داخل ہوں گے تو پہلا حصہ آئے گا، جس میں مسافروں اور زائرین کے لیے کچی عمارتیں بر آمدے کی طرز پر بنی ہوئی ہیں۔ درمیان میں کشادہ صحن ہے اور ایک درخت کے نیچے پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں۔

مشرقی اور مغربی برآمدوں کو درمیان کی ایک تاریک گلی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ اس گلی سے دوسرے حصے میں داخل ہوں گے، وہی قبرستان کا حصہ ہے۔

پیر عالی کا مزار:

جیسے ہی اس گلی سے باہر آئیں گے، تو سامنے ایک کچے چبوترے پر کئی قبروں کے درمیان پیر عالی کی قبر نمایاں نظر آئے گی۔ جو کچی ہے، لیکن پختہ اینٹوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیر صاحب نے چونکہ کچی قبر بنانے کی وصیت کی تھی، اس لیے اس قبرستان کی ساری قبریں کچی ہیں اور اسی طرح چبوترہ بھی کچا ہے۔

دیگر قبریں:

اسی مرکزی چبوترے پر پیر صاحب کے مزار سے متصل مغرب کی جانب آٹھ قبریں ہیں اور مشرق میں دو قبریں ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ قبریں پیر صاحب کے صاحبزادوں اور ان کی اولاد کی ہوں گی۔ اسی

چبوترے سے متصل مغرب کی جانب دوسرا چھوٹا چبوترہ ہے، جس پر تین قبریں ہیں۔ ان سب قبروں کی صورت حال وہی ہے، یعنی کچی قبروں پر پختہ اینٹوں اور پتھر کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں چبوترے کچے ہیں۔ اُنھیں پتھر کا سہارا دے کر مٹی سے بھرا گیا ہے۔

چھوٹے چبوترے کے مقابل شمالی دیوار سے متصل، قبروں کی دو قطاریں ہیں۔ پہلی قطار میں چھے قبریں اور دیوار سے متصل قطار میں آٹھ قبریں ہیں۔ مشرقی دیوار کے ساتھ مستورات کی قبریں ہیں۔

قبرستان کے احاطے کی دیوار تینوں اطراف یعنی مغرب، شمال اور مشرق کی جانب سے اینٹوں اور پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر تعمیر کی گئی ہے۔ جو تقریباً تین فوٹ اونچی ہے۔

مسجد:

مستورات کی قبروں کے نزدیک شمالی دیوار سے متصل اور مشرقی دیوار سے تیس فوٹ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی کچی مسجد ہے، مسجد کے اندر مشرقی اور شمالی دیوار کے کونے پر، شمالی دیوار کے اندر ایک جگہ بنی ہوئی ہے، جس کے اندر دیا جلتا ہے اور کچھ خاک بھی پڑی ہوئی ہے۔

محفل سماع کا طریقہ:

راقم الحروف کو بتایا گیا کہ میلے کے موقع پر یا ہر جمعہ کی رات کو محفل سماع شروع ہونے سے پہلے، ایک فقیر مسجد میں داخل ہو کر اسی دیے کی خاک اپنے منہ میں ڈال کر دوڑتا ہوا جیسے ہی محفل میں پہنچے گا، محفل سماع شروع ہوجائے گی۔ یہ ایک رسم ہے۔ جب تک وہ ادا نہیں کی جائے گی، محفل سماع شروع نہ ہو گی۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کیوں ایسا کیا جاتا ہے، آخر اس کے کیا اسباب ہیں۔

شاہ لاکھو:

شمال مشرقی دیوار کے کونے میں مسجد کے مقابل، مشرقی دیوار سے باہر شاہ لاکھو (۳۳) کی قبر ہے، جو کچی ہے اور جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ بزرگ ولی اللہ تھے، ان کی قبر دیوار سے دس فوٹ کے فاصلے پر ہے۔

انگریز کی قبر:

قبرستان سے متصل جنوب مشرقی کونے پر ایک انگریز سپاہی کی قبر ہے۔ جو پتھر کی بنا ہوئی ہے۔ کتبے پر انگریزی میں یہ تحریر ہے:

MR MADROD

REGIMENT OFFICER

گل غیب یا کھنڈ سر:

پیر کے قبرستان کے جنوب میں پچاس فوٹ کے فاصلے پر ایک چھوٹی گہری کھاہی درختوں کے جھنڈ میں چھپی ہوئی ہے۔ اس کھاہی کو 'گل غیب کا تالاب' کہا جاتا ہے۔ یہ تالاب اس وقت خشک ہے۔ کسی زمانے میں پانی سے بھرا رہتا تھا۔ اس کھائی سے دور کلان کوٹ کی جھیل کا نشیب دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ گل غیب کا تالاب نہیں ہے، بلکہ یہ وہی کنواں ہے، جس کو مکلی نامہ میں کند سر بیان کیا گیا ہے۔

"نوش زائران و برایِ خرج مجاوران آنجا چاهی است، از زمزم متبرك تر و از چشمهٔ عیون اهلِ صفا انور، بس که هم چاشنیِ شکر است، در عرف نامش کند سر است."

میلہ اور محفل سماع:

قبرستان اگرچہ ویران ہے، لیکن شیخ عالی کے عقیدت مند آج تک ہر مہینے جمع کی شب سیکڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ ساری رات محفل سماع جاری رہتی ہے، صبح سویرے ہر کوئی اپنی راہ لیتا ہے، یہ رسم و رواج برسوں سے چلا آرہا ہے۔ ممکن ہے اب عقیدت مندوں کا اتنا ہجوم نہ ہو، تاہم اس رسم کا قائم رہنا بھی تعجب انگیز ہے۔

(١٦) طغرل آباد

جائے وقوع:

یہ شہر اور قلعہ، مکلی کے جنوبی سرے پر ہے اور مکلی کے سرکاری بنگلے سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر ہوگا۔ غلام اللہ جانے والی سڑک سے جب کلاں کوٹ جائیں گے تو چھے میل مسافت طے کرنے کے بعد کلاں کوٹ کے کھنڈرات نظر آئیں گے۔

یہ قلعہ یا شہر قدیم دور کا ہے، جس کو بعد میں مختلف ادوار میں مختلف حکمران اور امراء تعمیر کرتے رہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس کے نام بھی بدلتے رہے۔ مثلاً کلاں کوٹ، کلیان کوٹ، کلاں کوٹ، طغلق آباد اور طغرل آباد۔ تقریباً دو سو برسوں سے قلعہ اور شہر مسمار ہوتے ہوتے، آج کل کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔ نہ شہر سلامت رہا اور نہ قلعہ قائم رہا۔ اسی طرح کوئی تعمیر باقی نہیں رہی۔

کلا کوٹ:

میر علی شیر کی روایت کے مطابق یہ شہر کلا راجا (؟) نے تعمیر کروایا تھا اور ان کے نام کی مناسبت سے کلا کوٹ مشہور ہوا۔ مؤلف موصوف نے ایک دیومالائی قصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس قلعے میں ایک سانپ رہتا تھا، جس کا سر کلاں کوٹ میں اور دم ہندوستان میں ہوتی تھی۔ جب تک اسی کا سر کلاں کوٹ میں تھا، تب تک ہندوستان سندھ کا باج گذر اور محکوم (؟) رہا اور پھر جب اس سانپ کا سر ہندوستان کی طرف اور دم کلاں کوٹ کی طرف ہوگئی، اس دن سے سندھ غیروں کے ماتحت رہنے لگا۔

کلیان کوٹ:

میرزا قلیچ بیگ نے بھی ایک ایسی ہی دیو مالائی کہانی لکھی ہے۔ بقول ان کے اس شہر کا نام کلیان کوٹ تھا یعنی آرام گاہ، امن و آرام اور راحت کی جگہ۔ میرزا مرحوم نے مزید لکھا ہے کہ یہ قلعہ سہون کے قلعے کی طرح قدیم ہے اور سکندر اعظم کے دور میں بھی موجود تھا۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ ستر اسی برس پہلے اس قلعے کی کھدائی کرتے ہوئے جلی ہوئی گندم ہاتھ آئی تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر آگ لگنے سے تباہ و برباد ہوگیا۔

تغلق آباد:

ایک روایت کے مطابق سندھ کے سومرہ حکمرانوں کا دار الخلافہ 'محمد طور' جب تباہ ہوا تو کچھ عرصے کے لیے اس شہر کو دارالحکومت بنایا گیا۔

سما دور میں شہر شاید کچھ ویران ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ سما حکمران جام تغلق نے اس کی نئے سرے سے مرمت کروائی۔ شاندار عمارات تعمیر کروا کر اس شہر کو پر رونق بنایا۔ سومرہ دور میں اس کا نام کیا تھا؟ وہی نام قائم تھا یا تبدیل ہوا؟ اسی سے متعلق کچھ معلوم نہیں، لیکن جام تغلق کی مرمت کے بعد شہر کو تغلق آباد کہا گیا۔ (۳۴)

کلاں کوٹ:

اس قلعے کو کلاں کوٹ بھی کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل نام نہیں ہے، بلکہ کلا کوٹ (قلعہ) یا کلیاں کوٹ (قلعہ) کے نام کا اسلامی بگاڑ ہے۔ کلان کوٹ یعنی بڑا قلعہ۔ میر قانع نے مکلی نامہ میں لکھا ہے:

"در عرف کلام کوت اش گویند و بی غایله ریب آن چنانکه محسوس است در اعتلایش بر سایر کوتها حرفی نیست۔" (۳۵)

طغرل آباد:

اسی قلعے کا ایک نام طغرل آباد بھی ہے اور میر قانع نے اسی دوسرے نام سے مکلی نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے:

نظاره ها شیدا بود، دل را سر سودا بود
قانع تمناها بود، مر سیر طغرلباد را

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ دور کے ایک امیر طغرل بیگ (متوفی ۱۱۹۵ھ) نے اس قلعے کی مرمت کروائی، جس کے بعد اس کا نام تبدیل ہو کر طغرل آباد ہو گیا۔

ارغون دور:

معلوم ہوتا ہے کہ ارغون دور (۲۷-۹۶۲ھ) یا ترخان دور (۶۲-۱۰۰۰ھ) میں تغلق آباد کا قلعہ مضبوط تھا، شہر آباد تھا اور ٹھٹہ کے قریب ہونے کے سبب حکومت کا دوسرا مرکزی اور حفاظتی نقطۂ نگاہ سے محفوظ اور مضبوط شہر سمجھا جاتا تھا۔ بوقت ضرورت حکمران اس قلعے میں قیام پذیر ہوتے تھے، جنگ کے زمانے میں اپنے اہل خانہ کے لوگ، اہم اور نازک سامان اس طرف منتقل کیا جاتا تھا۔

سندھ کے آخری آزاد سلطان جام فیروز سما اور شاہ حسن ارغون

کے درمیان آخری اور فیصلہ کن جنگ چاچکان اور داہمون کی طرف ہوئی، جس میں طرفین کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے اور جام فیروز شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر گجرات چلا گیا۔ اس جنگ کے بعد شاہ حسن تغلق آباد میں قیام پذیر ہوئے۔ قلعہ محفوظ تھا۔ اُنھیں پھر بھی جام فیروز سے خطرہ تھا، اس لیے وہیں بیٹھ کر حکومت کا کاروبار چلانے لگے۔ گجرات کے نامساعد حالات کے سبب چھے مہینے کے عرصے میں فیروز وہاں سے کوئی مدد لے کر حملہ آور نہ ہوسکا، تو پھر شاہ حسن مطمئن ہو کر انتظام کی خاطر وہاں سے بکھر روانہ ہوا۔ (۳۶)

آخری دور میں شاہ حسن کے ارغونوں اور ترخانوں سے سخت اختلافات پیدا ہوئے۔ ارغونوں اور ترخانوں نے شاہ حسن کو بیمار اور معذور تصور کرکے ان سے ملکی انتظام چھیننا چاہا۔ اس لیے مجبور ہو کر وہ مقامی لوگوں پر اعتماد کرکے اُنھیں اپنی پشت پناہی میں لانا چاہتے تھے۔ ان کے اس عمل پر مؤرخین نے سخت تنقید کی ہے۔ مقامی لوگوں کو ذلیل اور کمینہ سمجھ کر اس قسم کی عبارات تحریر کی ہیں:

"۔ اکثر مردم اوباش و ارزال و اجلاف بہ محرمیت و قرب او اختصاص یافتند۔ کار مردم اوباش روز بروز در ترقی بود، و ازین ممر مردم ارغون و ترخان مدتی حیرت زدہ در تتہ مغموم می بودند۔" (۳۷)

غلامانہ ذہن کے تصورات ہمیشہ اس قسم کے ہوتے ہیں، باہر کے لوگوں کو بالاتر اور مقامی باشندوں کو نا اہل، ارزل اور بے کار سمجھا جاتا ہے۔ عہدے اور فائدے باہر کے لوگوں کا حق سمجھا جاتا ہے اور مقامی لوگوں کے لیے غلامی کی خواری و خجالت میں رہنا مناسب تصور کیا جاتا ہے۔

بہرحال شاہ حسن ارغون نے اپنے قبیلے یا ترخانوں اور مغلوں کے مقابلے میں، جب ٹھٹہ کی صوبے داری کا سوال اٹھا تو انھوں نے ایک مقامی آدمی عربی گاہا کو منتخب کیا اور حکومت کا دوسرا کاروبار چلانے کے لیے اسماعیل بُھرا کو مقرر کرنے کے بعد خود اپنے علاج معالجے میں مصروف ہو گیا۔ عربی گاہا کو تو میرزا نے نہ صرف نیابت عطا کی، بلکہ اُسے اپنا جانشین مقرر کرکے تغلق آباد میں قیام پذیر ہو کر کاروبار مملکت چلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ قتل ہونے (۱ محرم ۹۶۱ھ) تک عربی

گاہا تغلق آباد میں شاہ حسن کی نیابت میں کاروبار چلاتا رہا۔

ترخانی دور:

تغلق آباد کا قلعہ ترخانی دور میں بھی سابقہ اہمیت کے ساتھ محکم اور قائم رہا۔ ۹۹۹ھ میں خان خانان ٹھٹہ پر حملہ آور ہوا۔ میرزا جانی بیگ نے اپنا اور اپنے امراء کے اہل خانہ اور دوسرا ساز و سامان یعنی خزانہ اور اناج وغیرہ تغلق آباد روانہ کیا۔ ٹھٹہ شہر کو دانستہ ویران کیا گیا، تاکہ دشمن اگر قبضہ کرلے تو اُسے کچھ حاصل نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں تغلق آباد کو ہر لحاظ سے حفاظتی ضروریات سے آراستہ کیا گیا۔ قلعے کی مضبوطی اور دوسرے ساز و سامان کے متعلق ترخان نامہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> "از طرف قلعہ تغلق آباد خاطر جمع است... اهل قلعه آذقه سه چهار ساله دارند و توپخانه و آلات و ادوات حرب مکمل در آنجاست۔"

یہ قلعہ ایسی جگہ پر واقع تھا کہ کہا جاتا ہے کہ دو کوس کے محاصرے تک کوئی بھی اس کے نزدیک نہیں آ سکتا تھا۔ بدو کروهی کسی نزدیک و دور آن قلعه نمی تواند شد. (۳۸)

خان خانان نے اپنے لشکر کا آدھا حصہ ٹھٹہ اور تغلق آباد کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر جانی بیگ کے اپنے آدمی نمک حرامی اور غداری کر کے خان خانان سے نہ مل جاتے تو وہ نہ تغلق آباد کا قلعہ فتح کرسکتا اور نہ سندھ پر قبضہ کرسکتا۔(۳۹) تغلق آباد تک دشمن کا لشکر ابھی پہنچا ہی نہ تھا کہ اس سے پہلے جانی بیگ اور خان خانان کی صلح ہو گئی۔

خان خانان اور جانی بیگ کے درمیان صلح ہونے کے بعد دونوں ایک ساتھ ٹھٹہ پہنچے اور وہاں سے تغلق آباد کا قلعہ دیکھنے گئے اور پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر سمندر کے راستے منوڑہ پہنچے۔ (۴۰) خان خانان نے زندگی میں پہلی بار سمندر کی سیر کی تھی۔ اس زمانے میں لاہری بندر آباد تھا۔ وہ تغلق آباد سے لاہری بندر گئے، جہاں سے بیس کوس منوڑہ واقع ہے۔ ترخان نامہ کے مؤلف نے اسے موضع منہرہ لکھا ہے۔

مغلیہ دور: معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلع اورنگزیب کے زمانے تک آباد تھا اور سرکاری استعمال میں آتا تھا۔ عمارات سلامت تھیں اور قلعہ بھی مضبوط تھا۔ عالمگیر کے دور کے ایک صوبے دار مرید خان ۱۱۰۱ھ میں ٹھٹہ کی حکومت سے معزول ہوا۔ ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے وہ کچھ عرصے قلعے میں قیام پذیر رہا اور قلعہ اور دوسری عمارات کی ضرورت کے مطابق مرمت بھی کروائی۔

قلعے کے متعلق ہمارے پاس یہ آخری اطلاع ہے، اس کے بعد صرف اُس کی بربادی کے متعلق ذکر آیا ہے۔

قلعے کی بربادی:

تاریخی روایات کے تسلسل سے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کی وفات کے بعد جیسے جیسے سندھ میں مغلیہ تسلط کا زوال شروع ہوا تو ٹھٹہ کا مرکز بھی کمزور ہوتا گیا، اسی طرح تغلق آباد کی آبادی بھی ویران ہوتی گئی اور وہاں کی پوری آبادی شکست و ریخت کا شکار ہوگئی۔

۱۱۷۴ھ میں میر قانع نے جب مکلی نامہ تصنیف کی تو تغرل آباد کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملادیے، یہاں تک کہ وہ لکھتے ہیں:

> "خاکش بہ سیرابی بر کشمیر تفوق دارد و ھوایش بہ شادابی بر ابر مطیر سبقت می آرد. صبحش را سورہ والشمس تفسیر و شبش را آیات نور تعبیر. ماہ از آنجا استکساب نور کند و مھر آلایشِ تکدر از آن زمین دور نماید. شام غریبان را صبح امید آن‌جا ھست و سحر شب بیداران را مھر ازان سو پیدا، سبزہ زارش را آھوان چین جویان و مرغزارش را غزالان حرم پویان..."

لیکن یہ ساری تعریف اور توصیف ویرانی کے عالم کی ہے۔ محلات زبوں ہوچکے تھے۔ تالاب سوکھ گئے تھے اور قلعہ مختلف جگہوں سے مسمار ہوگیا تھا۔ اس قلعے کی تعریف کرتے ہوئے قانع نے اپنے زور بیان کا کمال دکھایا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "ھر چند اکنون از مدتھا آباد ظاھر ندارد، فاما در ایام باران ھجوم خلق آن جا اقصی الغایت صورت می بندد. عمارات

مندرسه قدیمه اش نوربار، شکسته ریخته دیوارهایِ قلعه اش منبعِ انوار... سبحان اللہ! آن را که در خرابی چنین حال، حین آبادی چه مثال داشته باشد. هر گاه کسی درو پا می نهد هوش را اول بیرونِ در جا میدهد...“

میر قانع نے تحفۃ الکرام ۱۱۸۱ھ میں لکھی۔ اس کتاب میں بھی اُنھوں نے لکھا ہے کہ قلعے کے محل ویران ہوچکے تھے اور تالابوں کے کناروں پر جو عمارات تھیں، وہ زمین دوز ہیں۔ (۴۱)

قلعہ اور اس کی آبادی کیوں ویران ہوئے؟ اس کا کوئی سبب معلوم نہیں اور نہ ہی کسی کتاب میں اس کے متعلق کوئی مواد ملتا ہے۔ میرزا قلیج بیگ کے مطابق یہ آبادی آگ لگنے کے سبب برباد ہوئی۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ آگ لگنے سے اتنا مضبوط قلعہ اور شاندار عمارت نیست و نابود ہوگئیں، جس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

تغلق آباد اور اہل اللہ:

یہ آبادی اور اس کا گرد و نواح ویران ہونے سے قبل اور ویران ہونے کے بعد کئی اہل اللہ کا مسکن رہا ہے۔ مشہور مجذوب اور ولی اللہ میاں لاکھو یہاں کے تھے۔ وہ ویران قلعے کے اندر گرمی اور سردی میں چرم کی لنگوٹی پہنے رہتے تھے۔ سید ابراہیم گوڈڑیہ بھی وہیں رہتے تھے۔ اور شاہ جنید بھی وہیں کے رہنے والے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہیں مدفون ہوئے۔ ملا داؤد درس بھی اس علاقے کے تھے اور وفات کے بعد ان کو دو تین کوس دور دفن کیا گیا۔

موجودہ صورتحال:

راقم الحروف نے ۲۷ مئی ۱۹۵۲ء میں تغلق آباد کا مشاہدہ کیا۔ قلعے کے آثار موجود تھے جو وسیع اراضی پر بکھرے ہوئے تھے۔ قلعہ پختہ دیوار کا بنا ہوا تھا۔ جگہ جگہ اینٹوں کے ڈھیر نظر آئے۔ قلعے کی دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اس کے اوپر بہ یک وقت چار بیل گاڑیاں چل سکتی تھیں۔ قلعے کے شمال اور مغرب میں پہاڑ نظر آتے ہیں۔ شمال کی جانب ایک وسیع جھیل اور جنوب کی جانب دریا تھا، اس لیے یہ قلعہ بیرونی حملے سے محفوظ

تھا۔ اسی جھیل کو اکھور (؟) کہا جاتا تھا، جیسے مکلی نامہ میں مذکور ہے: تالاب اکھور پائین کوہ طرف شمال آن قلع والا شکوہ است! قانع نے ایک لمبا قصیدہ اسی جھیل کی توصیف میں مظوم کیا ہے۔

قلعے کی اندرونی اراضی میں پختہ اینٹوں کے اتنے انبار پڑے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعے کے اندر کئی شان دار پختہ عمارات تھیں۔ بہت سے چوکور پختہ تالاب، شکستہ حالات میں اب بھی موجود ہیں۔ مکلی نامہ میں ان کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

"تالابهایِ چندی اندرونش بطراوتِ آب و سبزۂ خود فریب. تو گویی خشت پزانش پنجۂ خورشید را جای کالبد بکار بردند و سنگ تراشانش تیشۂ هلال را برایِ مشق نقش کنی آزمودند. گچ اش مصفا تر از طباشیر و سفیده اش از ماهتاب بیش تنویر."

جامع مسجد جس کے متعلق تحفۃ الکرام کے مصنف نے لکھا ہے کہ: یہ مسجد شاہجہانی مسجد سے ڈیڑھ گنا لمبی ہے۔ (۴۲) اس وقت اگرچہ شہید ہوچکی ہے، لیکن اُس کی دیواریں کسی حد تک اب بھی موجود ہیں۔ جن سے مسجد کی عظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہمارے قیاس کے مطابق یہ مسجد ترخان عہد کی ہے اور ساخت کے لحاظ سے ٹھٹہ کی دابگر مسجد کی طرح ہے۔ مسجد دو منزلہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تینوں اطراف گیلریاں تھیں اور کونوں پر اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تھیں، مسجد کے مینار بلند اور چوڑے تھے، جس کا اندازہ ان کی بنیادوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ اندر کاشی کاری کا نہایت ہی خوب صورت کام کیا ہوا ہے۔ غالباً باہر بھی ہوگا۔ اندر ابھی تک کچھ آثار موجود ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف پختہ اینٹوں کے بڑے انبار موجود ہیں، جس سے مسجد کے طول و عرض کے متعلق انداز لگایا جاسکتا ہے۔

مسجد کے مشرق کی جانب قریب ہی پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ایک تالاب موجود ہے، جس کی لپائی چونے کے گارے سے کی گئی ہے۔ اس طرح مسجد کے جنوب میں ایک ایسا ہی پختہ تالاب ہے۔ گمان غالب ہے

کہ مسجد شہر کے مرکز میں تھی اور اس کے آس پاس تالاب اور خوبصورت باغات تھے۔ لوگ قلعے کی ہوا خوری اور سیر و تفریح کے لیے اس مرکزی جگہ پر آتے تھے۔ شہر نقشے کے مطابق بنا ہوا تھا۔ اس سرزمین کی تعریف میں میر قانع رقم طراز ہیں:

"بی بادہ اینجا کیفیتِ سرور دست دھد، و جز نواسر و برگ عشرت اینجا میسر گردد. سبزان کانِ خوبی و ملیحانِ ریحانِ محبوبی. علی الرسمِ تفنن شبھا بیرون قلعه در موضعه معین (؟) فرمایند و روزھا به قانون گل گشت اندرون قلعه در سبزه زارھا بساط عشرت گسترند... ماشاء اللہ چه جایِ با صفا است؟ تا نظر راه رود جز آب و سبزه مرئی نه، وبدون گل افشانی روح و سرور تماشایی را معاینه نیست." (ص۷۷)

یہ سرزمین آج کل ویران اور سنسان ہے۔ اس کی ویرانی اور بربادی پر تعجب اور حیرت ہوتی ہے۔ بربادی تو ہوتی ہی ہے، لیکن خدا کرے ایسی بربادی کہیں نہ ہو۔
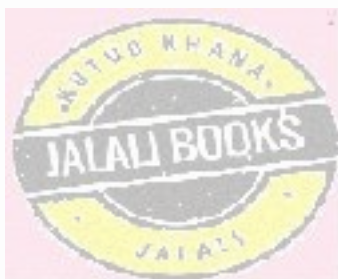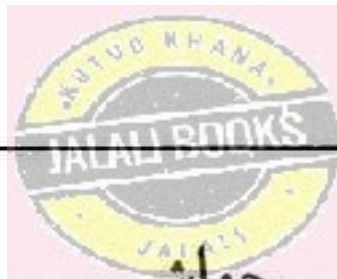
حواشی

(۱) ترخان نامہ ص۶۵
(۲) معصومی ص۱۱۳
(۳) ترخان نامہ ص۶۲
(۴) معصومی ص۲۱۷، پورانی سادت کے متعلق ملاحظہ ہو میرا مقالہ
(۵) ترخان نامہ ص۶۳
(۶) تحفۃ الکرام (سندھی ترجمہ) ص۱۷۹
(۷) ایضاً ص ۶۳۱، ۱۸۰
(۸) تحفۃ الکرام (سندھی ترجمہ) ص۱۱۶
(۹) ایضاً ص۱۷۳
(۱۰) ایضاً ص۱۸۰
(۱۱) ایضاً ص۱۸۰
(۱۲) ترخان نامہ ص۶۳
(۱۳) ملاحظہ ہو میرا مقالہ ٹھٹہ شہر کا تاریخی جغرافیہ۔
(۱۴) نام سید محمد، لقب خاتم الاولیاء، مہدی موعود کے عرف سے مشہور ہوئے، ان کا شجرہ نسب یوں ہے: سید محمد بن سید عبداللہ بن عثمان بن موسیٰ بن قاسم بن نجم الدین بن عبداللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسماعیل بن موسیٰ بن کاظم بن جعفر صادق بن باقر۔

سید محمد ۱۴ جمادی الاول پیر کے دن ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) کو جونپور میں پیدا ہوئے۔ ۸۶۹ھ میں دینی تعلیم سے فراغت حاصل کی ۹۰۱ھ میں ٹھٹہ آئے، جہاں سے حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ٹھٹہ میں جھنڈو پاتنی ان کے مرید ہوئے۔ ۹۰۵ھ میں بریلی میں مہدویت کا اعلان کیا۔ اس بات پر اس دور کے علماء

سخت برہم ہوئے۔ سید صاحب کی سخت مخالفت شروع ہوئی۔ اسی انتشار کے سبب ۹۰۶ھ میں ترک وطن کر کے جیسلمیر کے راستے سندھ کے شہر نصرپور پہنچے۔ وہاں سے ٹھٹہ تشریف لائے۔ کچھ عرصے مکلی کی پہاڑی پر قیام فرمایا۔ اس کے بعد اپنے نو سو مریدوں کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ قندھار کے حکمران شاہ بیگ ارغون نے سید صاحب کی بہت پذیرائی کی۔ ۹۱۰ھ ربیع الاول فراہ (قندھار اور ہرات کے درمیان) تشریف لائے۔ ۱۹ ذی قعد (۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء) ۹۱۰ھ پیر کے دن انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس تھی۔ اُنھیں رج اور فراہ کے درمیان دفن کیا گیا۔ شاہ قاسم عراقی نے 'عشق تم' سے ان کی وفات کا سال نکالا۔

ٹھٹہ میں سندھ کے متعدد علماء، امراء اور اہل طریقت ان کے مرید اور معتقد ہوئے۔ شیخ صدر الدین مفتی، خان اعظم دریا خان، علامہ قاضی قادن، سید مبارک وغیرہ اس دور کے ان کے مرید ہیں۔ شاہ عنایت شہید کے گاؤں جھوک کو میران پور اس لیے کہا گیا کہ سید میران محمد جونپوری تھوڑا عرصہ وہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔

(۱۵) تکلمہ ۶۵۴

(۱۶) تحفۃ الکرام ص ۲۰۴

(۱۷) ان کا اصل نام عثمان تھا اور ذات کے سمیجہ تھے۔ عالمگیر نے اُنھیں فاضل خان کا لقب دیا۔ دہلی میں شاہی میر منشی تھے۔ علامہ مخدوم محمد معین کے دادا مخدوم طالب اللہ کے شاگرد تھے۔ مخدوم معین ان کے نواسے تھے، مخدوم محمد امین نے اسی گھر سے پیدا شدہ اپنی بیٹی، میر سید رفیع رضوی کو نکاح میں دی۔ جن کے بطن سے مشہور شاعر نجم الدین عزلت پیدا ہوئے۔

(۱۸) مقالات ۶۹۱
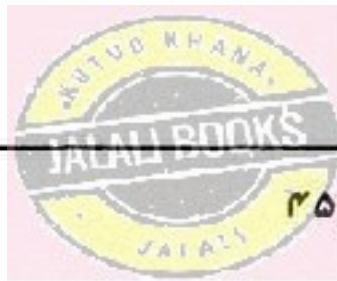
(۱۹) مقدمہ دیوان عطا ص۴۵

(۲۰) مقالات ص۳۷

(۲۱) ۱۱۲۵ھ میں اس کے ٹھٹہ کے دوسرے مغل صوبے دار نواب عطر خان سے کئی معرکے ہوئے۔ نواب اُنھیں ٹھٹہ کا چارج نہیں دے رہے تھے۔ مرکز میں باہمی جنگ و جدل کے سبب صوبوں پر بادشاہت کا اثر ختم ہوچکا تھا۔ ہر ایک صوبے دار خودمختار ہونا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نواب عطر خان ٹھٹہ کا چارج نہیں دینا چاہتے تھے۔ سید چونکہ مقامی تھے، اس لیے دہلی سے ان کے نام صوبے داری کا پروانہ آیا تھا۔ نواب عطر خان اس جنگ میں قتل ہوئے، ان کی قبر مکلی پر شیخ جیہ کے قبرستان میں ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

"بتاریخ هفتم شهر محرم مرحوم غیاث الدین عطر خان عرف سعد خان بن سعید خان بگلگونۂ شهادت رحلت نمود. سنه ۱۱۲٦ھ."

(۲۲) مقالات ۸۷۳

(۲۳) تکملہ ص۵۱۸

(۲۴) تکملہ ص۴۸۲

(۲۵) تکملہ ص۲۷۸

(۲۶) مقالات ص۳۵۴

(۲۷) مقالات ص۷۳۷

(۲۸) خان بہادر خداداد خان مرحوم نے 'لب تاریخ سندھ' میں لکھا ہے کہ: مطیر لطف علی ہمت کے دوسرے صاحبزادے میر ذوالفقار علی شاہ تالپوروں کے عہد میں تحصیل دار تھے۔ ان کے صاحبزادے حاجی سید روشن علی شاہ تھے، جو خان بہادر کے عہد میں کراچی سول کورٹ کے ناظر تھے اور پھر جھرک میں کاردار رہے۔

(۲۹) تکملہ ص۵۵۴
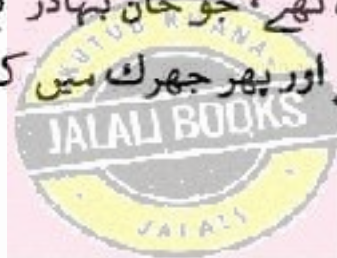
(۳۰) سید غلام محمد شاہ نے اپنا نسب نامہ یوں بیان کیا:
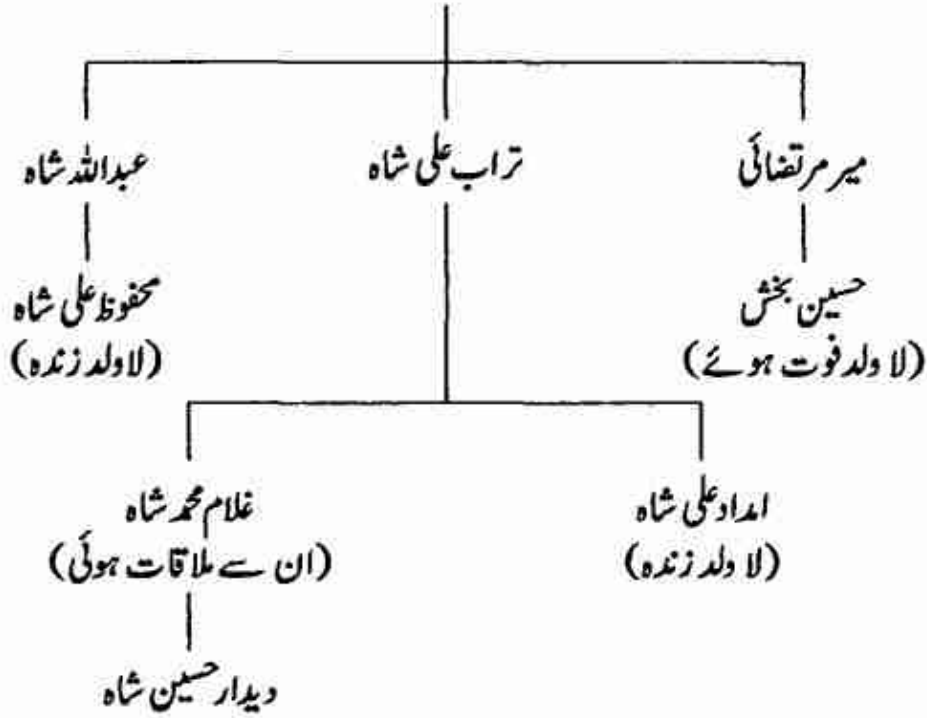
(۳۱) مولوی مذکور نواب کے دور میں عدالت کا داروغہ تھا۔ ان کے صاحبزادوں کو بھی پڑھاتا تھا، اچھا شاعر اور خوش نویس تھا۔ (مقالات الشعراء ۷۶)

(۳۲) مقالات ص ۳۹۰

(۳۳) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحفۃ الطاہرین ص ۱۴

(۳۴) تحفۃ الکرام

(۳۵) مکلی نامہ ص ۷۶

(۳۶) معصومی، ترخان نامہ ص ۲۶

(۳۷) ترخان نامہ ص ۳۶

(۳۸) ایضاً ص ۷۶

(۳۹) ایضاً ص ۳۹

(۴۰) ایضاً ص ۴۰

(۴۱) تحفۃ الکرام ص ۸۴

(۴۲) تحفۃ الکرام (سندھی ترجمہ) ص ۲۶۱
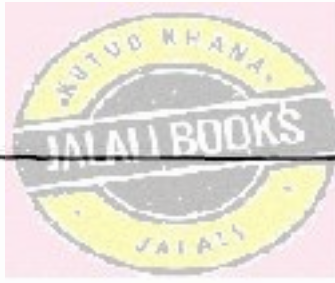
ضمیمے اور اضافے

ضمیمہ اول

مکلی اور اس کے گرد و نواح میں جو مشائخ کے مقابر ہیں، ان کی جائے وقوع کے سلسلے میں تحفۃ الکرام، تحفۃ الطاہرین اور مقالات الشعراء میں جو منتشر معلومات موجود ہیں، وہ ہم جمع کر کے ذیل میں درج کررہے ہیں۔ حواشی میں کتب کے لیے مندرجہ ذیل تخفیفات درج کی گئی ہیں:

تک: تحفۃ الکرام– مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

تط: تحفۃ الطاہرین – مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

مقالات: مقالات الشعراء– مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

تحفۃ الکرام کا سندھی ترجمہ ہمارے پیش نظر رہا، جہاں فارسی اشاعت کا صفحہ دیا گیا ہے، وہاں (تک فارسی) لکھا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کتب سے ماخوذ مواد کے علاوہ راقم الحروف نے اپنی طرف سے جابجا اپنے ذاتی مشاہدے اور معلومات کے پیش نظر اضافے کیے ہیں۔ اس قسم کے اضافے وہ سمجھے جائیں، جن کے آخر میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہو۔ ان صفحات میں فقط ان بزرگوں کے مقبروں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے متعلق مذکورہ کتب میں موجود ہے۔ (۱)

ملاد احمد کی رانک: ملا احمد، جو شاہ فتح اللہ شیرازی(۲) کے شاگرد اور ابوالفضل اور فیضی کے ہم درس تھے، مکلی میں مدفون ہیں اور ان کی رانک ان کے نام سے مشہور ہے۔(۳)

شیخ ابوبکر کی پہاڑی:

شیخ ابوبکر شیخ، بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے، ان کا مزار ایک پہاڑی پر ہے اور وہ پہاڑی ان کے نام سے مشہور ہے۔ (۴)
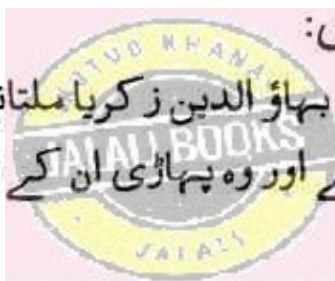
پیر آسات:

پیر آسات، عبداللہ شاہ کی خانقاہ کے مغرب کی جانب راستے سے متصل مدفون ہے۔

میاں مٹھو:

ان کا مزار پیر آسات کی سیڑھی کے نیچے ہے۔ (۵)

بہاؤ الدین گوڈڑیا: (مرید مخدوم نوح ہالائی) آپ کا مزار میاں مٹھو کے مزار سے متصل ہے۔ (۶)

پیر آسات کے مزار کی زیارت راقم نے ۱۰ جولائی ۱۹۶۶ء کو کی۔ یہ مزار عبداللہ شاہ کی خانقاہ کے جنوب مغربی کونے پر پچاس قدم کے فاصلے پر ہے۔ خانقاہ کی عمارت مسمار شدہ ہے، داخلی دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ اندر شمال کی جانب چبوترے پر ایک پتھر کی قبر ہے، جس کے اوپر کسی زمانے میں گنبد نما چھت تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ پیر آسات کی منگیتر کی قبر تھی۔ پائیں یہ کتبہ ہے:

بتاریخ چھاردھم

رجب ۱۰۷۶ عصمت پناہ

دنیای [کذا] برحمت حق پیوست.

منگیر والی روایت درج شدہ سال کے مطابق بُعد زمانہ کے سبب غلط ہے۔

داخلی دروازے سے اندر جاکر چھت والی عمارت عبور کرکے مغربی ایوان میں پہنچیں گے تو پتھر کے کٹھہرے کے اندر پتھر کی ایک قبر ہے، جس کے پائیں ایک کھبڑ (پیلو) کا درخت ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ پیر آسات کی قبر ہے۔ قبر پر کتبہ نہیں ہے۔

اسی قبر کے بالیں، شمال کی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو اب ویران ہے۔

پیر آسات کی قبر کے مغرب میں چند قبریں ہیں، جو اس قبرستان کے احاطے کے اندر تھیں اور احاطے کی دیوار مسمار ہونے کے سبب، اب وہ الگ دکھائی دیتی ہیں۔ دو قبریں پتھر کی ہیں، جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہے:

تاریخ ھشتم شھر صفر ۱۰۷۹ھ

برحمت حق پیوست

دوسری قبر تھوڑے فاصلے پر ہے، اس قبر کے مشرقی پہلو کے بالائی کنارے پر مندرجہ ذیل اشعار ایک ہی سطر میں کندہ ہیں:

فاتحه بر فردوسِ آن معصومه، کز لطفِ اله

یافت فردوسِ برین ماویٰ بحسنِ خاتمه

سال تاریخ وفاتش از سرِ ایقان نوشت

جاودان با زیب جنت در جوارِ فاطمه

پائیں سنه ۱۰۹۰ کنده ہے۔

پیر آسات کی قبر کے متعلق مندرجہ بالا روایت عبداللہ کے مجاوروں کی ہے، کوئی حتمی ثبوت نہ مل سکا۔

شیخ اسحاق بھوترہ کا گرد و نواح: سید شکر اللہ شیرازی، شیخ اسحاق کے جوار مدفون ہیں۔(۷)

تحفة الکرام کے مطابق ملا احمد ٹھٹوی قاضی محمد قاسم کے بھائی تھے۔ "قاضی محمد قاسم- از مشاهیر انام معروف ایام و روزگار بکمال فضیلت گذراند-" اسی بزرگ کا خاندان علم اور روحانیت کے سلسلے میں بلند درجے پر فائز تھا۔ دونوں بھائیوں کی اولاد کا رتبہ دینی لحاظ سے ارفع و اعلیٰ تھا۔ (۸)

شیخ ابو تراب (شیخ ترابی):

گجو قصبے کے نزدیک سڑک سے ڈیڑھ میل جنوب کی طرف واقع ہے۔ ان کا مقبرہ شاہی سڑک سے گذرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ گجو سے ٹھٹہ بارہ میل کے فاصلے پر ہے اور گجو سے کراچی کا فاصلہ تقریباً پچاس میل ہے۔ سڑک کے شمال میں گجو ہے اور جنوب میں شیخ کا مقبرہ۔

یہ گاؤں جہاں شیخ کا مقبرہ ہے، اسے کجھی گاؤں کہا جاتا ہے، جو نارو اور لتو شہر کے برباد ہونے کے بعد اسی مقام پر آباد ہوا۔ یہ گاؤں، کھوڑی گاؤں (جو رسول آباد یا محمد طور ثانی کے بجائے آباد ہوا) کے قریب ہے۔ (۹)

گنبد کی تعمیر ۱۷۱ھ میں ہوئی۔ (۱۰)

شیخ قندز رانی، لال جوان، پیر دادن، قبول حبشی، چھتو مشائخ اور

پیر کپور کی قبریں بھی شیخ ترابی کے ساتھ ہیں۔ (۱۱)

شیخ احمد اور شیخ محمد بغدادی:

یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ساتھ مدفون ہیں۔(۱۲)

میر کی سادات (سادات پورانی) کے قبرستانی کے مشرق میں ہیں۔ (۱۳)

سید شکر اللہ کا مزار سید عبداللہ کے خانقاہ کے مغرب میں ہے۔ (۱۴)

سید جمال سید شکر اللہ کے برابر میں ہے۔ (۱۵)

تغلق آباد- کلاں کوٹ:

سید ابراہیم کی قبر کلاں کوٹ کے قلعے کی دیوار کے نیچے ہے۔(۱۶)

کلاں کوٹ سے متصل ایک جھیل ہے، جسے داؤد دادرس کی جھیل کہا جاتا ہے۔ یہ درویش جھیل کے پاس مدفون ہیں۔ یہ سید مراد شیرازی کے ہم عصر تھے۔ (۱۷)

درویش دادرس کے خانقاہ کے پاس درویش سید حلیم مدفون ہیں۔ (۱۸)

پیر پٹھو (پیر آر):

پیر پٹھو کا قبرستان ٹھٹہ سے جنوب کی طرف پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔

یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے جہاں قدیم آبادی کے آثار موجود ہیں۔ قبرستان نہایت پر فضا مقام پر واقع ہے۔ ایک طرف سے نہر بہتی ہے اور نشیبی حصہ سرسبز و شاداب ہے۔

پیر پٹھو دیولی نے ۶۴۲ھ میں وفات پائی۔ (۱۹)

شیخ جمیل گرناری اور سید عبدالہادی پیر پٹھو کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۲۰)

شاہ وجیہ الدین (سید جمیل کا خلیفہ) شیخ جمیل کے احاطے میں اس کے پائیں مدفون ہیں۔ (۲۱)

شیخ جمیل کا دوسرا خلیفہ شیخ کرم اپنے مرشد کے پائیں مدفون ہے۔ (۲۲)

شاہ آری جو شاہ وجیہ الدین کی اولاد میں سے ہے، وہ شاہ جمیل کے خانقاہ کے شمال میں نشیبی زمین پر مدفون ہے۔ (۲۳)

درس علاؤ الدین سومرو۔ شاہ جمیل اور پیر پٹھو کے درمیان دفن ہیں۔ (۲۴)

میاں پنجن شاہ:

(میاں پنجن شاہ اور سید حاجی شاہ مکلی پر ایک دوسرے کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۲۵)

سید محمد ہاشم کا مزار سید حاجی کے ساتھ ہے۔ (۲۶)

شیخ جاڑو کی پہاڑی: شیخ کی قبر کے سبب یہ پہاڑی اس نام سے مشہور ہوئی۔ شیخ کی قبر پر مندرجہ ذیل کتبہ ہے:

سید حسین سلطان جاڑیو ولد امام سید ابو احمد عبداللہ اکبر بن امام
سید ابو صالح موسیٰ بن امام ابی عبداللہ المتوفی ۷ رجب ۲۶۶ھ۔

شاہ جنید:

شاہ کا مزار مکلی پر تغلق آباد کے قریب ہے۔ (۲۷)

جلوہ گاہ امامین:

مشرقی دیوار سے متصل نواب سیف اللہ (ٹھٹہ کا گورنر) مدفون ہے۔ مولوی اسداللہ نے ان کی وفات کی تاریخ یوں نکالی ہے، جو ان کے اپنے خط میں کندہ ہے۔ (۲۸)

دست وی با دامن آل عباست (۱۱۴۲ھ)

نواب کی قبر چہار دیواری کے اندر ہے۔ پتھر کی یہ قبر ایک چبوترے پر ہے دوسری قبریں بھی اس احاطے میں ہیں جو ان کی اولاد کی ہیں۔

شیخ جیو کا آس پاس:

میاں احمد کتابی، شیخ کی خانقاہ کے شمال کی جانب مدفون ہیں۔ (۲۹)

شیخ جنید اور شیخ جیئند:

خانقاہ کے شمال میں مدفون ہیں۔ (۳۰)

میاں لال، خانقاہ کے مشرق میں مدفون ہیں۔ (۳۱)

شیخ جیو کے والد شیخ نعمت اللہ کی خانقاہ شیخ کے گنبد کے پیچھے شمال میں ہے۔ (۳۲)

شیخ جیو کے گنبد کے اندر جملہ ۴۱ قبریں ہیں۔ جنوب سے داخلی دروازے سے اندر ہوتے ہی الٹے ہاتھ ایک قبر نظر آئے گی، جس پر دیا جلانے کی جگہ اور چراغ کے نشانات ہیں۔ یہی شیخ جیو کا مزار ہے۔

شیخ حماد جمالی کا آس پاس: مخدوم بلاول کا مزار شیخ کے جوار میں ہے۔ (۳۳)

سبع حفاظ (سات حافظوں) کی قبور میں سے چھے قبریں شیخ کے ساتھ ایک چبوترے (سکوچہ ۳۴) پر ہیں اور ایک الگ نشیب میں ہے۔ (۳۵)

قاضی عبداللہ بن تاجی کا مزار شیخ کی رانک کے پشت میں ہے۔ (۳۶)

سید عبدالرزاق (سید یوسف بکھری کے بھائی) کی قبر شیخ کے مقبرے کی پشت میں، قاضی عبداللہ کی چو کھنڈی کے مغرب میں ہے۔ (۳۷)

شیخ حماد ساموئی کے دامن میں، جہاں مدفون ہیں۔ وہیں ان کی خانقاہ تھی۔ (۳۸)

ان کے کہنے پر خانقاہ کے ساتھ جام تماچی نے مکلی کی موجودہ جامع مسجد تعمیر کروائی۔ (۳۹)

مسجد کے ایک طرف جام نندہ کا مقبرہ اور دوسری طرف قاضی عبداللہ کا مزار ہے۔(۴۰)

جام تماچی اور نوری کی قبریں شیخ کے بائیں ایک حجرے کے اندر ہیں۔(۴۱)

شاہ درویش اور جمن جتی:

شاہ درویش کے جوار میں جمن جتی مدفون ہیں۔(۴۲)

جس جگہ جمن جتی مدفون ہیں، وہاں ان کا ایک حجرہ تھا۔ (۴۳)

جمن جتی کے ساتھ شکر الٰہی سادات کا قبرستان ہے۔ (۴۴)

ساموئی: پیر مراد کے قبرستان کے شمال کی جانب جو نشیبی علاقہ ہے، وہی ساموئی ہے۔

سات ستی (پاکباز) عورتیں، جن کا تعلق سومرہ دور سے تھا، وہ یہیں مدفون ہیں۔

شیخ جھنڈو پاتنی کا مزار بھی وہیں ہے۔ (۴۵)

سید یعقوب مشہدی (متوفی ۹۲۲ھ) بھی وہیں مدفون ہیں۔ (۴۶)

ملا عبدالرحمن لٹر کی قبر، پیر مراد کے قبرستان کے نیچے ساموئی کی طرف جاتے ہوئے (۴۷) شمال مغربی کونے پر ایک کچی پگڈنڈی پر ہے۔ قبر کچی ہے، چاروں طرف باڑ دی ہوئی ہے۔

سہسہ لنگ: سما قبائل کے قبرستان میں تھا، ہر حکمران رسم کے مطابق بطور یادگار ایک عمارت تعمیر کرواتا تھا۔ اس دور میں سہسہ لنگ تالاب پر عالیشان محلات موجود تھے۔

درویش میرکی نے وہ محلات مسمار کرکے پتھر اور چونے کے گارے سے ایک مینار تعمیر کروایا۔ رات کے وقت اس مینار پر دیا جلاتے تھے۔ تاکہ سمندر کے راستے آنے والے کاروباری لوگ کشتیوں کا صحیح رخ متعین کرسکیں۔ (۴۸) (یعنی مینار پر یہ دیا اس قسم کے لوگوں کی رہ نمائی کرتا تھا)۔

شیرازی سادات کا قبرستان

قاضی صدو بن حماد کا مزار شیرازی سادات کے قبرستان میں ہے۔ (۴۹)

سید ملوک شاہ (قاضی صدو کے مرید) قاضی کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۵۰)

یہ قبرستان شروع سے قاضیوں کے آبا و اجداد کا تھا۔ (۵۱)

چبوترے کے اوپر پتھر کی قبر سید عبدالعلی کی ہے۔ (۵۲)

شیخ عالی کا قبرستان: میاں لاکھو کی قبر شیخ عالی کے قبرستان میں ہے۔ (۵۳)

موسیٰ مہربان کا مزار بھی شیخ کے قبرستان میں ہے۔ (۵۴)

شیخ محمد غوث کا مزار میاں موسیٰ مہربان کے ساتھ ہے۔ (۵۵)

شیخ عالی جس پہاڑی پر قیام پذیر تھے، اسی پہاڑی پر مدفون ہوئے۔ (۵۶)

مخدوم ابو مصطفی کی رہائش اسی پہاڑی پر شیخ عالی کے آستانے کے ساتھ تھی۔ (۵۷)

عبداللہ شاہ صحابی کا مرقد: شاہ صاحب شاہ بیگ ارغون کے دور میں (۲۷-۹۲۸) گجرات سے ٹھٹہ آئے۔ وفات کے بعد خاصے عرصے ان کے مدفن کا پتا پردۂ غیب میں رہا۔ شاہ حافظ اللہ گجراتی نے اپنے دو خلفاء شیخ محمد یعقوب اور خلیفہ ابوالبرکات کو ٹھٹہ روانہ کیا۔ وہ دونوں سید علی ثانی کے ہاں تشریف لائے، سید نے ان کی گذارش پر مکلی جاکر مراقبہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کشف کے ذریعے ان کی قبر کا موجودہ مقام متعین کیا۔ اس کے بعد دونوں خلفاء پتھر لاتے رہے اور سید علی اپنے ہاتھوں سے مزار پر رکھتے گئے۔ اس طرح ان کا مزار نمایاں ہوگیا۔ (۵۸)

موجودہ خانقاہ کی تعمیر ۱۱۷۵ھ سے پہلے ہوئی۔ (۵۹) درگاہ کے مغرب کی جانب ایک مسجد ہے، جس کی محراب پر مندرجہ ذیل کتبۂ دو سطروں اور پانچ حصوں میں کندہ ہے:

۱- سرفراز شد احمد از مصطفا
بنا کرد مسجد بنامِ خدا

۲- بغیر از عبادت نه باشد درو
بود قبه اش پر ز نور و ضیا

۳- خدا این سرِ خداد و عز و قبول
که تا هست دوران بماند بجا

۴- زهی فیض مسجد که از یك دعا
شود حاجتِ مستمندان روا
بتاریخ هفدهم ماهِ صفر
... ختم بالخیر والظفر .(۱۰۹۳)

یہ مسجد مقبرے کے مغرب میں شمال کی جانب ہے۔ چھوٹی سی مسجد ہے، چھوٹا سا کمرہ اور مختصر صحن ہے۔

ٹھٹہ کے ایک شاعر 'کاہل' نے عبداللہ شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ منظوم کیا تھا، جس کے دو اشعار میر قانع نے بطور نمونہ دیے ہیں:

زهی لبریز نورِ حق مزارِ شاه عبدالله
سراغِ جنة الماویٰ بیابد زائر از آنجا

به رنگ شعشه خورشیدِ انور، هر صباح و شام
همی بینم حق را باهر از آنجا(۲۰)

شیخ محمد یعقوب کا مزار سید عبداللہ کے پائیں ایک کونے میں ہے۔

درگاہ کی پشت میں شمال کی جانب ساتھ ہی ساتھ باغائی سادات کا قبرستان ہے۔ چہار دیواری کے اندر ایک بڑا احاطہ ہے۔ تاریخ طاہری کے مؤلف میر محمد طاہر نسیانی کا مزار اس کے اندر ہے۔(۲۱) قبر اونچی ہے اور اس پر یہ کتبہ کندہ ہے:

بنمود وفات میر طاہر
کو اصلِ نکو سرشتی آمد
زین واقعہ، دیدہ گشت دریا
زان دریا، غم آب، بکشتی آمد
از لوح فنا سترد نتوان
این حرف کہ سرنوشتی آمد
رفتم چو بفکرِ سالِ فوتش
سید طاہر بھشتی آمد
(۱۰۵۱ھ)

میر نسیانی باغائی سادات میں سے تھے، ٹھٹہ میں آج تک ان کا خاندان موجود ہے، ان کی قبر کی مرمت وہی کرواتے رہتے ہیں۔

میاں علی شیرازی کا آس پاس:

درس بھنبھہ کا مزار میاں عالی کے روضے کے شرق میں ہے۔ (۶۲)

سید قائم علی شاہ پنجابی کا مزار گنبد کے ساتھ ہے۔ (۶۳)

سید نیرن کوٹی (حماد نیرن کوٹی) کا مزار گنبد کے جوار میں ہے۔ (۶۴)

مراد پلیجو نورائی، جو سید علی کے مرید تھے، اس گنبد کے ساتھ مدفون ہیں۔ (۶۵)

شیخ عیسیٰ سندھی لنگوٹی:

سناموئی کے کنارے پر پہاڑی کے دامن میں مدفون ہیں۔(۶۶)

شیخ کے مقبرے کے نشیبی علاقے میں باغات تھے، اس وقت وہاں باغات کا نام و نشان نہیں ہے۔

عید گاہ اور مصلیٰ:

عید گاہ، کراچی سے آنے والی شاہراہ کے جنوب میں نقش بندیوں کے قبرستان کے مشرق میں جنوبی کونے پر موجود ہے۔

درویش اللہ دتہ لوہر: عید گاہ کے جنوب میں مدفون ہیں۔ (٦٧)

عید گاہ کے پاس رضوی سادات کا قبرستان جنوب مغربی کونے میں ہے۔

یہ عید گاہ ٹھٹہ کے مغل گورنر یوسف خان(٦٨) نے تعمیر کروایا تھا۔ مندرجہ ذیل پتھر کا کتبہ محراب کے اوپر درج ہے:

خان مالك رکاب یوسف خان
ساخت طاعت گھی ز بخت بلند
قدسیان بهر سال اتمامش
کعبۂ اهلِ فضل یافته اند
(١٠۴٣ھ)

عید گاہ کی مرمت میاں اللہ بخش (٦٩) نے کروائی تھی۔ اس کا یہ کتبہ محراب کے اوپر نصیب ہے:

غفار ١٢٨١

چون اله بخش آل شه عباس
زیب ترمیم این مصلیٰ کرد
بی سر جدوجهد خوان سالش
کعبۂ اهل فضل زیبا کرد
١٢٨١ھ

عید گاہ ہی کو مصلیٰ کہا جاتا ہے اور مکلی نامہ میں مصلیٰ سے مراد غالباً عید گاہ ہے۔

پیر غیب:

پہاڑی پر مدفون ہیں، جو ان کے نام سے منسوب ہے۔ وہ پہاڑی الگ نمایاں ہے۔(٧٠)

فتحی پہاڑی:

سید احمد غوث اسی پہاڑی پر مدفون ہیں۔(٧١)

میر کمال الدین ابو اسحاق کی قبر بھی وہیں ہے۔ ان کی قبر کا تعویذ پتھر کا ہے اور یہ قبر مغرب کی جانب ہے۔(۷۲)

میاں ابوبکر کی قبر بھی وہیں ہے۔(۷۳)

خواجہ کمال الدین ہراتی بھی اسی پہاڑی پر مدفون ہیں۔(۷۴)

کالکاں: کالکاں ہندوؤں کی دیوی کا مندر ہے، جہاں ہر سال ہندوؤں کا میلہ ہوتا تھا۔(۷۵)

مندر کے چاروں طرف پختہ عمارات اور حجروں کا سلسلہ ہے۔ جہاں زائرین میلے کے موقع پر یا عام زیارت کے لیے قیام کرتے تھے۔ وہ عمارات اب ویران ہیں۔ ایک ہندو عورت ان کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ لیکن اگر ان تعمیرات کی مرمت نہ ہوئی تو وہ برباد ہوجائیں گی۔

کالکاں دیوی کی مورتی ایک حجرے میں رکھی ہوئی ہے۔ اس مورتی پر روزانہ سندور کے تلک لگائے جاتے ہیں۔ اُنھیں پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔ ہر وقت دیا جلتا رہتا ہے۔ یہ مورتی پتھر کی بنی ہوئی ہے۔

کراچی سے ٹھٹہ جانے والی شاہراہ جہاں مکلی کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے، کالکاں کا مندر وہاں سے جنوب کی طرف دکھائی دیتا ہے، جو پہاڑ کے دامن میں ہے۔

اسی مندر کے مقابلے میں میاں محمد حفیظ ٹھٹوی نے ایک مسجد تعمیر کروائی تھی، جس کا نام اسلام پور رکھا گیا تھا۔(۷۶)

یہ مسجد شاہراہ کے شمال میں سڑک سے متصل ہے۔ مسجد کی چہار دیواری معمولی ہے، جو اب زبوں ہوچکی ہے۔ لیکن مندر ویران ہونے کے باوجود مسجد کے مقابلے میں صاف اور آباد ہے۔ مسجد کی ویرانی اور زبوں حالی پر افسوس ہوتا ہے۔

پیر مراد شیرازی کا قبرستان:

شیخ حسین صفائی کا مزار پیر مراد کے بائیں ہے۔(۷۷)

سید محمد انجوی اور ان کے صاحبزادے احمد متوفی ۸۴۵ھ وہیں مدفون ہیں۔(۷۸)

یہ قبرستان اصل میں ٹھٹہ کے عباسی قاضیوں کا تھا۔(۷۹)

مکلی کا دروازہ:

درس اسین کا مزار مکلی کے دروازے(؟) کی بیرونی سرزمین پر ہے۔ (۸۰)

مکلی کے دروازے کے پاس لکھی نامی ایک مسلمان نے بہت خوبصورت مسجد تعمیر کروائی تھی۔ (۸۱)

میکرا:

میکرا جھیل شیخ عالی کے قبرستان کے تینوں اطراف جنوب، مشرق اور شمال سے احاطہ کیے ہوئے ہے جو اس وقت خشک ہے، فقط نشیبی آثار موجود ہیں۔

عیدگاہ اور میکرا جھیل کے درمیان تقریباً ایک میل کا فاصلہ ہے۔ یہ جھیل عیدگاہ کے مغرب میں ہے۔

اسی جھیل کے ساتھ ایک غار ہے، جس کے اندر شاہ جنید عبادت کرتے تھے۔(۸۲)

یوسف رضوی کا قبرستان:

میاں بودلو اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔(۸۳)

سید محمد قاسم، سید لطف اللہ اور ان کے صاحبزادے کی قبریں سید کے جوار میں ہیں۔(۸۴)

سید اسحاق (پردیسی) سید یوسف کے پہلو میں مدفون ہیں۔(۸۵)

سید میراں محمد جونپوری کا آستانہ بھی اسی قبرستان کے اندر ہے۔(۸۶)

کلہوڑا خاندان کی شادمانی کی جگہ بھی اسی قبرستان میں ہے۔(۸۷)

سلطان سامٹیو: کلہوڑہ حکمرانوں کی طرف سے ٹھٹہ کے گورنر تھے۔ وہ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔(۸۸)

ضمیمہ دوم

مندرجہ ذیل معلومات میر سید محفوظ علی شاہ ٹھٹوی (۱۲۹۵ھ) کی فارسی بیاض سے ترجمہ کرکے دی جارہی ہے۔ اس بیاض میں مکلی کے سلسلے میں مفید معلومات موجود ہیں۔
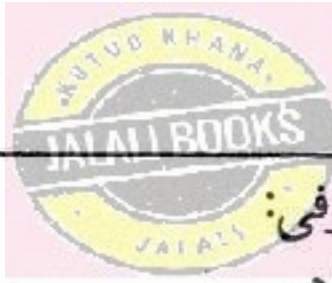
تجر کریم دینہ شاہ صوفی:

مع کوہ تعمیر ۱۱۹۶ھ۔

جلوہ گاہ امامین:

چہار دیواری اور چبوترہ نواب سیف اللہ خان نے ۱۱۴۰ھ میں تعمیر کروایا۔ میاں داؤد کلہوڑہ نے ۱۱۵۶ھ میں ایک مقبرہ تعمیر کروایا۔ پختہ تجر (قبر نما کوٹھڑی) فقراء کے بیٹھنے کے لیے میر محمد نصیر خان نے ۱۲۴۸ھ میں تعمیر کروائی۔

چاہ جام نندو:

ان کی رانک کے نشیب میں ۹۲۰ھ میں تیار کیا گیا۔

درگاہ عبداللہ شاہ:

روایت ہے کہ یہ خانقاہ خسرو خان نے تعمیر کروائی۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ محض ایک روایت ہے۔ خانقاہ کے لیے کنواں مغلیہ دور میں تیار ہوا جو ۳۵۰ برس قدیم ہے۔

رانک میرزا عیسیٰ اول:

نزد خانقاہ شاہ عبداللہ (۸۹)۔ یہ رانک ۹۸۰ھ میں تعمیر ہوئی۔ اس کے قریب دوسری رانک ہے۔ جس میں ان کے عزیز و اقربا مدفون ہیں۔(۹۰)

رانک میرزا عیسیٰ ثانی:

میرزا دو مرتبہ ٹھٹہ کے حکمران ہوئے۔ پہلی نوابی (۱۰۳۷ھ) کے دور میں تعمیر کی ابتدا ہوئی۔ اس سال جہانگیر کا انتقال ہوا، اس رانک کی تعمیر میں ۱۸ برس لگ گئے۔ آخر ۱۰۵۴ھ میں مکمل ہوئی۔

رانک مقابر امیر خان:

تعمیر کردہ نواب امیر خان، ۱۰۴۸ھ (۹۱)

رانک ملک عنبر:

یہ مقبرہ جمن جتی فقیر کے نام سے منسوب ہے، جو ۹۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔ ملک عنبر اسی مقبرے کے اندر مدفون ہیں۔ فقیر جمن جتی

مقبرے کی مشرقی دیوار سے متصل مدفون ہیں۔ ان کی وفات کا سنہ معلوم نہیں۔ اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

رانک امیر خسرو خان:

رانک کے شمال میں جام (میرزا) صالح وغیرہ، اولاد میرزا عیسیٰ ترخان کلاں کی رانک ہے۔(۹۲)

مقبرہ مندرسہ: (۹۳) (؟) نزدیک مقبرہ دولہ دریا خان۔ از جام صلاح الدین بن ملک اڑ، بن ملک راہو، بن ملک راندینہ (۹۴) بن راہو بن فیروز شاہ سلطان ۸۶۱ھ(۹۵)

جام تماچی کلاں نے ۸۲۱ھ میں تعمیر کروایا۔(۹۶)

مقبرہ سبع حفاظ:

علیہم الرحمہ۔ یہ مقبرہ امیر خلیل خان مہر دار نے تعمیر کروایا، جو ترخان دور کے امیر تھے۔ اس کا سنہ تعمیر ۹۹۱ھ ہے۔

مقبرہ عیسیٰ لنگوٹی:

اینٹوں کا بنا ہوا بڑا مقبرہ شیرازی سادات کے قبرستان می ہے۔ جو غفران پناہ سید علی شیرازی نے ۸۶۲ھ میں تعمیر کروایا۔

مسجد شریف مع رانک کاشی:

میرزا عیسیٰ ثانی کے شمال کی جانب، نواب امیر خان کے دور میں ۱۰۴۴ھ میں نواب شرفا خان نے تعمیر کروائی۔

مکلی:

جام نظام الدین کے مقبرہ سے لے کر کراچی، ٹھٹہ شاہراہ تک جملہ اراضی (محکمہ آثار قدیمہ کے سروے کے مطابق) ۹۱۲ ایکڑ پر محیط ہے۔ (۹۷)

ضمیمہ سوم
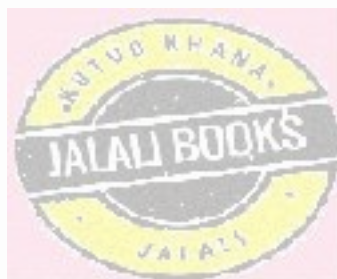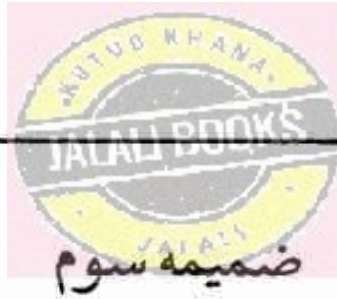
(۱) گورستان شاہ مراد

قاضی نعمت اللہ کا قبرستان:

شمال کی طرف سے جب شاہ مراد کے گورستان میں داخل ہونے کے لیے آئیں گے تو سب سے پہلے دائیں طرف یعنی مشرقی سمت مسجد اور مجاوروں کی رہائشی جگہوں کے درمیان قاضی نعمت اللہ اور اس کے قبیلے کا قبرستان ہے۔ اس قبرستان میں کئی کچی قبریں ہیں۔ ابتدائی قبروں میں سے کچھ چونے گارے سے بنی ہوئی ہیں۔ مرکزی قبروں سے جب مغرب سے شمار کریں گے تو چوتھی قبر، جو دوسری قبروں سے ذرا بڑی ہے، مجاوروں کی روایت کے مطابق، قاضی نعمت اللہ (بی بی فاطمہ کے والد یعنی شاہ مراد کے نانا) کی ہے۔ ساری قبریں سادہ ہیں اور ان پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

محمد قاسم:

شاہ مراد کے داخلی دروازے کے باہر ایک پتھر کی قبر ہے، جس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

مقبرہ منورہ محمد
قاسم جوہری (کذا)
بتاریخ ۲۶ ماہ ذیقعدہ ۱۲۵۱ھ

خطاب خانہ:

قبرستان کے شمال میں احاطے کی دیوار سے تقریباً دو سو فوٹ کے فاصلے پر ایک مقبرہ ہے، جس کے اندر چار قبریں ہیں۔ مجاوروں کی روایت کے مطابق ابتدا میں یہ شاہ مراد کا خطاب خانہ تھا، جہاں وہ خود درس دیتے تھے۔ جس کو بعد میں اُنھوں نے اپنے چار شاگردوں یا مریدوں کے لیے مخصوص کیا۔

بی بی فاطمہ:

شاہ مراد کی والدہ (متوفی ۱۷ رمضان ۸۳۲ھ) کا مزار شمالی دیوار سے متصل احاطے سے باہر ہے۔ قبر کچی ہے، چونے گارے سے اس کی

لپائی کی گئی ہے۔ رات میں دیا جلایا جاتا ہے۔ یہ قبر شاہ مراد کے بالیں سیدھی طرف ہے۔

شاہ عبدالصمد:

بی بی فاطمہ کی قبر اور خطاب خانے کے درمیان، الگ چونے گارے سے لپائی کی ہوئی ایک بڑی قبر ہے۔ جو میر منصور کے فرزند شاہ عبدالصمد (متوفی ۹۶۸ھ) کی کہی جاتی ہے۔

سید احمد:

شاہ مراد کے والد سید احمد کی قبر شمالی دیوار سے متصل، شاہ مراد کے بالیں کٹھرے کے باہر مغرب کی جانب ہے۔ پائیں چراغی کا ستون موجود ہے۔ قبر پر چونے کی لپائی کی ہوئی ہے۔

شیخ ٹالو (؟) سید جعفر، سید علی اوّل:

چراغی کے ستون کے نزدیک، گویا سید احمد کے پائیں شاہ مراد کے دائیں پہلو کٹھرے کے باہر دو قبریں ہیں، جس میں سے کٹھرے سے متصل قبر شیخ ٹالو(؟) کی کہی جاتی ہے، جو شاہ مراد کے کہنے پر مسلمان ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ شیخ ٹالو (طلحہ) نہ، بلکہ شیخ سالھو ہو۔

ان دو قبروں کے پائیں دو اور قبریں ہیں، جن میں سے مشرقی شاہ مراد کے بھائی سید جعفر (۸۹۹ھ) کی ہے۔ جس کی اولاد گجرات میں آباد ہوئی اور مغربی ان کے بھائی سید علی اوّل (متوفی ۸۷۷ھ) کی ہے۔ ان قبروں پر کتبہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس وقت ان قبروں پر کتبات ثبت کیے جائیں۔

شیخ حاجی محمد حسین صفائی:

تذکرۃ المراد کے مؤلف اور سید مراد شیرازی کے مرید شیخ حاجی محمد حسین صفائی (متوفی ۹۳۱ھ) کا مزار احاطے کے اندر شمالی دیوار کے قریب شاہ مراد کے پائیں تھوڑے سے فاصلے پر ہے۔ اس کی قبر پر چراغ روشن ہوتا ہے اور اس کو اہمیت حاصل ہے۔

سید منصور سید حماد، سید نعمت اللہ:

سید مراد کے کٹھرے کے ساتھ مشرق یعنی بائیں طرف سترہ قبروں

کی قطار ہے۔ جن میں سے کٹہرے سے متصل پہلی پانچ قبروں کے مدفونین کے نام نمبر وار یہ ہیں:

۱- گل حسن شاہ

۲- سید منصور (۸۸۰-۹۲۸ھ) بن شاہ مراد

۳- سید حماد (۸۸۴-۹۱۶ھ) بن شاہ مراد

۴- خدا دینو شاہ

۵- نعمت اللہ (۸۸۳-۹۰۶ھ) بن شاہ مراد

شاہ مراد کے احوال میں ہم دکھاچکے ہیں کہ یہ قبریں شاہ مراد کے مغرب میں ہیں۔ لیکن ہم سے یہ غلطی سرزد ہوگئی۔ در حقیقت یہ قبریں مشرق میں اور سید کے بائیں پہلو کی طرف ہیں۔

ان سترہ قبروں کے علاوہ ان کی اولاد میں سے اور بھی اہم بزرگ دفن ہوئے ہوں گے۔ لیکن فی الحال ہم ان کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔

(۲) سید علی ثانی

قبرستان:

سید علی کا گورستان شاہ مراد کے مشرق میں تقریباً دو سو فٹ کے فاصلے پر ہے۔ یہ بہت بڑا قبرستان ہے، جس میں قبروں کے کئی مجموعے ہیں۔ سید کے مقبرے کے چاروں طرف قبریں ہیں۔

پتھر کا احاطہ:

احاطے کی مغربی دیوار سے متصل اور مقبرے کے شمالی مغربی کونے کے عقب میں ترخانی طرز کا پتھر کا ایک احاطہ ہے۔ داخل ہونے کا دروازہ مشرق میں ہے۔ اندر دو پتھر کی اور چند کچی قبریں ہیں۔

اسی گورستان کی دیوار اور قبروں کی ساخت بالکل ترخانی ہے۔ مجاوروں کی روایت کے مطابق یہ زنانہ قبرستان ہے۔ گمان غالب ہے کہ اسی گورستان میں سید جلال ثانی کی بیگم، جو میرزا محمد صالح ترخان (اوّل) کی بیٹی اور سید محمد مؤلف ترخان نامہ کی والدہ تھیں، مدفون ہوں گی، قبروں پر کتبہ نہیں ہے۔ لیکن ان کی ساخت اور قبر کے پہلو آیات اور نقاشی ترخانی نمونے کی غماز ہے۔

سید علی اور سید جلال:

قبرستان کے درمیان سید علی کا عظیم الشان سفید رنگ کا مقبرہ ہے۔ مقبرے کی چہار دیواری کی چھت دو حصوں میں منقسم ہے۔ مشرقی حصّے پر بڑا گنبد ہے، جو گول ہے۔ مغربی حصے پر دو چھوٹے گنبد شمال اور جنوب کی سمت ہیں۔

گنبد کا داخلی دروازہ جنوب کی جانب ہے۔ سید علی اور ان کے والد سید جلال کی قبریں چھت کو تقسیم کرنے والے خم کے بالکل نیچے لکڑی کے کٹھرے کے اندر ہیں۔ مشرقی حصے کی چاروں قطاروں میں ۴۳ قبریں ہیں۔ جن میں سے ۱۹ قبریں بچوں کی معلوم ہوتی ہیں، بقیہ بڑی قبریں ہیں۔

شمال کی جانب پہلی قطار میں ۱۴ قبریں ہیں، جن میں سے ۹ بچوں کی ہیں۔ ان کے پائیں والی قطار میں ۷ بڑی قبریں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ خاندان کے کچھ اہم لوگوں کی ہیں۔ اسی قطار کے پائیں ۱۴ قبریں ہیں، جن میں سے دو بچوں کی ہیں، جو مشرقی دیوار کے ساتھ ہیں۔ اسی قطار کے پائیں ۸ قبریں ہیں، جو ذرا چھوٹی ہیں، گمان غالب ہے کہ یہ بچوں کی ہوں گی۔

کٹھرے میں مشرقی قبر سید علی کی ہے اور مغربی قبر ان کے والد سید جلال اول (متوفی ۹۰۳ھ) کی کہی جاتی ہے۔ سید جلال کا احوال اس سے پہلے دیا گیا ہے۔ عبارت سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ سید جلال سید محمد جعفر کے ساتھ دفن ہیں۔ در حقیقت سید جلال کے والد سید علی اوّل سید مراد کے دائیں سید جعفر کے ساتھ مدفون ہیں۔

سید علی کے مقبرہ کے متعلق تحفۃ الکرام میں یہ عبارت ہے:

"گنبد پر نور و ضیا واقع مکلی است۔" (۱۸۷)

سید جلال ثانی اور سید جمال (؟):

سید علی کے دروازے کے باہر مخصوص چبوترے پر لکڑی کی چھتری کے اندر ایک قبر ہے، جو سید جلال (ثانی) کی کہی جاتی ہے۔ کٹھرے کے باہر مغرب میں ساتھ ہی دوسری قبر ہے، کہتے ہیں کہ یہ سید
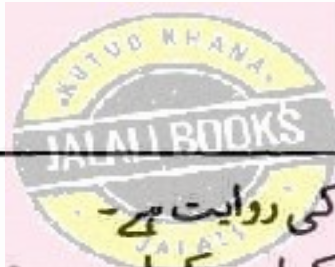
جمال کی ہے۔ یہ مجاوروں کی روایت ہے۔

ہم نے اس سے قبل لکھا ہے کہ اسی چھتری کے اندر جو قبر ہے وہ جلال ثانی کی ہے۔ مکلی نامہ میں در اصل سید جمال کا نام آیا ہے۔ سید جمال سید علی اوّل کے صاحبزادے اور سید جلال اوّل کے بھائی تھے۔ مکلی نامہ کی عبارت ہے:

"درگاہ مظہر جلال و جمال... سید محمد جمال است، کہ گنبدش صندوقچۂ نقد نزول رحمت باری..." (ص۱۷)

اس وقت سید جمال کی کوئی درگاہ نہیں، جس کے اوپر گنبد ہو۔

اسی چھتری کے باہر مغرب کی جانب چار قبریں ہیں، جن میں سے چھتری سے متصل جو قبر ہے وہ سید جمال (؟) کی کہی جاتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سید جمال بن سید علی اول، جو باپ کی زندگی ہی میں فوت ہوا۔ وہ اپنے دادا احمد (قبرستان شاہ مراد) کے دفن گاہ سے اتنا دور دفن ہوا ہو۔

بہرحال، کہا جاتا ہے کہ سید علی ثانی کے صاحب زادے سید جلال ثانی، اسی چھتری کے اندر دفن ہوئے اور ان کے دائیں پہلو سید جمال کا مزار ہے۔ یہ بات خود تعجب انگیز ہے کہ سید جمال ثانی اپنے باپ کے مقبرے کے باہر کیوں دفن ہوئے، جبکہ مقبرے کے اندر جگہ بھی تھی۔

حسین علی اور لعل میر:

مذکورہ بالا چھتری کے پائیں پتھر کے کٹھرے کے اندر، تین پتھر کی قبریں ہیں، جن میں سے پہلی مشرقی قبر بغیر کتبے کے ہے، جو معلوم ہوتا ہے کہ میر حسین علی کی ہے۔ دو قبروں کے پائیں تاریخی کتبات ہیں۔

درمیانی قبر لعل میر کی ہے۔ دو قبروں کے پائیں تاریخی کتبات ہیں۔

درمیانی قبر لعل میر بن میر حسن علی بن سید عبداللہ بن سید میر محمد صاحب ترخان نامہ بن سید جلال ثانی بن سید علی ثانی کی ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

۱۱۹۰ھ

جست سالِ وصلِ آں لعلِ بدخشانِ جلال
با حسین و با حسن پیوست سید لعلمیر

اسی قبر کے ساتھ مغربی قبر لعل میر کے بھائی حسین علی بن حسن علی کی ہے، جس پر یہ کتبہ ہے:

۱۱۶۸ھ

نور چشم حسن، حسین علی
سال فوتش – غم حسین – بود

یہ شعر غلام علی مداح کے مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ کا ہے، جو میر قانع نے مقالات میں محفوظ کیا ہے۔

نور چشمِ حسن، حسین علی
کز غمش پر ز اشک عین بود
در غمِ او ز قطرہ باریدن
عینہا در نظر چو غین بود
در ارم شد بصحبتِ جدش
آن کہ او، شاہ خافقین بود
چون نگردد دل از غمش نالان
سال فوتش غمِ حسین بود(۹۸)
۱۱۶۸ھ

قانع کا قول ہے کہ اسی سال بیٹے کی وفات کے بعد، میر حسن بھی فوت ہوئے۔ میر قانع نے 'رضوان مکان' سے ان کی وفات کی تاریخ نکالی اور مداح نے دونوں کے لیے یوں تاریخ نکالی:

اللهم صل علی بنبیّك والوصی له والزهراء والحسن والحسین. ۱۱٦٨ھ.

چاند میر:

سید علی کے گنبد کے باہر مغربی دیوار سے متصل کچھ قبریں ہیں، جن میں سے دو بغیر نام کے پتھر کے کٹھرے کے اندر ہیں اور دوسرے کٹھرے کے اندر پتھر کی ایک قبر ہے، جو میر چاند بن میر علی اصغر کی ہے۔ جس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

۱۱۳۲ھ

چاند میر آنکه با دلِ پر درد
سویِ عقبیٰ ز دار محنت شد
بر زمین زد سروش افسرو گفت
منزلِ چاند میر جنت شد
۱۱۹۲-۶۰=۱۱۳۲ھ

بقول میر قانع یہ تاریخ آخوند ملا محمد فاضل ٹھٹوی محلہ سولہ ٹھٹہ نے نکالی تھی۔(۹۹)

(۳) شیخ عیسیٰ لنگوٹی

بوبنا جرار اور حجرہ:

شیخ عیسیٰ کا مقبرہ پیر مراد کے گورستان کے مشرق شمال کونے پر آدھ فرلانگ کے فاصلے پر اور سید علی ثانی کے گنبد کی شمالی پشت میں تقریباً ایک سو فوٹ پر ہوگا۔

یہ گورستان چار عمارات کے مجموعے پر مشتمل ہے، جنوب اور مغرب کی جانب مٹی کے ٹیلے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عمارات بھی تھیں، جو اب مسمار ہو گئی ہیں۔

مغرب کی طرف سے پگڈنڈی سے چل کر اس مجموعے پر پہنچنے کے بعد جنوب کی جانب پتھر کی ایک ہشت ستونی چھتری ہے اور شمال کی طرف سامنے ایک، کمرہ اور پورٹیکو پر مشتمل پتھر کے ستونوں پر چھت والی عمارت حجرے کے نمونے پر نظر آئے گی۔ ان دونوں کی ساخت سما دور کی دوسری چھتریوں اور عمارات کی طرز پر ہے۔ چھت گول گنبد نما ہے۔

جنوبی چھتری کے نیچے تین قبروں کے آثار ہیں۔ قبریں مسمار ہو گئی ہیں۔ مجاوروں کی روایت کے مطابق یہ چھتری بوبنا جرار کی قبروں کی ہے۔ چھت گول، اچھی اور نقشہ دار ہے۔

شمالی عمارت میں کوئی قبر موجود نہیں ہے۔ اندرونی کمروں کی چھت ستونوں پر کھڑی ہے۔ چاروں طرف دیوار اسی پتھر کی ہے۔ یہ

عمارت شیخ عیسیٰ کے مقبرے کی مغربی دیوار سے متصل ہے۔

گمان غالب ہے کہ یہ شیخ عیسیٰ کا حجرہ اور مکتب ہوگا۔ جس میں سید محمد، سید احمد، قاضی نعمت اللہ اور عیسیٰ لنگوٹی کی تاریخی ملاقات ہوئی تھی۔

شیخ عیسیٰ کا مقبرہ:

چہار دیواری کے اوپر گول گنبد کے جنوب میں داخلی دروازہ ہے۔ ساری عمارت کی لپائی چونے گارے سے کی گئے ہے۔ مقبرہ سادہ ہے۔ اندر مغرب کی جانب محراب سے متصل شیخ عیسیٰ کی تنہا قبر ہے۔ مشرقی دیوار کے ساتھ چار قبریں ہیں دو ایک دوسرے کے ساتھ بالیں اور اسی طرح دو پائیں۔ معلوم نہیں یہ چاروں خوش بخت کون تھے؟

تاجو دل:

مقبرے کی مشرقی دیوار سے متصل باہر چھے ستونوں پر بوہنا جرار کی چھتری نما دوسری چھت والی چوکھنڈی ہے، جس کے اندر ایک قبر کے آثار موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر تاجو دل مدفون ہیں۔(۱۰۰)

ضمیمہ چہارم

جام نظام الدین اور ان کے آس پاس کے کتبات: ہم اس سے پہلے جام نظام الدین کے مقبرے کے شمالے دروازے کے سردر (دروازہ کی چوکھٹ کی اوپر والی لکڑی/ پتھر وغیرہ) کا کتبہ دے چکے ہیں، جس سے مقبرے کی تعمیر کا سنہ اور نسب نامہ ظاہر ہوتا ہے۔ ذیل میں عمارات کے بقیہ کتبات دیے جارہے ہیں۔

شمالی دروازہ:

اب اس دروازے کو بند کیا گیا ہے۔ نسب نامے کے کتبے کے اوپر سر در کے پتھر پر قرآنی آیات کا مندرجہ ذیل کتبہ دو حصوں میں موجود ہے۔

(۱) قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

وان للمتقین... مالہ من نفاد.(۱۰۱)
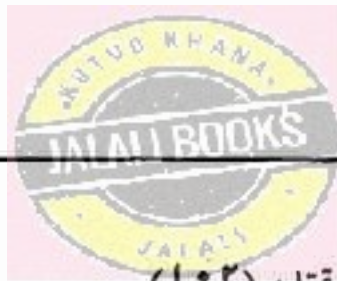
قال الله تعالیٰ:

ان المتقین... ملیک مقتدر.(۱۰۲)

(۲) صدق الله وصدق رسوله الکریم.

اسی کتبے کے پتھر کے نیچے یہ سر در ہے، جس پر تاریخ اور نسب نامہ کا کتبہ ہے.

جنوبی دروازہ:

جنوبی دروازہ آدھا بند ہے، پیشانی پر دو سر دروں کے اوپر اس طرح مختلف حصوں میں قرآنی آیات کندہ ہیں- پہلے سر در پر یہ کتبہ ہے:

(۱) الذین آمنوا... تاکلون. (۱۰۳)

(۲) صدق الله العلی العظیم.

اس سر در کے نیچے سرا در در سر ہے، جس پر تین حصوں میں یہ کتبہ ہے:

(۳) قال الله سبحانه وتعالیٰ:

(۴) ومثل الجنة التی... من ربهم (۱۰۴)

(۵) یا فتاح

آخری لفظ کتبہ کے نیچے درمیان میں کندہ ہے-

مغربی دروازہ: یہ داخلی دروازہ دیوار کے جنوبی کونے پر ہے- اس کے سر در پر دو سطروں اور مختلف حصوں میں ایک کتبہ ہے- بالائی سطر میں یوں ہے:

(۱) وسیق الذین... سلام علیکم.

(۲) طبتم . . . رب العالمین . (۱۰۵) سبحان ربك . . . رب العالمین.(۱۰۶) یا غفور - یا غفور - یا غفور - یا غفور

(۳) احمد بن ابراهیم. (۱۰۷)

(۴) آغاز بنیاد این مقام از هجرت نبوی علیه السلام نهصد پانزده سال بوده.

اس کتبے کے نیچے یہ کتبہ دوسرے سر در پر ایک سطر میں ہے:

(۱) زعم الذین کفروا... خبیر.(۱۰۸)

اسی سطر کے مختلف پہلوؤں اور درمیان میں یہ عبارت ہے:
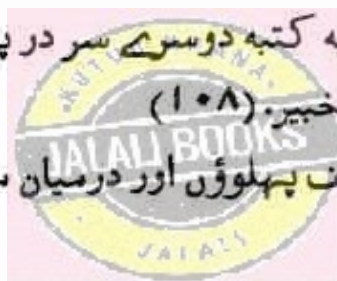
(۲) الٰهی مرصا بنا هذا المقام مزین جهان(؟) سلطان المغفور

(۳) والمرحوم سلطان نظام الدین شاه بن سلطان صدر الدین شاه

(۴) بن سلطان صلاح الدین شاه بن شاه رکن الدین شاه بن سلطان فیروز شاه خلد سلطنه.

لیکن یہ آخری سطر پتھر کا ٹکڑا گر جانے کے سبب موجود نہیں ہے۔ ہم نے یہ حصہ خداداد خان کی بیاض سے لیا ہے۔

چاروں اطراف:

دیوار کے باہر چاروں اطراف مندرجہ ذیل قرآنی آیات مختلف حصوں میں یوں کندہ ہیں:

شمال:

(۱) بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. هل اتیٰ علی... نبتلیه.

شمالی بند شده دروازه

(۲) فجعلناه... وسعیرا:

مشرق:

(۳) ان الابرار ... الطعام:

کھڑکی کے درمیان

(۴) علیٰ حبه... شر ذالك:

جنوب:

(۵) الیوم... یرون فیها:

جنوب آدھ بند دروازه

(۶) [شمسا... ظلها و] آیت کا یہ ٹکڑا نہیں ہے۔

پتھر کی اینٹیں خالی ہیں۔ شاید کسی وقت مرمت کے دوران یہ کتبہ ضایع ہو گیا۔

مغرب:

(۷) ذللت قطوفها... من فضة:

داخلی دروازه

(۸) واکواب... قواریرا:
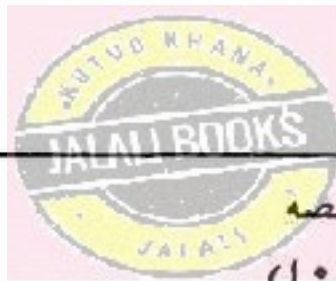
صحن کا آرائشی حصہ

(۹) من فضة... ولدان: (۱۰۹)

اندرون محراب تیرہ حصوں اور مختلف سطروں میں مندرجہ ذیل آیات ہیں:

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۲) قل یا عبادی الذین... لا تقنطوا من رحمة اللہ.

(۳) ان اللہ... الغفور الرحیم (۱۱۰) صدق اللہ العلی العظیم.

(۴) قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ان المتقین... ملیك مقتدر.(۱۱۱)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسول النبی الکریم.

(۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم... اللہ نور السمٰوٰة... شجرہ.

(۶) مبارکة... بکل شیء علیم. (۱۱۲)

(۷) اللہ لا الہ ... وما فی.

(۸)السموٰة... کرسیہ السموٰة.

(۹) والارض... العلی العظیم. (۱۱۳)

(۱۰) قال اللہ تعالیٰ: فنادتہ... للمحراب.

(۱۱) ان اللہ... الصالحین. (۱۱۴)

(۱۲) قل اللھم... وتنزع.

(۱۳) الملك... الخیر. (۱۱۵)

احاطے کے اندر چند اور مقابر:

جام نظام الدین کے آس پاس چند اور مقابر بھی ہیں، جن میں سے بہت سوں کی دیواریں اور چوکھنڈیاں مسمار ہوگئی ہیں۔ جو موجود ہیں، ان کے کتبات نمکین فضا کے سبب مٹ چکے ہیں۔

یہ سب مقابر جام نظام الدین سے پہلے کے ہیں، لیکن وہ سما دور کے عہد زرین کی یادگار ہیں۔ خان بہادر خداداد خان نے اپنی بیاض میں بہت سوں کے کتبات نقل کروائے ہیں، جن میں سے کچھ ضروری کتبات ذیل میں دیے جارہے ہیں:
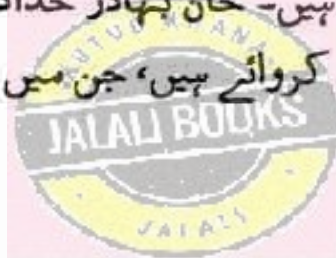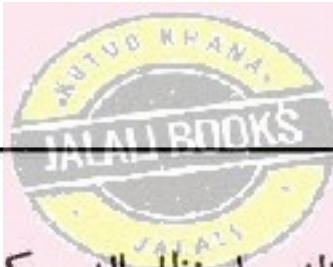
گنبد ہشت ستونی:

یہ ہشت ستونی رانک جام نظام الدین کے احاطے کے اندر بتلائی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات کندہ تھیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

قل ھو... احد. (۱۱٦)

قال اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ:

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۱۷)

ہشت ستونی:

یہ ہشت ستونی مقبرہ جام نظام الدین کے احاطے میں بتایا گیا ہے۔ مقبرے کی پیشانی پر اندر سے چاروں اطراف مندرجہ ذیل آیات کندہ تھیں:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

قل یا ایھا الذین ھاد... خیر الرازقین. (۱۱۸)

صدق اللہ العلی العظیم.

جام صلاح الدین:

یہ مقبرہ مندرسہ (؟) دولہ دریا خان کے قریب ہے، جس کی اندرونی دیوار پر مندرجہ ذیل کتبہ ہے:

ھذا المقام للراجی الی رحمۃ اللہ تعالیٰ جام صلاح الدین بن ملک انر بن ملک راھو بن ملک رائیدنہ بن ملک راھو بن فیروز شاہ سلطان ۸۷۰ھ

جام تماچی:

یہ مقبرہ مندرسہ (؟) اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ خان بہادر خداداد خان نے فقط یہ عبارت لکھی ہے:

قبہ مندرسہ خشتی جام تغلق

بنا کردہ جام تماچی

۸۲۱ھ
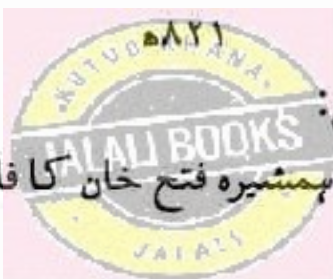
ہمشیرہ میاں فتح خان:

اس سے پہلے ہم نے ہمشیرہ فتح خان کا فارسی کتبہ دیا ہے۔ کتبے

کی عبارت میں اوپر سے دو سطروں میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

(۱) ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً.

(۲) محمودا (۱۱۹). ھذا المقام...

مندرجہ ذیل عربی کتبہ بھی کندہ ہے:

وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیراً. (۱۲۰) وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا. (۱۲۱) وننزل من القرآن ما ھو شفاء ور حمۃ للمؤمنین. (۱۲۲)

ملک تاج الدین.

اس مقبرے کے اندر مختلف قبریں ہیں، جن میں سے پہلی پر مندرجہ آیات ہیں:

شھد اللہ انہ... الاسلام. (۱۲۳)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: (۱۲۴)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۲۵)

صدق اللہ العلی العظیم.

دوسرا مقبرہ:

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

قل یا عبادی الذین... الغفور الرحیم. (۱۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان الذین امنوا وعملو الصالحات... ربہ احدا. (۱۲۷)

من عمل صالحا... یعملون. (۱۲۸)

تیسرا مقبرہ:

بالیں یہ آیات ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین.
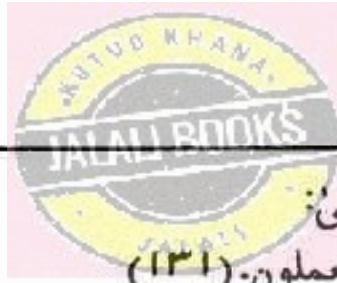
اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم. (۱۲۹)

لا اکراہ فی الدین... النور. (۱۳۰)

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

من عمل صالحا... یعملون۔ (۱۳۱)

صدق اللہ العلی العظیم۔

پائیں:

اللھم نور قبرہ و وسع مضجعہ۔

دولھہ دریا خان:

دریا خان کے مشرقی اور مغربی دروازے کی پیشانی کے کتبے اور قبر پر نام کا کتبہ اس سے پہلے دے چکے ہیں۔

یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ!

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

شھد اللہ لا الہ الا ھو... بصیر بالعباد۔ (۱۳۲)

قال اللہ تعالیٰ:

آمن الرسول بما انزل... القوم الکافرین۔ (۱۳۳)

اللہ لا الہ الا ھو الحی... العظیم۔ (۱۳۴)

قال اللہ تعالیٰ:

قل یا عبادی الذین اسرفوا... الغفور الرحیم۔ (۱۳۵)

صدق اللہ العلی لاعظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔ (۱۳۶)
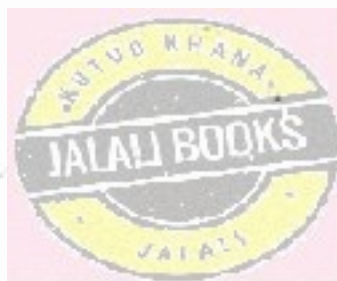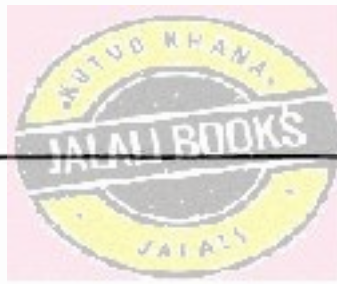
ضمیمہ پنجم

مکلی

مکلی کے سلسلے میں مشہور روایت اس سے قبل بیان کی گئی ہے، جناب جی- ایم- سید صاحب نے مکلی کے نام کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ ارسال کیا ہے، جو مکلی یا مکۃ لی کے مقابلے میں زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

ا- قبل از اسلام سندھ، بودھ، جین اور شو کے پجاریوں کا مرکز تھا۔ سہون شوِ کے پجاریوں کا اہم مرکزی شہر تھا۔

شِوَ پرستی کے بانی گورکھ ناتھ تھے، جن کے پیروکار جوگی یا ایوگی ہوئے۔ (۱۳۷) حضرت شاہ عبداللطیف نے بھی اپنے کلام میں ان جوگیوں کو یاد کیا ہے۔

۲- گورکھ ناتھیوں کا دوسرا اہم مرکز ہنگلاج تھا، جو مکران میں ہنگلور ندی کے متصل ایک پہاڑ پر ہے، جس کی چوٹی پر نانی کا آستانہ ہے۔ ہنگلاج، جین اور شِو مذہب کے پیروکاروں کا بڑا تیرتھ گاہ رہا۔ (۱۳۸) جس کی زیارت کے لیے کچھ، کوکن، بنگال اور دوسرے علاقوں سے زائرین آتے تھے

ان زائرین کی آمد و رفت ٹھٹہ کے راستے ہوتی تھی۔ (۱۳۹) اور خود ٹھٹہ اس فرقہ کے گروں کا شاہی استھان اور مرکز تھا۔ زائرین جب ہنگلاج سے واپس ہوتے تھے تو ٹھٹہ کے آستانے پر ان کو مالا پہنائی جاتی تھی، جو چھوٹی کنکریوں کی بنی ہوئی ہوتی تھی اور یہ کنکریاں جھرک میں دستیاب ہوتی تھیں۔

۳- جین مذہب کے کئی فرقے ہیں، جن میں سے گوسائیں اور اجیو کا زیادہ اہم ہیں۔ اجیو کا فرقے کا بانی گوسالو مکلی پوتہ تھا، مکلی کے مختلف تلفظ تھے۔ مثلاً مکلی، منگلی اور مں ککی۔

۴- گوسائیں کی ایک شاخ ڈیگامبر ہے، ڈیگامبر قیام پاکستان تک مکلی، گنجہ ٹکر (پہاڑ) اور ہنگلاج میں رہتے تھے۔ (۱۴۰)

۵- منچھا بی بی کا استھان ابھی تک مکلی پر موجود ہے۔ (اس کا ذکر متن میں ملاحظہ کریں) جس کے سامنے مسجد اسلام ہے۔ اسی استھان پر ایک کنواں ہے کہتے ہیں کہ اس میں گنگا سے پانی آتا ہے۔

۶- مندرجہ بالا نکات کے مد نظر یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے استھانوں، غاروں اور آمد و رفت کے سبب ڈیگامبر فرقے کے بانی 'منکلی' کے نام کی مناسبت سے یہ پہاڑی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ یہ پالی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں یوگی یا ناگا فقیر۔ (۱۴۰)

مکلی کے نام کے متعلق تحقیق کے لیے مواد موجود ہے۔ راہیں روشن ہیں، ضروری ہے کہ مزید تحقیق کی جائے۔

اضافے اور درستی

مہران:

جیحونی بزرگ است در حدود سند و طرف مکران که آنرا نهر مهران خوانند. و او به بزرگی نزدیك باشد به نیل مصر. و در وی نیز گویند تمساح باشد چنانکه در نیل. و این جیحون را نیز دسیس خوانند. و او از ظهر کوههایی خیزد که بعضی شاخهای جیحون خوارزم از آنجا آید. پس همچنین می آید تا به دریای سند و مکران ریزد بر جانب مشرق از شهر دیبل. و سند رود از سه منزلی مولتان در مهران ریزد.

فیروز تغلق نے دوسری بار سنہ ۷۶۵ھ ٹھٹہ پر حملہ کیا۔

ص...... سطر...... فیروز تغلق نے دوسری بار ۷۷۵ھ ٹھٹہ پر حملہ کیا۔ (ملاحظہ ہو فوٹ نوٹ ص......)

ص...... سطر...... وہ خود ۷۶۹ھ میں دہلی تشریف لے گئے کے بجائے یوں پڑھنا چاہیے: وہ خود ۷۶۵-۷۶۶ھ دہلی تشریف لے گئے۔

ص...... سطر...... فیروز تغلق ۷۸۲ھ سے قبل...... کے بجائے فیروز تغلق ۷۷۲ھ میں علاؤ الدین جونہ کو......

ص...... سطر...... شرح شمسیہ نامی ایک کتاب نیشنل میوزیم کے لیے (۲۷ دسمبر ۱۹۶۵ء) خریدی گئی۔ کتاب کا پورا نام ہے: 'شرح الشمسۃ فی المیزان'– اس کتاب کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

الحمدللّٰہ الذی تقرس من ان.......... مؤلف نے اپنی یہ کتاب سندھ کے جام کو منسوب کی ہے، جس کا نام یوں درج ہے:

محمد المعروف بہ انر بن فتح خان بن صدر الدین بن طوغاچی بن جام– لازالہ لہ من۔

ص...... سطر...... فیروز شاہ ۶۳–۷۶۴ھ دہلی سے روانہ ہوئے۔

ص...... سطر...... ۷۶۵ھ میں گجرات سے......

ص...... شاہ پریان: اسی نام اور اسی مفہوم سے ایران میں بھی ایک زیارت گاہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک پری کا نام بھی شاہ پری ہے۔ میرزا عبدالغنی قبول کا ایک شعر فرہنگ آنندرج میں درج ہے۔ (ج۴ ص۲۵۷۲ طبع ایران)

کنی دمی کہ چو طاؤس ساز جلوہ گری
نظر گدای تو کی افگند بشاہ پری

شاہ پری کو عنبر کے مفہوم میں بھی منظوم کیا گیا ہے۔

صبا چو کرد پریشان دو زلف دلجویش
ببوی شاہ پری شاہ پری گشت بر دماغ سحر

فرہنگ دہخدا میں درج ہے:

شاہ پریان:

رئیس و بزرگ پری. شاہ اجنہ، قہرمانی کہ در افسانہ ھا و فکلور ایرانی نقش ھای مہم بہ عھدہ دارد. و آن وجودی افسانہ ای کہ اصلش از آتش و بہ چشم نیاید. و غالباً نیکو کار است برعکس دیو کہ بد کار باشد. و در برخی از افسانہ ھا، بہ نوعی از زنان جن کہ خوبرو باشد اطلاع گردد. (دہخدا لفظ ش ۱۵۴)

ایرانی ادب میں کئی عوامی قصے شاہ پریاں کے سلسلے سے مشہور ہیں۔ قاچاری دور کے شاہ زادوں میں سے ایک شاہ زادہ 'شاہ پریاں' پر عاشق ہوا تھا، جس کے متعلق متعدد لطیفے مشہور ہیں:

'شاہ پریاں کی منت مانی جاتی ہے اور اسی نام سے ایران میں کونڈے دیے جاتے ہیں۔'

ص...... سطر...... میرزا رستم: بادشاہ نے ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ رستم کو ٹھٹہ پر مقرر کیا۔ (تزک) ۱۱ محرم ۱۰۲۱ھ میرزا بقول ترخان نامہ ٹھٹہ پہنچے۔

ص...... سطر...... میرزا عیسیٰ کی ولادت: میرزا کے جنم کی تاریخ حسب دستور کہیں درج نہیں۔ تاریخ طاہری کے مطابق میرزا محمد صالح کلاں اور محمد باقی کے درمیان اپنے والد کی زندگی میں ہی نفاق پیدا ہوا۔ محمد صالح نے میرزا باقی کو تنگ اور مجبور کر کے کچھ کی طرف بھگادیا اور جان بابا بھی ٹھٹہ کو خیر باد کہہ کر سمیجہ قبائل کے یہاں چلے گئے۔ سمیجہ نے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اُنھیں رشتہ بھی دیا۔

"جان باب را مردم مذکور دختر داده، آنچه وسعت داشتند به امکان و قدرت آن، در خدمتگاری کوشیدن گرفتند. میرزا عیسیٰ ترخان ولدِ او، در همان محل تولد یافت." (۱۴۲)

تاریخ طاہری کے مطابق میرزا باقی پہلے کچھ گئے، وہاں کے لوگوں کی مدد سے محمد صالح سے جنگ کی اور شکست کھاکر محمود بکھری کے ہاں پناہ لی۔ ان کا خیال تھا کہ محمود خان کے ذریعے شہنشاہ اکبر سے مدد لے کر محمد صالح کا خاتمہ کروں گا۔ لیکن ابھی وہ بکھر ہی میں تھے کہ انھیں معلوم ہوا کہ میرزا صالح کو مرید بلوچ نے قتل کردیا ہے۔ (۲۳ شعبان ۹۷۰ھ) (۱۴۳) جس کے بعد میرزا عیسیٰ نے سلطان محمود بکھری کو خط روانہ کر کے، میرزا باقی کو ٹھٹہ بلوالیا۔ (۱۴۴) میرزا عیسیٰ کا ۹۸۴ (۱۴۵) میں انتقال ہوا۔ جس کے بعد میرزا باقی تخت نشین ہوئے۔ میرزا جان بابا باپ کی تعزیت کے لیے اپنے

عزیزوں سمیجہ کو الوداع کہہ کر سلطان محمود بکھری کی معرفت ۹۸۲ھ میں میرزا باقی کے ہاں ٹھٹہ چلے آئے۔(۱۴۶)

تاریخ طاہری کے مؤلف نے جس طرح مذکورہ مطالب تحریر کیے ہیں، ان سے میرزا عیسیٰ ثانی کے تولد کا سال متعین کرنا مشکل ہے۔ بلکہ گمان ہوتا ہے کہ:

الف: جان بابا ۹۷۰ھ سے پہلے جیسے ہی سمیجہ قبائل کے ہاں پہنچے تو انھیں رشتہ دے کر ان کی شادی کروائی گئی۔

ب: فطری طور پر پہلی اولاد سال کے اندر ہونی چاہیے۔ گویا ۷۱-۹۷۲ھ میں میرزا عیسیٰ تولد ہوئے۔

ج: اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس حالت میں اپنے دادا عیسیٰ اوّل کی زندگی میں میرزا عیسیٰ ثانی متولد ہوئے۔ لیکن یہ اس لیے صحیح نہیں کہ دادا کی زندگی میں ان کا نام ان کے پوتے پر رکھا جائے۔ یہ رسم و رواج کے صریحاً خلاف ہے۔ اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ جس وقت میرزا کلاں کی وفات (۹۷۳ھ) میں ہوئی، اس وقت عیسیٰ ثانی ماں کے پیٹ میں ہوں گے۔ اس طرح ان کی ولادت ۷۳-۹۷۴ھ کے درمیان سمجھنی چاہیے۔ ہم نے ان کی ولادت کا سنہ اندازاً ۹۷۴ھ، ۷۵-۹۷۶ھ تحریر کیا ہے۔

ص...... سطر...... میرزا عیسیٰ اوّل کی تدفین: میرزا عیسیٰ اول کی وفات کی تاریخ اور دن کہیں درج نہیں۔ تاریخ معصومی (ص۲۱۰، اور تاریخ طاہری ص۱۱۴) نے ان کی وفات کا سنہ اربع و سبعین وتسعمایتہ (۹۷۴ھ)۔ نہصد و ہشتاد و چھار، غلط دیا ہے۔ قبر کے کتبات میں واضح طور پر ۹۷۳ھ کندہ ہے۔

تاریخ معصومی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب میرزا عیسیٰ فوت ہوئے تو ماہ بیگم نے ان کی وفات کی خبر دو تین دن تک مخفی رکھا، تا آنکہ محمد باقی سہون سے روانہ ہو کر ٹھٹہ پہنچے۔ جس دن باقی ٹھٹہ پہنچے، دوسرے دن میرزا کو پہلے سے تیار کردہ قبر میں دفن کیا گیا۔ عبارت یہ ہے:

"خبر فوت میرزا عیسیٰ را چند روز بنا بر مصلحت ملک پنہان

داشتند، تا آنکه میرزا باقی از موضع سهوان به بلده تته رسیده آمد. صباح آن، میرزا عیسیٰ را به مدفن برده در مقبره ای که ساخته بودند سپرند.“ (۱۴۷)

ص...... سطر...... میرزا غازی: کے متعلق تاریخ طاہری کے مؤلف نے لکھا ہے کہ وہ ۱۶ برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۹۹۲ھ میں متولد ہوئے۔

صاحب ترخان نامہ رقم طراز ہیں کہ جس وقت ان کا انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر ۲۷ برس تھی۔ (ص۹۳) اس حساب سے ان کی ولادت ۹۹۳ھ میں ہوئی۔ (۱۴۸)

ان کے بڑے بھائی میرزا ابوالفتح ۱۰۰۱ھ میں فوت ہوئے۔ میرزا غازی ان کے ساتھ عماری پر چلتے تھے، تو لوگ ان پر ہنستے تھے۔ (طاہری) (۱۴۹)

ص...... سطر...... نواب سیف اللہ: نواب سیف اللہ کی قبر خاصے عرصے سے منہدم تھی۔ مٹی کا ڈھیر بنی ہوئی تھی۔ اس پر خودرو گھاس اور جنگلی درخت اگ گئے تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء راقم کی کوشش سے ان کی صفائی کرواکر قبر کو نمایاں کیا گیا اور مذکورہ کتبہ کھود کر نکالا گیا۔ یہ کتبہ پتھر کی ایک بڑی سل پر بد خط میں کندہ ہے اور اشعار بھی غیر مربوط کندہ ہیں۔ مکمل کتبہ یوں ہے:

(۱)۔ یا اللہ

(۲)۔ اللھم صل

(۳)۔ علی محمد المصطفیٰ وعلی

(۴)۔ المرتضیٰ و فاطمة الزھراء

(۵)۔ والحسن والحسین و علی

(۶)۔ زین العابدین و محمد الباقر و

(۷)۔ جعفر الصادق و موسیٰ الکاظم

(۸)۔ وعلی الرضا و محمد التقی و علی

(۹)۔ النقی والحسن العکسری و محمد

(۱۰)- المهدی صاحب الزمان صلوات
(۱۱)- سلام الله و سلام علیهم
(۱۲)- اجمعین
(۱۳)- سیف جنگ خلد منزل از دلی
(۱۴)- کز وفاتش خلق مشتاقِ فناست
(۱۵)- از برای جستنِ تاریخ او
(۱۶)- نکته سنجان را ز فکرش جان بکاست
(۱۷)- بلبل طبعم ز غم نالید و گفت
(۱۸)- دست وی بادامن آلِ عباست
(۱۹)- ۱۱٤۲هجری نهم ذی قعده

کتبہ اسی طرح کندہ ہے۔ سیف اللہ خان کی وفات کی تاریخ اس سے پہلے معلوم نہیں تھی۔ کتبے کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ۹ ذی قعدہ ۱۱٤۲ھ کو ہوا۔

اسی قبرستان میں دوسری پتھر کی بنی ہوئی قبر مشرقی دیوار کے ساتھ ایک بچے کی ہے، جس کے پائیں یہ کتبہ ہے:

(۱)- بتاریخ سلخ جمادی الثانی ۱۱۵۹ھ (؟)
(۲)- حسن علی فرزند مرزا عبداللہ
(۳)- حکیم از دار الفنا بدار البقا رحلت نمود.

شمالی دیوار کی طرف تین قبریں ہیں، جو نہ تو پتھر کی ہیں اور نہ ہی چبوترے پر ہیں۔ ان پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نواب کے صاحبزادوں کی تھیں، جو اصل حالت میں نہیں ہیں، بلکہ کسی وقت مرمت کرکے ان کی چونے سے لپائی کی گئی ہے۔ احاطے کی دیوار کے باہر پتھر کے ایک چبوترے پر عاشق صفاہانی اور ان کے دوسرے ساتھی کی قبریں ہیں، جن کا کتبہ اس وقت قبر پر نہیں ہے، بلکہ وہاں سے اٹھا کر محکمہ آثار قدیمہ نے اپنے ہاں محفوظ کرلیا ہے۔ بالیں یہ کتبہ موجود ہے:

(۱)— هو الغفار

(۲)— و فدت الی الکریم بغیر زاد. من

(۳)— الحسنات بالقلب السلیم. فحمل الزاد

(۴)— اقبح کل شیء. اذا کان الوفود الی الکریم

(۵)— بتاریخ ۱۵ شهر شعبان ۱۱۵۱ھ (؟) (۱۵۰)

تمت بالخیر

کراچی ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۶

۴ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ
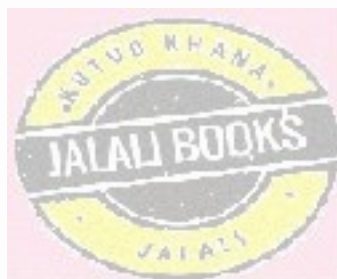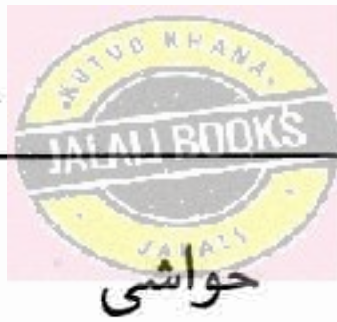
حواشی

(۱) یہ ضمیمہ ۱ ستمبر ۱۹۶۴ء ہانگ کانگ میں تیار کیا گیا۔

(۲) تحفۃ الکرام میں درج ہے کہ ملا احمد ٹھٹوی قاضی محمد قاسم کے بھائی تھے، قاضی محمد قاسم– از مشاہیر انام معروف معروف ایام روزگار بکمال فضلت گزراند– اس بزرگ کا خاندان علم اور روحانیت کے سلسلے میں نہایت ہی بلند مرتبت تھا۔ دونوں بھائیوں کی اولاد بڑے دینی مقام پر سرفراز رہی۔ (تک فارسی ۲۲۱-۳)

(۳) تک ص ۵۴۵

(۴) تط ص ۹۱

(۵) تط ص ۶۱

(۶) تط ص ۶۱

(۷) تط ص ۵۳

(۸) تک فارسی ۲۲۱/۳

(۹) تک ص ۶۲۳

(۱۰) تک ص ۶۲۲

(۱۱) تک ص ۶۲۲

(۱۲) تط ص ۴۲

(۱۳) تک فارسی ۲۵۱

(۱۴) تک ص ۶۱۵

(۱۵) تک ص ۴۹۳–۴۸۴

(۱۶) تک ص ۶۱۸

(۱۷–۱۸) تک ص ۶۱۸

(۱۹) تک ص ۶۱۸ دیولی نامی ایک گاؤں جونا گڑھ کے قلعے سے تیس میل کے فاصلے پر ہے– صاحب مراۃ سکندری نے سلطان بہادر

گجراتی کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:
"از استماع این خبر، سلطان بهادر از کنبایت به کوچ متواتر روانه الکۂ سورت شده... و از آنجا بقصبۂ دیولی. دیولی قصبه ایست برپا نزده کروهی قلعه جوناگر؟"
پیر پٹھو سندھ میں دیولی کی نسبت سے مشہور ہیں اور ہمیشہ دیولی کا اشارہ دیول بندر کی طرف سمجھ کر اُنھیں دیبل کا باشندہ سمجھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پیر پٹھو اصل میں گجرات کے مذکورہ گاؤں کے رہنے والے ہوں، جہاں سے ہجرت کرکے سندھ میں مقیم ہوئے۔ ان کے مرشد سید جمیل گرناری بھی گجراتی تھے جو گجرات سے ترک وطن کرکے سندھ آئے اور پیر پٹھو کے ساتھ دفن ہوئے۔ یہ مسئلہ قابل غور اور مزید تحقیق طلب ہے۔

(۲۰) تک ص ۶۲۰

(۲۱) تک ص ۶۲۰

(۲۲) تک ص ۶۲۰

(۲۳) تک ص ۶۲۱

(۲۴) تک ص ۶۲۱

(۲۵) تک ص ۵۴

(۲۶) تک ص ۵۶

(۲۷) مقالات ص ۷۶

(۲۸) تط ص ۳۶

(۲۹) تط ص ۳۷

(۳۰) تط ص ۳۸

(۳۱) تط ص ۶۱۰

(۳۲) تط ص ۳۱

(۳۳) سکوچه: نشیمن گاه- درب خانۂ بر آمدگی از زمین که برای نشستن سازند- (فرہنگ آموزگار)
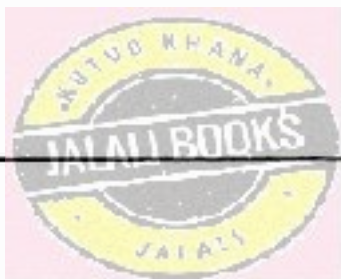
(۳۴) تط ص ۳۳

(۳۵) تک ۱۳۵ ص۵۳۳

(۳۶) تک ص۵۰۴

(۳۷) تک ۴۵۷

(۳۸) تک ص۴۵۹

(۳۹) مقالات ص

(۴۰) تط ص۴۴ تک ص۳۵۰

(۴۱) تک ص۶۱۴

(۴۲) تط ص۵۲

(۴۳) تک ص۴۶۰

(۴۴) تک ص۴۷۸

(۴۵) تک ص۴۶۰

(۴۶) تک ص۴۶۱ ص۶۱۶

(۴۷) تک ص۵۳۲

(۴۸) تک ص۴۷۸

(۴۹) تک ص۵۳۲

(۵۰) تک ص۴۸۶

(۵۱) تط ص۹۴

(۵۲) تط ص۹۴

(۵۳) تک ص۵۲۶

(۵۴) تط ص۹۵

(۵۵) تط ص۵۸

(۵۶) مقالات ص۲۵۸

(۵۷) مقالات ص۶۷۵

(۵۸) تک ص۵۱۸

(۵۹) تط ص۲۵ تک ص۴۴۹ (مزارش پهلوی زمین مرقد سید علی شیرازیست.)

(۶۰) تط ۲۶

(۶۱) تط ص۲۷ تک ۲۴۹

(۶۲) تک ص۶۱۳

(۶۳) مقالات ص۲۶۰

(۶۴) تک ص۶۱۷ تط ص۸۷
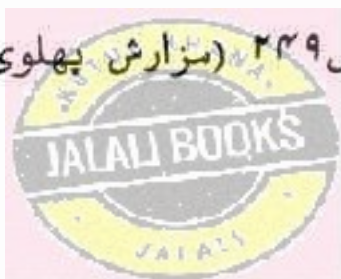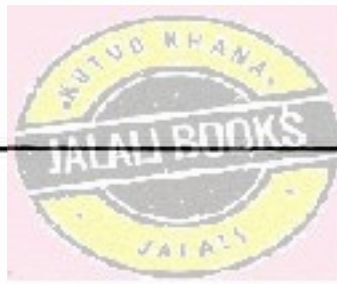
(۶۵) ماثر الامراء (جلد ۳ ص۹۶۵) میں یوسف خان کے متعلق مرقوم ہے کہ وہ تاشقند کے باسی تھے۔ جب ہندوستان آئے تو سب سے پہلے عبداللہ خان فیروز جنگ کی ملازمت اختیار کی۔ آگے چل کر شاہ جہان کے متصدی بنے اور پانچویں سال شاہجہانی میں سہ ہزاری اور دو ہزاری سوار کے منصب سے ٹھٹہ کے صوبہ دار ہوئے۔ جہاں سے ان کا تبادلہ ہوا اور بکھر کے فوج دار مقرر ہوئے۔ گیارہویں سال سیوستان کے فوجدار کے ساتھ قندھار کے بندوبست کے لیے روانہ ہوئے۔ بارہویں سال بکھر سے ان کا تبادلہ ہوا اور ملتان کے صوبے دار بنے۔ ۱۰۴۹ھ میں ملتان میں وفات پائی۔ اُن کے دو صاحبزادے تھے، میرزا روح اللہ اور میرزا بھرام دونوں سرکاری ملازمتوں میں رہے اور آبرو کے ساتھ زندگی بسر کی۔

(۶۶) تط ص۸۷ تک ص۶۱۷

(۶۷) تط ص۹۶

(۶۸) تک ص۶۱۶

(۶۹) تک ص۶۱۷

(۷۰) تک ص۶۱۷

(۷۱) تک ص۵۲۳

(۷۲) تک ص۵۶۰

(۷۳) تک ص۵۶۱

(۷۴) تط ص۲۲

(۷۵) تک ص۴۶۷

(۷۶) تک ص۴۶۷

(۷۷) تک ص۵۷۶

(۷۸) تط ص ۱۹

(۷۹) تط ص ۹۷

(۸۰) تط ص ۸۹
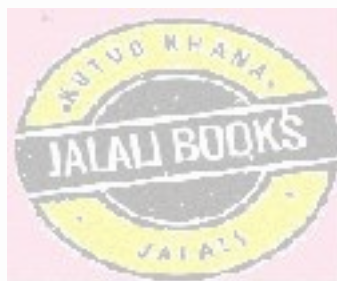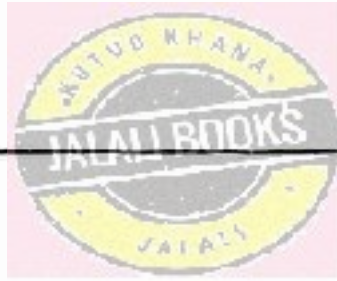
(۸۱) تط ص ۸۹

(۸۲) تک ص ۵۰۵

(۸۳) تک ص ۵۰۴

(۸۴) تک ص ۵۰۴

(۸۵) تک ص ۵۰۴

یہ ضمیمہ ۱ ستمبر ۱۹۶۴ء ہانگ کانگ میں ۶:۳۰ بجے شام کو تیار کیا گیا۔ اضافے بعد میں کیے گئے۔

(۸۶) درگاہ کے مشرق کی جانب

(۸۷) میرزا محمد باقی کی رانک ہے

(۸۸) مزید معلوم کے لیے ملاحظہ ہو، تذکرہ امیر خانی

(۸۹) اصل فارسی عبارت:

رانک امیر خسرو خان: طرف شمال رانک مذکور، رانک جام صالح وغیرہ— اولاد میرزا عیسیٰ ترخان کلان می باشد—

(۹۰) مندرسہ کا مفہوم معلوم نہ ہوسکا۔

(۹۱) رانہ دینو (رانہ کا دیا ہوا)

(۹۲) اس سلسلے میں ملاحظہ ہو سما حکمرانوں کا شجرہ اور اس پر لکھے ہوئے نوٹ۔

(۹۳) ایضاً

(۹۴) یہ اضافہ راقم کی طرف سے کیا گیا ہے۔

(۹۵) مقالات ص ۷۵۰

(۹۶) مقالات ص ۴۸۲

(۹۷) یہ ضمیمہ ۱۱ جولائی ۱۹۶۶ء کو لکھا گیا۔

(۹۸) ص ۴۹-۵۴

(۹۹) القمر ۵۴-۵۵
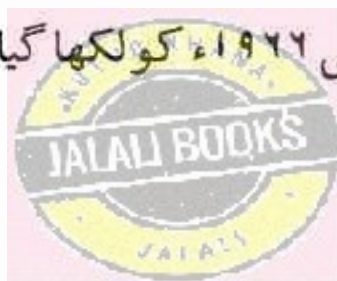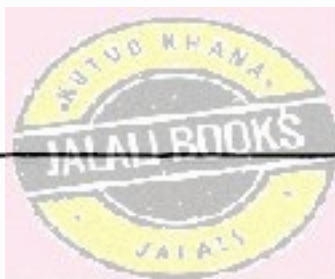
(۱۰۰)الزخرف ۶۹-۷۳

(۱۰۱)محمد ۵۱

(۱۰۲)الزمر ۷۳-۷۵

(۱۰۳)الصافات ۱۸۰-۱۸۲

(۱۰۴)یہ نام غالباً کتبہ نویس کا ہے، پہلا نام صاف نہیں ہے، راقم نے ابراہیم سمجھا ہے۔

(۱۰۵)تغابن ۷-۸

(۱۰۶)دہر ۱-۱۹

(۱۰۷)زمر ۵۳

(۱۰۸)قمر ۵۴-۵۵

(۱۰۹)نور ۳۵

(۱۱۰)البقرہ ۲۵۵

(۱۱۱)آل عمران ۳۹

(۱۱۲)آل عمران ۲۶

حال ہی میں مقبرے کے اندر کھدائی کر کے قبریں ظاہر کر کے ان کو سیمنٹ سے پختہ کیا گیا ہے۔ ۵ قبریں بڑی اور ۳ چھوٹی ہیں۔

(۱۱۳)الاخلاص ۱

(۱۱۴)البقرہ ۲۵۵

(۱۱۵)الجمعۃ ۶-۱۱

(۱۱۶)الاسراء ۷۹

(۱۱۷)الاسراء ۸۰

(۱۱۸)الاسراء ۸۱

(۱۱۹)الاسراء ۸۲

(۱۲۰)آل عمران ۱۸-۱۹

(۱۲۱)البقرہ ۲۵۵

(۱۲۲)الزمر ۵۳

(۱۲۳)الکھف ۱۰۷-۱۱۰
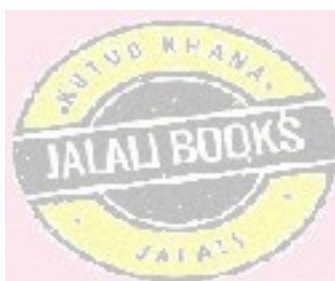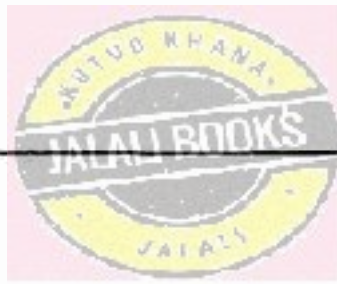
(۱۲۴)النحل ۹۷

(۱۲۵)البقرہ ۲۵۵

(۱۲۶)البقرہ ۲۵۶-۲۵۷

(۱۲۷)النحل ۹۷

(۱۲۸)آل عمران۱۸-۲۰

(۱۲۹)البقرہ ۲۸۵-۲۸۶

(۱۳۰)البقرہ ۲۵۵

(۱۳۱)الزمر ۵۳

(۱۳۲)یہ سب کتبات خداداد خان کی بیاض میں ص۶۹۳ سے ۷۱۲ تک نقل شدہ ہیں۔ جام نظام الدین کے عربی کتبات بیاض میں غلط نقل کیے گئے تھے، جو راقم نے ۸ اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء خود جاکر دیکھے اور ان کی تصحیح کی۔

(۱۳۳) انسائیکلوپیڈیا رلیجن اینڈ ایتھکس ج ۲ ص۹۳-۹۴

(۱۳۴)انسائیکلوپیڈیا رلیجن اینڈ ایتھکس ج۲ ص۷۱۵

(۱۳۵)مارواڑ کا راجا ٹھٹہ کے راستہ ہنگلاج گیا تھا۔ اس کا نام اگر پربھو تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا ج ۲ ص۲۱۲

(۱۳۶)ایضاً جلد - ۱ ص۲۵۹-۲۶۰

(۱۳۷)مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا رلیجن اینڈ ایتھکس کے مندرجہ ذیل الفاظ: گو سائیں، گور کھناتھ، گور گھناٹیز، نانی گوسالا، گوسا ونی، جین، ٹٹی، ٹاٹی وغیرہ۔

(۱۳۸)مطبوعہ ابن سینا، تہران ۱۳۴۲ ش ۵۰

(۱۳۹)طاہری مطبوعہ ص۹۹

(۱۴۰)طاہری مطبوعہ ص۱۰۶

(۱۴۱)طاہری مطبوعہ ص۱۱۰

(۱۴۲)طاہری مطبوعہ ص۱۱۴

تاریخ طاہری میں یہ سال غلط دیا گیا ہے۔ کتبہ پر ۹۷۳ھ ہے۔

(۱۴۳)طاہری مطبوعہ ص۱۲۵ میر معصوم نے سال ۹۷۴ھ دیا ہے جو بھی
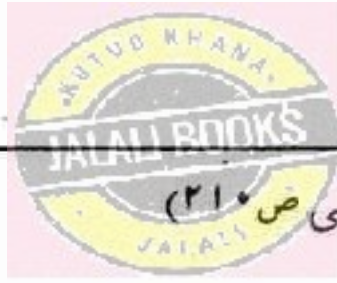
غلط ہے۔ م(معصومی ص ۲۱۰)

(۱۴۴)معصومی ص ۲۱۰

(۱۴۵)عمر شریفش همگی بست وهفت سال بود و ایام حکومتش ده سال سه سال در تته و هفت سال در قندهار. ص ۹۳

ترخان نامه کے ایک نسخے میں وفات: عشرین و الف شب جمعه از شهر صفر مرقوم ہے۔ دوسرے نسخے میں یازدهم صفر اور کہیں احدی و عشرین و الف مرقوم ہے۔

(۱۴۶) یه ضمیمه ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو مکمل ہوا۔

(۱۴۷) یه کتبات ۱۷-۱۰-۱۹۶۶ء کو قبروں سے نقل کیے گئے۔

مکلی نامہ

A

۴۸۶ صفحہ سے متعلق)

دختر

میر یار محمد ترخان (۲)

دختر

زوجہ امیر ابوالقاسم

سلطان بیگلار

میر فتح خان (۹)

محمد صالح (اول)

قتل: سنیچر ۲۳ شعبان سنہ ۹۷۰ھ

د-ق: اس کے نام جدا

سلطان ابراہیم (۳)

و: ۱۶ ربیع الاول ۹۶۶ھ

د-جدا گنبد

محمد غالب (۷)

قتل: بحکم باقی

د-ق: عیسیٰ اول

دختر (۸)

زوجہ سید جلال (ثانی)

بن سید علی (ثانی)

سید میر محمد

مؤلف: ترخان نامہ (۱۰۶۵ھ)

---
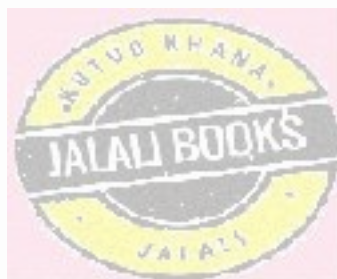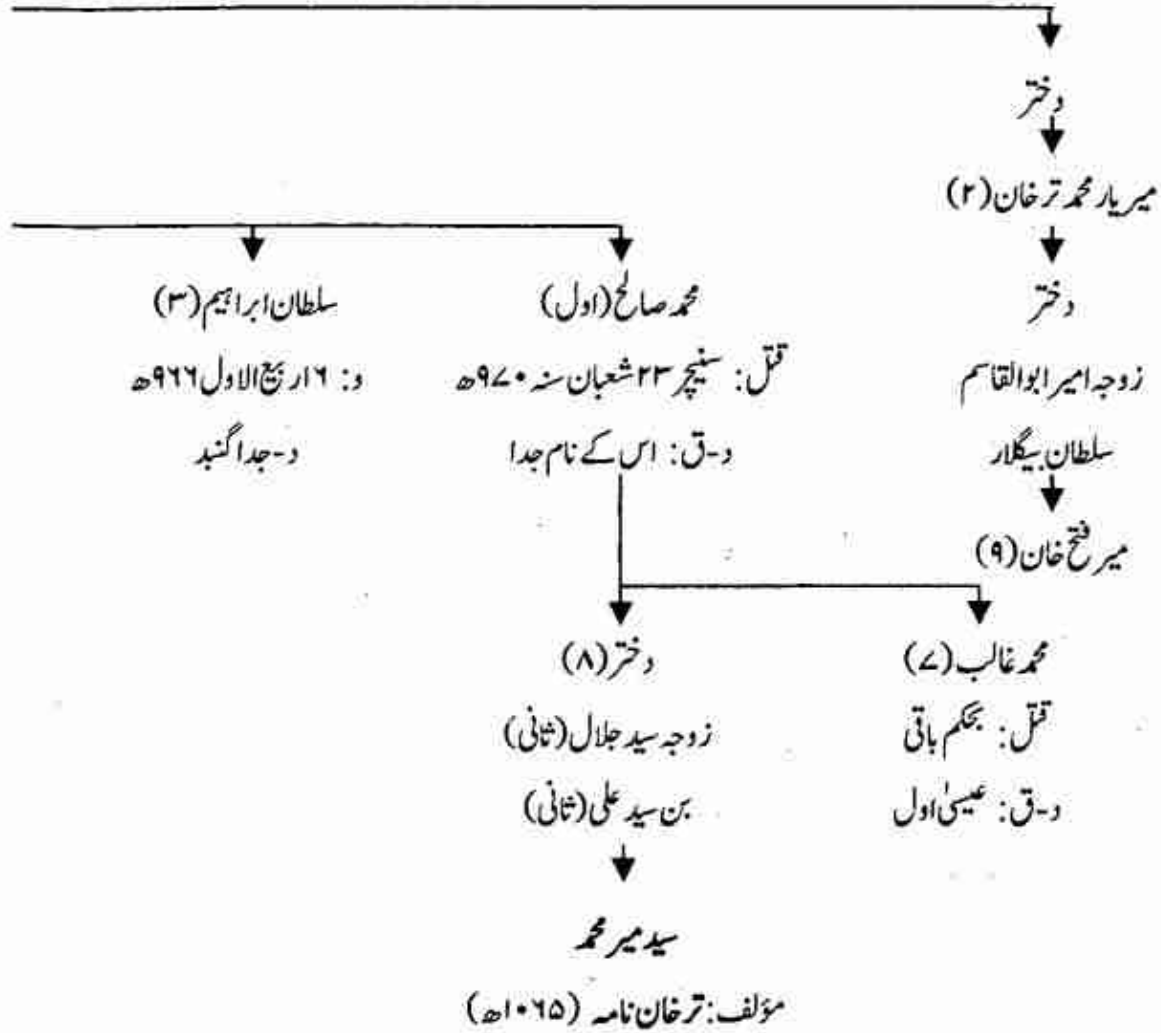
۱) سلطان مح محمود (۸۶۴- ۹۰۰ھ) بن ابو سعید میران شاہی (۸۵۵- ۸۷۳ھ) کے دور میں بخارا کا صوبیدار تھا۔ شیہ اور تربیت کی۔ (بلا خمن ص ۳۸۹) آگے کے شجرہ کیلئے دیکھئے متن ۲۰۹ (۲) معصومی ص ص ۲۰۹، ۲۲۵۔ (۳) بیگلر نامہ ص (معصومی ص ۱۱۳) محمد صالح اول کے آنگن مین دفن۔ (۷) طاہری میں اس کو میرزا عیسیٰ کا بیٹا دیکھایا گیا ہے۔ غالباً یہ عبارت ک ازاولاد میرزا صالح نواسہا است کہ اسامی آنھا در شجرہ سادات عظام اولاد امیر کبیر پیر سید علی شیرازی (ستوی) مرقوم است (ترخ میرزا باقی نے قتل کروادیئے۔ سارے میرزا جان بابا کے مقبرے میں دفن ہیں۔
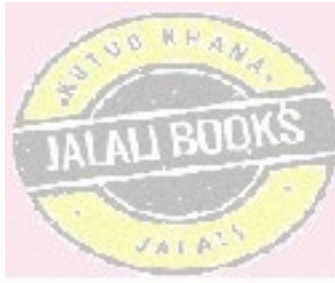
میرزا عبدالعلی ترخان(۱)

صوبہ دار بخارا

میرزا عیسیٰ ترخان(اول)

(۹۶۲- ۹۷۳ھ) و-ق: اس کے نام

(۳)	میرزا جوہر(۴)	میرزا سلیمان(اول)	میرزا زاہد(اول)
۹۶۶ھ	قتل: بحکم باقی	و: ۹۶۴ھ	و: جمعہ ۸رجب ۹۶۱ھ
.		و-ق: جدا	د: محمد صالح(اول) کے ساتھ

ا کا صوبیدار تھا۔ شیبانی خان والیٔ جنگ میں پانچ بیٹوں کے ساتھ مارا گیا۔ میرزا عیسیٰ صغیر تھا، جس کی میرذوالنون ارغون نے پرورش
۔(۳) بیگلر نامہ ص ۲۲ (۴) ترخان نامہ ص ۶۲۔ (۵) ترخان نامہ ص ۶۳۔ (۶) فقیر محمد ترخان۔ رجب ۹۷۶ میں قتل ہوا
ہے۔ غالباً یہ عبارت کی غلطی ہے۔(غالب کہ خورد برادا ز ہمہ بود۔ ص ۹۹) ترخان نامہ میں درست رشتہ بتایا گیا ہے۔(ص ۶۱) (۸
) مرقوم است (ترخان نامہ ص ۶۷)۔(۹) مقدمہ چنیسر نامہ از راقم الحروف۔ (۱۰) یہ پورا خاندان یعنی بیوی، شوہر اور دو صغیر بچے

الدہ کچھ کے جاڑیجی سمہ میں سے تھی۔ (۲) طاہری ص ۱۴۳- ۱۴۷- ۱۵۰- ۱۷۸۔ (۳) طاہری ص ۱۴۳- ۱۴۷-

شاہ رخ ولد شاہ رخ غلط دیکھا گیا ہے۔ مؤلف سے سہو ہوگئی ہے۔ (۶) میرزا غازی کے فوت ہونے کے بعد مسند نشین کیا

پر لکھا ہوا ہے: بنت حضرت رضوان مقامی۔ قیاس ہے کہ۔ رضوان مقامی۔ میرزا جانی کیلئے کتب لایا گیا ہے۔ جنت مکانی۔ میرزا

باقی کی بیٹیاں ہوں۔
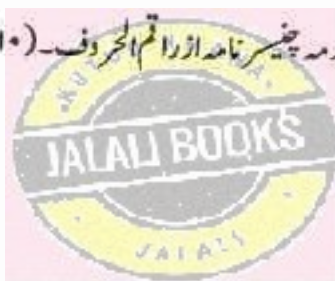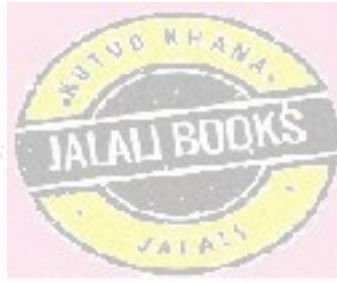
کراچی ۹ نومبر ۱۹۶۶ء

حسام الدین راشدی

میرزا داراب

میرزا غازی بیگ(ثانی)

میرزا ایرج
و: ۲ شوال ۱۰۶۱ھ
د-ق: عیسیٰ ثانی

---

(۱) طاہری: جان بابا کہ جان پدر بود، از خود چون جان، جدائی کرد ص ۹۹۔ (۲) ترخان نامہ میرزا جانی امر کرد کہ: عمر خ
(۳) ایضاً ص ۹۲-ھاکرہ وساورہ سرِ راہ قوافل، احمد آباد و جیسلمیر وملتان است۔ (۵) زالس (متوفی ۱۰ جمادی الثانی ۱۰۸۶ا
ہے۔

میرزا جان بابا(۱)

مقتول: ۹۷۸ھ

-ق: جد ااس کے نام

میرزا عیسیٰ (ثانی)

و: ۱۰۶۲ھ د-ق: اس کے نام

میرزا محمد صالح (ثانی)

و: ۱۰۷۶ھ کے بعد

ترخان نامہ لکھوایا

میرزا بھروز

و: ۱۰۷۷ھ

د-ق: عیسیٰ ثانی

میرزا جان بابا (ثانی)

صالحہ بیگہ (۲)

میرزا عنایت اللہ

و: ۱۰۵۸ھ

د-ق: عیسیٰ ثانی

برزا ایرج

شوال ۱۰۶۱ھ

: عیسیٰ ثانی

میرزا مظفر (ثانی) (۵)

میرزا محمد مراد (۴)

تھانیدار جہانگیر آباد

حاکڑہ اور ساوڑہ (سرکار نصرپور)

۱۰۹۳ھ کے بعد زندہ رہا

لرد کہ: عمر خورد خود او را، در عقد نکاح او (شاہ بابا) در آورد ص ۲۶۔ (۳) مجموعہ مکاتیب دانشگاہ سندھ نمبر ۲۰۴۶۱، ص ۹۱۔

ی الثانی ۱۰۸۶ھ) میرزا عیسیٰ ثانی کے ایوان میں شمال کے طرف آنگن میں دفن ہے۔ (۶) ترخان نامہ والے شجرہ میں نام آیا ہوا

شجرہ (الف

سموں، گجراتیوں اور فاروقیوں

۳۔ سلطان محمد والی گجرات (۲

شوہر بی بی مغلو

بنت جام جونو سمہ والی سند

۶ سلطان محمود بیگڑو والی گجرات (پیدائش

(بی بی مغلی)

---
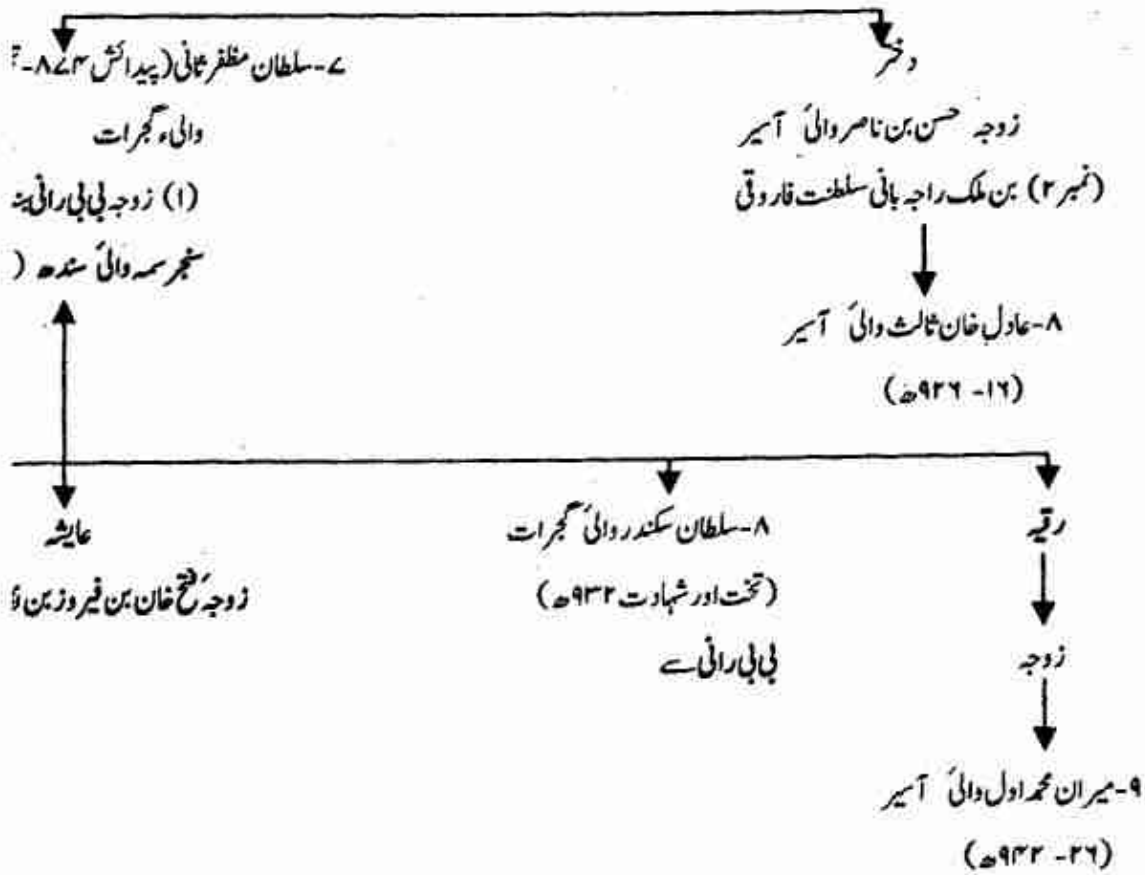
(۱) ناموں کے شروع یا آخر میں دیئے گئے نمبر شاہی سلسلے کے ہیں۔
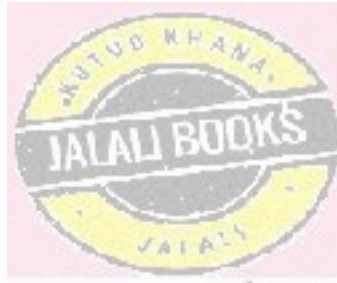
مکلی نامہ

مرتبہ

حسام الدین راشدی

(۱۳ دسمبر ۱۹۶۳ء)

شجرہ (الف)

سوں، گجراتیوں اور فاروقیوں کی رشتیداری کا سلسلہ

۳۔ سلطان محمد والی گجرات (۴۶-۸۵۵ھ) (۱)

شوہر بی بی مغلی

بنت جام جونو سمہ والیٔ سندھ (نمبر ۱۲)

سلطان محمود بیگڑہ والیٔ گجرات (پیدائش ۸۴۹- تخت ۸۶۳- ۹۱۷ھ)

(بی بی مغلی)

۷۔ سلطان مظفر ثانی (پیدائش ۸۷۴- تخت ۱۷- ۹۳۲ھ)

والیٔ گجرات

(۱) زوجہ بی بی رانی بنت سلطان

سنجر سمہ والیٔ سندھ (نمبر ۱۵)

(۲) زوجہ

دختر

زوجہ ہیبت خان بن صلاح الدین سمہ والیٔ سندھ شہید ۹۲۷ھ

عایشہ

زوجہ فتح خان بن فیروز بن نظام الدین والیٔ سندھ

۱۰۔ سلطان بہادر (۳۲- ۹۴۳ھ) والیٔ گجرات

(۱) داماد: فیروز شاہ سمہ (نمبر ۱۹- ۱۷)

(۲) داماد: بھرام خان شہزادۂ سندھ

۱۲۔ محمود ثالث (تخت ۹۴۳ھ)

بابِ پنا اول

۱۔ فیروز الدین شاہ جام انڑ اول
(۳۷۔ ۷۵۳ھ) (۱)

ملک راہو
ملک راؤڈنو
ملک راہو
ملک انڑ
راج پال (۲۲)

۲الف ۔ صدر الدین جام بابینہ ثانی (۵۳۔ ۷۶۸ھ) (۲)
(۳)؟

۳الف ۔ رکن الدین شاہ جام تماچی (۶) (۷۶۸۔ ۷۷۲ھ) (۲۳)
۵الف ۔ رکن الدین شاہ جام تماچی (۷) (دوبارہ) ۷۹۱ھ کے بعد)

۸۔ جام علی شیر
۶۔ سلطان صلاح الدین شاہ جام انڑ ثانی

۷۔ جام نظام الدین اول
۱۵۔ سلطان صدر الدین شاہ
جام سنجر عرف راؤڈنو (؟۔ ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ) (۱۲)

دختر
مارک عرف شیخ الوبھو
مرید پیر مراد شیرازی
دفن ٹھٹہ (متوفی ۸۵۸ھ)

؟
۱۸۔ صلاح الدین شاہ (۱۵)
(۱۷۔ ۹۱۹ھ)
شہادت ۹۲۷ھ
ہیبت خان (فتح خان؟) (۱۵)
والد کے ساتھ شہید (۹۲۷ھ) ہوا
داماد: سلطان مظفر گجراتی نمبر ۷

؟
بی بی رانی (۱۶)
متوفی ۹۳۰ھ
زوجہ مظفر ثانی والیٔ گجرات نمبر ۷
(۱۷۔ ۹۳۲ھ) ۹۲۴ھ میں شادی ہوئی
(دیکھیے تحت سلطان مظفر ثانی)

۱۶۔ سلطان نظام الدین ثانی
جام نندو (۱۳۔ ۲۵) (۲۵ ربیع الاول ۸۶۶۔ ۹۱۴ھ)

دختر
زوجہ مارک عرف شیخ الوبھو

فتح خان (۲۱)

۷
سلطان فیروز
۱۹۔ دوبا
(۹۱۹۔

دختر (۱۴)
زوجہ شیخ ابراہیم

دختر
زوجہ سلطان
ولد سلطان مظفر
نمبر

۲ب- علاء الدین جام جونا اول (۵۳- ۷۶۸ھ)(۴)

۴ب- علاء الدین جام جونا اول(۵) (دوبارہ) (۷۷- ۷۹۱ھ) (۲۳)

۳ب- خیر الدین جام طغاچی (۶)

۹- جام کرن (ڈیڑھ دن)(۹)

۱۰- صدر الدین جام سکندر شاہ اول(۹- ۲۴)

؟

۱۲- جام تغلق

جام فیروز اول (۱۸)
(۵۵- ۸۶۳ھ)

۱۳- جام مبارک (۱۰)

بی بی مرکی یا مرگی (۱۷)
(بمعنی ہرنی متوفی ۵۶- ۸۵۷ھ مدفون
روضہ جام جونو نزد احمد آباد)
زوجہ شاہ عالم بخاری متوفی ۸۸۰ھ

بی بی امان (۱۷)

بی بی درمیانی (۱۷)

سید بیگ محمد عرف
شاہ بھیکن (۱۷)
(مدفون روضہ جام جونو نزد
احمد آباد)

سلطان
(تولد ۸۷۴

بی بی عائشہ (۱۶) (از بطن بی بی رانی
زوجہ فتح خان بن فیروز بن نظام الدین

بی بی رقیہ (۱۶) (از بطن بی
زوجہ سلطان عادل شاہ فاروقی والیٔ
سلطان محمود ثالث نمبر
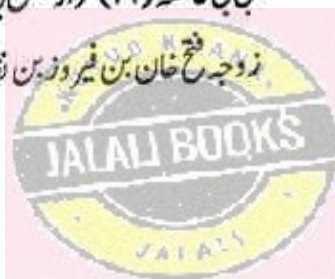
-ناصر الدین ابو الفتح
شاہ ثانی (۱۴) (۱۴- ۹۱۹ھ)
ہ بذریعہ شاہ حسن ارغون
۹۲۸ھ) شہید ۹۴۲ھ

۱۴)
بہادر نمبر ۱۰
والیٔ گجرات
۷

پسر فتح خان؟ (۱۴)
شوہر بی بی عائشہ بنت مظفر ثانی
نمبر ۷

ب: نسب نامہ سلاطین سمہ

مکلی نامہ

مرتبہ حسام الدین راشدی

بتاریخ ۱۵- جنوری ۱۹۶۴ء

(۱) —— متداول اور ڈاکٹر نبی بخش خان

(۲) —— اضافہ حسام الدین

(۳) کالے نام سلطانوں کے ہیں

(۴) بریکیٹ کے نمبر فوٹ نوٹ کے ہیں

(۵) سلطانوں کے آگے عدد شاہی ترتیب اور سلسلے کے ہیں۔
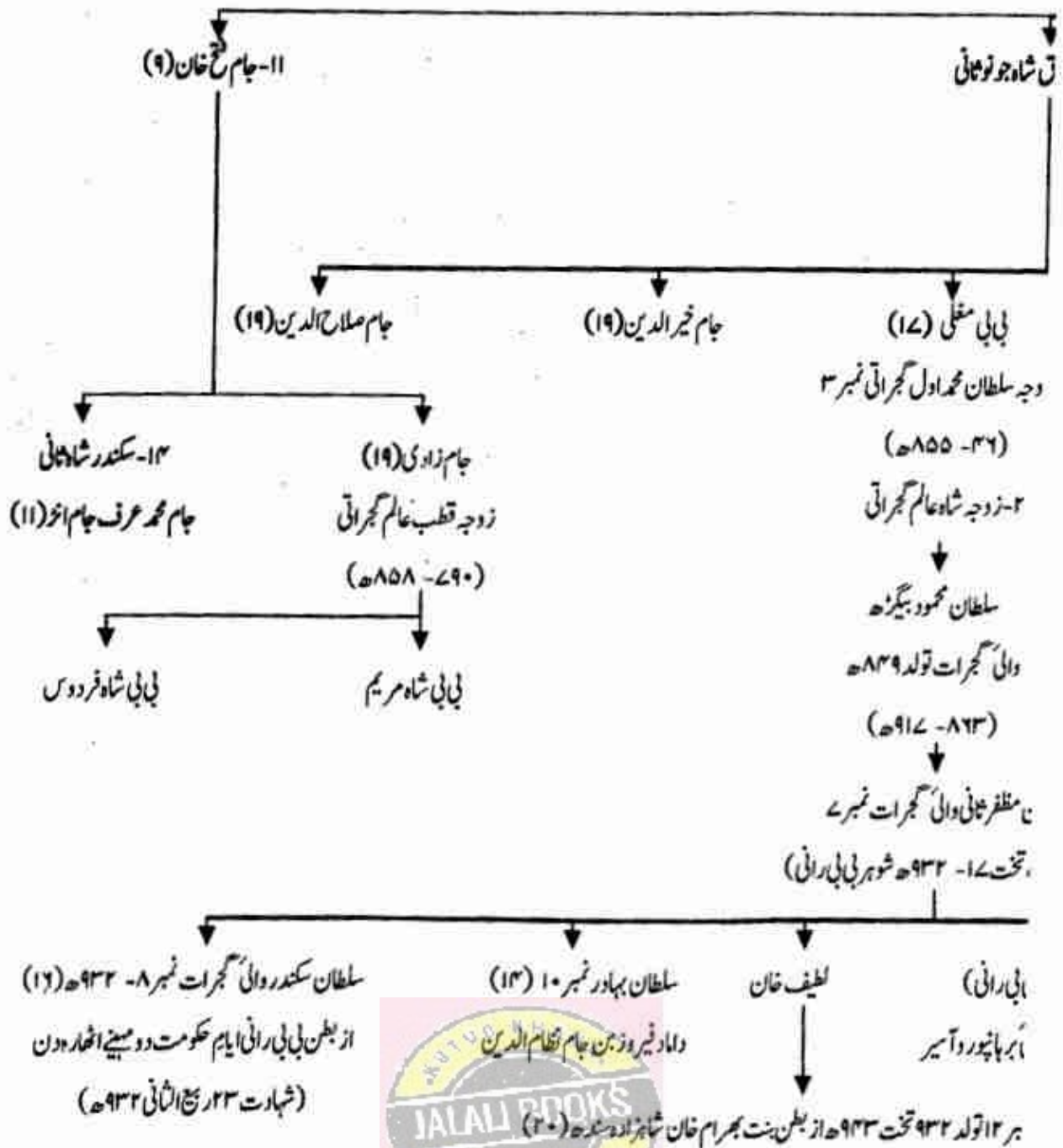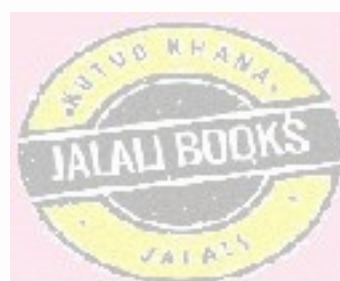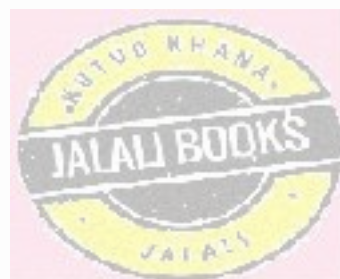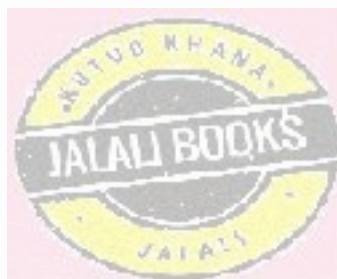
ق شاہ جونومعانی

۱۱- جام فتح خان (۹)

بی بی مغلی (۱۷)
وجہ سلطان محمد اول گجراتی نمبر ۳
(۳۶- ۸۵۵ھ)
۲- زوجہ شاہ عالم گجراتی

سلطان محمود بیگڑہ
والیٔ گجرات تولد ۸۳۹ھ
(۸۶۳- ۹۱۷ھ)

ن مظفر ثانی والیٔ گجرات نمبر ۷
تخت ۱۷- ۹۳۲ھ شوہر بی بی رانی)

جام خیر الدین (۱۹)

جام صلاح الدین (۱۹)

جام زادی (۱۹)
زوجہ قطب عالم گجراتی
(۷۹۰- ۸۵۸ھ)

بی بی شاہ مریم

بی بی شاہ فردوس

۱۴- سکندر شاہ ثانی
جام محمد عرف جام اخر (۱۱)

بی رانی)
ُ برہانپور و آسیر

لطیف خان

بر ۱۲ تولد ۹۳۲ تخت ۹۴۳ھ از بطن بنت بھرام خان شاہزادہ سندھ (۲۰)

سلطان بہادر نمبر ۱۰ (۱۴)
داماد فیروز بن جام نظام الدین

سلطان سکندر والیٔ گجرات نمبر ۸- ۹۳۲ھ (۱۶)
از بطن بی بی رانی ایام حکومت دو مہینے اٹھارہ دن
(شہادت ۲۳ ربیع الثانی ۹۳۲ھ)

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

فہرست

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

(۱) مکلی کے آس پاس کا نقشہ

مقابر کی جائے وقوع (۲)
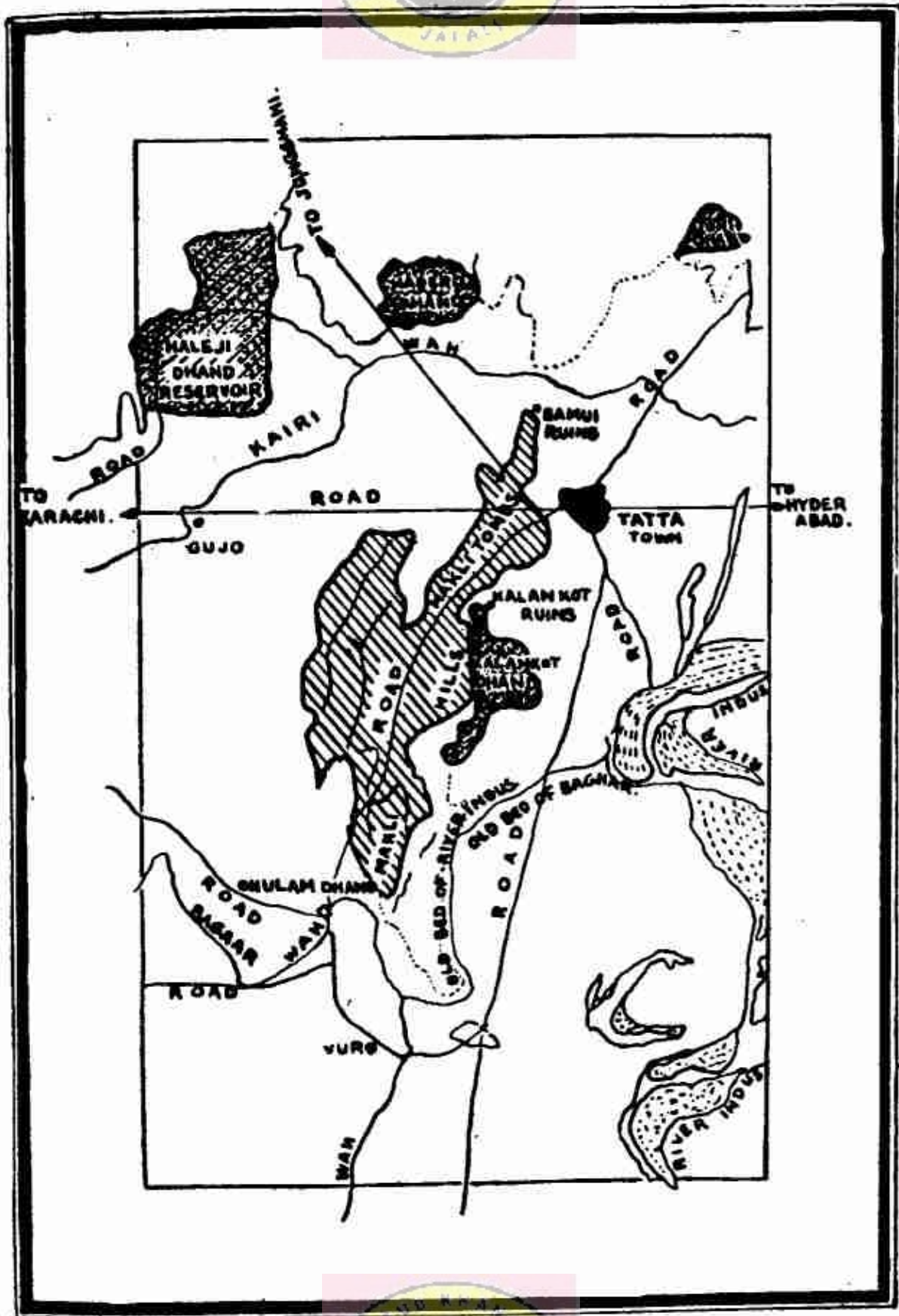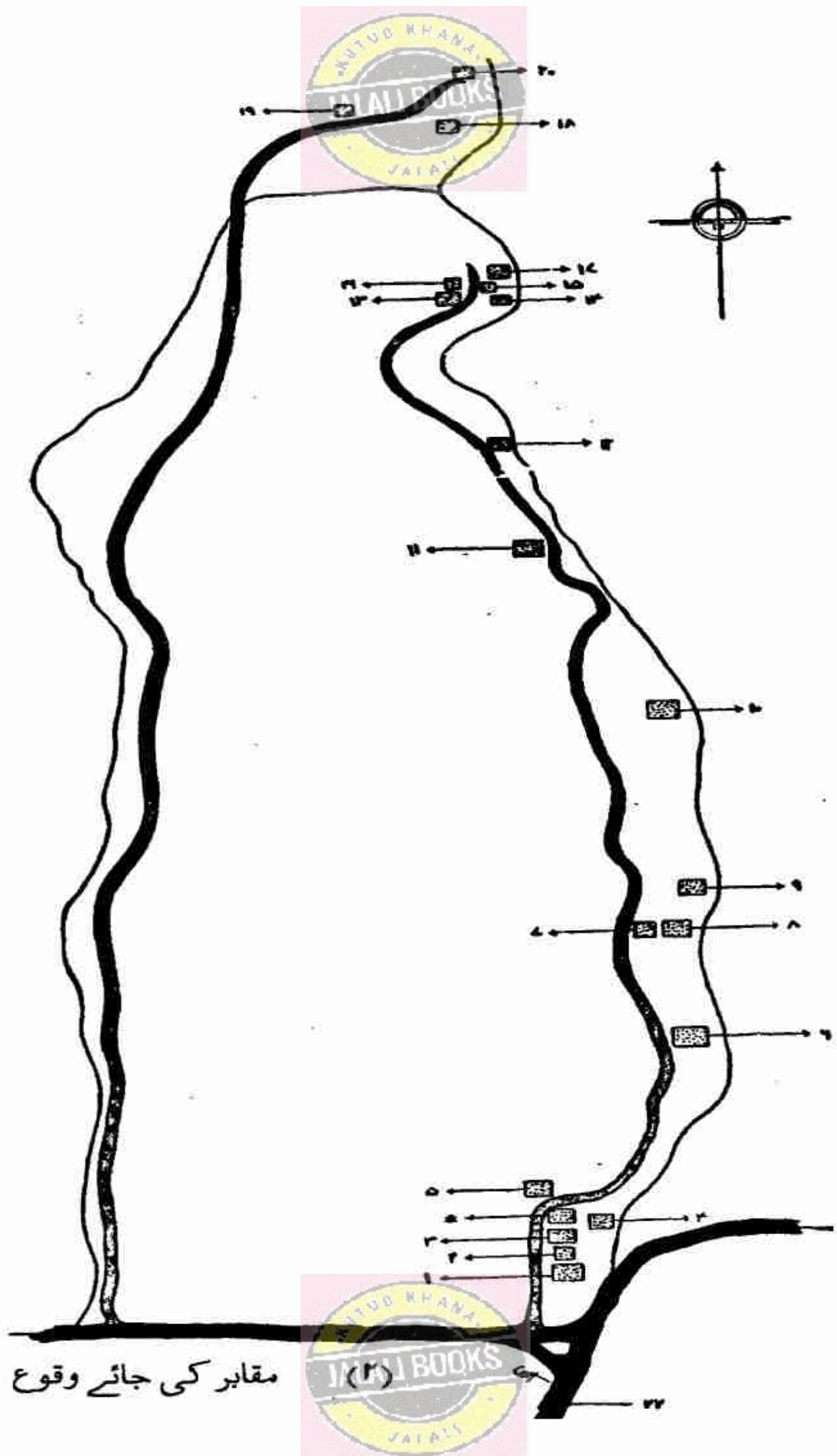
۱- جانی بیگ کا مقبرہ
۲- طغرل بیگ کا مقبرہ
۳- باقی بیگ کا مقبرہ
۴- جان بابا کا مقبرہ
۵- شرفا خان کا مقبرہ
۶- سلطان ابراہیم کا مقبرہ
۷- سید عبداللہ کا مزار
۸- محمد باقی کا مقبرہ
۹- عیسیٰ خان اول کا مقبرہ
۱۰- شیخ جیو کا مقبرہ
۱۱- کٹوس سلطانی کا مقبرہ
۱۲- میر سلیمان کا مقبرہ
۱۳- میر سلیمان کا مقبرہ
۱۴- جام سکندر شاہ کا مقبرہ
۱۵- تاج الدین کا مقبرہ
۱۶- فتح خان کی ہمشیرہ کا مقبرہ
۱۷- جام نظام الدین کا مقبرہ
۱۸- سید علی شیرازی کا مقبرہ
۱۹- شاہ مراد کا مقبرہ
۲۰- شیخ عیسیٰ لنگوٹی کا مقبرہ
۲۱- عیسیٰ خان ثانی کا مقبرہ
۲۲- شاہراہ جنگشاہی (جنگ شاہی سے آنے والی سڑک)
۲۳- شاہراہ کراچی (کراچی سے آنے والی سڑک)
۲۴- شاہراہ ٹھٹھ (ٹھٹھ سے آنے والی سڑک)
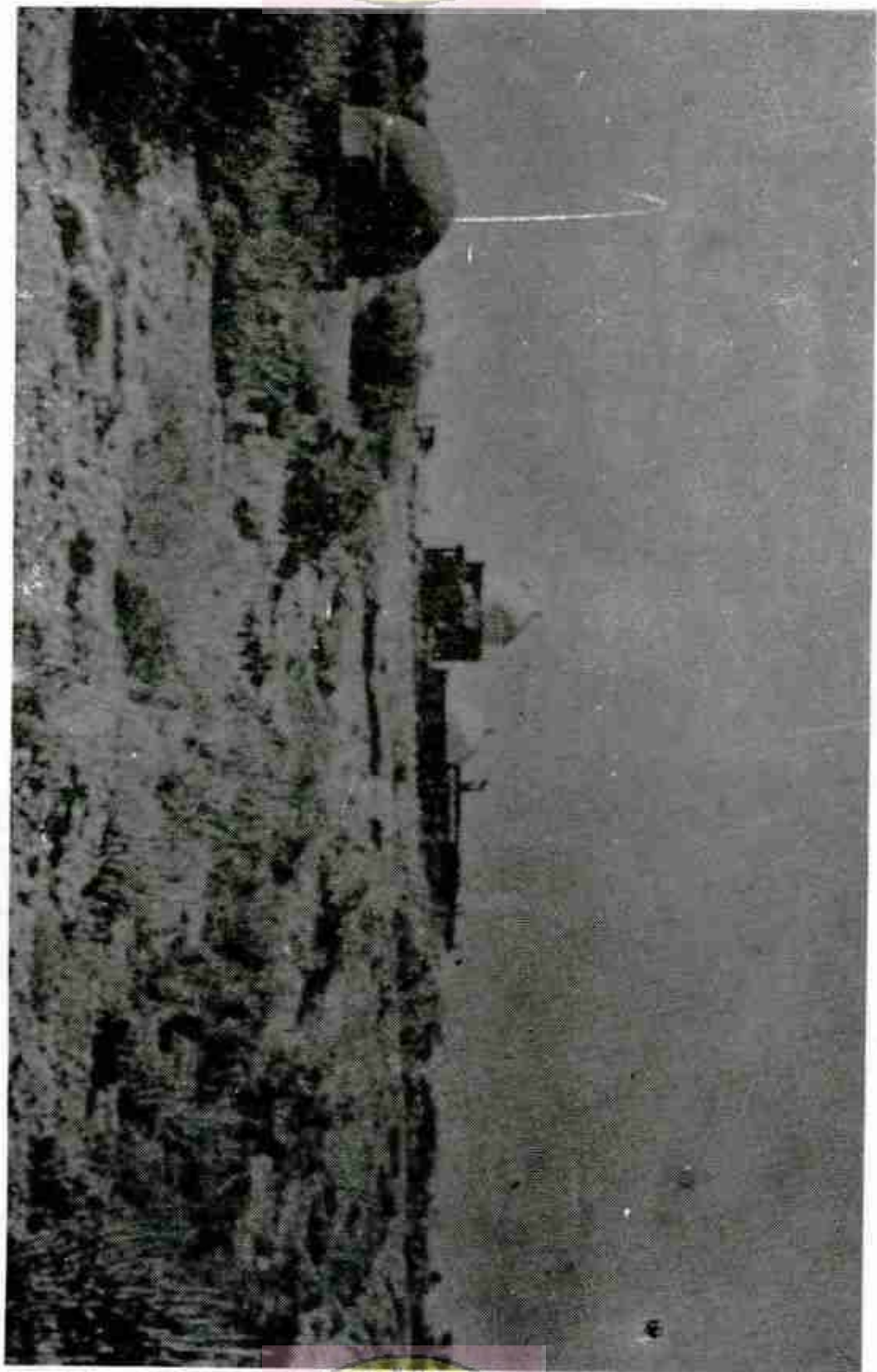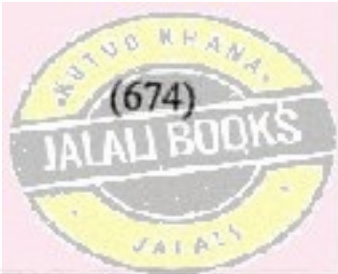
۳۔ خانقاہ سید شاہ مراد کا عام منظر
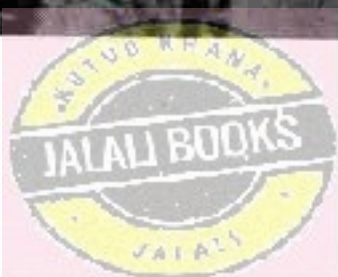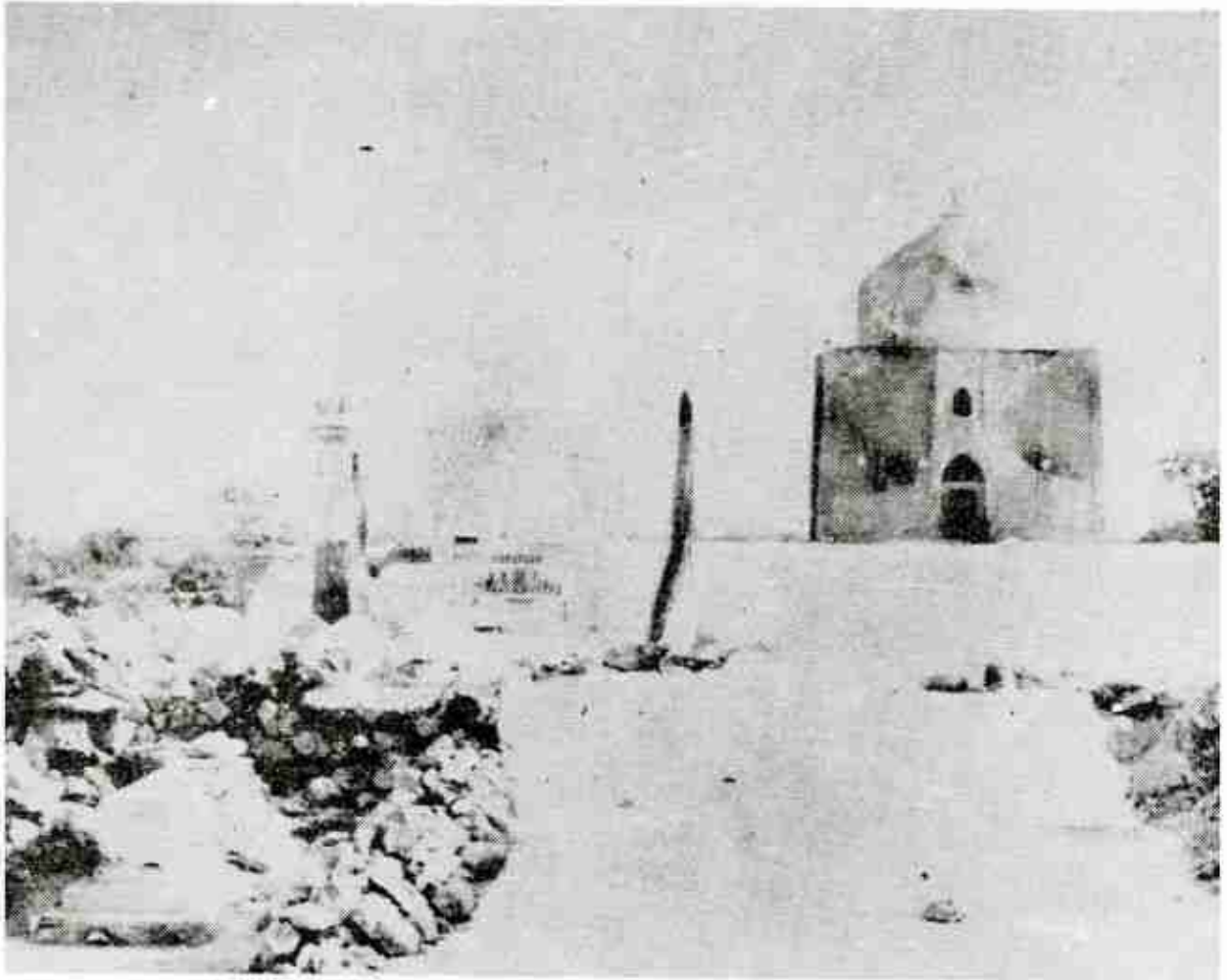
۴۔ مدرسہ شاہ مراد۔ حسین صفائی
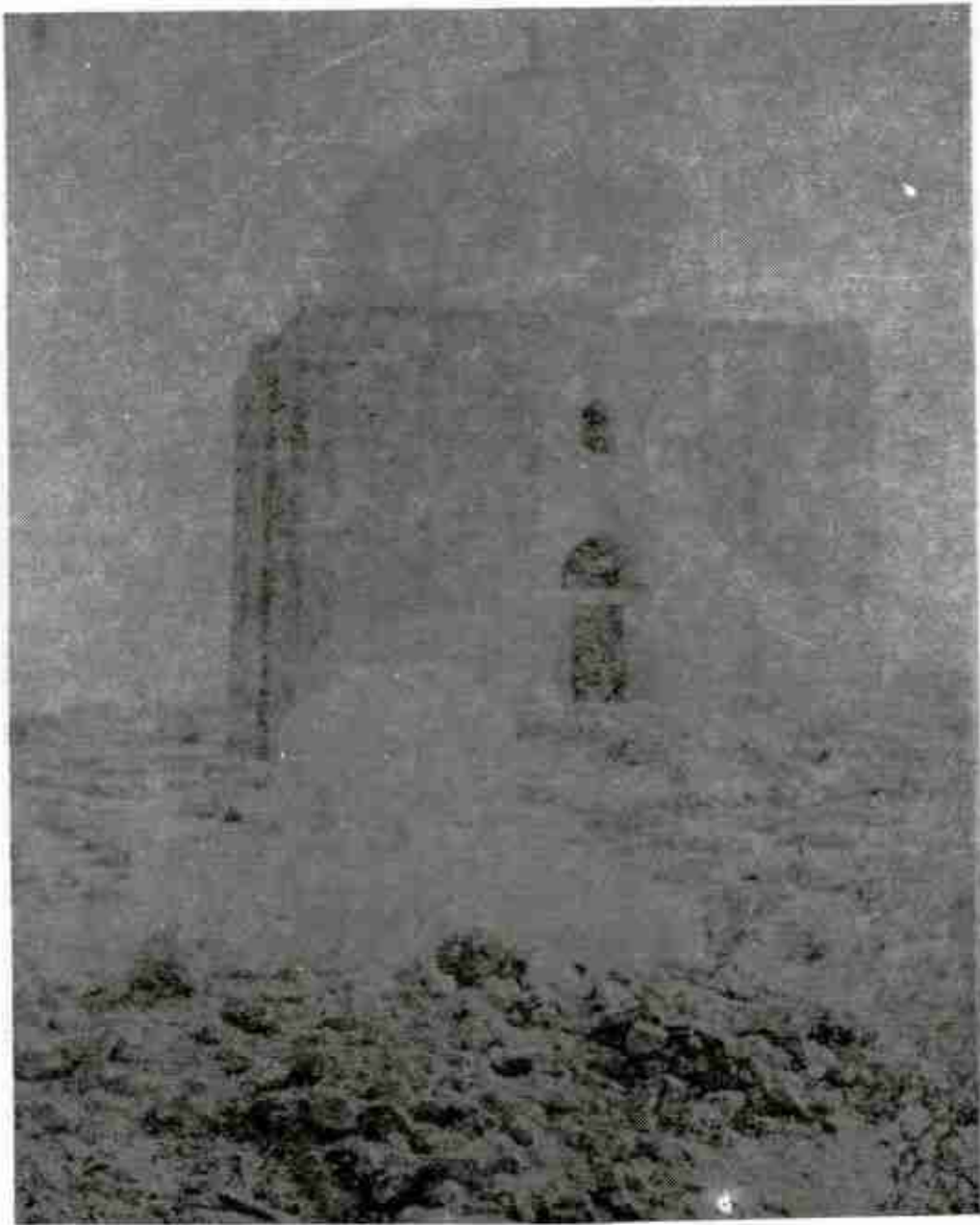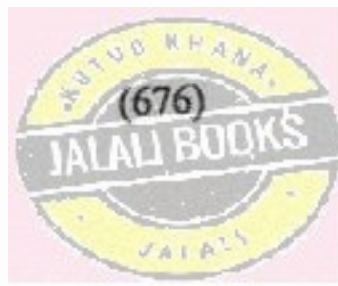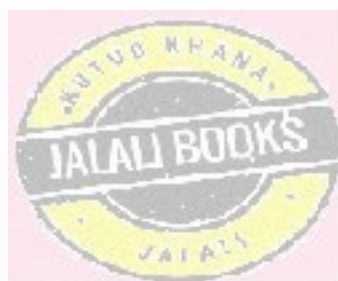
۵۔ مدرسہ و مزارِ شاہ عبدالصمد
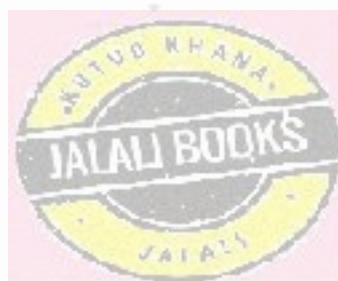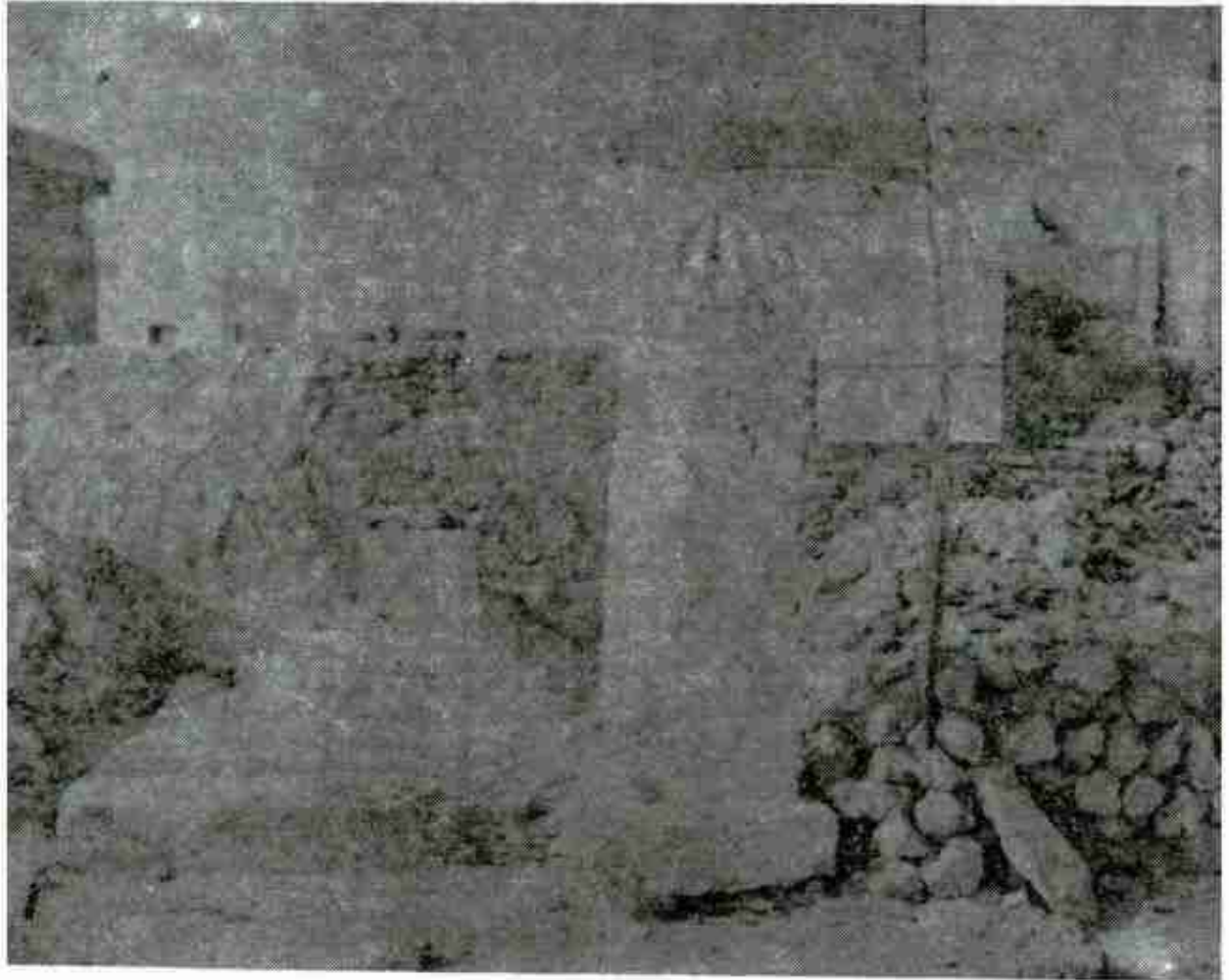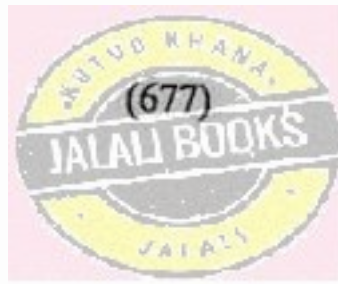
٦۔ بیبی فاطمہ کا مزار

۷۔ قاضی نعمت اللہ ٹھٹوی کا مزار
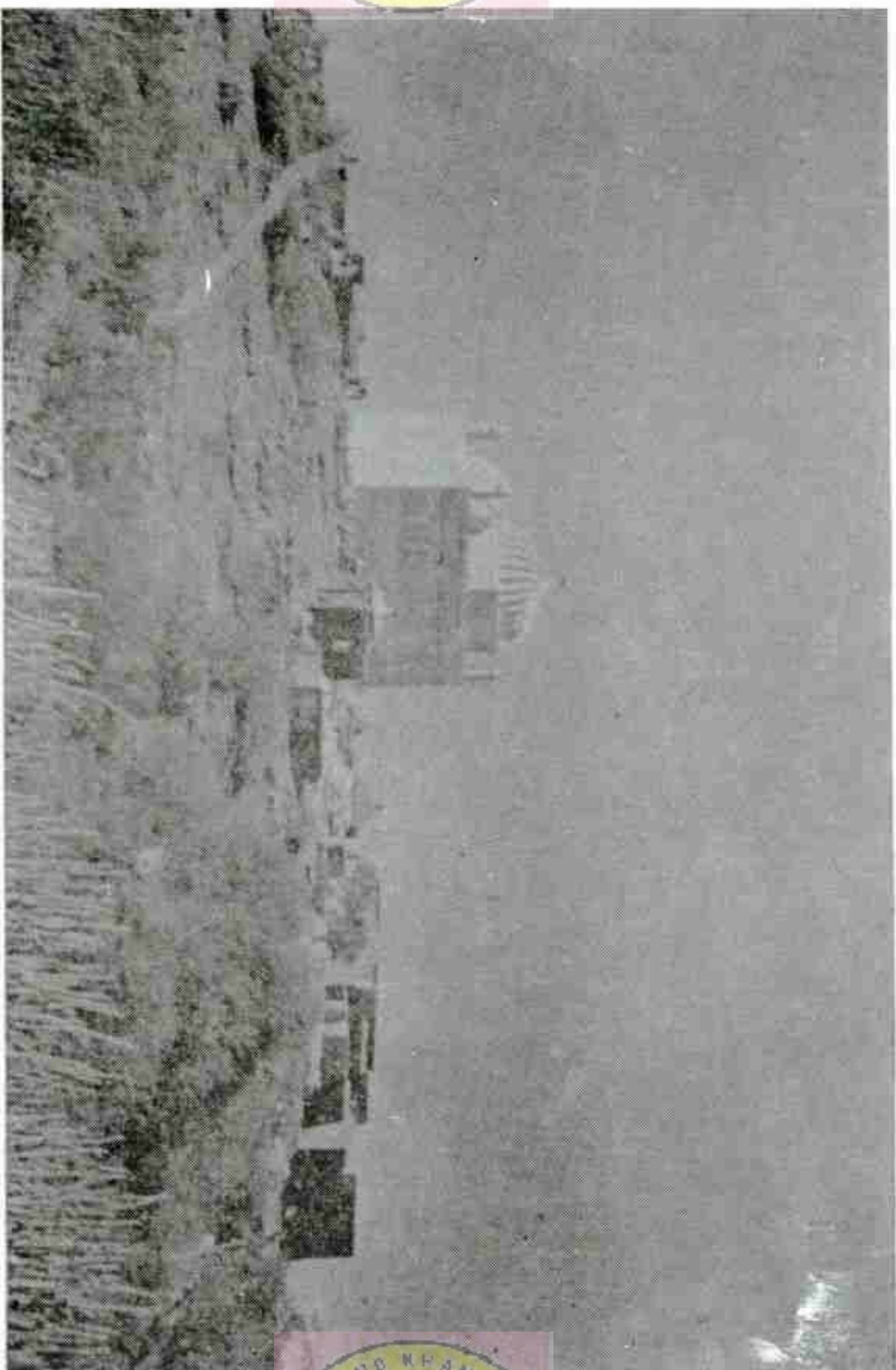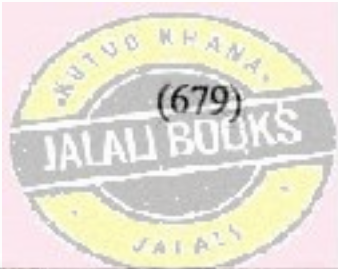
۸۔ مقبرہ سید علی ثانی کا عام منظر
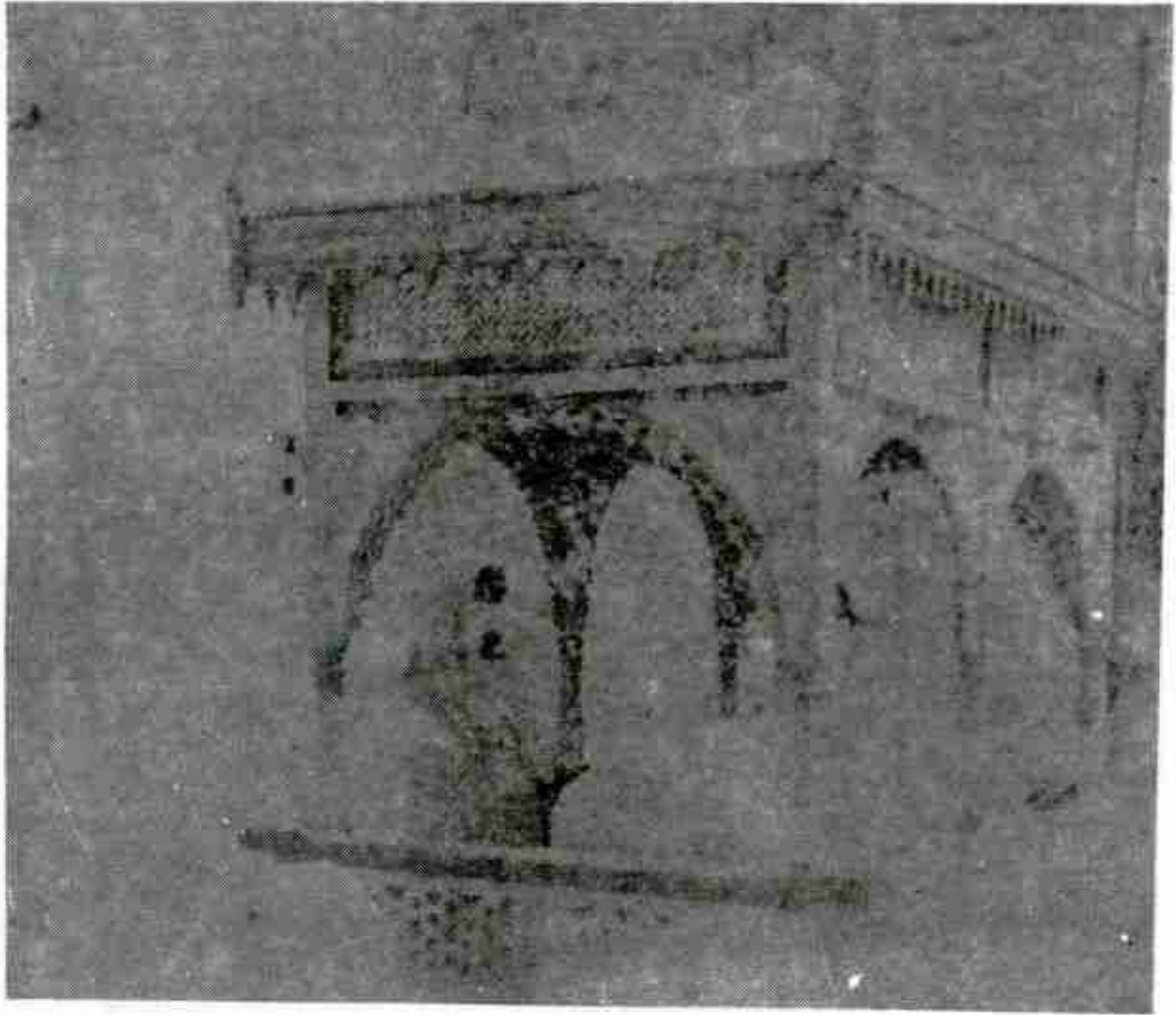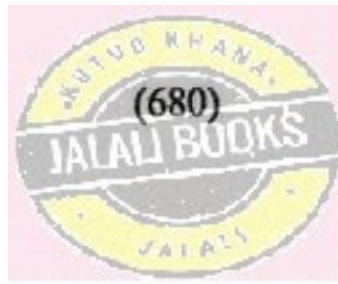
۹- چھتری سید جلال
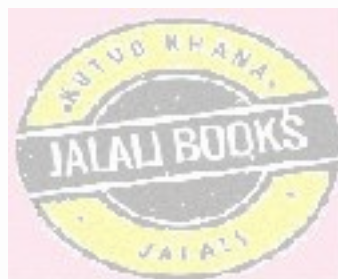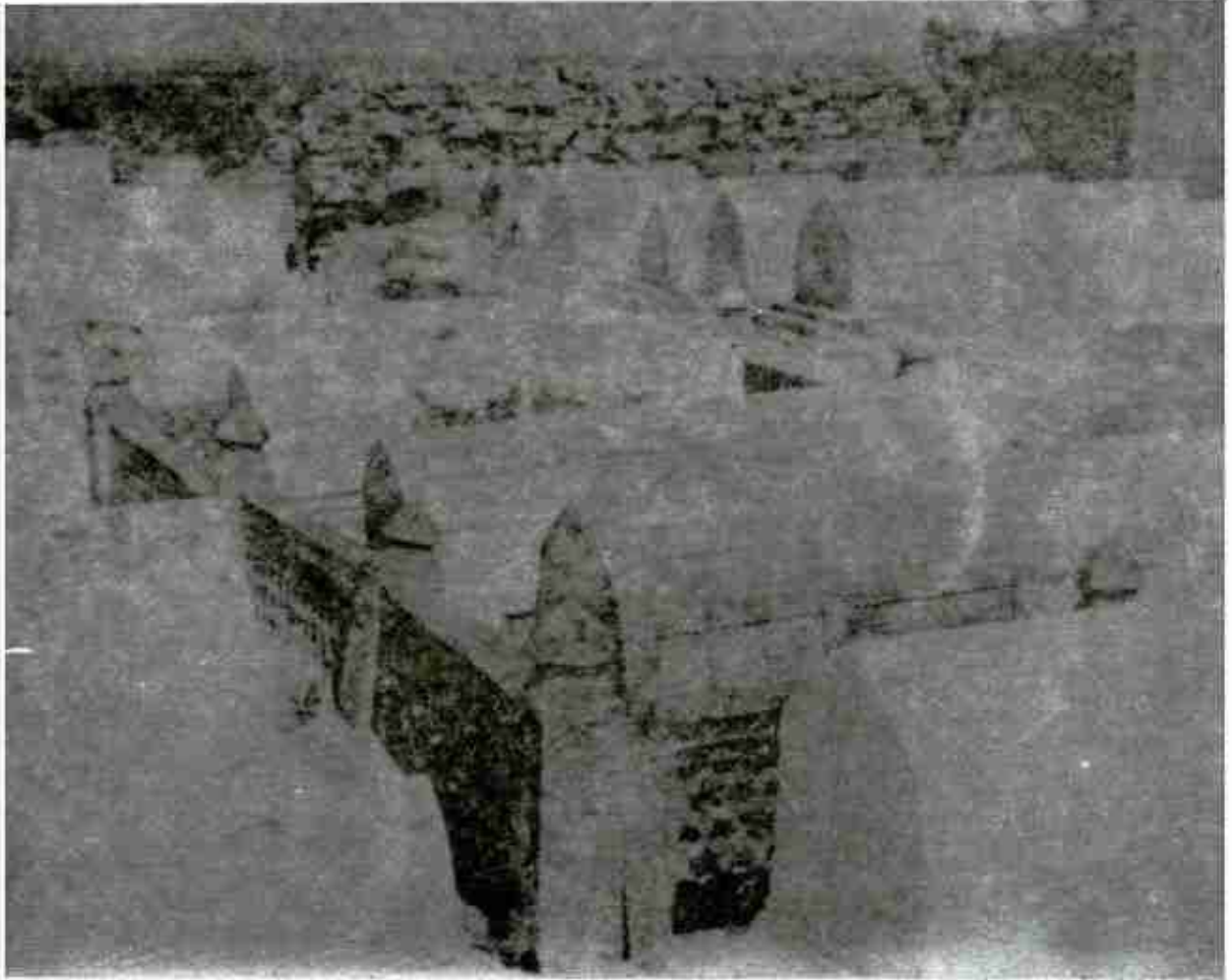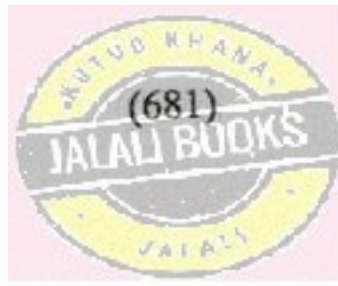
۱۰۔ لعل میر، میر حسن علی اور حسین علی
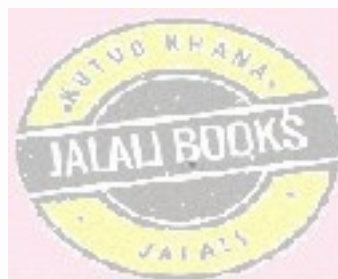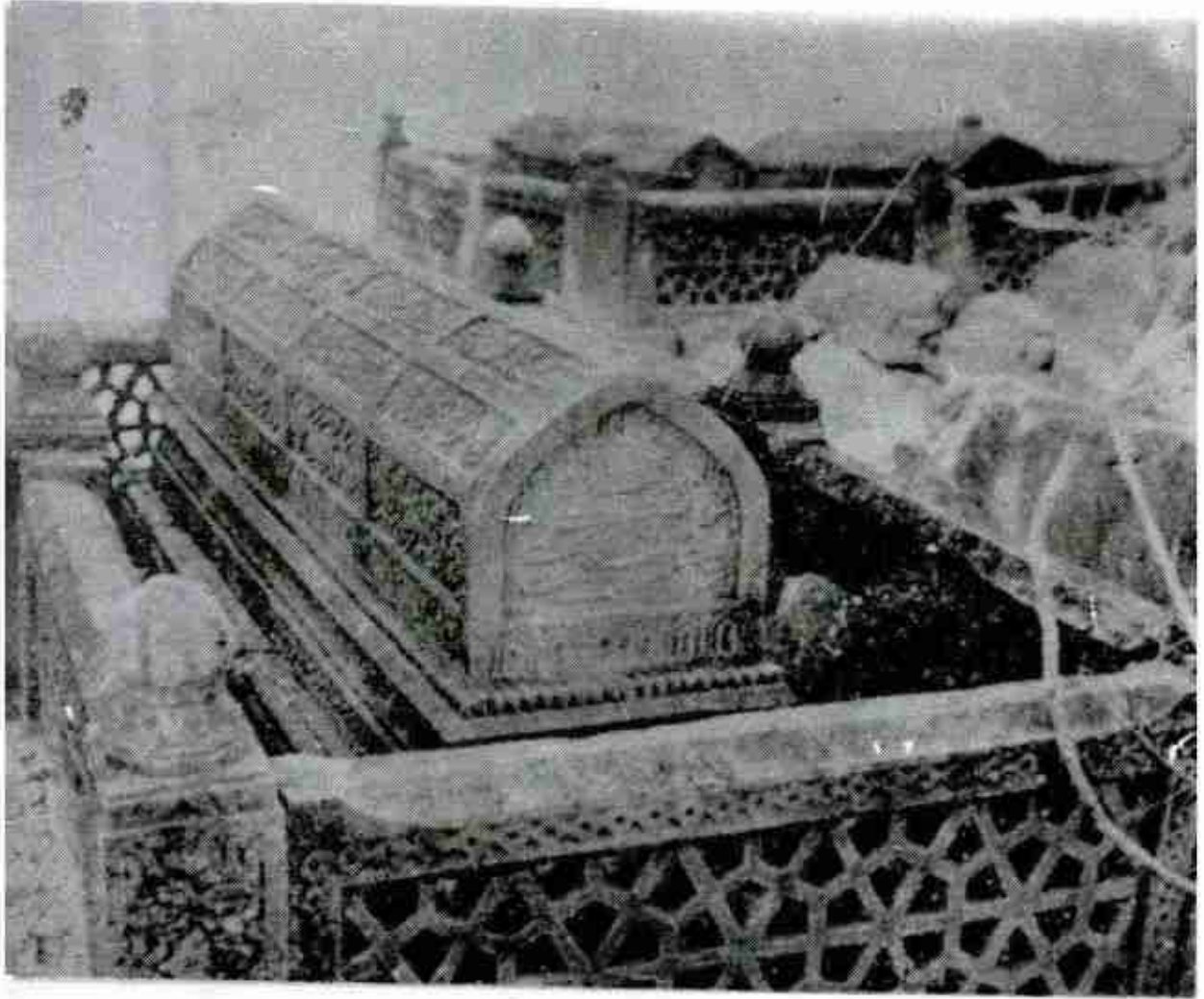
۱۱۔ میر چاند کا مزار
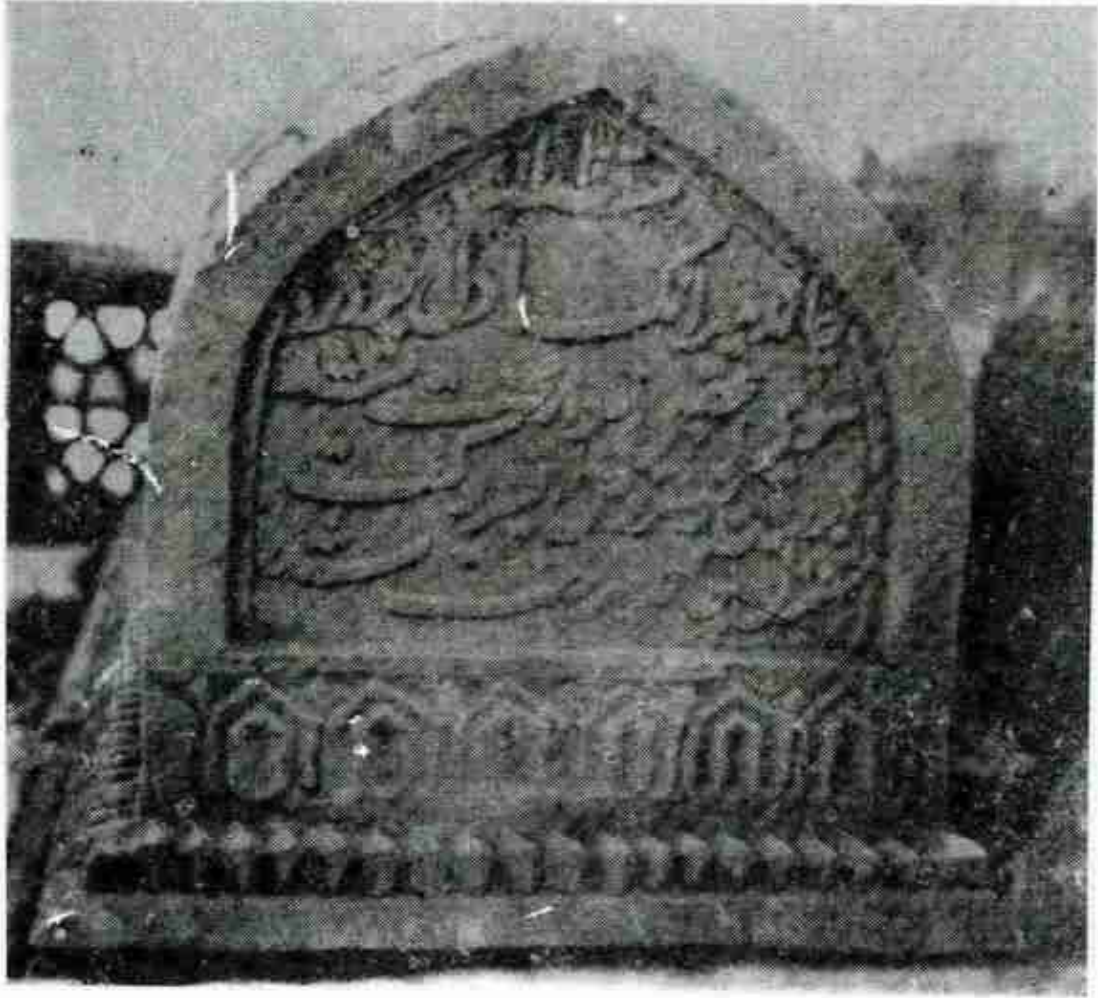
۱۲۔ میر چاند کے مزار کا کتبہ
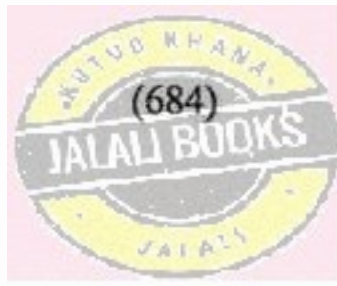
۱۳۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی کا قبرستان
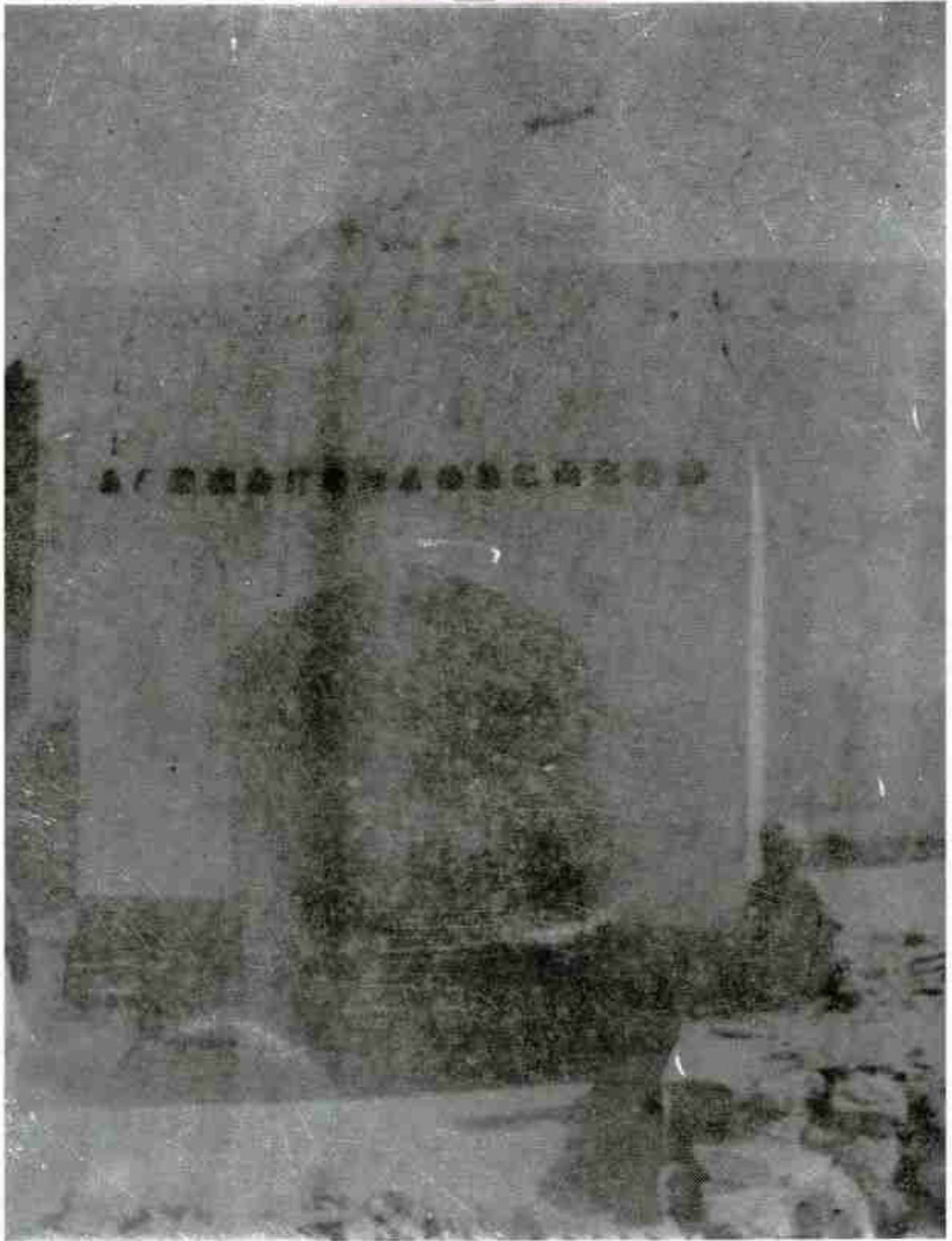
۱۴- شیخ عیسیٰ لنگوٹی کا مقبرہ
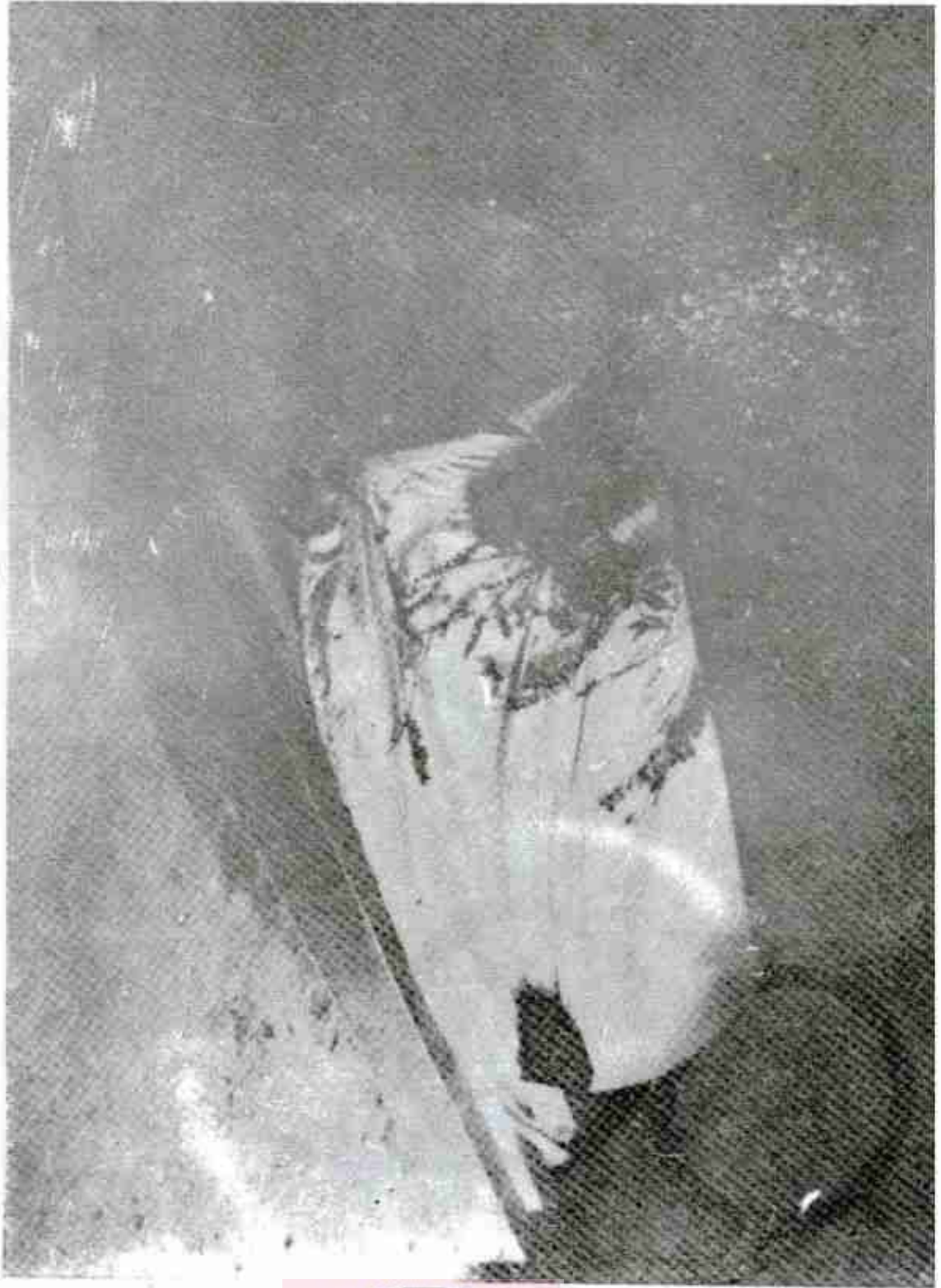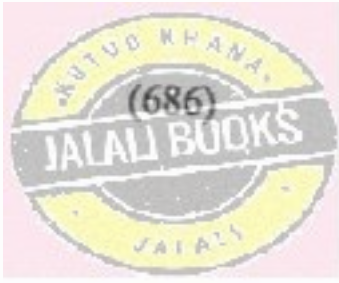
۱۵- شیخ عیسیٰ لنگوٹی کا مزار
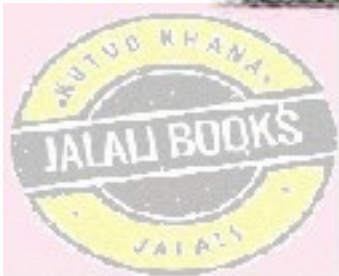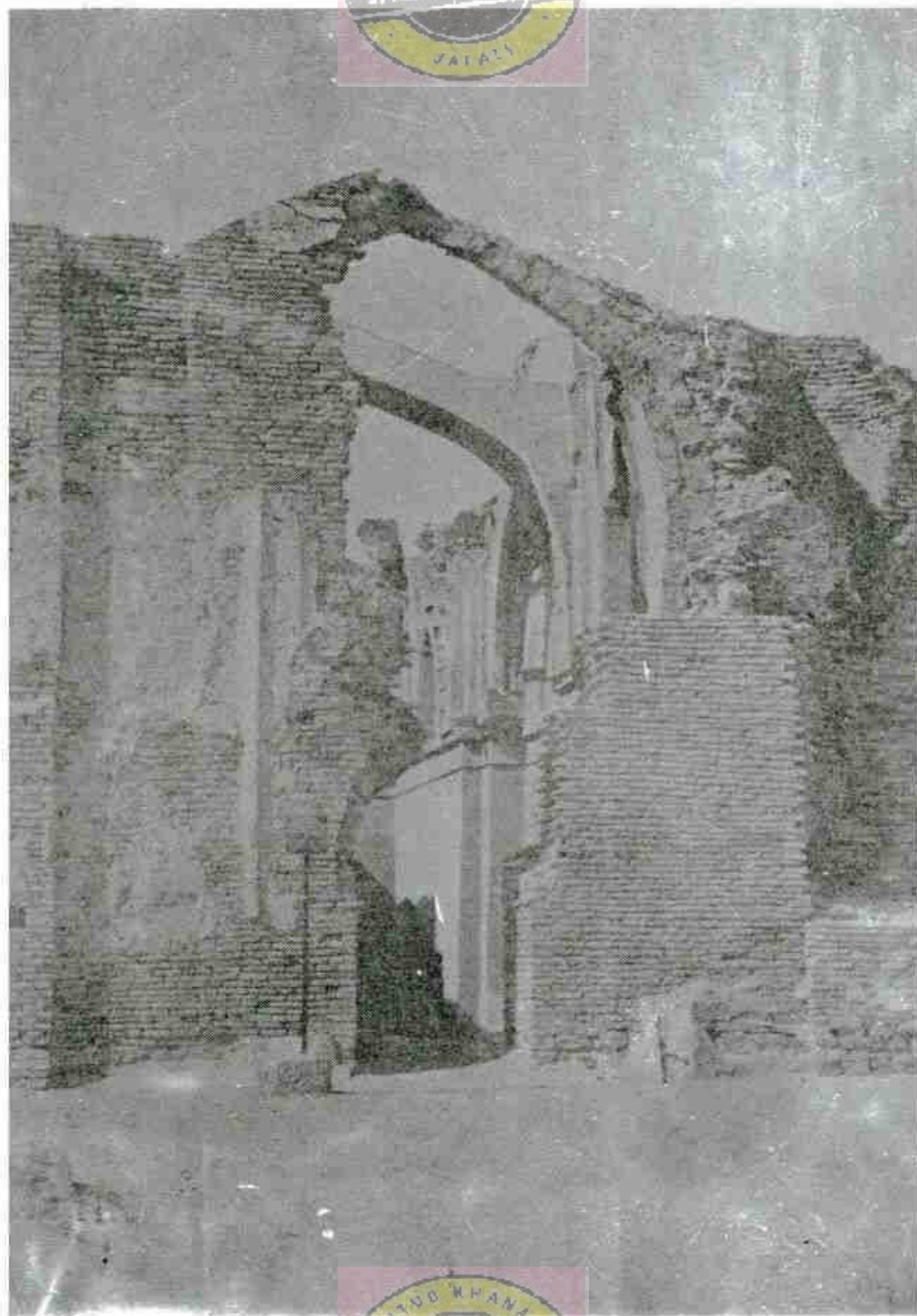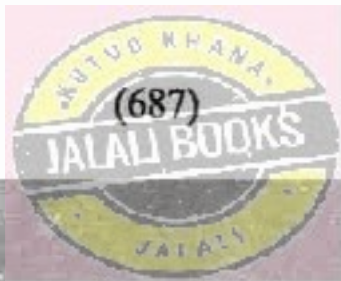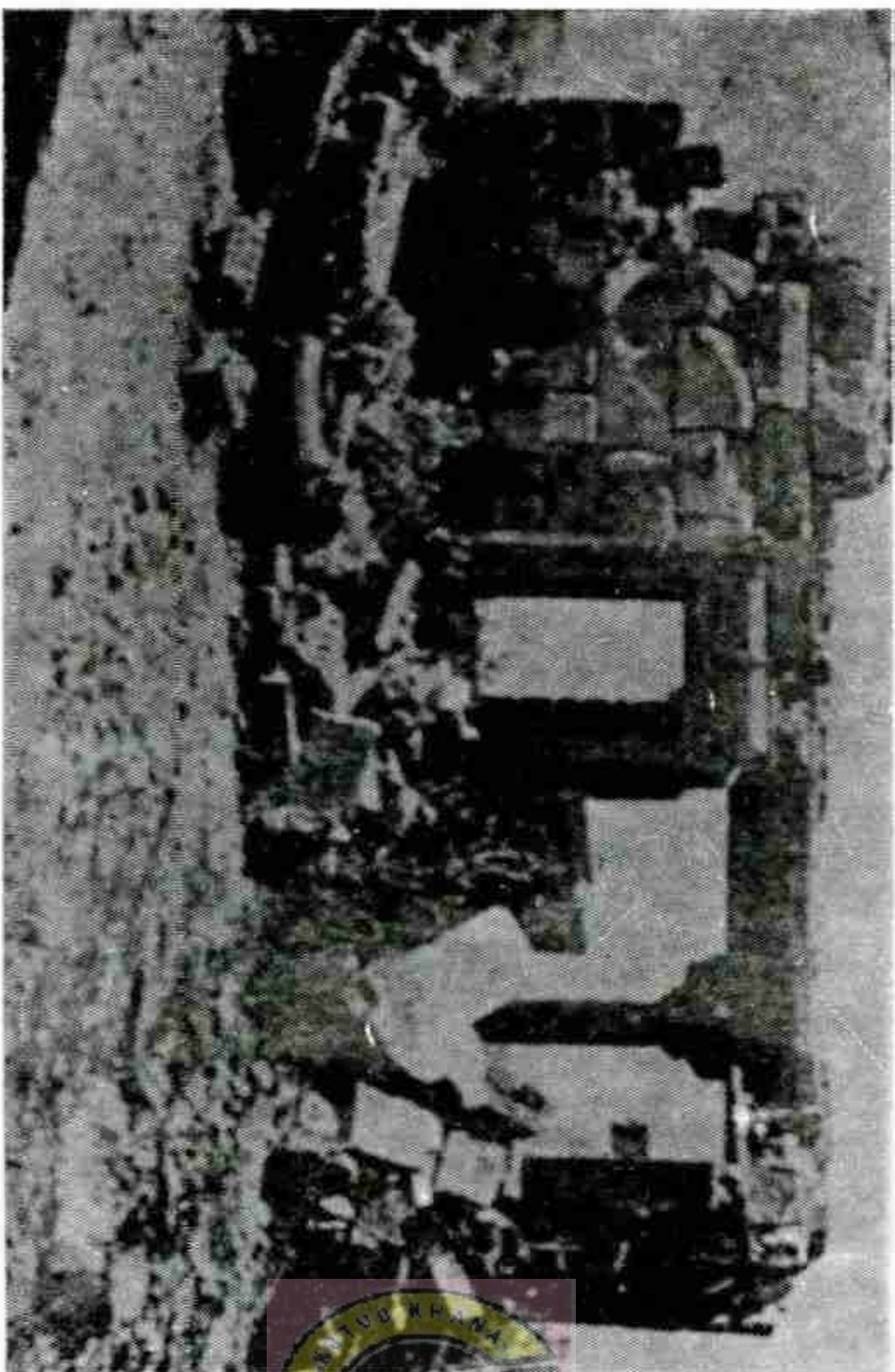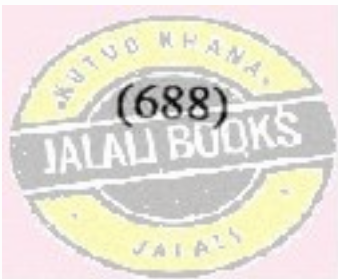
۱۶۔ جامع مسجد مکلی

۱۷۔ شیخ حماد جمالی کا مقبرہ
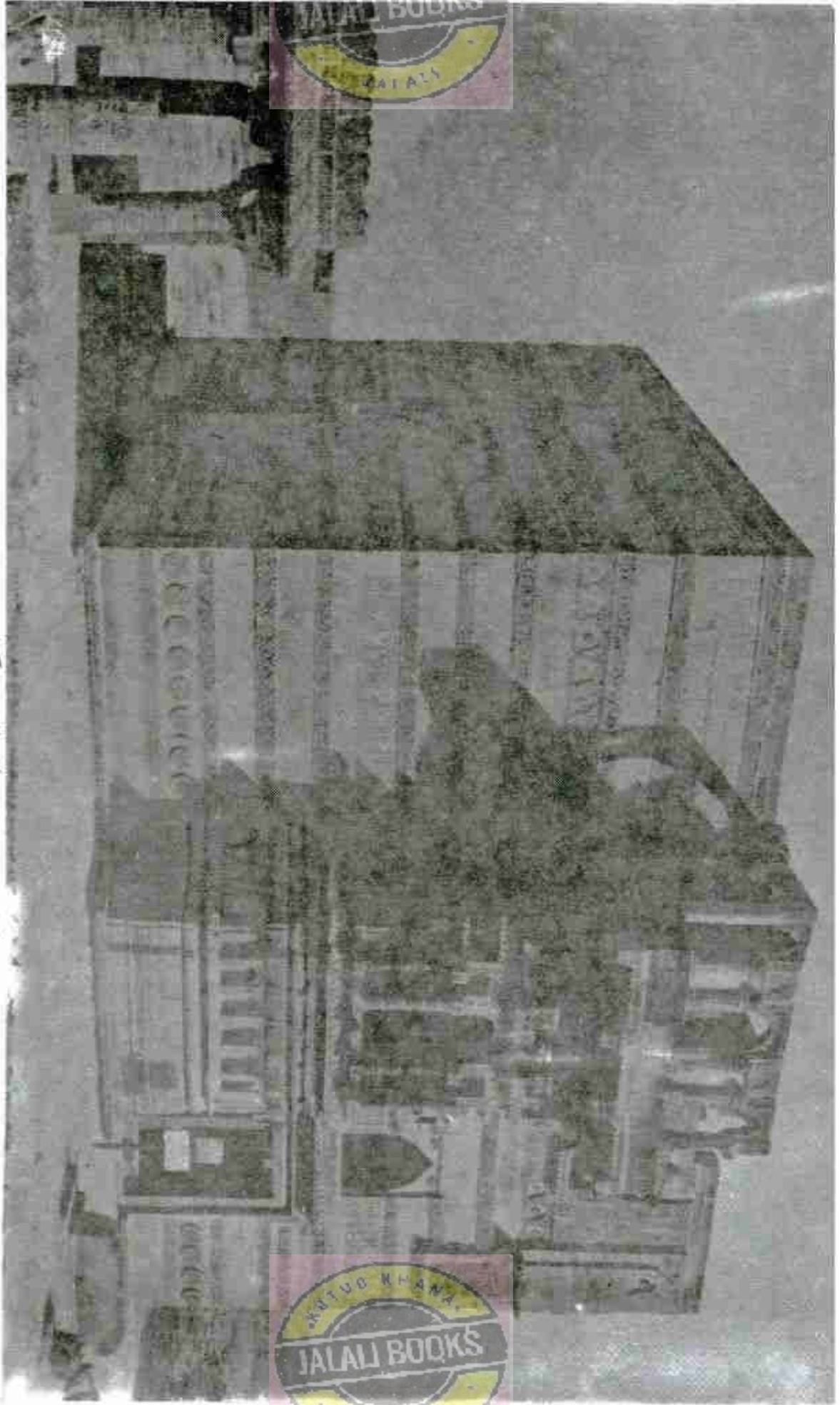
۱۸۔ جام نظام الدین کا مقبرہ

۱۹ - جام نظام الدین کے مقبرہ کی اندرونی محراب
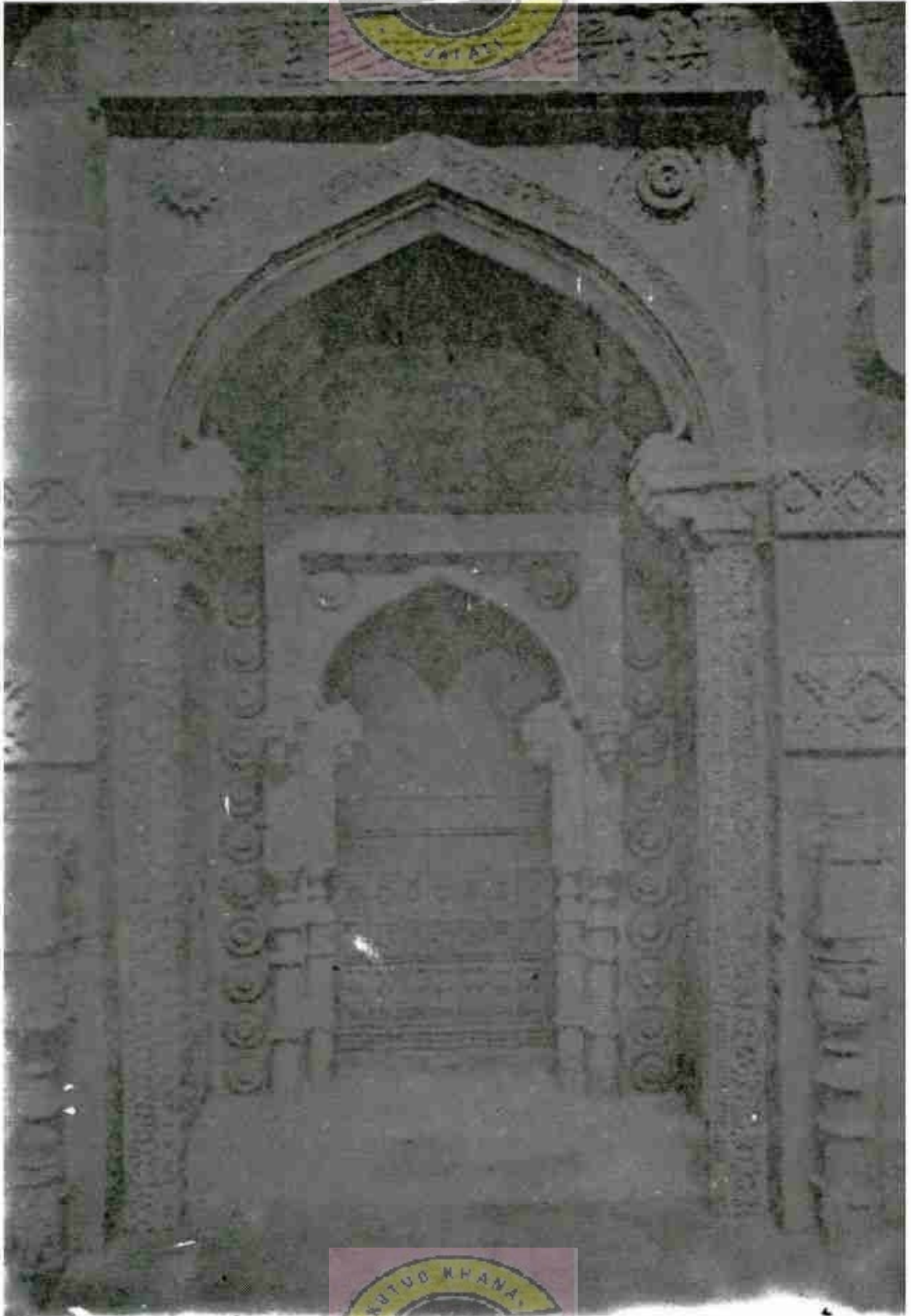
۲۰ـ مقبرہ جام نظام الدین ـ کتبہ (حصہ) داخلی دروازہ

۲۱۔ مقبرہ جام نظام الدین۔ داخلی دروازے کا کتبہ

۲۲۔ مقبرہ جام نظام الدین شمالی داخلی دروازے کا کتبہ

۲۳۔ مقبرہ جام نظام الدین شمالی دروازے کا چربہ

۲۴۔ مزارِ متبرک شہیدِ وطن دولہا دریا خان
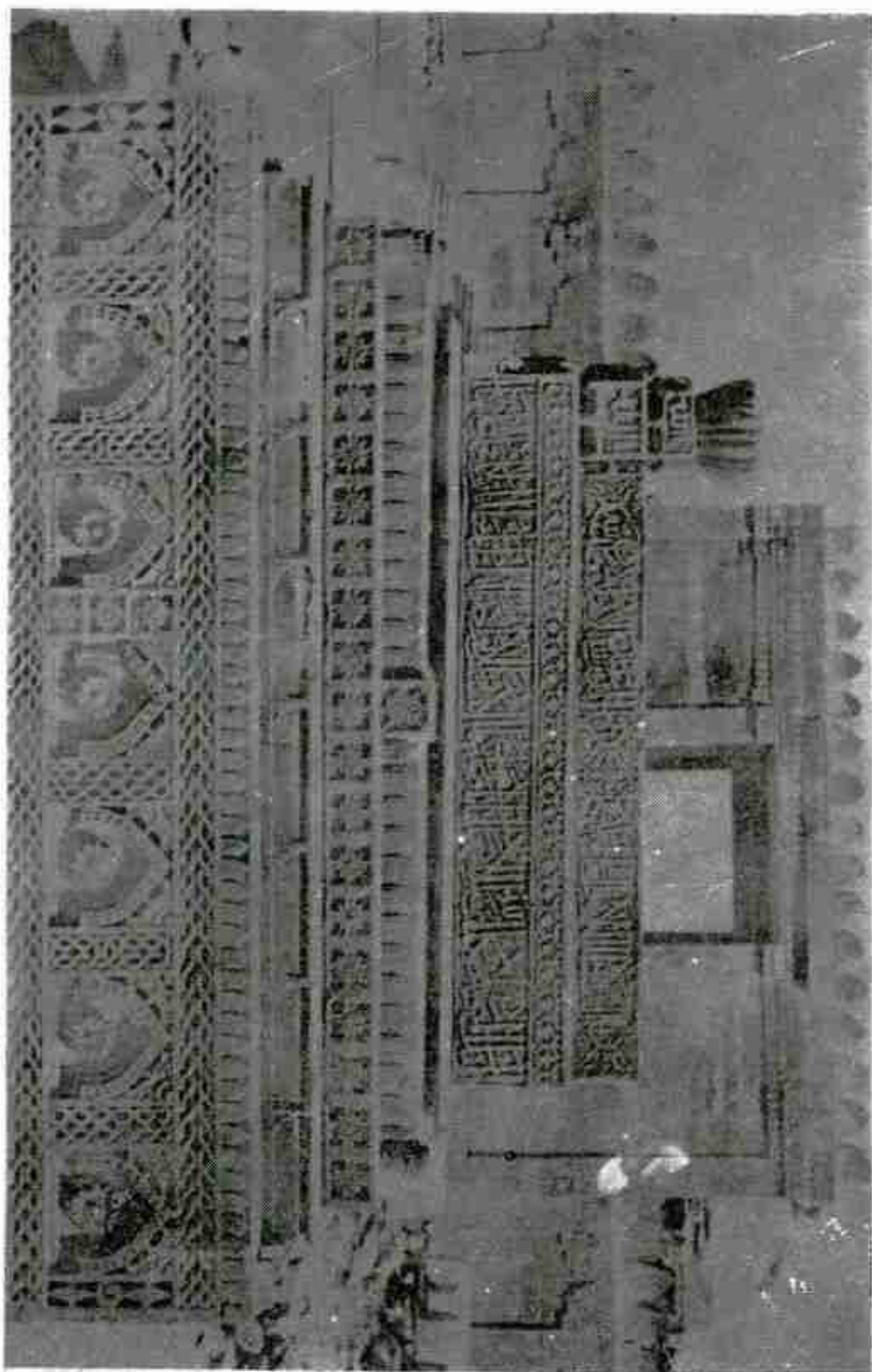
۲۵۔ دولہا دریا خان کے مزار کا سرہانے والا کتبہ

۲۶۔ مزار دولہا دریا خان۔ چہار دیواری کے مشرقی دروازے کا کتبہ
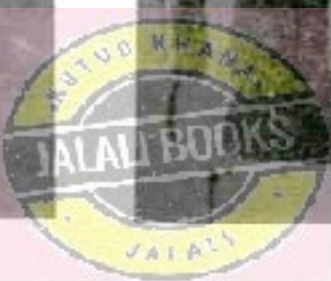
۲۷۔ مزار دولہا دریا خان۔ مشرقی دروازے کے کتبہ کا چربہ

۲۸۔ مزار دولہا دریا خان۔ جنوبی دروازے کا کتبہ

۲۹۔ مزار دولہا دریا خان۔ جنوبی دروازے کا کتبہ (چربہ)

۳۰۔ شیخ ترابی کے مزار کا کتبہ
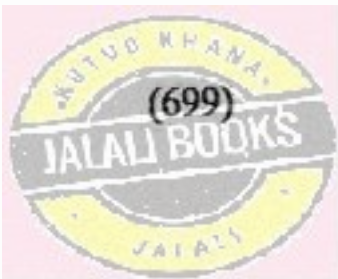
۳۱۔ کتبہ تاج الدین و میان فتح خان

۳۲۔ ملک راج پال کے مزار کا کتبہ
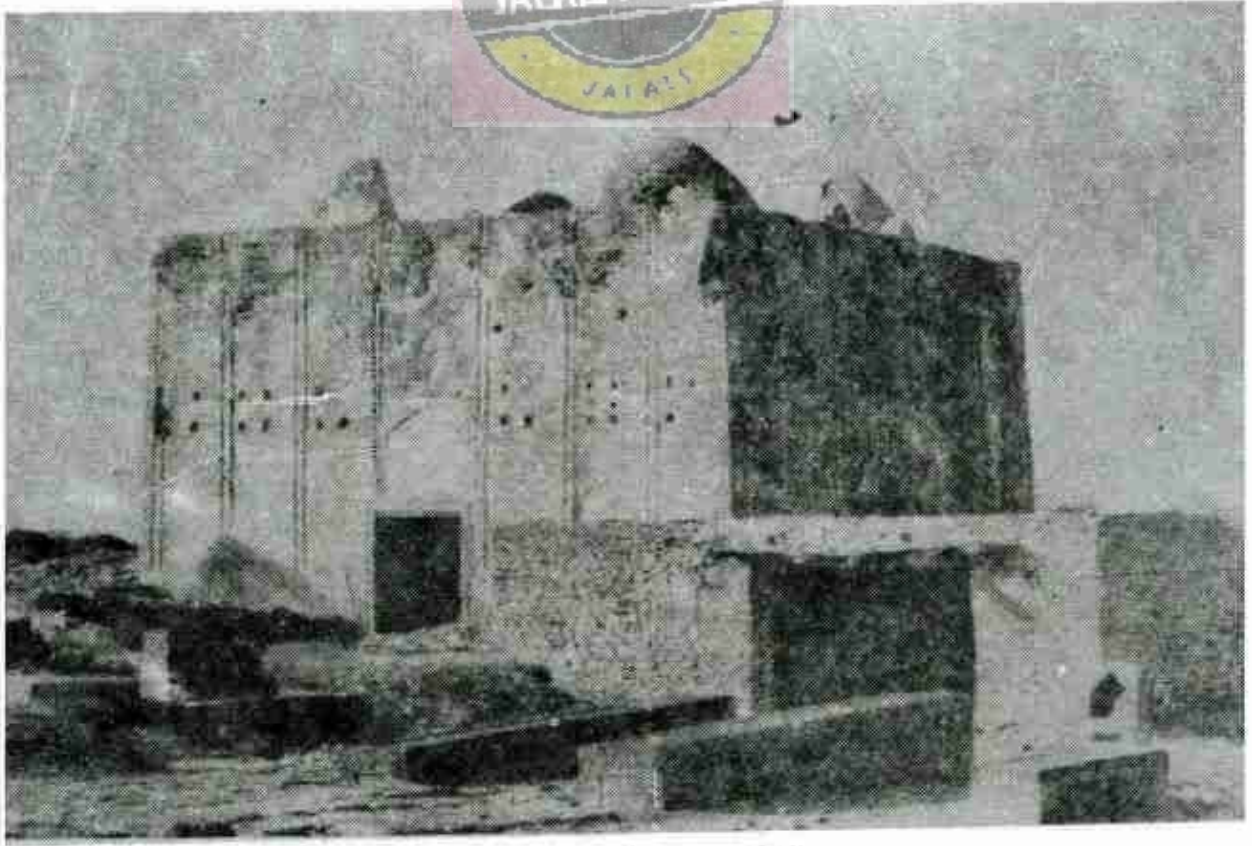
۳۳۔ مقبرہ شیخ جیو

۳۴۔ مقبرہ شیخ نعمت اللہ
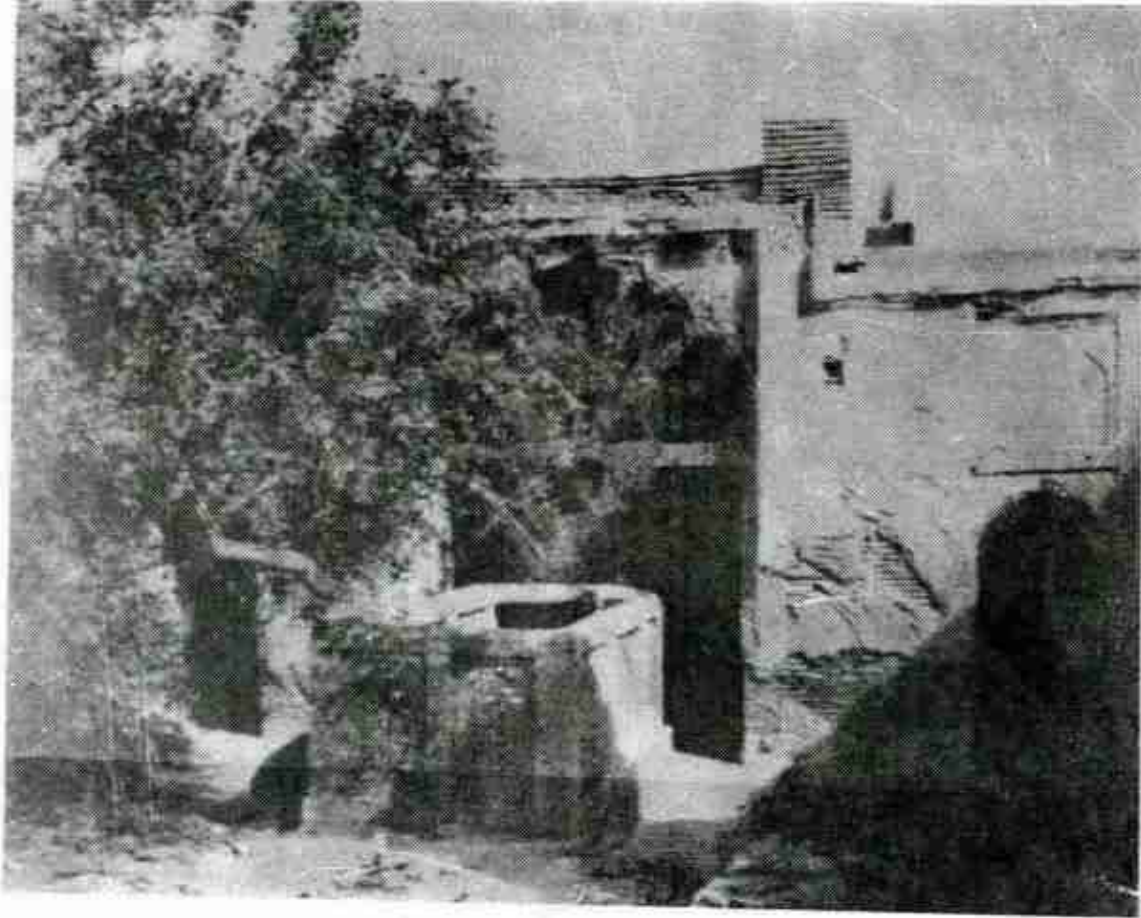
۳۵۔ پیر آسات کا مزار
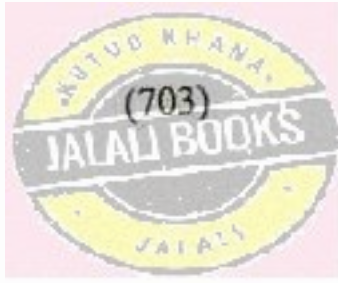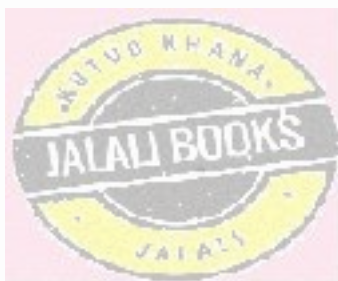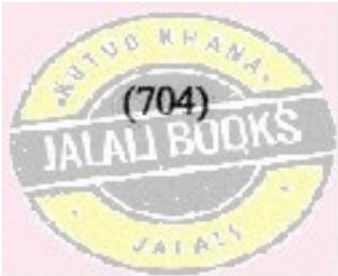
KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

۳۶۔ شاہ پریاں

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

۳۷۔ عبداللہ شاہ صحابی کی مسجد کا کتبہ
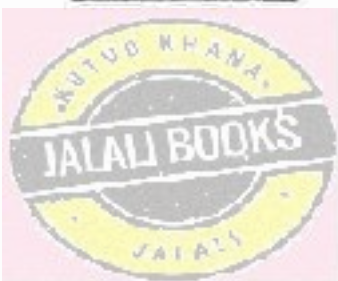
۳۸۔ عام منظر۔ عیسیٰ خان ثانی کا مقبرہ اور دوسرے مقابر
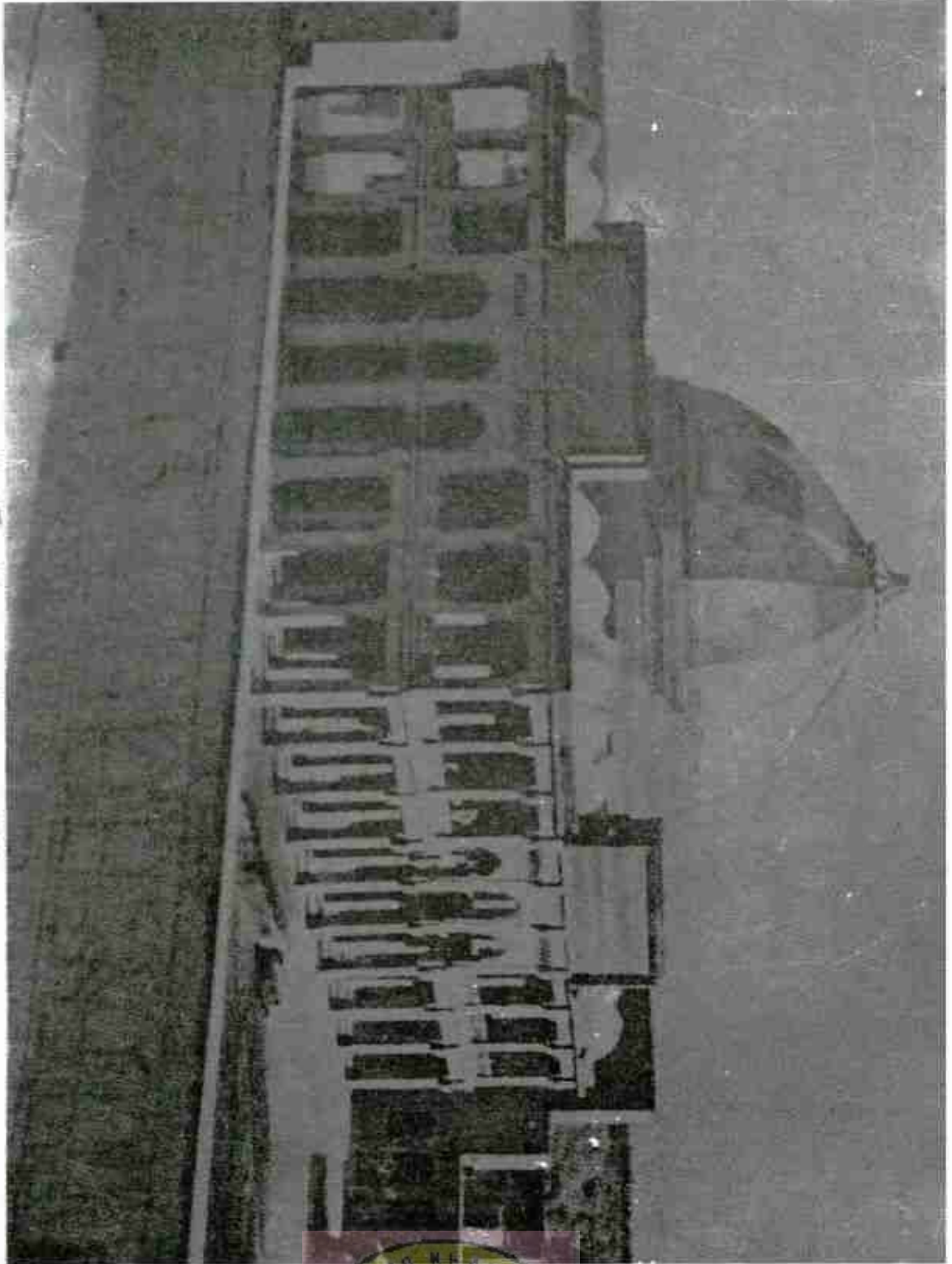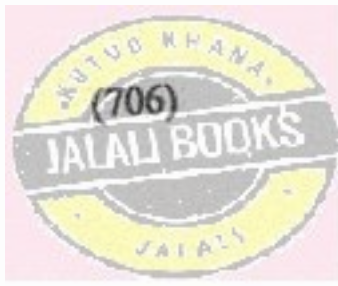
۹۳ـ مرزا عیسیٰ ثانی کا مقبرہ
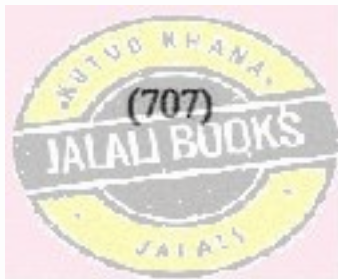
۴۰۔ مرزا عیسیٰ ثانی۔ مرکزی مزارات
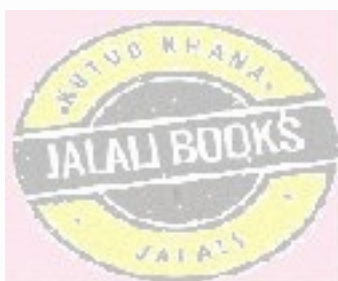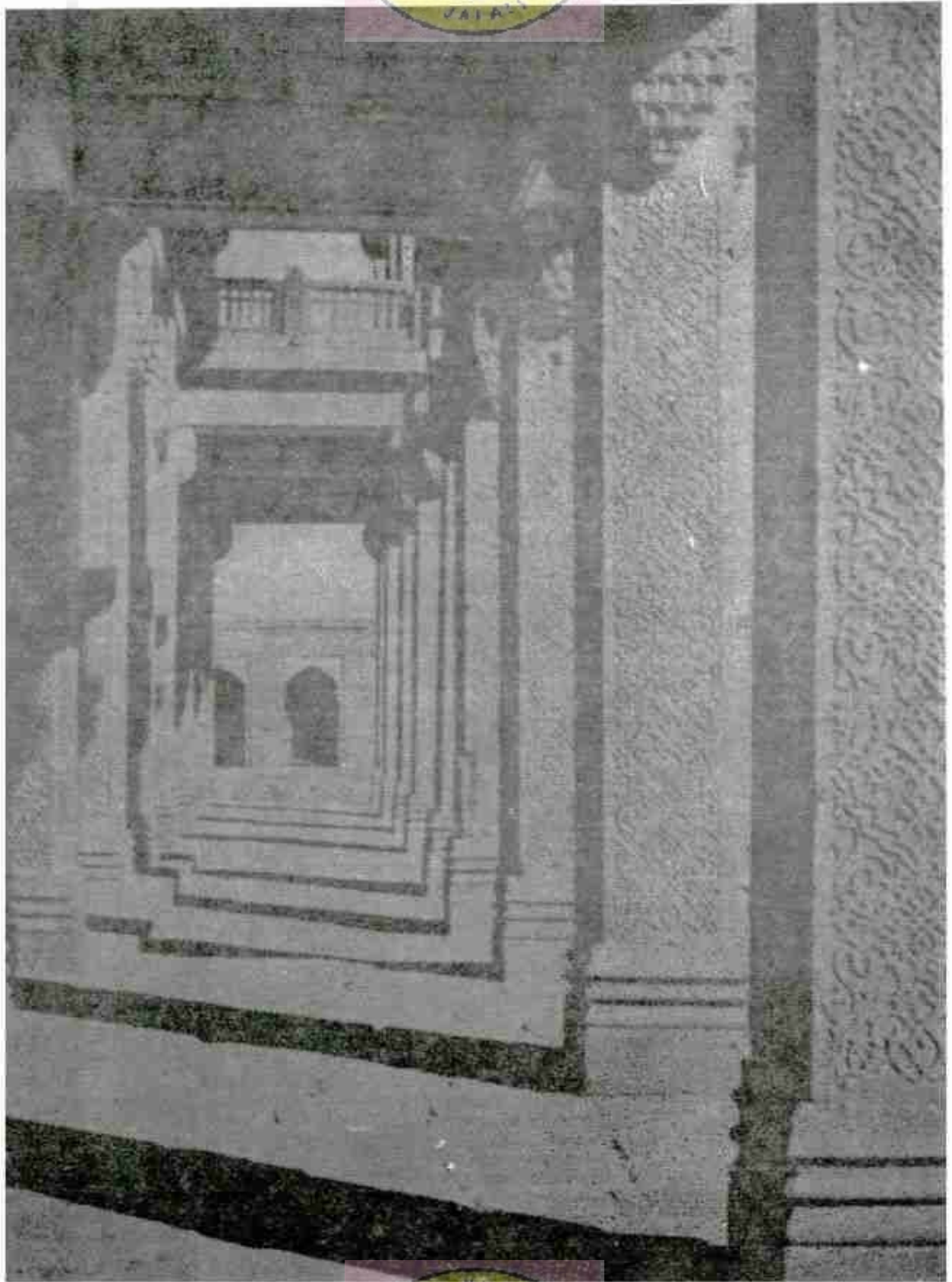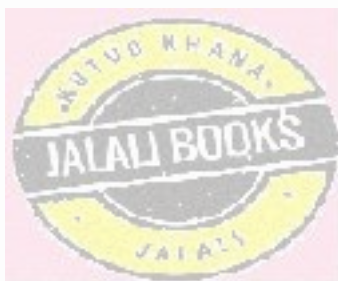
۴۱۔ مقبرہ مرزا عیسیٰ ثانی۔ مقبرے کا برآمدہ
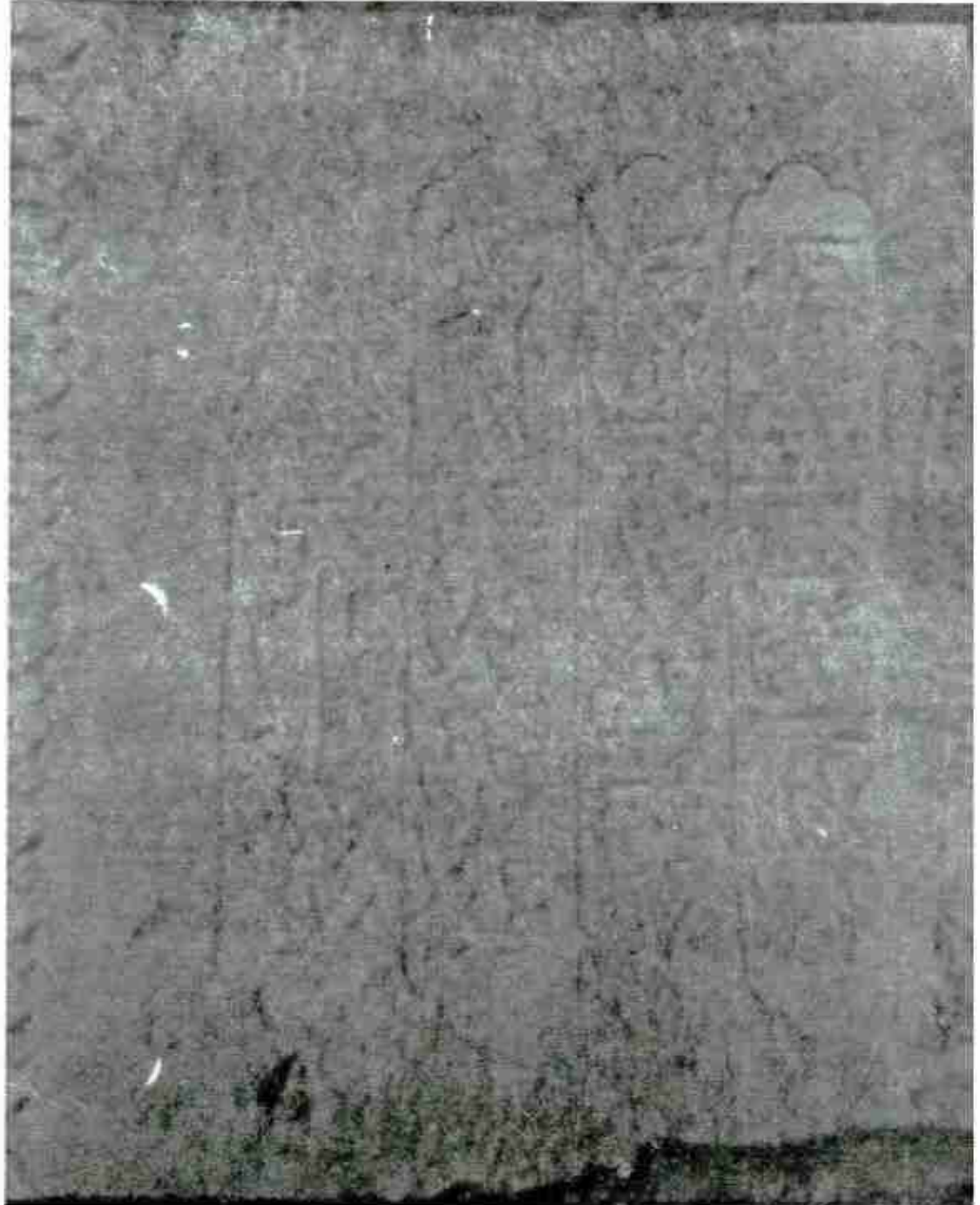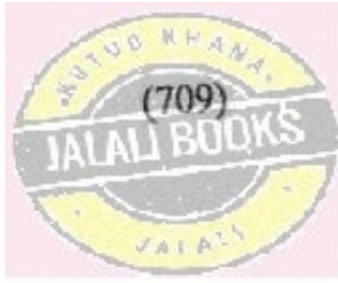
۴۲۔ مرزا عیسیٰ ثانی کے مزار کا تاریخی کتبہ
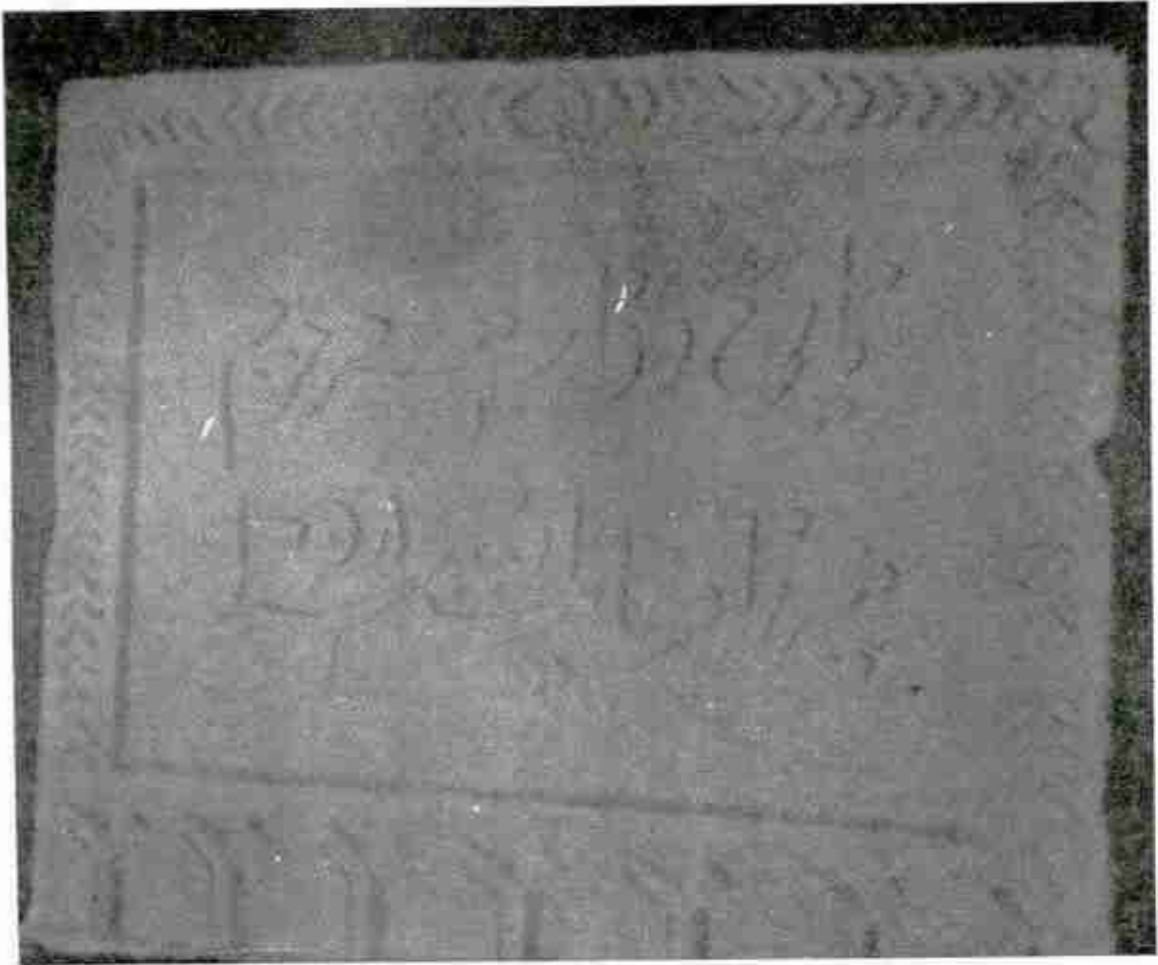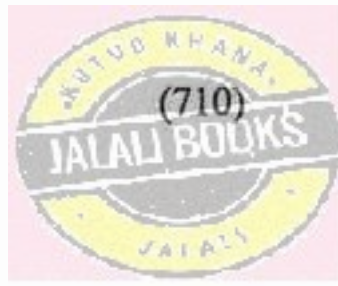
۴۳۔ قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی۔ مرزا عنایت اللہ کے مزار کا کتبہ
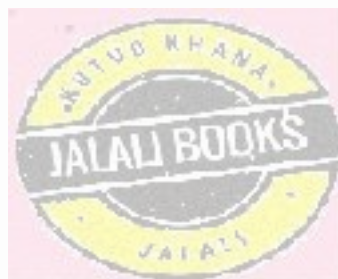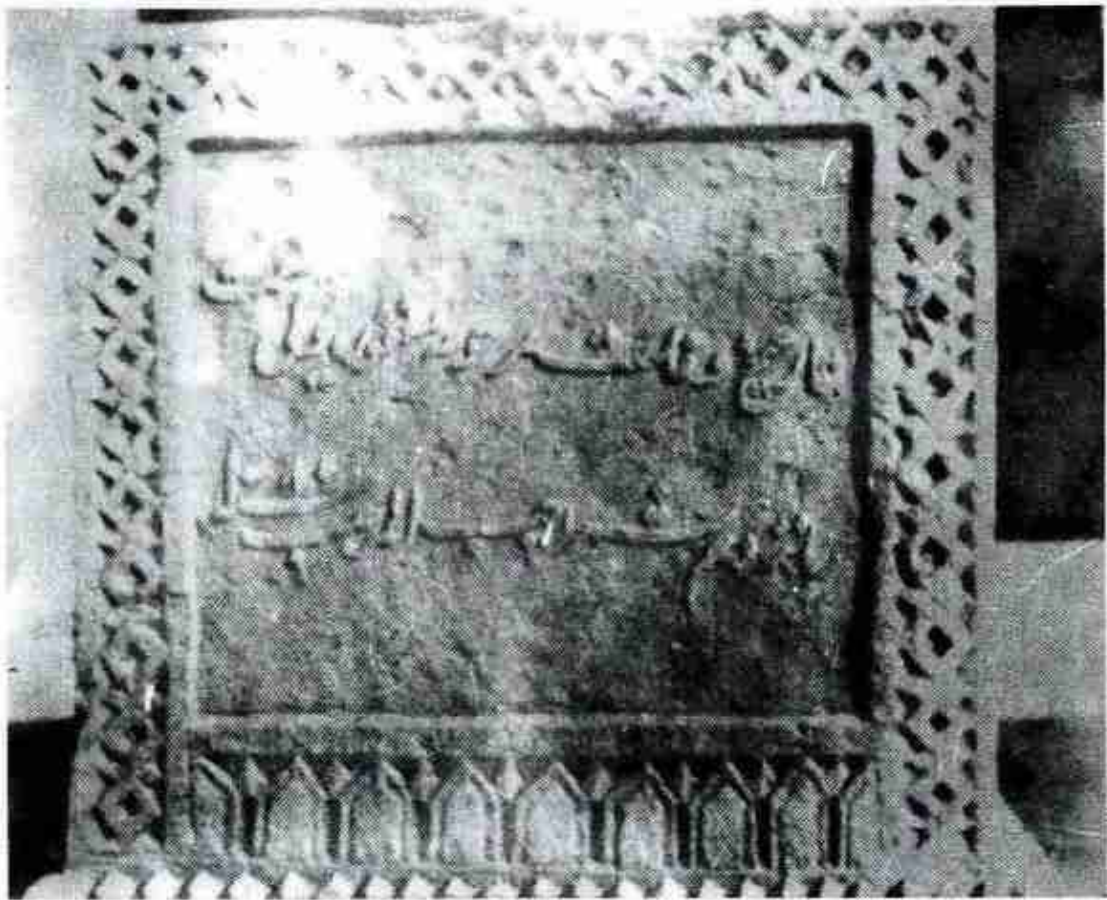
۴۴۔ قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی۔ مزار نمبر ۱۲ کا کتبہ
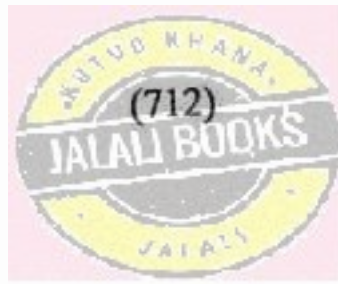
۴۵۔ قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی۔ کتبہ جہان بیگم۔ مزار نمبر ۱۳
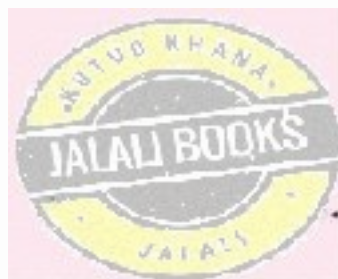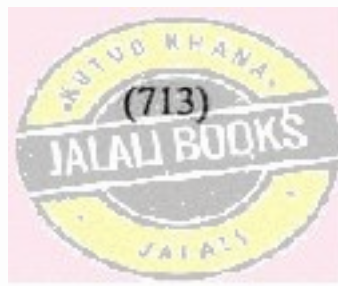
۴۶۔ قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی۔ مزار نمبر ۱۴
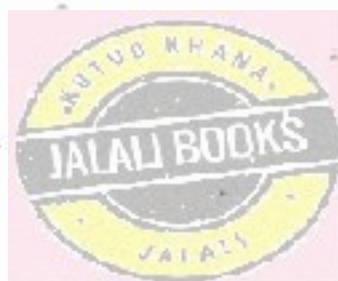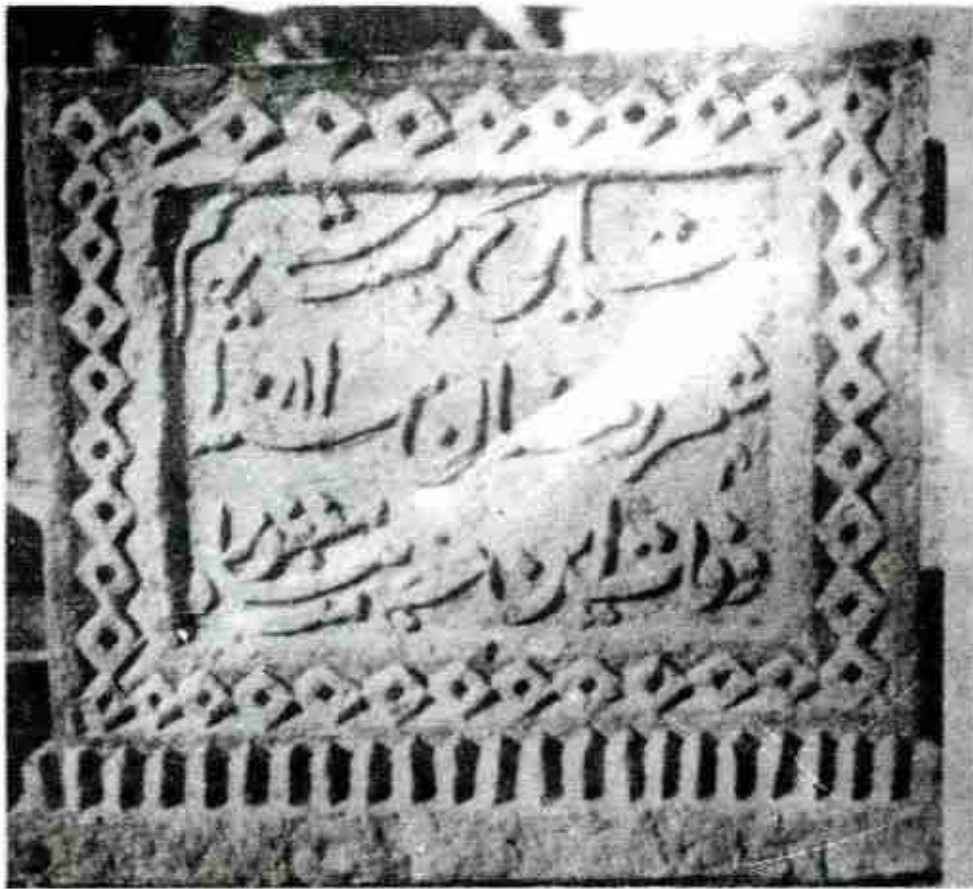
۴۷۔ قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی۔ مزار نمبر ۱۵
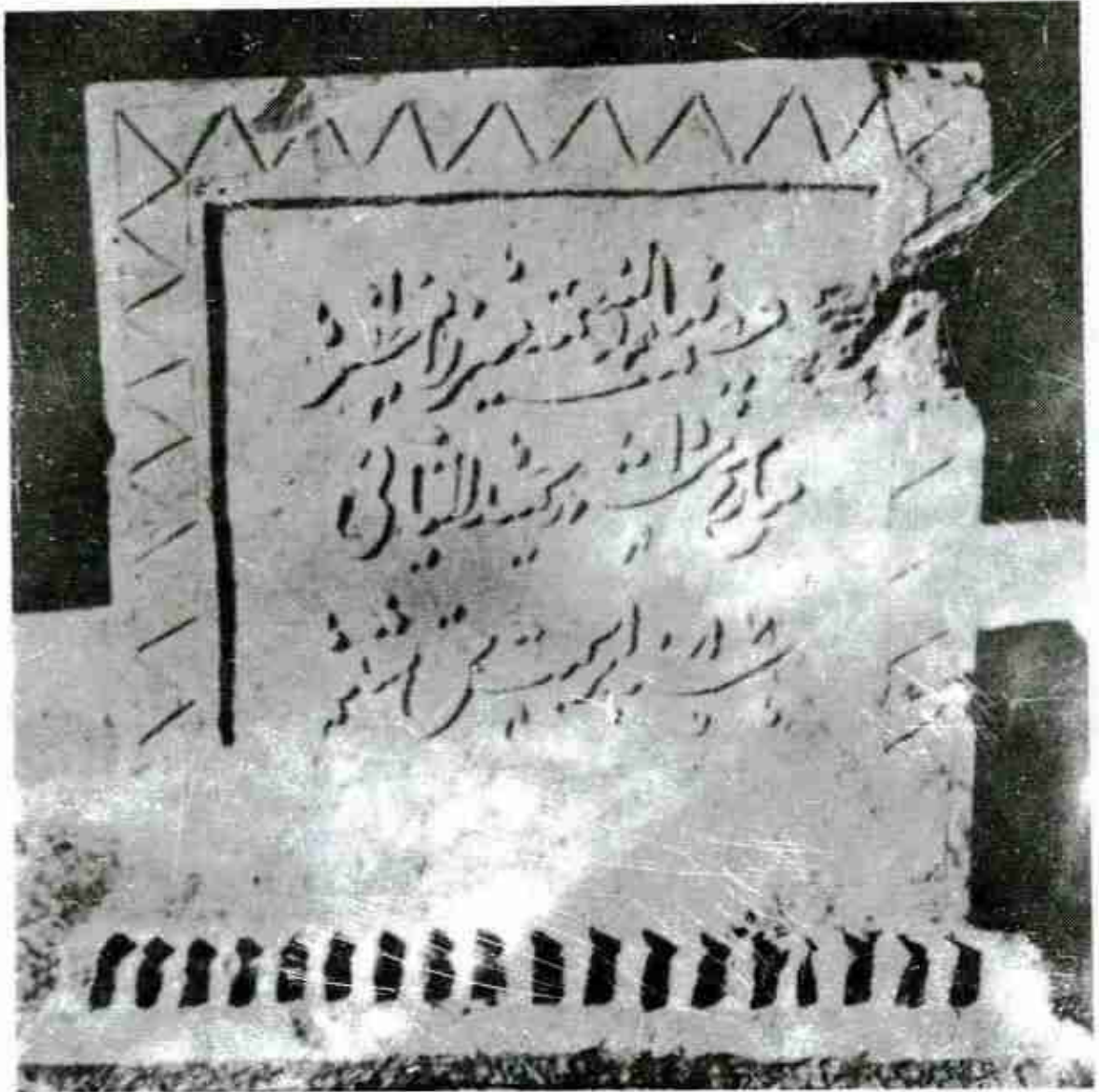
۴۸۔ قبرستان مرزا عیسیٰ ثانی۔ مزار نمبر ۱۷

۴۹۔ سلطان ابراهیم کا مقبرہ

۵۰۔ سلطان ابراهیم کا مقبرہ۔ قرآنی آیات۔ کاتب احمد الانصاری
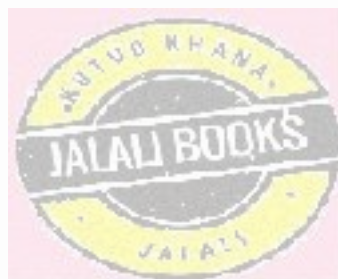
۵۱۔ سلطان ابراهیم۔ مزارات کا منظر
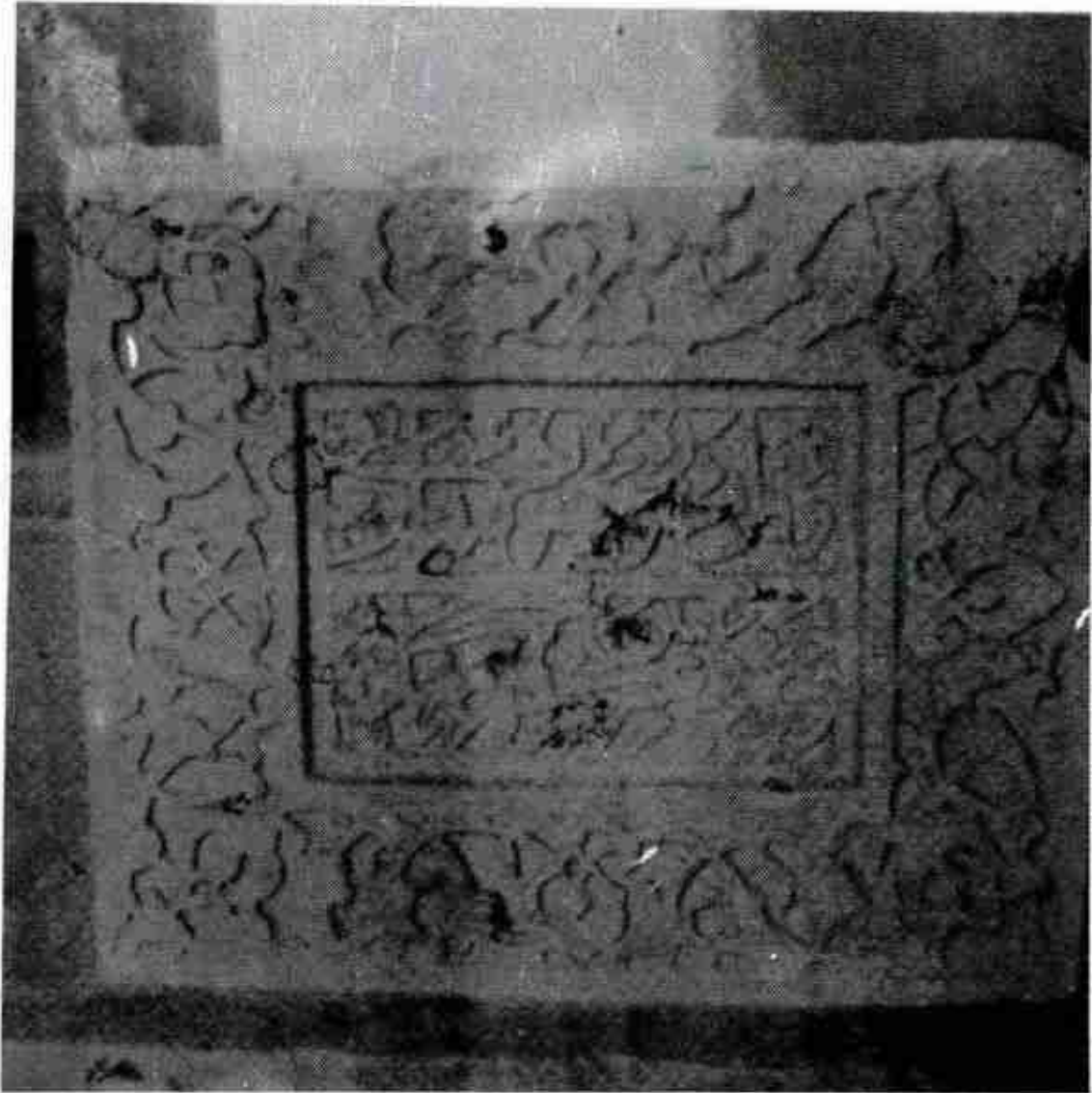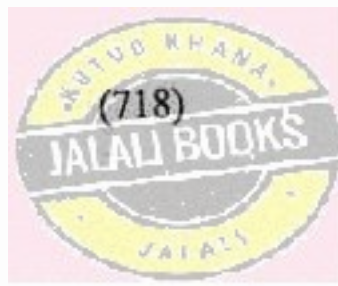
۵۲۔ سلطان ابراھیم۔ کتبہ مزار نمبر ۳

۵۳۔ سلطان ابراہیم۔ کتبہ مزار نمبر ۴

۵۵۔ کتبہ سلطان محمد و
۲۱۲ ، ۱۱۰۲ ۔

۵۴۔ سلطان ابراہیم۔ مقبرہ سلطان محمد ۵
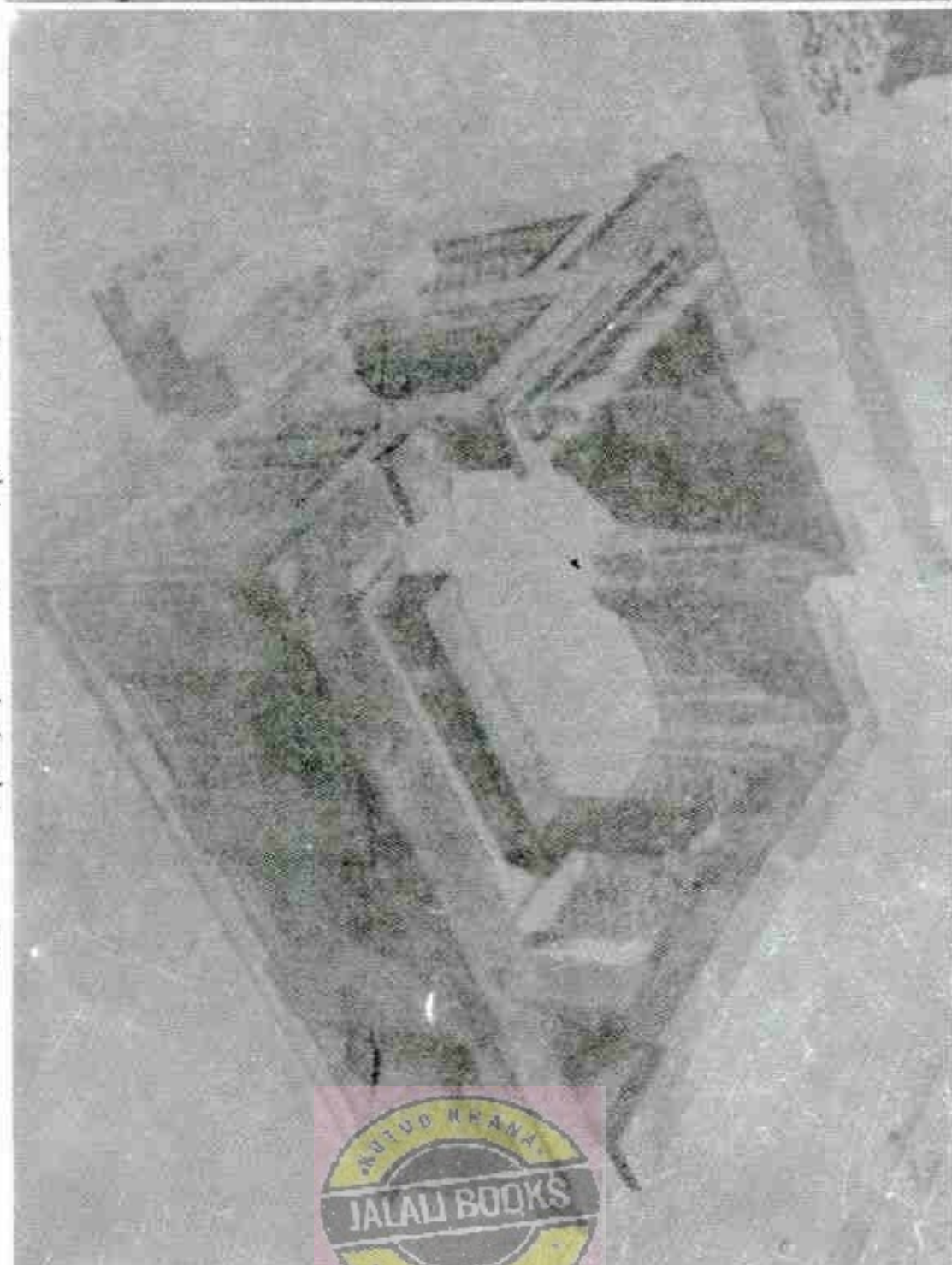
۵۶۔ گورستان عیسیٰ اوّل و مرزا محمد باقی
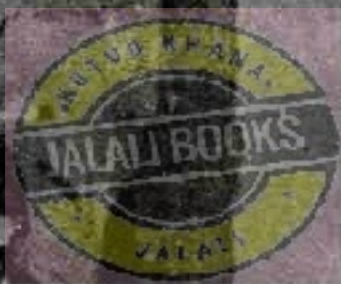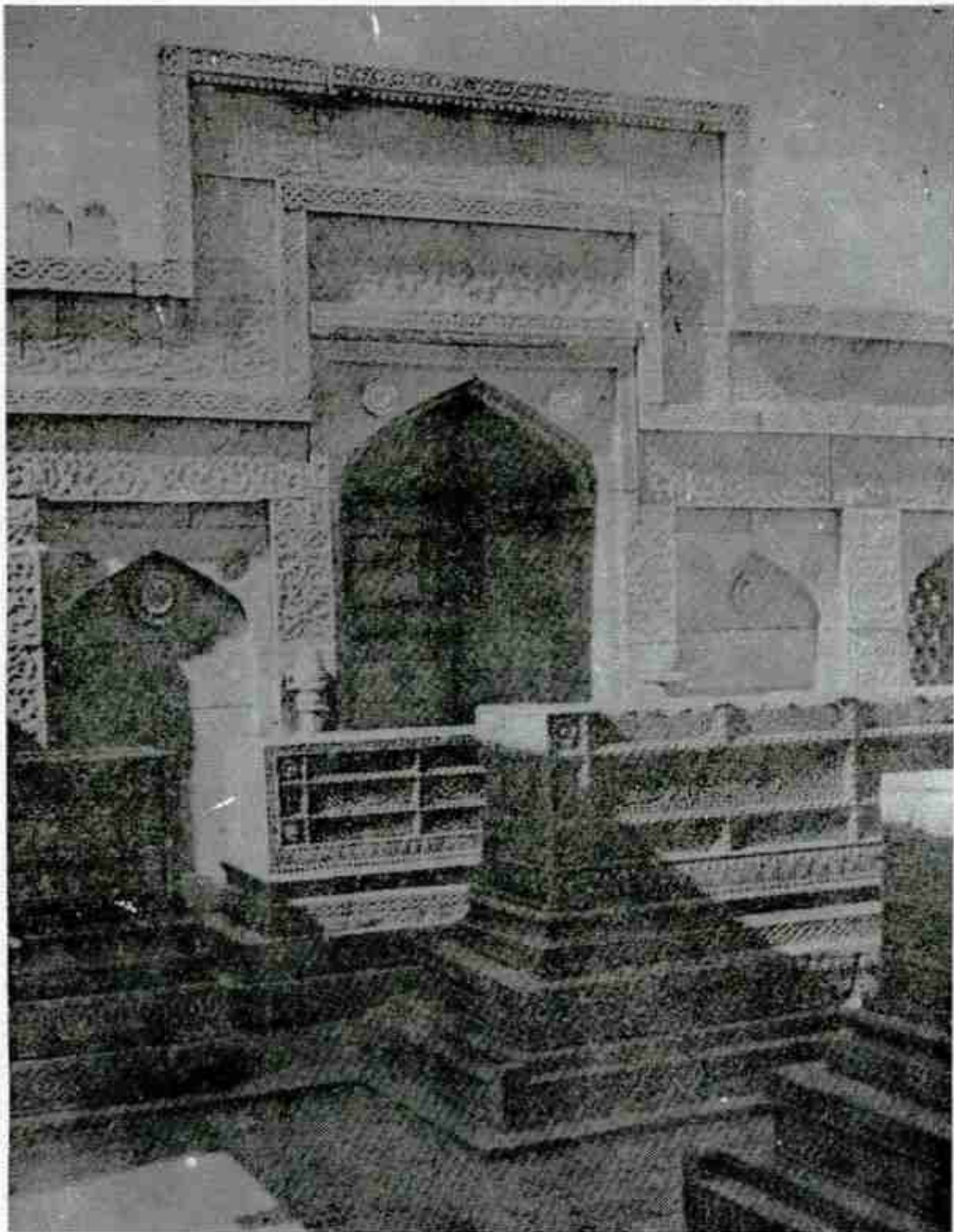
۵۷۔ گورستان عیسیٰ اوّل۔ اندرونی منظر

۵۸۔ گورستان عیسیٰ اوّل۔ کتبہ میان غالب (۱)
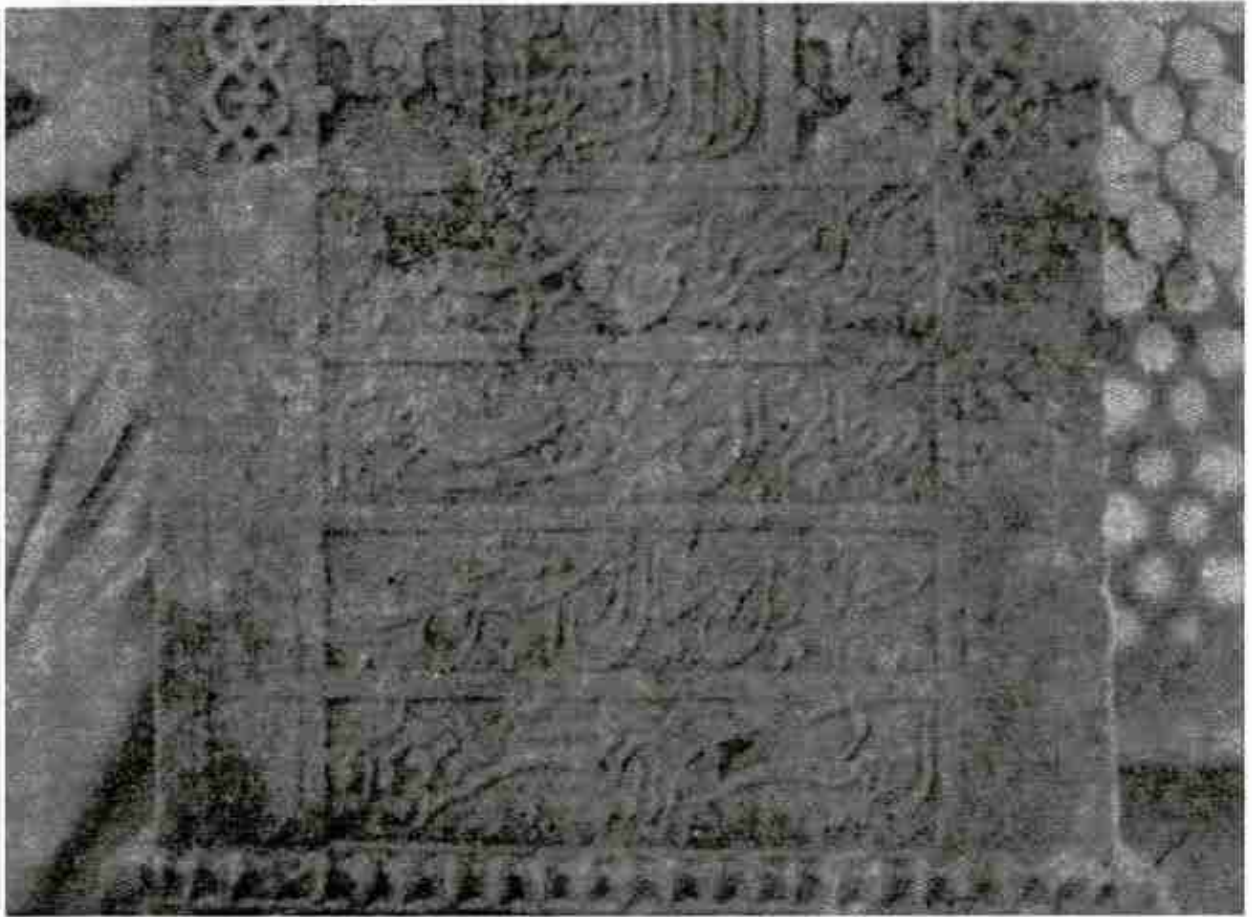
۵۹۔ گورستان عیسیٰ اوّل۔ کتبہ ابوالفتح (۲)
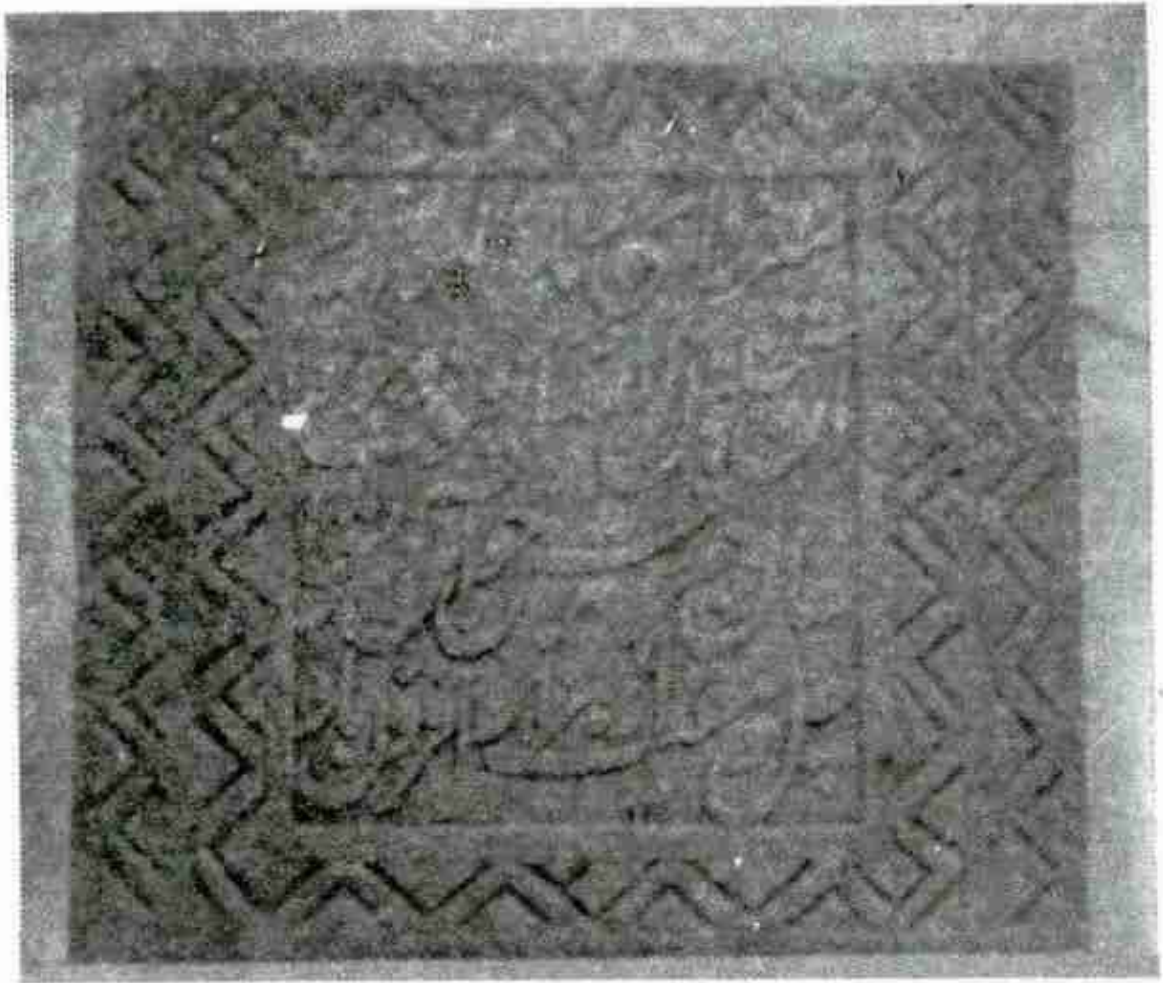
۶۰۔ گورستان عیسیٰ اوّل۔ کتبہ مرزا ابراھیم (۳)
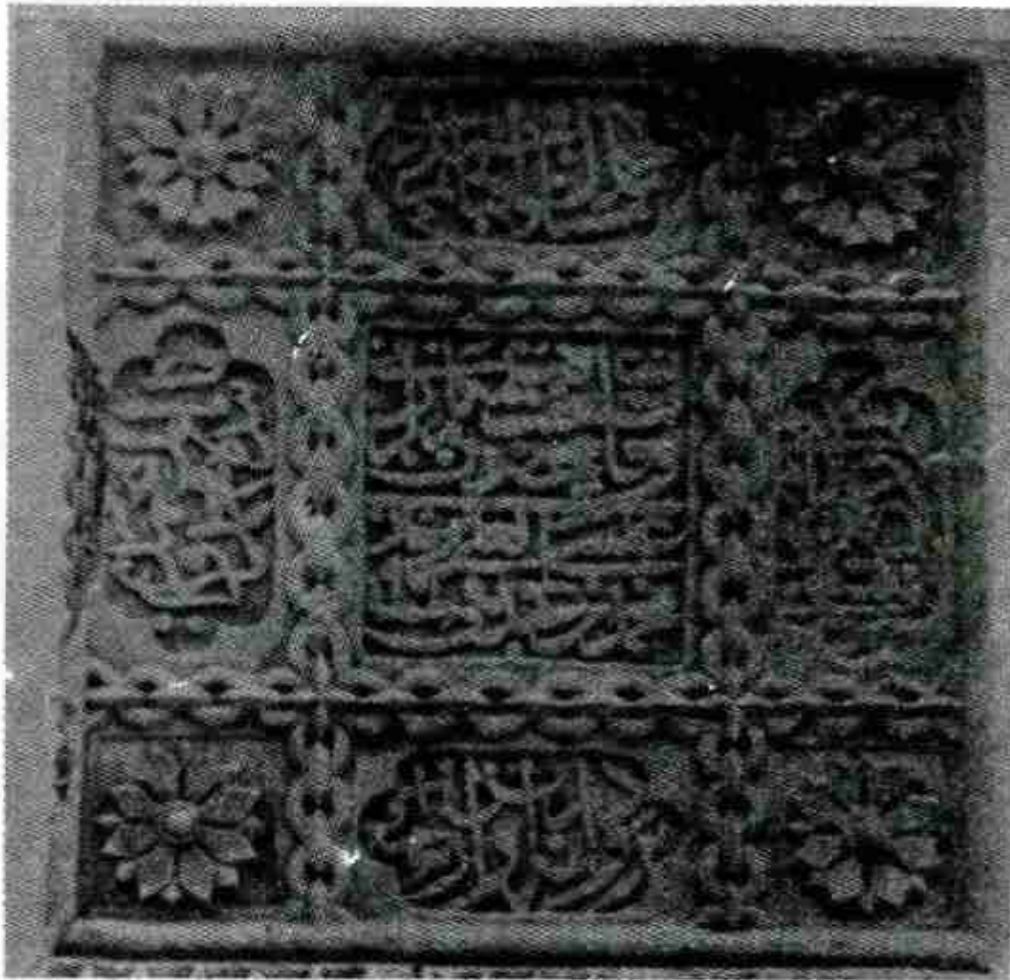
۶۱۔ گررستان عیسیٰ اوّل۔ کتبہ مرزا عیسیٰ اوّل
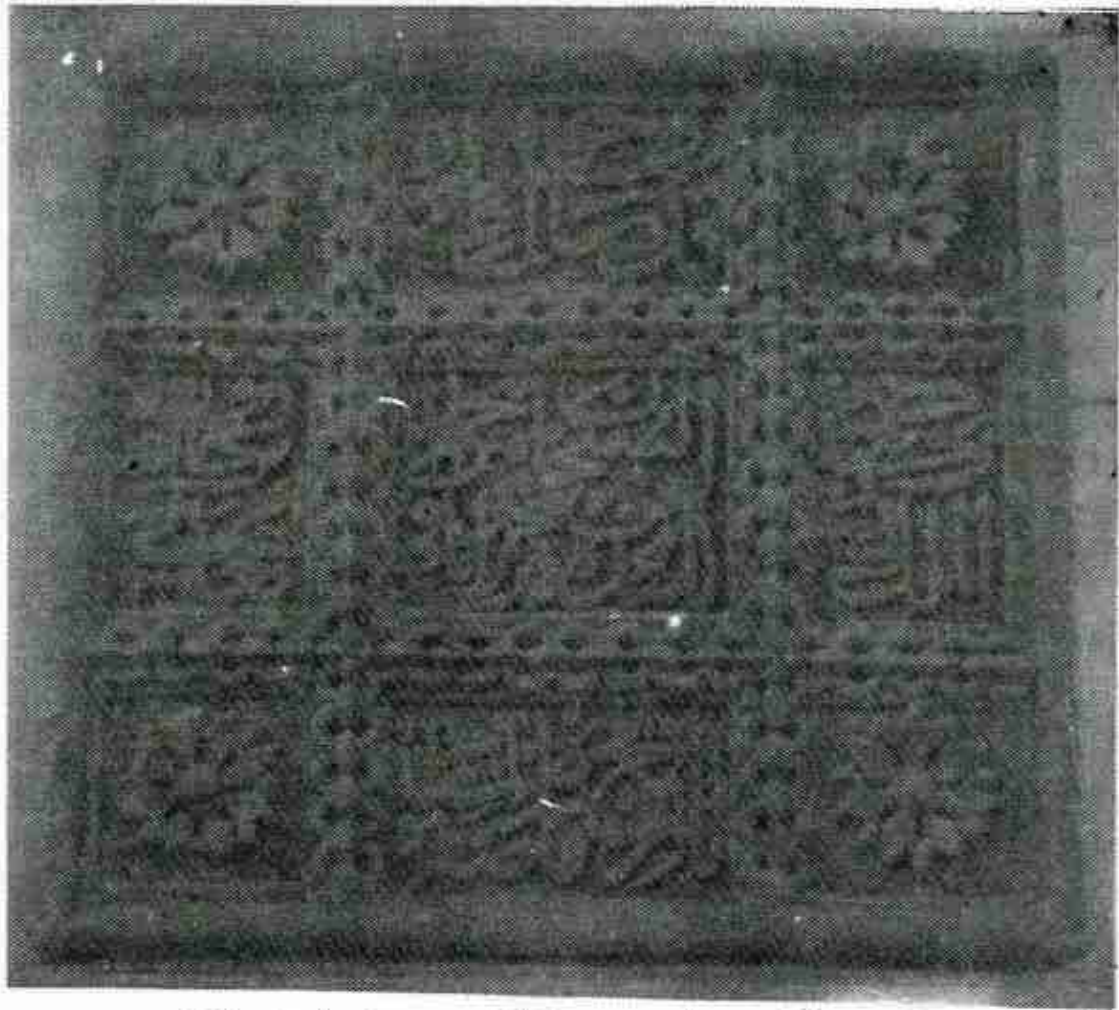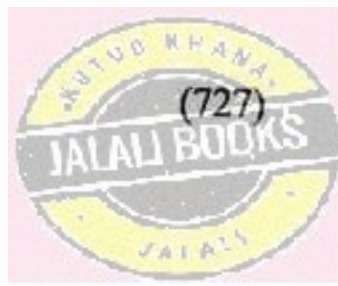
۶۲۔ گورستان عیسیٰ اوّل۔ محمد پاینده (۵)
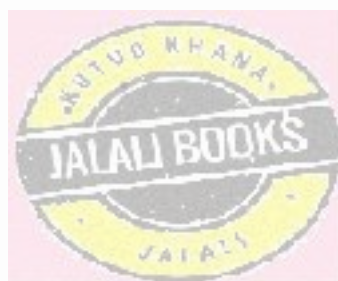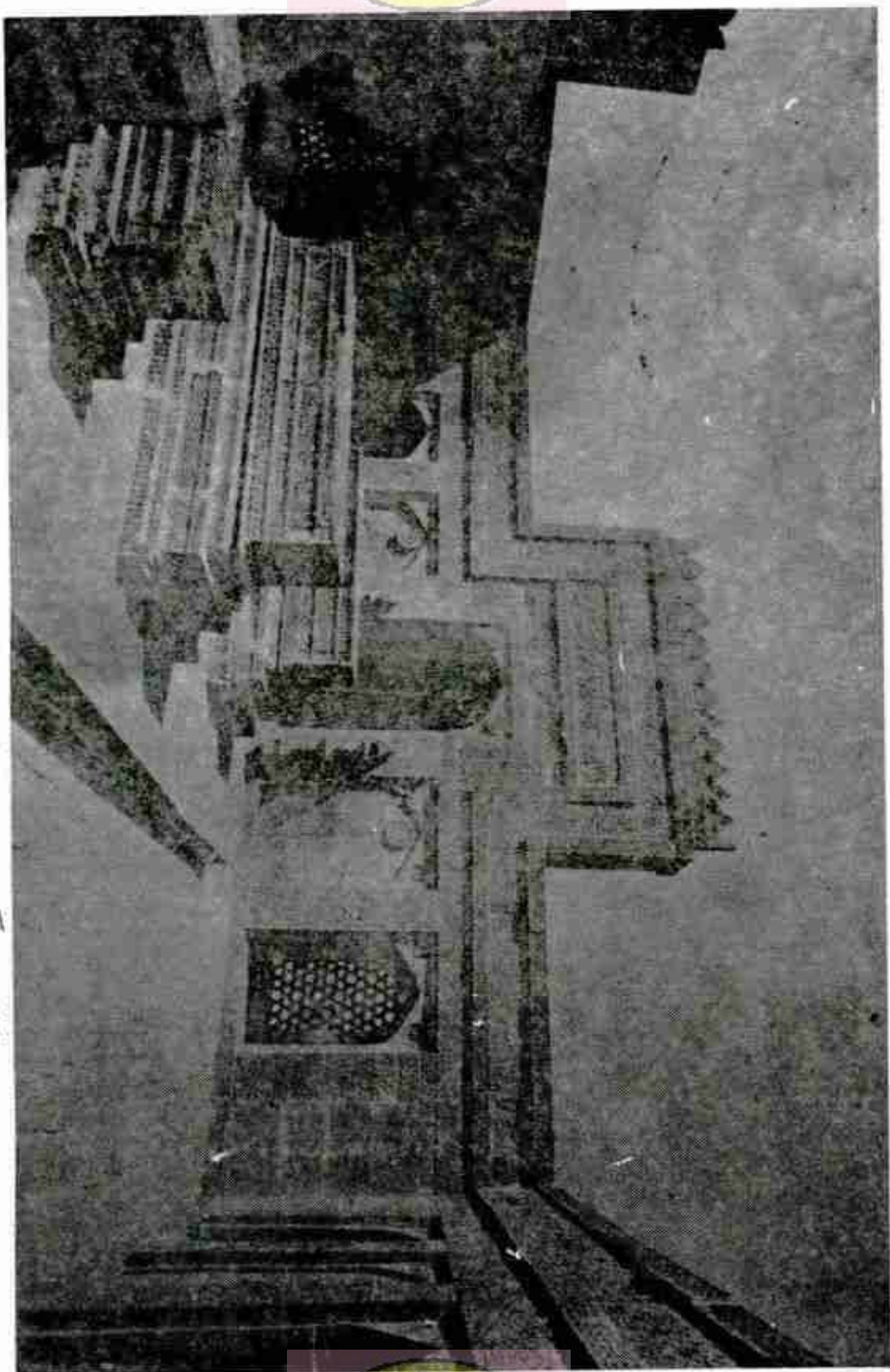
۶۳- گورستان مرزا باقی- اندرونی منظر

۶۴- گورستان مرزا باقی- کتبه بدیع الزمان (۳۹)

۶۵۔ چوکنڈی بدیع الزمان۔ مور اور سانپ کی تصویر
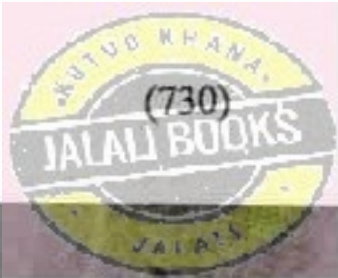
۶۶۔ چوکنڈی بدیع الزمان۔ مرغ یا فاختہ کی تصویر
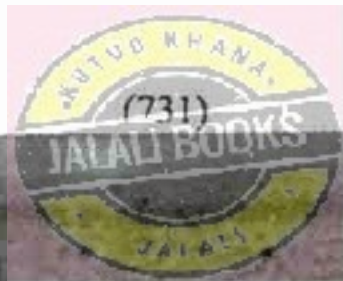
۶۷۔ گورستان مرزا باقی۔ کتبہ شاہ رخ (۳۰)

۶۸۔ گورستان مرزا باقی۔ کتبہ مرزا باقی (۳۱)
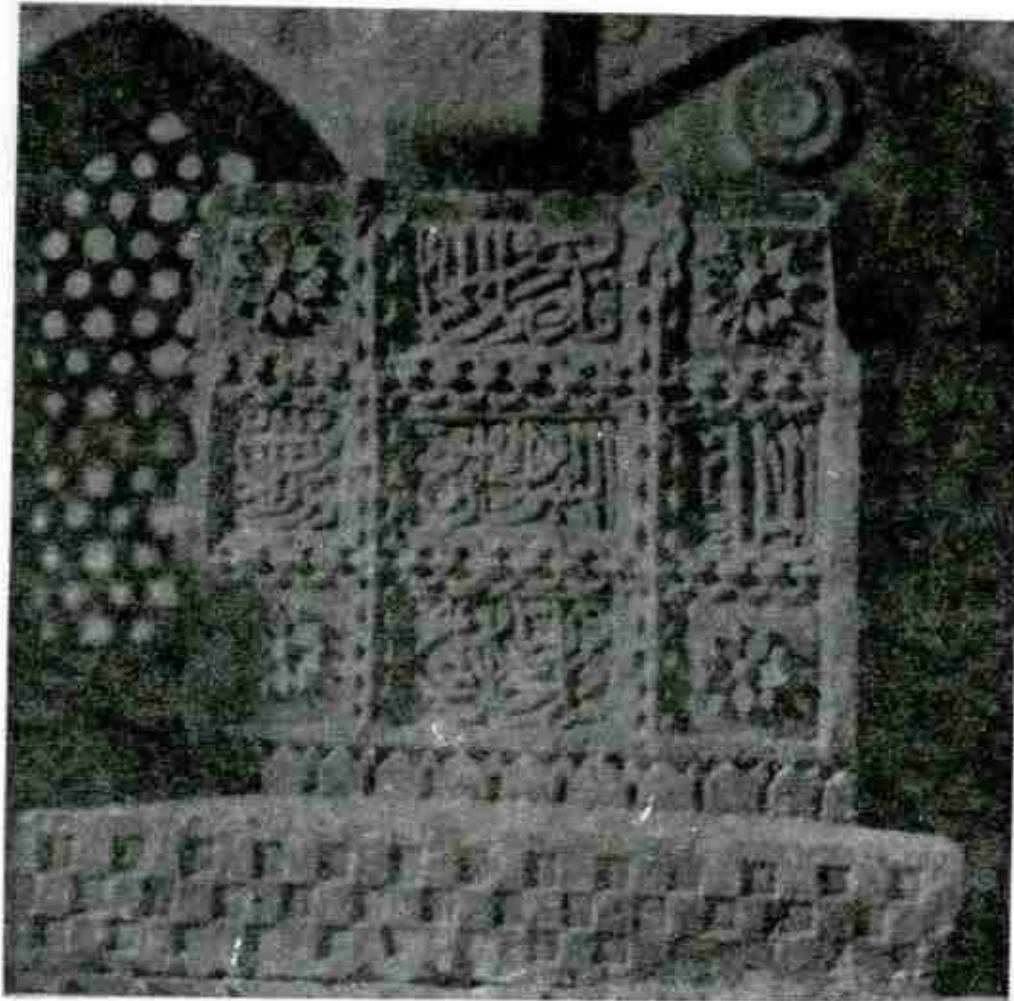
۶۹۔ گورستان مرزا باقی۔ ابوالفتح (۴۲)
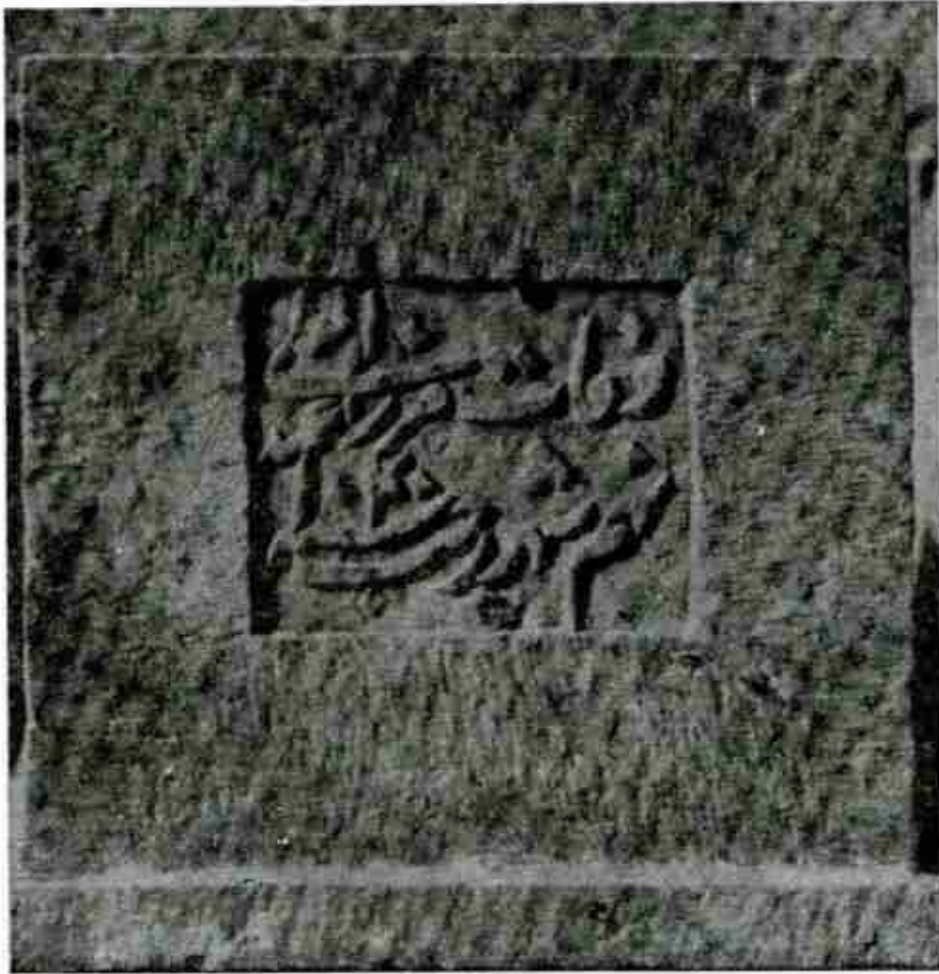
۷۰۔ گورستان مرزا باقی۔ عبدالعلی (۴۳)

۷۱۔ زنانہ مقبرہ مرزا باقی۔ چوچک بیگم (۵)

۷۲۔ زنانہ مقبرہ مرزا باقی۔ بیگم جان (۲)

۷۳۔ زنانہ مقبرہ مرزا باقی۔ حور بیگم (۷)

۷۴۔ زنانہ مقبرہ مرزا باقی۔ ماہ بیگم (۸)
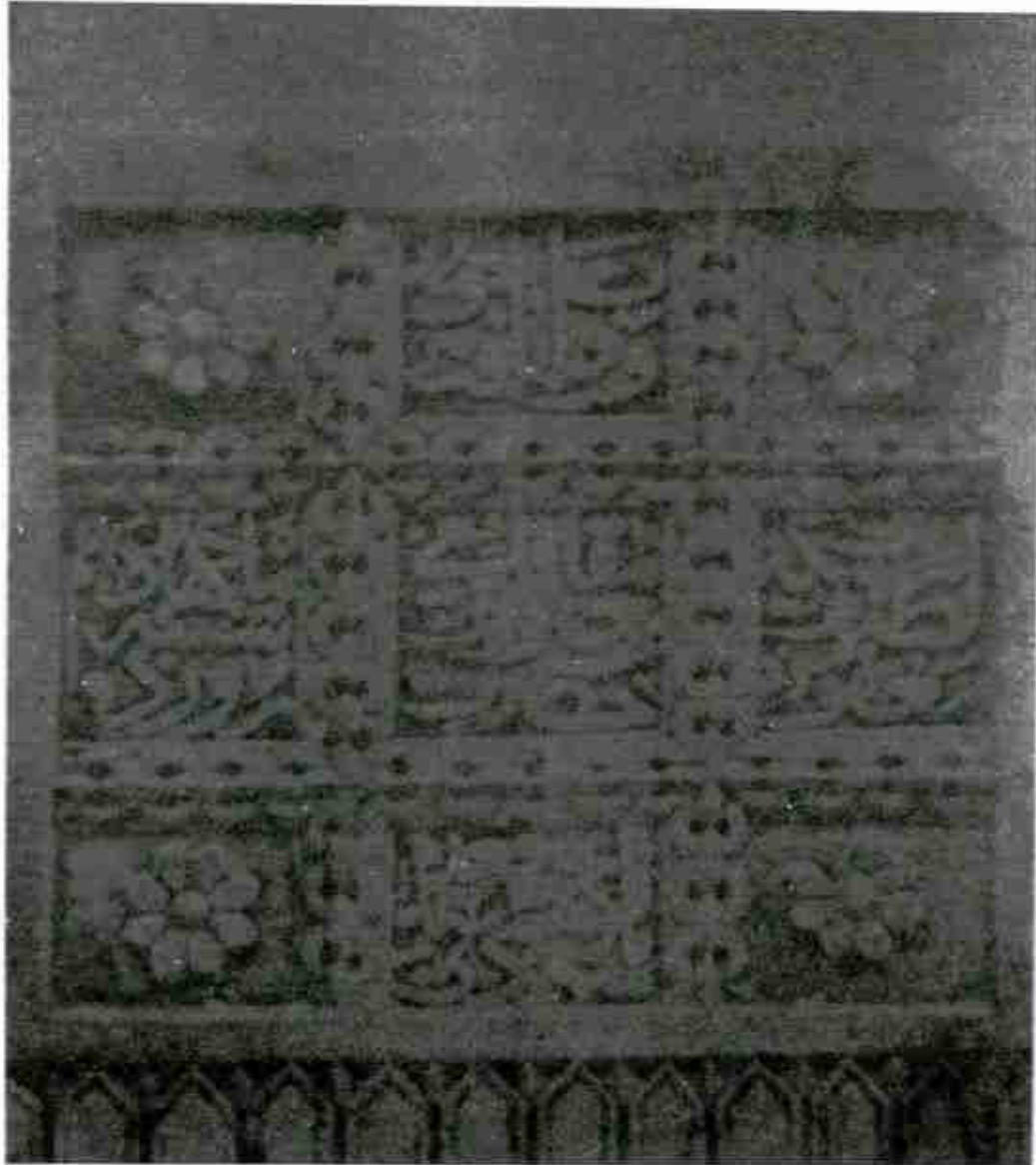
۷۵۔ زنانہ مقبرہ مرزا باقی۔ لطیف بیگم (۹)
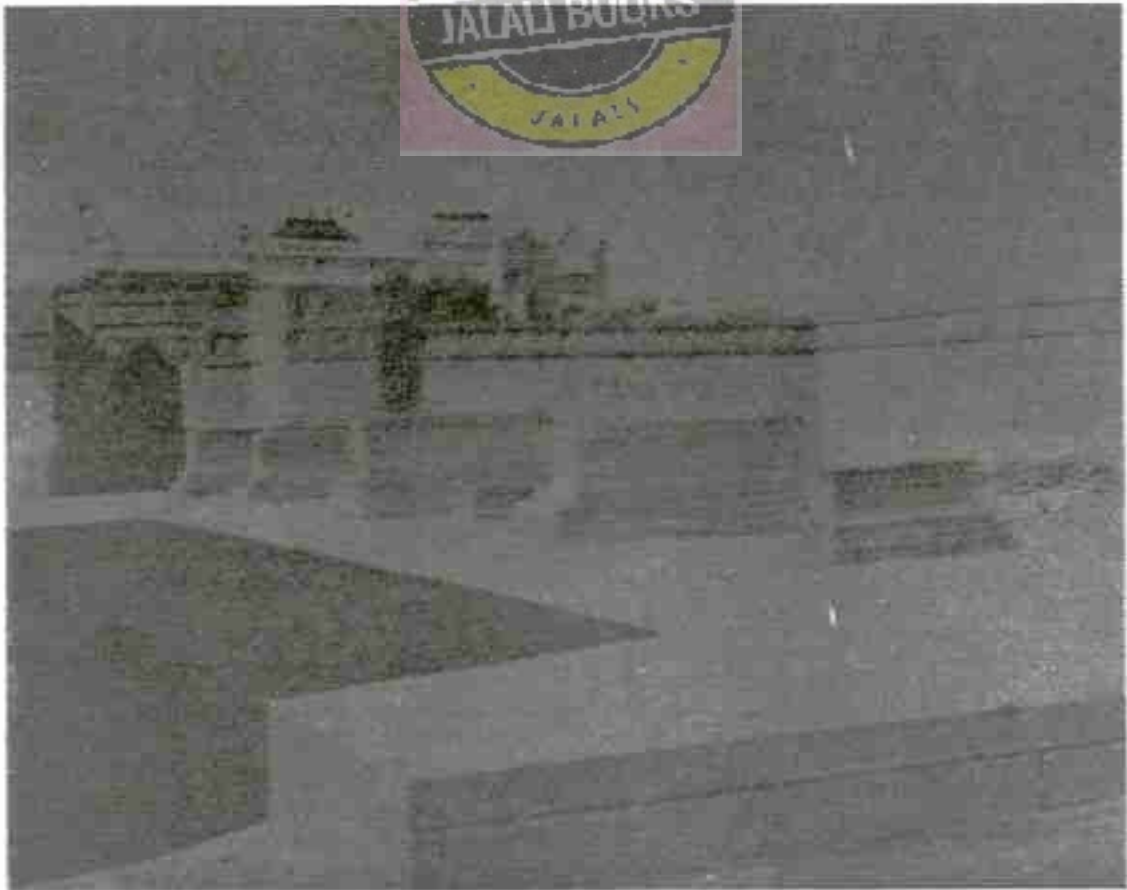
۷۶۔ زنانہ چبوترہ مرزا باقی۔ عام منظر
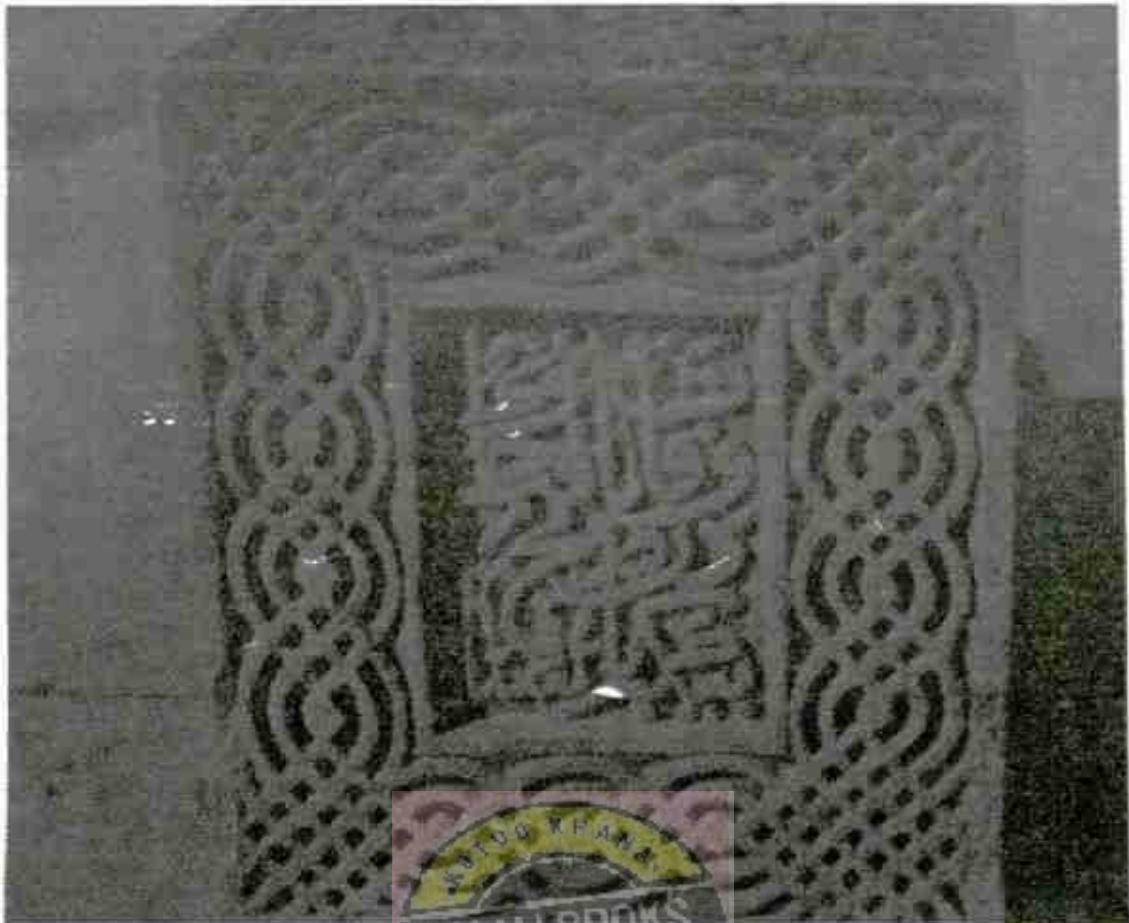
۷۷۔ زنانہ چبوترہ مرزا باقی۔ چوچک بیگم (۱۷)

۷۸۔ زنانہ چبوترہ مرزا باقی- مزار نمبر (۱۵)
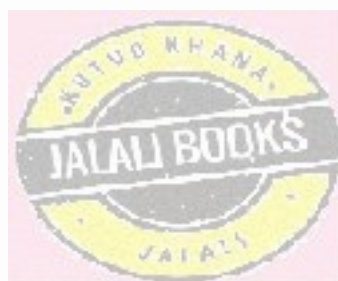
۷۹۔ زنانہ چبوترہ مرزا باقی۔ ماہ بیگم (۱۸)
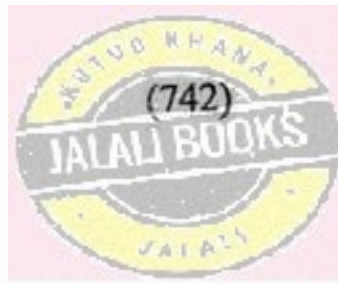
۸۰۔ زنانہ چبوترہ مرزا باقی۔ والدہ محمد علی (۲۰)
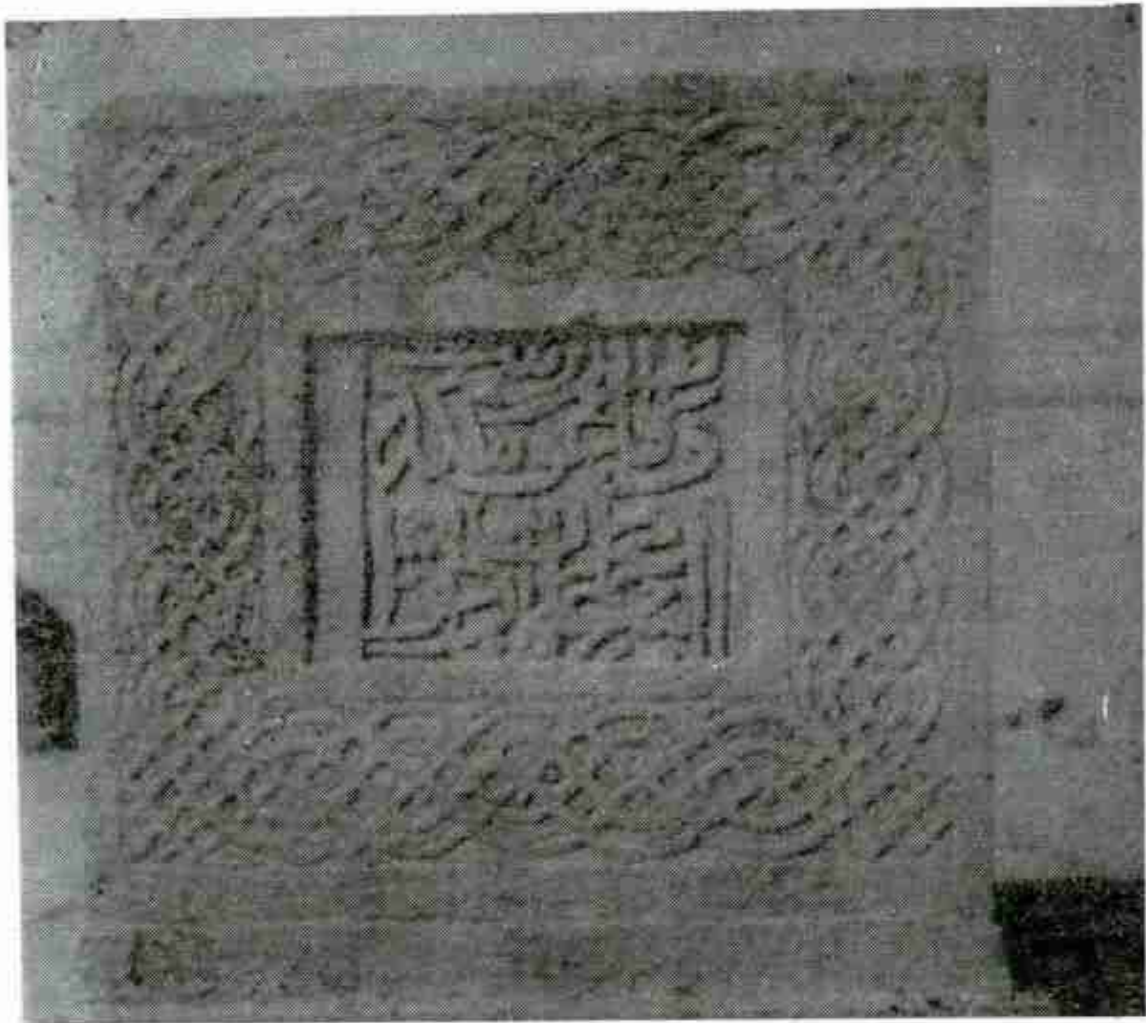
۸۱۔ زنانہ چبوترہ مرزا باقی۔ ارغون بیگ (۲۱)
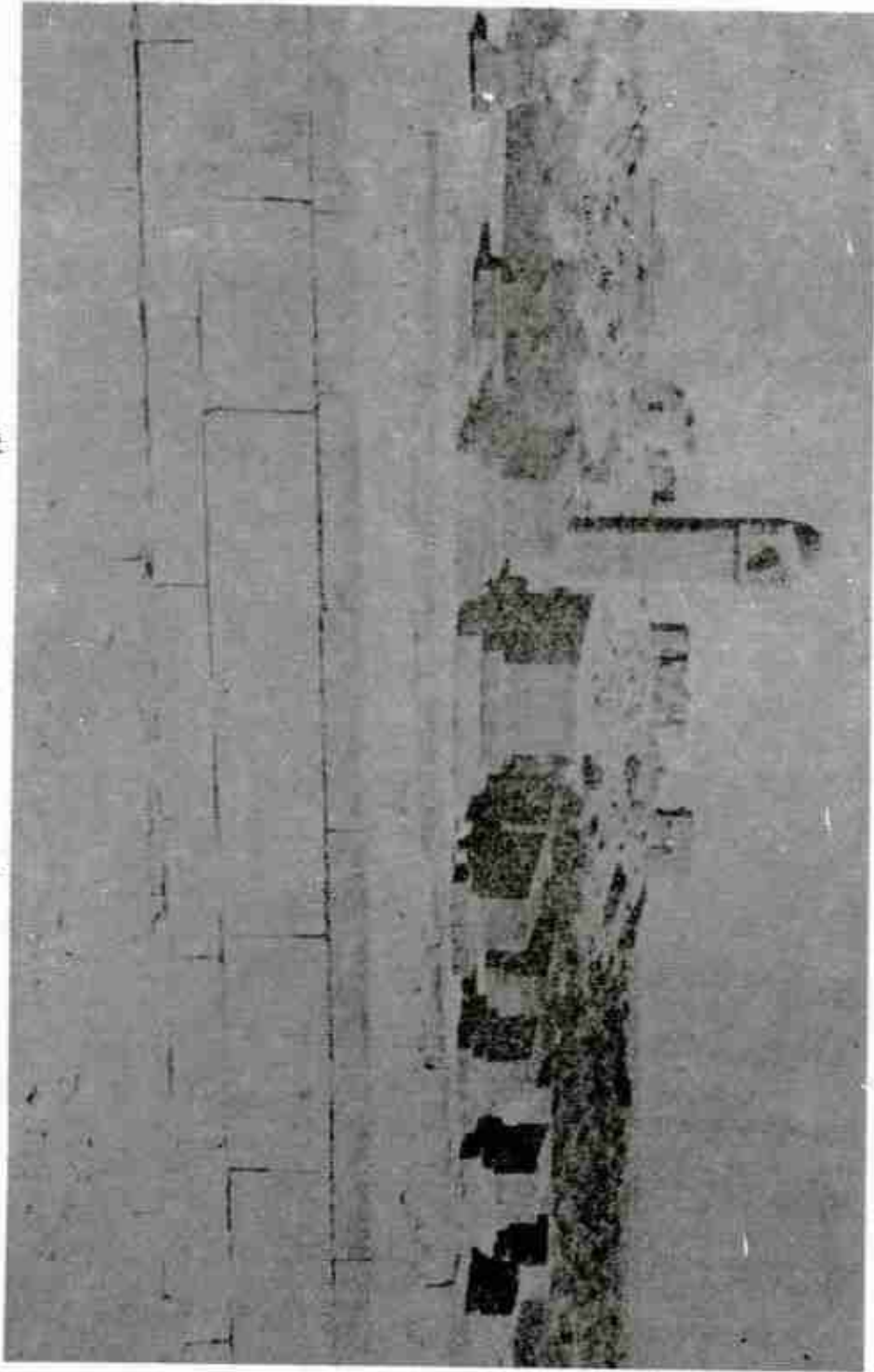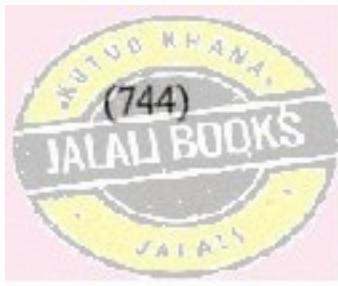
۸۲۔ گورستان سلیمان بن عیسیٰ اوّل
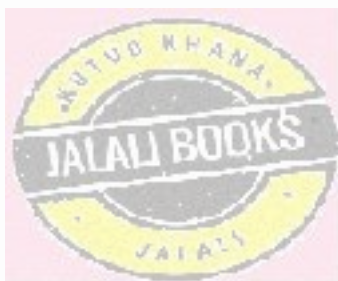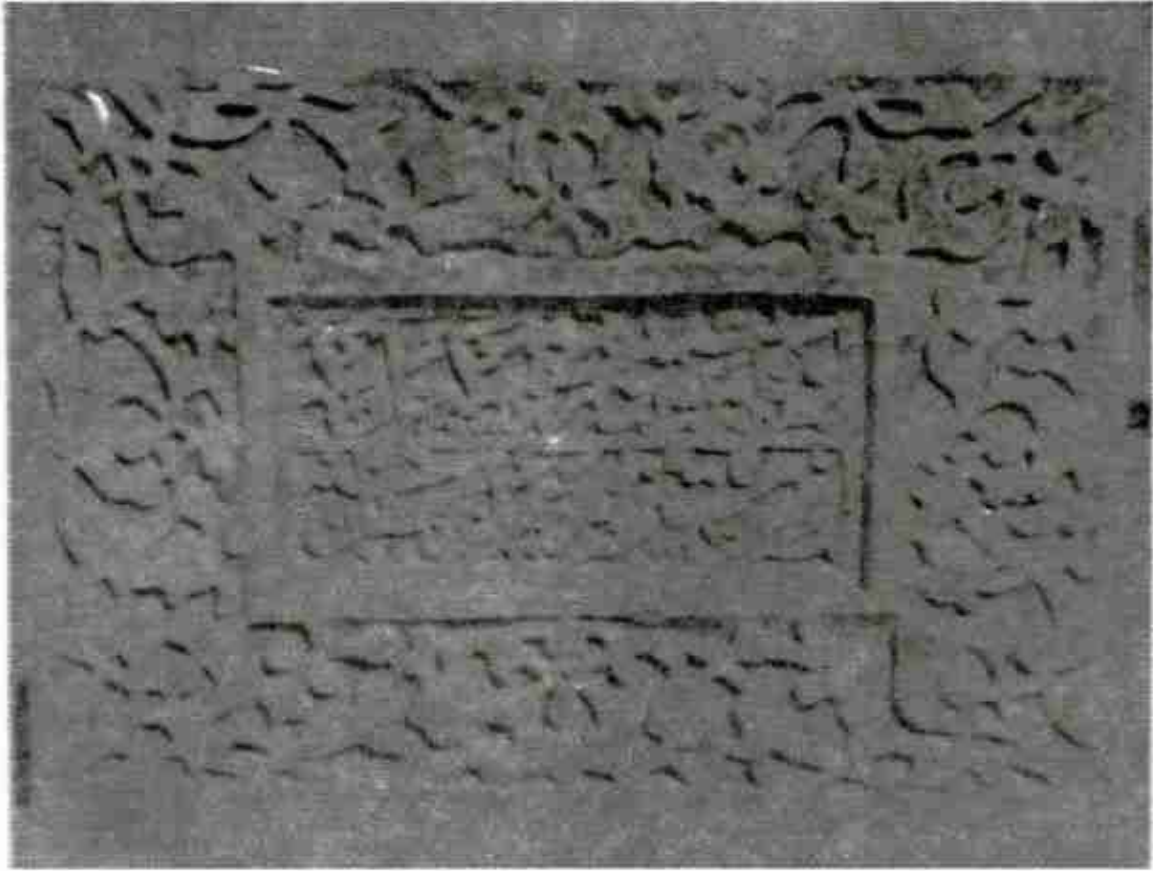
۸۳۔ گورستان سلیمان۔ بیگہ جان (۳) ۹۴۱ھ

۱۔ وفات مستورہ مرحومہ بیگہ جان بیگ

۲۔ فی سن ستین یوم عید رمضان ۹۴۱ھ (۱)

(۱) کتاب میں خداداد کی کتاب سے ناقص نقل کیا گیا ہے۔

۸۴۔ گورستان سلیمان۔ امیر چین بیگ ترخان (۴) ۹۴۹ھ

(۱) توفی الامیر المرحوم چین بیگ ترخان

(۲) فی من ثللث و ثللثین آخر اربع الصفر سنه ۹۴۹ھ(۱)

(۱) متن میں خداداد کی کتاب سے ناقص نقل کیا گیا ہے۔

۸۵۔ گورستان سلیمان۔ آنجہ بیگ (۵) ۹۶۵ھ
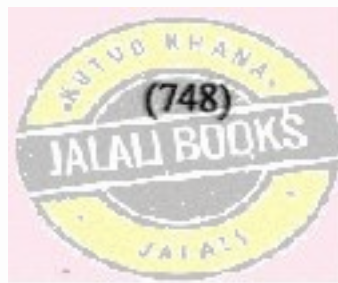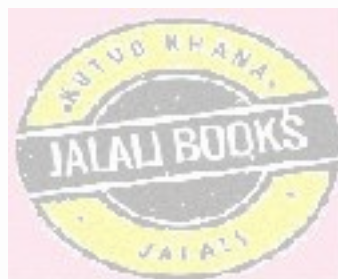
٨٦ـ گورستان سلیمان- ترسون بیگه (٢) ٩٦٧ه
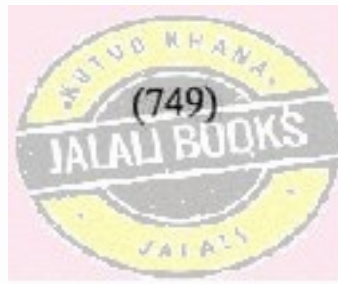
۸۷۔ گورستان سلیمان۔ ......بیگہ (؟) ۹۶۳ھ
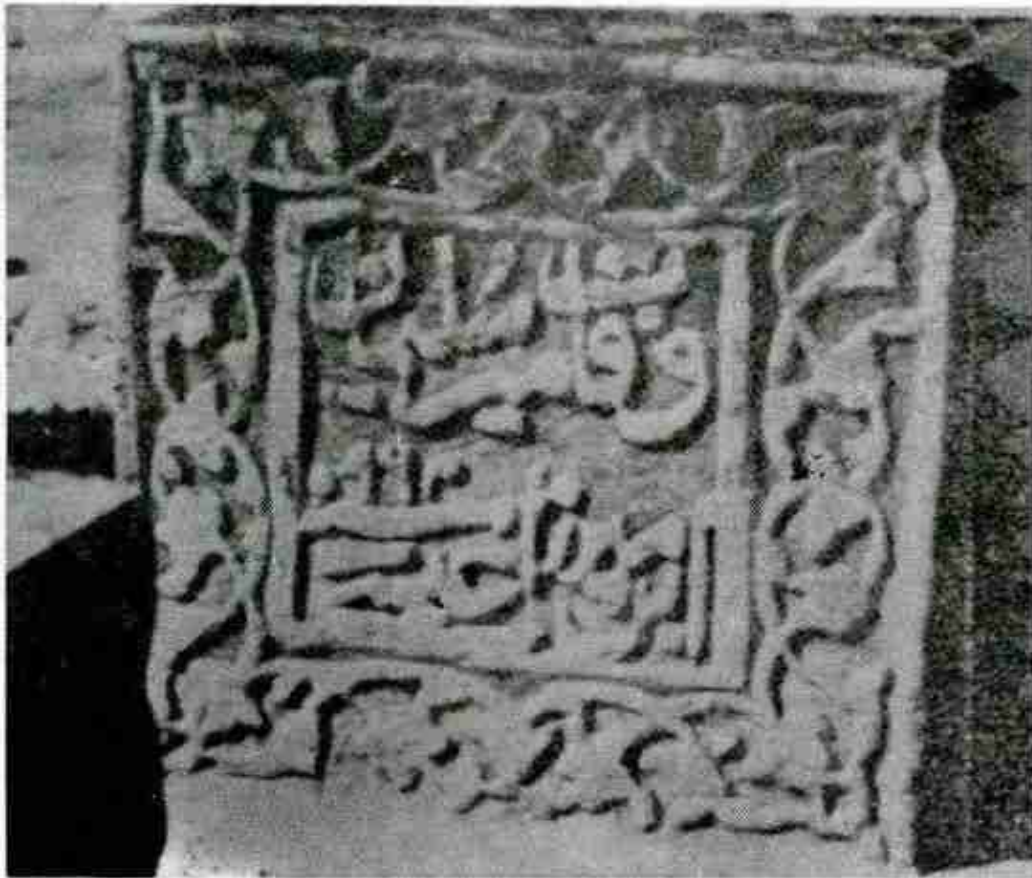
۸۸۔ گورستان سلیمان۔ میر سلیمان (۱۳) ۹۶۴ھ
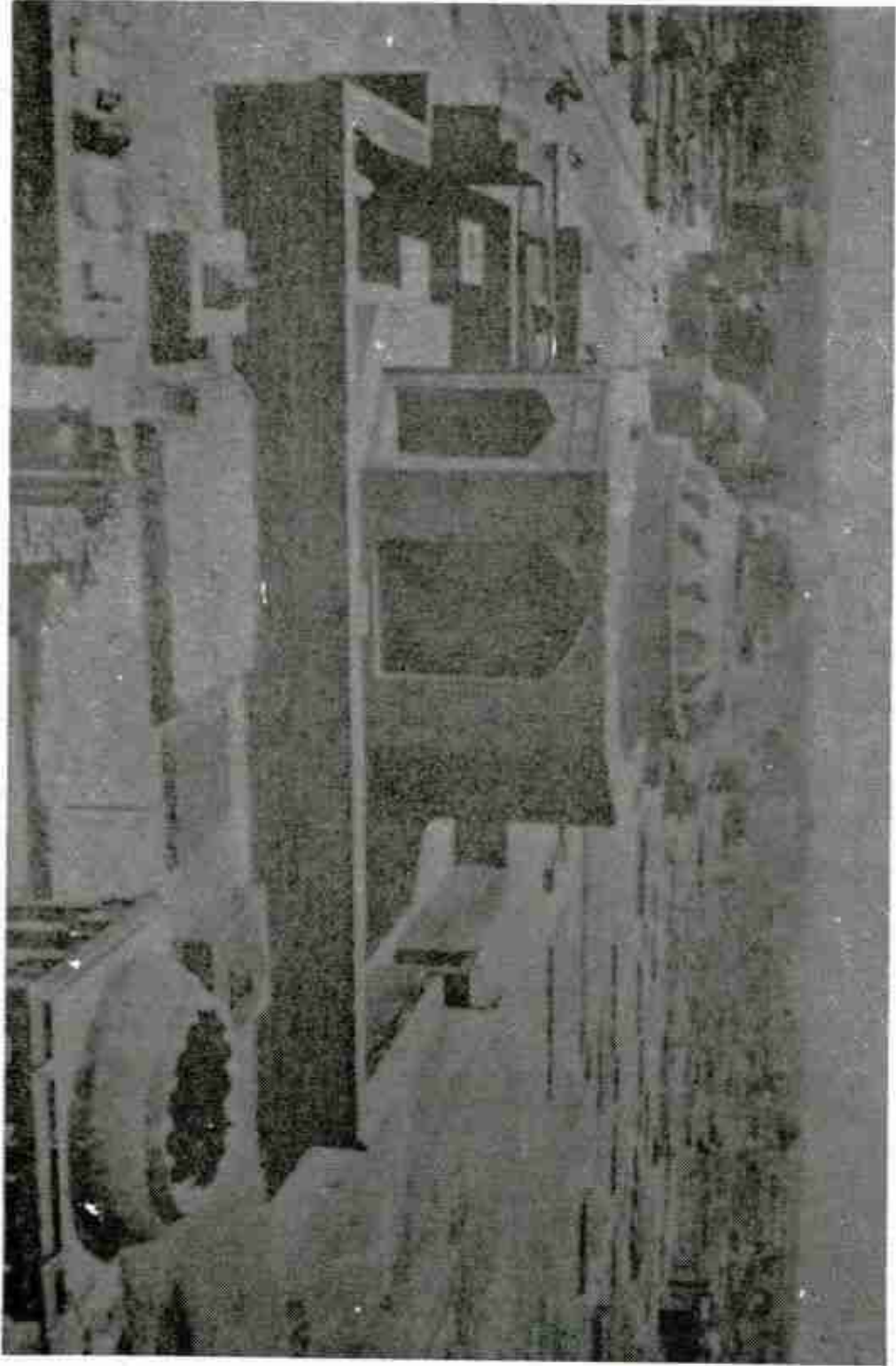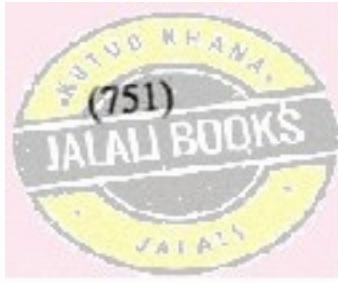
۸۹۔ مقبرہ مرزا جانی بیگ۔ عام نظارہ
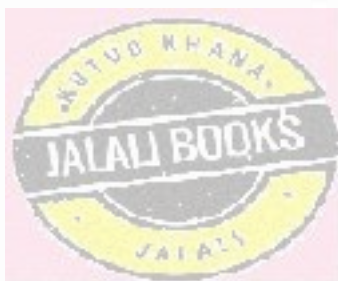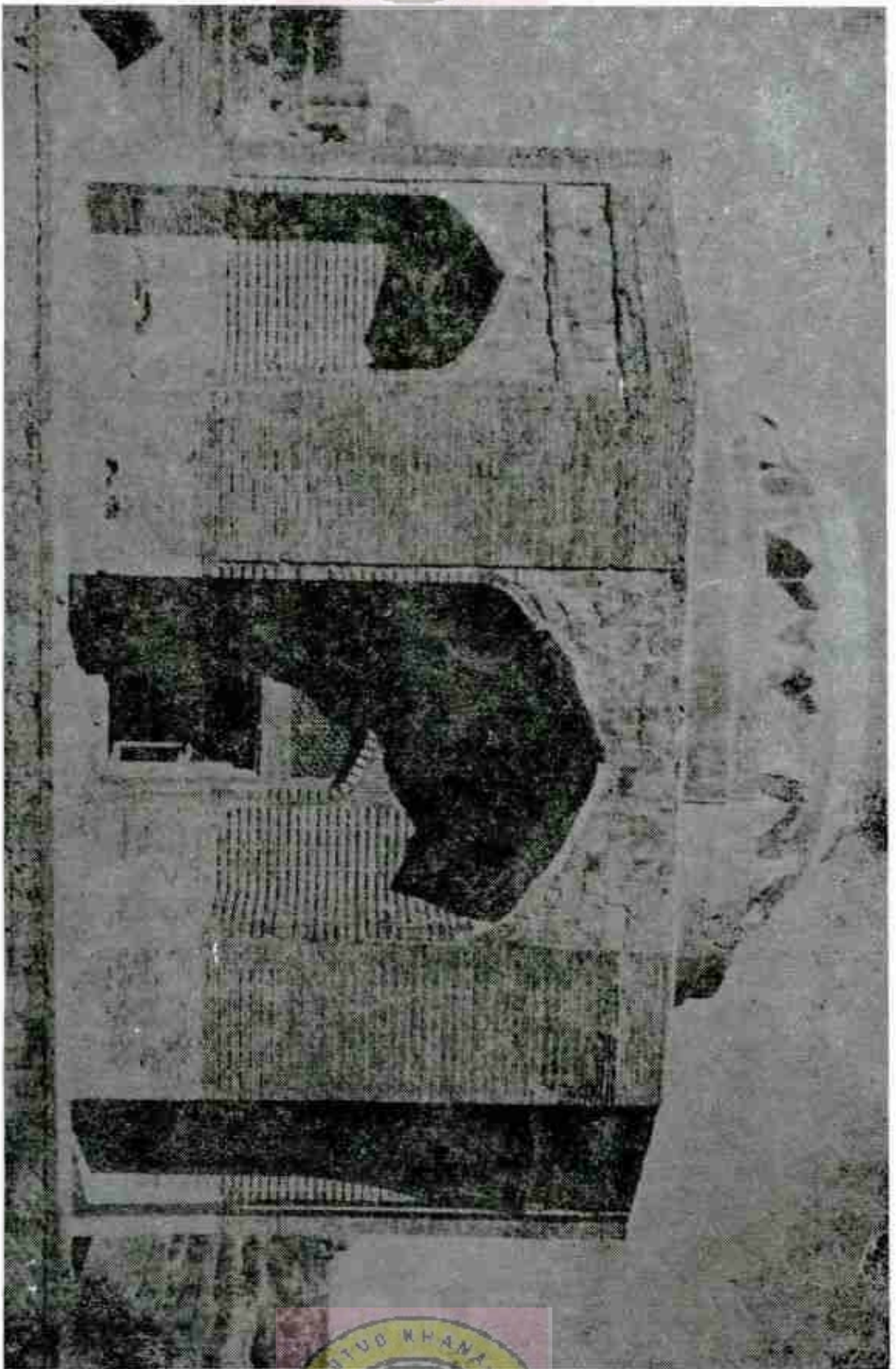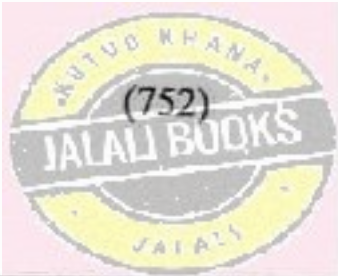
۹۰۔ مقبرہ مرزا جانی بیگ اور غازی بیگ ترخان
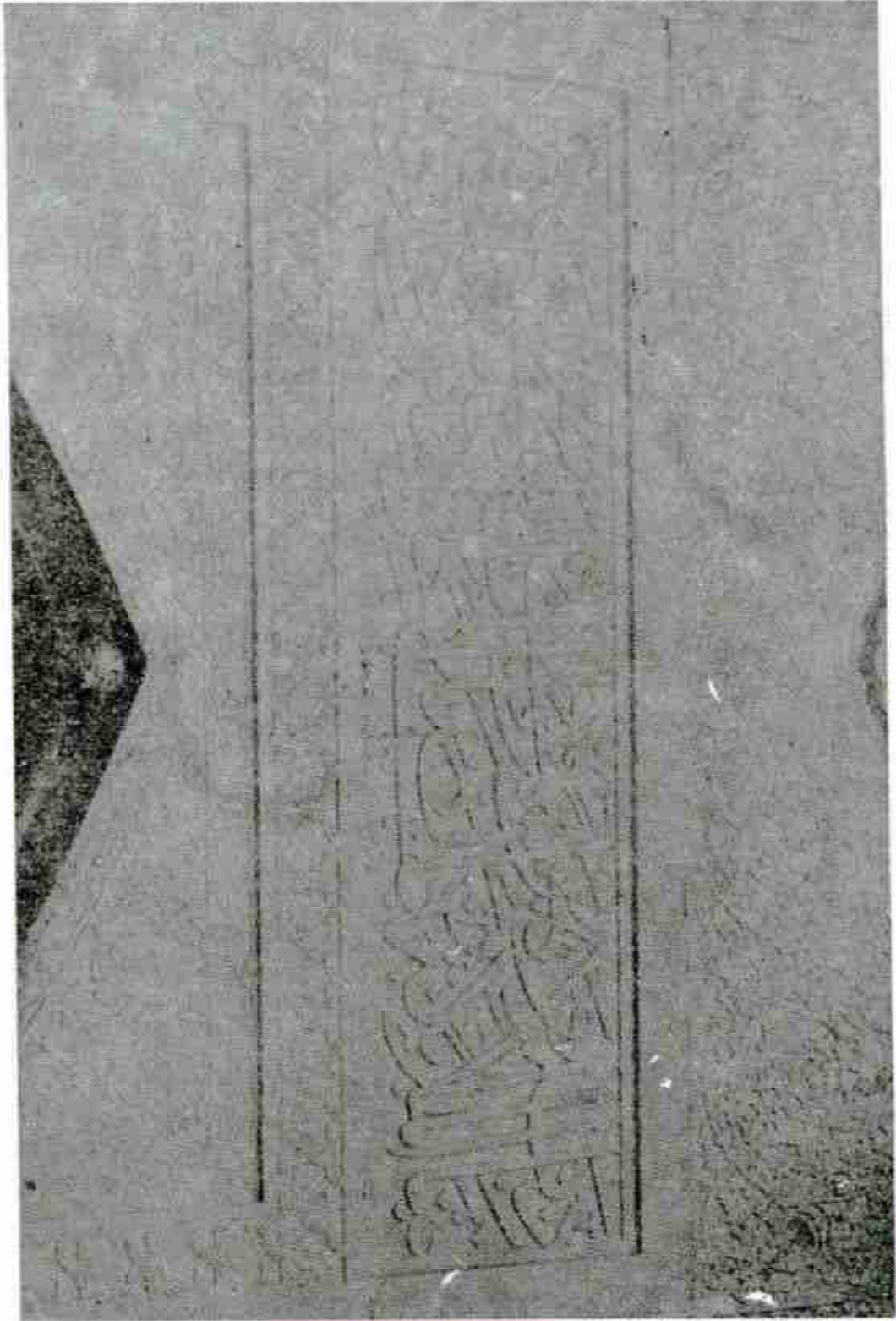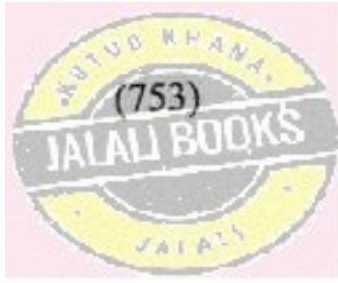
۹۱۔ مقبرہ جانی بیگ۔ محراب کا کتبہ
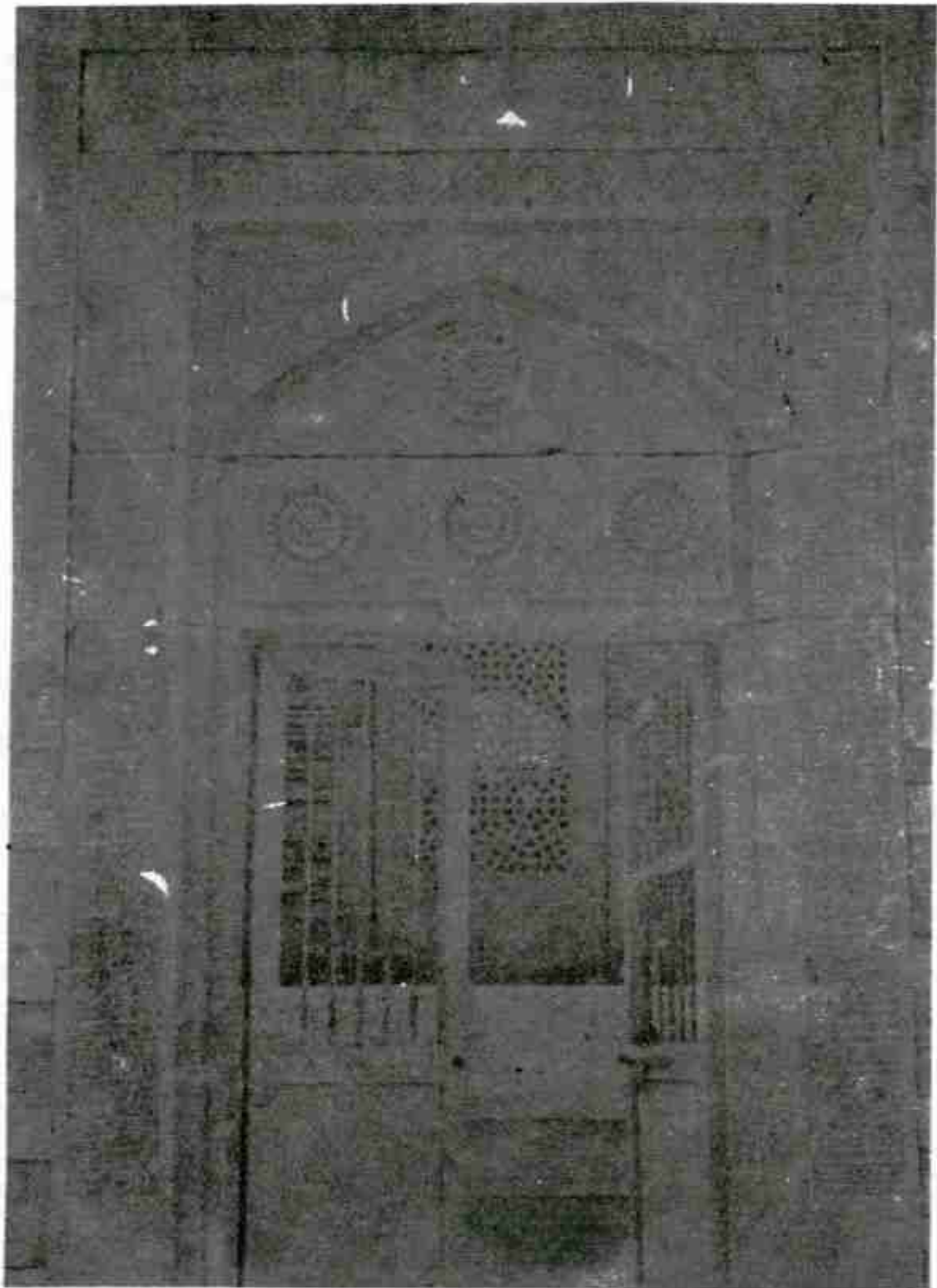
۹۲۔ مقبرہ جانی بیگ۔ داخلی دروازہ
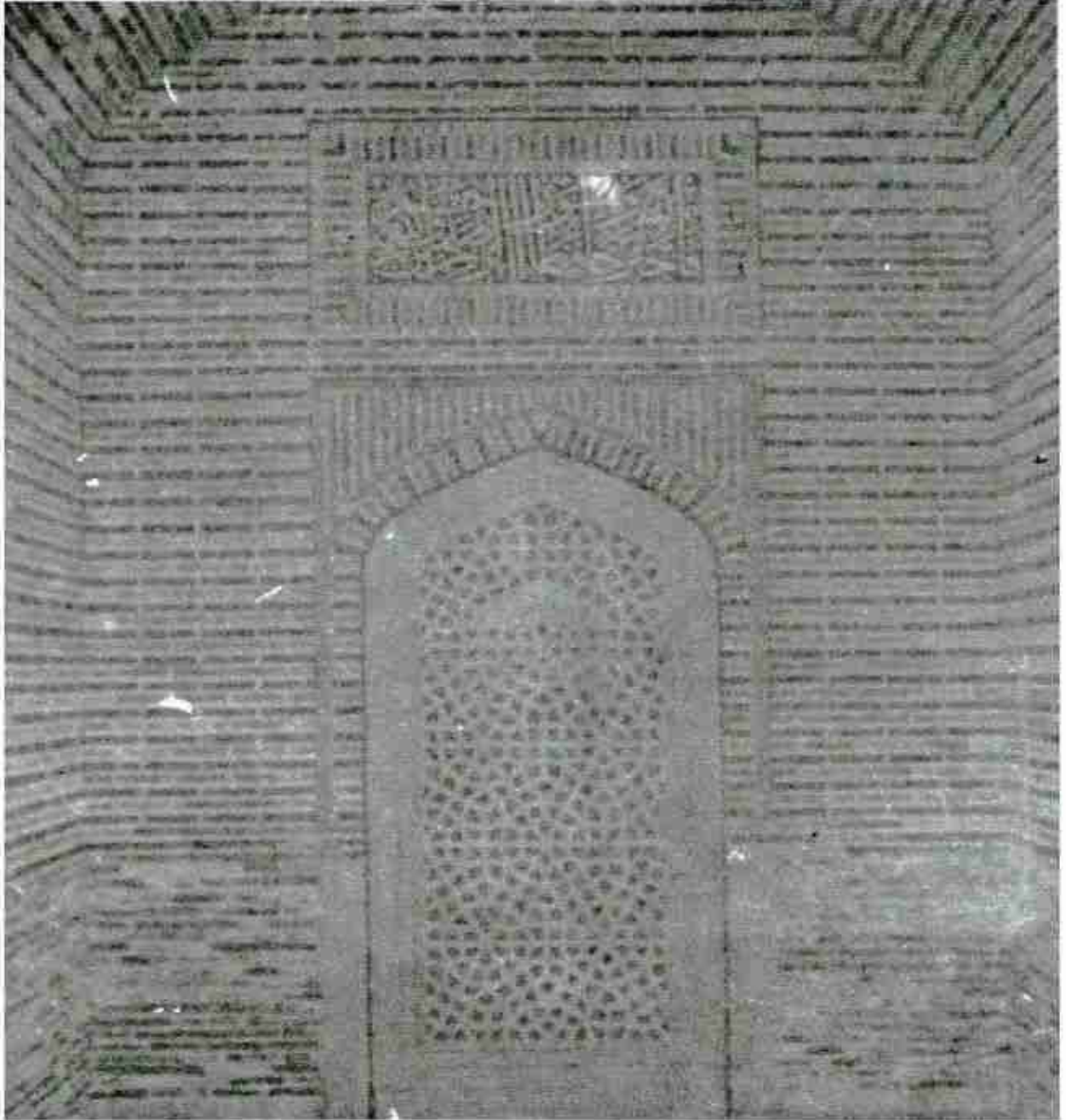
۹۳- مقبرہ جانی بیگ- جالی اور آیت

۹۴۔ مرزا غازی بیگ ترخان

۹۵- مقبرہ جان بابا- عام نظارہ
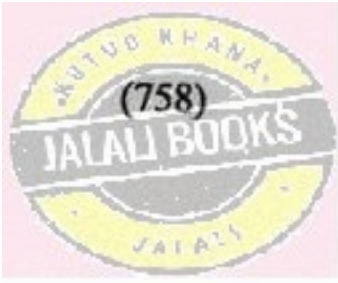
۹۶۔ کتبہ مقبرہ جان بابا (۳) (سرہانے کا)
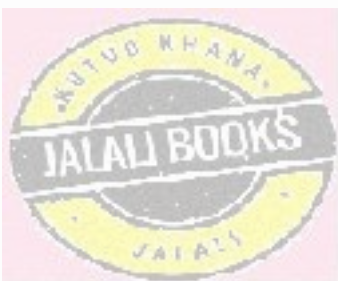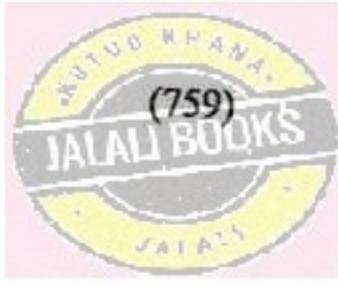
۹۷۔ کتبہ مقبرہ جان بابا (۳) پائنتی کا)
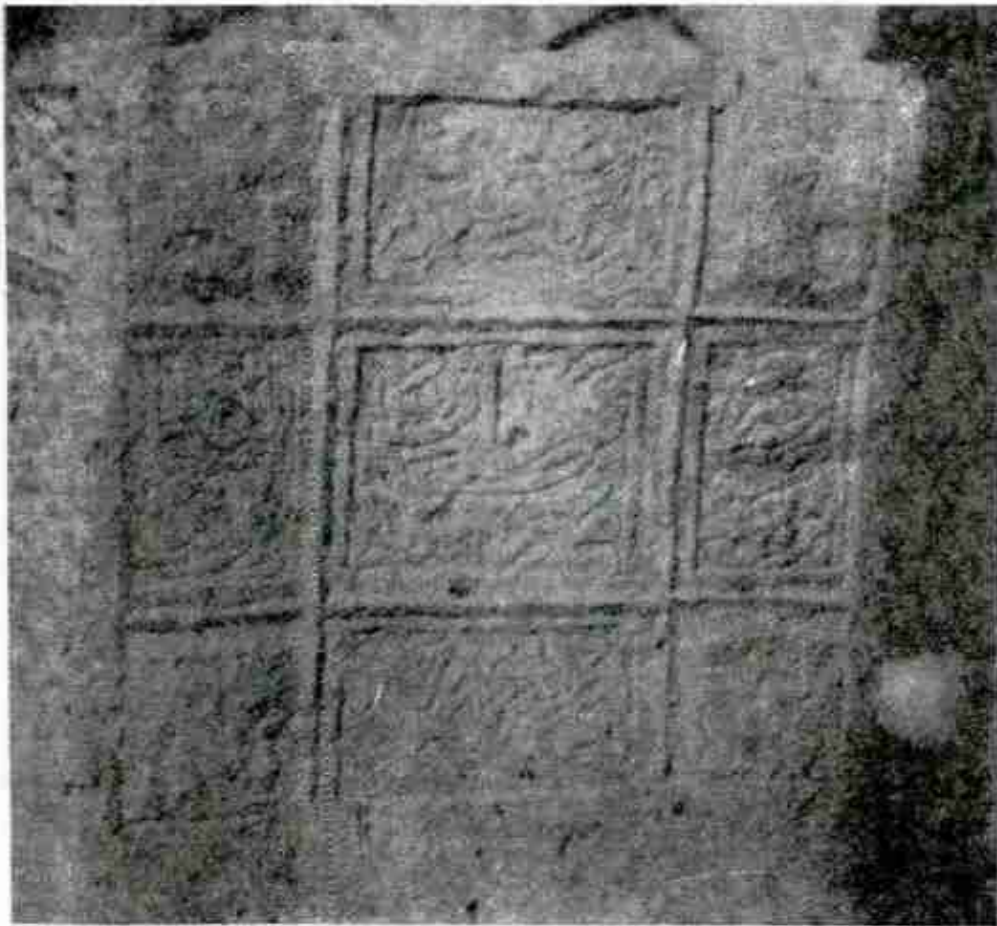
۹۸۔ گورستان جان بابا۔ یادگار مسکین (۴) پائنتی والا کتبہ
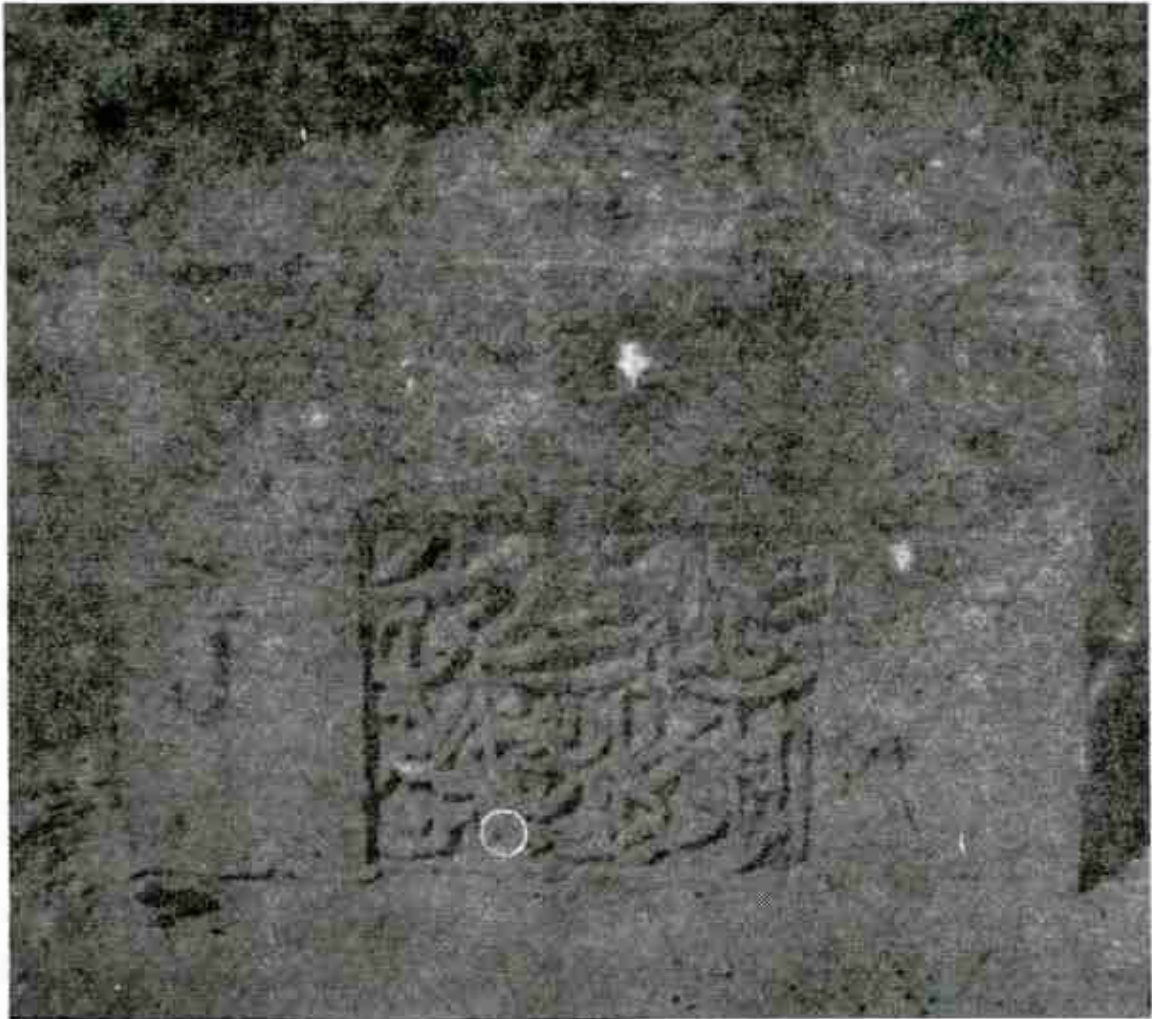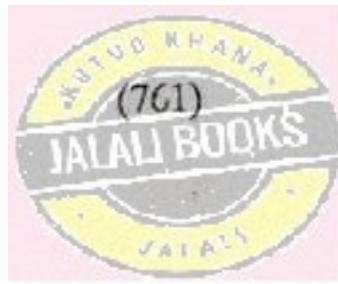
۹۹۔ گورستان جان بابا قبر (۸) ۹۷۸ھ
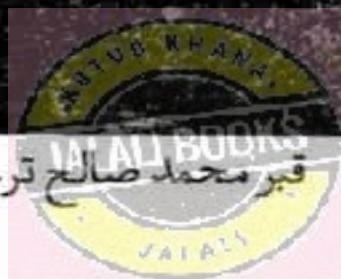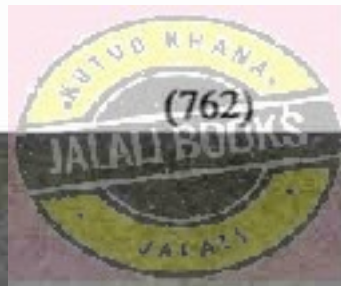
۱۰۰۔ قبر محمد صالح ترخان
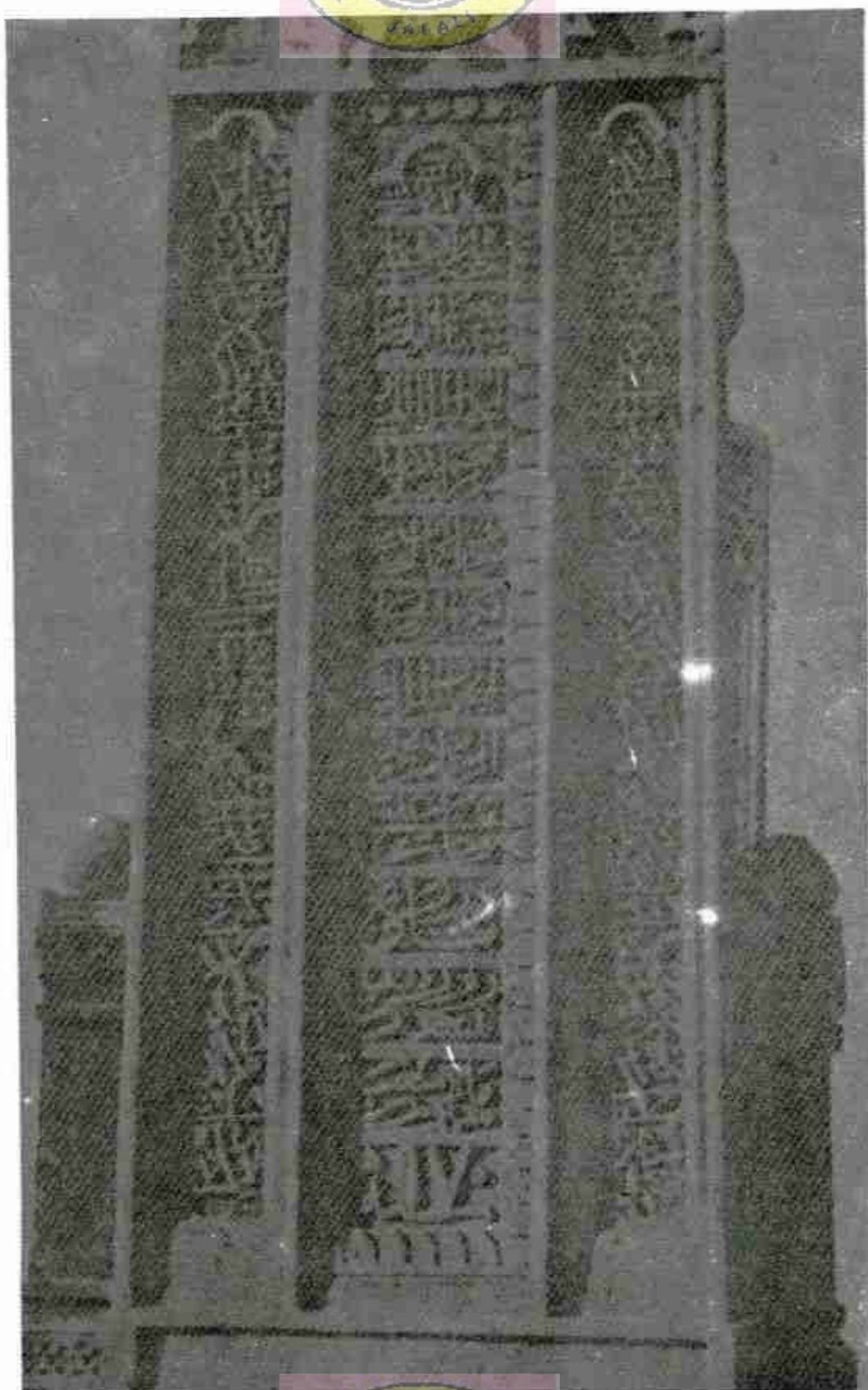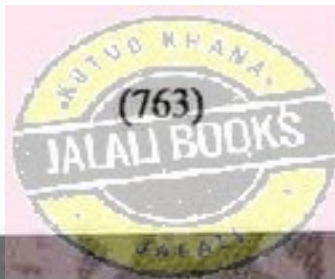
۱۰۱- محمد صالح ترخان (پائنتی والا کتبہ)
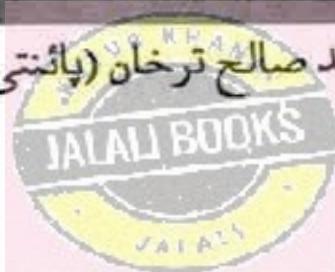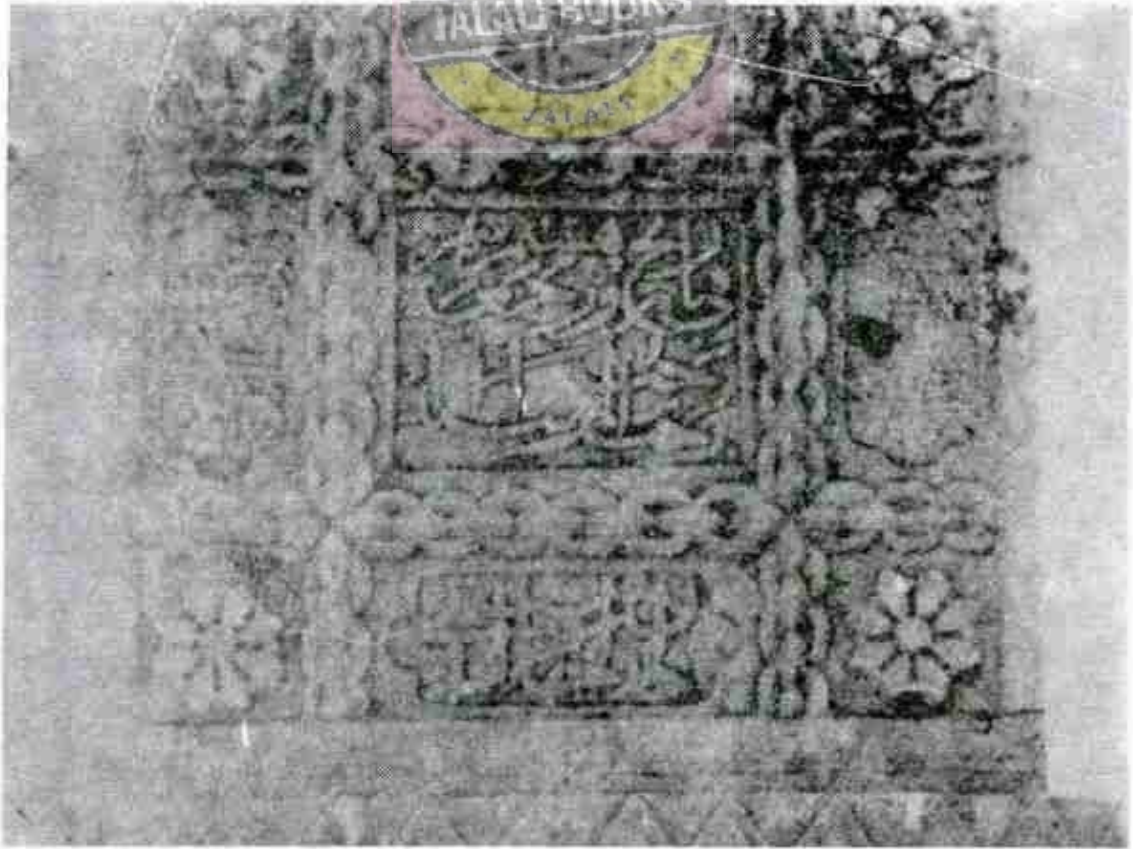
۱۰۲۔ گورستان محمد صالح۔ محمد زاھد (سرہانے والا کتبہ)(۴)

(۱) ....

(۲) ....

(۳) فی تاریخ روز جمعہ هشتم شهر

(۴) رجب المرجب سنہ ۹۹۶ھ

(۵) ....

(۶) ....(۱)

(۱) کتاب میں خداداد کی لکھائی دی گئی ہے۔
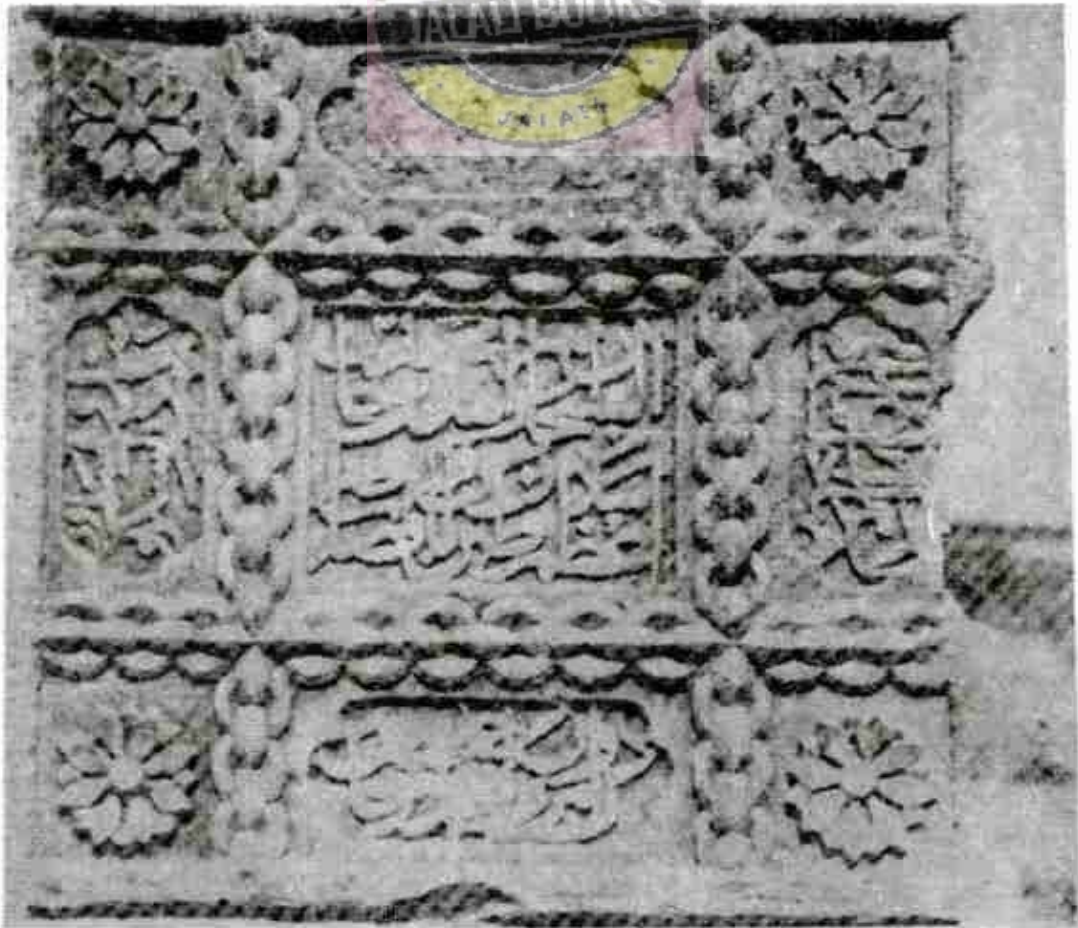
۱۰۳۔ گورستان محمد صالح۔ محمد زاہد (پائنتی والا کتبہ)

(۱) ....

(۲) ....

(۳) السبحان میرزا محمد زاہد ترخان [بن]

(۴) اعظم سلاطین زمان و افضل سلاطین

(۵) ....

(٦) دوران میرزا محمد عیسیٰ ترخان(۱)

---

(۱) کتاب میں خداداد کی لکھائی دی گئی ہے۔
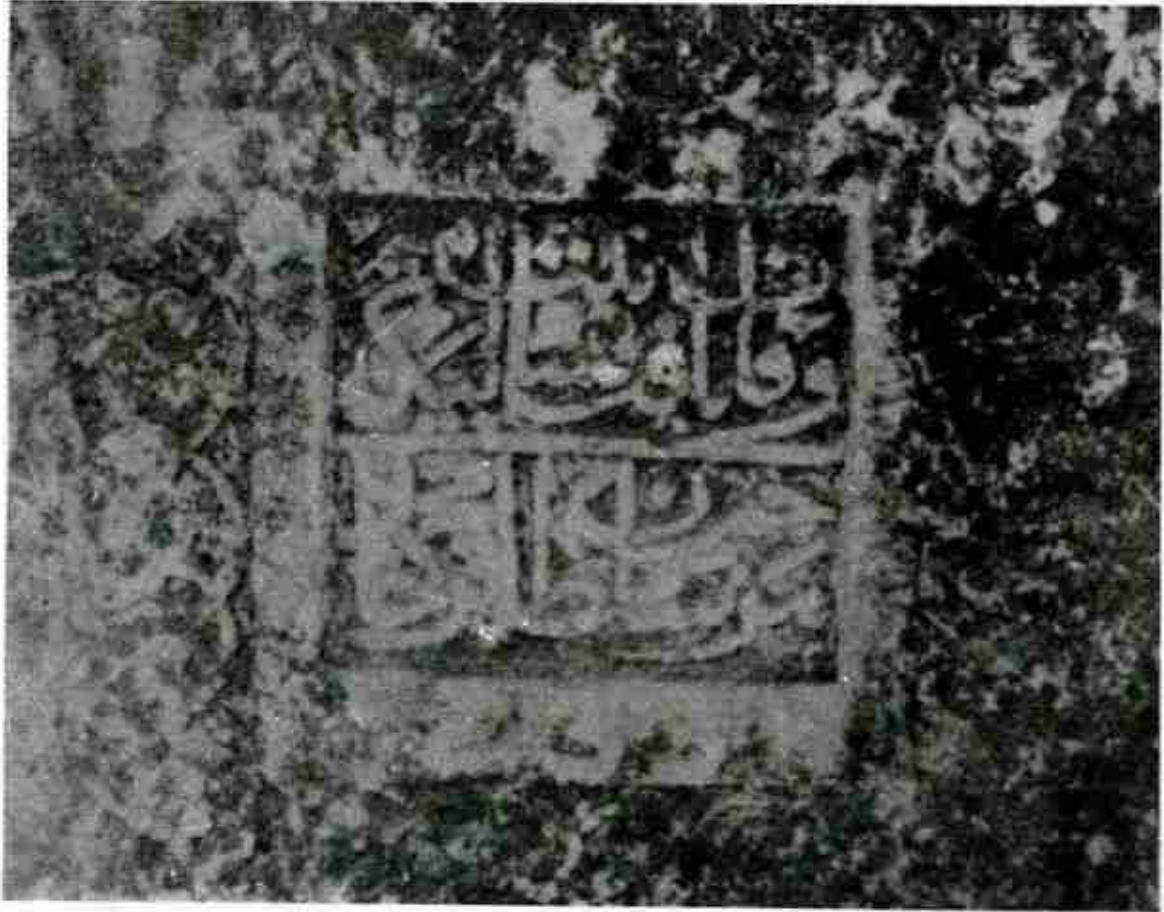
۱۰۴۔ گورستان محمد صالح۔ شاہ بیگہ، کتبہ (سرہانے کا)

(۱) وفات یافت شاہ بیگہ

(۲) مرحوم سلطان محمد ترخان
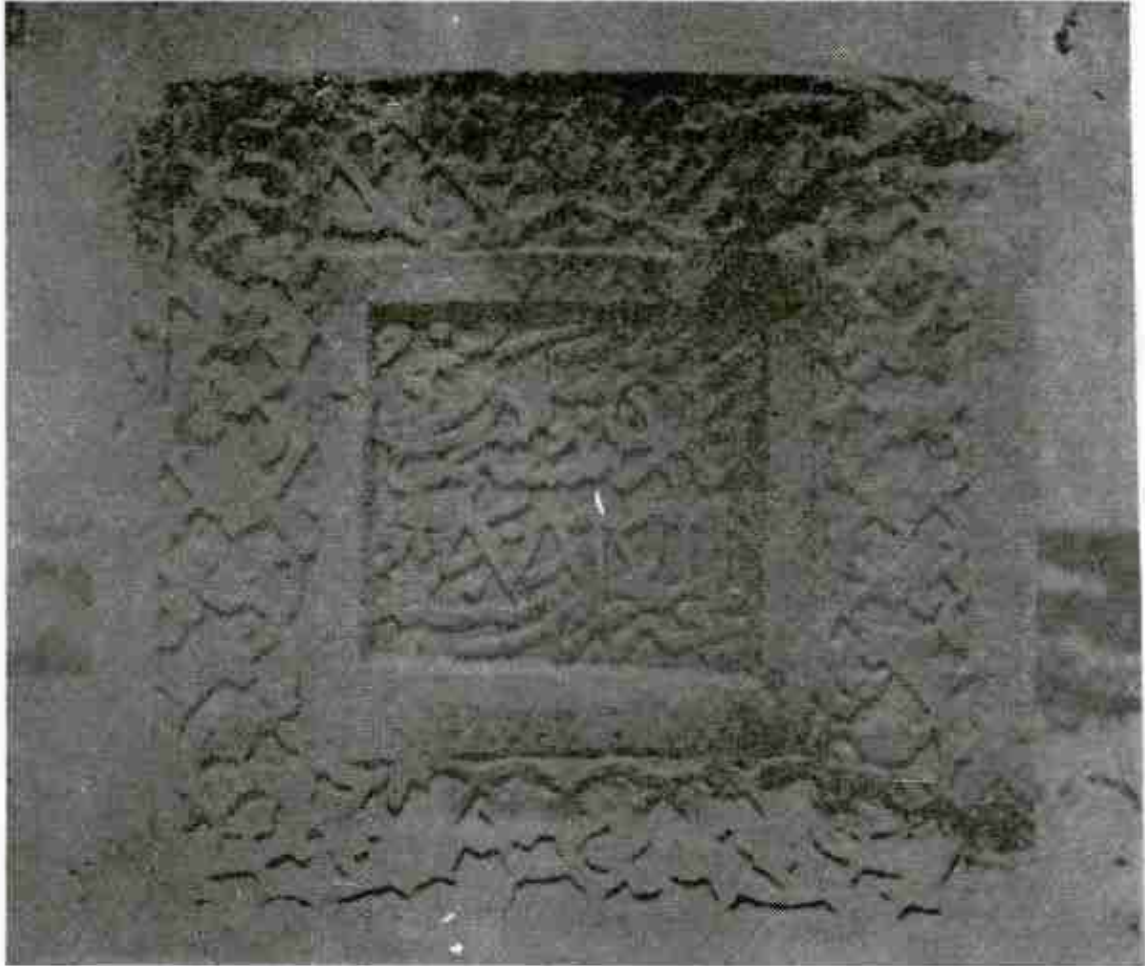
۱۰۵۔ گورستان محمد صالح۔ شاہ بیگہ۔ کتبہ (پائنتی کا) ۹۸۸ھ

(۱) بتاریخ بستم شہرذی

(۲) الحجہ الحرام سنہ ۹۸۸ھ

۱۰۶۔ گورستان محمد صالح۔ محمد علی (سرہانے کا کتبہ)

(۱) ....

(۲) ....

(۳) وفات یافت امیر مرحومی

۱۰۷۔ گورستان محمد صالح۔ محمد علی (پائنتی والا کتبہ)

(۱) الواصل الیٰ جوار الملک

(۲) المنان محمد علی بن امیر ولی ......(؟)

(۳) ترخان تاریخ ماہ محرم سنہ ۹۸۴ھ
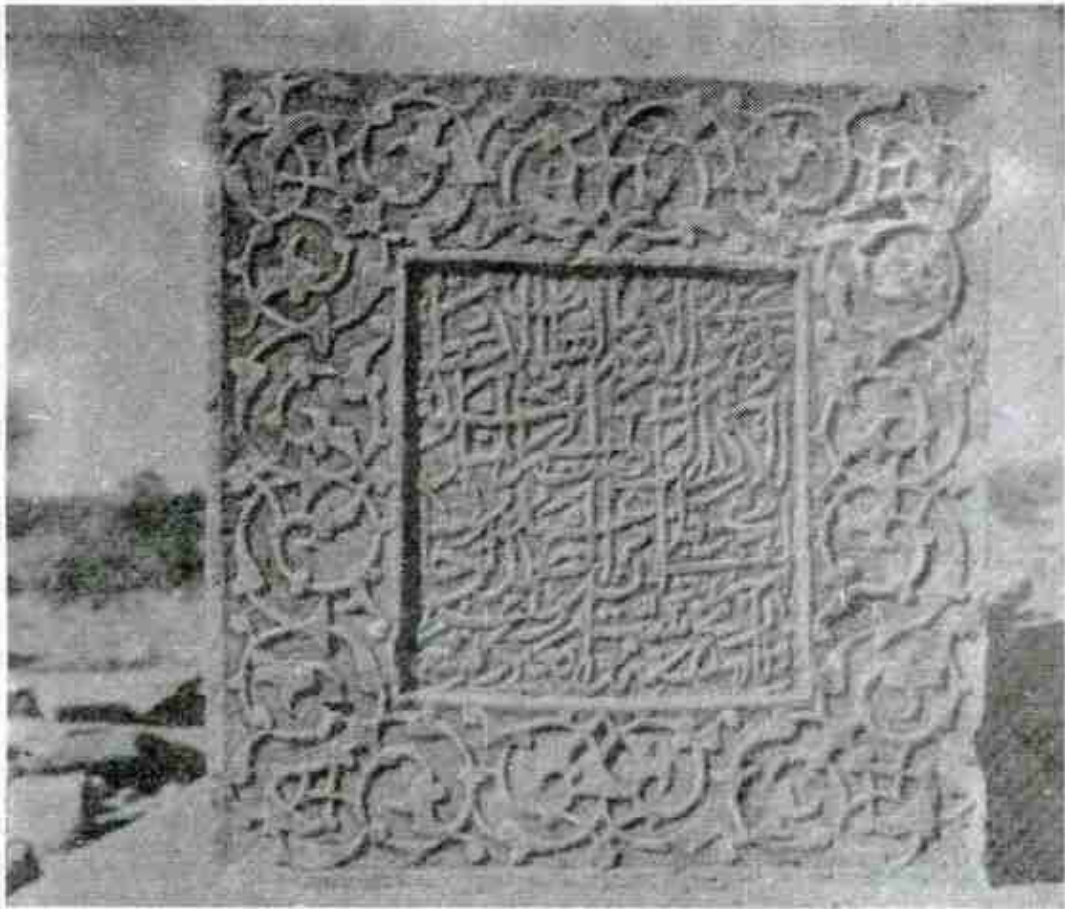
۱۰۸۔ امیر محمد قلی بن عبدالصمد ترخان ۹۴۶ھ

(۱) قد توفی الامیر الانتساب الاعظم

(۲) الاکرام الاواصل الیٰ رحمة

(۳) امیر محمد قلی بن عبدالصمد ترخان

(۴) فی تاریخ سنه ست و اربعین و تسع مائة
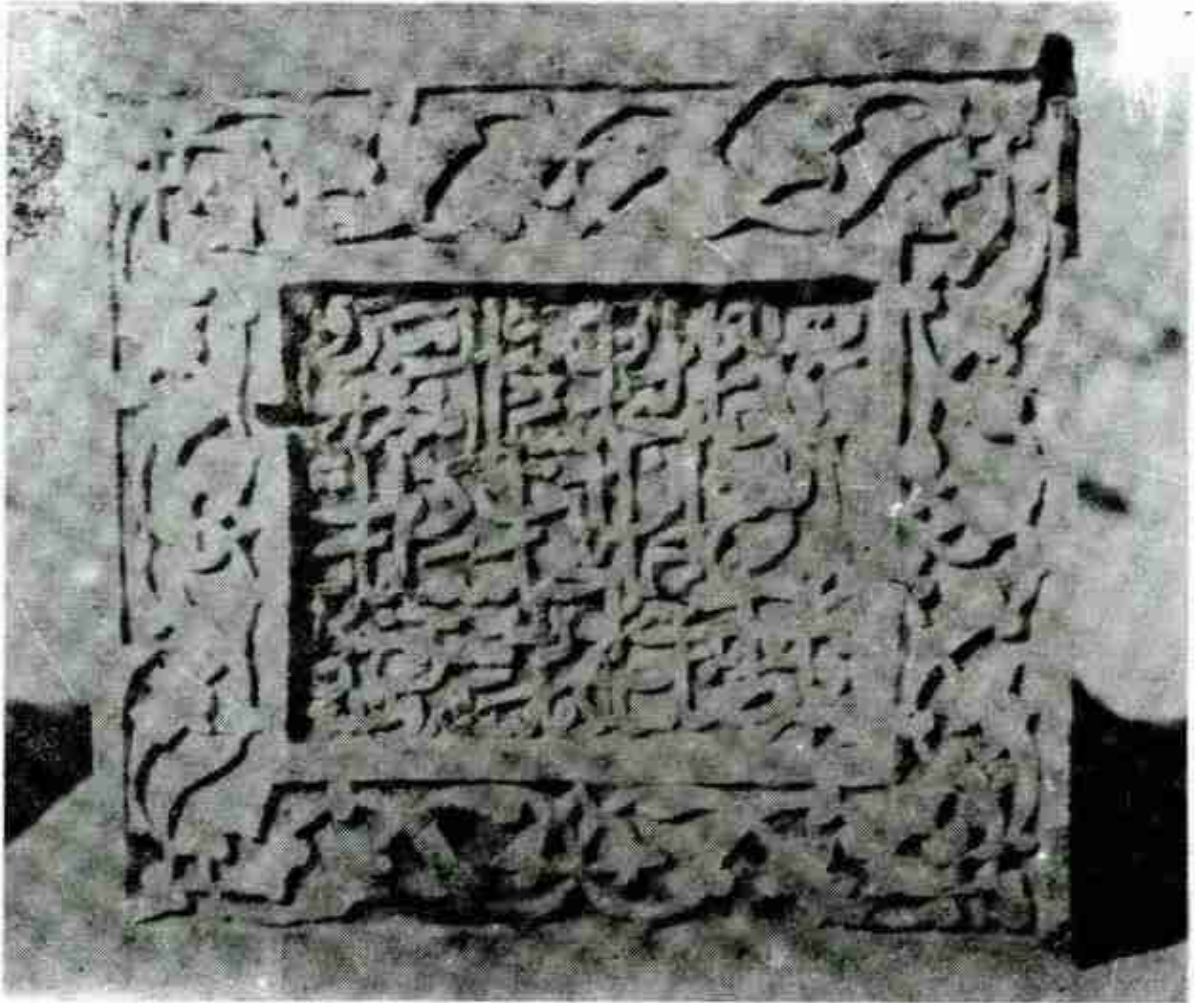
۱۰۹۔ (۱) وفات عالی جناب سیادت پناہ امیر مغفور مبرور

(۲) ابوالفتح ابن عالی جناب سیادت مآب

(۳) میر قاسم طغائی بتاریخ ماہ؟ سنہ خمس خمسین تسعمائۃ

(۱) کتاب میں خداداد کی لکھائی درج کی ہوئی ہے۔
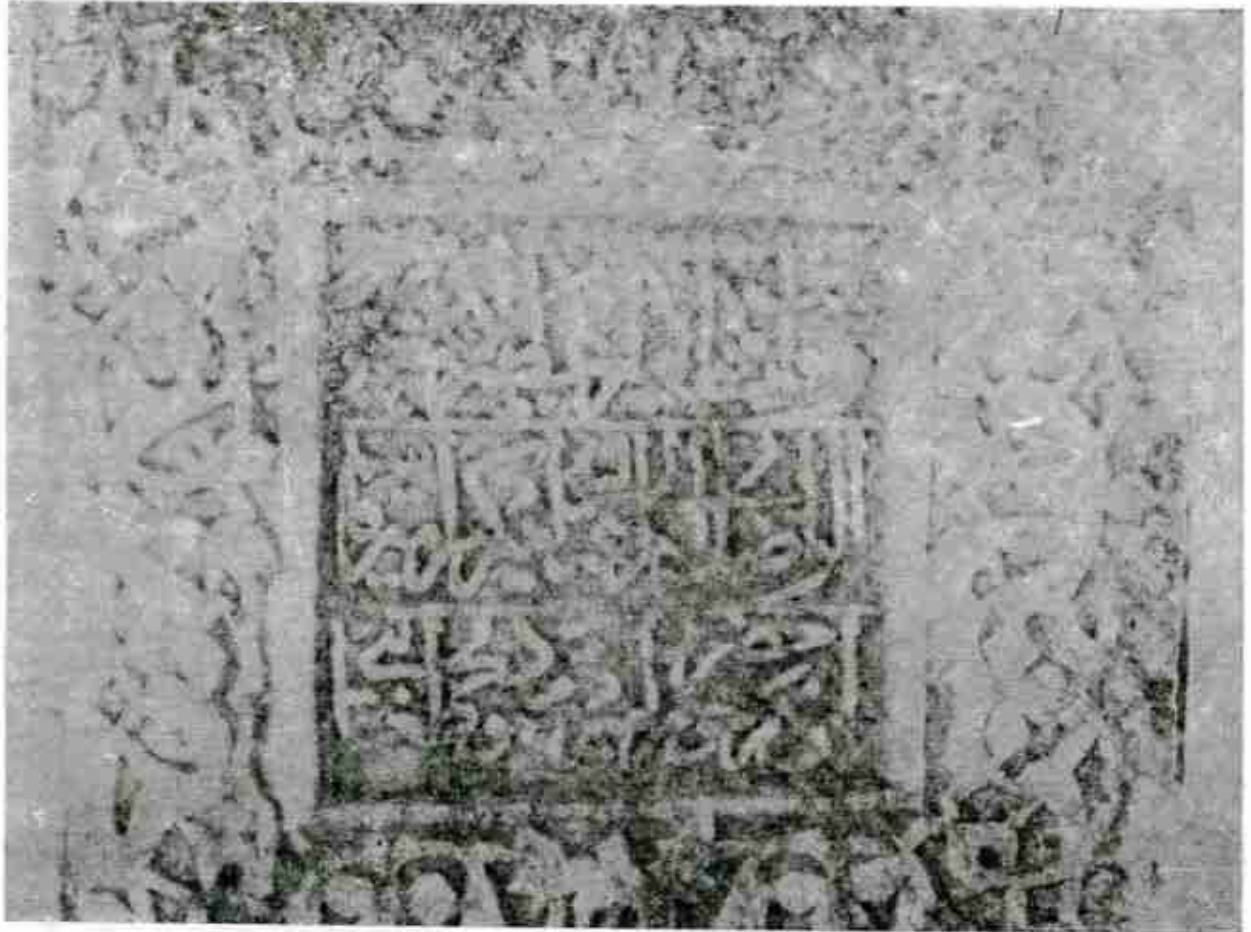
۱۱۰۔ سرہانے کا کتبہ

(۱) وفات یافت امیر الاعظم مرحوم و مغفور

(۲) الواصل الی رحمۃ اللہ امیر کبیر امیر قاسم

(۳) ابن حضرت مرحوم امیر محمود طغائی

(۱) کتاب میں عبارت سطروں کے مطابق درج نہیں ہیں۔
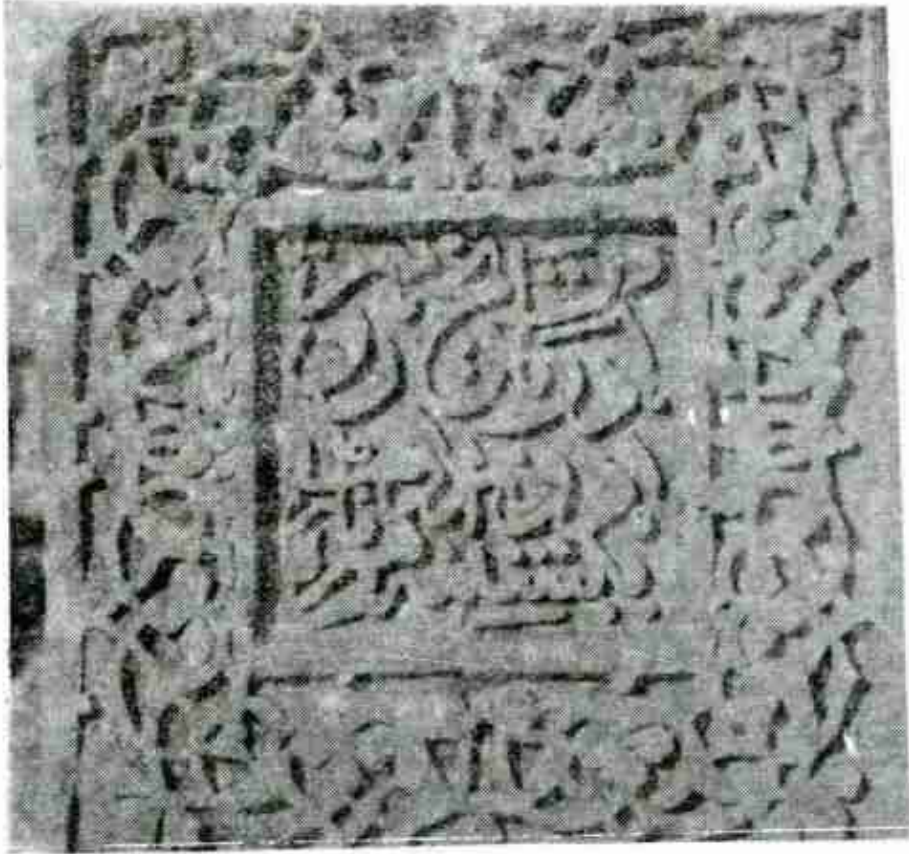
۱۱۱۔ پائنتی والا کتبہ

(۴) در تاریخ روز

(۵) یکشنبہ دوازدھم ماہ رجب ۹۶۵ھ

(۱) کتاب میں عبارت سطروں کے مطابق درج نہیں ہیں۔
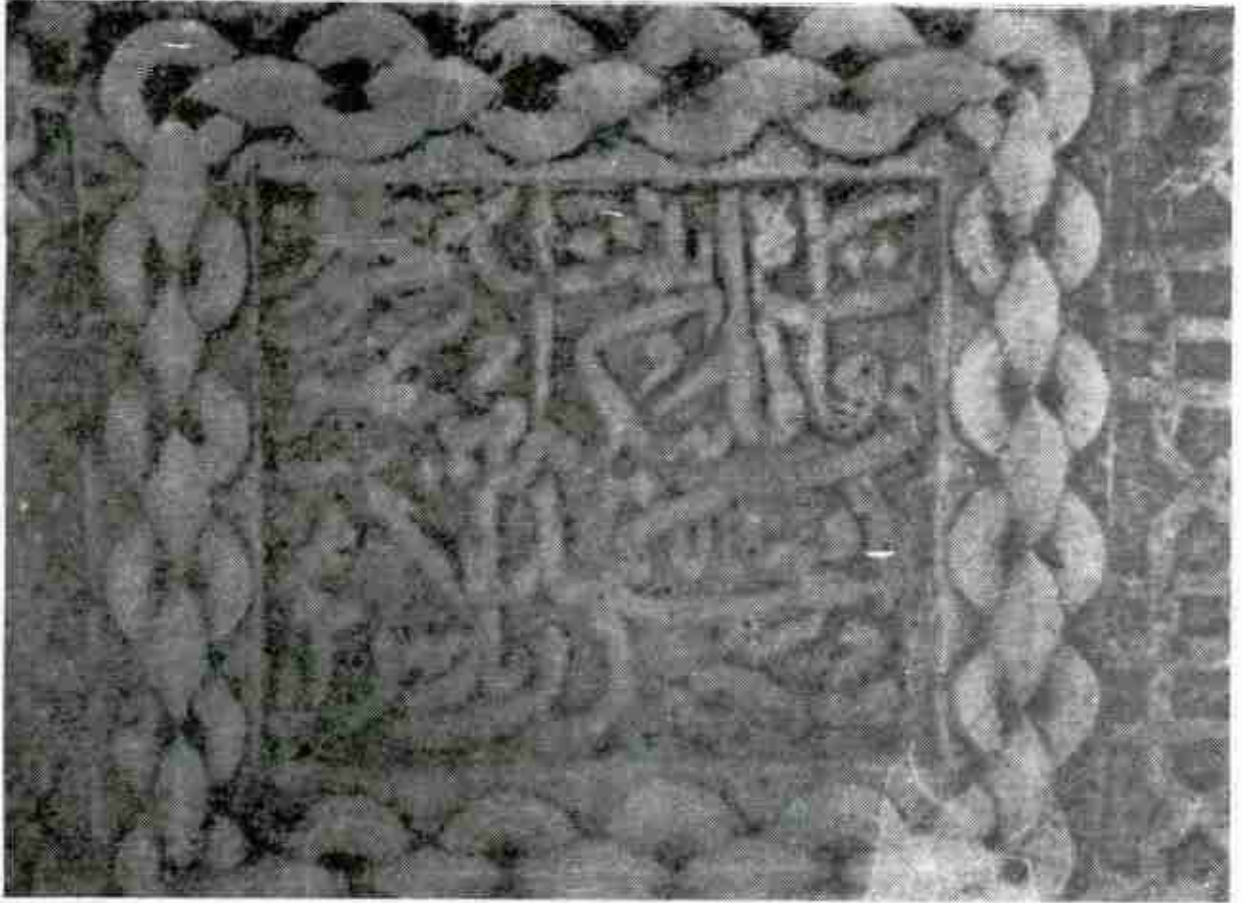
۱۱۲ - سنہ ۹۷۶ھ

(۱) وفات ماہ بیگہ بنت امیر مرحوم

(۲) محمد امیر حیدر برلاس

۱۱۳ ۔ سنہ ۹۸۴ھ
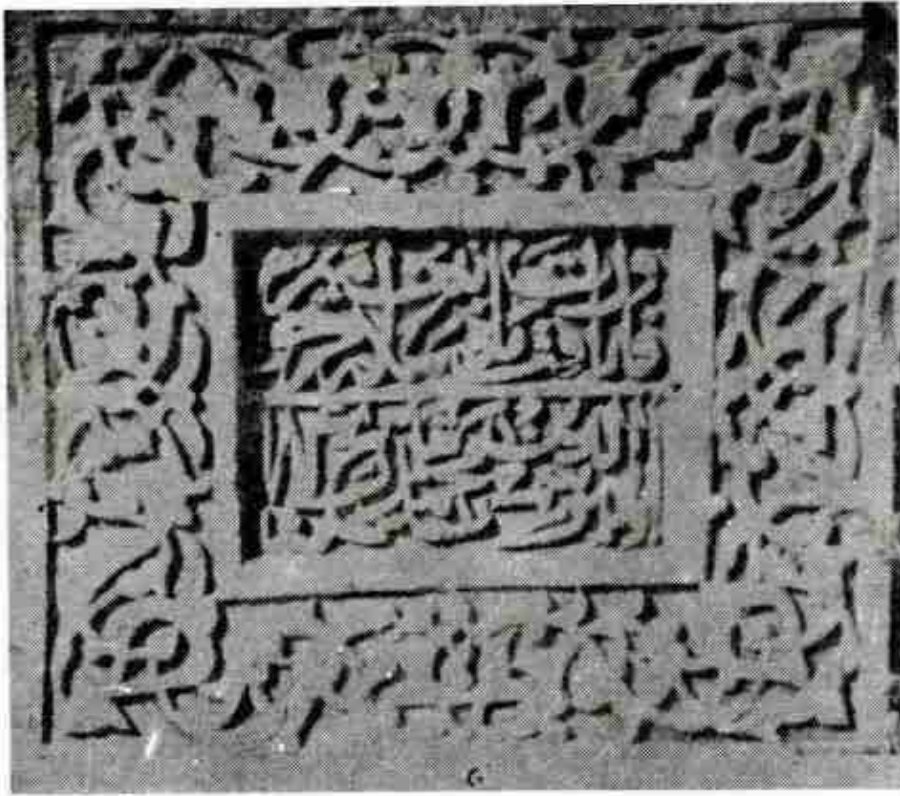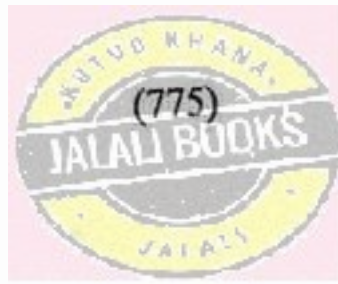
(۱) وفات یافت ماہ بیگہ بنت امیر مرحوم

(۲) امیر شمس الدین محمد بتاریخ سنہ ۹۸۴ھ

۱۱۴۔ سنه ۱۰۰۰ھ
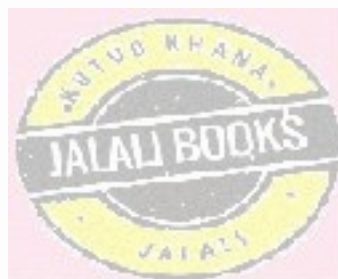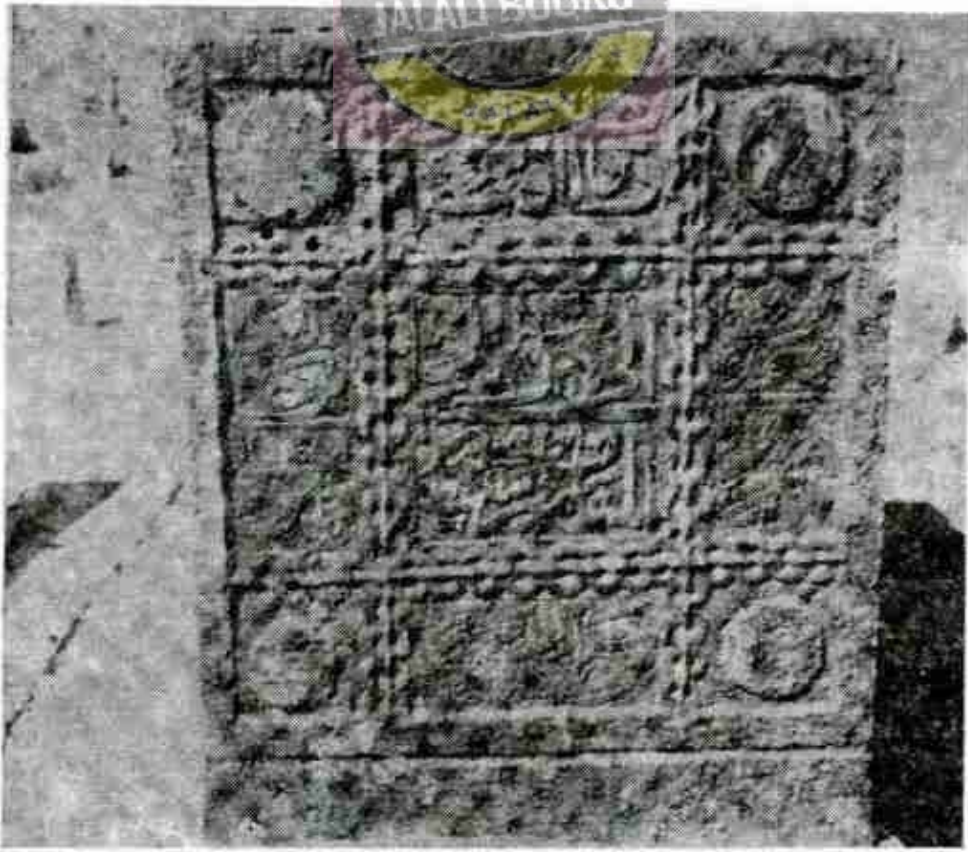
(۱) وفات یافت مرحومی
(۲) مغفوری
(۳) الواصل
(۴) الی جوار الملك
(۵) المنان امیر میرمحمد بیگ
(۶) ترخان بن
(۷) محمد ....
(۸) ترخان بتاریخ ؟ سنه ۱۰۰۰ھ

---

(۱) کتاب میں ستروں کے مطابق درج نہیں ہیں، اوپر دی ہوئی لکھائی بھی مشکوک ہے۔
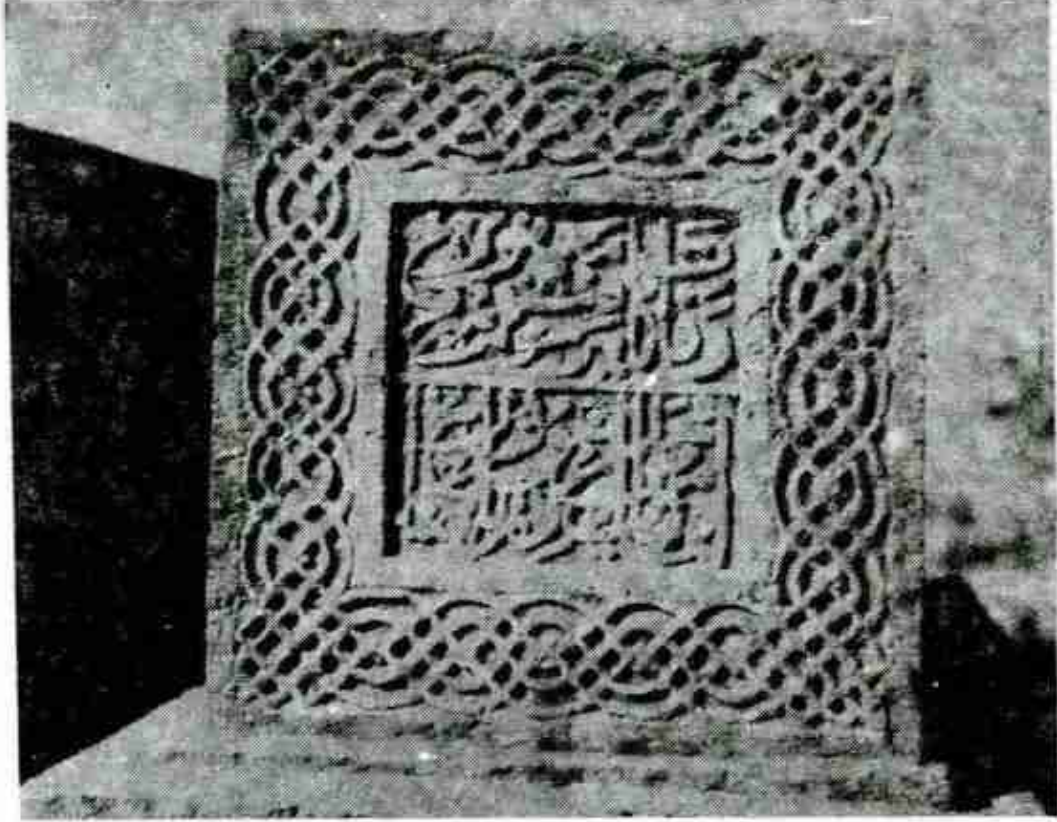
۱۱۵ - سنہ ۱۰۰۰ھ

(۱) وفات یافت مرحوم مغفور میر فرخ

(۲) بن امیر محمد بیگ ارغون در تاریخ سنہ ۱۰۰۰ھ

(۱) کتاب میں سطریں آگے پیچھے نقل ہے۔

۱۱۶- سنہ ۱۰۰۱ھ

(۱) وفات یافت مرحومی مغفوری

(۲) میر سلطان قلی بن میر سلطان

(۳) مقیم بیگلار بتاریخ شہر جمادی الاول سنہ ۱۰۰۱ھ

۱۱۷۔ (۱) وفات یافت مرحومی مغفوری

(۲) امیر محمد قلی بن سلطان احمد قلی بیگلار

(۱) کتاب میں عبارت سطروں کے مطابق درج نہیں ہیں۔

۱۱۸ ۔ (۱) چو در برج اجل بنمود جوزای

(۲) جدا گشت از اسد ای وای ویلای
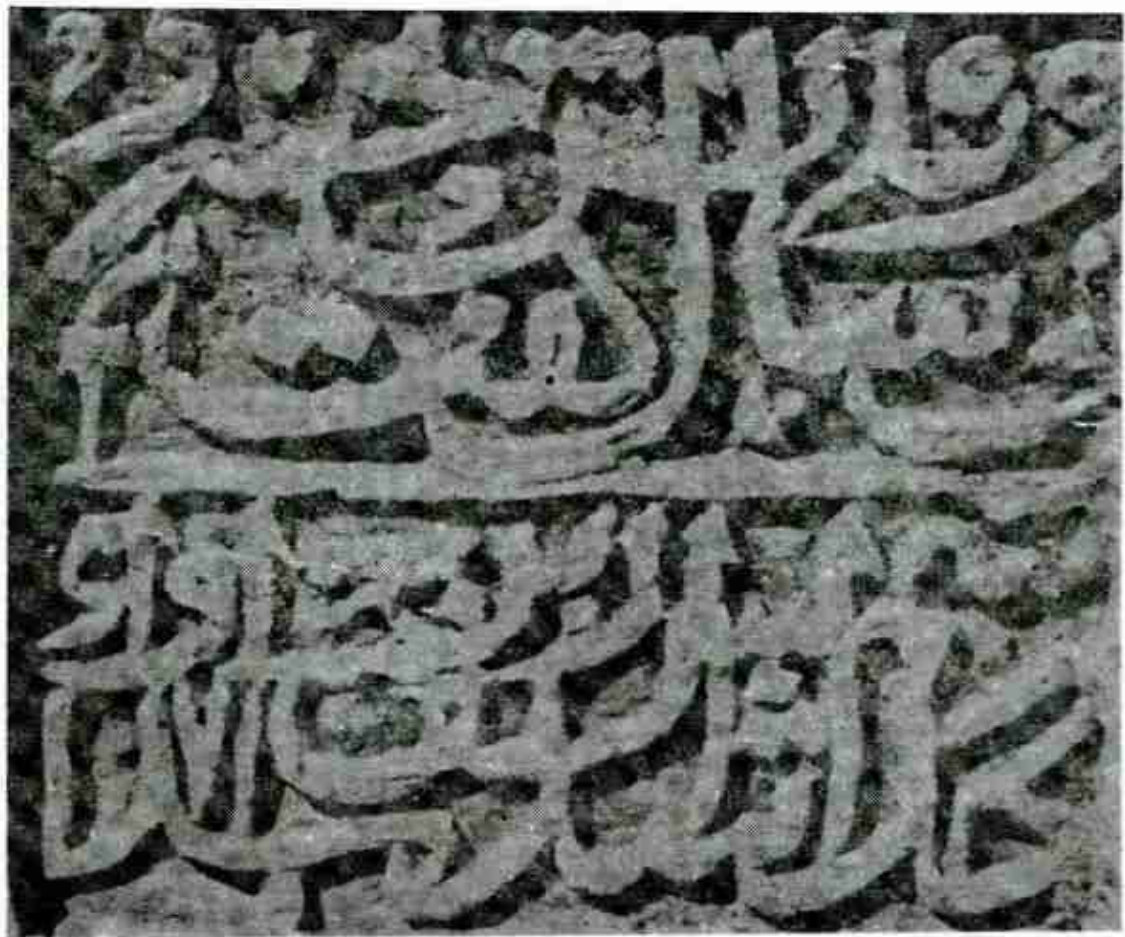
۱۱۹ـ (۳) پی سالِ وفاتش گفت خسرو

(۴) جدا شد شمس از برج اسد وادی
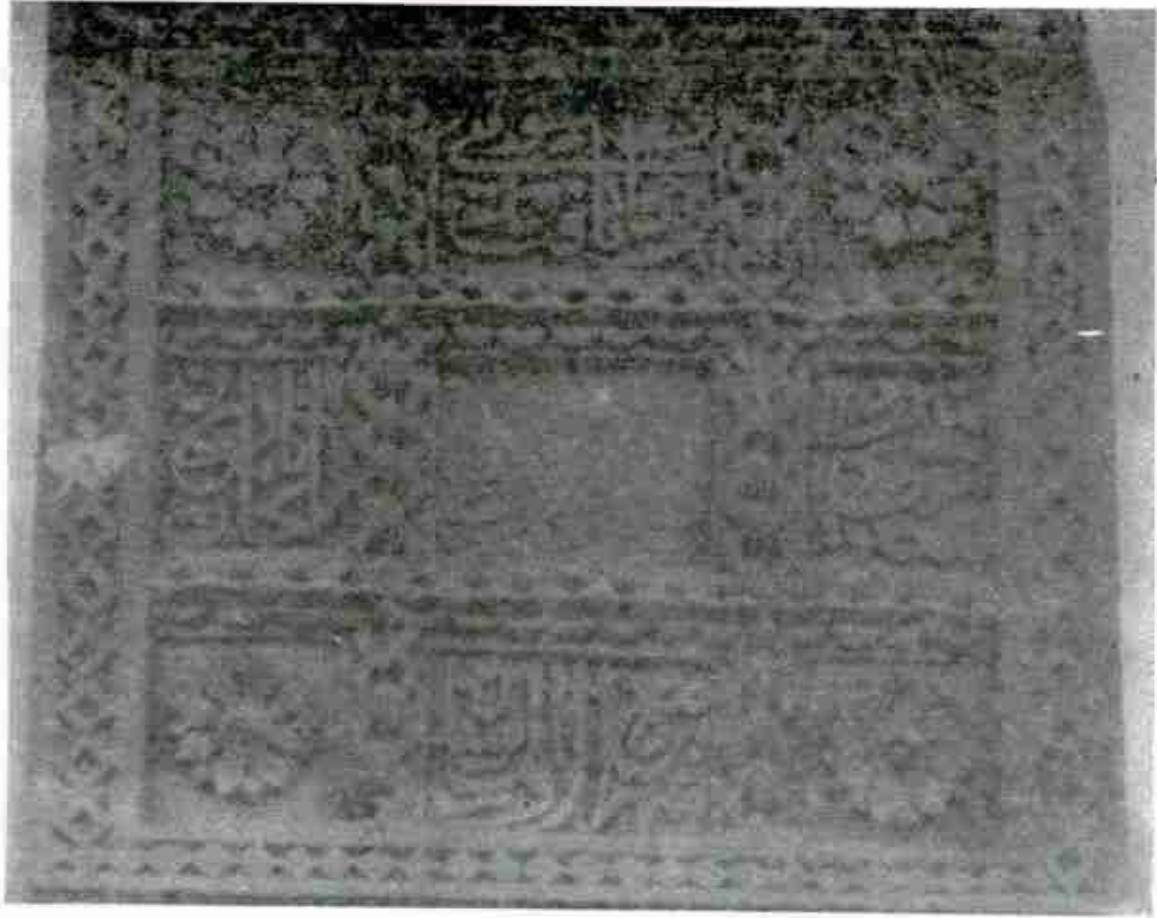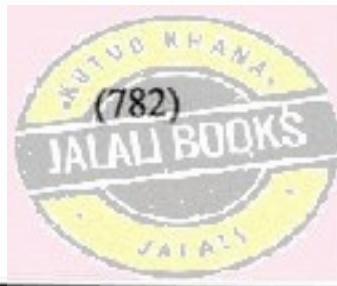
۱۲۰۔ میر متین بیگ ۱۰۲۲ھ

(۱) وفات یافت مرحومی

(۲) مغفوری میر

(۳) متین بیگ بن امیر

(۴) بائیخان تاریخ

(۵) شهر ربیع الاول سنه ۱۰۲۲ھ
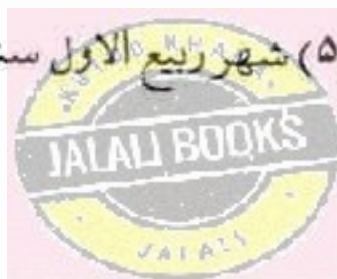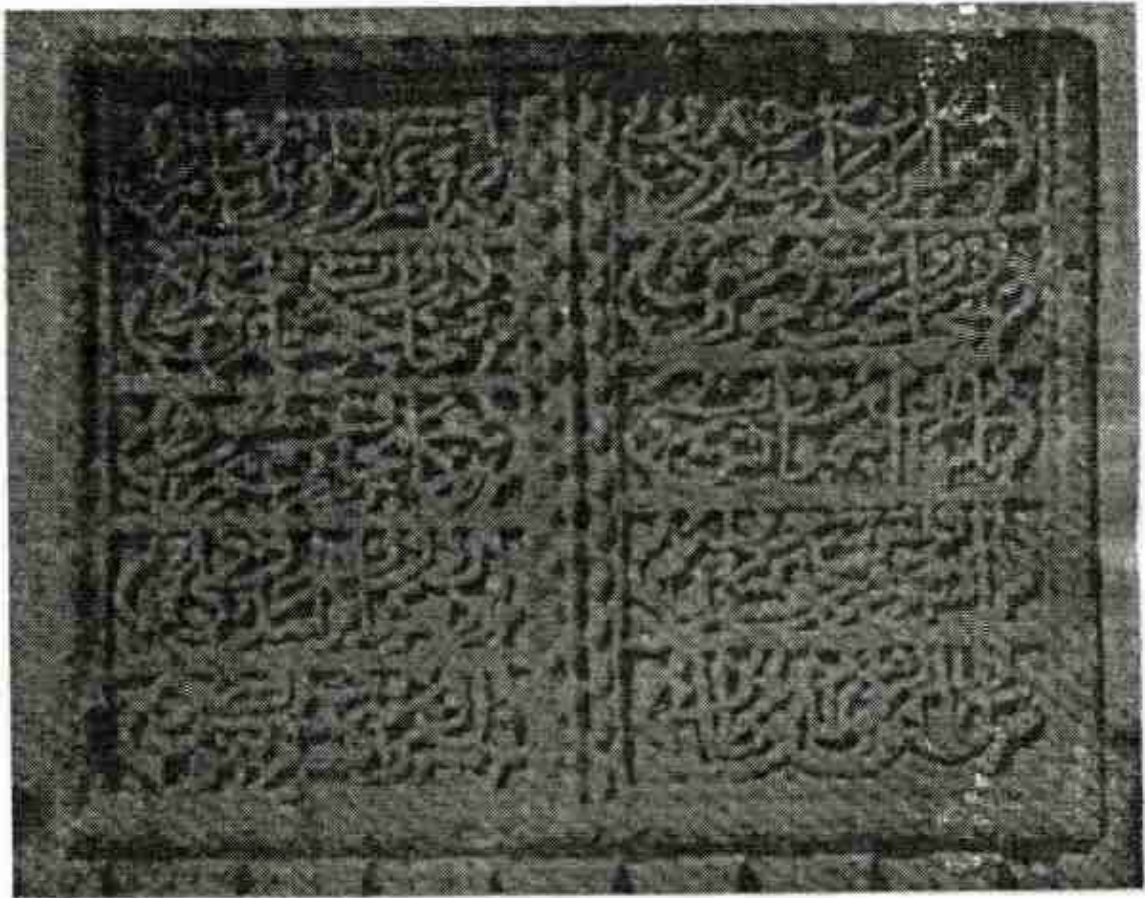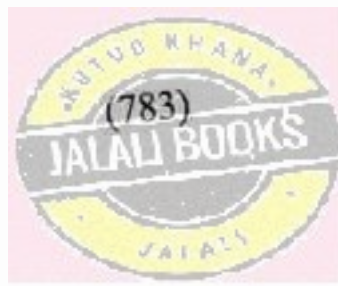
۱۲۱۔ امیر شمس الدین محمد
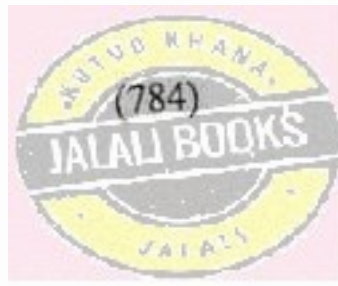
۱۲۲ـ وفات زاهد بیگ
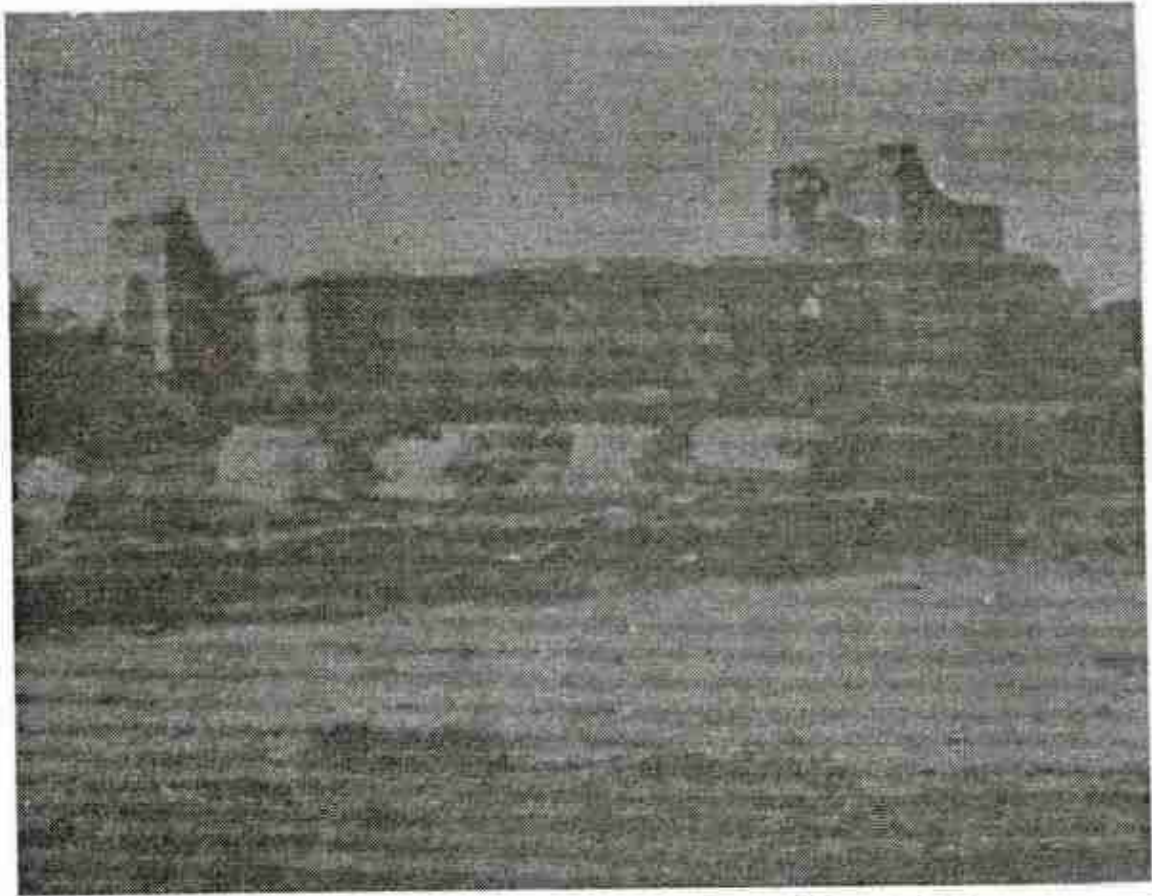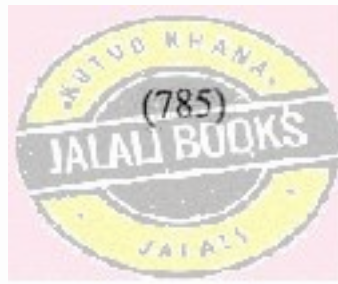
۱۲۳۔ گورستان سید محمد یوسف رضوی
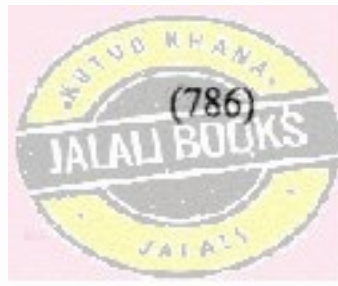
۱۲۴۔ سید محمد یوسف اور بدیسی رضوی کے مزارات
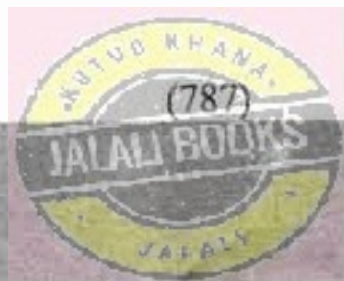
۱۲۵۔ جلوہ گاہ امامین
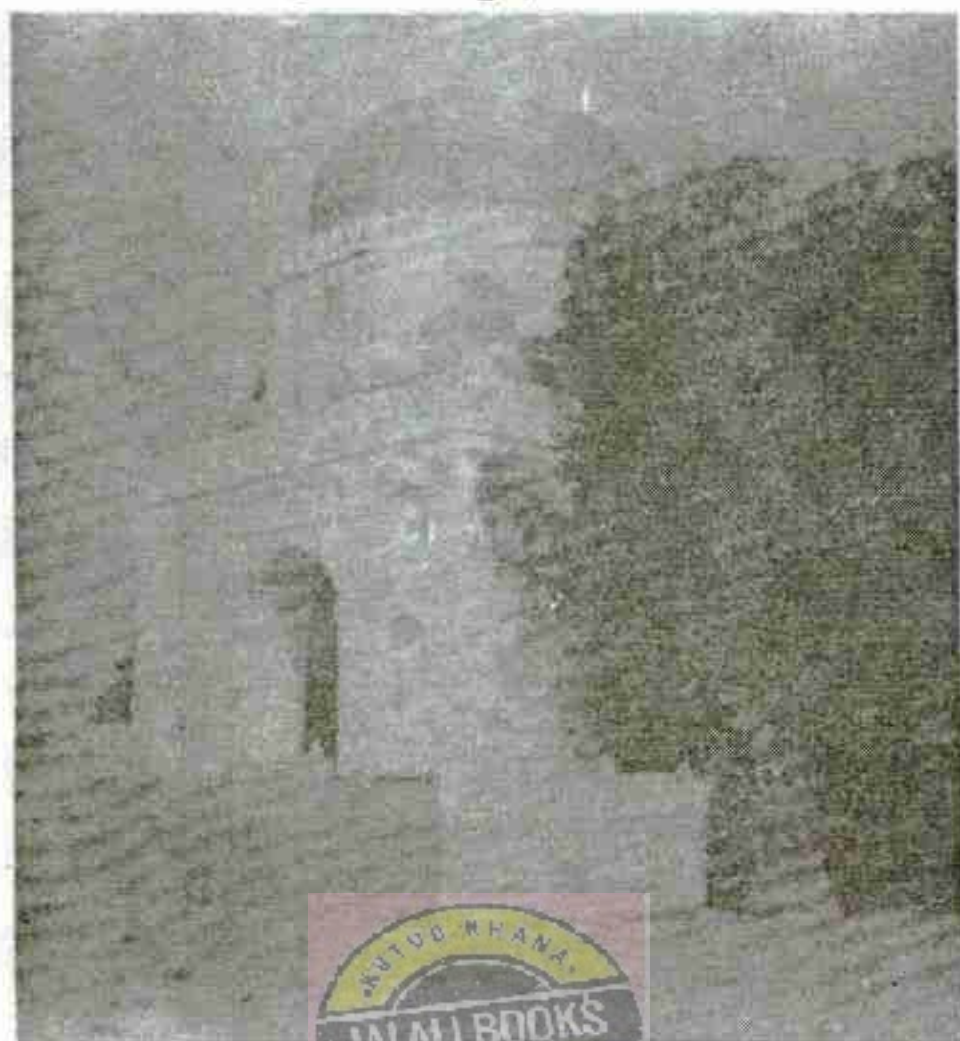
۱۲۶۔ جلوہ گاہ امامین
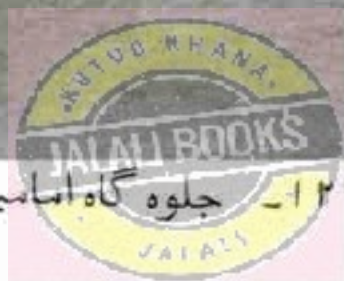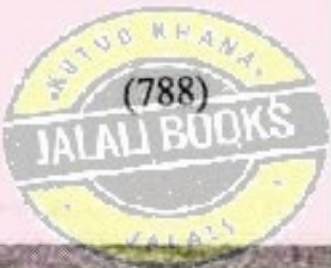
۱۲۷۔ جلوہ گاہ امامین کے دروازے کے کتبہ
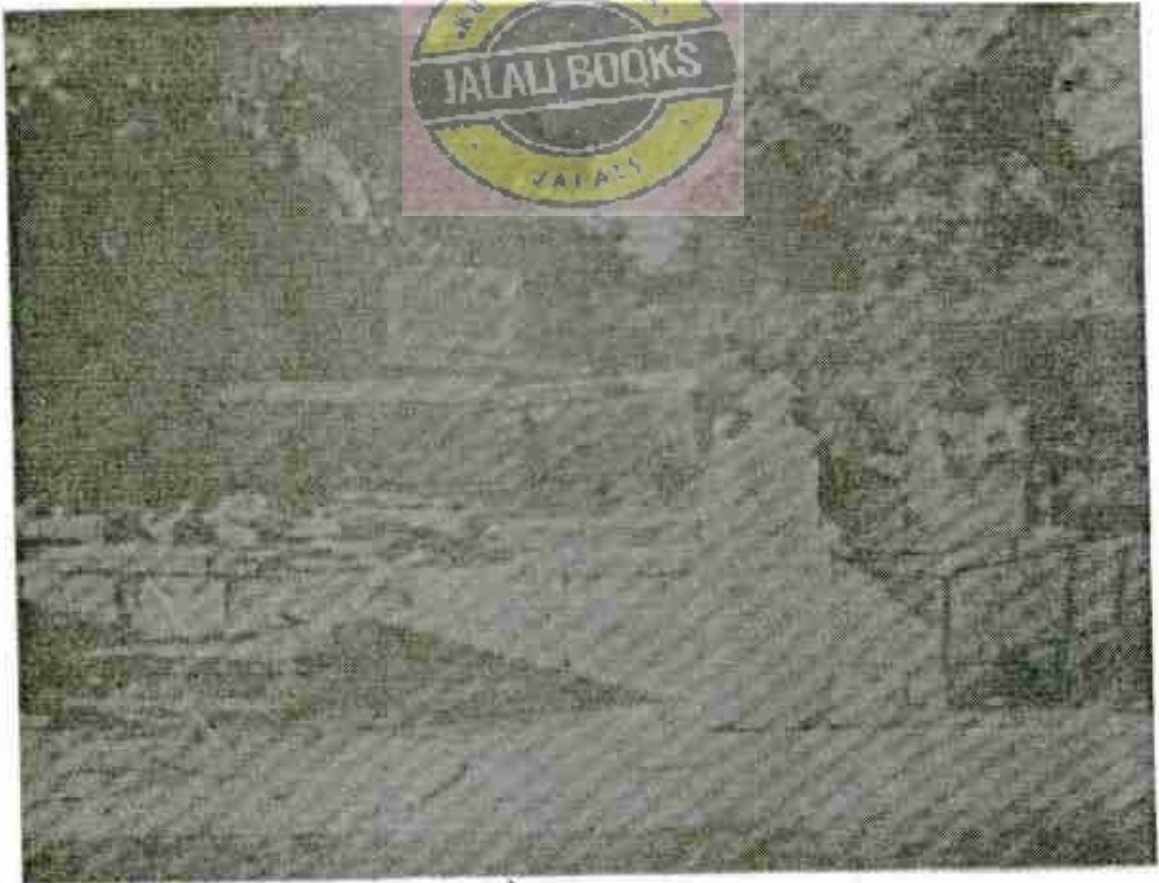
۱۲۸۔ نواب سیف اللہ خان کا مزار

۱۲۹۔ نواب سیف اللہ خان کے مزار کا کتبہ

۱۳۴ - طغرل آباد - مسجد و تالاب

۱۳۶۔ مسجد اسلام پور